

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۱۲ — ٹیلی فون نمبر ۵۳۵۲۵

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

نقوش

رسولؐ نمبر

جلد یازدہم

شمارہ نمبر ۱۳۰

جنوری ۱۹۸۵ء

مدیر:

محمد طفیل

ادارۂ فروغِ اردو • لاہور

قیمت لائبریری ایڈیشن : ۱۲۵ روپے

ترتیب

(۴) قرآنی دستور کے تحت نظامِ عدالت

(۵) عہدِ رسالت میں صوبائی نظامِ عدالت

محمد طفیل پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر نے نقوش پریس لاہور سے چھپوا کر ادارہ فروغِ اردو لاہور سے شائع کیا۔

طلوع

میں غریب انسان ہوں۔ ہر طرح سے غریب، طبیعت کے اعتبار سے غریب، عمل کے اعتبار سے غریب، علم کے اعتبار سے غریب، مگر میں نے منزل دُور کی اور سب سے اونچی منتخب کی۔ اپنا دامن نہ دیکھا۔ جھولی پھیلادی۔

دُور کی اس لیے کہ سیرتِ رسولؐ کے ضابطے کڑے تھے۔ نہ بے احتیاطی کو دخل، نہ لاپروائی کی گنجائش، حرف حرف تقدس آمیز تاثر کا طالب، اونچی اس اعتبار سے کہ دُنیا نے رسولؐ سے بڑا آدمی پیدا نہ کیا۔ یہ اللہ کی ایک کتاب میں نہیں لکھا ساری کتابوں میں لکھا موجود ہے۔

اِدھر اتنا بڑا امتحان، اُدھر میں اور میری نارسائیاں!

میں نے سوچا کہ اس مہم میں اگر ساری دُنیا کے لوگوں کو شامل نہ کیا تو بات کچھ بھی نہیں بنے گی، میرے کام اور اُس ہستی میں بڑا فاصلہ رہ جائے گا۔

کوئی لاکھ جتن کرلے فاصلہ تو باقی رہے گا ہی۔ قیامت تک باقی رہے گا۔ دنیا کے سارے دانشور، سارے اسکالر فاصلے کو پاٹ نہ سکیں گے۔ پھر بھی اثاثہ قابلِ ذکر تو ہونا چاہیے۔

اس دُھن میں اُردُو، فارسی، عربی اور انگریزی کے سیرتی ادب سے ان نمبروں کو سجا ڈالا۔ پھر بھی کسر ایک آنچ کی نہیں، ہزار آنچ کی رہ گئی۔ شاید کروڑوں اربوں آنچوں کی! کیا کروں؛ بڑی بے بسی ہے۔

غرض دنیا کے جتنے خزانے تھے وہ حاضر کر دیے۔ پھر بھی سیرت کا کوئی ایک گوشہ بھی تو پوری طرح منور نہ ہوا۔ اطمینان صرف اتنا ہے کہ جتنا کچھ یہ ہے اتنا کچھ اس سے پہلے موجود نہ تھا۔

آرزوئیں بہت بے قابو ہوتی ہیں۔ یوسفؑ کی خریداری کو ایک بڑھیا بھی تو نکلی تھی، وہ یوسفؑ کو خرید تو نہ سکی۔ مگر ارمانوں کو سجاوٹ دے گئی!

مجھے راستہ دکھا گئی!

محمد طفیل

○

اس شمارے میں

میں نے جب بھی کوئی دُعا مانگی وہ قبول ہُوئی۔ ۱۹۶۹ء میں آل انڈیا ریڈیو سے یہ خبر نشر ہُوئی کہ غالب کے ہاتھ کی لکھی ہُوئی وہ بیاض مل گئی ہے جو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں گُم ہوگئی تھی۔ اس خبر کے سنتے ہی دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھ گئے: یا اللہ! اُس بیاض کو سب سے پہلے نقوش میں چھپنا چاہیے۔ بظاہر یہ بات ناممکن تھی، کیونکہ سرکاری طور پر اس بیاض کا بڑا غلغلہ تھا۔ وزیرِ اعظم ہندوستان اس کا افتتاح کر رہی تھیں۔ مگر کرنا خدا کا یہ ہُوا کہ وُہ بیاض پہلے نقوش میں چھپی۔ یہ ایک چھوٹی سی خواہش تھی لیکن ادبی اعتبار سے بہت بڑی خواہش تھی!

جب میں نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو یہ لکھا کہ رسول نمبر کے لیے کوئی خاص چیز دیجئے، تو انھوں نے بتایا کہ سیرت ابنِ اسحاق دریافت ہوئی ہے مسوّدہ بھی تیار کر کے پبلشر کے حوالے کر دیا ہے مگر وہ ابھی تک چھپی نہیں، پبلشر کو خط لکھئے کہ جلد چھاپ دیں، چھپ جائے تو آپ اس کا اردو ترجمہ چھاپ دیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا کیونکہ ہم سب تیرہ سو سال سے یہ سنتے آرہے تھے کہ سیرۃ ابنِ اسحٰق کا وجود ہے مگر وہ معاملہ سب کی دسترس سے باہر رہا۔ الحمد للہ کہ اتنے عرصے کے بعد آج ہم اس قابل ہوئے کہ سیرتِ ابنِ اسحٰق کو اُردو میں پہلی بار چھاپنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں۔ اب سیرت کی کتابوں کو اس سیرت کی روشنی میں بھی جانچا سمجھا اور لکھا جائے گا۔ پہلے ہم یہ جُملہ پڑھتے تھے کہ ابنِ اسحٰق نے یہ کہا، اب یُوں پڑھیں گے کہ ابنِ اسحٰق نے یہ لکھا۔ یہ سعادت کوئی معمولی سعادت نہیں جو ہمارے حصّے میں آئی۔

عہدِ نبویؐ کی جنگوں اور سرایا کے بارے میں کئی نوع کے مضامین لکھے گئے۔ مگر اُن کا اقتصادی پہلو کیا تھا۔ یہ عنوان سیرت کی کتابوں میں نہ ملا، یا اتنی تفصیل سے نہ ملا۔ اُردو کے لیے یہ موضوع نیا ہے اور بے حد اہم!

مستشرقین نے حضورؐ پر کئی اعتراضات کئے جو ان کی کم علمی اور تعصب پر مبنی تھے۔ اِس مضمون میں اُن اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ میں نے تو اس موضوع کو پہلے دانستہ چھوڑ دیا تھا اس لیے کہ مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں کو نقل بھی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر اس موضوع کا احاطہ نہ کرنا بھی ایک کمی کے مترادف تھا۔ چنانچہ اس موضوع کو علماء کی خواہش کے مطابق شامل کیا گیا ہے۔

حضورؐ کے وقت عدلیہ اور انتظامیہ کا نظام کیا تھا۔ اس پر کچھ مواد موجود ہے۔ مگر اُس نظام پر جو اعتراضات ہُوئے اُن کے رد کے ساتھ جائزہ نہیں لیا گیا تھا۔ یہ مضمون موعودہ کمی کو بھی پُورا کرے گا۔ یہ مضمون ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے مگر اس اہتمام کے ساتھ کہ ڈاکٹر صاحب نے ضروری اضافے بھی کر دئے۔ خلفاء پر جو مضمون تیرھویں جلد میں شامل ہے وہ بھی اسی مضمون کا حصہ ہے۔

غرض یہ جلد بھی بہت سی نئی باتوں کے اظہار میں مدد دے گی۔ ان نمبروں کی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ زیادہ تر نئے موضوعات کا احاطہ ہو، ورنہ محض خانہ پُری کوئی خدمت نہ ہوتی!

وہ کچھ کہنا اور کرنا چاہیے جو ضروری ہو، ورنہ بھیڑ میں تو آدمی گم ہو جاتا ہے۔

محمد نقوش

سیرتِ ابنِ اسحٰق

مسماۃ

بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی

جسے اہلِ علم تیرہ سو ۱۳۰۰ برس سے ڈھونڈ رہے تھے

تالیف

محمد بن اسحاق بن یسار
۸۵ - ۱۵۱ ھ

تحقیق و تعلیق

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

ترجمہ

نور الٰہی ایڈووکیٹ

تقدیم

اس میں کوئی شک نہیں کہ سیرتِ ابن اسحاق میں سے کتاب ہٰذا کی اشاعت کو عربی علمی ورثہ کے احیاٗ کی تاریخ میں ہمیشہ ایک عظیم واقعہ شمار کیا جائے گا۔ علماٗ و محققین کے قلوب مدتِ دراز سے اور بالخصوص اس وقت سے جبکہ جامعہ قرویین کے خزانہ سے سیرت کے کچھ قطعات دریافت ہوئے اس کتاب کی طرف راغب و مشتاق تھے۔ اس سے قبل یہ گمان ہو چکا تھا کہ یہ کتاب بہ تمام و کمال صفحۂ ہستی سے ناپید ہو چکی ہے اور اس کے کسی حصہ کی دستیابی سے مایوسی لاحق ہو چکی تھی۔

بلاشبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو انسانیت کو فکری، روحانی اور سیاسی غلامی سے نجات دلانے والے ہیں ان کی حیاتِ طیبہ کے بارے میں محمد بن اسحاق کی مؤلفہ سیرت صحیح ترین اور مستند ترین مراجع میں سے ہے اور وہ تمام لوگ جنہوں نے سیرت کے موضوع پر لکھا ہے انہوں نے اس کتاب پر اعتماد کیا ہے۔ اکابر نقاد علماٗ کی رائے محمد بن اسحاق کے متعلق اس قدر اچھی تھی کہ انہوں نے امام بخاری سے قبل ابن اسحاق کو "امیر المومنین فی الحدیث" کے لقب سے ملقب کیا اگرچہ بعض علماٗ نے روایتِ حدیث میں ابنِ اسحاق کے طریق کار کو ہدفِ تنقید بنایا ہے لیکن اس بات پر تقریباً اجماع ہے کہ مغازی اور ظہورِ اسلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قرنِ اول کے متعلق ان کی خبروں کو قابلِ اعتماد ماخذِ تاریخ کی حیثیت حاصل ہے۔

علامہ محقق استاذ محمد حمید اللہ نے اس کتاب کو منصۂ شہود پر لانے اور اس کی طباعت میں جو کوشش صرف کی ہے میں اس کی تعریف و تحسین کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انہوں نے اس کی تصحیح و مراجعت میں بزرگوں کے سے صبر کا مظاہرہ کیا کیونکہ اس ضمن مغرب کے علاوہ دیگر علاقوں سے خط و کتابت مطلوب تھی اور اس کے لیے طویل عرصہ درکار تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انہوں نے اس جلیل القدر کتاب کو پردۂ خفا سے نکال کر اس تحقیقی اور قیمتی اشاعت کا کام مکمل کر دیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کا حامی و ناصر ہو کہ انہوں نے ہمارے اسلامی علمی ورثہ کی اشاعت، حقیقتِ اسلام اور مغربی علاقوں پر اسلام کے احسانات کی تعریف و تبلیغ اور اسلام اور اس کے ابدی پیغام کی مدافعت کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔

انہوں نے مسلمانوں کے ہاں علمِ تاریخ پر عمیق بحث کرتے ہوئے اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے اور جملہ مصادر کو کھنگال کر ابنِ اسحاق کی زندگی اور ان کے علمی کارنامے پر خلاصہ کی شکل میں سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور اس مقدمہ کے آخر میں

جملہ مصادر کی فہرست شامل کردی ہے۔

نیز استاذ سید محمد طاہر فاسی کا شکریہ ادا کرتے ہُوئے میں خوشی محسوس کرتا ہُوں جو اس کتاب کی تصحیح و مقابلہ میں شریک رہے۔ استاذ حمید اللہ نے لکھا ہے کہ مستشرقین سیرتِ ابنِ اسحاق اور اس کے مؤلف کے بڑے مدّاح اور گرویدہ ہیں اس لیے تتمیمِ فائدہ کے لیے ان میں سے بعض اہم شخصیتوں کی طرف ہم ذیل میں اشارہ کرتے ہیں تاکہ جو لوگ اجنبی زبانیں اچھی طرح جانتے ہیں وہ آسانی کے ساتھ ان کی کتابوں اور حاصلِ مطالعہ کی طرف رجوع کر سکیں:

(۱) بروکلمان: تاریخ الادب العربی، ج ۱، ص ۱۳۴ - خصوصاً ذیل ج ۱، ص ۲۰۵ (بزبانِ جرمن)۔

(۲) فوک: محمد بن اسحاق (بزبانِ جرمن)۔

(۳) ہیروفیٹس: کتب السیرۃ الاولیٰ و مولفوہا (بزبان انگریزی) صفحات ۱۶۸ - ۱۸۰ -

(J. HOROVITZ: THE EARLIEST BIOGRAPHIES OF THE PROPHET AND THEIR AUTHORS)

(۴) روبسن: استعمال ابن اسحاق للاسناد (بزبانِ انگریزی) صفحات ۴۴۹ - ۴۶۵ -

(J. ROBSON: IBN ISHAQ'S USE OF ISNAD)

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ان تمام لوگوں کو جو اسلامی علمی ورثہ کے احیاء کے لیے دن رات سرگرمِ عمل ہیں اپنے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے اور بلادِ اسلامیہ کے لوگوں کے قلوب کو اس مبارک تحریک کی حوصلہ افزائی کی طرف راغب کرے جس کے ذریعہ سے آنے والی نسلیں علم و ثقافت کے میدانوں میں اپنے اسلاف کی تحقیقات سے روشناس ہو سکیں گی۔

واللہ ولی التوفیق - اور اس کام کی توفیق کا انحصار اللہ تعالیٰ کی امداد پر ہے۔

محمد الفاسی

باب ۱

سلسلۂ نسبِ پاک

(از حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تا حضرت آدم علیہ السلام)[1]

(۱) ابو محمد عبد الملک بن ہشام نے کہا کہ یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کے بارے میں ہے۔ آنحضرتؐ کا شجرۂ نسب درج ذیل ہے:

محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب (اصل نام شیبہ) بن ہاشم (اصل نام عمرو) بن عبد مناف (اصل نام المغیرہ) بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (اصل نام عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اد بن مقوم بن ناحور بن تیرح بن یعرب بن یشجب بن نابت بن اسماعیل بن ابراہیم خلیل الرحمان بن تارح (اصل نام آزر) بن ناحور بن ساروح بن راعو بن فالخ بن عیبر بن شالخ

---

[1] نسبِ پاک سے متعلق سیرت ابن ہشام پر استاذ محمد محی الدین عبد الحمید مرحوم ازہری کا ذیلی نوٹ قابلِ ملاحظہ ہے:

عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہ ہمیں کسی ایسے شخص کے بارے میں معلوم نہیں جو عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان کی نسبی کڑیوں کو جانتا ہو۔ حضرت ابنِ عباس کا بیان ہے کہ عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان تیس اجداد ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ہمارا انتساب عدنان تک صحیح ہے اور اس سے اوپر کے سلسلے کو ہم نہیں جانتے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ یہ روایت منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے صرف عدنان تک انتساب کیا ہے بلکہ ابن عباسؓ کی سند سے ایک روایت یہ ہے کہ جب آپ عدنان تک پہنچے تو آپؐ نے فرمایا کہ علماءِ انساب کا بیان جھوٹ سے مبرا نہیں ہے۔ امام مالکؒ اور علماء کی ایک جماعت نے اس بات کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرے۔ کیونکہ عدنان سے اوپر کا شجرہ نسب کوئی حتمی چیز نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے بلکہ ظنیات کے قبیل سے ہے۔ مزید برآں مذکور اسماء کی املاء میں بھی کثیر اختلاف پایا جاتا ہے۔

(مترجم)

بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ (بعض کے نزدیک یہی ادریس نبی علیہ السلام ہیں ۔ واللہ اعلم ۔ بنی آدم میں یہ پہلے شخص ہیں جنہیں نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور جنہوں نے قلم استعمال کیا) بن یرد بن مہلیل بن قینن[۱] بن انوش بن شیث بن آدم ابوالبشر علیہ السلام ۔

(۲) احمد بن عبدالجبار نے یونس بن بکیر کی وساطت سے بیان کیا کہ ابن اسحاق کی ہر حدیث قابلِ استناد ہے۔ اس نے یہ چیزیں مجھے املا کرائیں یا پڑھ کر سنائیں یا مجھ سے بیان کیں اور غیر مستند مضامین جو ابنِ اسحاق کو سنائے گئے تھے وہ اس نے نقل نہیں کیے ۔

(۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت بیان کی ہے کہ عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کعبہ کے پاس مقامِ حجر میں سو رہے تھے کہ حالتِ خواب میں کسی آنے والے نے انہیں زمزم کھودنے کا حکم دیا۔ کہا جاتا ہے کہ چاہِ زمزم بنی اسماعیل اکبر اور جرہم کے اقتدار کے بعد سے اٹ کر گم ہو گیا تھا اور اب عبدالمطلب کو اس کے برآمد کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ غیبی اشارہ حاصل کر کے عبدالمطلب قریش کے پاس آئے اور کہا : "اے معشرِ قریش! مجھے زمزم کھودنے کا حکم دیا گیا ہے ۔" لوگوں نے دریافت کیا : "کیا آپ کو بتایا گیا ہے کہ وہ کہاں ہے ؟" عبدالمطلب نے نفی میں جواب دیا اس پر قریش نے کہا : "آپ دوبارہ اپنی اسی خواب گاہ میں جائیں جہاں آپ کو اس کے متعلق بتایا گیا تھا۔ اگر آپ کا خواب فی الحقیقت اللہ عزوجل کی جانب سے ہے تو اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی اور اگر یہ کوئی شیطانی وسوسہ تھا تو شیطان لوٹ کر نہ آئے گا ۔" عبدالمطلب واپس آئے اور اپنی خواب گاہ میں سو گئے ۔ پھر کسی آنے والے نے کہا : "زمزم کو برآمد کر، اگر تو نے اسے برآمد کر لیا تو نادم نہ ہوگا، یہ تیرے جدِ اعلیٰ کی میراث ہے ۔ یہ چشمہ کبھی خشک نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے پانی میں کبھی کمی واقع ہو گی۔ یہ حجاج کے انبوہِ کثیر کو سیراب کرتا رہے گا جو مختلف اطراف سے دیوانہ وار گروہوں کی شکل میں شتر مرغوں کے گلوں کی طرح پے درپے آتے رہیں گے اور جوق درجوق جاتے رہیں گے ۔ نذر ماننے والے اس کے جوار میں حاجتمندوں کے لیے اپنی نذریں گزرانیں گے ۔ یہ تیری میراث ہے اور تیرے حق میں اللہ کی طرف سے محکم قرار داد ہے ۔ یہ ان دوسرے چشموں کی مانند نہیں ہے جنہیں تو جانتا ہے بلکہ یہ گوبر اور خون کے درمیان (میں سے نکلنے والے خالص دودھ کی طرح پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار) ہوگا ۔" یہ سُن کر عبدالمطلب نے پوچھا : "وہ کہاں ہے ؟" جواباً کہا گیا کہ چیونٹیوں کے بلوں کے پاس ہے جہاں کو ا کل چونچ مارے گا۔ عبدالمطلب

---

[۱] قلمی نسخے کا یہ حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ نہ معلوم کب؟ اسی لیے یہ نسب نامہ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ ابنِ ہشام سے ماخوذ ہے ۔ اس کی غرض محض سیاق عبارت نہیں ہے بلکہ ابن ہشام نے سیدنا محمدؐ کا یہ نسب نامہ نقل کرنے کے بعد متصلاً تحریر کر دیا ہے کہ زیاد بن عبداللہ بکائی نے محمد بن اسحاق کی روایت سے مندرجہ بالا شجرہ نسب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت آدم علیہ السلام تک نیز حضرت ادریس علیہ السلام وغیرہ کے متعلق بیان کیا ہے ۔ (مترجم)

صبح کے وقت اپنے بیٹے حارث کی معیت میں نکلے اس وقت حارث کے سوا ان کے ہاں کوئی اور لڑکا نہ تھا۔ انہوں نے چیونٹیوں کا بل دریافت کیا اور دیکھا کہ اس کے پاس ہی کوا چونچ مار رہا تھا۔ یہ جگہ اساف اور نائلہ بتوں کے درمیان تھی جہاں پر قریش جانور ذبح کیا کرتے تھے۔

(۴) احمد نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت بیان کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن ابوبکر بن حزم نے حدیث بیان کی اور اس نے عمرہ بنت عبدالرحمان بن اسعد بن زرارہ سے حضرت عائشہؓ زوجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان نقل کیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

"ہم ہمیشہ سے یہ سنتے آئے ہیں کہ اساف (ایک مرد) اور نائلہ (ایک عورت) جو قبیلہ جرہم کے تھے انہوں نے خانہ کعبہ میں زنا کا ارتکاب کیا جس کی پاداش میں دونوں کو مسخ کر دیا گیا اور وہ پتھر بن گئے۔

(۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت بیان کی۔ ابن اسحاق نے کہا:

"پھر عبدالمطلب کدال لے کر آگئے اور کھدائی کرنے کے لیے اُٹھے۔ جب قریش نے دیکھا کہ وہ ٹلنے والے نہیں ہیں تو انہوں نے عبدالمطلب سے کہا: "بخدا ہم آپ کو اپنے ان دونوں بتوں کے درمیان سے کھودنے کی اجازت نہیں دیں گے جن کے پاس ہم جانور ذبح کرتے ہیں۔" عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث کو کہا: "مجھے کھدائی کرنے دو۔ خدا کی قسم جو حکم مجھے دیا گیا ہے میں اس کی تعمیل بالضرور کروں گا۔" جب قریش نے دیکھا کہ عبدالمطلب کا فیصلہ اٹل ہے تو انہوں نے کھدائی کی مزاحمت ترک کر دی اور چلے گئے۔ زیادہ وقت نہ گزرا کہ بچۂ کنواں اور ہتھیار اور سامان کا گٹھا برآمد ہوا۔ عبدالمطلب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ قریش کے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ عبدالمطلب نے سچ کہا تھا اور انہوں نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لی ہے چنانچہ وہ سب اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے: یہ ہمارے باپ اسمٰعیلؑ کا کنواں ہے اور اس میں ہمارا بھی حق ہے۔ ہمیں بھی اس میں اپنے ساتھ شریک کرو۔" عبدالمطلب نے جواب دیا: میں ایسا نہیں کروں گا، یہ خاص طور پر مجھے دیا گیا ہے اور تم میں سے کسی کو نہیں دیا گیا۔" اُنھوں نے کہا: "ہمیں بھی حصہ دار بناؤ ورنہ ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے خواہ ہمیں اس معاملہ میں آپ سے نزاع کرنا پڑے۔" عبدالمطلب نے کہا: "اچھا تو کسی کو حکم مقرر کر لیا جائے جو اس قضیئے کو نمٹا دے۔" انہوں نے بنی سعد بن ہذیم کی کاہنہ کا نام تجویز کیا جو شام کے بالائی علاقوں میں رہتی تھی۔ عبدالمطلب نے یہ بات مان لی۔

(۶) احمد بن عبدالجبار نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا کہ زمزم کی کھدائی کے متعلق مجھ سے یزید بن ابی حبیب مصری نے مرثد بن عبداللہ یزنی کے حوالہ سے عبداللہ بن زریر غافقی کی روایت بیان کی۔ عبداللہ بن زریر غافقی نے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو حدیثِ زمزم بیان کرتے ہوئے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ عبدالمطلب مقامِ حجر میں محوِ خواب تھے ایک آنے والا ان کے پاس آیا اور کہا: "برہ کو کھودو۔" عبدالمطلب نے پُوچھا: "برہ کیا چیز ہے؟" یہ سنتے ہی اشارہ کرنے والا غائب ہو گیا۔ اگلے روز عبدالمطلب اپنی اسی خوابگاہ میں سو گئے۔ وہ اشارہ کرنے والا پھر نمودار ہوا اور اس نے عبدالمطلب سے کہا "مضنونہ کو کھودو۔" عبدالمطلب

نے دریافت کیا : "مضنونہ کیا چیز ہے ؟" اس پر اشارہ کرنے والا عبدالمطلب کے پاس سے چلا گیا ۔ تیسرے دن عبدالمطلب اپنی اسی آرامگاہ میں سوئے ہوئے تھے کہ وہی اشارہ کرنے والا پھر آ گیا اور عبدالمطلب کو کہا : "طیبہ کو کھودو۔" عبدالمطلب نے کہا : "طیبہ کیا ہے ؟" اس پر وہ پھر چلا گیا ۔ جب چوتھا روز ہوا تو عبدالمطلب اپنی اسی آرام گاہ میں جا کر سو گئے ۔ وہ اشارہ کرنے والا پھر انہیں خواب گاہ میں دکھائی دیا اور اس نے کہا : "زمزم کی کھدائی کرو ۔" عبدالمطلب نے پوچھا : "زمزم کیا ہے ؟" اس نے کہا : "وہ کبھی خشک نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے پانی میں کمی واقع ہوگی ۔" اشارہ کرنے والے نے خواب میں زمزم کے محلِ وقوع کی نشان دہی بھی کر دی ۔ عبدالمطلب اُٹھے اور نشان دہی کے مطابق کھدائی شروع کر دی ۔ قریش نے پُوچھا : "اے عبدالمطلب ! آپ یہ کیا کر رہے ہیں ؟" انہوں نے جواب دیا : "مجھے زمزم برآمد کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔" جب عبدالمطلب نے زمزم برآمد کر لیا اور قریش نے پختہ کنواں اور ہتھیاروں اور سامان کا گٹھا دیکھا تو انہوں نے کہا : "اس میں ہمارا بھی حق ہے کیونکہ یہ کنواں تو ہمارے باپ اسماعیلؑ کا ہے ۔" عبدالمطلب نے جواب دیا : "یہ تمہیں نہیں دیا گیا بلکہ خاص طور پر مجھے دیا گیا ہے ۔" انہوں نے کہا : "ہم اس کا فیصلہ کرائیں گے ۔" عبدالمطلب نے اس بات کو تسلیم کر لیا ۔ انہوں نے بنی سعد بن ہذیم کی کاہنہ کا نام بطور حَکم تجویز کیا جو شام کے بالائی علاقوں میں سکونت پذیر تھی ۔ چنانچہ عبدالمطلب اپنی برادری کے ایک گروہ کی معیت میں عازمِ سفر ہوئے اور قریش کے جملہ دیگر قبیلوں میں سے ایک جماعت نے بھی فریقِ ثانی کی حیثیت سے رختِ سفر باندھا اور فریقین کاہنہ سے محاکمہ کے لیے روانہ ہُوئے ۔ اس زمانہ میں شام اور حجاز کے درمیان بے آب و گیاہ دشت و صحرا تھے ۔ جب یہ قافلہ شام و حجاز کے درمیانی بیابانوں میں سے کسی ویرانے میں پہنچا تو عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں میں ہر ایک کے پاس پانی ختم ہو گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ پیاس سے ہلاک ہو جائیں گے ۔ انہوں نے فریقِ ثانی سے پانی کا مطالبہ کیا تو انہوں نے پانی دینے سے انکار کر دیا اور کہا : "ہمیں بھی تمہاری طرح ہلاکت کا خوف ہے ۔" ان حالات میں عبدالمطلب نے اپنے ساتھیوں سے ان کی رائے دریافت کی ۔ انہوں نے جواب دیا : "ہماری رائے آپ کی رائے کے تابع ہے ۔ آپ جو مناسب حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے ۔" عبدالمطلب نے کہا : "میری رائے تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی طاقت کے مطابق اپنے لیے ایک ایک گڑھا کھود دے تاکہ ہم میں سے جب کوئی ہلاکت کا شکار ہو جائے تو اس کے ساتھی اسے اس کے گڑھے میں ڈال کر چھپا دیں ۔ اس طرح آخر میں ایک شخص رہ جائے گا جس کو دفن کرنے والا کوئی نہ ہوگا ۔ ظاہر ہے کہ سارے قافلہ کی بربادی کی بہ نسبت ایک شخص کا بے گور و کفن رہنا کوئی مضائقہ نہیں ۔" عبدالمطلب کے سب ہمراہیوں نے اپنے لیے ایک ایک گڑھا کھود لیا ۔ پھر عبدالمطلب نے کہا : "خدا کی قسم ، ہمارا اس طرح اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دینا اور اِدھر اُدھر پانی کی تلاش میں جد و جہد نہ کرنا ہماری کمزوری کی علامت ہے ۔ چلو کوچ کریں ۔ شاید اللہ عزوجل ہمیں سیراب کر دیں ۔" وہ سب اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ عبدالمطلب بھی اپنی ناقہ کی طرف بڑھے اور اس پر سوار ہو گئے ۔ جب اونٹنی اُٹھی تو اس کے پاؤں کے نیچے سے میٹھے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا ۔ انہوں نے اپنی اونٹنیوں کو بٹھا دیا اور ان کے ساتھیوں نے بھی اپنی سواریوں کو روک لیا ۔ پھر سب نے پانی پیا ، سفر کے لیے ذخیرہ بھی کر لیا اور جانوروں کو بھی

پلایا۔ پھر اپنے دیگر قریشی ہمراہیوں کو بلایا کہ آؤ دیکھو ہمیں اللہ عزوجل نے پانی عنایت فرمایا ہے۔ وہ آئے اور انہوں نے بھی پانی پیا اور بھر لیا۔ اس کے بعد قریش نے کہا: "اے عبد المطلب! خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ نے آپ کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیا ہے۔ وہ ذات جس نے اس بیابان میں آپ کو سیراب کیا اسی نے آپ کو زمزم عطا کیا ہے۔ چلو واپس چلیں زمزم آپ ہی کا ہے ہم اس معاملہ میں آپ سے جھگڑا نہیں کریں گے۔"

(۷) احمد بن جبار نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت ہم سے بیان کی۔ ابن اسحاق نے کہا: قریش واپس چلے گئے اور عبد المطلب نے کھدائی شروع کر دی۔ جب انہوں نے زیادہ کھدائی کی تو سونے کے دو ہرن دستیاب ہوئے۔ یہ وہ ہرن تھے جنہیں جرہم نے مکہ سے نکلتے وقت دفن کر دیا تھا۔ یہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کا چشمہ تھا۔ صغر سنی میں جب اسماعیلؑ کو پیاس لاحق ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس چشمہ سے انہیں سیراب فرمایا۔

(۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: عبد اللہ بن ابی نجیح نے مجاہد کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کی۔ مجاہد نے کہا کہ ہم ہمیشہ سے یہ سنتے آئے ہیں کہ جب حضرت اسماعیل کو پیاس لگی تو جبرئیلؑ نے اپنی ایڑی سے کھدائی کر کے زمزم کا چشمہ جاری کر دیا۔

(۹) احمد نے یونس سے اور اس نے سعید بن میسرہ بکری سے یہ روایت نقل کی۔ اس نے کہا ہم سے انس بن مالک نے یہ حدیث بیان کی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سارہ نے حضرت اسماعیل کی والدہ سیدہ ہاجرہ قبطیہ کو علیحدہ کر دیا تو حضرت ابراہیمؑ نے انہیں مکہ میں آباد کیا۔ حضرت ہاجرہ کو پانی کی ضرورت لاحق ہوئی تو حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے تو ان سے پوچھا: "تم کون ہو؟"

انہوں نے جواب دیا: "یہ ابراہیم علیہ السلام کا لڑکا ہے۔"
فرشتے نے پوچھا: "کیا تم پیاسے ہو؟"
حضرت ہاجرہ نے کہا: "ہاں"۔

فرشتے نے اپنے بازو سے زمین کو کھودا اور پانی پھوٹ پڑا۔ حضرت ہاجرہ نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر محفوظ کر دیا اور اس میں سے پانی پیا۔ اگر وہ زمزم کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتیں تو وہ چشموں کی صورت میں بہتا۔

(۱۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: اللہ عزوجل نے زمزم کی کھدائی کے بارے میں عبد المطلب کی رہنمائی فرمائی اور انہیں خاص طور پر اس اعزاز کے لیے منتخب فرمایا، اور جب عبد المطلب نے زمزم برآمد کر لیا تو اللہ عزوجل نے قوم کی نظروں میں ان کی بزرگی اور قدر و منزلت میں اضافہ کر دیا۔ اور زمزم کی برآمدگی سے مکہ کے دیگر کنوئیں معطل ہو گئے۔ لوگ زمزم کی برکت و فضیلت کی وجہ سے اسی کی طرف رجوع کرنے لگے کیونکہ وہ مسجد حرام میں تھا اور اسی سے اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سیراب کیا تھا۔

(۱۱) احمد نے کہا کہ یونس نے طلحہ بن یحییٰ کی وساطت سے اور اس نے عائشہ بنت طلحہ سے حضرت عائشہؓ زوجۃ النبیؐ کی یہ روایت نقل کی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا : "زمزم کا پانی بھوک کے وقت غذا اور بیماری کی حالت میں شافی دوا کا کام کرتا ہے۔"

(۱۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا : (زمزم کی کھدائی کے دوران میں) جناب عبدالمطلب کو دو ہرنوں کے ساتھ تلواریں بھی دستیاب ہوئیں۔ قریش نے کہا : "ہم بھی آپ کے ساتھ ان برآمد شدہ چیزوں کے حقدار ہیں اس لیے ہمیں بھی ان میں شریک کیا جائے۔"

عبدالمطلب نے جواب دیا : "ایسا نہیں ہو سکتا، لیکن تمہیں چاہیے کہ تم میرے ساتھ اس قضیہ کا فیصلہ منصفانہ طریقہ پر کر لو اور قرعہ اندازی پر رضامند ہو جاؤ۔"

قریش نے کہا : "آپ کیا طریقہ اختیار کریں گے ؟"

عبدالمطلب نے کہا "کعبہ کے لیے دو تیر، تمہارے لیے دو تیر اور اپنے لیے دو تیر مقرر کروں گا اور جس کے لیے جو چیز نکلے گی وہ اسی کی ہو گی۔"

انہوں نے کہا : "آپ نے انصاف کی بات کہی ہے ہم اس طریقے پر رضامند ہیں۔"

چنانچہ دو زرد تیر کعبہ کے لیے، دو سیاہ تیر عبدالمطلب کے لیے اور دو سفید تیر قریش کے لیے مقرر کر دئے گئے۔ پھر یہ تیر قرعہ انداز کے سپرد کر دئے گئے۔ عبدالمطلب اللہ عز و جل سے دعا کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے :

اللّٰھم انت الملك المحمود	اے اللہ ! تو ستودہ صفات بادشاہ ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے
ربی و انت المبدئ المعید	جس کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت ہے۔
و ممسك الراسیة الجلمود	تو بلند و بالا اور مضبوط سلسلہ ہائے کوہ کو تھامے ہوئے ہے اور جدید
من عندك الطارف و التلید	ساز و سامان اور قدیم موروثی مال و متاع کا عطا کرنے والا تو ہی ہے۔
ان شئت الھمت ما ترید	اگر تو چاہے تو الہام کر دے کہ یہ زیورات اور لوہے کے اوزار
لموضع الحلیة والحدید	کہاں رکھے جائیں۔
فبین الیوم لما ترید	اے احکام کے صادر فرمانے والے ! میں تیرے فیصلہ کا پابند ہوں۔
انی نذرت عاهد العهود	پس تو آج اپنے ارادہ کو بالوضاحت ظاہر فرما دے۔
اجعله ربی فلا اعود	اے میرے پروردگار ! اپنا فیصلہ صادر فرما دے میں اس سے روگردانی نہیں کروں گا۔

تیر انداز نے تیر ڈالے تو دونوں زرد تیر دونوں ہرنوں پر کعبۃ اللہ کے لیے نکلے۔ جناب عبدالمطلب نے دونوں

ہرن کعبہ کے دروازے پر نصب کر دئے۔ یہ پہلا سونا تھا جس سے کعبۃ اللہ کو آراستہ کیا گیا۔ دونوں سیاہ تیر عبدالمطلب کے حق میں تلواروں اور زرہوں پر نکلے۔ چنانچہ انہوں نے یہ سامان لے لیا۔ عربوں کی یہ عادت تھی کہ جب دُعا کر کے صحیح رہنمائی تلاش کرتے تو دعائیہ کلمات مسجع کہتے اور جب دُعا کرنے والا دُعا کرتا تو قلیل اور جامع الفاظ استعمال کرتا۔

(۱۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، مجھ سے عبداللہ بن ابی نجیح نے عبداللہ بن عبید بن عمیر بواسطہ عبداللہ بن خریت یہ روایت بیان کی۔ عبداللہ بن خریت نے دورِ جاہلیت دیکھا ہوا تھا اس نے کہا، قریش کے ہر قبیلہ کی مسجد حرام میں ایک متعین جگہ پر بیٹھک ہوا کرتی تھی جہاں وہ اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے۔ بنی بکر کی بھی ایک جلسہ گاہ تھی جہاں وہ محفل جماتے تھے۔ ایک روز ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لڑکا آیا وہ مسجد کے دروازہ سے بسرعت داخل ہوا اور جا کر کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹ گیا۔ پھر اس کے تعاقب میں ایک بوڑھا آیا اور اس کے پاس آ کر رک گیا اور جب اسے پکڑنے لگا تو بوڑھے کے دونوں ہاتھ شل ہو گئے۔ ہم نے آپس میں کہا کہ وہ اپنی وضع قطع کے لحاظ سے بنی بکر کا ہو سکتا ہے۔ بات چیت سے معلوم ہوا کہ وہ خالص عرب ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا:

"تو کون سے قبیلہ کا ہے؟"

اس نے کہا: "میں بنی بکر سے ہوں۔"

ہم نے کہا: "تیرے لیے خوش آمدید نہیں ہے تیرا اور اس لڑکے کا کیا معاملہ ہے؟"

لڑکے نے جواب دیا: "بخدا میرا باپ فوت ہو چکا ہے اس حال میں کہ ہم ابھی چھوٹے بچے تھے۔ ہماری ماں بیوہ ہو گئی۔ اس کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس نے اس گھر کی پناہ حاصل کی، وہ ہمیں یہاں لے آئی اور فرمایا: اگر میں فوت ہو جاؤں اور میرے بعد تم میں سے کسی پر ظلم و زیادتی روا رکھی جانے یا وہ کسی کام سے یہاں آئے اور اس گھر کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس گھر میں داخل ہو اور اس کی پناہ حاصل کرے تو یہ گھر اسے پناہ دے گا۔ اس بوڑھے نے مجھے پکڑ لیا ہے اس نے کئی سال تک مجھے نوکر رکھا اور مجھ سے اونٹ چرانے کا کام لیا۔ یہ اپنے اونٹوں کا ایک گلہ ہانک لایا اور مجھے بھی اونٹوں کے ساتھ یہاں لے آیا۔ جب میں نے اس گھر کو دیکھا تو مجھے اپنی والدہ مرحومہ کی وصیت یاد آئی۔"

ہم نے کہا: "واللہ! تجھے پناہ حاصل ہو گئی۔"

ہم اس بوڑھے آدمی کو لے کر باہر آئے۔ اس کے دونوں ہاتھ لکڑیوں کی مانند سوکھ گئے تھے۔ ہم نے اس کے گلّے کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ پر اسے سوار کر کے رسیوں سے باندھ دیا اور اس گلّے کو ہانک دیا۔ اور اس سے کہا: "چلے جاؤ، اللہ کی لعنت ہو تم پر۔"

(۱۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: عبدالرحمٰن بن قاسم نے اور اس نے اپنے باپ قاسم بن محمد سے ابو بکرؓ کی یہ روایت نقل کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا: میرا پیشہ تجارت تھا۔ چنانچہ ایک تجارتی سفر میں میرا گزر ایک پہاڑی راستہ سے ہوا۔ میں نے اچانک ایک آدمی کو دیکھا جو

یہ کہہ رہا تھا:

"اگر تُو مجھے امان دے گا تو میں بھی تجھے امان دُوں گا۔"

ابوبکرؓ نے کہا:

"تجھے امان ہے۔"

اس شخص نے کہا: "ذرا قریب آؤ۔"

ابوبکرؓ نے کہا: "میں اس شخص کے پاس گیا، وہ مارگزیدہ تھا اور سانپ نے اسے اس قدر ڈسا تھا کہ وہ حرکت نہیں کر سکتا تھا، اس نے کہا: "اے عبداللہ! کیا تم مجھے اس پہاڑی کے نیچے میرے اہل و عیال کے پاس پہنچا دو گے؟" میں نے کہا: "ہاں"۔ چنانچہ میں نے اسے اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اس کے اہل خانہ کے پاس لے آیا۔ اس کی قوم کے ایک آدمی نے مجھے کہا: "اے عبداللہ! تُو کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے؟" میں نے کہا: "میں قریشی ہوں۔" اس نے کہا: "بخدا! میں گمان کرتا ہُوں کہ تیرے ساتھ احسان کیا گیا ہے کیونکہ اس مارگزیدہ شخص سے بڑھ کر ظالم چور اور کوئی نہ تھا۔" ابوبکرؓ نے کہا: "میں اپنی اونٹنی کو چارہ کھلا رہا تھا کہ وہ بھاگ گئی اور لاپتا ہو گئی۔ جب میں اس سے مایوس ہو گیا تو اپنے کجاوے کے پاس پہلو کے بل لیٹ گیا اور بے تکلف قناعت کر کے کپڑا اوڑھ لیا اور گہری نیند سو گیا۔ مجھے کسی نے نہیں جگایا۔ سوتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ اونٹنی اپنے ہونٹوں سے میرے پاؤں سہلا رہی ہے اور میں بیدار ہو گیا۔ چنانچہ میں اُٹھا اور اُونٹنی پر سوار ہو گیا۔"

(۱۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: "مجھے ایک شخص نے عکرمہؓ کے حوالے سے بتایا جس نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان کی۔ ابنِ عباس نے کہا کہ میں ایک دفعہ حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس بیٹھا ہوا تھا انہوں نے کھلی کچہری لگائی ہوئی تھی اور وہ لوگوں سے ان کے حالات دریافت کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک اندھا بوڑھا گزرا جسے اس کا قائد سختی کے ساتھ کھینچے لیے جا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "میں نے آج کے دن سے بدتر منظر نہیں دیکھا۔" جلسہ میں سے ایک آدمی نے آپ کو بتایا کہ یہ شخص ابن صبغا بہزی سلمی بہیل بریق ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "مجھے معلوم ہے کہ بریق لقب ہے۔ اس آدمی کا نام کیا ہے؟" لوگوں نے کہا: عیاض۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "عیاض کو میرے پاس بلاؤ۔" اسے بلایا گیا اور حضرت عمرؓ نے اس سے پُوچھا: "مجھے بتاؤ کہ تمہارا کیا حال ہے اور بنی صبغا کس حال میں ہیں؟ وہ دس آدمی تھے۔" عیاض نے کہا: "جاہلیت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور اب تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اسلام کا دَور آ چکا ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اے اللہ! ہماری مغفرت فرما، ہم ایسے بھائی نہیں ہیں کہ آپس میں جاہلیت کی باتیں کریں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی نعمت سے نوازا ہے اور ہمیں سیدھا راستہ دکھایا ہے۔" اس شخص نے کہا: "میں اپنے اہل و عیال میں سے اکیلا باقی رہ گیا تھا اور بنو صبغا، دس آدمی تھے۔ ہم آپس میں قرابت دار اور پڑوسی تھے۔ انہوں نے میری مذمت کی

اور مجھے عاجز کردیا۔ میں نے اللہ کے نام پر اور قرابت کا واسطہ دے کر ان سے عرض کی کہ وُہ ایسا نہ کریں لیکن وہ باز نہ آئے اور میری التجاؤں کے باوجود مجھے ان سے پناہ نہ ملی۔ میں نے انہیں مہلت دی یہاں تک کہ ماہِ حرام آگیا۔ میں نے اللہ کے حضور دست بدعا ہو کر فریاد کی اور یہ اشعار پڑھے :

اللھم ادعوك دعاء جاهدا	اے اللہ ! میں الحاح و زاری کے ساتھ تیرے حضور دعا کرتا ہوں کہ
اقتل بنی الصبغاء الا واحدا	بنی صبغاء کو ماسوائے ایک کے ہلاک فرما۔
ثم اضرب الرجل فذره قاعدا	اور پھر اس ایک کے پاؤں میں ضرب رسید کر اور اس کو اپاہج کر کے بٹھا دے
اعمی اذا ما قید عنا القاعد	اور اندھا کر کے باقی رکھ اور اس کا قائد اس کو ہمارے سامنے کھینچ کر لے جاتا رہے۔

بنی صبغا کے نو آدمی ایک ہی سال میں یکے بعد دیگرے چل بسے اور اس شخص کے پاؤں کو اللہ تعالےٰ نے مضروب کر دیا اور اس کی بینائی سلب کر لی اور اس کا قائد اسے لیے جاتا ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا : "یہ عجیب واقعہ ہے۔"

مجلس میں سے ایک دوسرے آدمی نے کہا : "اے امیرالمومنین ! ابی تقاصف خناعی اور اس کے بھائیوں کا قصہ اس سے بھی عجیب تر ہے۔"

حضرت عمرؓ نے پُوچھا : "ابو تقاصف اور اس کے بھائیوں کا کیا واقعہ ہے ؟"

اس شخص نے کہا : "ان کا ایک پڑوسی تھا جو ان میں اس طرح تھا جیسے بنی صبغاء میں عیاض ہے۔ انہوں نے اس پڑوسی کی مذمت کی اور اس کو عاجز و درماندہ کر دیا۔ اس پڑوسی نے انہیں ذاتِ باری تعالیٰ اور قرابتداری اور پڑوس کا واسطہ دیا لیکن انہوں نے کوئی نرمی اختیار نہ کی۔ چنانچہ اس پڑوسی نے انہیں مہلت دی یہاں تک کہ شہرِ حرام آگیا اس شخص نے اللہ کے حضور ہاتھ اٹھائے اور یہ دعائیہ اشعار پڑھے :

اللھم رب کل آمن وخائف	اے اللہ ! تو ہر مامون اور خوفزدہ کا رب ہے اور ہر پکارنے والے کی
وسامع هتاف کل هاتف	پکار کو سُننے والا ہے۔
ان الخناعی ابا تقاصف	بیشک ابو تقاصف خناعی نے میری حق رسی نہیں کی اور میرے ساتھ
لم یعطنی الحق ولم یناصف	انصاف کا برتاؤ نہیں کیا۔
فاجمع له الاحبة الالاطف	اس لیے اس کے سب دوستوں مہربانوں اور بنی قصاف کو یکجا اکٹھا
بین قران ثم والتواصف	کر کے ہلاک کر دے۔

اس شخص نے بیان کیا کہ وہ سب کے سب اپنے ایک پرانے کنوئیں میں کھدائی کے لیے اترے۔ کنواں گر پڑا وہ اس میں دب کر مر گئے اور وہی آج تک ان کی قبر ہے۔

ایک تیسرے شخص نے بیان کیا کہ قبیلہ بنی نصر کی شاخ بنی مومل کا واقعہ ان سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ بنی مومل کا ایک خاندان تھا۔ ان کا ایک چچیرا بھائی تھا جس نے اس خانوادہ کے اموال وراثۃً حاصل کیے تھے۔ اس نے اپنی ذات اور اموال کو افرادِ خاندان کے سپرد کر دیا تھا۔ انہوں نے اس کے مال کا نقصان کیا، اسے اس حد تک رسوا کیا کہ اس پر بیکسی طاری کر دی۔ اس نے کہا:

"اے بنی مومل! میں نے اپنی جان اور اپنے اموال تمہاری سپردگی میں دے رکھے ہیں تاکہ تم میری حفاظت کرو اور مجھ سے تعرض نہ کرو۔ لیکن تم نے قطع رحمی کی، میرا مال خُورد برد کیا اور میری مذمت کی۔"

ان میں سے ریاح نامی ایک شخص نے اُٹھ کر کہا: "اے بنی مومل! یہ سچ کہتا ہے تم اللہ سے ڈرو اور اس سے تعرض نہ کرو۔"

لیکن یہ نصیحت بے سُود ثابت ہوئی اور وُہ باز نہ آئے۔ اس شخص نے ان کو مُہلت دی یہاں تک کہ ماہِ حرام آگیا۔ وُہ سب اہلِ خاندان نکل کھڑے ہوئے۔ اس شخص نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعائیہ اشعار پڑھے:

اللھم زلھم عن بنی المومل	اے اللہ! بنی مومل کو پچھاڑ دے اور ان کی گردنوں پر عبرتناک عذاب
وارم علی اقفائھم بمنکل	مسلط فرما۔
بصخرۃ او جیش جحفل	وہ سب (ماسوائے ریاح کے جو بے گناہ ہے) کسی چٹان کی زد میں
الا ریاحاً انہ لم یفعل	آجائیں یا کوئی لشکرِ جرار ان پر ٹوٹ پڑے۔

وہ گھروں سے نکلے اور جب راستے میں تھے تو انہوں نے کسی پہاڑ کے دامن میں ڈیرا ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک بڑی چٹان گرادی جو پتھروں اور درختوں پر سے لڑھکتی ہوئی ان پر گری اور انھیں یک دم کچل دیا۔ ریاح اور وادی کے دوسرے لوگ بچ گئے۔ ریاح بے گناہ تھا۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا کہ یہ تو عجیب واقعہ ہے اور لوگوں سے پوچھا: تمہاری رائے میں ایسا کیونکر ہوا؟ ۔ لوگوں نے کہا:

"اے امیر المومنینؓ! آپ بہتر جانتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"جہاں تک مجھے علم ہے لوگ اہلِ جاہلیت تھے اور رب، رسالت، قیامت، جنت اور دوزخ سے نا آشنا تھے۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کی دعا بعض کے برخلاف قبول فرماتے تھے۔ یعنی مظلوم کی دعا ظالم کے خلاف قبول کی جاتی تھی تاکہ بعض بعض پر ظلم کرنے سے باز آجائیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے اور لوگوں نے اللہ تعالیٰ، رسالت، قیامت، جنت اور دوزخ کی معرفت حاصل کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

بل الساعۃ موعدھم ادھی وامر۔	ان سے نمٹنے کے لیے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور وہ بڑی آفت
(القمر۔ ۴۶)	اور تلخ ساعت ہے۔

اس لیے اب مہلت دی جاتی ہے اور ظالموں کی رسی دراز کی جاتی ہے۔" ﴿

باب ۲

عبدالمطلب کی نذر

(۱۶) احمد بن عبدالجبار نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ عبدالمطلب بن ہاشم کو زمزم کی کھدائی کے وقت جب قریش کی جانب سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے نذر مانی کہ اللہ مجھے دس بیٹے عطا کرے جو بالغ ہو کر میری حمایت کے لیے کھڑے ہو سکیں تو میں ان میں سے ایک بیٹے کو اللہ عزوجل کی راہ میں کعبہ کے پاس ذبح کر دوں گا۔ ان کے ہاں پورے دس بیٹے ہوئے جن کے نام یہ ہیں:

حارث، زبیر، حجل، ضرار، مقوم، ابولہب، عباس، حمزہ، ابوطالب اور عبداللہ۔

یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ بیٹے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی حفاظت پر قادر ہیں۔ چنانچہ عبدالمطلب نے سب کو جمع کیا اور انہیں اپنی نذر کے بارے میں بتلایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ اسے اللہ کی خوشنودی کے لیے پورا کیا جائے۔ سب نے سرِ اطاعت خم کردیا اور پوچھا کہ آپ نذر کس طرح پوری فرمائیں گے؟ عبدالمطلب نے کہا: "تم میں سے ہر شخص ایک ایک پانسے کا تیر لے اور اس پر اپنا نام لکھ کر میرے پاس لے آئے۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی اور عبدالمطلب کے پاس آگئے۔ وہ انہیں لے کر کعبہ کے اندر ہبل کے پاس تشریف لائے۔ ہبل قریشِ مکہ کے بتوں میں سب سے بڑا تھا اور وہ کعبہ کے اندر ایک زیرِ زمین گودام پر نصب تھا جس میں کعبہ کے لیے نذر کیے ہوئے ہدایا اور عطیات ذخیرہ کیے جاتے تھے۔ ہبل کے پاس فال کے سات عدد تیر رکھے رہتے تھے اور ہر تیر پر کچھ مخصوص عبارت لکھی ہوئی تھی۔ ایک تیر پر تاوان یا خُوں بہا لکھا ہوا تھا۔ اگر اس تیر کی فال کے مطابق تاوان کی ادائی میں اختلاف رونما ہوتا تو تاوان کے تیر سمیت ساتوں تیروں کو حرکت دی جاتی اور جس کا نام نکلتا اس پر بار ڈالا جاتا۔ ایک تیر پر نعم یعنی "ہاں" لکھا ہوا تھا جو امر کے لیے تھا۔ جب کوئی کام کرنے کا ارادہ ہوتا تو اس تیر کو دوسرے تیروں کے ساتھ ملا کر حرکت دی جاتی اور اگر ہاں کا تیر نکل آتا تو اس کے مطابق عمل کیا جاتا۔ ایک تیر پر لا یعنی "نہیں" لکھا ہوا تھا، جب کسی کام کا ارادہ کرتے تو اس تیر کو دوسرے تیروں کے ساتھ ملا کر حرکت دی جاتی اور اگر "نہیں" والا تیر برآمد ہوتا تو وہ کام نہ کرتے تھے۔ ایک تیر پر "منکم یعنی تم میں سے"، ایک تیر پر "من غیرکم یعنی تمہارے اغیار میں سے"، ایک تیر پر "ملصق یعنی تمہارے ساتھ چمٹا ہوا" اور ایک تیر پر "المیاہ یعنی پانی" لکھا ہوا تھا۔

جب پانی کے لیے کنواں کھودنا چاہتے تو وہ ان تیروں اور پانی سے متعلقہ تیر کے ساتھ قرعہ اندازی کرتے۔ جس طرح قرعہ نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے۔ جب کسی لڑکے کا ختنہ مقصود ہوتا یا نکاح کرنا چاہتے یا میت کو دفن کرنا مطلوب ہوتا یا کسی کے نسب میں اشتباہ ہوتا تو اسے لے کر ہبل کے پاس جاتے اور اس کے ساتھ ذبح کے کچھ جانور اور سو درہم فال نکالنے والے کی نذر کرتے اور اس شخص کو بھی پیش کرتے جس کے بارے میں فال نکلوانا چاہتے اور تیروں کے امین سے فال نکالنے کی گزارش کرتے اور دعا کرتے کہ اے اللہ! جو بات حق ہے وہ اس کے ہاتھوں پر ظاہر فرما دے۔ پھر ہبل کے پاس جاتے اور کہتے: "اے ہمارے معبود! یہ لوگوں کے گمان کے مطابق فلاں بن فلاں ہے اور لوگ اس کے بارے میں اس طرح کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے متعلق "خونبہا" یا "ہاں" یا "تم میں سے" کا قرعہ نکال اور اس کی نذر کو قبول فرما"۔ اگر تینوں تیروں میں سے کوئی تیر نکلتا تو اس شخص کا بہت احترام کیا جاتا اور اگر وہ تیر نکلتا جس پر "من غیرکم۔ یعنی تمہارے اغیار میں سے" لکھا ہوتا تو اس کو حلیف سمجھا جاتا۔ اور اگر "ملصق۔ یعنی تم سے چپٹا ہوا" کا تیر نکلتا تو اس کا مرتبہ یہ ہوتا کہ وہ شخص نہ کسی کے نسب میں شامل ہو سکتا تھا اور نہ کسی کا حلیف متصور ہوتا تھا۔ اگر اس کے ماسوا قرعہ اندازی کسی ایسے کام کے بارے میں ہوتی جسے وہ کرنا چاہتے اور "ہاں" والا تیر برآمد ہوتا تو اس کام کو کر گزرتے، اور "لا۔ یعنی نہیں" والا تیر ظاہر ہوتا تو اس کام کو ایک سال کے لیے مؤخر کر دیتے اور اس کے بعد اس معاملے میں دوبارہ فال نکلواتے اور اس وقت تک اپنے معاملات ملتوی کرتے رہتے جب تک کہ فال کے تیر نہ نکلتے۔

عبدالمطلب بھی تیروں کے امین کے پاس آئے اور کہا: "میرے ان بچوں پر ان کے تیروں کے ذریعے قرعہ اندازی کرو"۔ نیز عبدالمطلب نے تیروں کے امین کو اپنی نذر کے بارے میں بھی آگاہ کر دیا۔ ہر ایک بیٹے نے اپنا اپنا تیر جس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا صاحب القداح کو دے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب اپنے باپ[1] (ابیہ) کے سب بیٹوں سے چھوٹے تھے۔ وہ اور زبیر اور ابوطالب تینوں مسماۃ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عبداللہ بن عمران بن مخزوم کے بطن سے تھے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اپنے باپ عبدالمطلب کے سب سے زیادہ پیارے بیٹے تھے۔ عبدالمطلب دیکھ رہے تھے کہ اگر تیر کا نشانہ خطا کر گیا تو عبداللہ بچ جائے گا۔ جب تیروں کے امین نے قرعہ نکالنے کے لیے تیر پکڑے تو عبدالمطلب ہبل کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنے لگے۔ انھوں نے یہ اشعار پڑھے: ؎

---

[1] یہ غیر معروف ہے۔ شاید روایت اس طرح ہو:
اصغر بنی امہ یعنی اپنی ماں کے سب بیٹوں سے چھوٹے تھے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت حمزہؓ جناب عبداللہ سے اور حضرت عباسؓ حضرت حمزہؓ سے چھوٹے تھے۔ (الروض الانف السہیلی)

اللهم لا یخرج علیه القدح	اے اللہ! اس کے نام کا تیر نہ نکلے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ بوجھ
انی اخاف ان یکون فدح	میرے لیے گراں ہوگا۔
ان کان صاحبی للذبح	لیکن اگر مجھے اس کو ذبح کرنا پڑے تو میرے نزدیک آج یہ فال
انی اراہ الیوم خیر قدح	بہترین ہوگی۔
حتی یکون صاحبی للمنح	یہاں تک کہ اگر میری نذر کا پورا ہونا اسی کے ذریعہ مطلوب ہے تو وہ
یغنی عنی الیوم کل سرح	مجھے آج ہر طرح سعادت و آسائش سے بے نیاز کر دے گا۔

قرعۂ فال عبداللہ کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور چھری لے کر اسے ذبح کرنے کے لیے اساف و نائلہ کی طرف لے آئے۔ یہ دو بُت تھے جن کے پاس قریش اپنی قربانیاں ذبح کیا کرتے تھے۔ قریش کے لوگ اپنی اپنی مجلسوں سے اُٹھ کر اُن کے پاس آ گئے اور کہا:

"اے عبدالمطلب! آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

اُنھوں نے جواب دیا:

"میں اسے ذبح کروں گا۔"

اور یہ اشعار پڑھے: ؎

عاھدت ربی و انا موف عھدہ	جب میں اور میرا ایک بیٹا زمزم کی کھدائی کر رہے تھے تو میں نے
ایام احفر و بحفر وحدہ	اپنے رب سے عہد کیا تھا اور میں اپنے اس عہد کو پورا کرنے والا ہوں۔
واللہ لا احمد سیا حمدہ	خدا کی قسم، میں اس کے سوا کسی کی تعریف نہیں کرتا۔ میں اپنے
کیف اعادیه و انا عبدہ	عہد کی خلاف ورزی کس طرح کر سکتا ہوں جبکہ میں اس کا بندہ ہوں۔
انی اخاف ان اخوت وعدہ	مجھے خدشہ ہے کہ اگر میں نے ایفائے وعدہ میں تاخیر کی اور اپنے
ان اضل ان ترکت عھدہ	عہد کو ترک کر دیا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔
ما کنت اخشی ان یکون وحدہ	مجھے ڈر نہیں تھا کہ وہ اکیلا رہ جائے گا اس شخص کی طرح جس کے
مثل الذی لاقیت یوماً عندہ	ساتھ ایک دن میری ملاقات اس کے پاس ہوئی تھی۔
اوجع قلبی عند حفری ردہ	اس کی قبر کھودنے سے میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ اللہ میرا
واللہ ربی لا اعیش بعدہ	پروردگار ہے، اس کے بعد میں زندہ نہیں رہوں گا۔

(۱۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: لوگ بیان کیا کرتے تھے کہ عباسؓ بن عبدالمطلب نے اپنے بھائی عبداللہ کو باپ کے قدموں کے نیچے سے کھینچا یہاں تک کہ عبداللہ کے چہرے پر ایک زخم آ گیا جس کا نشان مرتے دم تک اس کے چہرے پر رہا۔

(۱۸) ابنِ اسحاق نے کہا کہ قریش اور جناب عبدالمطلب کے بیٹوں نے کہا: بخدا ہمارے جیتے جی آپ ایسا ہرگز نہ کریں جب تک کہ ہم حجت پوری نہ کر دیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آئے دن کوئی نہ کوئی اپنے بیٹے کو لا کر ذبح کیا کرے گا اور اس طرح نسلِ انسانی کی بقا کا تحفظ ختم ہو جائے گا۔

(۱۹) ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم نے عبدالمطلب سے کہا: "بخدا آپ اسے ہرگز ذبح نہ کریں جب تک کہ ہم مجبور نہ ہو جائیں۔ اگر اس کا فدیہ مطلوب ہے تو ہم اپنے اموال بطور فدیہ دینے کو تیار ہیں۔ عبداللہ بن عبدالمطلب کی والدہ مغیرہ کی ہم قوم تھی۔ جب عبدالمطلب نے عبداللہ کو ذبح کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو لوگوں کے گمان کے بموجب مغیرہ نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:؎

واعجبی من قتل عبدالمطلب وذبحہ خرقاً کتمثال الذہب	میں اس بات پر متعجب ہوں کہ عبدالمطلب مقتضائے عادت کے خلاف سونے کے مجسمہ جیسے ایک نوجوان بیٹے کو قتل کرنے اور قربانی کی بھینٹ چڑھانے کے درپے ہے۔
یا شیب لا تعجل علینا بالعجب فما ابننا بشرط القوم النجب	اے شیبہ! ہمارے سامنے اس عجیب وغریب کام میں جلد بازی نہ کرو نہ ہمارے بیٹے قومی شرائط کے مطابق نجیب ہیں۔
ولا ابنکم بالمستذل المغتصب نفادیہ بالمال حتی نحترب	اور نہ ہی آپ کا بیٹا ذلیل اور چھینا ہوا غلام ہے ہم مال سے اس کا فدیہ ادا کریں گے خواہ ہمیں ایک دوسرے کا مال چھیننا پڑے۔
فسوف افدیہ بمالی والسلب وسوف القی دونہ من الغضب	میں عنقریب اپنے مال سے اور چھینے ہوئے مال سے اس کا فدیہ ادا کروں گا اور سارا اکٹھا کیا ہوا مال اس کے عوض ڈال دوں گا۔
اشوس اباء قبیحات الحطب ماذبحہ عبداللہ فینا باللعب	میں دیکھ رہا ہوں کہ عیب چینی کرنے والے اور رطب و یابس قسم کی باتیں کرنے والے بھی اس فعل کا انکار کر رہے ہیں اس لیے ہمارے درمیان عبداللہ کا ذبح کیا جانا کوئی کھیل نہیں ہے۔
ذبحا کما یذبح معتور النصب کلا ورب البیت مستور الحجب	یہ ایسی ذبح ہے جیسے کسی جانور کو بتوں پر قربان کیا جاتا ہے۔ اس گھر کے رب کی قسم جس پر غلاف چڑھایا ہوا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔
لا یعجل المذبوح حتی نضطرب ضربا یزیل الہام من بعد الغضب	ذبح میں جلدی نہیں کی جا سکے گی جب تک کہ ہم غصّہ کی حالت میں ایک دوسرے پر ایسے وار نہ کریں جو قوم کے سرداروں کو ہلا کر رکھ دیں۔

بکل مصقول رقیق ذی شطب
کالبرق او کالنار فی الثوب العطب

یہ وار بجلی یا روئی کے کپڑے کو جلانے والی آگ کی طرح صیقل شدہ تیز دھار چیرنے والی تلواروں کے ساتھ کیے جائیں گے۔

(۲۰) ابن اسحاق کے بیان کے مطابق مندرجہ بالا اشعار مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے ہیں۔ اور جب جناب عبدالمطلب نے عبداللہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو ابو طالب نے جو عبداللہ کا ماں جایا اور باپ کی طرف سے سگا بھائی تھا اس نے مندرجہ ذیل اشعار کہے: ۵

کلا ورب البیت ذی الانصاب
ورب ما انضی من الرکاب

اس گھر کے رب کی قسم، جس کے اردگرد بتوں کے استھان ہیں جن پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور لاغر اونٹوں کے رب کی قسم، جن پر سوار ہو کر زائرین بہت دور دراز کا سفر طے کر کے آتے ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

کل قریب الدار او منتاب
یزور بیت اللہ ذا الحجاب

ہر قریب کا رہنے والا یا دور دراز کی مسافت طے کر کے پے در پے آنے والا غلاف میں لپٹے ہوئے بیت اللہ کی زیارت کرتا ہے۔

ما قتل عبداللہ باللعاب
من بین رھط عصبۃ شباب

برادری کے نوجوانوں کے جتھے میں سے عبداللہ کا قتل کیا جانا کوئی کھیل نہیں ہے۔

ابن نساء شطر الانساب
اغر بین البیض من کلاب

ماں کی طرف سے اس کا حسب نسب بے عیب ہے اور بنی کلاب سے زیادہ روشن اور چمکدار ہے۔

وبین مخزوم ذوی الاحساب
اھل الجیاد القب والقباب

اس کی ماں باعتبار نسب بنی مخزوم سے ہے جو خاندانی شرافت و بزرگی کے حامل ہیں اور جن کا لقب عمدہ گھوڑوں اور تیز تلواروں والے ہے۔

لستم علی ذلک بالاذناب
حتی تذوقوا حمس الضراب

اور جب گھمسان کا رن پڑے تو تم بھی کسی سے پیچھے رہنے والے نہیں ہو۔

بکل عضب ذائب اللعاب
ذی رونق فی الکف کالشھاب

اور ہاتھوں میں ایسی صیقل شدہ تلواریں لے کر نکلتے ہو جن سے کھیل کے برخلاف حقیقی اور فیصلہ کن جنگ لڑی جاتی ہے اور جو چمک دمک میں آگ کے شعلوں کی مانند ہیں۔

تلقاہ فی الاقران ذا انداب
ان لم یعجل اجل الکتاب

جنہیں تم جوڑوں میں بلند ہوتا دیکھتے ہو اگرچہ لکھی ہوئی اجل وقت سے پہلے نہیں آتی۔

قلت وما قولی بالمعاب
یا شیب ان الجور ذو عقاب

میں نے جو بات کہی ہے وہ غلطی سے پاک ہے۔ اے میرے بوڑھے باپ! فیصلے میں ظلم و زیادتی کا ارتکاب قابلِ مواخذہ ہے۔

ان لنا ان جرت فی الخطاب	اگر آپ نے فیصلہ صادر فرماتے ہوئے زیادتی روا رکھی تو ہمارے ننھیال
اخوال صدق کاسود الغاب	بھی ہیں جو جنگلات کے شیروں کی طرح دلیر ہیں۔
لن یسلموہ الدھر للعذاب	وہ عبداللہ کو تعذیب کا نشانہ بننے کے لیے زمانہ کے سپرد نہیں کریں گے
حتی یعض القاع ذو التراب	جب تک کہ نرم و ہموار نشیبی زمین اس قوم کا خون نہ چوس لے جس کے
دماء قوم حرم الاسلاب	جان و مال کو محترم قرار دیا گیا ہے۔

اس وقت جناب عبدالمطلب نے یہ اشعار پڑھے :۔

اللہ ربی و انا موف نذرہ	اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اس کی نذر پوری کر کے رہوں گا۔
اخاف ربی ان عصیت امرہ	میں اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کے وبال سے ڈرتا ہوں۔
واللہ لا یقدر شیٔ قدرہ	بخدا اس کی مشیت کو کوئی چیز نہیں ٹال سکتی۔ وہی میرا پروردگار ہے
فھو ولی والیہ عمرہ	اور ہر چیز کی زندگی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔
ھذا بنی قد اردت نحرہ	یہ میرا بیٹا ہے جس کی قربانی کا میں نے ارادہ کیا ہے۔
فان نوخرہ و تقبل عذرہ	اگر ہم اس قربانی کو موخر کر دیں اور اس کے بارے میں معذرت قبول کر لی جائے
وتصرف الموت لہٗ وحذرہ	اور موت اور اس کے خطرات کو پھیر دیا جائے تو موت کا ٹل جانا اسے
وتصرف الموت فلا یضرہ	نقصان نہیں پہنچائے گا۔
من جھد انسان ولا تعرہ	انسان مشقت میں ہے اور اس کی سختی کو تیرے سوا کوئی چیز دور نہیں
سواک ربی ویکون قرہ	کر سکتی اور انسان کو قرار و سکون ایک ایسی آنکھ ہی کے ذریعے حاصل
لکل عین ناظر تسرہ	ہو سکتا ہے جو اسے خوش کرے۔ اے میرے پروردگار ! ایسی آنکھ تیرا
اعطیتہ رب فلا تعرہ لحزن یوجعنی مسرہ	ہی عطیہ ہے اور اسی وجہ سے غمگین کرنے والا غم مجھے غمناک نہیں کرتا۔

قریش اور عبدالمطلب کے بیٹوں نے آپ کو کہا کہ ذبح کے پروگرام کو فی الحال روک دینا چاہیے اور حجاز جا کر سجاح نامی ایک عرافہ سے اس معاملہ میں مشورہ کرنا چاہیے کیونکہ اس عرافہ کے پاس غیب کی خبریں بتانے والا ایک تابع موکل ہے۔ مشورہ کرنے کے بعد آپ مناسب کارروائی عمل میں لائیں۔ اگر وہ آپ کو ذبح ہی کا حکم دے تو آپ عبداللہ کو ذبح کر دیں اور اگر کوئی ایسا مشورہ دے جس کے ذریعہ سے آپ کے اور آپ کے لڑکے کے لیے اس ابتلاء سے نکلنے کی کوئی تجویز ہو تو آپ اسے قبول کر لیں۔ عبدالمطلب نے اس رائے کو قبول کر لیا۔

چنانچہ وہ سب کے سب وہاں سے روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچے انھیں معلوم ہوا کہ وہ خیبر میں ہے۔ وہاں سے سوار ہو کر وہ خیبر پہنچے اور اس عورت سے دریافت کیا۔ عبدالمطلب نے اس عورت سے اپنا اور اپنے بیٹے کا قصہ اور اپنے بیٹے کی نذر کا ماجرا بیان کیا۔ اس عورت نے انھیں کہا : "آج واپس چلے جاؤ، میرا تابع میرے

پاس آئے گا تو میں اس سے دریافت کرکے تمہیں بتاؤں گی۔ وہ اس کے پاس سے واپس آگئے اور عبدالمطلب اللہ تعالےٰ سے دعا کرنے میں مشغول ہوگئے۔ انہوں نے یہ شعر کہے:

یا رب لا تحقق حذری	اے میرے پروردگار! نذر ادا نہ کرنے کا میرا عمل کامیاب نہ ہوا
و اصرف عنہ شرھذا القدر	میرے گریز کے عمل کو شر سے محفوظ فرما۔
فانی ارجولما قد اذر	کیونکہ میری انتہائی خواہش یہ ہے کہ میں اسے ذبح ہی کروں تاکہ
لان یکون سیداً للبشر	وہ نوع انسانی کا سردار بن جائے۔

اگلی صبح کو وہ سب عرافہ کے پاس گئے۔ اس نے کہا: "ہاں، مجھے اس معاملہ میں معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ تمہارے ہاں آدمی کی دیت کیا ہوتی ہے؟"

انہوں نے کہا: "دس اونٹ۔"

اور واقعۃً اس وقت دیت کی یہی مقدار مقرر تھی۔ اس عورت نے کہا:

"تم لوگ اپنے دیار میں واپس چلے جاؤ اور اپنے اس بیٹے کو اور دس اونٹوں کو سامنے رکھ کر ان پر فال نکالو۔ اگر فال لڑکے کے نام کی نکلے تو اونٹوں کی تعداد بڑھا کر فال نکالتے چلے جاؤ یہاں تک کہ تمہارا رب تم سے راضی ہو جائے۔ جب اونٹوں پر قرعہ نکلے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا پروردگار بیٹے کے بجائے اتنے اونٹوں کی قربانی پر راضی ہے، اس لیے ان اونٹوں کو ذبح کر دینا اور تمہارا بیٹا بچ جائے گا۔"

یہ فتویٰ حاصل کرکے وہ وہاں سے نکلے اور مکہ پہنچے۔ اس تجویز پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ عبدالمطلب اٹھے اور اللہ کے دربار میں دست بدعا ہو کر انہوں نے یہ اشعار پڑھے: ؎

اللھم انک فاعل لما ترد	اے اللہ! جو کچھ تو چاہے کر ڈالنے والا ہے۔ تو ہمیں رشد و ہدایت
ان شئت الھمت الصواب والرشد	کی طرف رہنمائی عطا فرما اور نیکی کو ہمارے دلوں میں ڈال دے۔
انی ھوالیک علیٰ رغم معد	میں بنی معد کی ناراضی کے علی الرغم تیرا فرمانبردار رہوں اور ہمیشہ سے
وساقی حجیجک الابد	تیرے حجاج کو پانی پلانے والا ہوں۔
اورثنی سقیاھم ابی وجد	حاجیوں کو پانی پلانے کا اعزاز مجھے اپنے باپ دادا سے ورثہ میں ملا ہے
فان وجدی فاعلمن وجد وجد	اور میرے باپ دادا نے یہ ورثہ اپنے اجداد سے پایا۔
انت الذی تعلم کل صعد	تو ہر مصیبت و مشقت کو جاننے والا ہے۔
فلا تحقق حذری بولد	لڑکے کی نذر سے میرا گریز کرنا کامیاب نہ ہونے پائے۔
و اجعل فداہ فی الجلاد الجعد	اور تو اس کے فدیہ میں پشم والے اونٹوں کی قربانی قبول فرما۔

(۲۱) احمد بن عبد الجبار نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ جب عبداللہ اور دس اونٹوں کو قرعہ اندازی کے لیے قریب لایا گیا تو عبدالمطلب خانہ کعبہ کے اندر یہ دعائیہ اشعار پڑھنے لگے : ؎

اللھم رب العشر بعد العشر	اے اللہ! تو دس کے بعد دس کا مالک ہے اور
ورب من یاتی بکل نذر	ہر اس شخص کا پروردگار ہے جو اپنی نذر پیش کرنے کے لیے حاضر ہوتا ہے۔
انج عبد اللہ عند النحر	قرعہ اندازی میں عبداللہ کو نجات عطا فرما اور
ونجہہ من شفعہا و الوتر	اونٹوں کی جفت و طاق تعداد کے عوض اسے رہائی عطا فرما۔

پھر انہوں نے فال نکالی۔ فال عبداللہ کے نام کی نکلی۔ انہوں نے دس اونٹ زیادہ کر دیے اور اونٹوں کی تعداد بیس ہو گئی۔ عبدالمطلب اُٹھے اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے : ؎

یا رب عشرین و رب الشفع	اے بیس کے رب اور اے جفت عدد کے رب!
انج عبد اللہ رب النفع	اے نفع کے مالک! عبداللہ کو نجات نصیب فرما۔
من ضربت القدح التی فی الجدع	اسے قرعہ اندازی کے تیر کی زد سے بچا اور اسے بلندی پر بلندی عطا فرما۔
و اعطہ الرفع الذی فی الرفع	
ولا یکون ضربہ کا للذع	فال کے تیر کی ضرب ایسی تکلیف دہ نہ ہو جس طرح آگ کسی چہرے کو جھلس دیتی ہے۔
کلذعۃ النار التی فی السفع	

پھر انہوں نے تیر نکالا تو عبداللہ پر ہی نکلا۔ انہوں نے دس اونٹ زیادہ کر دئے اور اونٹوں کی تعداد تیس ہو گئی۔ عبدالمطلب کھڑے ہو کر اللہ کے حضور یہ دعائیہ اشعار پڑھنے لگے : ؎

رب الثلاثین ولی النعم	اے تیس کے رب اور اے نعمتوں کے مالک! ہم پر احسان فرما کہ
امنن علینا ان نصاب بالدم	ہم اس لڑکے کے خون کی مصیبت میں مبتلا نہ ہوں۔
ھذا الغلام جنہ لم یعلم	اس لڑکے کا جن نا معلوم ہے۔ میرا دل گرفتارِ محبت کے دل کی
فطار قلبی فھو مثل المغرم	طرح اڑا جا رہا ہے۔ اور
لذکر عبد اللہ حتی یسلم	عبداللہ کی یاد مجھے ستا رہی ہے تاکہ وہ سلامت رہے اور اونٹوں
و تنحر الذود التی لم تقسم	کا غیر منقسم گلہ ذبح ہو جائے۔
و نجہ من ضربۃ لم تکلم	اور عبداللہ کو فال کے خاموش تیر کی زد سے نجات عطا فرما۔

پھر انہوں نے فال نکالی۔ فال عبداللہ کے نام نکلی۔ انہوں نے دس اونٹوں کا اضافہ کر دیا اور اونٹوں کی

تعداد چالیس ہوگئی۔ عبد المطلب نے اُٹھ کر یہ دعائیہ اشعار پڑھنے شروع کیے:؎

اللھم رب الاربعین اذ بلغت — اے اللہ! تعداد چالیس تک پہنچ چکی ہے اور تو چالیس کا رب ہے

انج بنی من قداح کتبت — قسمت کے تیر سے میرے بیٹے کو رہائی عطا فرما۔

وانحر الذود التی قد ھملت — اس کے عوض اونٹوں کے اس گلے کی قربانی قبول فرما جو دن رات

وجللت فی قتلہ و ذبحت — آزادی کے ساتھ چرتا پھرتا تھا۔ یہ اس کے قتل کا بہترین اور عمدہ فدیہ ہے۔

بلغ رضاک ربنا اذ جعلت — اے ہمارے پروردگار! بنی عبد مناف کی طرف سے یہ فدیہ قبول فرما

عدل بنی عبد مناف وقعت — اور ہمیں اپنی خوشنودی عطا کر۔

انہوں نے پھر فال نکالی۔ فال عبد اللہ کے نام کی نکلی۔ انہوں نے دس اونٹ اور زیادہ کر دئے اور اونٹوں کی تعداد پچاس ہوگئی۔ عبد المطلب کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اللہ کے حضور یہ دعائیہ اشعار پڑھے:؎

یارب خمسین سمان بدن — اے قربانی کے پچاس فربہ اونٹوں کے مالک جن کے کوہان بڑے بڑے

من کل کوماء لہ لم تعطن — ہیں اور جو اپنی نشست گاہ سے باہر آئے ہوئے ہیں۔

الا لوب ماجد ممکن — اے بزرگ و برتر اور قادرِ مطلق خدا اور قوت وعزت کے مالک!

انج عبد اللہ رب الارکن — عبد اللہ کو نجات عطا فرما اور

وانحر الذود التی لم تسکن — اس کے عوض اونٹوں کے اس گلے کی قربانی قبول فرما جو اپنی قیام گاہ سے یہاں لایا گیا ہے۔

پھر انہوں نے فال نکالی۔ فال عبد اللہ کے نام کی نکلی۔ انہوں نے دس اونٹ زیادہ کر دئے۔ اور اونٹوں کی تعداد ساٹھ ہوگئی۔ عبد المطلب اُٹھے اور انہوں نے یہ دعائیہ اشعار پڑھنے شروع کیے:؎

اللھم رب الستین ورب المشعر — اے اللہ! تو ساٹھ اونٹوں اور مشعرِ عرب کا رب ہے اور ہر

ورب من حج لہ وکبر — حج کرنے والے اور تکبیر پڑھنے والے کا مالک ہے اور

یسعی لرب قادر لیغفر — مغفرت کے حصول کی خاطر سعی کرنے والوں کا قادر پروردگار ہے

انج عبد اللہ عند المنحر — تو عبد اللہ کو قربان گاہ سے نجات عطا فرما۔

وعافہ من ضربۃ لا تجبر — اور اسے عافیت نصیب فرما کہ وہ ناقابلِ تلافی ضرب سے بچ جائے

لتبلغ العظم بھا فیکسر — جو ہڈی تک پہنچ کر اسے توڑنے والی ہو۔

پھر انہوں نے فال نکالی۔ فال عبد اللہ کے نام کی نکلی۔ انہوں نے دس اونٹ زیادہ کر دئے اور اونٹوں کی تعداد ستر ہوگئی۔ عبد المطلب اُٹھے اور یہ اشعار پڑھنے لگے:؎

یا رب سبعین له قد جمعت	اے میرے پروردگار! تیرے لیے ستر اونٹ اکٹھے کر دئے گئے ہیں
فاذبح الذود التی قد عطلت	یہ گلہ جو پیش خدمت ہے اس کی قربانی قبول فرما۔
وجست فی قتله و خیست	یہ عبداللہ کے قتل کے عوض روک کر یکجا کر دئے گئے ہیں
واخرج السھم لھا اذا بذلت	قرعہ کا تیر جب نکالا تو ان پر نکال۔
حتی تکون دیت قد کملت عن کل مقتول له اذا قبلت	تاکہ یہ ہر مقتول کی مکمل اور قابلِ قبول دیت قرار پائے۔

پھر انہوں نے فال نکالی جو عبداللہ کے نام کی نکلی۔ انہوں نے دس اونٹ زیادہ کر دئے اور اونٹوں کی تعداد اسّی ہوگئی۔ عبدالمطلب نے اُٹھ کر یہ دعائیہ اشعار پڑھنے شروع کیے: ؎

یا رب الثمانین و رب الاھلال	اے اسّی اونٹوں کے مالک اور پہلی رات کے چاند کو نمودار کرنے والے
و رب من یاتیك للاجلال	اور اے ہر اس آنے والے کے مالک جو تیرے دربار میں اجلال و اکرام کے لیے حاضر ہوتا ہے۔
اجعل فداء ولدی ذود آبال	اونٹوں کے گلّے کو میرے بیٹے کا فدیہ قرار دے۔
سوف تری شکری عند الاحلال	میں احرام کے بغیر تیرا ایسا شکریہ ادا کروں گا۔
کشکر من یسعی بغیر انعال	جس طرح ایک سعی کرنے والا بغیر جوتوں کے سعی کر کے شکرگزاری کرتا ہے
امنن به علی رب الافضال	اے احسانات کے مالک! مجھ پر یہ احسان فرما۔

انہوں نے پھر فال نکالی۔ فال عبداللہ کے نام کی نکلی۔ انہوں نے دس اونٹ زیادہ کر دئے اور اونٹوں کی تعداد نوّے ہوگئی۔ عبدالمطلب اُٹھے اور یہ اشعار پڑھنے لگے: ؎

یا رب تسعین و رب المشرع	اے نوّے اونٹوں اور راستوں کے مالک!
و رب من یدفع عند المدفع	اور اے اس شخص کے مالک جو پانی کے بہاؤ کی جگہ سے لوگوں کو روک دیتا ہے۔
حتی یجیزوا معشرا للمجمع	یہاں تک کہ لوگوں کے لیے اس کے برخلاف مجتمع ہونے کا جواز
انج لی عبد الله عند الاذرع	پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے لیے عبداللہ کو فوری طور پر قتل کیے جانے سے نجات عطا کر۔
ونجه من ضربة لا ترجع	اور اٹل ضرب سے اس کی حفاظت فرما۔

پھر انہوں نے فال نکالی جو عبداللہ کے نام کی نکلی۔ انہوں نے دس اونٹ زیادہ کر دیے اور اونٹوں کی تعداد سَو تک پہنچ گئی۔ عبدالمطلب اُٹھے اور یہ دعائیہ اشعار پڑھنے لگے: ؎

اللهم رب مائة لم تقسم	اے اللہ! تو سو اونٹوں کے مجتمع گلّہ کا مالک ہے اور تو ہر اس شخص کا مالک ہے جو ہر جادہ و منزل کا مشتاق ہے۔
ورب من يهوی بكل معلم	
ورب من اهدی لكل محرم	تو اس کا مالک ہے جو ہر احرام باندھنے والے کے لیے قربانی کے جانور بھیجتا ہے ان اونٹوں کی مجموعی تعداد سو تک پہنچ چکی ہے۔ ان کی قربانی قبول فرما اور
قد بلغت مائة لم تقسم	
ارغم اعدائی بها ليرغموا	اس قربانی کے ذریعے میرے دشمنوں کو ذلیل کر دے تاکہ وہ رسوائی سے دوچار ہوں۔

پھر انہوں نے فال نکالی۔ فال اونٹوں پر نکلی۔ قریش اور دیگر حاضرین پکار اُٹھے: "آپ کا پروردگار راضی ہوگیا ہے اور اس نے آپ کے فرزند کو نجات دے دی ہے۔"

(۲۲) احمد بن عبدالجبار نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق کا بیان ہے: لوگوں نے ذکر کیا کہ عبدالمطلب نے اس موقعہ پر کہا: خدا کی قسم، ایسا ہرگز نہیں ہوگا جب تک کہ میں تین دفعہ فال نہ نکال لوں۔ انہوں نے عبداللہ اور اونٹوں پر قرعہ اندازی کی اور عبدالمطلب کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھنے لگے:

اللهم انت هديتنی لزمزم	اے اللہ! تُو نے مجھے زمزم کی راہ دکھائی۔
ان بنی احب من تكلم	میرا بیٹا مجھے بہت پیارا ہے کہ زخمی کیا جائے۔
فلا ترينيه العذاة فی الدم	میں کل صبح اسے اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ خون میں لت پت ہو
فانی حزنی يدخل فی الاعظم	ایسی صورت میں میرا رنج و غم میری ہڈیوں تک پہنچ جائے گا۔
فاجعل فداه مائة لم تقسم	اس کے فدیہ میں سو اونٹوں کے غیر منقسم گلّہ کی قربانی قبول فرما۔
حتی نفاديه بكل اعجم	تاکہ ہم اس کے بدلے میں چوپایوں کا فدیہ پیش کریں۔
امنن علی ذوالجلال المنعم	اے صاحب جلال اور انعام کرنے والے! مجھ پر احسان فرما۔
واوقع الموت لذود عتم	اور موت کو اونٹوں کے گلّہ پر وارد کر جو چراگاہ سے لائے گئے ہیں۔
وثور رب فاجعلن ماتم	اے میرے پروردگار! پھر اس فیصلے کو جاری و نافذ فرما۔
ثم اصرف الموت اليها يسلم	موت کو اونٹوں کی جانب پھیر دے اور عبداللہ کو سلامتی عطا فرما۔
بحولك اللهم عيش خرم	اے اللہ! زندگی کو ختم کرنے کی قدرت صرف تجھی کو حاصل ہے۔
وانت ان سلمته لم يكلم	اگر تو عبداللہ کو سلامتی عطا فرمائے تو وہ زخمی نہیں ہوگا۔
فبلغ العيش به فيعرم	اسے لمبی عمر عطا فرما کہ وہ انتہائی بڑھاپے کو پہنچے۔
حتی اراه عند كل مقدم	تاکہ ہر آنے والے وقت میں میں اسے دیکھتا رہوں۔
يبين الخبر لمن توسم	اور صاحب فراست لوگ اسے دیکھ کر یہ بین خبر معلوم کریں۔

پھر انہوں نے فال نکالی۔ فال اونٹوں پر نکلی۔ پھر انہوں نے یہ عمل دُہرایا۔ عبدالمطلب ہبل کے پاس تھے۔ جب قرعہ اندازی شروع ہُوئی تو عبدالمطلب نے یہ اشعار پڑھے: ؎

یا رب لا تشمت بی الاعادی	اے میرے پروردگار! تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے۔
ان بنی ثمرۃ فؤادی	بلاشبہ میرا بیٹا میرے دل کا ثمرہ ہے۔
فلا تسیل دمہ فی الوادی	اس کا خون وادی میں نہ بہے۔
واجعل فداء الیوم من تلادی	آج اس کے فدیہ میں توانا اونٹوں کے گلّہ کو جو قربانی کے لیے میری برادری
ذود لقاح بدنا اندادی	نے پیش کیے ہیں قبول فرما
حتی تکون فدیۃ الاولاد	تاکہ یہی اولاد کا فدیہ قرار پائے
ولا ترثنیۃ الاذواد	تو اسے میرے اونٹوں کے گلوں کا وارث نہ بنا
ان بنی رب لم یغادی	کیونکہ میرے بیٹے نے کبھی فدیہ دے کر چھُوٹ جانے کا مطالبہ نہیں کیا۔
لکن یمین قسم الجواد	لیکن یہ شریفانہ نذر کی ادائیگی ہے
فقد ترانی رب لو اضادی	اے میرے پروردگار! تُو نے دیکھا ہے کہ میں نے نذر کی مخالفت نہیں کی۔

انہوں نے پھر فال نکالی۔ تیر اونٹوں پر نکلا۔ پھر انہوں نے تیسری دفعہ یہی عمل کیا۔ عبدالمطلب کھڑے ہو گئے اور انہوں نے یہ دعائیہ اشعار پڑھے: ؎

یا رب قد اعطیتنی سؤالی	اے میرے پروردگار! تُو نے میری دُعا کو قبول فرماتے ہوئے میرے اہل و عیال
اکثرت بعد قلۃ عیالی	میں برکت فرمائی حالانکہ قبل ازیں میں قلیل العیال تھا۔
فاجعل فداء الیوم جل مالی	آج اس کے فدیہ کے طور پر میرے بہترین مال کو قبول فرما۔ یہ خوں بہا تمہاری
معقلات تحجب الاجلال	خاطر اور تمہاری تعظیم کی بنا پر پیشِ خدمت ہے۔
ولا ترینہ بشر حالی	تو مجھ کو اس کی وجہ سے بدحالی کا شکار نہ ہونے دے۔
فانہ یدخلنی سلالی	کیونکہ وُہ میری اولاد میں سے ہے۔
بان یکون النحر للھلال	اگر یہ ہلال جیسا خوب صورت لڑکا قربان ہو گیا تو میں بدحال ہو جاؤں گا۔
او تصرف الموت فلا ابالی	تو مجھے بے خوف کر دے اور اے ربِّ ذوالجلال! تُو میرے چھوٹے
عن ابنی الاصغر ذا الجلال	بچے کی موت کو اس سے ٹال دے۔
انت ولی المنعم المفضال	تو کارساز، منعمِ حقیقی اور مہربان ہے۔
فانعم الیوم لذاك بالی	آج تُو مجھے اپنی نعمتوں سے نواز اور میرے خطرات کو دُور کر دے
فانہ قد نزل الموالی	کیونکہ میرے سب رشتہ دار حاضر ہیں۔

كلهم يبكي من السؤال — ان میں سے ہر ایک دعا گو ہے اور رو رہا ہے۔
كل فتى ابيض كالهلال — اور ہلال کی مانند خوب صورت سب نوجوان بھی اسی حال میں ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ نے شعر پڑھا: ؎

يا رب بارك في الغلام الازهر — اے میرے پروردگار! اس خوب صورت اور روشن چہرے والے نوجوان
في الهاشمي والكريم العنصر — کو برکت عطا فرما جو ہاشمی اور کریم النسب ہے۔

تیسری دفعہ بھی فال اونٹوں ہی پر نکلی۔ چنانچہ اونٹ ذبح کر دئے گئے اور انہیں چھوڑ دیا گیا اور ان کا گوشت لے جانے سے کسی کو بھی نہ روکا گیا۔

باب ۳

عبداللہ بن عبدالمطلب کی شادی

(۲۳) احمد بن عبدالجبار نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: لوگوں کا گمان ہے کہ پھر عبدالمطلب نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر بنی اسد بن عبد العزیٰ بن قصی کی ایک عورت کے قریب سے گزرے، وہ عورت کعبہ کے پاس تھی۔ جب اس نے عبداللہ کے چہرے کو دیکھا تو کہا:

"اے عبداللہ! تم کہاں جا رہے ہو؟"

عبداللہ نے جواب دیا:

"میں اپنے باپ کے ہمراہ جا رہا ہوں۔"

اس عورت نے کہا:

"میں تمہیں اتنے ہی اونٹ دوں گی جتنے تمہارے فدیے میں ذبح کیے گئے ہیں بشرطیکہ تم میرے ساتھ اس وقت اختلاط کرو۔"

عبداللہ نے کہا:

"اس وقت میرا باپ ساتھ ہے میں ان سے جدا نہیں ہو سکتا اور نہ ان کے خلاف کر سکتا ہوں اور نہ ہی میرا ارادہ ہے کہ میں کسی بات میں ان کی نافرمانی کا ارتکاب کروں۔"

عبدالمطلب عبداللہ کو لے کر چلے گئے یہاں تک کہ وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے پاس آئے۔ وہب ان دنوں نسب و شرافت کے اعتبار سے بنی زہرہ کے سردار تھے۔ عبدالمطلب نے عبداللہ کی شادی وہب بن عبد مناف بن زہرہ کی صاحبزادی سیدہ آمنہ سے کر دی وہ نسب اور مرتبے کے لحاظ سے قریش کی افضل ترین لڑکی تھی۔ آمنہ کی ماں کا نام برہ بنت عبد العزیٰ بن عثمان بن عبداللہ بن قصی ہے۔ برہ کی والدہ ام حبیب بنت اسد بن عبد العزیٰ بن قصی ہے۔ اور ام حبیب کی والدہ کا نام برہ بنت عوف بن عبید بن (عویج بن عدی بن) کعب بن لوی ہے۔

(۲۴) ابن اسحاق کا بیان ہے، لوگ ذکر کرتے ہیں کہ جناب عبداللہ نے سیدہ آمنہ کو مکان مہیا کیا اور دونوں نے ازدواجی زندگی کا آغاز کیا۔ اختلاط زناشوئی کے دوران میں بی بی آمنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حمل رہ گیا۔

عبداللہ وہاں سے باہر نکلے اور بنی اسد کی اس عورت کے پاس آئے جس نے انہیں مذکورہ بالا بات کہی تھی وہ عورت ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کی بہن تھی اور اپنی قیام گاہ میں تھی۔ عبداللہ اس کے ہاں بیٹھ گئے اور کہا:

"کیا وجہ ہے کہ آج تمہارا میری طرف اس طرح رجحان نہیں ہے جیسا کہ کل تھا؟"

اس نے کہا:

"تم میں جو نور تھا وہ تم سے جدا ہو چکا ہے۔ آج مجھے تمہاری حاجت نہیں۔"

(۲۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: لوگ ذکر کرتے ہیں کہ اس عورت نے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے (جو عیسائی ہو گیا تھا اور کتابوں کا ماہر تھا) یہ سن رکھا تھا کہ اس امت میں بنی اسماعیلؑ میں سے ایک نبی برپا ہوگا۔ اس عورت نے جس کا نام ام قبال بنت نوفل بن اسد تھا اس بارے میں یہ اشعار کہے:

الآن وقد ضیعت ما کنت قادرا	تم اب آئے ہو حالانکہ جو تمہارے پاس تھا تم نے اس کو ضائع کر دیا ہے
علیہ وفارقك الذی کان جابکا	تمہیں اس پر قدرت حاصل نہ تھی وہ تم سے جدا ہو چکا ہے۔
غدوت علی حافلا قد بذلتہ	تم میرے پاس صبح بھرے ہوئے آئے تھے لیکن تم نے اسے وہاں دوسرے
هناك لغیری فالحقن بشانکا	کے سپرد کر دیا ہے اب تم اپنے حالات کے خود ذمہ دار ہو۔
ولا تحسبنی الیوم جلوا ولیتنی	آج تم مجھے اپنی محبوبہ نہ سمجھو۔ اے عبداللہ! کاش تم میرے
اصبت حبیباً منك یا عبد دارکا	حبیب ہوتے۔
ولکن ذاکم صار فی آل زهرة	لیکن وہ تو آلِ زہرہ میں چلا گیا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ لوگوں کو
به یدعم اللہ البریة ناسکا	عبادت گزاری کا راستہ بتلائے گا۔

عبداللہ نے مندرجہ ذیل اشعار میں اس کا جواب دیا:

تقولین قولاً لست اعلم الذی	تو ایسی بات کہہ رہی ہے جسے میں قبل ازیں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا تھی
یکون وما هو کائن قبل ذلك	اور کیا ہو گئی ہے؟
وان کنت ضیعت الذی کان بیننا	کیا میں نے کسی ایسے عہد و پیمان کو توڑا ہے جو میں نے تیرے گھر
من العهد والمیثاق فی ظل دارك	کے پاس تجھ سے باندھا تھا۔
فمثلك قد اصیبت عن کل حلة	تم جیسی عورتیں تو ہر مقام اور ہر حالت میں مصیبت زدہ ہی رہتی ہیں
ومثلی لا یستام عند الفوارك	اور میں ایسا ہوں کہ بغض رکھنے والی عورتوں سے جھگڑا نہیں کیا کرتا۔

ام قبال نے عبداللہ کے بارے میں مندرجہ ذیل اشعار بھی کہے:

علیك بال زهرة حیث کانوا و امنة التی حملت غلاماً

(تجھے چاہیے کہ آلِ زہرہ جہاں بھی ہوں ان کے ساتھ لازم رہو اور سیدہ آمنہ جسے لڑکے کا حمل رہ گیا ہے اس کی رفاقت اختیار کرو)

یری للمهدی حین یری علیه و نور قد تقدمه اماما

(اس لڑکے کے آگے جو نور دیکھا جائے گا وہ نور ہدایت ہو گا)

فیمنع کل محصنة حرید اذا ما کان مرتدیا حساما

(وہ اپنی قوم سے علیحدہ ہو جائے گا اور تلواروں سے مسلح ہو کر پرہیزگار خواتین کی پاسداری کرے گا)

و تحقره الشمال و بان منها ریاح الجدب تحسبه قتاما

(بدقماش لوگ اس کو حقیر سمجھیں گے اور ان کی طرف سے الزام تراشی کے جھکڑ چلیں گے جو درحقیقت لڑائی کے غبار ہوں گے)

فانجبه ابن هاشم غیر شك وادته کریمته همامسا

(بلاشبہ وہ بنی ہاشم میں سب سے نجیب ہوگا اور اس کی سیدہ والدہ اسے بہادر سردار جنے گی)

فکل الخلق یرجوه جمیعا یسود الناس مهتدیا اماما

(پوری مخلوقات اس کے در کی امیدوار رہو گی وہ لوگوں کا سردار اور امام ہوگا اور انھیں ہدایت دے گا)

براه الله من نور مصفی فاذهب نوره عنا الظلاما

(اللہ تعالیٰ صاف اور پاکیزہ نور سے اسے روشنی عطا کرے گا اور اس کی یہ روشنی ہماری ظلمتوں کو دُور کر دے گی)

و ذٰلك صنع ربك اذ حباه اذا ما سار یوما او اقاما

(یہ تیرے رب کا احسان ہے کہ وہ یہ بے بدل عطیہ دے گا اور جب وہ کسی دن سفر کرے گا یا اقامت پذیر ہو گا)

فیهدی اهل مکة بعد کفر و یفرض بعد ذٰلکم الصیاما

(تو وہ اہلِ مکہ کو کفر کے بعد ہدایت نصیب کرے گا اور بعد ازاں روزے فرض کرے گا)

سیّد عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے : ؎

دعوت ربی مخفیا و جهرا
اعلنت قولی وحمدت الصبرا
یا رب لا تنحر بنی نحرا
وفاده بالمال شفعا و وترا
اعطیك من كل سوام عشرا
اومائة دهما وكمتا وحمرا
معروفة اعلامها وصحرا
لله من مالی وفاء و نذرا
عفوا ولو تشمت عیونا خزرا
بالواضح الوجه المزین عذرا
فالحمد لله الاجل شكرا
اعطانی البیض بنی زهرا
ثم كفانی فی الامور امرا
قد كان اشجانی وهد الظهرا
فلست والبیت المغطی سترا
واللات والركن المحاذی حجرا
منك لا نعمك الٰهی كفرا
ما دمت حیا وازور القبرا

میں نے اپنے رب کو چپکے چپکے بھی پکارا اور اس سے علانیہ بھی دعا مانگی
میں نے اپنی بات کو برملا بیان کیا اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کی۔
اے میرے پروردگار ! میرے بیٹے کو ذبح سے بچا اور اس کی قربانی
کے عوض جفت وطاق مال کی صورت میں اس کا فدیہ قبول فرما۔
میں اس کے عوض چرنے والے دس یا سَو اونٹ دینے کو تیار رہوں
جو خاکی اور سیاہ اور سرخ و سفید آمیختہ رنگوں والے ہیں۔
ان اونٹوں کے نشانات معروف ہیں۔ میں یہ اونٹ اپنے مال میں سے
اللہ کی خوشنودی کی خاطر نذر پُوری کرنے کے لیے دیتا ہوں۔
میں تیرے احسان کا طلبگار رہُوں تو اس روشن اور مزیّن چہرے والے
کو گوشۂ چشم سے دیکھنے والی آنکھوں کو ہنسنے کا موقع نہ دے۔
تعریف بزرگ و برتر خدا ہی کے لیے ہے اور میں اس کا شکرگزار ہوں
کہ اس نے مجھے بنی زہرہ کی سفید چہرہ والی خاتون بطور بہو عطا فرمائی۔
وہ اہم ترین معاملہ جس نے مجھے غمگین کر دیا تھا اور میری کمر توڑ دی تھی
اس میں میری طرف اللہ ہی کافی ہو گیا۔
اس گھر کی قسم جو غلاف میں مستور ہے اور لات اور رکن حجرِ اسود
کی قسم۔
اے بارِ الٰہا ! میں کبھی تیرے انعامات و احسانات کی ناشکری
نہیں کروں گا جب تک کہ میں زندہ ہوں اور اپنی قبر کی زیارت کرنے
تک اس عہد پر قایم رہوں گا۔

(۲۶) احمد نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا میرے والد اسحاق بن یسار نے یہ روایت بیان کی کہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف کے ساتھ ایک عورت تھی۔ عبداللہ بن عبدالمطلب اس عورت کے پاس سے گزرے، اس وقت عبداللہ پر مٹی گارے کے اثرات تھے۔ عبداللہ نے اس عورت کو بلایا لیکن وہ آمادہ نہ ہوئی کیونکہ اس نے عبداللہ کے جسم پر مٹی کے نشانات دیکھے تھے۔ عبداللہ نے جا کر غسل کیا اور آمنہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ وہ دوسری عورت جسے قبل ازیں عبداللہ نے بلایا تھا اس نے اب عبداللہ کو دعوت دی لیکن عبداللہ نے اس کے پہلے طرزِ عمل کی وجہ سے انکار کر دیا اور سیدہ آمنہ کے پاس چلے گئے اور ان سے اختلاط کیا۔ پھر باہر آئے اور اس دوسری عورت کو بلایا۔ لیکن اس نے کہا: "اب مجھے تمہاری

حاجت نہیں ہے جب وقت تم میرے پاس سے گزرے تھے تو اس وقت تمہاری آنکھوں کے درمیان ایک نور تھا میں نے چاہا کہ اس نور کو حاصل کر لوں لیکن جب تم آمنہ کے پاس چلے گئے تو وہ نور آمنہ تم سے لے گئی۔"

(۲۷) احمد نے یونس بن بکیر کی وساطت سے محمد ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مروی ہے کہ وہ عورت یہ کہتی تھی:

"جب عبداللہ میرے پاس سے گزرے تو ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان پہلی رات کے چاند جیسا نور تھا' میں نے عبداللہ کو اس امید پر دعوت دی تھی کہ یہ نور میں حاصل کر لوں۔ لیکن وہ آمنہ کے پاس چلے گئے اور ان سے اختلاط کیا۔ چنانچہ سیدہ آمنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حمل رہ گیا۔"

(۲۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب کا بیان ہے کہ جب اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حمل رہ گیا تو اسے خواب میں کہا گیا کہ تمہارے پیٹ میں امت کا سردار ہے جب وہ پیدا ہو تو یہ اشعار پڑھنا: ؎

اعیذہ بالواحد	میں اسے اللہ واحد کی پناہ میں دیتی ہوں کہ وہ اسے ہر حاسد
من شر کل حاسد	کے شر سے محفوظ رکھے جو
فی کل بر عاھد	ہر بھلائی کی کوشش کرنے والے اور عبادت گزاری میں سبقت
و کل عبد رائد	لے جانے والے کے ساتھ حسد کرتا ہے۔
نزول غیر زائد	دنیا میں اس کی تشریف آوری ضروری ہے کیونکہ وہ نہایت
فانہ عبد الحمید الماجد	قابلِ تعریف اور بڑی شان والے خدا کا بندہ ہے۔
حتی اراہ قد اتی المشاھد	یہاں تک کہ میں اسے لوگوں کے اجتماعات کے مقامات پر آتے ہوئے دیکھوں۔

اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایسا نور برآمد ہوگا جس سے سرزمین شام میں بصریٰ کے محلات جگمگا اٹھیں گے۔ جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا۔ تورات میں اس کا نام احمد ہے۔ اہلِ ارض و سما اس کی تعریف کے گن گائیں گے۔ انجیل میں بھی اس کا اسمِ گرامی احمد ہے۔ آسمان والے اور زمین والے اس کی تعریف کریں گے۔ فرقان میں اس کا نام محمد ہے۔ اسے اسی نام سے موسوم کرنا۔ جب آپؐ پیدا ہوئے تو آپؐ کی دایہ کی معرفت سید عبدالمطلب کو اطلاع دی گئی کیونکہ آپؐ کے والد عبداللہ کا انتقال ہو گیا تھا جبکہ آپؐ ابھی بطنِ مادر ہی میں تھے۔ کسی روایت میں یہ بھی ہے کہ جناب عبداللہ کا انتقال اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھائیس ماہ کے تھے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون سی روایت معتبر ہے۔ سیدہ آمنہ نے سید عبدالمطلب کو کہلا بھیجا: "آپ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے، تشریف لائیے اور اسے دیکھیے۔"

جب عبدالمطلب تشریف لائے تو سیدہ آمنہ نے انہیں وہ خواب بتلایا جو اس نے استقرار حمل کے وقت دیکھا تھا اور وہ سب ماجرا سنایا جو کچھ اسے بچے کا نام وغیرہ رکھنے کے بارے میں کہا گیا تھا۔ سید عبدالمطلب نے آپؐ کو اٹھا لیا اور کعبہ کے اندر ہبل کے پاس لے گئے۔ وہ اللہ سے دعا کرتے اور اللہ کی اس عطا پر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کھڑے رہے اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے : ؎

الحمد للہ الذی اعطانی	تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے سرخی مائل گورے رنگ کا
ھذا الغلام الطیب الاردان	یہ پاکیزہ لڑکا عطا فرمایا۔
قد ساد فی المھد علی الغلمان	یہ بچپن ہی میں لڑکوں کا سردار ہے، بس اسے اللہ کی پناہ میں
اعیذہ باللہ ذی الارکان	دیتا ہوں جو اس مستحکم کناروں والے گھر کا مالک ہے۔
حتی یکون بلغة الفتیان	یہاں تک کہ وہ بھرپور جوانی کو پہنچ جائے اور میں دیکھوں کہ اس کے
حتی اراہ بالغ البنیان	جوڑ بند مضبوط ہو چکے ہیں۔
اعیذہ من کل ذی شنآن	میں اسے ہر دشمن کی دشمنی سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں اور ٹھوکریں
من حاسد مضطرب العنان	کھانے والے اندھے اور بوڑھے
ذی ھمة لیس له عینان	حاسد کے حسد سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں
حتی اراہ رافع اللسان	یہاں تک کہ میں اسے خطیب اور زبان آور دیکھوں
انت الذی سمیت فی الفرقان	تو وہ ہے کہ جس کا نام فرقان میں اور دوسری
فی کتب ثابتة المثانی	آسمانی کتب میں احمد رکھا گیا ہے جو
احمد مکتوبا علی اللسان	زبان زد خلائق ہے۔

جب عبدالمطلب عبداللہ کے معاملے سے فارغ ہو گئے اور عبداللہ کی قربانی کے بارے میں جو تشویش اور پریشانی انھیں لاحق ہوئی تھی وہ جاتی رہی تو اس وقت انہوں نے یہ اشعار کہے :

دعوة ربی دعوة المناصح	میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور مخلصانہ رجوع کرتے ہوئے دعا مانگی جس
دعوة مبتاع رضاہ رابح	کے ذریعے میں نے اللہ کی نفع بخش خوشنودی کی تلاش کی۔
فاللہ عند قسمة المنائح	اللہ تعالیٰ نے انعامات و عطیات تقسیم کیے اور جھگڑا کرنے والوں کے
اعطی علی الشح من المشاحح	لالچ کے باوجود زمزم عطا کیا جس سے چلو بھر پانی حاصل کرنے کی
زمزم لایمتاحھا الماتح	درخواست نہیں کی جاتی بلکہ زمزم جوش مار کر نکلتا ہے اور پانی حاصل
الا الدلاء الزبد السوافح	کرنے والے اس سے ڈول بھر بھر کے لے جاتے ہیں۔
کم من حجیج مغتد ورائح	صبح و شام آنے والے کتنے حجاج ہیں جو اس سے اپنی پیاس
جاد بھا من بعد لوح اللائح	بجھاتے ہیں اور سیراب ہوتے ہیں۔

سقیا علی رغم العدو المباشح	سخت ترین دشمنوں کی دشمنی کے باوجود یہ چشمہ جاری ہوا اور اس سے قبل
بعد کنوز الحلی والصفائح	سونے کے خزانے اور تلواریں برآمد ہوئیں۔
حلی لبیت اللہ ذی المسارح	یہ زیورات بیت اللہ پر چڑھائے گئے جس کے صحن میں روشنیاں ہیں اور
بیت علیہ النور کالمصابح	یہ ایسا گھر ہے جو چراغوں کی روشنی سے جگمگاتا ہے۔
بنیان ابراهیم ذی المسابح	یہ گھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ ہے جو اللہ کی پاکی بیان
بناه بالرفق وحلم راجح	کرنے والے اور نہایت شفیق اور بردبار تھے۔
بین الجبال الصم والصرادح	ابراہیم علیہ السلام نے اس گھر کو سنسان پہاڑوں اور ہموار جگہ کے درمیان
فهو مثاب لذوی الطلائح	تعمیر کیا اور یہ دور دراز کا سفر طے کر کے تھکی ہوئی اونٹنیوں پر سوار ہو کر آنے والوں کے لیے عبادت کا مرکز ہے۔
ینتابه من کل فج نازح	جس کی طرف غیر معروف لیکن پاکیزہ اطوار اور قابلِ اعتماد لوگ دشوار گزار
مشتبه الاعلام والصحاصح	گھاٹیوں سے گزر کر پے در پے اور نوبت بہ نوبت آتے ہیں۔

عبدالمطلب نے یہ اشعار بھی کہے۔ ۵۰

الحمد للخالق لا العباد	تعریف کے سزاوار بندے نہیں ہیں بلکہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے
لما رای جدی واجتهادی	جس نے مجھے تشویش کی حالت میں صحیح رائے کا تلاش کرنے والا پایا اور میری رہنمائی فرمائی۔
وانني موفیه بالمیعاد	بے شک میں اپنے عہد و پیمان کو پورا کرنے والا ہوں درحقیقت عہد کے
والعهد ان العهد ذو معاد	بارے میں جواب دہی ہوگی۔
فرج عنی کربة الفؤاد	اللہ تعالیٰ نے میرے دل کے غم و الم کو دور کر دیا اور
ونال منی فدیة المفادی	میرے بیٹے کا فدیہ قبول فرما لیا۔
فادیت عبد اللہ من تلادی	میں نے عبد اللہ کا فدیہ اپنے مال سے عطا کیا۔ بے شک بیٹے جگر کے
ان البنین فلذ الاکباد	قیمتی ٹکڑے ہوتے ہیں۔
ثماره کالقرع للفؤاد	بیٹے کی اولاد باعث طمانیتِ قلب ہے میرے ہاں گندم گوں اور
ادم وحمر کلها تلاد	سرخ رنگ والے سبھی ہیں۔
قلت للعباس لها ذواد	شریف النسل اونٹوں کا گلہ موجود ہے۔ میں نے کہا: کیا تم میں سے کوئی
هل منکم من صیت ینادی	بلند آواز والا ہے جو یہ ندا دے کہ
الابل نهب بین اهل الوادی	اہل وادی نے اونٹوں کو غارت گری اور لوٹ مار کا مال بنا لیا ہے اور یہ بڑی
فترکوها وهی فی عصواد	بد اخلاقی ہے پس انہوں نے اونٹوں کو چھوڑ دیا۔

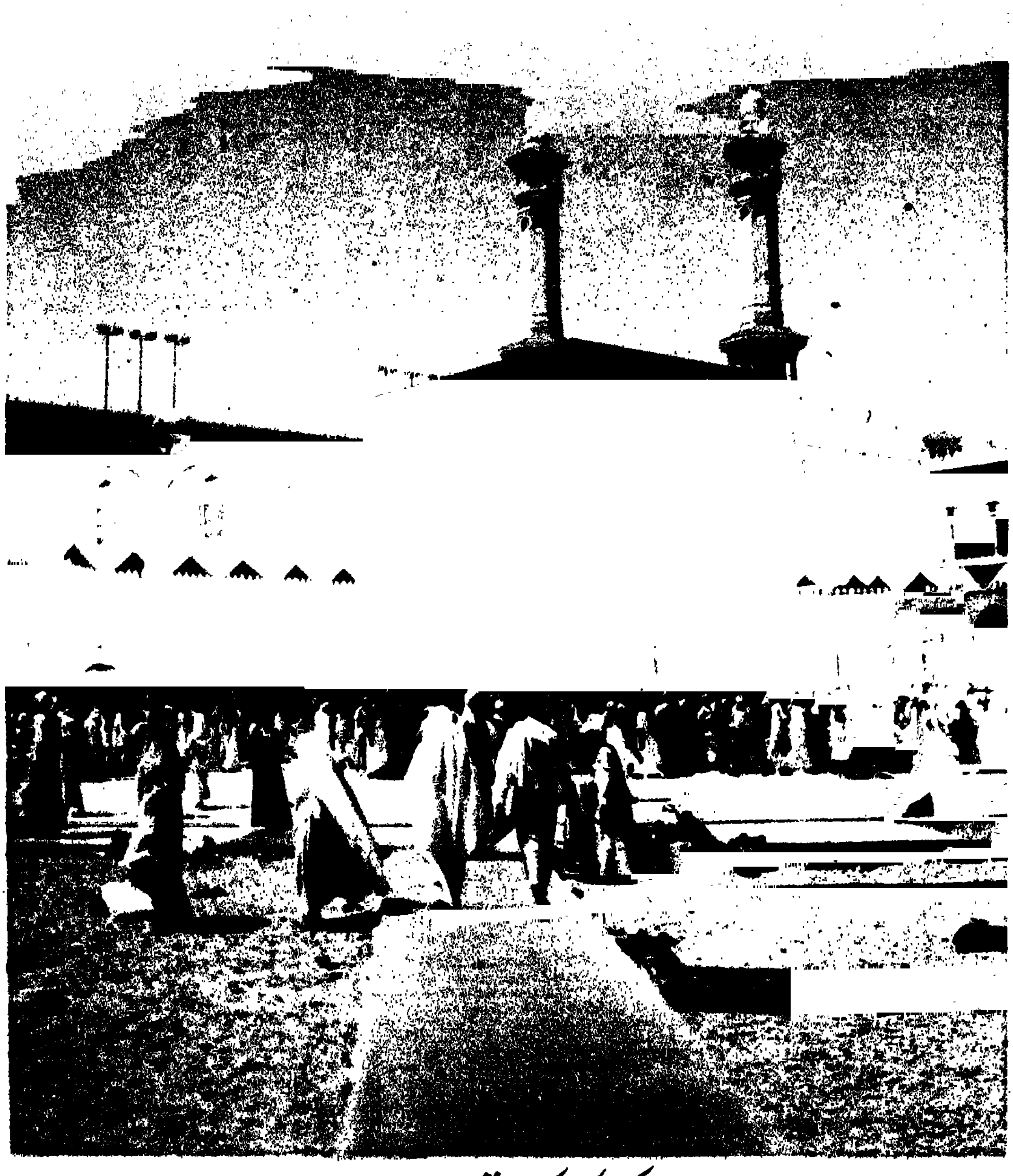
یرکبها بالآلة الحداد	ان پر سوار ہونے کے لیے تیز ہتھیار درکار ہوتے ہیں اور پانی رکھنے کے لیے
کانها رهو من المزاد	اس قدر تھیلے ان پر ہیں گویا کہ وہ پانی کی نہریں ہیں۔
یروی بها ذوا جعل صیاد	رسیوں والا شکاری ان کو پکڑ کر لاتا ہے اور عبداللہ قیمتی لباس میں
وراح عبد الله فی الابراد	ملبوس خوش و خرم ہے۔
یغیظ اعدائی من الحساد	میرے حاسد دشمن غیظ و غضب میں ہیں کہ میں نے عبداللہ کو سخت
نجیته من کرب شداد	تکلیف سے بچا لیا ہے۔

عبدالمطلب نے یہ اشعار بھی کہے : ؎

الحمد لله علی ما انعما	تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے نعمتیں عطا کیں اور دشمنوں کی
اعطی علی رغم العدو زمزما	دشمنی کے باوجود زمزم کی نعمت سے نوازا۔
تراث قوم لم یکن مهدما	یہ ایک زندہ قوم کی میراث ہے لیکن حاسد
والحاسدون یخرقون الا دما	بے وقوف ہیں۔
ولم یکن حافرها لیندما	اس کنویں کو برآمد کرنے والا پشیمان نہیں ہوگا۔
اصاب فیها حلیة فتسلما	اسے کنویں میں سے زیورات ملے جنہیں اس نے قبول کیا۔
لله ما اجری علیه الاسهما	اللہ ہی کے لیے وہ چیز جس پر اس نے تیر نکالے۔ بخدا! میں نے
والله اوفی نذره اذا قسما	جو نذر مانی ہے وہ پوری کروں گا۔
اعطی بنین عصبة وخدما	اللہ تعالیٰ نے مجھے لڑکوں اور خدمت گاروں کی ایک جماعت عطا کی
ولست ذ الله ارید ما ثما	اور میرا کوئی ارادہ نہیں کہ میں اللہ کی نافرمانی کروں اور
فی النذر او اهریق لله دما	اللہ کے لیے نذر پوری نہ کرکے یا ان میں سے ایک لڑکے کا خون نہ
منهم وقد اوفیتهم فتمما	بہا کر گناہ کا ارتکاب کروں حالانکہ میری منت کے مطابق میرے بیٹے پورے ہیں۔
من بعد ما کنت وحیدا ایما	اس سے قبل میں غیر شادی شدہ اور اکیلا تھا اور
یرانی الاعداء قرنا اعصما	دشمن مجھے اپنا مدِ مقابل ایسا سردار سمجھتے تھے
اعضب اوذا ارتیاب اعسما	جس کے بھائی بند نہ ہوں یا قلیل ہوں اور وہ بے چین ہو۔

عبدالمطلب نے یہ اشعار بھی کہے : ؎

دعوت ربی دعوة المغلوب	میں مغلوب ہوچکا ہوں اور اس حالت میں میں نے اپنے پروردگار کو
ونعم مدعی السائل المکروب	پکارا۔ ایک درماندہ سائل کی پکار کس قدر مقبول ہوتی ہے۔



خانہ کعبہ کا ایک منظر

فالحمد للمستمع المجیب	سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جو دعاؤں کو سننے والی اور
اعطی علی رغم ذوی الذنوب	قبول کرنے والی ہے جس نے بدکرداروں اور کینہ توز دشمنوں کی عداوت
الی والشحناء و العیوب	کے باوجود مجھے عجیب وغریب جگہ سے
زمزم ذات الموضع العجیب	چاہِ زمزم عطا فرمایا۔
بین سواد الصنم المنصوب	جو نصب شدہ بتوں اور غلاف میں مستور بیت اللہ کے درمیان
وبین بیت اللہ ذی الحجوب	غضب شدہ چوپایوں کے گوبر
وتحت فرث النعم المغصوب	کے تحت اٹھا ہوا تھا۔

باب ۴

رسول اللہؐ کی ولادت باسعادت

(۲۹) احمد بن عبدالجبار نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: مطلب بن عبداللہ بن قیس نے اپنے والد اور دادا قیس بن مخرمہ سے روایت کی۔ قیس نے کہا: میری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں ہوئی۔ ہم دونوں ہم عمر ہیں۔

(۳۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حرب فجار جو عکاظ کے مقام پر لڑی گئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال کی تھی۔

(۳۱) ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے آپؐ کی والدہ کی گود ہری ہوئی تو آپؐ کیلیے دایہ تلاش کی گئی۔ چنانچہ آپؐ کو دُودھ پلانے کے لیے حلیمہ بنت ابی ذؤیب کو مقرر کیا گیا۔ ابو ذؤیب کا نام عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن جابر بن رزام بن ناصرہ بن فصیہ بن نصر بن سعد بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی باپ کا نام جن کی بی بی کا دودھ آپؐ نے نوش جان فرمایا حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ بن ملان بن ناصرہ بن فصیہ بن نصر بن سعد بن بکر بن ہوازن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بہنوں کے نام یہ ہیں:

عبداللہ بن حارث، انیسہ بنت حارث اور حذافہ بنت حارث جن کا لقب شیماؔ تھا اور وُہ اپنی قوم میں اپنے اصلی نام کی بہ نسبت اسی لقب سے زیادہ مشہور تھیں۔ یہ سب بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حلیمہ کے بطن سے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس رہتے تو شیماؔ اپنی والدہ کے ساتھ مل کر آپؐ کو کھلایا کرتی تھیں اور آپؐ کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔

(۳۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: حدیث بیان کی مجھ سے جہم بن ابی جہم نے جو حارث بن حاطب کے ہاں بنی تمیم کی ایک عورت کا مولیٰ تھا اور اسی وجہ سے جہم کو حارث بن حاطب کا مولیٰ بھی کہتے ہیں۔ جہم نے کہا: مجھ سے ایسے شخص نے بیان کیا جس نے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کو کہتے سنا تھا کہ حلیمہ بنت حارث (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں) بیان کرتی ہیں: میں بنی سعد

بن بکر کی کچھ عورتوں کے ہمراہ دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکّہ آئی۔ ہمارے ہاں قحط سالی تھی اور گھاس کا پتہ تک نہ تھا۔ میں ایک سبزی مائل سفید رنگ کی گدھی پر نکلی جو سفر کی تکان سے لاغر ہو گئی۔ میرے ساتھ شیر خوار بچہ اور ایک بوڑھی اونٹنی تھی۔ بخدا بچے کی بھوک کے باعث ہم بھی نہ سو سکتے تھے کیونکہ میری چھاتیوں میں اتنا دودھ نہ تھا کہ بچے کے لیے کافی ہو اور ہماری اونٹنی بھی ذرا دُودھ نہ دیتی تھی کہ بچے کی خوراک کے کام آئے۔ اس حال میں ہم مکّہ پہنچے۔ ہم میں سے کوئی عورت ایسی نہ تھی جس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نہ کیا گیا ہو۔ لیکن جب کہا جاتا کہ آپؐ یتیم ہیں تو کوئی عورت بھی آں حضرتؐ کو لینے پر راضی نہ ہوتی۔ کیونکہ ہم لوگ کہتے تھے کہ بچے کی ماں سے حسنِ سلوک کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ اگر بچے کا باپ ہوتا تو اس سے نیک سلوک کی توقع کی جا سکتی تھی۔ میرے ساتھ آئی ہوئی سب عورتوں نے دُوسرے بچے لے لیے اور مجھے کوئی بچہ نہ ملا، میں نے اپنے شوہر حارث بن عبدالعزّیٰ سے کہا:

"خدا کی قسم، میں یہ بات پسند نہیں کرتی کہ کسی شیر خوار بچے کو لیے بغیر اپنے ساتھ والیوں کے ہمراہ خالی ہاتھ واپس جاؤں۔ میں اسی یتیم بچے کو لے لیتی ہوں۔"

میرے شوہر نے کہا: "اگر تو ایسا کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔"

چنانچہ میں گئی اور صرف اس لیے اس بچے کو لے لیا کہ مجھے آپؐ کے سوا اور کوئی بچہ نہ ملا اور آپؐ کو بھی میرے سوا کوئی عورت لینے پر رضامند نہ ہوئی۔

آپؐ کو لے کر میں اپنی اقامت گاہ پر گئی اور اس بچے کے مُنہ میں حسبِ خواہش اپنی چھاتی دی تو اتنا دُودھ اُترا کہ وہ بھی سیر ہو گیا اور اس کے دودھ شریک بھائی نے بھی خوب پیٹ بھر کر پی لیا۔ پھر میرا شوہر بوڑھی اونٹنی کی طرف متوجہ ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ دودھ سے بھری ہوئی ہے۔ اس نے اتنا دُودھ دیا کہ میرے شوہر نے بھی پیا اور میں نے بھی۔ اور ہم دونوں اچھی طرح سیر ہو گئے۔ اور ہم نے رات بڑے آرام سے گزاری۔ میرے شوہر نے مجھ سے کہا: "اے حلیمہ! بخدا تُو نے بڑا ہی مبارک بچہ حاصل کیا ہے۔ کیا تُو نہیں دیکھتی کہ اس بچے کو حاصل کر کے ہم نے کس قدر خیریت کے ساتھ رات گزاری ہے۔" اللہ تعالیٰ ہمارے لیے خیر و برکت میں اضافہ کرتا گیا یہاں تک کہ ہم نے اپنے علاقے کی طرف واپسی کے لیے رختِ سفر باندھا۔ خدا کی قسم، واپسی کا سفر ہماری گدھی نے اس طرح طے کیا کہ قافلے کے سارے گدھوں کو اس نے پیچھے چھوڑ دیا اور کوئی بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس پر میری ساتھی عورتیں کہنے لگیں:

"اے بنت ابی ذُویب! کیا یہ تیری وہی گدھی ہے جس پر تُو ہمارے ساتھ آئی تھی؟"

میں نے کہا:

"ہاں، یہ وہی ہے۔"

وہ بولیں: "واللہ اس کی شان ہی کچھ اور ہے۔"

اس طرح ہم بنی سعد کے علاقے میں واپس پہنچ گئے۔ میرے علم کی حد تک اللہ عز و جل کی زمین پر اس وقت کوئی خطہ ایسا نہ تھا جو اتنا اجاڑ ہو جتنا ہمارا علاقہ تھا۔ لیکن میری بکریاں جہاں جاتیں پیٹ بھر کر چارہ کھاتیں اور شام کو واپس آتیں تو دودھ سے بھرپور ہوتیں۔ ہم حسبِ خواہش دودھ دوہتے اور ہمارے قرب و جوار میں دوسرے لوگوں میں سے کسی کی بکری کے تھنوں میں دودھ کا قطرہ تک نہ ہوتا تھا اور ان کے ریوڑ بھوکے واپس آتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے چرواہوں سے کہنے لگے:

"اے کم بختو! ابو ذؤیب کا ریوڑ جہاں چرتا ہے تم بھی اس کے ساتھ ریوڑ چرایا کرو۔"

چنانچہ انہوں نے بھی اپنے ریوڑ میرے ریوڑ کے ساتھ رکھنا شروع کر دئے۔ لیکن ان کے ریوڑ بھوکے واپس آتے، ان کی بکریوں کے تھنوں میں دودھ کا قطرہ تک نہ ہوتا اور ہماری بکریاں دودھ سے بھری ہوئی اور سیر ہو کر واپس آتیں اور ہم حسبِ منشا دودھ دوہتے۔ اس طرح ہمیں اللہ عز و جل برکتوں سے نوازتا رہا اور ہم ان برکات کا مشاہدہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بچہ دو سال کی عمر کو پہنچ گیا اور سارے قبیلے کے بچوں سے زیادہ تندرست ہو گیا۔ واللہ اس بچے کی عمر دو سال بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ خوب توانا ہو چکا تھا ہم اسے لے کر اس کی ماں کے پاس گئے۔ چونکہ ہم اس کی برکات کا مشاہدہ کر چکے تھے اس لیے ہمارا جی چاہتا تھا کہ وہ کچھ مدت اور ہمارے پاس رہے۔ جب اس کی ماں نے اسے دیکھا تو میں نے اس کی ماں سے کہا:

"بی بی! اس بیٹے کو ابھی ہمارے پاس ایک سال اور رہنے دو، ہمیں اندیشہ ہے کہ مکہ کی خراب آب و ہوا اس کی صحت پر بُرا اثر نہ ڈالے۔"

ہم نے اس قدر اصرار کیا کہ وہ اسے پھر ہمارے ساتھ بھیجنے پر راضی ہو گئیں۔ واپس آکر ہم ابھی دو تین مہینے ہی رہے تھے کہ ایک روز ہم اپنے گھروں کے پیچھے کی طرف تھے اور وہ بچہ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ ہماری بکریوں کے بچوں کے پاس تھا، اتنے میں اس کا بھائی دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا:

"میرے اس قرشی بھائی کے پاس دو آدمی آئے جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھے انہوں نے اسے لٹا کر اس کا پیٹ چاک کر دیا۔"

میں اور میرا شوہر دونوں بھاگتے ہوئے گئے تو دیکھا کہ وہ بچہ کھڑا ہے اور گھبراہٹ کی وجہ سے اس کا رنگ متغیر ہو چکا ہے۔ اس کے باپ نے اسے جلدی سے اٹھا لیا اور پوچھا:

"بیٹا! تمہارا کیا حال ہے؟"

اس بچے نے کہا:

"میرے پاس دو سفید پوش آدمی آئے انہوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی اور پیٹ کو پھر ویسا ہی کر دیا جیسا وہ تھا۔"

حلیمہ کا بیان ہے کہ ہم اسے اپنے ساتھ واپس گھر لے آئے۔ اس کے باپ نے کہا: "اے حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ میرے اس بچے کو کچھ ہو نہ جائے۔ بہتر یہ ہے کہ اس کی مخدوش حالت کے اظہار سے قبل ہم اسے اس کے گھر والوں کو واپس کر دیں۔" چنانچہ اسے اٹھا کر ہم اس کی والدہ کے پاس لے آئے۔ اس کی والدہ نے اسے سابقہ حالت کے مطابق پایا اور دریافت کیا کہ تم اسے واپس کیوں لے آئے ہو؟ حالانکہ تم تو اسے اپنے پاس رکھنے کے بہت آرزو مند تھے۔ ہم نے کہا: "بخدا کوئی بات نہیں۔ اس سلسلے میں ہماری جو ذمہ داری تھی وہ ہم نے اللہ عزوجل کی توفیق سے پوری کر دی ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ کوئی نقصان نہ ہو جائے یا کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے، اس لئے ہم اس بچے کو واپس لے آئے ہیں۔" اس کی والدہ نے کہا: "اصل بات کیا ہے؟ ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔" اس کی والدہ کے اصرار پر ہم نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ بی بی آمنہ نے کہا: "کیا تمہیں اس بچے کے معاملہ میں شیطان کا خوف ہے؟ شیطان کے لیے اس پر کوئی راہ نہیں۔ میرے اس بچے کی بڑی شان ہے۔ کیا میں تمہیں اس کے حالات نہ بتاؤں؟" ہم نے کہا: "ضرور بتائیں۔" بی بی آمنہ نے کہا: "میں نے اسے اس حال میں پیٹ میں رکھا کہ مجھے کبھی بوجھ محسوس نہ ہوا۔ جب مجھے اس کا حمل رہ گیا تو مجھے خواب میں دکھلایا گیا کہ میرے بطن سے ایک نور برآمد ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ اس کی پیدائش بھی دیگر بچوں سے مختلف تھی وہ اپنے دونوں ہاتھوں کے سہارے اپنا سر آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے تھا۔

(۳۴) احمد نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: ثور بن یزید نے خالد بن معدان کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی یہ حدیث بیان کی۔ انہوں نے کہا: "یا رسول اللہ! ہمیں اپنے حالات کے بارے میں مطلع فرمائیں۔" آں حضرتؐ نے فرمایا: "میرے لیے میرے باپ ابراہیم علیہ السلام نے دُعا فرمائی اور عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا کو میری بشارت کا مژدہ سنایا۔ جب میں بطنِ مادر میں تھا تو میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک نور برآمد ہوا جس سے ارضِ شام میں بصریٰ کے محلات جگمگا اُٹھے۔ میں نے زمانہ رضاعت بنی سعد بن بکر میں گذارا۔ اس دوران میں جب میں اور میرا رضاعی بھائی بکریوں کے بچوں کے پاس تھے تو سفید کپڑوں میں ملبوس دو آدمی میرے پاس سونے کا ایک برتن لے کر آئے جس میں برف تھی، انہوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ چاک کیا۔ پھر میرا دل نکالا، اسے چیرا اور اس میں سے ایک سیاہ لوتھڑا نکال کر پھینک دیا۔ پھر میرے قلب اور پیٹ کو دھو کر صاف کر دیا اور اسے ویسا ہی کر دیا جیسا کہ وُہ پہلے تھا۔ پھر ان میں سے ایک آدمی نے دوسرے کو کہا: ان کو ان کی اُمت کے دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو۔ چنانچہ اس نے وزن کیا تو میں بھاری نکلا۔ پھر اس نے کہا: اب ان کو ان کی امت کے سَو آدمیوں کے ساتھ وزن کرو۔ چنانچہ اس نے وزن کیا تو میں بھاری نکلا۔ پھر اس نے کہا کہ اب ان کو ان کی امت کے ہزار آدمیوں کے ساتھ وزن کرو۔ اس نے وزن کیا تو میں پھر بھی بھاری نکلا۔ پھر اس نے کہا کہ بس کر دو اگر ان کو ان کی تمام اُمّت کے ساتھ وزن کرو گے تب بھی یہی وزنی نکلیں گے۔

(۴۴) احمد نے حدیث بیان کی کہ یونس بن بکیر نے یکے بعد دیگرے ابی سنان شیبانی، حبیب بن ابی ثابت اور یحییٰ بن جعدہ کی وساطت سے یہ روایت نقل کی۔ یحییٰ بن جعدہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس دو فرشتے دو سفید بگلوں کی شکل میں آئے جن کے پاس برف، اولے اور ٹھنڈا پانی تھا، ان میں سے ایک نے میرا سینہ چاک کیا اور دوسرے نے اپنی چونچ سے ملا کر اسے صاف کر دیا۔"

باب ۵

قبیلہ حمیر کے بادشاہ تُبّع اوسط کی حکایت

(۳۵) احمد بن عبد الجبار نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ تبع کشور کشائی کی غرض سے فوج کشی کرتا ہوا جب مدینہ پہنچا تو اس نے وادیٔ قبا میں ڈیرہ ڈال دیا۔ وہاں اس نے ایک کنواں کھدوایا۔ اس کنوئیں کو اس وقت بادشاہ کا کنواں کہا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں یہود اور اوس و خزرج کے قبائل آباد تھے جنہوں نے تبع کی مخالفت کی اور اس سے برسرِ پیکار ہو گئے۔ وہ دن کے وقت اس سے قتال کرتے تھے اور جب شام ہو جاتی تو اس کے لیے اور اس کے ہمراہیوں کے لیے سامانِ ضیافت ارسال کرتے تھے۔ جب انہوں نے چند راتوں تک اس عمل کو جاری رکھا تو تبع نے شرمساری محسوس کی اور ان کی طرف صلح کا پیغام بھیجا۔ چنانچہ قبیلہ سے ایک شخص جس کا نام اُحیحہ بن جلاح بن حریش بحجبا بن کلدہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس تھا تبع کے پاس گیا۔ اسی طرح ایک دوسرا شخص جو یہودی تھا اور جس کا نام بن یمین القرظی تھا وہ تبع کے پاس گیا۔ احیحہ نے تبع سے کہا:

"اے بادشاہ! ہم آپ کے ہم قوم ہیں۔"

اور بن یمین نے کہا:

"اے بادشاہ! آپ اپنی انتہائی کوشش کے باوجود اس شہر کو فتح نہیں کر سکیں گے۔"

بادشاہ نے وجہ دریافت کی تو بن یمین نے جواب دیا:

"یہ جگہ انبیأ میں سے ایک نبی کی قیامگاہ قرار پائے گی جسے اللہ تعالیٰ قریش میں سے مبعوث فرمائے گا۔"

اسی دوران میں تبع کے پاس یمن سے ایک مخبر آیا جس نے اسے خبر دی کہ یمن میں ایک ایسی آگ بھڑک اُٹھی ہے کہ جو بھی اس کے پاس سے گزرتا ہے وہ اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس لیے تبع جلد ہی مدینہ سے چلا گیا، اور اس کے ساتھ یہود کا ایک وفد بھی گیا جس میں بن یمین وغیرہ شامل تھے۔ تبع نے اس موقع پر یہ اشعار کہے:

انی نذرت یمینا غیر ذی خلف الا اجوز و بالحجاز مخلد	میں نے پختہ عزم کر رکھا تھا کہ میں حجاز کو فتح کر کے ہمیشہ کے لیے اس پر قابض رہوں گا۔
حتی اتانی من قریظة عالم جر لعمرك فی الیهود مسود	یہاں تک کہ بنی قریظہ کا ایک عالم میرے پاس آیا جو یہود کا سردار تھا۔

القی الی نصیحۃ کے ازدجر — اس نے مجھے نصیحت کی کہ میں اس قریہ میں لشکرکشی نہ کروں جو حضرت محمدؐ کا مستقر بننے والا ہے۔

عن قریۃ محجورۃ بمحمد

ولقد ترکت بہاجالا وضعا — اس لیے میں نے وہاں ایسے لوگوں سے تعرض نہیں کیا جنہیں حضرت محمدؐ کے انصار ہونے کا شرف حاصل ہوگا اور جو نورِ نبوت سے ہدایت حاصل کرنے کے منتظر ہیں۔

النصر ینتظرون نورا مھتد

(۳۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کا یہ بیان نقل کیا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: تبع کی لشکرکشی جاری رہی یہاں تک کہ وہ جوارِ مکہ کی سخت اور بلند زمین کے کنارے تک پہنچ گیا۔ یہ جگہ مکہ شہر کی آبادی سے دو رات کی مسافت پر واقع ہے اور قبیلہ ہذیل بن مدرکہ کا مسکن تھی۔ چنانچہ قبیلہ ہذیل کے کچھ آدمی تبع کے پاس آئے اور اس سے کہا: "اے بادشاہ! کیا ہم آپ کو ایک ایسے خزانہ کا پتا نہ بتلائیں جس میں سونا، یاقوت اور زمرد وافر مقدار میں موجود ہیں، آپ اسے فتح کرلیں اور اس خزانہ میں سے ہمیں بھی کچھ عطا کریں۔" تبع ایسا کرنے پر رضامند ہوگیا۔ بنی ہذیل نے کہا: "یہ خزانہ مکہ کے ایک گھر میں ہے۔" تبع اس مہم کی طرف بخوشی متوجہ ہوا اور اس نے اس گھر کو منہدم کرنے کا پختہ عزم کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے قویٰ کو مضمحل کردیا۔ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں شل ہوگئے اور اس کا جسم زخمی ہوگیا۔ اس نے اپنے ہمراہیوں میں سے یہود کو بلایا اور ان سے کہا: "ہائے میری بدنصیبی! یہ مجھ پر کیا مصیبت آن پڑی ہے؟" انہوں نے پوچھا: "کوئی حادثہ پیش آیا ہے؟" اس نے نفی میں جواب دیا۔ انہوں نے کہا: "کیا تیرے عزائم میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے؟" اس نے کہا: "ہاں، یہاں کے رہنے والوں کا ایک وفد میرے پاس آیا تھا اور انہوں نے مجھے ایک ایسے گھر کے بارے میں اطلاع دی جو سونے، یاقوت اور زمرد کے ذخائر سے بھرا ہوا ہے اور انہوں نے مجھے ترغیب دی کہ میں اس گھر کو منہدم کروں اور اس کے ذخائر کو لوٹ لوں اور اس خزانہ میں سے انھیں بھی کچھ عطا کروں، میں نے ان کی اس پیشکش کو قبول کرلیا اور اس گھر کو منہدم کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔" یہود کے وفد نے اس سے کہا: "وہ اللہ کا محترم گھر ہے جو کوئی اس کے انہدام کا ارادہ کرتا ہے وہ خود ہلاک ہوجاتا ہے۔" تبع نے کہا: "ہائے میری بدنصیبی! اب اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کی صورت کیا ہے؟" انہوں نے کہا: "آپ اس بات کا ارادہ کرلیں کہ جس طرح وہاں کے رہنے والے لوگ طواف کرتے ہیں آپ بھی اس گھر کا طواف کریں گے، اس پر غلاف چڑھائیں گے اور وہاں جانور قربان کریں گے۔" اس نے اپنے جی میں یہ ارادہ کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس مصیبت سے نجات عطا کی اور اس نے اس واقعہ کے بارے میں یہ اشعار کہے:

یالدف من جمدان فوز مصعد — میں بلند اور سخت زمین کے کنارے تک پہنچ گیا اور وہاں میرے پاس بنی ہذیل کے کچھ آدمی آئے۔

حتی اتانی من ھذیل اعبد

ذکروا الی البیت قالوا کنزہ — انہوں نے ایک ایسے گھر کی نشان دہی کی جس میں موتیوں، یاقوت اور زمرد کا خزانہ ہے۔

درو یاقوت وفیہ زبرجد

فاردت امرا حال ربی دونه	چنانچہ میں نے اس گھر کو منہدم کرنے کا قصد کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت
والرب یدفع عن خراب المسجد	حائل ہوگئی کیونکہ اللہ تعالیٰ مسجد کی تخریب سے باز رکھتا ہے۔

پھر وہ تائب ہو کر مکہ میں داخل ہوا۔ اس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ صفا و مروہ کے مابین سعی کی، اور خواب کی حالت میں اسے اشارہ کیا گیا کہ وہ بیت اللہ پر غلاف چڑھائے۔ چنانچہ اس نے گاڑھے کپڑے کا غلاف چڑھایا۔ اور یہ پہلا شخص تھا جس نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا۔ اسے خواب میں پھر اشارہ کیا گیا کہ وہ اس سے بہتر غلاف چڑھائے۔ چنانچہ اس نے یمن کے شہر معافر میں تیار شدہ کپڑے کا غلاف چڑھایا۔ اسے سہ بارہ خواب میں اشارہ کیا گیا کہ وہ اس سے بھی اعلیٰ غلاف چڑھائے۔ اس نے یمن کے دھاریدار کپڑے کو سی کر اس کا غلاف کعبہ پر چڑھایا۔ اس نے چھ دن تک مکہ مکرمہ میں قیام کیا اور حسبِ روایت ان ایام کے دوران میں وہ لوگوں کے لیے جانور ذبح کرتا رہا اور وہاں کے رہنے والوں کو کھانا کھلاتا اور شہد پلاتا رہا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مشہور قول کے مطابق تبع پہلا شخص ہے جس نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا اور وہاں پر اپنے والیوں کو جو بنی جرہم میں سے تھے ہمیشہ غلاف چڑھاتے رہنے کی ہدایت کی اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس گھر کو پاک صاف رکھیں اور مردار اور خون اور نجس چیتھڑے اس کے قریب نہ آنے دیں۔ اس نے اس گھر کے لیے دروازہ تیار کروایا اور قفل و کلید کا بندوبست بھی کیا۔ تبع نے اس موقعہ پر یہ اشعار کہے:

ونحرنا بالشعب ستة الف	ہم نے وادی میں چھ ہزار جانور ذبح کیے اور تم نے دیکھا کہ لوگ قربانی
تری الناس نحوهن ورودا	کے گوشت کے لیے ہجوم کرتے رہے۔
وکسونا البیت الذی حرم الله	ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس محترم گھر پر گاڑھے کپڑے اور دھاریدار چادروں
ملاء معضدا و برودا	کے غلاف چڑھائے۔
واقمنا بها من الشهر ستا	ہم نے یہاں چھ دن تک قیام کیا اور اس گھر کے دروازے کے لیے
وجعلنا لبابه اقلیدا	قفل و کلید کا انتظام بھی کیا۔
وامرنا به الجرهمیین خیرا	ہم نے بنی جرہم کو بھی حکم دیا کہ وہ اسی طرح بہترین غلاف خانہ کعبہ پر
وکانوا لحافتیه شهودا	چڑھاتے رہا کریں اور وہی اس گھر کے اردگرد موجود ہیں۔
وامرنا الا یقربن میلاثا	ہم نے انھیں یہ بھی حکم دیا کہ وہ گندے چیتھڑے، مردار اور فصد کا خون
ولا میتا و لا دما مفصودا	اس کے قریب نہ آنے دیں۔
ثم سرنا نؤم قصد سهیل	پھر ہم نے یمن کی نرم زمین کی طرف کوچ کا قصد کیا اور ہم نے اپنا جھنڈا
قد رفعنا لواءنا معقودا	جو ہمارے عقیدہ کا نشان ہے اونچا کر دیا ہے۔

(۴۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کا یہ بیان نقل کیا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: جب تبع نے یمن کی طرف کوچ کا قصد کیا تو اس نے ارادہ کیا کہ رکنِ اسود کا پتھر اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے جائے۔ خویلد بن اسد

بن عبد العزیٰ بن قصی کے ہاں قریش اکٹھے ہوئے اور انہوں نے خویلد سے کہا: "اگر وہ ہمارا پتھر لے گیا تو ہمارے پاس کیا رہ جائے گا!" اس نے پوچھا: "کیا معاملہ ہے؟" قریش نے کہا: "تبع یہ چاہتا ہے کہ حجرِ اسود اپنے علاقے میں لے جائے۔" خویلد نے کہا: "ہمارے لیے تو موت اس سے بہتر ہے۔" پھر اس نے تلوار نکالی۔ وہ باہر نکلا اور دیگر قریش بھی اپنی تلواریں سونت کر اس کے ہمراہ نکل کھڑے ہوئے اور تبع کے پاس آئے اور اس سے پوچھا: "اے تبع! رکنِ اسود کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" اس نے کہا: میرا ارادہ ہے کہ میں اسے اپنی قوم کے پاس لے جاؤں۔" قریش نے جواب دیا: "موت تو اس سے قریب تر ہے۔" پھر وہ وہاں سے چل کر رکنِ اسود کے پاس کھڑے ہو گئے اور تبع کو اس کے ارادہ سے باز رکھا۔ اس موقع پر خویلد نے یہ اشعار کہے:

دعینی ام عمرو و لا تلومی	اے ام عمرو! مجھے چھوڑ دے اور ملامت نہ کر۔ اور اے سرزنش کرنے والو!
و مهلا عاذلی لا تعذلینی	مطمئن رہو اور مجھے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو۔
دعینی لا اخذت الخسف منهم	مجھے چھوڑ دو، بیت اللہ کی قسم میں انھیں زمین میں دھنسا دوں گا اور
وبیت الله حتی یقتلونی	میں اس وقت تک قتال کرتا رہوں گا جب تک کہ وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔
فما عذری و هذا السیف عندی	میں معذرت خواہ نہیں ہوں جبکہ میرے پاس یہ تلوار ہے اور اس
وعضب نال قائمة یمینی	شمشیرِ براں کا دستہ میرے دائیں ہاتھ میں ہے۔
ولکن لم احد عنها محیدا	لیکن میں لڑائی سے باز نہیں آؤں گا اور میں اس وقت تک خون بہاتا
وانی راهق ما ارهقونی	رہوں گا جب تک کہ وہ مجھے ایسا کرنے پر اکساتے رہیں گے۔

(۳۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے: پھر تبع نے اپنے لشکروں کے ہمراہ یمن کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ گیا۔ اہلِ یمن کے دو شہر تھے، ایک کا نام مأرب تھا اور دوسرے شہر کا نام ظفار تھا۔ مأرب میں بادشاہ کا محل سونے کے تختوں سے بنا ہوا تھا اور ظفار میں اس کا محل سنگِ مرمر سے تعمیر شدہ تھا۔ وہ جاڑے کا زمانہ مأرب میں گزارتا تھا اور گرمی کے زمانہ میں ظفار میں سکونت رکھتا تھا۔ بادشاہ کے بیٹوں کی پرورش کا انتظام مأرب میں تھا اور وہ وہاں کلام سیکھتے تھے۔ جب کسی حمیری کا بیٹا سنِ بلوغ کو پہنچتا تو وہ کہتا کہ اسے مأرب بھیج دو تاکہ وہ وہاں منطق کی تعلیم حاصل کرے۔ ظفار بلد حرام سے آیا ہوا ایک ستون تھا جس کے بالائی حصہ پر پہلی کتاب میں سے یہ تحریر ثبت تھی: "مملکت ظفار کس کی ہے؟ نیکوکار حمیری کی / مملکت ظفار کس کی ہے؟ نیکوکار اہلِ ایران کی / مملکت ظفار کس کی ہے؟ تاجر پیشہ قریش کی۔" جب تبع آیا تو یہود نے تورات کھولی اور آگ کے مقابلہ میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا شروع کی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بجھا دیا۔ اہلِ یمن ایک شیطان کی پرستش کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اس کے لیے سونے کا ایک گھر تعمیر کیا ہوا تھا اور اس کے سامنے حوض بنائے ہوئے تھے جن میں وہ شیطان کے لیے جانور ذبح کرتے تھے۔ وہ شیطان نکلتا، کچھ خون نوش کرتا اور ان لوگوں سے

ں کرتا تھا۔ لوگ اس سے مرادیں مانگتے تھے اور اس کی عبادت کرتے تھے۔ جب یہود نے آگ بجھا دی تو انہوں نے تُبّع
ے کہا: "جس دین پر ہم ہیں وہ آپ کے دین سے بہتر ہے۔ اگر آپ ہمارے دین کی پیروی کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا
آپ کا یہ معبود (شیطان) آپ کی اور آپ کی قوم کی مصیبتوں کے وقت آپ کے کسی کام نہیں آتا۔" تبع نے کہا: "ہم یہ کیوں کریں
ہم یہ دیکھتے ہیں ہمارے اس معبود کے ذریعے عجائبات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔" انہوں نے کہا: "اگر ہم اس کو
ہاں آپ کے پاس سے نکال دیں تو کیا آپ ہمارے دین کی متابعت اختیار کریں گے؟" تبع نے کہا: "ہاں۔" یہود اس
یطان کے استھان پر آئے اور تورات لے کر دروازے کے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اسماء کا
شروع کر دیا۔ جب شیطان نے یہ ذکر سنا تو وہ ٹھہر نہ سکا اور شور مچاتا ہوا نکل کھڑا ہوا اور ان کی آنکھوں کے
منے سمندر میں جا گرا۔ تبع نے حکم دیا کہ اس شیطان کدے کو گرا دیا جائے اور قبیلہ حمیر کے بعض بادشاہوں نے دینِ یہود
ل کر لیا۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ تبع نے یہودیت اختیار کر لی تھی۔

(۳۹) احمد نے یونس کی وساطت سے زکریا بن یحییٰ مدنی کی یہ روایت نقل کی ہے۔ زکریا نے کہا: اسے عکرمہؓ
نے بتلایا کہ اس نے ابنِ عباسؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "تبع کا معاملہ تمہارے لیے مشتبہ نہیں رہنا چاہیے،
تو مسلمان تھا۔"

باب ۶

تُبع کی قتل گاہ

(۴۰) احمد بن عبدالجبار نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے: جب تبع نے وُہ کچھ کیا جو اس نے کیا تو رؤسائے حمیر اس سے ناراض ہو گئے اور انہوں نے کہا: اس کی معیت میں طویل لڑائیاں لڑنا اور اپنے اہل وعیال سے دُور رہنا ناپسندیدہ ہے کیونکہ اس نے ہمارے دین کو مطعون کیا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کی عیب چینی کی ہے۔" چنانچہ انہوں نے اجتماعی طور پر یہ طے کیا کہ اسے قتل کر دیا جائے اور اس کے بھائی کو اس کا جانشین مقرر کیا جائے۔ جملہ رؤسائے حمیر نے اس رائے سے اتفاق کیا ماسوائے رئیس ہمدان کے، جس نے ایسا اقدام کرنے سے انکار کیا۔ چنانچہ رؤسائے حمیر تبع کے خلاف غضب ناک ہوئے اور اسے گرفتار کر لیا تاکہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیں۔ اس نے ان سے دریافت کیا: "کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟" انہوں نے کہا: "ہاں۔" اس نے کہا: "ایسا نہ کرو۔ لیکن اگر تم مجھے قتل کر دو تو مجھے کھڑا کر کے دفن کرنا، کیونکہ جب تک میں کھڑا رہوں گا تمہاری مملکت قائم رہے گی۔" جب انہوں نے اسے قتل کر دیا تو کہا: "خدا کی قسم! یہ زندگی میں اور موت کے بعد ہمارا بادشاہ نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے اسے سر کے بل گرا دیا۔ اس موقعہ پر رئیس ہمدان (ذو رعین) نے تبع کے بارے میں درج ذیل اشعار کہے:

ان تلك حمير غدرت وخانت فمعذرة الالـه لذی رعین	اگر حمیر نے بد عہدی اور خیانت کا ارتکاب کیا ہے تو ذو رعین اللہ تعالیٰ سے معذرت خواہ ہے۔
الا من یشتری سهرا بنوم سعید من یبیت قریر عین	خبردار! جو شخص نیند کے بدلے بیداری خریدتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ نیک بخت تو وُہ ہے جو اس حال میں رات گزارے کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ مسرور ہو۔

عبد کلال نے اپنے بھائی کے قتل اور اس کی جانشینی کے بعد رؤسائے حمیر کو قتل کر کے یہ اشعار کہے:

شقیت النفس ممن کان امسی قریر العین قد قتلوا کریمی	انہوں نے میرے شریف بھائی کو قتل کر دیا ہے اور میں اس کے مقابلے میں بدبخت ہوں کیونکہ اس کی آنکھیں تو کل تک ٹھنڈی تھیں۔

فلما ان فعلت اصاب قلبی
بما قد جئت من قتل رغیم

جب میں نے اپنی مرضی کے خلاف قتل کا ارتکاب کیا ہے تو میرا دل مصیبت میں مبتلا ہے۔

اشاروا الی بقتل اخ کریم
ولیس لذی الضرائب باللئیم

انہوں نے مجھے ایک شریف بھائی کے قتل پر اکسایا اور جسے تلوار کے وار سے مارا جائے وہ ملامت زدہ نہیں ہوتا۔

فعدت کان قلبی فی جناح
بعیش لیس یرجع فی نعیم

میں اس حال میں واپس آیا کہ میرا دل گناہگار تھا اور میری زندگی ایسی تھی جو نعمتوں کی طرف نہیں لوٹتی۔

وعاد الکلب کالمجنون ینمی
الی الغایات لیس بذی حمیم

میرا دل اس مجنوں کی طرح بھٹکتا پھرتا ہے جس کا کوئی ہمدرد و غمخوار نہ ہو۔

فلما ان قتلت به کراما
وصاروا کلهم کالمستلیم

جب میں نے اس کے عوض سرداروں کو قتل کیا تو وہ سب کے سب ملامت کے مستحق ہو گئے۔

رجعت الی الذی قد کان منی
کان القلب لیس بذی کلوم

میں اپنی اصلی حالت میں اس شخص کے پاس لوٹ کر آیا جو میرا عزیز تھا اور میرے دل کی کیفیت یہ تھی کہ اس کے زخم مندمل ہو چکے تھے۔

جزی رب البریہ ذا رعین
جزاء الخلق من داع کریم

ربِ کائنات ذورعین کو ایسی جزا عطا فرمائے جو ایک کریم داعی کی طرف سے ہمیشہ کی جزا ہے۔

فانی سوف احفظه و ربی
واعطیه الطریف مع القدیم

میرے رب کی قسم! میں اس کی حفاظت کروں گا اور اسے ہر طرح کا نیا اور پرانا مال عطا کروں گا۔

عبد کلال نے اپنے بھائی کے بارے میں مرثیہ کے یہ اشعار بھی کہے :

اطعت القوم اذ غشوا جمیعا
وقد اتهمت فی غش النصیح

میں نے قوم کی اطاعت کی اور ان سب نے فریب کاری کی اور میں نے مخلص خیر خواہ کو دھوکا دینے کے جُرم کا ارتکاب کیا۔

ولو طاوعت فی رایی رعینا
لقلت له وقولی ذو ندوح

اگر میں اپنی رائے میں ذورعین کے موقف پر کاربند رہتا تو میں جو بات بھی کرتا وہ دُور اندیشی پر مبنی ہوتی۔

فلم ارفع بقوله لی کلاما
وعدت کاتی عبد اسیح

میں نے اس کی بات کے ذریعہ اپنی بات کو اونچا نہیں کیا یعنی میرا بول بالا نہیں ہوا اور میں دربدر کی ٹھوکریں کھانے والا غلام بن گیا۔

فلما ان قبلت القول منه
علی الارواح من حق الفضوح

اگر میں اس کی بات کو قبول کر لیتا تو یہ ان ارواح کے حق میں بدنامی و رسوائی ہوتی۔

فمن امسی یطاوعنی فانی
ساجهد فی المقال به ابوح

پس کون خوشدلی کے ساتھ میری فرمانبرداری کرے گا میں تو اس کے بارے میں کھری کھری باتیں کرنے کی کوشش کروں گا۔

فلما ان لقیتهم اقامت — جب میں نے ان کا مقابلہ کیا تو اس جان کے لیے اس کھلی مہم میں
لذاك النفس فی هم مریح — وہ بھی ڈٹ گئے۔

پھر انھوں نے تبع کے بھائی عبد کلال کو اس کا جانشین مقرر کر دیا۔ انھیں گمان تھا کہ اس کی راتوں کی نیند حرام ہو جائے گی۔ عبد کلال نے ان یہود کو بلایا جو وہاں تھے اور کہا: "میری بدقسمتی! تم دیکھتے ہو کہ میرا برا حال ہو رہا ہے۔" انھوں نے کہا: "آپ کو اس وقت تک نیند نہیں آئے گی جب تک کہ آپ ان سب کو قتل نہ کر دیں جنھوں نے آپ کو آپ کے بھائی کے قتل پر اکسایا تھا۔" چنانچہ اس نے حمیر کے رؤساء اور سرداروں کو قتل کر دیا۔ پھر تبع کا ایک بیٹا جس کا نام دوس تھا وہ نکلا اور قیصر کے پاس آیا (اسی وجہ سے یمن میں یہ ضرب المثل ہے: نہ دوس کی طرح اور نہ ہی اس کے کجاوے کے ساتھ لٹکے ہوئے کی مانند) جب وہ قیصر کے پاس پہنچا تو اس کے دربار میں داخل ہوا اور اس سے کہا: "میں شاہِ عرب کا بیٹا ہوں، میری قوم نے میرے باپ کے خلاف سرکشی کا رویہ اختیار کیا اور اسے قتل کر دیا ہے۔ میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ میرے ساتھ کسی ایسے شخص کو ارسال کریں جو آپ کی طرف سے وہاں ہمارے علاقوں پر حکومت کرے۔ اس کی ضرورت اس لیے درپیش ہے کہ وہ بادشاہ جو میرے باپ کے بعد اس کا جانشین مقرر ہوا ہے اس نے تمام رئیسوں اور سرداروں کو قتل کر دیا ہے۔" قیصر نے اپنے مشیروں کو طلب کیا اور ان سے پوچھا: "اس شخص کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟" انھوں نے کہا: "ہماری صوابدید تو یہ ہے کہ آپ اس شخص کے ہمراہ کسی کو بلادِ عرب کی طرف نہ بھیجیں کیونکہ یہ شخص قابلِ اعتماد معلوم نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ وہ ہمارے لوگوں کو صرف ہلاک کرنے کی غرض سے لے جانے کے لیے آیا ہو۔" قیصر نے کہا: "میں اس کے ساتھ کیا سلوک کروں جبکہ وہ میرے پاس فریاد لے کر آیا ہے؟" انھوں نے جواب دیا: "اس کے متعلق نجاشی رئیسِ حبشہ کو تحریر کر دیا جائے۔" رئیسِ حبشہ قیصرِ روم کے ماتحت تھا، چنانچہ قیصر نے نجاشی کی طرف مکتوب تحریر کیا اور اسے حکم دیا کہ اس شخص کے ہمراہ کچھ آدمی اس کے علاقہ کی طرف بھیجے جائیں۔ دوس قیصر کا مکتوب لے کر نجاشی کے پاس آیا۔ نجاشی نے مکتوب پڑھا اور اس کی تعمیل میں ساٹھ ہزار کا لشکر ارسال کر دیا اور روزبہ کو اس کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اس نے لشکر سمیت سمندر عبور کیا یہاں تک کہ وہ ساحلِ یمن پر لنگر انداز ہو کر حمیر پر حملہ آور ہوا۔ حمیر بھی مقابلہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے وہ اہلِ یمن کے بہادر گھوڑ سوار تھے۔ انھوں نے گھوڑوں پر سوار ہو کر شدید قتال کیا۔ اہلِ یمن نے گھوڑوں کے رسالہ کو چھوٹے چھوٹے یونٹوں میں تقسیم کر لیا اور نجاشی کی فوج پر حملہ آور ہوئے۔ رسالہ کا ایک یونٹ حملہ کرتا تھا اور دوسرا اس کی کمک کے طور پر اس کی امداد کے لیے جاتا۔ جب روزبہ نے یہ دیکھا تو اس نے دوس سے کہا: "تم ہمیں اس لیے یہاں لائے ہو تاکہ اپنی قوم کے ہاتھوں ہمیں ذبح کرواؤ۔ اس لیے میں قتل ہونے سے پہلے تمھیں قتل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔" دوس نے کہا: "اے بادشاہ! ایسا نہ کرو، میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں آپ میرے مشورہ کے مطابق عمل کریں۔" روزبہ نے کہا: "تمہارا مشورہ کیا ہے؟" دوس نے اس سے کہا: "اے بادشاہ! قومِ حمیر صرف

گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑ سکتی ہے۔ آپ اپنی فوج کو حکم دیں کہ وُہ اپنی ڈھالیں اور سپر اپنے سامنے ڈال دیں۔" انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حمیر حملہ آور ہُوئے تو ان کے گھوڑے ڈھالوں پر سے پھسل گئے اور انھوں نے اپنے سواروں کو نیچے گرا دیا، اور روزبہ کی فوج نے انہیں قتل کر دیا۔ حمیر اسی طرح حملہ آور ہو کر پھسل پھسل کر گرتے اور قتل ہوتے رہے یہاں تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور روزبہ کی فوج غالب آگئی اور روزبہ اسی طرح فوج کشی کرتا گیا یہاں تک کہ صنعاء میں داخل ہو گیا اور فتحیاب ہُوا۔ اس طرح نجاشی کی فوج نے یمن کو بھی فتح کر لیا۔ روزبہ کی فوج میں ایک شخص کا نام ابرہہ بن اشرم تھا، اس کو ابویکسوم بھی کہتے ہیں۔ جب یمن مفتوح ہو گیا تو ابرہہ نے روزبہ سے کہا: "میں یہاں حکومت کرنے کا تم سے زیادہ مستحق ہوں۔" روزبہ نے کہا، یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ بادشاہ نے مجھے اس مہم پر بھیجا ہے۔" ابرھہ نے کہا: " اگرچہ بادشاہ نے یہ مہم تمہارے سپرد کی ہے اس کے باوجود حکومت کی اہلیت مجھ میں تمہاری نسبت زیادہ ہے۔" روزبہ نے ابرھہ کے اس دعوے کو تسلیم نہ کیا۔ چنانچہ ابرھہ نے اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو اکٹھا کیا اور وہ لڑائی کے لیے نکل آئے۔ جب لڑائی شروع ہونے والی تھی تو ابرھہ نے روزبہ کو کہا: "تم حبشیوں کو کیوں فنا کرتے ہو، ہماری اس باہمی قتال کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ اس علاقے پر سے ہماری حکومت ختم ہو جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ تم اکیلے نکلو اور ہم میں سے جو بھی دوسرے کو قتل کر دے یہاں اسی کی حکومت ہو۔" روزبہ نے یہ شرط منظور کر لی۔ روزبہ جسیم آدمی تھا اور ابرھہ چھوٹے قد کا پھرتیلا جوان تھا۔ ابرھہ نے ایک غلام کو کہا: "جب میں روزبہ سے مبارزت کے لیے نکلوں تو تم روزبہ کے پیچھے سے آکر اسے قتل کر دینا۔ اس طرح روزبہ کے ساتھی راہِ فرار اختیار کریں گے اور میں تمہیں خاطر خواہ انعامات سے نوازوں گا۔" جب روزبہ اور ابرھہ دونوں مبارزت کے لیے نکلے روزبہ نے اپنی تلوار ابرھہ پر سونتی اور اس کے سر پر وار کیا۔ ابرھہ کے غلام نے پیچھے سے آکر روزبہ پر حملہ کر کے اسے دو ٹکڑے کر دیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے اٹھا لیا اور ابرھہ اپنے ساتھیوں سے آملا۔ پھر فریقین کا ابرھہ کی سیادت پر سمجھوتہ ہو گیا کیونکہ دوسرے فریق کے پاس روزبہ کے بعد کوئی دوسرا اس جیسا جرنیل نہ تھا۔ اس واقعہ کی خبر نجاشی کو پہنچی تو اس نے ابرھہ کو ایک خط لکھا جس میں اسے خطرناک نتائج بھگتنے کی دھمکی دی۔ ابرھہ نے اپنا سر منڈوا دیا اور زمین کی مٹی لے کر سر کے بال نجاشی کے پاس بھجوائے اور کہا: اے بادشاہ! یہ میرے سر کے بال اور اس زمین کی مٹی آپ کے دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ میں اور روزبہ دونوں آپ کے غلام ہیں میں سمجھتا ہوں کہ حکومت کا کاروبار چلانے کے لیے میں اس سے اہل تر ہوں۔ اسی لیے میں نے ایسا کیا ہے۔" نجاشی اس سے خوش ہو گیا اور اس کی طرف خط لکھ کر اسے ملکِ یمن کا والی بنا دیا۔ پھر ابویکسوم ابرھہ بن اشرم نے یمن میں ایک کعبہ تعمیر کروایا اور اس پر سونے کے قبے بنوائے اور اپنی مملکت کے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس کا حج کریں۔ اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ وہ بیت اللہ الحرام کی مشابہت کرے۔

باب ۷

اصحاب الفیل کا واقعہ

(۴۱) احمد بن عبد الجبار نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بنی ملکان بن کنانہ کا ایک شخص جو اہلِ حرم میں سے تھا سرزمین یمن کی طرف گیا اور کسی نہ کسی طرح یمنی کلیسا میں داخل ہو گیا۔ اسے بغور دیکھتا رہا، پھر وہاں بیٹھ گیا اور رفع حاجت کر ڈالی۔ بعدازاں ابرہہ کلیسا میں داخل ہوا۔ اس نے وہاں گندگی دیکھی تو اسے مکہ پر چڑھائی اور کعبہ کو منہدم کرنے کا بہانہ مل گیا۔ اس نے پوچھا: "ایسی حرکت کرنے کی جرأت کس نے کی ہے؟" ہمراہیوں نے جواب دیا: "یہ اس آدمی کا کرتوت ہے جو اس گھر کے مجاوروں میں سے ہے جہاں اہلِ عرب حج کے لیے جاتے ہیں۔" ابرہہ نے کہا: "اس شخص نے میرے خلاف اور میری نصرانیت کے خلاف ایسی حرکت کا ارتکاب کیا ہے میں اس گھر کو ضرور منہدم کر دوں گا اور اس کو اس طرح ملیامیٹ کر دوں گا کہ اس کے بعد کوئی بھی وہاں حج کے لیے نہیں جائے گا۔" اس نے ہاتھی طلب کیا اور اپنی قوم کو اور اپنے محکوم یمنیوں کو نکلنے کا حکم دیا۔ اس کے اکثر متبعین قبائل عک، اشعریین اور خثعم میں سے تھے۔ وہ سب یہ رجز پڑھتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے:

ان البلد لبلد ماکول ترجمہ: بیشک یہ شہر تو تر نوالہ ہے جسے قبیلہ عک، اشعریین اور
یاکل علك والاشعریون والفیل ہاتھی چبا جائیں گے۔

ابرہہ لشکر کشی کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ راستے میں اس نے بنی سلیم کے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو یمن میں اپنے تعمیر کردہ گھر کا حج کرنے کی دعوت دے۔ وہاں بنی کنانہ میں سے اہلِ حرم کا ایک آدمی اسے ملا جسے اس نے قتل کر دیا اور مزید زیادتیاں کیں کیونکہ اسے اہلِ حرم کے غصہ اور غضب کی رپورٹیں مل چکی تھیں۔ اس نے وہاں سے کوچ کیا اور لشکر کو آگے بڑھنے کی ترغیب دی یہاں تک کہ وہ طائف کی وادی وج میں پہنچ گیا۔ وہاں بنی ثقیف اس کے پاس آئے انہوں نے کہا: اے بادشاہ! ہم آپ کے غلام ہیں، آپ کا مقصود ہماری اس دیوی لات کا بت نہیں ہے۔ یہ وہ استھان نہیں جہاں اہلِ عرب حج کرتے ہیں، آپ تو قریش کے اس گھر کا قصد کر رہے ہیں جہاں عرب حج کے لیے آتے ہیں۔" ابرہہ نے کہا: "مجھے کوئی بدرقہ فراہم کر دو جو مجھے منزل مقصود کا رستہ بتائے۔" انہوں نے بنی ہذیل کا ایک آدمی اس کے ساتھ بھیج دیا جس کا نام نفیل تھا۔ وہ ان کی رہنمائی کرتا ہوا انہیں لے چلا یہاں تک کہ

المغمس پہنچ کر انہوں نے ڈیرہ ڈال دیا۔ المغمس مکہ سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ المغمس سے انہوں نے اپنا مقدمۃ الجیش مکہ کی جانب آگے بڑھایا۔ قریش متفرق ٹولیوں اور جماعتوں کی شکل میں نکل کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے اور انہوں نے کہا: ”ہمارے پاس اس قوم سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔“ مکہ میں عبدالمطلب اور شیبہ بن عثمان بن عبدالدار کے ماسوا کوئی شخص بھی باقی نہ رہا۔ عبدالمطلب سقایت کی ڈیوٹی پر قایم رہا اور شیبہ بیت اللہ کی دربانی کرتا رہا۔ عبدالمطلب نے بابِ کعبہ کے دونوں کواڑوں کو پکڑ کر یہ اشعار کہے:

لاھم ان المرء یمنع رحله فامنع حلالك	اے اللہ! آدمی اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔
لا یغلبوا بصلیبھم ومحالھم غدوا محالك	کل وہ اپنی صلیب اور اپنی چالوں سے تیری تدبیر کے مقابلے میں غالب نہ ہوں۔
ان یدخلوا البلد الحرام غدا فامر ما بدا لك	اگر وہ کل اس حرمت والے شہر کو روندنے کے لیے آجائیں تو جو تُو چاہے کر۔

عبدالمطلب یہ کہتے رہے کہ ہمارے لیے کیا حکم ہے اور وہ کون سی بات ہے جو تُو نے ہمارے لیے نہیں کی۔ یعنی تو ہی ہمارا کارساز ہے۔

پھر ابرہہ کے ہراول دستے قریش کے جانور ہانک کر لے گئے۔ ان میں عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی وُہ لے گئے۔ جب عبدالمطلب کو یہ معلوم ہوا تو وہ ان کے پاس گئے۔ ابرھہ کی دربانی اشعریین میں سے ایک آدمی کر رہا تھا جو عبدالمطلب کو پہلے سے جانتا تھا۔ اس اشعری نے عبدالمطلب سے پوچھا: ”آپ کیا چاہتے ہیں؟“ عبدالمطلب نے کہا: ”میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے بادشاہ سے ملاقات کی اجازت لے دیں۔“ دربان بادشاہ کے پاس گیا اور اسے کہا: ”اے بادشاہ! آپ کے پاس قبیلہ قریش کا سردار آیا ہے جو دوست اور دشمن سب کی خاطر مدارات کرتا ہے۔“ ابرھہ نے کہا: ”اسے بلاؤ۔“ عبدالمطلب ایک وجیہ و جمیل اور شاندار شخصیت کے مالک تھے۔ دربان نے انھیں اجازت دی اور وہ بادشاہ کے پاس چلے گئے۔ جب ابو یکسوم نے انہیں دیکھا تو ان کی وجاہتِ شخصیت سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے خیال کیا کہ ایسے شخص کو نیچے نہیں بٹھانا چاہیے، لیکن اسے یہ بھی ناگوار تھا کہ وہ انھیں اپنے تخت پر بٹھائے۔ چنانچہ وہ اپنے تخت سے اتر کر عبدالمطلب کے پاس آکر زمین پر بیٹھ گیا اور پوچھا: ”آپ کیا چاہتے ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”میرے دو سو اونٹ جو آپ کے لشکریوں نے پکڑ لیے ہیں وُہ مجھے واپس دے دئے جائیں۔“ ابو یکسوم نے کہا: ”اللہ کی قسم! آپ کو دیکھ کر تو میں بہت متاثر ہوا تھا لیکن آپ کی اس بات نے آپ کو میری نظروں سے گرا دیا ہے۔“ عبدالمطلب نے کہا: ”اے بادشاہ! کس طرح؟“ ابرھہ نے کہا: ”میں اس گھر پر چڑھائی کے ارادہ سے آیا ہوں جس نے آپ لوگوں کو عربوں کی دست برد سے بچایا ہوا ہے

اور جس نے لوگوں میں آپ کو فضیلت و بزرگی عطا کر رکھی ہے اور جو آپ کے دین کا مرکز و مرجع ہے ۔ میں چاہتا ہُوں کہ اس گھر کو منہدم کر دوں اور آپ کو صرف اپنے دو سو اونٹوں کی فکر دامنگیر ہے ۔ میں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں ۔ آپ نے صرف اپنے اونٹوں کے بارے میں کہا ہے اور اپنی اس عبادت گاہ کے متعلق مجھ سے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔" عبدالمطلب نے کہا: "اے بادشاہ ! میں نے آپ سے اپنے مال کے متعلق درخواست کی ہے۔ رہا یہ گھر، تو اس کا مالک ایک رب ہے جو خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔" ابویکسوم کو اس بات میں بڑا وزن محسوس ہوا اور اس نے عبدالمطلب کے اونٹ لوٹا دینے کا حکم صادر کر دیا ۔ عبدالمطلب واپس آ گئے ۔ ابرھہ کے لشکریوں نے وہ رات بڑی تنگی میں بسر کی، کیونکہ وہ رات کے ستاروں سے گھبرائے ہوئے تھے ۔ انھیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ستارے ان کے قریب آ رہے ہیں اور ان پر عذاب نازل ہونے والا ہے ۔ ان کا بدرقہ انھیں چھوڑ کر حرم میں داخل ہو گیا ۔ اشعرین اور خثعم اٹھے اور انہوں نے اپنے نیزے اور تلواریں توڑ ڈالیں اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کی کہ خانہ کعبہ کے انہدام میں کسی کی اعانت کریں انہوں نے بڑی تکلیف سے رات کاٹی اور سحر کے وقت کُوچ کر گئے۔

ابرھہ کے لشکریوں نے صبح کو مکہ پر چڑھائی کے ارادہ سے اپنے ہاتھی کو اٹھایا اور اسے مکہ کی طرف متوجہ کیا ۔ وہ یکایک بیٹھ گیا ۔ انہوں نے اسے مارا لیکن وُہ اپنی جگہ سے نہ ہلا ۔ وہ اسی کش مکش میں رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی ۔ انہوں نے ہاتھی کو کہا کہ ہم تمہیں مکہ کی جانب نہیں لے جائیں گے اور اس بات پر قسمیں کھائیں ۔ ہاتھی اپنی دم ہلاتا رہا جب انہوں نے بہت سی قسمیں کھائیں تو ہاتھی کھڑا ہوا انہوں نے اس کا رُخ یمن کی طرف کر دیا اور وُہ دوڑنے لگا ۔ لیکن جب وہ اسے پہلی جگہ پر واپس لے آئے تو وہ بیٹھ گیا اور آگے بڑھنے کے لیے تیار نہ ہوا ۔ جب انہوں نے ہاتھی کی یہ کیفیت دیکھی تو انھوں نے پھر قسمیں کھائیں اور اس نے پھر دم ہلانا شروع کر دی ۔ جب زیادہ قسمیں اٹھائیں تو وہ اٹھا ۔ انہوں نے اس کا رُخ یمن کی طرف کر دیا اور وہ دوڑنے لگا ۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو اسے پھر لوٹایا اور جب وُہ پہلی جگہ تک لوٹ آیا تو بیٹھ گیا ۔ انہوں نے اسے زدوکوب کیا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا ۔ وہ اسی طرح اس کو مار مار کر اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کرتے رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ نمودار ہوئے ۔ یہ پرندے سمندر کی طرف سے کثیر تعداد میں آئے انہوں نے سنگ باری شروع کر دی ۔ ہر پرندے کی چونچ میں ایک سنگریزہ اور دو سنگریزے دو پنجوں میں تھے ۔ وہ سنگریزے گرا کر چلے جاتے اور ان کے بعد دوسرا جھنڈ آ جاتا ۔ یہ سنگریزے جس کے پیٹ پر گرتے اس کے پیٹ کو پھاڑ دیتے اور جس کی ہڈی پر گرتے اسے توڑ دیتے اور اس میں سوراخ کر دیتے ۔ ابویکسوم کو بھی کچھ سنگریزے لگے تھے ۔ اس نے اپنا رُخ یمن کی طرف کر لیا ۔ راستے میں اس کی انگلیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرتی رہیں یہاں تک کہ یمن پہنچتے پہنچتے وہ صرف لوتھڑا رہ گیا ۔ وہاں اس کا سینہ شق ہو گیا پیٹ پھٹ ہو گیا اور وہ ہلاک ہو گیا ۔ اشعرین اور خثعم میں سے کوئی شخص اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوا کیونکہ وُہ قبل ازیں تائب ہو کر واپس چلے گئے تھے ۔ ابرھہ کے لشکری اپنے بدرقہ نفیل کو جزع فزع کرتے ہوئے پکارتے تھے: "اے

نفیل! اے نفیل!" لیکن نفیل تو تائب ہو کر حرم میں داخل ہو چکا تھا۔ اس ضمن میں نفیل نے یہ اشعار کہے:

الا ردی جمالك یا ردینا	اے ردینا! اپنا حسن و جمال پھر حاصل کرو اور تم لوگوں کی خوشی سے ہماری
نعمناكم مع الاصباح عینا	آنکھیں علی الصبح ٹھنڈی ہوں۔
فانك لو رایت و لن تریه	کاش تو وہ منظر دیکھتی اور ہرگز نہیں دیکھ سکے گی جو کچھ کہ ہم نے وادی
الی جنب المحصب ما رأینا	محصب کے پاس دیکھا۔
اذا لخشیته وفزعت منه	تو اس سے ڈر جاتی اور خوفزدہ ہوتی اس لیے جو کچھ تمہاری آنکھ نہیں
ولم تاس علی ما فات عینا	دیکھ سکی اس پر غمگین نہ ہو۔
خشیت الله لما رأیت طیرا	جب میں نے پرندے دیکھے تو میں اللہ سے ڈر گیا کہ کہیں پتھر ہم پر
وقذف حجارة ترمی علینا	نہ آ پڑیں۔
وكلهم یسائل عن نفیل	ان میں سے ہر ایک نفیل ہی کو ڈھونڈ رہا تھا (کہ اس سے واپسی کا رستہ
كان علی للحبشان دینا	دریافت کرے) گویا کہ میرے اوپر حبشیوں کا کچھ قرض آتا تھا۔

مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم نے اس بارہ میں یہ اشعار کہے:

انت حبست الفیل بالمغمس	تو نے ہاتھی کو مغمس کے مقام پر روک دیا اور تو نے ابویکسوم اور
اهلكت ابایكسوم و المغلس	مغلس کو ہلاک کر دیا۔
كودستهم وانت غیر مكردس	تو نے ان کی ہڈیاں اور جوڑ بند توڑ دیے۔ تو نے انہیں پامال کر دیا اور
تدعسهم وانت غیر مدعس	روند ڈالا اور ان کا تخریبی منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔

عبدالمطلب یہ رجز پڑھتے رہے اور حبشی فوج کے لیے بددعا کرتے رہے:

یا رب لا ارجولهم سواكا	اے میرے پروردگار! میں ان کے مقابلے میں تیرے سوا کسی سے
یا رب فامنع منهم حماكا	امید نہیں رکھتا۔ اے میرے پروردگار! ان سے اپنے حرم کی حفاظت فرما۔
ان عدو البیت من عاداكا	بیشک اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے۔ بیشک وہ تیری بستیوں پر کبھی
انهم لن یقهروا قواكا	غلبہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔

جب حملہ آور پسپا ہوئے تو عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے:

منعت ابرهة الارض التی حمیت	تو نے ابرہہ کو اس زمین سے روک دیا جو ایسے کمینوں کی
من اللئام فلم تخلق لهم دارا	دست برد سے محفوظ ہے جن کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

منعت مکة منهم انسی رجل — تو نے ان حملہ آوروں سے اہلِ مکّہ کی حفاظت فرمائی۔ بے شک میں
ذو اسرة لم یکن فی الحب غدارا — صاحبِ قبیلہ ہوں اور محبت میں غداری و بدعہدی کرنے والا نہیں ہوں۔
اذ قلت یا صاحب الحبشان ان لنا — جب میں نے اس سے کہا: اے حبشیوں کے سردار! اگر خانہ کعبہ
من دون ان یهدم المعمور اخطارا — منہدم ہو جائے تو ہمارے لیے اس میں خطرات ہیں۔
فصار فی جیشه بالفیل مقتدرا — وہ اپنے لشکر میں ہاتھی کے ساتھ صاحبِ اقتدار تھا اور میں صبر کے
و سرت مستبسلا للموت صبارا — ساتھ موت کے لیے تیار ہو گیا۔
فی فتیة من قریش لیس میتهم — میرے ساتھ قریش کے نوجوان تھے جن کے لیے مورث کی زندگی میں
بمورث حیهم شیئاً و لا عارا — مرنا کوئی برائی اور عار کا کام نہیں ہے۔

(۴۲) احمد نے یونس کی وساطت سے عبداللہ بن عون سے اور اس نے محمد بن سیرین کے حوالہ سے عبداللہ بن عباس کی یہ روایت قرآن کریم کی آیت:

وارسل علیهم طیراً ابابیل - (اور تمہارے رب نے ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دئے) کے بارے میں نقل کی ہے۔ عبداللہ بن عباس کا قول ہے کہ ان پرندوں کی چونچیں پرندوں جیسی تھیں اور پنجے کتوں جیسے۔

(۴۳) احمد نے اپنے باپ اور یونس ہردو کی وساطت سے قیس بن ربیع سے اور اس نے جابر بن عبدالرحمان بن سابط کے حوالہ سے عبید بن عمیر کی یہ روایت نقل کی:

وارسل علیهم طیراً ابابیل - (اور تمہارے رب نے ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دئے)

عبید بن عمیر کا بیان ہے کہ پرندے سمندر کی طرف سے ہندوستان کے جوانوں کی طرح جھپٹ کر آئے۔

"ترمیهم بحجارة من سجیل - جو ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے۔" ان میں سے چھوٹے پرندے آدمیوں کے سروں جیسے تھے اور بڑے پرندے لاغر اونٹوں جیسے۔ جو کچھ وُہ پھینکتے تھے وہ نشانے پہ لگتا تھا اور جسے لگتا تھا وہ قتل ہو جاتا تھا۔ اس بارے میں عبید بن عمیر نے کہا کہ میرے باپ نے اس میں اضافہ کیا: پرندے جوق در جوق پے در پے آتے تھے ان کا نشانہ خطا نہ جاتا تھا اور جسے لگتا تھا وہ لقمۂ اجل بن جاتا تھا۔

(۴۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن ابی بکر بن حزم نے عمرہ بنت عبدالرحمان بن اسعد بن زرارہ کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ زوجۃ النبیؐ کی روایت بیان کی۔ ام المومنینؓ نے فرمایا کہ میں نے اس ہاتھی کے چلانے والے قائد اور اس کے محافظ دونوں کو اندھا اور اپاہج یعنی معذوری کی حالت میں مکہ میں بھیک مانگتے دیکھا ہے۔

(۴۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی ہے، ابنِ اسحاق نے کہا: یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس نے مجھ سے بیان کیا کہ سرزمینِ عرب میں خسرہ اور چیچک کی بیماریاں اسی سال پہلی بار نظر آئیں

اور بدمزہ کڑوے پودے از قسم حرمل اور آک وغیرہ عام الفیل ہی میں دیکھے گئے۔

(۴۶) احمد نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ اس نے کہا: عبداللہ بن ابی بکر بن حزم نے مجھ سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ان کے ننھیال مدینہ کے بنی عدی کے ہاں تشریف لائیں۔ واپسی کے سفر میں جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر جا رہی تھیں تو مقام ابواء پر پہنچ کر انتقال کر گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی۔

(۴۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جدِ امجد عبدالمطلب کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ عباس بن عبداللہ بن معبد نے اپنے کسی رشتہ دار کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے لیے کعبہ کے زیر سایہ فرش بچھایا جاتا تھا۔ ان کے بیٹوں میں سے کوئی بھی والد کی بزرگی کے پیش نظر اس فرش پر بیٹھنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فرش پر آ کر بیٹھ جاتے تھے۔ آپؐ کے چچا آپؐ کو وہاں سے ہٹانے کی کوشش کرتے تو آپؐ کے دادا عبدالمطلب فرماتے کہ میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو۔ دادا آپؐ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے کہ میرے اس بیٹے کی شان ہی کچھ اور ہے۔ جناب عبدالمطلب نے عام الفیل کے آٹھ سال بعد وفات پائی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال کی تھی۔

(۴۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: عبداللہ بن ابی بکر بن حزم نے یہ روایت بیان کی کہ ایک آدمی صنعاء میں گیا۔ اس نے نفع اندوزی کی خاطر وہاں کے کھنڈرات میں سے ایک کھنڈر کو کھودا تو عبداللہ بن ثامر کو اس حال میں پایا کہ وہ بیٹھا ہوا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ سر کے ایک زخم پر رکھا ہوا تھا۔ حالت یہ تھی کہ جب لوگ اس کا ہاتھ زخم سے ہٹاتے تو خون بہنے لگتا اور جب ہاتھ چھوڑ دیا جاتا وہ پھر اسی زخم پر رکھ لیتا۔ اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس پر یہ نقش تھا:

"ربّی اللہ۔ یعنی میرا پروردگار اللہ ہے۔"

اس شخص نے اس واقعہ کے بارے میں حضرت عمر بن خطابؓ کو لکھ بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے تحریری حکم ارسال کیا کہ وہ جس حال میں ہے اسے اسی حال پر چھوڑ دو اور وہ جس طرح پہلے دفن تھا اسی طرح اس کو دفن کر دو۔ احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے دین کا پیرو تھا۔

(۴۹) احمد نے یونس بن بکیر کی وساطت سے اور اس نے ابی خلدہ خلد بن دینار کے حوالہ سے ابو العالیہ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابو العالیہ کا بیان ہے کہ جب ہم نے تستر کا شہر فتح کر لیا تو ہم نے ہرمزان کے بیت المال میں ایک تخت پر ایک مُردہ آدمی کو دیکھا اس کے سر کے پاس اس کا ایک مصحف پڑا ہوا تھا۔ ہم نے وہ مصحف لے کر

حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے کعب کو بلایا۔ اس نے اسے عربی زبان میں منتقل کر دیا۔ میں پہلا عرب ہوں جس نے اسے پڑھا۔ میں نے اس مصحف کو اس طرح پڑھا جس طرح میں قرآن کو پڑھتا ہوں۔ ابن خلدہ کا بیان ہے کہ میں نے ابو العالیہ سے پوچھا: "اس میں کیا تھا؟" اس نے جواب دیا: "تمہارے حالات و واقعات، تمہاری اچھی اچھی باتیں اور تمہارے بعد مستقبل کے احوال۔" میں نے ابو العالیہ سے پوچھا: "تم نے اس آدمی کا کیا کیا؟" اس نے کہا: "ہم نے تیرہ متفرق قبریں کھودیں اور رات کے وقت اسے دفن کر کے سب قبروں کو ہموار کر دیا تاکہ لوگوں کو اس بارہ میں معلومات نہ ہوں اور وہ اس کو دوبارہ نہ نکال لیں۔ میں نے راوی سے پوچھا: "ان کی غرض اس سے کیا تھی؟" ابو العالیہ نے کہا: "جب خشک سالی ہو جاتی تھی تو وہ اس کے تخت کو باہر لے آتے تھے اور بارش ہو جاتی تھی۔" میں نے راوی سے پوچھا: "اس شخص کے بارے میں آپ لوگوں کا کیا گمان ہے؟" راوی نے کہا: "اس کا نام دانیال تھا۔" میں نے پوچھا: "اسے فوت ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا تھا؟" راوی نے کہا: "تین سو سال۔" میں نے پوچھا: "کیا اس کی حالتِ جسمانی میں کوئی تغیر واقع ہوا تھا؟" راوی نے جواب دیا کہ اس میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا ماسوائے گدی کے گھرائی کے۔ بیشک انبیاؑ کے اجسام کو زمین بوسیدہ نہیں کر سکتی اور نہ درندے انہیں کھا سکتے ہیں۔

باب ۸

آنحضرتؐ کے جدِ امجد عبدالمطلب کی وفات

(۵۰) احمد نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب عبدالمطلب کا اس دارفانی سے رحلت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنی بیٹیوں سے کہا: "مجھ پر گریہ وزاری کرو تاکہ میں سُن لوں کہ تم کس طرح مرثیہ کہو گی"۔ عبدالمطلب کی یہ چھ صاحبزادیاں تھیں: (۱) امیمہ (۲) ام حکیم (۳) برہ (۴) عاتکہ (۵) صفیہ اور (۶) اروی۔

اُمیمہ نے یہ اشعار کہے:

الاھلك الراعی العشیرۃ ذوالعقد
سنو! خاندان کا نگہبان، عہد و پیمان کا پاسدار، حجاج کا ساقی اور محامد و

وساقی الحجیج المحامی عن الحمد
محاسن کی حمایت کرنے والا رخصت ہوگیا۔

ومن یولف الجار الغریب لبیتہ
جو مسافر پڑوسی کو اس وقت اپنے گھر میں جمع کرلیتا تھا جبکہ گھر کا آسمان گرج کے

اذا ما سماء البیت تبخل بالرعد
باوجود بخل کرتا تھا یعنی قحط سالی کے زمانہ میں بھی وہ مہمان نوازی کیا کرتا تھا۔

عاتکہ نے یہ اشعار کہے:

اعینی جودا و لا تبخلا
بدمعکما بعد نوم النیام
اے میری دونوں آنکھو! سونے والوں کے سو جانے کے بعد اپنے آنسوؤں سے سخاوت کرو اور بخل نہ کرو۔

اعینی واسحوفرا واسکبا
وشوبا بکاء کما بالتدام
اے میری دونوں آنکھو! خوب تیزی سے جھڑی لگاؤ اور آنسو بہاؤ اور اس گریہ وزاری کو ماتمی عورتوں کی چہرہ کوبی کے ساتھ ہم آہنگ کردو۔

علی الجحفل الغمر فی النائبا
ت کریم المساعی وفی الذمام
تمہاری یہ آہ و بکا اس بلند پایہ سردار پر ہے جو مصائب کے وقت احسان کرنے والا تھا جس کی کوششیں کریمانہ تھیں اور جو اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے والا تھا۔

علی شیبۃ الحمد واری الزناد
وذی مصدق بعد ثبت المقام
قابلِ ستائش شیبہ پر جو مہمان نوازی کے لیے چقماق سے آگ سلگانے والا اور اپنے مقام پر ڈٹ کر بہادری کے ساتھ جنگ آزمائی کرنے والا تھا۔

صفیہ نے یہ اشعار کہے:

ارقت لصوت نائحة بليل	رات کے وقت ایک رونے والی کی آواز سے میری نیند اُچاٹ ہو گئی
على رجل بقارعة الصعيد	وہ ایک ایسے شخص پر رو رہی تھی جو عام گزرگاہ پر تھا یعنی قائدِ عوام تھا۔
ففاضت عند ذالكم دموعي	میرے آنسو میرے دونوں رخساروں پر ڈھلکنے والے موتیوں کی طرح
على خدي كمنحدر الفريد	اسی وقت بہنے لگے۔
على الفياض شيبة ذي المعالي	بلند مرتبے والے فیاض شیبہ پر جو تیرا اچھا باپ اور ہر قسم کی جود و سخا
ابيك الخير وارث كل جود	کا وارث تھا۔
طويل الباع اروع شيظمي	جس کا دستِ کرم بہت کشادہ تھا، جو حسن و شجاعت کا مالک اور اپنے
مطاع في عشيرته حميد	قبیلے کا قابلِ ستائش سردار تھا جس کی اطاعت کی جاتی تھی۔
عظيم الحلم من نفر كرام	جو بڑے حلم والا اور صاحبِ مروت لوگوں میں سے تھا۔ دریا دل تھا
خضارمة ملاوثة اسود	اور سردار شیروں کو پناہ دینے والا تھا۔

ام حکیم البیضاء نے یہ اشعار کہے: (البیضاء حضرت عثمان بن عفان کی نانی ہیں وہ کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس کے نکاح میں تھیں اور ان کے ہاں عامر اور اروی پیدا ہوئے۔ اروی حضرت عثمانؓ کی والدہ ہیں)

الا يا عين جودي واستهلي	ہاں! اے آنکھ! سخاوت کر اور خوب رو۔ اور اس صاحبِ شرافت
وبكي ذا الندى والمكرمات	اور پیکرِ جود و سخا کا ماتم کر۔
الا يا عين ويحك اسعفيني	ہاں، اے بدبخت آنکھ! میری ضرورت پوری کر اور لگاتار بہنے والے
بدمع من دموع هاطلات	آنسو بہاتی رہ۔
فبكي خير من ركب المطايا	اس شخص پر رو جو سواریوں پر سوار ہونے والوں میں سب سے اعلیٰ تھا
اباك الخير تيار الفرات	جو تمہارا اچھا باپ تھا اور میٹھے پانی کا موجزن دریا تھا۔
طويل الباع شيبة ذا المعالي	بلند مرتبے والے شیبہ پر جس کا دستِ کرم بہت کشادہ تھا جو شریف
كريم الخيم محمود الهبات	خصلت اور سخاوت میں قابلِ ستائش تھا۔
وصولا للقرابة هبرزيا	جو قرابت کے حقوق کی پاسداری کرنے والا تھا۔ خالص اور بے عیب
وغيثا في السنين الممحلات	سونا تھا اور قحط سالیوں کے وقت برسنے والا بادل تھا۔
فبكيه ولا تسمي بحزن	پس ایسے شخص کا ماتم کر اور حزن و غمناکی میں سستی نہ کر اور اس
وبكي ما بكين الباكيات	وقت تک روتی رہ جب تک کہ رونے والیاں روتی رہیں۔

برہ نے یہ اشعار کہے:

اعینی جودا بدمع درر
علی طیب الخیم والمعتصر

اے میری دونوں آنکھو! اس شریف خصلت اور پیکرِ جود و سخا پر آنسوؤں کے موتیوں سے سخاوت کرو۔

علی ماجد الجد واری الزناد
جمیل المحیا عظیم الخطر

جو بلند شان والا، مہمان نوازی کے لیے چقماق سے آگ سلگانے والا' حسین بُشرے والا اور عالی مرتبت تھا۔

علی شیبۃ الحمد ذی المکرمات
وذی المجد والعز والمفتخر

اس شیبہ پر جو قابلِ تعریف اور بزرگیوں والا تھا اور صاحبِ عزت و شان اور لائق افتخار تھا۔

وذی الفضل والحلم فی النائبات
کثیر المکارم جم الفخر

مصائب کے وقت صاحبِ حلم اور سخاوت کرنے والا تھا۔ بڑی خوبیوں کا مالک اور قابلِ صد افتخار تھا۔

لہ فضل مجد علی قومہ
مبین یلوح کضوء القمر

اسے اپنی قوم پر وافر بزرگی حاصل تھی وہ ایسی نمایاں شخصیت کا حامل تھا کہ چاند کی روشنی کی طرح چمکتا رہتا تھا۔

اتتہ المنایا فلم تشوہ
بصرف اللیالی وریب القدر

لیل و نہار کی گردشیں اور قضا و قدر کی چیرہ دستیاں اس کے پاس اموات لے کر آئیں اور اس پر ہلکا وار نہیں کیا بلکہ کاری ضرب لگائی اور وہ جانبر نہ ہو سکا۔

اروی بنت عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے:

بکت عینی وحق لها البکاء
علی سمح سجیتہ الحیاء
علی سہل الخلیقۃ ابطحی
کریم الخیم نیتہ العلاء

میری آنکھ رو رہی ہے اور اس کے لیے رونا ہی سزاوار ہے۔ کیونکہ وہ ایک پیکرِ سخاوت پر رو رہی ہے جس کی سیرت حیا کا مرقع تھی جو بطحا کا رہنے والا نرم خو تھا۔ بزرگانہ سیرت و کردار کا حامل تھا اور اس کے مقاصد بلند تھے۔

علی الفیاض شیبۃ ذی المعالی
ابیک الخیر لیس لہ کفاء

اس شیبہ پر جو فیاض اور بلند مرتبوں والا تھا جو تیرا بہترین باپ تھا اور اس کا کوئی ہم پایہ نہ تھا۔

طویل الباع املس شیظمی
اغر کان غرتہ ضیاء

جس کا دستِ کرم بہت کشادہ تھا۔ جو حسین اور بہادر تھا۔ اس کی پیشانی سفید تھی اور یہ سفیدی روشنی کی حامل تھی۔

ومعقل مالک وربیع فہر
وفاصلها اذا التبس القضاء

جو بنی مالک کے لیے جائے پناہ اور بنی فہر کے لیے موسم ربیع کی بارش کے مانند تھا اور جب جھگڑوں کا تصفیہ مشکل ہو جاتا تو وہی ان کے درمیان فیصلے کیا کرتا تھا۔

(۵۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ عبدالمطلب سے قبل کسی کا اتنا ماتم نہیں کیا گیا جتنا عبدالمطلب کا کیا گیا۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد زمزم اور حجاج کو پانی پلانے کی خدمت پر ان کے فرزند عباس رضی اللہ عنہ کو متولی بنایا گیا حالانکہ وہ اس وقت اپنے تمام بھائیوں سے کم عمر تھے۔ یہ تولیت قیامِ اسلام تک بھی ان کے پاس رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی اس تولیت کو بحال رکھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وساطت سے یہ تولیت آج تک آلِ عباس ہی سے وابستہ ہے۔

(۵۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد ریاست اور سرداری آپ کی قوم بنی عبد مناف میں حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کے حصہ میں آئی جو عمر میں سب سے بڑا تھا۔ وہ لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا اور قبیلے کی خبرگیری کرتا تھا۔ اس کی قوم نے اس کی بزرگی کو تسلیم کرلیا۔ اس نے مکہ میں مہمانوں کے لیے ایک گول عمارت تعمیر کرائی۔ وہ اپنے پاس ہر آنے والے کی وہاں ضیافت کرتا تھا۔ لوگوں کا گمان ہے کہ جناب عبدالمطلب نے ابوطالب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وصیت فرمائی کیونکہ عبداللہ اور ابوطالب دونوں ماں جائے سگے بھائی تھے۔ ابوطالب کا نام عبد مناف تھا۔ عبدالمطلب نے اس وصیت کے بارے میں یہ اشعار کہے:

اوصیك یا عبد مناف بعدی بموحد بعد ابیه فرد	اے عبد مناف (ابوطالب)! میں اپنے بعد اس موحد کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں جو اپنے باپ کی وفات کے بعد اکیلا رہ گیا ہے۔
فارقه وهو ضجیع المهد فکنت کالام له فی الوجد	اس کا باپ اس حال میں اسے داغِ مفارقت دے گیا کہ وہ ابھی گہوارے میں سونے والا تھا اور میں نے اس حالت میں اس کی سرپرستی کی کہ میں اس کے لیے بمنزلہ ماں کے تھا۔
تدنیه من احشائها والکبد حتی اذا خفت مداد الوعد	جو اپنے جسم و جان سے زیادہ بچے کو عزیز رکھتی ہے یہاں تک کہ میں اجل کے وعدہ کی سیاہی سے خائف اور بے بس ہو گیا۔
اوصیت ارجی اهلنا للتوفد بابن الذی غیبته فی اللحد	اور میں نے اس بارہ میں اپنے اہل بیت کو وصیت کی اس بیٹے کی وجہ سے جو مجھ سے قبل ہی قبر میں چھپ گیا ہے۔
بالکره منی ثم لا بالعمد فقال لی والقول ذو مرد	میں نے ایسا عمداً نہیں کیا بلکہ مجبوری کی بنا پر کیا ہے۔ عبد مناف نے اس وصیت کو قبول کیا اور قول و قرار پختہ ہی ہوا کرتا ہے۔
ما ابن اخی ماعشت فی معد الا کادنی ولدی فی الود	اس نے کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں میرے بھائی کے بیٹے کو کوئی اچک کر نہیں لے جا سکے گا بلکہ میں اس کے ساتھ بیٹے کی طرح محبت کروں گا۔

عندی اری ذلک باب الرشد
بل احمد قد یرتجی للرشد

میں اسے اپنے پاس رشد و ہدایت کا دروازہ سمجھتا ہوں بلکہ ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کے لیے احمدؐ سے امیدیں وابستہ کی جائیں گی۔

وکل امرئی الاموز ود
قد علمت علام اهل العهد

عہد و پیمان کرنے والے جانتے ہیں کہ محبت تو سب امور میں سے بہترین ہے۔

ان ابنی سید اهل النجد
یعلو علی ذی الیدن الاشد

بیشک میرا بیٹا اہلِ نجد کا سردار ہے وہ بہادر نوجوانوں پر غلبہ حاصل کرے گا۔

عبدالمطلب نے یہ اشعار بھی کہے:

اوصیته من کنیته بطالب
عبد مناف وهو ذو تجارب

میں نے اسے وصیت کی جس کی کنیت ابوطالب ہے اور وہ تجربہ کار عبد مناف ہے۔

بابن الذی قد غاب غیر آئب
بابن اخ والنسوة الحبائب

یہ وصیت میں نے اس بیٹے کی وجہ سے کی جو قبر میں روپوش ہے اور واپس آنے والا نہیں ہے۔ ابوطالب کو یہ وصیت میں نے اس کے بھتیجے اور عزیز خواتین کے بارے میں کی ہے۔

بابن الحبیب اقرب الاقارب
فقال لی کشبه المعاتب

یہ موصٰی لہ محبوب کا بیٹا اور سب رشتہ داروں سے قریب ترین ہے۔
ابوطالب نے مجھے رضا مندی سے کہا:

لا توصنی ان کنت بالمعاتب
بثابت الحق علی واجب

اگر آپ مجھے ملامت کرنے والے نہیں ہیں تو آپ مجھے اس کے بارے میں وصیّت نہ کریں جس کا حق مجھ پر ثابت اور واجب ہے۔

محمد ذو العرف والذوائب
قلبی الیه مقبل و آئب

محمدؐ بھلائیوں والا اور عزت و شرافت والا ہے۔ میرا دل اس کا استقبال کرنے والا اور بار بار اس کی طرف لوٹ کر آنے والا ہے۔

فلست بالانس غیر الراغب
بان یحق الله قول الراهب

میں بنی نوع انسان کے ساتھ محبت نہ کرنے والا نہیں ہوں اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں راہب کے قول کو سچ کر دکھائے۔

فیه و ان یفضل آل غالب
انی سمعت اعجب العجائب

اسے آلِ غالب پر فضیلت حاصل ہوگی میں نے عجیب و غریب باتیں سُنی ہیں۔

من کل حبر عالم و کاتب
هذا الذی یقتاد کالجنائب

یہ بشارتیں ہر نیکوکار عالم اور عقلمند سے سنی گئی ہیں کہ یہ وہ شخص ہے جس کی اقتدا اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی طرح کی جائے گی۔

من حل بالابطح والاخاشب
ایضاً و من ثاب الی المثاوب
من ساکن للحرم او مجانب

اس کی پیروی حرم کے سوا تمام کرۂ ارض (حل) کی کشادہ اور سنگلاخ زمین میں کی جائے گی اور ساکنانِ حرم اور اس کے گردا گرد کے لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اور جو بھی جوئے خیر کا طالب ہوگا وہ اس کی اقتدا سے سرتابی نہ کرے گا۔

حصّہ دوم

باب ۹

بحیرا راہب کا قصّہ

ابوطالب کے ہمراہ شام کا سفر

(۵۴) ابوالحسین احمد بن محمد بن النقور البزاز نے ابو طاہر محمد بن عبدالرحمٰن المخلص کی وساطت سے ابوالحسین رضوان بن احمد کی روایت نقل کی۔ ابوالحسین نے کہا کہ ابوعمر احمد بن عبدالجبار العطاردی نے یونس بن بکیر کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی یہ روایت بیان کی۔ ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی وفات کے بعد آپؐ کے چچا ابوطالب نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور آنحضرتؐ ہمہ وقت ابوطالب کے پاس رہنے لگے۔ ایک مرتبہ ابوطالب نے ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ شام کا قصد کیا۔ جب انہوں نے رختِ سفر باندھ لیا اور چلنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے لپٹ گئے۔ آپؐ نے ان کی اُونٹنی کی مہار پکڑ لی اور فرمایا: "چچا جان! آپ مجھے کس کے سہارے پر چھوڑ رہے ہیں، میری نہ ماں ہے اور نہ باپ ہے۔" ابوطالب کا دل آنحضرتؐ کے لیے پگھل گیا اور انھوں نے کہا: "خدا کی قسم! یہ ضرور میرے ساتھ جائے گا، میں نہ اسے جُدا کروں گا اور نہ اس سے جُدا ہُوں گا۔" راوی کا بیان ہے کہ ابوطالب آپؐ کو ساتھ لے کر چلا۔ قافلے نے شام کے علاقے بصریٰ میں ڈیرہ ڈالا۔ وہاں بحیرا راہب اپنے صومعے میں رہتا تھا۔ وہ اس وقت عیسائیوں میں سب سے بڑا عالم تھا۔ اس صومعے میں جو راہب بھی رہتا تھا وہ اُس کتاب کا عالم ہوتا جو ان کے پاس تھی۔ یہ راہب اُس کتاب کا علم یکے بعد دیگرے اپنے اسلاف سے وراثتاً حاصل کرتے آئے تھے۔ اس سال قریشی قافلہ بحیرا راہب کے پاس اُترا۔ وہ اس سے قبل بھی بارہا اس کے پاس سے گزرتے رہتے تھے لیکن بحیرا ان سے کبھی ہمکلام نہ ہُوا تھا اور نہ کبھی اپنے صومعے سے نکل کر باہر آیا تھا۔ اس سال وہ اس کے صومعے کے قریب اترے۔ اس نے ان کے لیے کھانا پکوایا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ جب وہ اپنے صومعے میں تھا تو اس نے دیکھا کہ قافلہ کے درمیان بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہے قافلہ اس کے قریب ایک درخت کے سایہ میں اُترا۔ اس نے دیکھا کہ بادل کا سایہ درخت پر تھا اور درخت کی شاخیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکی ہوئی تھیں اور آپؐ اُس کے سایہ کے نیچے تھے۔ بحیرا نے یہ منظر دیکھا تو وہ اپنے صومعے سے نیچے اُتر آیا۔ اس نے کھانے کی تیاری کا حکم دے رکھا تھا، کھانا تیار ہُوا تو اس نے قافلہ والوں کو کہلا بھیجا: "اے گروہِ قریش! میں نے تمہارے لیے کھانا تیار کرایا ہے، میری خواہش ہے کہ آپ سب چھوٹے، بڑے، آزاد، غلام میری اس دعوت میں

شرکت کریں۔" ان میں سے ایک آدمی نے کہا: "اے بحیرا! آج تو آپ کی حالت ہی کچھ اور ہے اس سے قبل آپ نے ایسا اہتمام کبھی نہیں کیا حالانکہ ہم آپ کے پاس سے اکثر گزرتے رہتے تھے۔ آج اس خلافِ معمول اہتمام کی وجہ کیا ہے؟" بحیرا نے اس سے کہا: "تمہاری بات سچ ہے۔ لیکن آپ لوگ مہمان ہیں، میں نے آپ کی عزّت افزائی کے لیے کھانا تیار کیا ہے اور میری خواہش ہے کہ آپ سب لوگ کھانے کے لیے تشریف لائیں۔" دعوت پر سب قافلے والے آ گئے اور حضورؐ کو آپ کی صغر سنی کی وجہ سے اپنے ڈیرے پر اسی درخت کے نیچے چھوڑ آئے۔ جب بحیرا نے قافلہ والوں کو دیکھا تو اسے وہ چیز دکھائی نہ دی جو اس کے پیشِ نظر تھی اور جسے وُہ جانتا تھا تو اس نے پوچھا: "اے گروہِ قریش! کیا میری اس دعوت پر آپ کے سب لوگ آگئے ہیں اور کوئی پیچھے تو نہیں رہ گیا؟" انہوں نے جواب دیا: "اے بحیرا! آپ کے پاس آنے سے ایسا کوئی شخص بھی پیچھے نہیں رہا جسے آنا چاہیے تھا، بس ایک لڑکا ہے جو سب سے کم عمر ہے اور ہمارے کجاووں کے پاس رہ گیا ہے۔" اس نے کہا: "ایسا نہ کرو، اس کو بھی بلاؤ وہ بھی آپ کے ساتھ اس دعوت میں شریک ہونا چاہیے۔" قریش میں سے ایک آدمی نے کہا: "لات اور عزّیٰ کی قسم! ہمارے لیے یہ بات بُری ہوگی کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا ہمارے ساتھ کھانے میں شریک نہ ہو۔" چنانچہ وہ گیا اور آپؐ کو فوری طور پر اٹھا کر لے آیا۔ بحیرا آپؐ کو بہت غور سے دیکھتا رہا اور آپؐ کے جسدِ مبارک کا جائزہ لیتا رہا تاکہ اس صفت کو معلوم کر سکے جو آپؐ کی شناخت کے بارے میں اس کے پاس تھی۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے اور منتشر ہو کر چلے گئے تو بحیرا اٹھا اور اس نے آپؐ کو کہا: "میاں لڑکے! میں آپ کو لات و عزّیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جو بات بھی میں پُوچھوں آپؐ اس کا جواب دیں۔" بحیرا نے آپؐ سے یہ اس لیے کہا کہ اس نے قریش کے لوگوں کو ان دونوں کی قسم کھاتے ہوئے سنا تھا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ نے بحیرا کو فرمایا: "مجھے لات و عزّیٰ کی قسم دے کر نہ پُوچھو۔ خدا کی قسم! میں ان سے بڑھ کر کسی چیز سے بغض نہیں رکھتا۔" اس نے کہا: "اللہ کی قسم! آپؐ مجھے ان باتوں کا جواب دیں جو میں آپ سے دریافت کروں۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "جو چاہو پُوچھو۔" اس نے آپؐ سے آپؐ کی نیند، ہیئت اور دیگر امور کے بارے میں پُوچھنا شروع کیا اور آنحضرتؐ جواب دیتے رہے۔ یہ تمام باتیں ان صفات کے موافق تھیں جو بحیرا کے پاس تھیں، پھر اس نے آپؐ کی پشت مبارک دیکھی اور آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان مُہرِ نبوت اسی جگہ دیکھی جہاں آپؐ کے متعلق اس کے پاس لکھا ہوا تھا۔

وہ آپؐ کے ساتھ مکالمہ سے فارغ ہو کر آپؐ کے چچا ابو طالب کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے پوچھا: "اس لڑکے کا آپ سے کیا رشتہ ہے؟" ابو طالب نے جواب دیا: "یہ میرا بیٹا ہے۔" بحیرا نے کہا: "یہ آپ کا لڑکا نہیں اور اس لڑکے کا باپ زندہ نہیں ہو سکتا۔" ابو طالب نے کہا: "یہ میرا بھتیجا ہے۔" بحیرا نے پُوچھا: "اس کے باپ کو کیا ہوا؟" ابو طالب نے کہا: "یہ ابھی بطنِ مادر میں تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا تھا۔" بحیرا نے کہا: "آپ نے سچ کہا، آپ اپنے بھتیجے کو اپنے وطن واپس لے جائیں اور یہود سے اس کو بچائیں، اللہ کی قسم! اگر اُنھوں نے اس کو دیکھ لیا اور وہ علامتیں پہچان لیں جو میں نے پہچانی ہیں تو وہ اسے ضرر پہنچانے کی کوشش کریں گے، آپ کا یہ بھتیجا بڑی عظمت والا ہے اس لیے آپ اس کو لے کر جلد

اپنے شہر واپس چلے جائیں۔"

جب آپؐ کے چچا نے شام میں اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کرلی تو وہ آپؐ کو لے کر جلد مکہ واپس چلے آئے۔ اس بارہ میں لوگوں کی یہ روایتیں بھی ہیں کہ زبیر، تمام اور دریس جو اہلِ کتاب میں سے تھے اُنھوں نے بھی اسی سفر میں آپؐ کو آپ کے چچا کے ہمراہ دیکھا تھا اور آپؐ کی شخصیت میں کچھ نشانات کا مشاہدہ کیا تھا، انہوں نے آنحضرتؐ کو اذیت پہنچانا چاہی لیکن بحیرا نے انھیں اس سے باز رکھا، اللہ کی یاد دلائی اور وہ سب باتیں بتلائیں جو ان کی کتاب میں آپؐ کے متعلق مذکور تھیں۔ اور انھیں یہ بھی بتلایا کہ وہ اپنی انتہائی کوشش کے باوجود آپؐ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ چنانچہ انھوں نے اس کی نصیحت کی صداقت کو پہچان لیا، آپؐ کو چھوڑ دیا اور چلے گئے۔ ابوطالب نے اس بارہ میں یہ اشعار کہے جن میں اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہمراہ لے جانے، یہودیوں کی چیرہ دستی اور بحیرا کے انتباہ کا ذکر کیا ہے:

ان ابن آمنة النبي محمدا عندي بمثل منازل الاولاد	بے شک آمنہ کے فرزند حضرت محمد نبی میرے لیے بمنزلہ اولاد کے ہیں۔
لما تعلق بالزمام رحمته والعيس قد قلص بالازواد	جب فرزند آمنہ نے میری اونٹنی کی مہار پکڑ لی تو میرا دل اس کی محبت سے بھر آیا اور اس وقت سُرخی مائل سفید اُونٹوں کا قافلہ زادِ سفر لے کر کُوچ کے لیے تیار کھڑا تھا۔
فارفض من عيني دمع ذارف مثل الجمان مفرق الافراد	میری آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو بہنے لگے جو افراد کے درمیان جدائی کے مواقع پر بہتے ہیں۔
راعيت فيه قرابة موصولة وحفظت فيه وصية الاجداد	میں نے اس کے بارے میں صلہ رحمی کی رعایت اور اپنے بڑوں کی وصیت کی پاسداری کی۔
وامرته بالسير بين عمومة بيض الوجوه مصالت انجاد	میں نے اسے اپنے چچاؤں کے ہمراہ سفر کا حکم دیا جو سُرخ چہروں والے اور چُنے ہوئے بہادر ترین لوگ ہیں۔
ساروا لابعد طية معلومة فلقد تباعد طية المرتاد	وہ ایک دور دراز کے معلوم سفر پر روانہ ہُوئے۔ راستہ اگرچہ جانا پہچانا ہے لیکن مسافت بہت طویل ہے۔
حتى اذا ما القوم بصرى عاينوا لاقوا على شرك من المرصاد	یہاں تک کہ وہ بصریٰ کے لوگوں کے پاس پہنچے وہاں راستے میں ایک جگہ ان کی ملاقات
حبرا فاخبرهم حديثا صادقا عنه ورد معاشر الحساد	ایک یہودی عالم سے ہوئی جس نے انھیں آنحضورؐ کے بارے میں سچی باتیں بتائیں اور حاسدوں کے ایک گروہ سے محفوظ رکھا۔

قوما یهودا قد راوا ما قد رای
ظل الغمام وعز ذی الاکیاد

وہ یہودی تھے۔ اُنھوں نے وہی علامتیں دیکھیں جو بحیرا نے دیکھی تھیں یعنی بادلوں کا سایہ اور مضبوط لوگوں کی قدر شناسی۔

سارو القتل محمد فنهاهم
عنه واجهد احسن الاجهاد

یہود محمدؐ کے قتل کے درپے تھے لیکن بحیرا نے انھیں اس سے باز رکھا اور اس ضمن میں بہترین کوشش کی۔

فثنی زبیرا بحیرا فانثنی
فی القوم بعد تجادل و بعاد

بحیرا نے زبیر کو رد کا وہ بحث و تکرار کرتا رہا اور بالآخر اپنی قوم سمیت اس نے یہ ناپاک ارادہ ترک کر دیا۔

ونهی دریسا فانتهی عن قوله
حبر یوافق امره برشاد

بحیرا نے دریس کو بھی منع کیا اور وُہ بھی اپنی بات سے باز آگیا بحیرا ایک ایسا عالم تھا جس کا حکم رشد و ہدایت پر مبنی تھا۔

ابُوطالب نے یہ اشعار بھی کہے:

الم ترنی من بعد هم هممته
بفرقة حر الوالدین کرام

کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ میں نے شریف والدین کے برگزیدہ لڑکے سے جُدائی کا قصد کیا ہُوا تھا۔

باحمدٌ لما ان شددت مطیتی
برحلی وقد ودعته بسلام

یعنی احمدؐ سے۔ جب میں نے اپنی سواری پر کجاوہ باندھا اور اسے سفر کے لیے تیار کیا میں نے سلامتی کے ساتھ احمدؐ کو الوداع کہا۔

بکی حزنا والعیس قد فصلت بنا
واخذت بالکفین فضل زمام

وُہ غم سے رو پڑا اس حال میں کہ سُرخی مائل سفید اونٹوں کا قافلہ روانہ ہوا اور دونوں ہتھیلیوں سے میری ناقہ کی مہار پکڑ لی گئی۔

ذکرت اباه ثم رقرقت عبرةً
تجود من العینین ذات سجام

مجھے اس کا باپ یاد آگیا، میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور میں زار و قطار رونے لگا۔

فقلت: تروح راشدًا فی عمومة
مواسین فی الباساء غیر لئام

میں نے اس سے کہا: راحت و آرام کے ساتھ اپنے چچاؤں کے ساتھ چلو جو مصائب و آلام میں غمخواری کرنے والے ہیں اور ملامت زدہ نہیں ہیں۔

فرحنا مع العیر التی راح اهلها
شامی الهوی والاصل غیر شامی

ہم اس قافلے کے ساتھ نکلے جس نے اس حال میں کوچ کیا کہ قافلہ والے محبت و شفقت کو بدفالی خیال کرتے تھے حالانکہ درحقیقت بدشگونی کا کوئی وجود نہیں ہے۔

فلما هبطنا ارض بصری تشرفوا
لنا فوق دور ینظرون جسام

جب ہم نے سرزمین بصریٰ میں ڈیرہ ڈالا تو ہماری وجہ سے قافلہ والوں کی عزت افزائی ہوئی اور وہ تناور معلوم ہوتے تھے۔

فجاء بحیرا عند ذالک حاشدا
لنا بشراب طیب و طعام

اس وقت بحیرا (راہب) آیا اور اس نے ہمیں پاک مشروبات اور کھانے کی پیشکش کی۔

فقال، اجمعوا اصحابکم لطعامنا فقلنا: جمعنا القوم غیر غلام	اس نے کہا: ہمارے کھانے میں اپنے سب ساتھیوں کو لے آؤ اور ہم نے کہا: ہم سب موجود ہیں ماسوائے ایک لڑکے کے
یتیم، فقال، ادعوه ان طعامنا کثیر، علیه الیوم غیر حرام	جو یتیم ہے۔ اس نے کہا: اس لڑکے کو بھی بلاؤ کیونکہ کھانا کافی مقدار میں ہے اور لڑکے کے لیے بھی حلال ہے۔
فلما راه مقبلا نحو داره یوقیه حر الشمس ظل غمام	جب بحیرا نے اپنے گھر کی طرف اس لڑکے کو اس حال میں آتے دیکھا کہ بادل کا سایہ دھوپ سے اس کا بچاؤ کیے ہُوئے تھا۔
حنا راسه شبه السجود وضمه الی نحره والصدر ای ضمام	اس نے اپنے سر کو احتراماً سجدہ کی طرح نیچے جھکا دیا اور آپؐ کو اپنے گلے اور سینے سے لگا لیا۔
واقبل رکب یطلبون الذی رای بحیرا من الاعلام وسط خیام	اور یہود کا ایک وفد بھی آ پہنچا جو ان ہی نشانات کے درپے تھے جن کو بحیرا نے خیموں کے درمیان دیکھا تھا۔
فثار الیهم خشیة لعرامهم وکانوا ذوی دهی معا وعرام	ان کی بدخُوئی کے ڈر سے بحیرا نے ان کو دوست بنایا۔ وہ چالباز اور کثیر التعداد تھے۔
دریسا وتماما وقد کان فیهم زبیرا وکل القوم غیر نیام	ان میں دریس، تمام اور زبیر تھے اور وہ سب کے سب ہوشیار اور غفلت نہ کرنے والے تھے۔
فجاؤوا وقد هموا بقتل محمد فردهم عنه بحسن خصام	وہ سب کے سب محمدؐ کو قتل کرنے کی غرض سے آئے لیکن بحیرا نے حُسنِ تدبیر سے ان کو اس اقدام سے باز رکھا۔
بتاویله التوراة حتی تفرقوا وقال لهم ما انتم بطغام	بحیرا نے انھیں توراۃ پڑھ کر نصیحت کی یہاں تک کہ وُہ منتشر ہو گئے۔ اور بحیرا نے انھیں کہا کہ تم نااہل اور کمینے لوگ نہیں ہو۔
فذالك من اعلامه وبیانه ولیس نهار واضح کظلام	پس یہ اس کے نشانات اور علامات میں سے ہے اور روشن دن تاریکی کی طرح نہیں ہوتا۔

ابو طالب نے یہ اشعار بھی کہے:

بکی طربا لما راه محمد کان لا یرانی راجعا لمعاد	محمدؐ یہ دیکھ کر غم کے باعث رو پڑا گویا کہ وُہ یہاں واپس آتے ہوئے مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔
فبت یجافینی تهلل دمعا وقربته من مضجعی ووسادی	میں رات بھر اس بات کو سوچتا رہا کر اس کا آنسو بہانا مجھے اس سے دُور کردے گا اور میں اپنی خواب گاہ اور آرامگاہ میں اس کی قربت سے محروم ہو جاؤں گا۔

فقلت له : قرب قعودك وارتحل
ولا تخش منی جفوة ببلادی

میں نے اس سے کہا : اپنے اونٹ کے قریب جاؤ اور کوچ کی تیاری کرو اور ان شہروں میں میری طرف سے تمہیں کسی بدسلوکی کا خدشہ نہیں ہونا چاہیے۔

وخل زمام العیس وارتحلن بنا
علی عزمة من امرنا و رشاد

اُونٹوں کی مہار چھوڑ دی گئی اور ہمیں لے کر منزلِ مقصود کی طرف مستعدی اور راست روی سے چل پڑے۔

ورح رائحا فی الراشدین مشیعا
لذی رحم فی القوم غیر معاد

ان راست روندگان کے ساتھ بخوشی چلو اور قوم میں اپنے رشتہ داروں کو الوداعی سلام کہتے ہوئے نکلو۔

فرحنا مع العیر التی راح رکبها
یؤمون من غوری ارض ایاد

ہم اس قافلے کے ہمراہ روانہ ہوئے جس کی سواریوں نے اس نشیب زمین سے نعمتوں بھری اراضی کی طرف کوچ کیا۔

فما رجعوا حتی راوا من محمد
احادیث تجلو غم کل فؤاد

قافلے والے واپس نہ آئے یہاں تک کہ انھوں نے محمدؐ کے بارے میں ایسے عجیب وغریب واقعات دیکھے جن سے غم زدہ دل کا غم جاتا رہا۔

وحتی راوا احبار کل مدینة
سجودا لہ من عصبة وفراد

انھوں نے دیکھا کہ ہر شہر کے علماء اجتماعی اور انفرادی طور پر محمدؐ کے آگے احتراماً جھکتے تھے۔

زبیرا و تماما وقد کان شاهدا
دریسا وهموا کلهم بفساد

لیکن زبیر اور تمام اور دریس سب نے اس کے برخلاف فساد انگیزی کا منصوبہ بنایا۔

فقال لهم قولا بحیرا وایقنوا
له بعد تکذیب و طول بعاد

پس بحیرا نے انھیں ایسی بات کہی جسے اُنھوں نے تکذیب اور کافی بحث و تمحیص کے بعد بالآخر تسلیم کرلیا۔

کما قال للرهط الذین تهودوا
وجاهدهم فی الله کل جهاد

بحیرا نے ایسی ہی نصیحت یہود کے دیگر گروہوں کو بھی کی اور اُنھیں راہِ راست پر لانے کے لیے اللہ کے راستے میں پُوری پُوری کوشش کی۔

فقال و لم یملك له النصح رده
فان له ارصاد کل مضاد

بالآخر بحیرا نے مشورہ دیا کہ صرف نصیحت کارگر نہیں ہوسکے گی اس لیے اسے واپس لے جاؤ کیونکہ ہر ضدی اور ہٹ دھرم اس کی گھات میں ہے۔

فانی اخشی الحاسدین و انه
اخوا الکتب مکتوب بکل مداد

مجھے اس کے متعلق حاسدوں کے حسد کا خدشہ لاحق ہے کیونکہ اس کا نام جملہ کتبِ مقدسہ میں روشنائی سے لکھا ہوا موجود ہے۔

(۵۴) آنحضرتؐ کے اخلاقی فضائل

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کو بزرگی اور رسالت سے

نوازنا چاہتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنی حفاظت و نگرانی میں پروان چڑھایا اور آپؐ کو جاہلیت کی گوناگوں گندگیوں اور آلودگیوں سے محفوظ رکھا۔ بعثت سے قبل ہی آپؐ اپنی قوم میں مروت کے اعتبار سے افضل، محاسنِ اخلاق میں سب سے برتر، اور حسب و نسب کے لحاظ سے شریف ترین سمجھے جاتے تھے۔ آپؐ بہترین پڑوسی، اعلیٰ اخلاق کے مالک، سب سے زیادہ سچ بولنے والے اور امانتدار، برائیوں اور اخلاقی رذائل سے سب سے زیادہ بچنے والے اور پاکدامنی اور شرافت کے حامل تھے۔ یہاں تک کہ اپنی قوم میں آپؐ "الامین" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ آپؐ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے جملہ اخلاقِ صالحہ جمع کر دیئے تھے اور یہ بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متعلق صغرسنی کے دوران میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگرانی اور امورِ جاہلیت سے اجتناب کو تحدیثِ نعمت کے طور پر بیان فرمایا کرتے تھے۔

(۵۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: میرے والد اسحاق بن یسار نے ایک شخص کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا ذکر اس طرح فرماتے تھے: میں اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ تھا ہم نے اپنے تہبند اپنی گردنوں کے ساتھ لٹکائے ہوئے تھے اور ہم ان میں پتھر اٹھا کر کھیلنے کے لیے لا رہے تھے، یکایک کسی نے مجھے ایک زور کا گھونسا رسید کیا اور کہا کہ اپنا تہبند (اِزار) باندھ لو۔

(۵۶) احمد نے یونس کے حوالے سے عمرو بن ثابت سے اور اس نے سماک بن حرب سے اور اس نے عکرمہ کی وساطت سے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے۔ ابنِ عباسؓ نے کہا: میرے باپ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا بیان ہے کہ جب قریش نے کعبہ کی تعمیرِ نو شروع کی تو ہم پتھر ڈھو کر لاتے تھے۔ قریش نے دو دو آدمیوں کی علیحدہ علیحدہ ٹولیاں بنا دیں۔ عورتیں چونا اور مٹی وغیرہ لاتی تھیں اور مرد پتھر لاتے تھے۔ میں اپنے بھتیجے (محمدؐ) کا ساتھی تھا۔ ہم لوگ اپنی اپنی اِزاریں گلے میں باندھے ہوئے تھے اور ازاروں میں پتھر ڈھو کر لا رہے تھے۔ جب ہم لوگوں کے پاس آتے تھے تو اپنی ازار باندھ لیتے تھے۔ میں جا رہا تھا اور میرے آگے آگے محمدؐ تھے وہ ازار باندھے ہوئے نہیں تھے۔ آپؐ یکایک منہ کے بل گر پڑے، میں نے اپنا پتھر پھینک دیا اور جلدی سے آپؐ کے پاس پہنچا، آپؐ اس وقت آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے، میں نے پوچھا: "کیا حال ہے؟" آپؐ نے اپنی ازار باندھی اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے مجھے بھی برہنہ حالت میں چلنے سے روکا، میں نے اس واقعہ کو اس ڈر سے چھپائے رکھا کہ کہیں لوگ آپؐ کو مجنون نہ کہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی نبوّت کو ظاہر فرمایا۔

(۵۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: محمد بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ نے حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب سے اور اُنھوں نے اپنے باپ محمد اور اپنے دادا علی بن ابی طالب کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کی۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے اندر دو راتوں سے زیادہ کبھی ان کاموں کے قصد کا خیال پیدا نہیں ہوا جن میں اہلِ جاہلیت منہمک تھے اور دونوں مرتبہ اللہ عزّ وجلّ نے مجھے ان سے محفوظ رکھا۔ ایک رات ہم مکہ کے بعض لڑکوں کے ساتھ باہر اپنی بکریاں چرا رہے تھے، میں نے اپنے ساتھی کو کہا:

"تو ذرا میری بکریوں کی دیکھ بھال کرتا کہ میں مکّہ میں جا کر رات ان دلچسپیوں میں حصّہ لُوں جن میں دوسرے لڑکے حصّہ لیتے ہیں۔" اس نے ذمہ داری قبول کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا : میں مکّہ میں داخل ہُوا ، میں نے پہلے ہی گھر میں گانے بجانے کی آوازیں سُنیں ، میں نے پُوچھا یہ کیا ہے ؟ لوگوں نے کہا ، فلاں مرد کی فلاں عورت کے ساتھ شادی ہے ۔ میں یہ منظر دیکھنے کے لیے بیٹھ گیا ۔ اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں پر تھپکی دی ، مجھے نیند آگئی ۔ خدا کی قسم ! اگلے دن صبح سورج کی دُھوپ سے میری آنکھ کھلی ۔ میں اپنے ساتھی کے پاس واپس آگیا ، اس نے حال پُوچھا ، میں نے کہا : میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ چنانچہ میں نے اسے اپنی آپ بیتی سُنا دی۔ دوسری رات میں نے اپنے ساتھی سے پھر وہی فرمائش کی کہ میری بکریوں کی نگہداشت کرنا تاکہ میں رات مکّہ میں گزاروں ۔ اس نے یہ بات تسلیم کر لی ۔ میں مکّہ میں داخل ہُوا تو پھر گزشتہ رات کی طرح گانا بجانا ہو رہا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ فلاں مرد اور فلاں عورت کا نکاح ہو رہا ہے ۔ میں یہ تماشا دیکھنے کے لیے بیٹھا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں پر تھپکی دے کر مجھے سُلا دیا اور اگلے دن صبح کی دُھوپ سے میری آنکھ کھلی ۔ میں اپنے ساتھی کے پاس واپس آگیا ، اس نے ماجرا پُوچھا تو میں نے اسے بتا دیا کہ آج بھی میں کچھ نہیں دیکھ سکا۔ خدا کی قسم ! ان دو واقعات کے بعد میرے اندر اس طرح کی کسی چیز کی طرف میلان پیدا ہی نہ ہوا یہاں تک کہ اللہ عزّ و جلّ نے مجھے نبوّت سے سرفراز فرمایا ۔

باب ۱۰

خدیجہؓ بنت خویلد کا واقعہ

(۵۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت اور حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابنِ اسحاق نے کہا ؛ خدیجہؓ بنت خویلد ایک شریف اور مالدار تاجر پیشہ خاتون تھیں۔ وہ اپنے مال میں کسی نہ کسی شخص کو اُجرت یا حصہ رسدی مضاربت پر شریک کرکے تجارت کیا کرتی تھیں قریش تجارت پیشہ لوگ تھے۔ جب خدیجہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، عظیم امانت داری اور کریمانہ اخلاق کا حال معلوم ہُوا تو اُنھوں نے آپؐ کو بُلا بھیجا اور کہا : "میری خواہش ہے کہ آپؐ میرا تجارتی مال شام لے جائیں، میں دوسروں کو جتنا حصہ دیتی ہوں آپؐ کو اس سے زیادہ دُوں گی۔" آنحضرتؐ نے یہ پیشکش قبول فرمائی۔ آپؐ یہ مال لے کر نکل کھڑے ہوئے آپؐ کے ہمراہ حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی تھا، یہاں تک کہ آپؐ شام کے علاقے میں پہنچے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک راہب کے صومعہ کے قریب ایک درخت کے نیچے ڈیرہ ڈال دیا۔ راہب نے میسرہ کو اوپر سے آواز دے کر پُوچھا "یہ کون شخص ہے جو اس درخت کے نیچے اُترا ہے؟" میسرہ نے جواب دیا: "یہ اہلِ حرم میں سے قبیلہ قریش کا ایک فرد ہے۔" راہب نے کہا : "اس درخت کے نیچے کبھی کوئی غیر نبی نہیں اُترا۔" آنحضرتؐ جو مالِ تجارت لے کر آئے تھے وہ آپؐ نے فروخت کردیا اور جو مال خریدنا چاہتے تھے وہ خرید لیا۔ پھر آپؐ نے میسرہ کے ہمراہ واپسی کا سفر اختیار کیا۔ لوگوں کا گمان ہے کہ جب دوپہر کا وقت ہوتا اور دھوپ سخت ہوجاتی تو میسرہ دیکھتا کہ دو فرشتے آپؐ کے اُوپر سایہ کرکے آپؐ کو دھوپ سے بچاتے تھے اور آپؐ اپنے اونٹ پر سوار چلتے جاتے تھے۔ جب آپؐ حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر واپس مکہ پہنچ گئے تو انھوں نے وہ سارا سامان جو آپؐ لائے تھے فروخت کردیا۔ چنانچہ مال دگنا یا اس کے قریب ہوگیا۔ میسرہ نے آنحضرتؐ کے متعلق راہب کا قول اور دو فرشتوں کی سایہ افگنی کا واقعہ حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا۔ حضرت خدیجہؓ عقلمند، شریف اور صاحبِ عزیمت خاتون تھیں۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے طفیل حضرت خدیجہؓ کے لیے بھی سربلندی چاہتا تھا۔ جب میسرہ نے حضرت خدیجہؓ کو آپؐ کے سفر کے حالات سُنائے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا : "اے ابنِ عم! آپؐ میرے رشتہ دار بھی ہیں اور آپ کی شرافت، امانت، حسنِ خلق اور صدق مقال کی وجہ سے بھی میرا میلانِ خاطر آپؐ کی طرف ہے۔" پھر انہوں نے آنحضرتؐ سے نکاح کی درخواست کی۔

حضرت خدیجہؓ خواتین قریش میں سے نسب کے لحاظ سے افضل، شرافت کے اعتبار سے اعلیٰ اور مال و دولت میں سب سے بڑھ کر تھیں۔ قوم میں ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ کاش اسے اس امر پر قدرت ہوتی۔

حضرت خدیجہؓ کا نسب

اُمّ المومنین کا نسب درج ذیل ہے :

خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ حضرت خدیجہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زید بن اصم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیص بن عامر بن لوی تھا۔ فاطمہ کی ماں کا نام ہالہ بنت عبد مناف بن حارث بن عبد بن منقذ بن عمرو بن معیص بن عامر بن لوی تھا۔ ہالہ کی والدہ کا نام فلانہ (یا بقول ابن ہشام قلابہ) بنت سعید بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی تھا۔ فلانہ کی ماں کا نام عاتکہ بنت عبد العزیٰ بن قصی تھا۔ عاتکہ کی ماں کا نام ریطہ بنت کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی تھا۔ ریطہ کی ماں کا نام قیلہ بنت حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی تھا۔ قیلہ کی ماں کا نام اُمیمہ بن عامر بن حارث بن فہر تھا۔ امیمہ کی ماں قبیلہ خزاعہ کے سعد بن کعب بن عمرو کی بیٹی تھی اور اس کی ماں فلانہ بنت حرب بن حارث بن فہر تھی۔ فلانہ کی ماں کا نام سلمیٰ بنت غالب بن فہر تھا اور سلمیٰ کی ماں محارب بن فہر کی بیٹی تھی۔

(۵۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے : جب حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا پیغام دیا تو آپؐ نے اس کا ذکر اپنے چچاؤں سے کیا۔ ان میں سے حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب آپؐ کے ہمراہ اسد بن اسد کے ہاں گئے۔ اسد نے حضرت خدیجہؓ کو آپؐ سے منسوب کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ نزولِ وحی سے قبل حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آپؐ کی یہ اولاد پیدا ہوئی : زینب، ام کلثوم، رقیہ، فاطمہ، قاسم، طاہر، طیب۔ آپؐ کے صاحبزادگان قاسم، طاہر اور طیب اسلام سے قبل ہی وفات پا گئے۔ آنحضرتؐ کی کنیت آپؐ کے صاحبزادے قاسم کے نام پر ابوالقاسم ہے۔ آپؐ کی جملہ صاحبزادیوں نے اسلام کا زمانہ دیکھا۔ وہ آنحضرتؐ پر ایمان لائیں۔ انہوں نے آپؐ کے حکم پر ہجرت اختیار کی اور آپؐ کا اتباع کیا۔

باب ۱۱

رسول اللہؐ کے متعلق علماءِ یہود کی بشارت

(۶۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر توراۃ میں

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: احبار (یہودی علماء) اور رہبان (عیسائی درویشوں) کے پاس کتابیں تھیں۔ آنحضرتؐ کی بعثت سے قبل وہی اہلِ علم تھے ان کے علم کا ذریعہ وہ کتابیں تھیں جن میں آنحضرتؐ کی صفات، آپؐ کا نام اور سرزمینِ عرب میں آپؐ کے زمانۂ نبوت کے متعلق لکھا ہوا تھا اور ان کے انبیاءؑ نے آپؐ کے بارے میں ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آپؐ کا اتباع کریں گے۔ وہ آپؐ کے طفیل بُت پرست مشرکین کے مقابلہ میں فتح و نصرت کی دُعائیں مانگا کرتے تھے اور انھیں یہ خبریں سناتے تھے کہ احمدؐ نام کے ایک نبی دینِ ابراہیمؑ پر مبعوث ہونے والے ہیں جن کا ذکر ان کے انبیاء کی کتابوں میں موجود ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ و الانجیل یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر و یحل لھم الطیبٰت و یحرم علیھم الخبائث و یضع عنھم اصرھم والاغلٰل التی کانت علیھمؕ فالذین اٰمنوا بہٖ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہٗ اولٰئک ھم المفلحون ٥
(الاعراف - ۱۵۷)

(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امّی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انھیں اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وُہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے۔ وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

واذ قال عیسی ابن مریم یٰبنی اسرآئیل

اور یاد کرو عیسیٰ ابنِ مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ "اے بنی اسرائیل،

انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورٰۃ و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمدؕ فلما جاءھم بالبینٰت قالوا ھٰذا سحرٌ مبین ۞ (الصف - ۶)

میں تمھاری طرف اللہ کا بھیجا ہُوا رسول ہُوں، تصدیق کرنے والا ہُوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہُوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمدؐ ہوگا۔ مگر جب وُہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہا یہ تو صریح دھوکا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

محمد رسول اللہؕ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحماء بینھم ترٰھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجودؕ ذٰلک مثلھم فی التورٰۃ ۖ ومثلھم فی الانجیل ۚ کزرع اخرج شطأہ فاٰزرہ فاستغلظ فاستوی علٰی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفارؕ وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت منھم مغفرۃ و اجراً عظیما ۞ (الفتح - ۲۹)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انھیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یُوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھُولنے پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے :

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا ۖ فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہٖ فلعنۃ اللہ علی الکٰفرین ۞ بئسما اشتروا بہٖ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ بغیا ان ینزل اللہ من فضلہٖ علٰی من یشآء من عبادہٖ ۚ فبآءو بغضبٍ علٰی غضبؕ و للکٰفرین عذاب مھین ۞

(البقرہ - ۸۹ - ۹۰)

باوجودیکہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے مگر جب وہ چیز آگئی جسے وہ پہچان بھی گئے تو انھوں نے اسے ماننے سے انکار کردیا، خدا کی لعنت ان منکرین پر۔ کیسا بُرا ذریعہ ہے جس سے یہ اپنے نفس کی تسلی حاصل کرتے ہیں کہ جو ہدایت اللہ نے نازل کی ہے اس کو قبول کرنے سے صرف اس ضد کی بنا پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل (وحی و رسالت) سے اپنے جس بندے کو خود چاہا نواز دیا لہٰذا اب یہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے اور ایسے کافروں کے لیے سخت ذلت آمیز سزا مقرر ہے۔

(۶۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اہلِ عرب اُمّی تھے، کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے۔ رسولوں کے احکام سے نابلد تھے، جنّت، دوزخ اور حشر و نشر کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے ماسوائے ان باتوں کے جو وہ اہلِ کتاب سے سُنتے تھے۔ لیکن ان عقاید پر ان کا ایمان نہیں تھا اور نہ ہی ان کے مطابق وہ عمل کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک عرصہ قبل ہی ہمیں آپ کے متعلق احبار و رہبان کی باتیں پہنچی ہوئی تھیں۔

(۶۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی اور اس نے عاصم بن عمر بن قتادہ کے حوالہ سے اپنے بعض شیوخ کی یہ روایت نقل کی۔ شیوخ کا بیان ہے کہ اہلِ عرب میں سے کوئی شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے بارے میں ہم سے زیادہ باخبر نہیں تھا۔ ہمارے پڑوس میں یہود رہتے تھے جو اہلِ کتاب تھے اور ہم بت پرست تھے جب وہ مجبور ہو جاتے تھے تو ہمیں یہ کہتے تھے: "ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں جن کا زمانہ اب قریب ہے، ہم ان کا اتباع کریں گے اور ان کی معیت میں تمہیں عاد ارم کی طرح قتل کریں گے۔" جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو مبعوث فرمایا تو ہم نے آپؐ کا اتباع کیا اور یہود نے کفر کی روش اختیار کی۔ خدا کی قسم! اللہ عزّ وجل نے ہمارے اور ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی،

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا ج (البقرۃ - ۸۹)	باوجودیکہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دُعائیں مانگا کرتے تھے۔

(۶۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی اور اس نے صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف کے حوالہ سے یحییٰ بن عبداللہ بن عبدالرحمان بن سعد بن زرارہ کی روایت نقل کی۔ یحییٰ نے کہا: مجھ سے اپنی قوم کے محبوب لوگوں میں سے ایک شخص نے حسان بن ثابت کی روایت بیان کی جس نے کہا: بخدا! میں سات آٹھ سال کی عمر میں گدرائے ہوئے جسم کا لڑکا تھا۔ جو کچھ سُنتا تھا اسے سمجھتا تھا۔ میں نے ایک یہودی کو سنا جو یثرب میں اپنے قلعے پر سے چیخ چیخ کر پکار رہا تھا: "اے گروہِ یہود!" جب یہود اکٹھے ہو گئے تو انہوں نے اسے کہا: "وائے افسوس! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" اس نے کہا: "آج رات احمد کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے جسے مبعوث کیا جائے گا۔"

(۶۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی اور اس نے صالح بن ابراہیم سے محمد بن لبید کے حوالہ سے سلمہ بن سلامہ بن وقش کی روایت نقل کی۔ سلمہ نے کہا: ہمارے گھروں کے درمیان ایک یہودی رہا کرتا تھا وہ ایک صبح کو بنی عبدالاشہل کے محلہ سے نکل کر میری قوم کی مجلس میں آیا۔ اس نے حشر و نشر، جنّت و دوزخ اور حساب و میزان کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس نے یہ باتیں بُت پرستوں کے سامنے کیں جو بعث بعد الموت کے قائل نہیں تھے۔ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کا ہے۔ انھوں نے اس سے پُوچھا: "وائے افسوس! کیا ایسا ہو گا کہ مرجانے کے بعد لوگوں کو ایسے جہاں کی طرف اٹھایا جائے گا جس میں جنت اور دوزخ ہو گی اور لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ

دیا جائے گا؟" اس یہودی نے کہا: "اس ذات کی قسم جس کی قسم کھائی جاتی ہے! ایسا ہی ہوگا۔ میری تمنا ہے کہ اس آگ کی بجائے تم اپنے گھر میں ایک بڑے تنور کو آگ لگاتے اسے گرم کرتے پھر مجھے اس میں پھینک کر اوپر سے مٹی لگا کر اسے بند کر دیتے اور اگر اس طرح اس کل کی آگ سے بچاؤ کی صورت نکل آتی تو میں اسے غنیمت سمجھتا۔" اس شخص سے پوچھا گیا: "اے فلاں! اس کی نشانی کیا ہے؟" اس نے کہا: "ان بلاد میں ایک نبی مبعوث ہوگا۔" بلاد کے حوالہ سے اس نے اپنے ہاتھ سے مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے پوچھا: تمہارے خیال میں ایسا کب ہوگا؟" راوی کا بیان ہے کہ اس نے آنکھ جھپک کر مجھے دیکھا میں اپنے گھر کے سامنے فراخ جگہ پر پہلو کے بل لیٹا ہوا تھا اور سب حاضرین میں سے کم عمر تھا۔ چنانچہ اس نے کہا: "اگر اس لڑکے کی عمر نے وفا کی تو یہ اس نبیؐ کو پالے گا۔" تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ اللہ عز و جل نے اپنے رسولؐ کو مبعوث فرمایا وہ یہودی اس وقت زندہ تھا۔ پس ہم آنحضرتؐ پر ایمان لے آئے اور آپؐ کی تصدیق کی اور اس یہودی نے حسد اور گھمنڈ کے سبب سے آپؐ کا انکار کیا۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم نے اسے کہا: "اے فلاں! کیا تم وہی شخص نہیں ہو جس نے آنحضرتؐ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں بتلائی تھیں؟" اس نے کہا: "لیکن میری بشارت اس شخص کے متعلق نہیں تھی۔"

(۶۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی اور اس نے عاصم بن عمر بن قتادہ کے حوالہ سے بنی قریظہ کے ایک بوڑھے شخص کی روایت نقل کی۔ اس بوڑھے نے کہا: "کیا تم جانتے ہو کہ اسید و ثعلبہ پسران سعید اور اسد بن عبید (از بنی ہذیل) کے اسلام کا سبب کیا تھا؟" وہ بنی قریظہ اور بنی نضیر میں سے نہ تھے بلکہ ان سے اوپر تھے۔ میں نے کہا: "میں نہیں جانتا۔" اس نے کہا: ہمارے پاس شام کے یہودیوں میں سے ایک شخص آیا جس کا نام ابو الہیبان تھا۔ وہ ہمارے پاس اقامت گزیں ہوگیا۔ بخدا! ہم نے پنجوقتہ نماز نہ پڑھنے والوں (غیر مسلموں) میں اس سے بہتر آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چند سال قبل ہمارے پاس آیا۔ جب ہم قحط سالی کا شکار ہو جاتے اور مینہ نہ برستا تو ہم اس سے کہتے: "اے ابو الہیبان! باہر چلو اور ہمارے لیے بارش کی دعا کرو۔" وہ جواب دیتا: "خدا کی قسم! میں ایسا ہرگز نہ کروں گا جب تک تم باہر نکلنے سے پہلے صدقہ نہ دو۔" ہم پوچھتے: "کتنا صدقہ؟" وہ کہتا: "ایک صاع کھجور یا دو مد جو۔" ہم یہ صدقہ ادا کرتے، پھر وہ ہمیں ساتھ لے کر ہمارے کھیتوں سے باہر آ جاتا اور بارش کی دعا کرتا۔ خدا کی قسم! وہ اپنی جگہ سے نہ اٹھتا یہاں تک کہ بادل آ جاتے۔ اس کا یہ معمول ایک دفعہ یا دو دفعہ یا تین دفعہ کا نہ تھا بلکہ ایسے واقعات کئی مرتبہ پیش آئے۔ پھر جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو ہم اس کے پاس جمع ہوئے، اس نے کہا: "اے گروہ یہود! تمہارا کیا خیال ہے کہ مجھے کون سی چیز شراب اور اناج والی سرزمین سے نکال کر تکلیف اور بھوک کی سرزمین کی طرف لے آئی ہے؟" لوگوں نے کہا: "آپ بہتر جانتے ہیں۔" اس نے کہا: "میں صرف اس وجہ سے نکل آیا ہوں کہ ایک نبی کی بعثت متوقع ہے جس کا زمانہ قریب آ چکا ہے اور یہ شہر اس کا دار الہجرت ہے۔ مجھے امید تھی کہ میں اس کی بعثت پر اس کا اتباع کروں گا۔ پس اے گروہ یہود! مبادا کوئی دیگر گروہ آنحضرتؐ کے ظہور پر ایمان لانے میں تم پر سبقت لے جائے۔" آنحضرتؐ کو اس حال میں مبعوث کیا جائے گا کہ آپؐ کو مجبوراً خونریزی کرنا پڑے گی اور مخالفین کی

عورتیں اور ان کی اولادیں آپؐ کے پاس قیدی بن کر آئیں گی اور یہ چیزیں تمھیں آپؐ پر ایمان لانے سے نہ روکیں۔" یہ وصیت کرکے وہ اس دارِ فانی سے کوچ کرگیا۔ اس کے بعد جس رات کو بنی قریظہ مفتوح ہوگئے یہ تین جوان جو نوعمر تھے انھوں نے کہا: "اے گروہِ یہود! خدا کی قسم! یہ وہی نبی ہے جس کے متعلق ابن الہیبان نے تمھیں بتایا تھا۔" اُنھوں نے کہا "یہ وہ نہیں ہے" نوجوانوں نے کہا: "کیوں نہیں، بخدا! صفات کے اعتبار سے تو یہ وہی ہے۔" پھر وہ نوجوان نیچے اُترے، انھوں نے اسلام قبول کیا اور اپنے اموال اور اہل و عیال کو بچا لیا۔

(۶۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: "ان نوجوانوں کے اموال قلعے میں مشرکین کے ساتھ تھے۔ جب قلعہ فتح ہوگیا تو ان نوجوانوں کے اموال انھیں واپس کر دیئے گئے۔

(۶۷) احمد نے یونس کی وساطت سے قیس بن ربیع کی اور اس نے یونس بن ابی مسلم کے حوالہ سے عکرمہ کی یہ روایت نقل کی کہ اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگوں نے اپنے رسولوں کی تصدیق کی وہ ان پر ایمان لائے اور حضرت محمدؐ کی بعثت سے قبل آپؐ پر بھی ایمان لائے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انھوں نے کفر کی روش اختیار کی۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فاما الذین اسودّت وجوھھم اکفرتم بعد ایمانکم۔ (آل عمران - ۱۰۶)	جن لوگوں کا مُنہ کالا ہوگا ان سے کہا جائے گا کہ نعمتِ ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویّہ اختیار کیا؟

اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے رسولوں پر اور حضرت محمدؐ کی بعثت سے قبل آپؐ پر ایمان لائے تھے۔ پھر جب آپؐ مبعوث ہوئے تو یہ اپنے ایمان پر قایم رہے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

والذین اھتدوا زادھم ھدی و اٰتاھم تقوٰھم۔ (محمد: ۱۷)	وہ لوگ جنھوں نے ہدایت پائی اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انھیں ان کے حصّے کا تقوٰی عطا فرماتا ہے۔

باب ۱۲

سلمان فارسیؓ کا اسلام لانا

(۶۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ عاصم بن عمر بن قتادہ نے محمود بن لبید سے اور انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی۔ انھوں نے کہا، سلمان فارسیؓ نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ میں اہلِ فارس میں سے اصفہان کی ایک بستی "جی" کا رہنے والا تھا، میرے والد اپنے علاقہ کے دہقان تھے وہ مجھ سے بہت زیادہ محبت کیا کرتے تھے اور اپنی محبت وہ اپنی دیگر اولاد یا مال سے نہیں کرتے تھے۔ میرے لیے ان کی محبت اسی طرح برقرار رہی یہاں تک کہ انھوں نے مجھے پابندِ مسکن کر دیا جس طرح لڑکیوں کو گھر میں پابند رکھا جاتا ہے۔ میں نے مجوسیت اختیار کرنے میں پوری کوشش کی یہاں تک کہ میں آتشکدے کے ان خادموں میں سے ہو گیا جو آگ روشن رکھتے ہیں اور گھڑی بھر کے لیے بھی بجھنے نہیں دیتے۔ میں صرف اپنے کام سے واقف تھا اور دوسرے لوگوں کے کاروبار کا مجھے علم نہ تھا۔ میرے باپ نے ایک مکان کی تعمیر شروع کی۔ ان کی زرعی اراضی بھی تھی جس میں کھیتی باڑی کی جاتی تھی۔ میرے والد نے مجھے بلایا اور فرمایا: میرے پیارے بیٹے! تم دیکھ رہے ہو کہ میں تعمیر کے کام میں اس حد تک مشغول ہوں کہ اراضی کے کام کی طرف توجہ نہیں دے سکتا۔ اراضی کے متعلق بھی مجھے پوری طرح مطلع رہنا چاہئیے، اس لیے تم وہاں جاؤ اور کارندوں سے کام کرواؤ۔ لیکن تم مجھ سے علیحدگی اختیار کر کے وہاں ٹھہر نہ جانا۔ کیونکہ اگر تم وہاں رُک گئے تو میں کسی کام کے قابل بھی نہیں رہوں گا۔

میں اراضی پر جانے کے لیے نکلا اور راستہ میں عیسائیوں کے ایک کلیسا کے پاس سے گزرا۔ وہاں میں نے ان کی آوازیں سُنیں۔ میں نے پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے؟" لوگوں نے کہا، "یہ عیسائی ہیں جو اپنی نماز پڑھ رہے ہیں۔" میں دیکھنے کے لیے اندر داخل ہُوا اور ان کے جو حالات میں نے دیکھے وہ مجھے بہت پسند آئے۔ میں غروب آفتاب تک ان کے پاس بیٹھا رہا۔ اس دوران میں میرے باپ نے میری تلاش میں ہر طرف آدمی بھیج دئے تھے لیکن میں شام کو واپس اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا، میں اراضی کی طرف گیا ہی نہیں تھا۔ میرے باپ نے پُوچھا: "اے میرے پیارے بیٹے! تم کہاں رہے؟ کیا میں نے تمھیں پہلے ہی سب کچھ نہیں سمجھایا تھا؟" میں نے عرض کی: "ابّا جان! میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا جنھیں نصارٰی کہتے ہیں، ان کی نماز اور دُعا مجھے بہت پسند آئی، میں ان کے طور طریقے دیکھنے کے لیے ان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ میرے باپ نے کہا: "اے میرے پیارے بیٹے! تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔" میں نے کہا: "بخدا! ہمارا دین ان کے دین سے بہتر نہیں ہے۔

وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ہم آگ کی پوجا کرتے ہیں جسے ہم خود اپنے ہاتھوں سے جلاتے ہیں اگر ہم اسے چھو
وہ آگ بجھ جاتی ہے۔" پھر میرے باپ نے مجھے بہت ڈرایا دھمکایا۔ میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دی اور
قید کر دیا۔

میں نے نصاریٰ کی طرف پیغام بھیجا کہ تمہارے اس دین کا مرکز کہاں ہے؟ انھوں نے کہا: "شـ
میں نے کہا: "جب تمہارے پاس شام سے کوئی قافلہ آئے تو مجھے اس کی اطلاع دینا۔" انھوں نے ایسا کرنے کا
اس کے بعد ان کے پاس عیسائی تاجروں کا ایک قافلہ آیا اور انھوں نے مجھے پیغام بھیجا کہ ہمارے ہاں ہمارے
ایک قافلہ آیا ہوا ہے، میں نے کہلا بھیجا کہ جب وہ اپنے کام کاج سے فارغ ہو جائیں اور واپس جانا چاہیں
اطلاع دینا۔" انھوں نے کہا کہ ہم ایسا کریں گے۔ جب وہ اپنا کاروبار نمٹا چکے اور واپس جانے لگے تو انھوں
پیغام بھیجا۔ میں نے اپنے پاؤں کی بیڑیاں کاٹ دیں اور ان کی معیت میں روانہ ہو کر شام پہنچ گیا۔ وہاں جا
دریافت کیا کہ اس دین کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انھوں نے کہا کہ اسقف جو کلیسا کا ناظم ہے۔

میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی: "میں کلیسا میں اقامت گزیں ہو کر آپ کے سا
عبادت کرنا اور آپ سے نیکی کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے
میں نے اس کی معیت اختیار کر لی۔ وہ بدکردار شخص تھا۔ وہ لوگوں کو صدقہ کا حکم دیتا تھا اور اس کی ترغیب دلاتا
وہ صدقہ کا مال اکٹھا کر کے لاتے تو وہ اپنے پاس جمع کر لیتا اور محتاج فقیروں کو نہ دیتا تھا۔ اس کے یہ طور طریقے
مجھے اس سے سخت نفرت ہو گئی۔ وہ جلد ہی فوت ہو گیا۔ جو لوگ اس کی تدفین کے لیے آئے تو میں نے انھیں بتا
برا تھا۔ تمھیں تو صدقہ کا حکم دیتا تھا اور اس کی ترغیب دلاتا تھا اور جو کچھ تم لوگ جمع کر کے اس کے پاس لاتے تھے
ذخیرہ کر لیتا تھا اور مسکینوں کو عطا نہ کرتا تھا۔ جب میں نے اس کے حالات دیکھے تو مجھے اس سے شدید نفرت ہو گ
مجھ سے اس الزام تراشی کا ثبوت طلب کیا۔ میں نے کہا کہ میں اس کا اندوختہ تمہیں لا کر دیتا ہوں۔ لوگوں
کہا کہ لاؤ۔ چنانچہ میں ان کے سامنے سونے چاندی سے بھرے ہوئے سات مٹکے نکال لایا۔ جب انھوں
تو فیصلہ کیا کہ اس شخص کو دفن نہ کرنا چاہیے بلکہ انھوں نے اسے لکڑی کی صلیب پر لٹکا دیا اور اس پر پتھراؤ کیا
ایک دوسرے شخص کو لے آئے اور اسے اسقف کا منصب پیش کیا۔ سلمان فارسیؓ نے کہا کہ اے ابن عبا
دوسرا شخص ایسا تھا کہ پنجوقتہ نماز نہ پڑھنے والوں (یعنی غیر مسلموں) میں اس سے بڑھ کر صاحب فضیلت دنیا
دنیوی خواہشات سے روگردانی کرنے والا اور لیل و نہار کے اوقات کا پابند میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا مجھے
ساتھ اس قدر محبت ہو گئی کہ قبل ازیں اتنی محبت مجھے کسی سے نہ تھی۔ میں اس کی صحبت میں رہا یہاں تک
موت کا وقت قریب آ گیا، میں نے اس سے کہا: "اے فلاں! آپ کے لیے اللہ کا وہ حکم آ پہنچا ہے جسے
رہے ہیں۔ بخدا! میں نے آپ سے زیادہ کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں اور کس کے
جانے کی وصیت کرتے ہیں؟" اس نے کہا: "اے میرے پیارے بیٹے! میرے علم میں صرف ایک شخص۔

میں مقیم ہے تم اس کے پاس چلے جانا، یقیناً تم اس کو میری طرح پاؤ گے۔"

جب وہ فوت ہو گیا اور دفن کر دیا گیا تو میں موصل والے شخص کے پاس چلا گیا، وہ عبادت و ریاضت اور دنیا سے بے رغبتی کے لحاظ سے پہلے شخص جیسا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ فلاں شخص نے مجھے آپ کی صحبت اختیار کرنے کی وصیت کی ہے، اس نے کہا: "اے میرے پیارے بیٹے! میرے پاس رہو۔" میں اپنے سابق استاد کے حکم کے مطابق اس کے پاس مقیم ہو گیا یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت بھی قریب آ گیا، میں نے اس سے کہا کہ فلاں شخص نے مجھے آپ کے پاس رہنے کی وصیت کی تھی اور اب آپ کے پاس بھی اللہ تعالیٰ کا وہ حکم آ پہنچا ہے جسے آپ دیکھ رہے ہیں، آپ مجھے وصیت فرمائیں کہ میں کس کے پاس جاؤں۔" اس نے کہا: "میرے پیارے بیٹے! میرے علم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ہمارے طریقے پر ہو ماسوائے ایک شخص کے جو نصیبین میں ہے، تم اس کے پاس چلے جاؤ۔"

جب ہم نے اسے دفن کر دیا تو میں نصیبین والے شخص کے پاس چلا گیا، میں نے اس سے کہا: "فلاں شخص نے مجھے فلاں کے پاس جانے کی وصیت کی اور مؤخر الذکر نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔" اس نے کہا: "اے میرے پیارے بیٹے! میرے پاس رہو۔" میں نے اسے بھی سابق دونوں ساتھیوں کا ہم خیال پایا یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت بھی قریب آ گیا، میں نے اس سے کہا: "اے فلاں! آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچا ہے جسے آپ دیکھ رہے ہیں مجھے فلاں اور فلاں نے علی الترتیب فلاں اور فلاں کے پاس جانے کی وصیت کی اور مؤخر الذکر نے مجھے آپ کے متعلق وصیت کی۔ اب میں کس کے پاس جاؤں؟" اس شخص نے کہا: "اے میرے پیارے بیٹے! بخدا! میرے علم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ہمارے طریقے پر ہو بجز ایک شخص کے جو سرزمینِ روم میں عموریہ کے مقام پر ہے، تم اس کے پاس چلے جاؤ، یقیناً تم اسے ہمارا ہم مسلک پاؤ گے۔"

جب میں نے اسے دفن کر دیا تو میں وہاں سے چل کر عموریہ والے شخص کے پاس آ گیا، میں نے اسے بھی اپنے تینوں ساتھیوں کا ہم مشرب پایا۔ میں اس کے پاس اقامت گزیں ہو کر اکتساب کرتا رہا یہاں تک کہ میرے پاس بکریاں اور گائیں ہو گئیں، پھر اس کو موت کا پیغام آ پہنچا۔ میں نے اس سے کہا: "اے فلاں! مجھے فلاں اور فلاں اور فلاں نے علی الترتیب فلاں اور فلاں اور فلاں کے متعلق وصیت کی تھی اور مؤخر الذکر نے مجھے آپ کے پاس بھیجا تھا، اب آپ کے پاس بھی اللہ تعالیٰ کا وہ حکم آ پہنچا ہے جسے آپ دیکھ رہے ہیں۔ اب آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں؟" اس نے کہا: "اے میرے پیارے بیٹے! میرے علم میں ہمارا ہم مسلک کوئی بھی ایسا شخص موجود نہیں ہے جس کے پاس جانے کی میں تجھے وصیت کر دوں۔ لیکن ایک نبی کا زمانہ قریب ہے جو حرم میں مبعوث ہو گا اور جس کا دار الہجرت دو سیاہ پتھروں والے پہاڑوں کے درمیان واقع نخلستانی شورہ ناک زمین ہے۔ اس نبیؐ کے نشانات ایسے ہوں گے جو پوشیدہ نہ رہ سکیں گے۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوت ہو گی، وہ ہدیہ قبول کرے گا اور صدقہ نہیں کھائے گا۔ اگر تم اس سرزمین کی طرف جا سکو تو ضرور جاؤ کیونکہ اس کی نبوت کا زمانہ قریب آ چکا ہے۔"

جب ہم نے اس وصیت کرنے والے کو دفن کر دیا تو میں وہاں سے نقلِ مکانی کے لیے تیار ہوگیا۔ میرے پاس سے بنی کلب کے عرب تاجروں کا ایک قافلہ گزرا، میں نے ان سے کہا: "میں تمھیں اپنی یہ بکریاں اور گائیں دیتا ہوں، ان عوض تم مجھے اپنے ساتھ سرزمینِ عرب تک سوار کر کے لے چلو۔" انھوں نے اس شرط کو قبول کر لیا اور میں نے انھیں اپنا دے دیا۔ انھوں نے مجھے سوار کر لیا لیکن جب وادی القریٰ میں پہنچے تو انھوں نے مجھ سے ظالمانہ سلوک کیا اور غلام کی حیثیت سے وادی القریٰ کے ایک یہودی کے پاس فروخت کر دیا۔ واللہ! میں نے وہاں کھجور کے درخت دیکھے میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی خدا کرے یہ وہی شہر ہو جس کا ذکر وصیت کرنے والے میرے استاد نے کیا تھا۔ حقیقتِ حال معلوم نہ ہوئی یہاں تک کہ بنی قریظہ کا ایک آدمی آیا جو وادی القریٰ کے یہودیوں کا رشتہ دار تھا۔ اس نے اس شخص سے خرید لیا جس کے پاس میں تھا۔ وہ مجھے لے کر مدینہ چلا آیا۔ جونہی میں نے مدینہ کو دیکھا میں نے اسے مذکورہ صفات سے پہچان لیا۔ میں اپنے مالک کے ساتھ وہیں غلامی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ میں مبعوث فرمایا۔ میں اپنی غلامانہ پابندیوں کے باعث آپؐ کا نہ سُن سکا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لے آئے۔ ایک دن میں اپنے مالک کے کھجور کے درخت کے مصروفِ کار تھا۔ اس دوران میں اس کا ایک چچیرا بھائی آیا اور اس نے کہا: "اے فلاں! اللہ تعالیٰ بنی قیلہ کو ہلاک کر دے۔ بخدا! وہ اس وقت قبا میں ایک شخص کے پاس اکٹھے ہیں جو مکہ سے آیا ہے۔ ان لوگوں کا گمان ہے کہ وہ حضرت سلمان کا بیان ہے: "خدا کی قسم، جب میں نے یہ بات سُنی تو مجھ پر سردی اور کپکپاہٹ طاری ہوگئی۔ میں لرزہ برا مجھے گمان ہوا کہ میں کہیں اپنے مالک کے اوپر گر پڑوں گا۔ میں نے نیچے اتر کر پوچھا: "کیا بات ہے؟ کیا معاملہ ہوا۔" میرے مالک نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور مجھے زور کا مُکا رسید کیا اور کہا: "تجھے اس سے کیا کام؟ جاؤ اپنا کام کرو" نے کہا: "کچھ بھی نہیں، میں نے ایک خبر سنی تھی اور میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں اس کی تصدیق کر لوں۔"

میرے پاس کھانے کا کچھ سامان تھا، جب شام ہوئی تو میں وہ کھانا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا۔ اس وقت آنحضرتؐ قبا میں تھے۔ میں نے عرض کیا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپؐ نیک آدمی ہیں اور آپؐ کے آپؐ کے مسافر ساتھی بھی ہیں۔ میرے پاس یہ صدقہ کی چیز تھی، میری رائے میں آپ لوگ یہاں کے رہنے والوں بہ نسبت اس صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں اس لیے میں یہ صدقہ آپؐ کے پاس لایا ہوں، جو پیشِ خدمت ہے۔ آپ تناول فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ روک لیا اور خود نہ کھایا۔ لیکن اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ تم میں نے اپنے جی میں کہا: "یہ ایک صفت ہے جس کا ذکر میرے استاد نے کیا تھا۔ میں آپؐ کے پاس سے چلا گیا اور صلی اللہ علیہ وسلم نقل مکانی کر کے مدینہ میں تشریف لے آئے۔ میں نے اپنے پاس کچھ چیزیں جمع کیں اور انھ لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: "میں نے محسوس کیا ہے کہ آپؐ صدقہ تناول نہیں فرماتے اس میں آپؐ کی بزرگی کے پیشِ نظر یہ ہدیہ اور سوغات آپؐ کے پاس لے کر آیا ہوں یہ صدقہ نہیں ہے۔" رسول اللہ

علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ نے یہ ہدیہ تناول فرمایا۔ میں نے خیال کیا یہ دو صفتیں ہیں۔ میں پھر تیسری بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ اپنے اصحاب کے ہمراہ ایک جنازہ کے ساتھ آئے تھے، میرے اوپر دو چادریں تھیں میں نے گھوم پھر کر آپؐ کی پشت پر مُہرِ نبوت دیکھنے کی کوشش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گھومتے ہوئے دیکھا اور آپؐ سمجھ گئے کہ میں کسی مبینہ چیز کی تحقیق کے لیے چکر کاٹ رہا ہوں۔ آپؐ نے اپنی پشت پر سے چادر ہٹادی۔ میں نے آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان خاتمِ نبوت کو دیکھ لیا جس کا ذکر میرے استاد نے مجھ سے کیا تھا۔ میں اسے بوسہ دینے کے لیے اس پر اس حال میں جُھکا کہ میری آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "اے سلمان! یہاں سے ہٹ کر ادھر آجاؤ۔" میں ہٹ گیا اور آپؐ کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ میری خواہش تھی کہ میں آپؐ کے اصحاب کو آپؐ کے متعلق یہ پُورا واقعہ سُناؤں۔ چنانچہ اے ابن عباسؓ! میں نے اصحابؓ کو یہ واقعہ سنایا جس طرح اب تمھیں سنایا ہے۔

جب میں اپنی آپ بیتی سنا چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے سلمان! آزادی حاصل کرنے کے لیے اپنے مالک سے مکاتبت حاصل کر لو۔ چنانچہ میں نے اپنے مالک کے ساتھ تین سو کھجوروں کے درخت لگانے اور چالیس اوقیہ سونے کی ادائیگی پر مکاتبت کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کھجور کے پودوں کے سلسلے میں میری امداد فرمائی۔ ہر ایک نے اپنی استطاعت کے مطابق دس سے لے کر تیس تیس پودوں تک امداد کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان پودوں کے لیے گڑھے کھودو۔ جب فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آؤ، میں اپنے ہاتھوں سے انھیں نصب کر دُوں گا۔" میں نے گڑھے کھود دے۔ صحابہؓ نے میری امداد کی یہاں تک کہ ہم کھدائی سے فارغ ہو گئے۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! ہم نے گڑھے کھود دئے ہیں۔" آنحضرتؐ میرے ساتھ موقعہ پر تشریف لائے۔ ہم پودے آنحضرتؐ کو دیتے جاتے تھے آپؐ اپنے دستِ مبارک سے انھیں گڑھوں میں رکھتے اور ٹھیک ٹھاک کرتے جاتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ان پودوں میں سے ایک پودا بھی نہیں سُوکھا، اب میرے ذمہ دراہم کی ادائیگی تھی آنحضرتؐ کے پاس ایک شخص کسی کان سے مرغی کے انڈہ کے برابر سونے کا ٹکڑا لایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: "سلمان فارسی مکاتب کہاں ہے؟" مجھے آپؐ کے پاس بلایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: "اے سلمان! یہ لے لو اور جو ادائیگی تمھارے ذمہ ہے وہ اس کے ذریعہ نمٹاؤ۔" میں نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! میرے ذمہ جو ادائیگی ہے اسے تو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اللہ تعالےٰ کی قدرت سے اسی کے ذریعہ ادائیگی پُوری ہو جائے گی۔" اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں سلمان کی جان ہے میں نے اسے ان کے لیے وزن کیا تو وہ چالیس اوقیہ تھا اس طرح میں نے ان کا حق پُورا ادا کر دیا اور آزادی حاصل کر لی۔ قبل ازیں میں غلامی کے باعث مجبور تھا اور اسی وجہ سے میں بدر اور اُحد کے معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل نہ ہو سکا۔ آزادی حاصل کر کے میں غزوۂ خندق میں شریک ہوا اور پھر بعد ازاں کسی معرکہ سے بھی غیر حاضر نہیں ہُوا۔

(۶۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ۔ ابن اسحاق نے کہا، مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا ۔ اس نے کہا مجھ سے ایسے شخص نے بیان کیا جس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے سُنا تھا اور حدیث سلمانؓ میں سے یہ روایت کیا، اس نے کہا، مجھے سلمانؓ سے روایت پہنچی کہ عموریہ والے شخص کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو اس نے سلمانؓ سے کہا: "تم سرزمینِ شام میں درختوں کے دو جھنڈوں کے مقام پر جاؤ وہاں ایک شخص ہے جو ہر سال ایک رات کو ایک جھنڈ سے نکلتا ہے اور گزرتا ہوا دوسرے جھنڈ کی طرف چلا جاتا ہے، مختلف بیماریوں والے اس کے سامنے پیش ہوتے ہیں وہ جس کے لیے دعا کرتا ہے وہ بیماری سے شفایاب ہو جاتا ہے ۔ تم جس دین یعنی دینِ ابراھیمؑ کی حقیقت کے بارے میں مجھ سے سوال کر رہے ہو اس کے متعلق اس شخص سے جا کر دریافت کرو۔" سلمانؓ نے کہا: "میں نکلا اور وہاں جا کر ایک سال تک مقیم رہا، یہاں تک کہ ایک رات وہ شخص درختوں کے ایک جھنڈ سے نکل کر دوسرے جھنڈ کی طرف روانہ ہوا ۔ وہ لوگوں کی عرضداشتیں نمٹاتا ہوا تیزی سے چلتا جاتا تھا ۔ جب وہ نکلا تو لوگوں نے اس کے پاس پہنچنے میں مجھ سے مسابقت اختیار کی ۔ وہ دوسرے جھنڈ میں داخل ہونے کے قریب تھا اور اس کا کندھا صرف باہر رہ گیا تھا میں نے اُس کو شانے سے پکڑ لیا اور اس سے کہا: "اللہ آپ پر رحم کرے، مجھے حقیقتِ دینِ ابراہیمؑ کے بارے میں بتائیں۔" اس نے کہا: "تم اس مسئلے کے متعلق پُوچھ رہے ہو جس کے بارے میں لوگ آج کل استفسار نہیں کرتے ۔ حرم والوں میں سے ایک نبی عنقریب اس دین پر مبعوث ہونے والا ہے ۔" جب سلمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: اے سلمانؓ! اگر اپنی یہ روداد تم نے مجھ سے سچ بیان کی ہے تو پھر تم نے عیسٰی بن مریم علیہما السلام کا زمانہ دیکھا ہے ۔"

(۷۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی، ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یزید بن ابی حبیب نے عبدالقیس کے ایک آدمی کے حوالے سے سلمانؓ کی روایت بیان کی، سلمانؓ نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کا وہ ٹکڑا مجھے دیا تو فرمایا کہ تمہارے ذمہ جو ادائیگی ہے وہ اس کے ذریعہ سے نمٹاؤ۔" میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میرے ذمہ جو کچھ واجب الادا ہے اس کے لحاظ سے اس کی کیا حیثیت ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی زبان مبارک پر الٹا پلٹا اور پھر مجھے دے کر فرمایا کہ یہ لے کر جاؤ ۔ اللہ تعالیٰ اسی کے ذریعہ تمہاری ادائیگی پوری کر دیں گے ۔ میں نے اسے ان کے لیے وزن کیا اور ان کا پُورا حق یعنی چالیس اوقیہ ادا کر دیا ۔

(۷۱) مُہرِ نبوّت

احمد نے یونس سے اور اس نے ابی لیلیٰ کی وساطت سے عتاب بکری کی یہ روایت نقل کی ۔ عتاب نے کہا: ہم ابو سعید خُدری کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے ان کے لیے ان کے دروازے پر فرش بچھایا جاتا تھا اور اس پر تکیہ رکھا جاتا تھا آپ تکیے کے سہارے فرش پر بیٹھا کرتے تھے اور ہم آپ کے اردگرد حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے تھے میں نے ان سے اس

مُہر کے بارے میں پُوچھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان تھی۔ ابو سعیدؓ نے اپنا انگوٹھا پہلے جوڑ پر رکھا اور انگشتِ شہادت سے اس سے نچلے جوڑ کی طرف اشارہ کیا۔ یونس کا بیان ہے کہ ابو سعیدؓ نے اپنا پورا جوڑ نمایاں کیا اور کہا کہ خاتمِ نبوّت یہاں آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان قدرے اُبھری ہوئی تھی۔

(۷۲) دورِ جاہلیت میں قریش کا دین

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: قریش خانہ کعبہ کی تعظیم بجا لاتے تھے اور اس کا طواف کیا کرتے تھے۔ وہ وہاں دعائے مغفرت بھی کرتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ بتوں کی تعظیم بھی کرتے تھے اور ان کے نام کے جانور ذبح کرتے تھے۔ وہ حج بھی کرتے تھے اور اس دوران میں ٹھہرنے کی جگہوں پر وقوف بھی کرتے تھے۔

باب ۱۳

آثارِ کعبہ

(۷۳) تاریخِ کعبہ حضرت آدمؑ سے لے کر

احمد نے یونس کی وساطت سے سعید بن میسرہ بکری کی روایت نقل کی۔ اس نے کہا مجھ سے انس بن مالک نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بیت اللہ کی جگہ ایک بالشت یا اس سے زیادہ بلند تھی۔ آدمؑ سے قبل فرشتے اس گھر کا حج کرتے تھے۔ پھر آدم علیہ السلام نے حج کیا۔ فرشتے آپ سے ملے اور پوچھا: "اے آدمؑ! تم کہاں سے آئے ہو؟ آدمؑ نے جواب دیا: "میں نے بیت اللہ کا حج کیا ہے۔" فرشتوں نے کہا: "آپ سے قبل فرشتے اس گھر کا حج کرتے تھے۔"

(۷۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ثابت بن دینار سے اور اس نے عطاؒ سے روایت نقل کی۔ عطا نے کہا، آدمؑ کو ہند میں اتارا گیا۔ انھوں نے عرض کی: "اے میرے پروردگار! میں یہاں فرشتوں کی آواز نہیں سنتا جس طرح جنت میں سنا کرتا تھا۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے آدمؑ! یہ تیری اپنی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ جا اور میرے لیے ایک گھر بنا اور اس کا طواف تو اس طرح کر جس طرح تو فرشتوں کو طواف کرتا ہوا دیکھے۔" حضرت آدمؑ وہاں سے چل کر مکہ پہنچے، انھوں نے یہ گھر تعمیر کیا۔ آدم علیہ السلام کے راستے میں جنگلات تھے۔ جہاں جہاں ان کے قدم پڑتے وہاں ندی نالے، عمارتیں اور بستیاں آباد ہوتی گئیں۔ آدمؑ نے ہند سے آکر چالیس سال تک حج کیا۔

(۷۵) احمد نے یونس کے حوالہ سے یحییٰ بن سلمہ بن کہیل سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے مجاہد کی روایت نقل کی۔ مجاہد نے کہا، جب ابراہیمؑ کو کہا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔ تو انہوں نے پوچھا: "اے میرے پروردگار! میں کس طرح کہوں؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "کہو، اے لوگو! اپنے رب کی دعوت کو قبول کرو۔" ابراہیمؑ نے پہاڑ پر چڑھ کر ندا دی کہ "اے لوگو! اپنے رب کی دعوت قبول کرو۔" لوگوں نے جواب میں کہا: "ہم حاضر ہیں اے اللہ! ہم حاضر ہیں۔" یہ پہلا تلبیہ تھا۔

(۷۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے وہب بن کیسان نے بیان کیا اور اس نے عبید بن عمر لیثی کو یہ کہتے ہوئے سنا: جب ابراہیمؑ کو حکم دیا گیا کہ وہ لوگوں کو حج کیلیے

بُلائیں تو اُنھوں نے مشرقی جانب رُخ کر کے اللہ کی طرف بلایا۔ جواب میں " لبّیك، لبّیك " کی آوازیں آئیں۔ پھر انہوں نے مغرب کا رُخ کر کے اللہ عزّوجل کی طرف بُلایا۔ جواب میں آواز آئی: "ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں"۔ پھر انہوں نے شام کی جانب منہ پھیر کر ندا دی تو اس کے جواب میں بھی "لبّیك لبّیك" کی صدا سنائی دی۔ پھر انہوں نے یمن کی جانب رُخ پھیرا اور اللہ کی طرف بُلایا، جواب میں " لبّیك لبّیك " کی آواز آئی۔

(۷۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی، ابنِ اسحاق نے کہا کہ اہلِ مدینہ میں سے ایک ثقہ راوی نے عروہ بن زبیر کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی: حضرت ہود اور صالح علیہما السلام کے علاوہ کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس نے بیت اللہ کا حج نہ کیا ہو۔ حضرت نوحؑ نے بھی بیت اللہ کا حج کیا۔ جب زمین پر طوفان کے باعث غرقابی ہوئی تو بیت اللہ بھی زمین بوس ہوگیا اور ایک سُرخ ٹیلے کی شکل میں باقی رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہودؑ کو مبعوث فرمایا وہ اپنی قوم کی اصلاح کے کام میں مشغول رہے یہاں تک کہ اللہ عزّوجل کو پیارے ہوگئے۔ انھوں نے حج نہیں کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے صالحؑ کو مبعوث فرمایا وہ بھی اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے میں ہمہ وقت ہمہ تن مشغول رہے اور حج نہ کرسکے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے ہاتھوں بیت اللہ تعمیر کروایا تو انہوں نے حج کیا اور ان کے بعد کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس نے حج نہ کیا ہو۔

(۷۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی اور اس نے عطا بن ابی رباح کے حوالہ سے کعب الجبر کی روایت نقل کی۔ کعب نے کہا: خانہ کعبہ نے اپنے رب عزّوجل سے رو کر شکایت کی کہ اے میرے رب! میرے زائرین کی تعداد کم ہو چکی ہے اور لوگ میرے ساتھ ظلم کر رہے ہیں۔ اللہ عزّوجل نے فرمایا: میں ایسے لوگ پیدا کرنے والا ہوں جو والہانہ آکر تیری زیارت کیا کریں گے اور تیرے اس طرح مشتاق ہوں گے جس طرح کبوتر اپنے انڈوں کے مشتاق ہوتے ہیں۔

(۷۹) احمد نے اپنے باپ کی وساطت سے جریر بن عبدالحمید سے اور اس نے منصور سے اور اس نے مجاہد کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو کی روایت نقل کی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل خانہ کعبہ کو بنایا اور پھر اس میں سے زمین کو نکال کر پھیلا دیا۔

(۸۰) احمد نے یونس کی وساطت سے اسباط بن نصر ہمدانی سے اور اس نے اسماعیل بن عبدالرحمان سدی سے یہ روایت نقل کی کہ جب حضرت آدمؑ جنت سے نکلے تو ان کے ایک ہاتھ میں ایک پتھر تھا اور دوسری ہتھیلی میں درخت کا پتہ تھا۔ انہوں نے پتّے کو ہند میں پھیلا دیا اور یہ خوشبو جو تم دیکھ رہے ہو اسی سے ہے اور پتھر کا یاقوت سفید تھا جو روشنی کے کام آتا تھا۔ جب ابراہیمؑ نے بیت اللہ تعمیر کیا اور اس مقام تک پہنچ گئے جہاں پتھر نصب کیا جانا تھا تو حضرت اسماعیلؑ کو فرمایا: "میرے لیے ایک پتھر لاؤ جو میں یہاں نصب کر دوں۔" وہ پہاڑ سے ایک پتھر لے آئے۔ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ کوئی اور لاؤ۔ اور اس طرح انہیں کئی دفعہ لوٹایا کیونکہ انہیں اسماعیل کے لائے ہوئے

پتھر پسند نہ آتے تھے۔ ایک مرتبہ اسماعیل علیہ السلام گئے اور اس دوران میں جبریلؑ ہند سے وہ پتھر لے آئے جو آدمؑ جنت سے لائے تھے ابراہیمؑ نے اسے نصب کر دیا۔ جب اسماعیلؑ واپس آئے تو انہوں نے پوچھا "یہ پتھر کون لایا ہے؟" ابراہیم نے جواب دیا: "جو تم سے زیادہ پھرتیلا ہے۔"

(۸۱) احمد نے یونس کی وساطت سے سری بن اسماعیل سے اور اس نے عامر کے حوالہ سے عمرؓ بن خطاب کی روایت نقل کی حضرت عمرؓ نے فرمایا: حجرِ اسود جنت کے پتھروں میں سے ہے جب اسے زمین پر اتارا گیا تو وہ روئی سے زیادہ سفید تھا بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پیدائشی گونگا، بہرا اور نابینا اسے چھوتا تو شفایاب ہو جاتا۔

(۸۲) احمد نے یونس سے اور اس نے عبدالرحمان بن عبداللہ کے حوالہ سے سلمہ بن کہیل سے اور اس نے ایک شخص کی وساطت سے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: انسانی چہرے کی طرح سکونِ قلب کی بھی ایک صورت ہے۔ اسی طرح سکونِ قلب کی مثال صاف و شفاف خوشبودار ہوا جیسی ہے۔

(۸۳) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابراہیم بن اسماعیل سے اور اس نے یزید رقاشی سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے ابو موسیٰ اشعری کی یہ روایت نقل کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موضع روحاؑ کی چٹان کے پاس سے ستر نبی گزرے جو ننگے پاؤں تھے اور کمبل اوڑھے ہوئے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے اس پرانے گھر یعنی خانہ کعبہ کا قصد کیے ہوئے تھے۔ ان میں موسیٰ علیہ السلام بھی تھے۔

(۸۴) احمد نے یونس سے اور اس نے سعید بن میسرہ کی وساطت سے انس بن مالک کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پتھر جنت کے یاقوت کا تھا، اس پر مشرکین نے ہاتھ پھیرے اور وہ ان کے مسح کی وجہ سے سیاہ ہو گیا۔

(۸۵) احمد نے یونس کی وساطت سے وہب بن عقبہ کی اور اس نے عطیہ عوفی کے حوالہ سے ابن عباس کی روایت نقل کی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: حجرِ اسود جنت کے پتھروں میں سے ہے وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا، بنی آدم کے گناہگار ہاتھوں نے اسے مسح کیا اور اس وجہ سے وہ سیاہ ہو گیا۔

(۸۶) احمد نے یونس سے اور اس نے مسلم بن عبید اللہ قرشی کی وساطت سے عبدالکریم ابی امیہ کی روایت نقل کی۔ عبدالکریم نے کہا، بیت اللہ جنت کے یاقوت سے بنا ہوا یاقوت کا گھر تھا۔ طوفانِ نوحؑ کے دوران میں اسے آسمانِ دنیا پر اٹھا لیا گیا اگر اب وہ نیچے گرے تو بیت اللہ کی جگہ گرے گا وہاں ہر رات ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں جبریلؑ نے حجرِ اسود کو جبلِ ابو قبیس پر ودیعت رکھا وہ جنت کے یاقوت میں سے سفید یاقوت ہے جب ابراہیمؑ نے بیت اللہ تعمیر کیا تو یہ پتھر انھوں نے جبلِ ابو قبیس سے نکال کر حضرت ابراہیمؑ کو دیا اور انہوں نے اسے بیت اللہ کی دیوار میں نصب کر دیا۔ قیامت کے دن وہ اُحد پہاڑ سے بھی بڑا ہو گا، اسے زبان عطا کی جائے گی

وہ اس سے شہادت دے گا۔

(۸۷) دورِ جاہلیت میں حج کا تلبیہ

احمد نے یونس کے حوالہ سے عبدالرحمان بن عبداللہ مسعودی سے اور اس نے سعید بن ابی بردہ اشعری کی وساطت سے عبداللہ بن عمر کی روایت نقل کی: حضرت عبداللہ بن عمر نے سعید کے باپ ابی بردہ سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری قوم کے لوگ جاہلیت کے زمانہ میں بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے کیا کہتے تھے؟ ابی بردہ نے کہا: "انھوں نے کیا کہنا تھا!" عبداللہ بن عمر نے فرمایا: "وہ یہ کہا کرتے تھے:

اللھم ھذا واحد ان تما، اتمہ اللہ وقد اتما، ان تغفر اللھم تغفر جما، و ای عبد لك لا الما؟"

ترجمہ: اے اللہ! یہ تیرا گھر ایک ہی گھر ہے اگرچہ مخلوقات کثیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو مکمل کیا ہے اور وہ مکمل ہے۔ اے اللہ! تو معاف کرے تو سب مخلوقات کو معاف کر۔ تیرا کون سا وہ بندہ ہے جو گناہگار نہیں اور تیرے اس گھر سے چمٹا ہوا نہیں ہے؟

(۸۸) احمد نے یونس کے حوالہ سے قیس بن ربیع سے اور اس نے منصور کی وساطت سے مجاہد کی روایت نقل کی۔ مجاہد نے کہا کہ اہلِ جاہلیت بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے:

ان تغفر اللھم تغفر جما، و ای عبد لك لا الما؟

ترجمہ: اے اللہ! تو معاف کرے تو سب مخلوقات کو معاف کر۔ تیرا کون سا وہ بندہ ہے جو گناہگار نہیں اور تیرے اس گھر سے چمٹا ہوا نہیں ہے؟

(۸۹) جاہلیت میں مردوں اور عورتوں کے طواف کا طریقہ

احمد نے یونس کی وساطت سے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ سے یہ روایت نقل کی کہ حمس (اہلِ حرم) کے علاوہ کوئی شخص بھی خانہ کعبہ کا طواف کپڑے پہن کر نہیں کرتا تھا۔ دوسرے لوگ (مرد اور عورتیں) برہنگی کی حالت میں طواف کرتے تھے ماسوائے اس صورت کے کہ اہلِ حرم از راہِ احسان باہر کے کسی مرد یا عورت کو کپڑے عطا کریں اور وہ ان کپڑوں میں طواف کرے۔

(۹۰) احمد نے یونس سے اور اس نے ابی معشر مدنی کی وساطت سے محمد بن قیس کی یہ روایت نقل کی کہ دورِ جاہلیت میں وہ لوگ جو اہلِ حرم سے نہ تھے اگر ان میں سے کوئی شخص بیرونِ حرم سے لائے ہوئے کپڑوں میں طواف کرنا چاہتا تو طواف سے فارغ ہو کر وہ یہ کپڑے کعبہ کے پاس پھینک دیتا تھا۔ اگر باہر سے آئے ہوئے کسی شخص کو اہل مکہ کی طرف سے

کپڑے مستعار مل جاتے تو وہ ان مستعار کپڑوں میں طواف کرتا تھا اور اگر وہ شخص بیرونِ حرم سے لائے ہوئے کپڑوں میں طواف نہ کرنا چاہتا اور نہ ہی اہلِ مکہ سے اسے عاریۃً کپڑے دستیاب ہوتے تو اس صورت میں وہ خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرتا۔ اس طرزِ عمل کی تائید میں وہ کہا کرتے تھے:

وجدنا علیھا اٰبآءنا واللّٰہ امرنا بھا (الاعراف - ۲۸) — ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح پر پایا ہے اور اللہ ہی نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

راوی نے اس سے آگے "خالصۃ یوم القیٰمۃ" (آیت ۳۲) تک پڑھا، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"ان سے کہو اللہ بے حیائی کا حکم کبھی نہیں دیا کرتا۔ کیا تم اللہ کا نام لے کر وہ باتیں کہتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں؟ اے محمدؐ! ان سے کہو، میرے رب نے تو راستی و انصاف کا حکم دیا ہے، اور اس کا حکم تو یہ ہے کہ ہر عبادت میں اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اسی کو پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص رکھ کر۔ جس طرح اس نے تمہیں اب پیدا کیا ہے اسی طرح تم پھر پیدا کیے جاؤ گے۔ ایک گروہ کو تو اس نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے مگر دوسرے گروہ پر گمراہی چسپاں ہو کر رہ گئی ہے کیونکہ انہوں نے خدا کے بجائے شیاطین کو اپنا سرپرست بنا لیا ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سیدھی راہ پر ہیں۔ اے بنی آدم! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے محمدؐ! ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو، یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز تو خالصۃً انہی کے لیے ہوں گی۔"

اس کے بعد راوی محمد بن قیس نے کہا کہ یہ ساری زینتیں اور پاکیزہ چیزیں دُنیا کی زندگی میں اہلِ ایمان کے لیے ہیں اور ان میں ان کے ساتھ کفار بھی شریک ہیں لیکن آخرت میں زندگی کی آرائشیں اور رزق کے طیبات سب کے سب مومنوں کے لیے مخصوص ہوں گے۔

(۹۱) وقوفِ عرفات اور حُمس کا معمول

احمد نے یونس کے حوالہ سے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی کہ قریش اور ان کے طریقوں کے کاربند (یعنی حُمس) عرفہ کی شام کو مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور کہتے تھے: "ہم بیت اللہ کے خادم یعنی گھر والے ہیں" باقی لوگ اور دیگر عرب عرفات میں وقوف کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

ثم افیضوا من حیث افاض الناس۔ پھر جہاں سے اور سب لوگ پلٹتے ہیں وہیں سے تم بھی پلٹو۔
(البقرہ - ۱۹۹)

بعد ازاں اہلِ حرم بھی آگے جاکر دوسرے لوگوں کے ساتھ وقوفِ عرفات کرنے لگے۔

(۹۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، مجھ سے عبد اللہ بن ابی بکر نے اور اس سے عثمان بن ابی سلیمان نے اور اس نے نافع بن جبیر بن مطعم کے حوالہ سے اپنے باپ جبیر بن مطعم کی روایت بیان کی۔ جبیر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے قبل اس حال میں دیکھا کہ آپ عرفات میں اپنی قوم کے ساتھ اپنے اونٹ پر ٹھہرے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے انھیں کے ہمراہ وہاں سے نکلے۔

(۹۳) احمد نے یونس سے اور اس نے زکریا کے حوالہ سے ابن اسحاق سے اور اس نے عمر بن میمون کی وساطت سے عمر کی یہ روایت نقل کی کہ جملہ مشرکین یہ کہا کرتے تھے:

اشرق ثبیرکی ما نغیر۔ اے ثبیر! (مزدلفہ کا ایک پہاڑ) روشن ہو جا تاکہ ہم جلد جاکر قربانیاں کریں۔

راوی کا بیان ہے کہ وہ مزدلفہ سے اس وقت تک نہ پلٹتے تھے جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا۔ زکریا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے طلوعِ آفتاب سے قبل نکل کھڑے ہوئے۔

(۹۴) احمد نے یونس سے اور اس نے یوسف بن میمون کی وساطت سے حسن کی یہ روایت نقل کی کہ جاہلیت کے زمانہ میں جب لوگ عرفات میں وقوف کی جگہ آجاتے تھے تو ایک آدمی ایک پہاڑ پر کھڑا ہو کر کہتا تھا:

"میں فلاں بن فلاں ہوں، میں نے یہ کارنامے سرانجام دئے اور میرے آباؤ اجداد نے یہ کارہائے نمایاں کیے۔"

اس پر اللہ عزوجل نے فرمایا:

فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم او اشد ذکرا۔ پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو تو جس طرح پہلے اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے تھے اس طرح اب اللہ کا ذکر کرو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔
(البقرہ - ۲۰۰)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے نخوت اور آباؤ اجداد کی وجہ سے تفاخر کو ختم کر دیا ہے ہم سب اولادِ آدم ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں

انثیٰ وجعلنکم شعوباً و قبائل لتعارفواؕ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ط ان اللہ علیم خبیر۔ (الحجرات - ۱۳)

اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

(۹۵) صفا اور مروہ کے درمیان سعی

احمد نے یونس سے اور اس نے یوسف بن میمون تمیمی کی وساطت سے عطا بن ابی رباح کی یہ روایت نقل کی کہ ایک آدمی نے اس سے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا: "جب حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؓ اور ان کے بیٹے اسماعیل کو چھوڑ کر چلے آئے تو ہاجرہؓ کو شدید پیاس لگی اور بچہ بھی پیاس سے تڑپنے لگا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ بچہ عنقریب پیاس سے ہلاک ہو جائے گا۔ جب انہیں یہ خطرہ پیدا ہوا تو انہوں نے بچے کو بیت اللہ کی جگہ لٹا دیا اور خود چل کر پانی کی تلاش میں صفا پہاڑی پر آئیں اور اس کے اوپر چڑھ گئیں اور دیکھنے لگیں کہ بچہ زندہ ہے یا نہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتی رہیں۔ پھر صفا پہاڑی سے اتر کر وادی کے بیچ میں آئیں اور دوڑنا شروع کیا۔ پھر آگے چلتی گئیں یہاں تک کہ مروہ پہاڑی تک پہنچ گئیں اور اس کے اوپر چڑھ کر بچے کو دیکھا کہ زندہ ہے یا نہیں۔ اس طرح بیقراری کے عالم میں انہوں نے سات پھیرے لگائے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی یہی بنیاد ہے۔

(۹۶) احمد نے یونس سے اور اس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ سے مندرجہ ذیل آیت کے متعلق یہ روایت نقل کی:

ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ ج فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھماؕ (البقرۃ - ۱۵۸)

یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سعی کرے۔

عروہ نے کہا میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص حج کرے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کرے تو میرے خیال میں اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "آیت کی تلاوت کرو"۔ میں نے تلاوت کی: "فلا جناح علیہ ان یطوف بھما"۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "اگر اس آیت کا وہ مفہوم ہے جو تم نے بیان کیا ہے تو آیت اس طرح ہونی چاہیے تھی: "فلا جناح علیہ ان لا یطوف بھما"۔ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مناۃ کے لیے احرام باندھتے تھے اور ان کے دین میں یہ حلال نہیں تھا کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کریں۔ جب وہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "بیشک ہم مناۃ کے لیے احرام باندھتے تھے اور ہمارے لیے سابقہ دین میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی حلال نہیں تھی"۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا حج مکمل نہیں ہوتا جو صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کرے۔

(۹۷) منیٰ میں رمیِ جمار

احمد نے یونسؒ اور اس نے یوسف بن میمون کی وساطت سے عطاؒ بن ابی رباح کی روایت نقل کی۔ عطاؒ سے رمیِ جمار کے متعلق استفسار کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ابراہیمؑ بیت الحرام تشریف لائے۔ انھوں نے نماز ادا کی۔ پھر وہاں سے چل کر رات کے کسی حصہ میں منیٰ میں پہنچے اور جمرہ کے پاس آئے تو شیطان سامنے آگیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھتے رہے۔ شیطان چلا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ آگے بڑھے اور دوسرے جمرہ تک پہنچے کہ شیطان نے دوبارہ وسوسہ ڈالنے کی کوشش کی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھی۔ شیطان دفع ہوگیا۔ حضرت ابراہیمؑ چل کر تیسرے جمرہ کے موقع پر پہنچے تو شیطان پھر نمودار ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسے سہ بارہ سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھی۔ شیطان غائب ہوگیا۔ جب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تو آنحضرتؐ نے یہ واقعہ بیان فرمایا اور جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے کیا تھا اسی طرح آنحضرتؐ نے خود بھی کیا۔

(۹۸) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابی بکر ہذلی کی روایت نقل کی۔ اس نے کہا: ہم سے حسن نے بیان کیا کہ دورِ جاہلیت میں جب لوگ ذبح کرتے تھے تو کعبہ کی دیواریں خون سے لتھڑ دیتے تھے اور پتھر اکٹھے کر کے ان پر گوشت رکھ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے لیے گوشت کھانا حلال نہیں ہے ہم نے یہ اللہ تعالیٰ کے لیے رکھ دیا ہے چنانچہ درندے اور پرندے آکر کھا جاتے تھے۔ اسلام کا دور آیا تو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ آیا ہم اس طرح نہ کریں جس طرح دورِ جاہلیت میں ہمارا معمول تھا کیونکہ قربانی تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فکلوا منها واطعموا البآئس الفقیر۔ — سو ان جانوروں میں سے تم خود بھی کھاؤ اور تنگدست محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ (الحج - ۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاہلیت کا طریقہ اختیار نہ کرو کیونکہ یہ گوشت اللہ عزوجل کے لیے نہیں ہے۔ حسن کا بیان ہے کہ لوگوں کے لیے گوشت کھانا لازم قرار نہیں دیا گیا اگر وہ چاہیں تو کھالیں ورنہ چھوڑ دیں۔

(۹۹) عرب میں نسی کا قاعدہ اور تقویم

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ میں نے ابن ابی نجیح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے متعلق پوچھا:

ان الزمان قد استدار حتی صار — اس سال حج کا وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک اپنی اس تاریخ پر آگیا ہے

کھیئتہ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض۔ جو قدرتی حساب سے اس کی اصل تاریخ ہے۔

ابن ابی نجیح نے جواب دیا: قریش ہر سال میں ایک مہینہ داخل کر دیتے تھے اور اس طرح ذی الحجہ اپنے اصل وقت پر ہر بارہ سال کے بعد آتا تھا۔ جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ذی الحجہ کو اپنے اصل وقت کے مطابق کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سال حج کا وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک اپنی اسی ہیئت پر آ گیا ہے جو قدرتی حساب سے اس کی اصل تاریخ ہے۔ میں نے ابن ابی نجیح سے پوچھا کہ ابو بکر اور عتاب بن اسید کے حج کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے جواب دیا: "انھوں نے اسی موسم میں حج کیا تھا جس وقت دوسرے لوگوں نے اپنے طریقے سے کیا۔" پھر ابن ابی نجیح نے اس کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ قریش ذی الحجہ میں حج کرتے تھے۔ آئندہ سال محرم میں اور پھر صفر میں حج کرتے تھے علیٰ ہٰذا القیاس ہر سال ایک ایک ماہ آگے کرتے جاتے تھے اور بارھویں دفعہ ذی الحجہ میں پہنچ جاتے تھے اور ٹھیک وقت پر حج کرتے تھے۔

(۱۰۰) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن ابی لیلیٰ اور ابن ابی انیسہ کی اور انھوں نے عبداللہ بن ابی ملیکہ کی وساطت سے عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریلؑ حضرت ابراہیمؑ کے پاس تشریف لائے اور انھیں ساتھ لے کر ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں۔ پھر وہ دونوں ساری رات اکٹھے رہے اور فجر کی نماز ادا کی۔ پھر جبرئیل نے عرفہ کے دن ابراہیمؑ کو ساتھ لے کر وہاں ڈیرہ ڈالا جہاں لوگ ڈیرہ ڈالتے ہیں اور وہاں (ظہر و عصر کی) دو نمازیں (بوقتِ ظہر) اکٹھی ادا کیں۔ پھر وہاں سے چل کر عرفات میں وقوف کیا لیکن وہاں مغرب کی نماز نہ پڑھی بلکہ جلدی سے واپسی کا سفر اختیار کیا اور مزدلفہ میں آ کر مغرب اور عشاء کی دو نمازیں اکٹھی ادا کیں۔ رات وہاں گزاری اور فجر کی نماز اول وقت میں پڑھی اور پھر واپسی سفر میں جمرہ پر آ کر اسے کنکر مارے۔ پھر ذبح اور حلق کیا۔ پھر انھیں لے کر بیت اللہ آئے اور طواف کیا۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا: پھر وہ منیٰ میں واپس چلے گئے اور وہاں قیام کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ وحی بھیجی:

أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ط (النحل ۱۲۳) کہ یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے پر چلو۔

(۱۰۱) مناسکِ حج کی اصلاح

احمد نے یونس سے اور اس نے زکریا بن ابی زائدہ کے حوالہ سے ابن اسحاق سے اور اس سے زید بن یثیع کی وساطت سے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب سورۂ توبہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مکہ مکرمہ بھیجا کہ میں وہاں جا کر اعلان کر دوں کہ کوئی شخص بیت اللہ کے گرد برہنہ طواف نہ کرے۔

(۱۰۲) حمس اور ان کے معمولات

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی، ابن اسحاق نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ کعبہ کی

تعمیرِ نو سے قبل یا اس کے بعد قریش نے حمس کی بدعت ایجاد کر لی۔ یہ رسم انھوں نے اختیار کی اور اپنے ہاں اس کو رواج دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ ہم اولادِ ابراہیمؑ، اہلِ حرم، بیت اللہ کے متولی اور مکہ کے متوطن اور سکنا ہیں۔ دیگر عربوں میں سے کسی کے حقوق و مراتب ہم جیسے نہیں ہیں اور اہلِ عرب بھی ہماری جس قدر عزت و تکریم کرتے ہیں اور کسی کی نہیں کرتے۔ پس اے اہلِ حرم! تم حرم کے باہر کی کسی چیز کی ایسی تعظیم نہ کرو جیسی تعظیم تم حرم کی کرتے ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو دیگر اہلِ عرب تمھاری حرمتوں کا استخفاف کریں گے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ لوگوں نے حرم سے باہر کی چیزوں کی ایسی تعظیم شروع کر دی ہے جیسی کہ حرم کی تعظیم کرنی چاہیے۔ چنانچہ اہلِ حرم نے وقوفِ عرفات اور وہاں جا کر واپس آنا ترک کر دیا تھا حالانکہ وہ جانتے تھے اور اقرار کرتے تھے کہ ایسا کرنا ارکانِ عبادت اور دینِ ابراہیمی کے واجبات میں سے ہے۔ وہ دُوسرے تمام عربوں کے لیے وقوفِ عرفات اور وہاں سے واپسی کو واجب قرار دیتے تھے لیکن اپنے متعلق وہ کہتے تھے کہ ہم اہلِ حرم ہیں ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ ہم حرم سے باہر نکلیں اور حرم سے باہر کی چیزوں کی ایسی تعظیم کریں جیسی حرم کی کی جاتی ہے۔ حمس اہلِ حرم ہیں۔ پھر انھوں نے یہی حقوق ان تمام عربوں کو تفویض کیے جو حدودِ حرم کے اندر یا باہر قریش کے درمیان پیدا ہوتے۔ ان کے لیے بھی وہی چیز حلال یا حرام ہوتی جو ان کے لیے حلال یا حرام ہوتی۔ بنی کنانہ اور بنی خزاعہ بھی اس لحاظ سے ان میں شامل ہو گئے تھے۔ اس حمس کے رواج میں انھوں نے اور بدعات بھی ایجاد کر لیں۔ انھوں نے کہا، اہلِ حرم کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ حالتِ احرام میں پنیر کھائیں یا مکھن گرم کر کے صاف گھی استعمال کریں اور بالوں سے بنے ہوئے خیموں میں داخل ہوں ان کو چاہیے کہ وہ محرم ہوں تو چمڑے کے سائبانوں میں رہیں۔ پھر وہ اس سے بھی آگے بڑھے اور انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ جب حرم سے باہر والے حج یا عمرہ کے لیے آئیں تو انھیں چاہیے کہ جو کھانا وُہ اپنے ساتھ باہر سے حدودِ حرم میں لاتے ہیں وہ نہ کھائیں اور جب وہ آ کر بیت اللہ کا پہلا طواف کریں تو اہلِ حرم کے کپڑوں میں کریں۔ اگر وہ اہلِ حرم سے کپڑے حاصل نہ کر سکیں تو برہنہ طواف کریں۔ اگر کوئی معزز مرد یا عورت طواف کے لیے آئے اور اہلِ حرم سے طواف کے کپڑے حاصل نہ کر سکے اور اپنے ان ہی کپڑوں میں طواف کرنا چاہے جو وہ باہر سے لایا ہے تو اسے چاہیے کہ طواف سے فارغ ہونے کے بعد وہ کپڑے پھینک دے اور اس کے بعد کوئی شخص بھی نہ وہ خود اور نہ کوئی دُوسرا ان کپڑوں سے استفادہ کرے اور نہ انھیں چھوئے۔ عرب ان کپڑوں کو "لقی" کہتے تھے۔ انہوں نے یہ رسمیں عربوں کے لیے لازمی قرار دیں اور عربوں نے انھیں تسلیم کر لیا۔ وہ وقوفِ عرفات کرتے تھے اور وہاں سے واپس آتے تھے اور بیت اللہ کا طواف برہنگی کی حالت میں کرتے تھے اور ان قواعد و ضوابط کی پابندی کرتے تھے جو ان کے لیے اہلِ حرم نے مرتب کیے۔ باہر سے آنے والے جب حج یا عمرہ کے لیے آتے تو جونہی حدودِ حرم میں داخل ہوتے اپنا زادِ سفر ڈال دیتے اور اس کے عوض حرم کی خوراک خرید لیتے اور اپنے کپڑے حرم کے کپڑوں سے بدل لیتے۔ حرم کے کپڑے وہ مستعار حاصل کرتے یا کرایہ پر اور ان ہی کپڑوں میں وہ طواف کرتے۔ اگر وہ حرم کے کپڑے حاصل نہ کر سکتے تو پھر برہنہ طواف کرتے۔ جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے ایک عورت اپنے کُرتے کے علاوہ اپنے سب کپڑے اتار دیتی اور کُرتے کو اپنے اوپر ڈال کر طواف کرتی تھی۔ ایک عرب عورت نے

اسی حالت میں طواف کرتے ہوئے یہ شعر کہا:

الیوم یبدو بعضہ او کلہ	آج میرا سارا جسم یا اس کا کچھ حصہ ظاہر ہو جائے گا اور ظاہر ہونے والے
وما بدا منہ فلا احلہ	حصے کو میں حلال قرار نہیں دیتی۔

جو شخص اپنے ہمراہ لائے ہوئے کپڑوں میں طواف کرتا تو وہ بعد ازاں ان کپڑوں کو پھینک دیتا اور پھر ان کپڑوں سے نہ تو وہ خود اور نہ کوئی دوسرا شخص منتفع ہوتا۔ ایک عرب شاعر اپنی ایک متروک چیز کا ذکر کرتا ہے جس کے قریب اب وہ نہیں جاتا حالانکہ وہ چیز اسے بہت محبوب ہے:

کفی حزنا کری علیہ کانہ	میرے لیے اس کی طرف پلٹنے کا غم کافی ہے گویا کہ وہ طواف کے
لقا بین ایدی الطائفین حریم	پھینکا ہوا لباس ہے جو طواف کرنے والوں کے سامنے پڑا ہے اسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا۔

باب ۱۴

تعمیرِ کعبہ

(۱۰۴) کعبہ کی تعمیرِ نو

احمد بن عبدالجبار نے یونس بن بُکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی: قریش مستعد ہوگئے۔ ان کے ہر قبیلہ میں سے اشراف جمع ہُوتے۔ ان کے درمیان کعبہ کی تعمیرِ جدید کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ چنانچہ انھوں نے تعمیرِ نو کا فیصلہ بالاتفاق کیا۔ وہ اس کے لیے تیاری کرنے لگے لیکن وہ کعبہ کو منہدم کرنے سے خوفزدہ بھی تھے۔ یہ عمارت بڑے بڑے پتھروں سے بنی ہُوئی تھی اور قدِ آدم سے کچھ بلند تھی۔ قریش کا ارادہ تھا کہ اس کو اونچا کر کے اس پر چھت ڈال دیں۔ یہ خیال اس لیے پیدا ہُوا کہ قریش کے کچھ آدمیوں نے کعبہ کا وہ خزانہ چُرا لیا جو کعبہ کے اندر ایک گودام میں تھا۔ چوری کا مال جس شخص کے پاس سے برآمد ہوا اس کا نام دویل یا دویک تھا جو بنی ملیح بن عمرو بن خزاعہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ قریش نے اسے قطعِ ید کی سزا دی۔ اس جرم میں حارث بن عامر بن نوفل اور اس کا ماں شریک بھائی ابو لہب بن عبدالمطلب بھی ملوث تھے۔ قریش کا گمان تھا کہ اُنھوں نے ہی کعبہ کا خزانہ چوری کر کے دویل یا دویک کے پاس رکھا تھا۔ جب قریش نے ان کا تعاقب کیا تو انھوں نے دویل یا دویک کی نشان دہی کی اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

کہا گیا ہے کہ اُنھوں نے ہی یہ خزانہ چوری کر کے اس کے سپرد کیا تھا۔ چنانچہ مذکور ہے کہ جب قریش کو حارث بن عامر بن نوفل بن عبدمناف کے ارتکابِ جرم کا یقین ہوگیا تو وہ اسے لے کر عرب کے کاہنوں میں سے ایک کاہنہ کے پاس لے گئے۔ اس نے اپنے مسجع کلام میں اس کے خلاف یہ فتویٰ دیا کہ وہ دس سال تک مکہ میں داخل نہ ہو کیونکہ اس نے کعبۃ اللہ کی حرمت کو پامال کیا ہے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ قریش نے اسے مکہ بدر کر دیا، وہ دس سال تک مکہ کے ارد گرد گھومتا رہا۔

سمندر نے ایک رومی تاجر کی کشتی کو جدہ کی بندرگاہ پر لاکر پٹخ دیا اور وہ ٹوٹ گئی۔ اہلِ جدہ نے اس کی لکڑیوں پر قبضہ کر لیا۔ قریش نے ان لکڑیوں کو کعبہ کی چھت بنانے کے لیے مناسب سمجھتے ہوئے خرید لیا۔ مکہ میں اس وقت ایک قبطی نجار بھی رہتا تھا اس طرح قریش کے خیال کے مطابق کعبہ کی تعمیر کے لیے جملہ ضروری اشیاء مہیا ہوگئیں۔ وہاں ایک اژدہا بھی تھا جو کعبہ کے اس گودام سے نکلا کرتا تھا جس میں وہ تمام اشیاء رکھی جاتی تھیں جو ہر روز کعبہ کے لیے بطور نذرانہ

آتی تھیں۔ یہ اژدہا کعبہ کی دیوار پر چڑھ کر دھوپ میں بیٹھ جاتا تھا اور لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ جب کوئی شخص کعبہ کے گرد اس کے قریب جاتا تو وہ سر اٹھاتا، پھنکاریں مارتا اور منہ کھولتا تھا۔ اور اس لیے لوگ اس سے خوفزدہ تھے ایک دن حسبِ معمول جب وہ کعبہ کی دیوار پر چڑھا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے ایک نامعلوم پرندہ بھیجا جس نے اسے اچک لیا اور اُڑ گیا۔ قریش نے کہا: ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کام سے راضی ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے، ہمارے پاس ایک مخلص کاریگر ہے اور لکڑی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سانپ کو بھی دفع کر دیا ہے۔ یہ واقعہ حربِ فجار سے پندرہ سال بعد کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت ۳۵ سال کی تھی۔

جب خانہ کعبہ کو منہدم کر کے نئی تعمیر کے لیے سب کے سب تیار ہو گئے۔ اس وقت ابو وہب عامر بن عائذ بن عبد بن عمران بن مخزوم اُٹھا۔ لوگوں کا گمان ہے کہ اس نے کعبہ کا ایک پتھر پکڑا لیکن وہ اس کے ہاتھ سے اچھل کر واپس اپنی جگہ پہنچ گیا اس نے کہا: "اے گروہِ قریش! اس کی تعمیر میں اپنی حلال کمائی صرف کرو۔ اس میں زناکاری کی آمدنی، سود کی رقوم اور کسی پر ظلم کر کے حاصل کیا ہوا مال شامل نہ کرو۔" بعض نے اس کلام کو ولید بن مغیرہ کا قول لکھا ہے۔

(۱۰۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے ابن ابی نجیح نے عبداللہ بن صفوان بن امیہ کی روایت بیان کی کہ اس نے جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عبد بن عمران بن مخزوم کے ایک لڑکے کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا تو عبداللہ بن صفوان نے کہا کہ جب قریش نے کعبہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو اس لڑکے کے دادا ابو وہب نے کعبہ کا ایک پتھر نکالا اور وہ اس کے ہاتھ سے اچھل کر اپنی جگہ پر واپس چلا گیا اس وقت ابو وہب نے کہا "اے گروہِ قریش! اس تعمیر میں اپنی پاک کمائی صرف کرو۔ اس میں فرجی کا پیسہ، سود کی رقم اور کسی پر ظلم کر کے حاصل کیا ہوا مال نہ لگاؤ۔" ابو وہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے ماموں تھے اور شرفا میں سے تھے۔ ان کے متعلق ایک عرب شاعر کہتا ہے:

لو بابی وهب انخت مطیتی
لرحت وراحت رحلها غیر خائب

اگر میں اپنی سواری کو ابو وہب کے پاس بٹھاؤں تو میں خوشی محسوس کروں اور اس کا کجاوہ بھرپور اور بامراد ہو جائے۔

وابیض من فرعی لوی بن غالب
اذا حصلت انسابه للذوائب

جب شرفا میں اس کے نسب کو تلاش کیا جائے تو وہ لوی بن غالب کی دونوں شاخوں میں روشن ترین شاخ کا فرد ہے۔

ابی لاخذ الضیم یرتاح للندی
توسط جداه فروع الاطائب

وہ کسی پر ظلم کرنے سے پرہیز کرنے والا اور سخاوت سے خوش ہونے والا ہے اس کے ددھیال اور ننھیال پاکیزہ اخلاق کے تمام شعبوں میں اعلیٰ مقام کے حامل ہیں۔

عظیم رماد القدر تملا جفانه
من الخبز یعلوهن مثل السبائب

اس کے ہاں دیگوں کی راکھ بکثرت ہوتی ہے وہ بڑے بڑے کاسے روٹیوں اور گوشت سے لبالب بھر دیتا ہے۔

(۱۰۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی: پھر قریش نے کعبہ کی عمارت کو منہدم کرنے کا کام مختلف سمتوں سے مختلف قبیلوں کے ذمہ حصہ رسدی لگا دیا۔ دروازے کا حصہ بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے سپرد ہوا۔ رکن اسود اور رکن یمانی کے درمیان کا حصہ بنی مخزوم، بنی تیم اور ان سے ملحقہ قریشی قبیلوں کے ذمہ لگایا گیا۔ پچھلا حصہ بنی سہم اور بنی جمح کو دیا گیا۔ حجر یعنی حطیم بنی عبد الدار بن قصی اور بنی اسد بن عبد العزی بن قصی اور بنی عدی بن کعب کے حصے میں آیا۔ لوگ خانہ کعبہ کو شہید کرنے سے ڈر رہے تھے اور منتشر ہونے لگے۔ بالآخر ولید بن مغیرہ نے کہا کہ اچھا میں ابتدا کرتا ہوں کہہ کر اس نے کدال لی اور کھڑے ہو کر کہا: "اے اللہ! ہم تیرے دین سے منحرف نہیں ہوئے ہیں ہم بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے۔" پھر اس نے رکنِ اسود اور رکنِ یمانی کے حصے میں سے کچھ گرایا، لوگوں نے اس رات انتظار کیا اور کہا: ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اس پر کوئی آفت تو نازل نہیں ہوتی۔ اگر کوئی آفت آجائے تو ہم یہ کام روک دیں گے اور گرائے ہوئے حصہ کو اسی طرح مکمل کر دیں گے۔ اور اگر کوئی آفت نہ آئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ عز و جل ہمارے اس کام سے راضی ہیں۔ صبح کو ولید نے منہدم کرنے کا کام پھر شروع کر دیا اور اس کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی اپنے اپنے حصہ کی دیواریں توڑ دیں اور اساس کعبہ تک پہنچ گئے جہاں سبز رنگ کے سان جیسے پتھر چُنے ہوئے تھے جو ایک دوسرے کو جکڑے ہوئے تھے۔

(۱۰۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی، ابن اسحاق نے کہا: مجھے بتایا کہ قریش کے وہ لوگ جو خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کا کام کر رہے تھے انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے دو پتھروں کے درمیان کدال داخل کیا تاکہ ان میں سے ایک کو اکھاڑے۔ جب پتھر نے حرکت کی تو سارے مکہ میں ایک کڑاکا سنائی دیا اور لوگ خوفزدہ ہو گئے، اور اساسِ ابراہیمی کو اکھاڑنے سے رُک گئے۔

(۱۰۷) پرانے کتبوں کی دریافت

احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق سے اور اس نے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر کی وساطت سے اپنے باپ عباد کی روایت نقل کی۔ عباد نے کہا: مجھے بتایا گیا کہ کعبہ کی بنیاد میں یا اس کے کسی دیگر حصہ میں پتیل کی کوئی چیز شتر مرغ کے انڈے جیسی دستیاب ہوئی، جس کے ایک طرف یہ لکھا ہوا تھا: "یہ اللہ کا محترم گھر ہے، یہاں کے رہنے والوں کا رزق باہر سے آتا رہے گا۔ اس کے باشندوں کے لیے زیبا نہیں کہ وہ پہلے خود ہی اس گھر کی حرمت کو پامال کریں۔ اور اس کی دوسری جانب عرب کے ایک قبیلہ کی ہرنی کی شبیہ تھی جنہوں نے اللہ کے لیے کعبہ کا حج کیا۔

(۱۰۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ اس نے کہا، مجھ سے بیان کیا گیا کہ حجرِ اسود یا کسی دوسری جگہ سریانی زبان میں لکھا ہوا ایک کتبہ برآمد ہوا جسے قریش سمجھ نہیں سکتے تھے۔ ایک یہودی نے یہ تحریر انھیں پڑھ کر سنائی، اس میں مرقوم تھا: "میں مکہ کا مالک اللہ ہوں، میں نے اسے اس وقت پیدا کیا جب آسمانوں

اور زمین اور شمس و قمر کو پیدا کیا گیا۔ میں نے مکہ کے اردگرد سات یکسو فرشتے مقرر کیے ہیں جو اس وقت تک مکہ کی حفاظت کرتے رہیں گے جب تک مکہ کے پہاڑ قایم ہیں، اہلِ مکہ کے لیے پانی اور دودھ میں برکت ہے۔"

(۱۰۹) اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قریش کو مقامِ ابراہیمؑ سے ایک کتبہ دستیاب ہوا جس پر یہ لکھا تھا: "یہ مکۃ الحرام ہے، اس کا رزق تین راستوں سے آئے گا اس کے باشندوں کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ پہلے خود ہی اس گھر کی حرمت کو پامال کریں۔"

(۱۱۰) احمد نے یونس سے اور اس نے زکریا بن ابی زائدہ کے حوالہ سے عامر شعبی کی روایت نقل کی، اس نے کہا: مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے مقامِ ابراہیمؑ کے نیچے یا بیت اللہ کی چھت پر ایک تختی پڑھی جس میں لکھا تھا: "میں مکہ کا مالک اللہ ہوں میں نے اسے پیدا کر کے سات یکسو فرشتے اس کے سامنے متعین کیے ہیں، میں نے یہاں کے باشندوں کے لیے گوشت اور پانی میں برکت رکھی ہے، میں نے اس کا انتظام کر دیا ہے کہ اس کا رزق تین راستوں سے آئے گا اس کے باشندوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ خود ہی پہلے اس کی حرمت کو پامال کریں۔"

(۱۱۱) احمد نے یونس سے اور اس نے منذر بن ثعلبہ کے حوالہ سے سعید بن حرب کی روایت نقل کی۔ سعید بن حرب نے کہا، میں عبداللہ بن زبیر کے پاس موجود تھا وہ بیت اللہ کی ان دیواروں کو گرا رہے تھے جنہیں حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا، یہاں تک کہ وہ حطیم میں ایک زرد مٹی والی قبر پر پہنچے۔ ابن زبیر نے کہا: یہ حضرت اسماعیلؑ کی قبر ہے پھر انھوں نے اسے ڈھانپ دیا۔

(۱۱۲) حجرِ اسود پر جھگڑا

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر قریش کے سارے قبیلوں نے تعمیرِ کعبہ کے لیے پتھر اکٹھے کیے۔ ہر قبیلہ نے علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کیے اور تعمیر کا کام شروع کر دیا یہاں تک کہ اس مقام تک پہنچ گئے جہاں حجرِ اسود نصب کیا جانا تھا۔ چنانچہ حجرِ اسود اٹھانے کے متعلق ان میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے حاصل ہو اور ہر قبیلہ نے یہ آواز بلند کر دی کہ "ہم اٹھائیں گے"۔ اس طرح قریش گروہوں میں بٹ گئے۔ انھوں نے آپس میں قسمیں کھائیں اور لڑائی کی تیاری کر لی۔ بنی عبدالدار ایک بڑا کاسہ لے آئے اسے خون سے لبالب بھر دیا۔ انھوں نے اور بنی عدی بن کعب نے اس پیالے میں ہاتھ ڈالے اور خون آلود ہاتھوں کے ساتھ لڑنے مرنے کا معاہدہ کیا۔ اس بارے میں عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار نے یہ اشعار کہے:

واللہ لا ناتی الذی قد اردتم	خدا کی قسم ہم اس کے پاس نہیں جائیں گے جس کے پاس تم جانا
ونحن جمیع او نخضب بالدم	چاہتے ہو۔ ہم سب اکٹھے ہیں اور ہم اپنے ہاتھ خون سے رنگین کریں گے۔

ونحن ولاۃ البیت لا تنکرونہ
وکیف علی علم البریۃ نظلم

ہم بیت اللہ کے متولی ہیں تم اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ ہم اپنی تولیت کعبہ کے بارے میں لوگوں کے علم کو نہیں جھٹلائیں گے۔

لنبغی بہ الحمد الذی ھو نافع
و نخشی عقاب اللہ فی کل محرم

ایسا کرنے سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ ہم نفع دینے والی تعریف حاصل کریں اور ہم اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں جو نامناسب کاموں کے وبال کے طور پر آتا ہے۔

فکیف ترومونا و عزتنا تنا
لہ مکسر صلب علی کل معلم

تم ہمارے مقابلے کا قصد کس طرح کر سکو گے جب کہ ہمارے نیزوں کی قوت ہر جادہ منزل میں ریڑھ کی ہڈیوں کو توڑنے والی ہے۔

فھیھات انی یقرب الرکن شاؤہ
ونحن جمیع عند حین یقسم

حجر اسود دور ہو چکا ہے میں یقیناً اس کو اس کے مقام پر نصب کروں گا۔ ہم قسم کھانے کے وقت سب کے سب اس کے پاس ہیں۔

فاما تخلونا و بیت حجابنا
و اما تنوؤوا ذالک الرکن بالحرم

تم خواہ ہم سے علیحدگی اختیار کر لو اور بیت اللہ ہمارے درمیان حائل ہو جائے یا تم رکن اسود کو حرم میں اٹھانے کی قدرت نہ رکھو (لیکن میں تو اسے اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھوں گا)

وہب بن عبد مناف نے جواباً یہ اشعار کہے:

ابلغ قریشاً اذا ما جئت اکرمھا
انا ابینا فلا نؤتیکم غلبا

قریش کو یہ بات پہنچا دو کہ میں ان سب سے زیادہ بزرگی و شرافت کا حامل ہوں۔ ہم دوسروں کے غلبہ کے منکر ہیں، ہم کسی کو غالب نہیں ہونے دیں گے۔

انا ابینا الی الغصب ظاھرۃ
انا وحدک لا نؤتیکم سلبا

ہم اپنا یہ حق کھلے بندوں کسی کو غصب نہیں کرنے دیں گے، ہم تو لاثانی ہیں ہمارا یہ مقام ہم سے کوئی سلب نہیں کر سکے گا۔

نحن الکرام فلا حی یقاربنا
نحن الملوک و نحن الاکرمون ابا

ہم شرافت و کرامت والے ہیں کوئی قبیلہ ہمارا ہم پلہ نہیں ہے۔ ہم بادشاہ ہیں اور آباؤ اجداد سے لے کر ہم بزرگی کے حامل چلے آئے ہیں۔

وقد اری محدثا فی حلفنا طھرا
کما تری فی حجاب الملک محتجبا

میں نے دیکھا ہے کہ ہمارا حلف پاکیزگی پر مبنی ہے جس طرح تو دیکھتا تھا کہ بادشاہ کی پردہ داری میں بھی ایک راز پوشیدہ ہے۔

انا لنا عزنا ما ذا اراد بنا
قوم ارادوا بنا فی حلفھم عجبا

بیشک ہمارے ساتھ ہماری قوت ہے۔ اس قوم کا کیا ارادہ ہے جس نے ہمارے ساتھ نیکی پر مبنی معاہدہ کیا ہے۔

قوم ارادوا بنا خسفا لنقبلہ
کلا و ربک لا نؤتیھم غضبا

وہ ایسی قوم ہے جو ہمارے ساتھ لڑائی میں رفاقت اختیار کیے ہوئے ہے تیرے رب کی قسم! ہم ہرگز اس سے ناراض نہیں ہوں گے۔

(۱۱۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: قریش کے درمیان چار پانچ رات تک یہی جھگڑا چلتا رہا۔ بالآخر وہ سب مسجد میں مشورہ اور فیصلہ کے لیے جمع ہوئے۔ بعض اہلِ علم و روایت کا گمان ہے کہ ابو امیہ جو اس وقت سب سے زیادہ سن رسیدہ اور قریش کا بزرگ تھا اس نے کہا: "اے گروہِ قریش! اپنے اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے اس بات پر متفق ہو جاؤ کہ سب سے پہلے جو شخص مسجد کے دروازے سے داخل ہو وہ اس نزاع کا فیصلہ کر دے۔" اس تجویز کو سب نے تسلیم کر لیا اور وہ سب کے سب اس پر راضی ہو گئے۔ کرشمۂ خداوندی ملاحظہ ہو کہ سب سے پہلے داخل ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو کہا: "یہ امین ہیں جو فیصلہ بھی یہ کریں گے ہم اس پر راضی ہیں۔" جب آپؐ ان کے پاس پہنچے تو لوگوں نے آپؐ کو یہ متفق علیہ بات بتائی۔ آپؐ نے فرمایا: "ایک کپڑا لاؤ۔" لوگ کپڑا لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے حجرِ اسود اٹھا کر اس کپڑے پر رکھ دیا اور فرمایا: "ہر قبیلہ ایک ایک طرف سے اس کپڑے کو پکڑ لے اور سب مل کر حجرِ اسود اٹھائیں۔" سب نے اٹھایا۔ جب پتھر اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اسے نصب کرنا مقصود تھا تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اسے وہاں رکھ دیا۔ پھر اس پر آگے تعمیر ہوئی۔ دورِ جاہلیت میں وحیِ نبوت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ "الامین" کے لقب سے پکارتے تھے۔

(۱۱۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: "میں ابو جعفر محمد بن علی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارے پاس سے عبدالرحمان اعرج جو ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا آزاد کردہ غلام تھا، گزرا۔ ابو جعفر نے اسے بلایا۔ وہ آ گیا۔ ابو جعفر نے اس سے پوچھا: "اے اعرج! وہ کون ہے جو یہ کہتا ہے کہ عبدالمطلب نے حجرِ اسود کو اس کے مقام پر نصب کیا تھا؟" اس نے کہا: "اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ مجھے اس شخص نے بتایا جس نے عمر بن عبدالعزیز سے سنا تھا کہ انہوں نے حسان بن ثابتؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں کعبہ کی تعمیر کے وقت موجود تھا، میں دیکھ رہا تھا عبدالمطلب ایک بوڑھے بزرگ دیوار پر بیٹھے تھے۔ دو دربانوں نے حجرِ اسود چادر میں رکھ کر اوپر اٹھا کر انہیں دیا اور انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اسے اس کی جگہ پر رکھ دیا۔" ابو جعفر نے اسے کہا: "جاؤ، سیدھے چلے جاؤ۔" پھر ابو جعفر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: "ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی۔ حجرِ اسود کو تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے رکھا تھا۔ قریش کے درمیان اس بارے میں اختلاف رونما تھا اور انھوں نے کہا کہ سب سے پہلے جو شخص مسجد کے دروازے سے داخل ہو کر ہمارے پاس آ جائے وہی ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ چنانچہ قدرتِ خداوندی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ قریش نے کہا: یہ تو امین ہیں اور انھوں نے آپ کو حکم مقرر کر دیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ایک کپڑا لاؤ۔ آپؐ نے اسے بچھا دیا، حجرِ اسود اپنے ہاتھ سے پکڑ کر کپڑے پر رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ ایک ایک طرف سے اسے پکڑ لے اور سب مل کر حجرِ اسود کو اوپر اٹھائیں۔ ان سب نے اٹھایا، یہاں تک کہ جب پتھر اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اسے نصب کرنا مقصود تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اسے وہاں رکھ دیا۔ پھر اس پر آگے

تعمیر ہوئی۔

(۱۱۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت ۳۵ سال کی تھی۔ اس واقعہ کے پانچ سال بعد آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی اس وقت آپؐ کی عمر مبارک چالیسؐ سال کی تھی۔ آنحضرتؐ مکہ میں ۱۳ سال مقیم رہے۔ اس کے بعد آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

(۱۱۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: پھر کعبہ کی چھت بنائی گئی۔ یہ پہلا واقعہ ہے کہ کعبہ کو مسقف کیا گیا۔ جب لوگ تعمیر سے فارغ ہوئے اور انہوں نے منصوبہ کے مطابق خانہ کعبہ تعمیر کر دیا۔ تو زبیر بن عبدالمطلب نے اس سانپ کے متعلق جس کی وجہ سے قریش کعبہ کی تعمیرِ نو سے ہیبت زدہ تھے، مندرجہ ذیل اشعار کہے:

عجبت لما تصوبت العقاب الی الثعبان وھی لها اضطراب	مجھے اس بات نے تعجب میں ڈال دیا کہ عقاب اس اژدہے پر کیوں جھپٹا حالانکہ اژدہا تو عقاب کے لیے گھبراہٹ اور اضطراب کا باعث ہوتا ہے۔
وقد كانت يكون لها كشيش واحيانا يكون لها وثاب	اژدہا کی کینچلی کبھی تو ایک خاص قسم کی آواز دیتی تھی اور کبھی وہ حملہ آور بھی ہوتا تھا۔
اذا قمنا الی البنیان شدت یهیبنا البناء وقد یهاب	جب ہم کعبہ کی تعمیرِ نو پر کمربستہ ہو گئے تو وہ اژدہا عمارت پر سے حملہ آور ہوتا تھا جس سے ہم ڈر جاتے تھے اور وہ خود بھی ہیبت زدہ تھا۔
فلما ان خشينا الرجز جاءت عقاب قد يطل لها انصباب	جب ہم اس نقصان سے ڈر گئے تو دفعتاً ایک عقاب نمودار ہوا جو صرف اسی اژدہا کو اچک لے جانے کے لیے آیا۔
فضمتها اليها ثم خلت لنا البنيان ليس له حجاب	اس نے اس اژدہا کو اپنی طرف کھینچ لیا اور ہمارے لیے کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔
فقمنا حاشدين على بناء لنا منه القواعد والتراب	ہم سب بالاتفاق کعبہ کی جلد تعمیر کے لیے مستعد ہو گئے اس کی دیواروں کی تعمیر اور مٹی کا کام ہمارے ذمہ تھا۔
غداة نرفع التاسيس منه وليس على مساوينا ثياب	جس روز ہم اس کی بنیادیں اٹھانے کا کام کر رہے تھے ہمارے کارکن کپڑوں میں ملبوس نہ تھے (بلکہ ہم برہنہ جسم مستعدی کے کام کر رہے تھے)
اعز به المليك بنی لؤی فليس لاصله منهم ذهاب	اللہ تعالیٰ جو بادشاہِ حقیقی ہے اس نے بنی لوی کو یہ اعزاز بخشا ہے اور اس اعزاز کی اصل ان سے دور نہیں ہو سکتی۔
وقد حشدت هناك بنو عدی ومرة قد تقدمها كلاب	اس کارِ خیر کے لیے بنی عدی اور بنی مرہ بھی جمع تھے اور بنی کلاب تو ان سے پیش پیش تھے۔

فبوأنا المليك بذاك عزا	اس کام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت کا مستحق ٹھہرایا ہے اور ثواب
وعند اللہ یلتمس الثواب	تو اللہ ہی سے طلب کیا جاتا ہے۔

اس موقع پر زبیر بن عبد المطلب نے یہ اشعار بھی کہے:

لقد کان فی امر العقاب عجیبة	جب اژدہا دیواروں پر اوپر نیچے جا رہا تھا تو اس وقت عقاب کا اس کو
ومخطفها الثعبان حین تدلت	اچک کر لے جانا ایک عجیب واقعہ ہے۔
فکان مدی الابصار اخر عهدنا	وہ اژدہا خانہ کعبہ کی تعمیر نو کے منصوبہ کی تیاری کے آخری مرحلہ تک ہماری
بها بعد ما باتت هناك وظلت	نظروں کے سامنے وہاں رات دن آزادی کے ساتھ اچھلتا کودتا رہا۔
اذا جاء قوم یرفعون عماده	جب لوگ خانہ کعبہ کی دیواروں کی تعمیر کے لیے آئے تو وہ سر اٹھا کر
من البیت شدت نحوهم واحزالت	ان پر حملہ آور ہوا۔
فما برحت حتی ظننا جماعة	وہ اسی طرح رہا یہاں تک کہ ہم نے من حیث المجموع یہ گمان کیا کہ ہم پر
بان علینا لعنة اللہ حلت	اللہ کی لعنت مسلط ہو چکی ہے۔
فقلنا جمیعا قد عملنا خطیئة	ہم سب نے کہا کہ ہم خطاکار ہیں، ہمارے لیے ذلت و خواری ہے
فتعسا لنا والحلم منا اضلت	اور ہم مغفرت و بخشش سے دور ہو چکے ہیں۔

ولید بن مغیرہ نے تعمیر کعبہ اور سانپ کے واقعہ کے بارے میں مندرجہ ذیل اشعار کہے:

لقد کان فی الثعبان یا قوم عبرة	اے میری قوم! سانپ کے واقعہ میں ہمارے لیے عبرت ہے اور یہ
ورأی لمن رام الامور علی ذعر	واقعہ ہر اس شخص کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے جو کسی کام کو ڈرتا ہوا کرے۔
غداة هوی النسر المحلق یرتمی	اے بنی فہر! تمہاری دعا کے بغیر ہی صبح کے وقت گنجے عقاب کو یہ
به غیر حمد منکر یا بنی فهر	خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اژدہا کو جھپٹ کر لے جائے۔
علی حین ماضلت حلوم سراتکم	یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جبکہ تمہاری عقل کی پرواز گم ہو کر رہ گئی تھی اور تم
وخفتم بان لا ترفعوا آخر الدهر	ڈر رہے تھے کہ تم کبھی اس کو یہاں سے ہٹا نہ سکو گے۔

(۱۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ابن اسحاق نے کہا کہ جب اللہ عز وجل نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مضبوط کر دیا اور آپ کے لیے مناسکِ حج کو معتبر کر دیا تو یہ آیت نازل فرمائی:

ثم افیضوا من حیث افاض	پھر جہاں سے اور سب لوگ پلٹتے ہیں تم بھی وہیں سے پلٹو اور اللہ سے
الناس واستغفروا اللہ۔	معافی چاہو۔

(البقرة - ۱۹۹)

یعنی قریش اور عام اہلِ عرب کے لیے حج کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب عرفات تک جائیں، وہاں وقوف کریں اور وہاں سے واپس آئیں۔ اس طرح قریش کی شانِ امتیاز اور ان کے فخر و غرور کے بت کو اس آیت میں توڑا گیا ہے۔

قریش نے لوگوں کو خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرنے پر مجبور کیا اور ان کے لیے ان کی خوراک و پوشاک کے استعمال کو حرام قرار دیا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف ۳۱ - ۳۲)	اے بنی آدم ! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو ، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے محمدؐ! ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں ۔ کہو یہ ساری چیزیں دُنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں، اور قیامت کے روز تو خالصۃً انہی کے لیے ہوں گی۔ اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھنے والے ہیں۔

جب اللہ عزوجل نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو حمس کے رسم و رواج اور ان بدعات کو جنہیں قریش نے لوگوں کے لیے لازم قرار دے رکھا تھا دینِ اسلام کی تعلیمات کے ذریعہ ساقط کر دیا۔

(۱۱۸) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق سے اور اس نے عبداللہ بن ابی بکر سے اور اس نے عثمان بن ابی سلیمان سے اور اس نے نافع بن جبیر بن مطعم کی وساطت سے اپنے باپ جبیر بن مطعم کی روایت نقل کی۔ جبیر بن مطعم نے کہا ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپؐ اپنے اونٹ پر عرفات میں اپنے اعزّہ و اقربا کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے اور آپؐ اللہ عزوجل کی توفیق سے ان ہی کی معیت میں وہاں سے واپس تشریف لائے۔

(۱۱۹) تورات و انجیل میں اور عرب کاہنوں کے ہاں نبیؐ کا ذکر

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا : جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ قریب آیا تو یہود کے علماء، عیسائیوں کے راہب اور عرب کے کاہن آنحضرتؐ کی بعثت کے بارے میں خبریں بیان کرتے تھے۔ یہودی علماء اور عیسائی راہبوں کی معلومات کا ماخذ ان کے انبیاءؑ کی وہ کتابیں تھیں جن میں آنحضرتؐ کی صفات اور آپؐ کے زمانۂ نبوت کے متعلق لکھا ہوا ان کے پاس موجود تھا اور جن کے متعلق ان کے انبیاءؑ نے ان سے عہد لیا تھا۔ جہاں تک عرب کے کاہنوں کا تعلق ہے ان کے پاس شیاطین جن خبریں چُرا کر لاتے تھے۔ وہ ایسی صورت میں خبریں سن گن کر لاتے تھے جب انھیں تاروں سے مار کر خبریں اخذ کرنے سے روکا

نہ جاتا تھا۔ عرب کے کاہن مرد اور کاہنہ عورتیں آپؐ کے متعلق بعض باتوں کا ذکر مسلسل کرتی رہتی تھیں لیکن اہل عرب ان باتوں کو کوئی وزن نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مبعوث فرمایا اور کاہنوں کی مذکورہ باتوں نے واقعات کی شکل اختیار کرلی اور اس وقت لوگوں نے ان پیشگوئیوں کی حقیقت کو سمجھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا زمانہ قریب آگیا اور آپؐ کو مبعوث فرمایا گیا تو شیاطین کو غیبی خبریں سننے سے روک دیا گیا، عالمِ بالا اور ان مقامات کے درمیان جہاں گھات میں بیٹھ کر وُہ خبریں سُنا کرتے تھے رکاوٹ پیدا کردی گئی اور اس کے بعد ان پر تاروں کی مار پڑتی تھی۔ چنانچہ جنوں نے بھی یہ محسوس کرلیا کہ اللہ عزوجل کے کسی خاص پروگرام کے تحت جو بندوں میں نافذ کیا گیا ہے یہ صورتِ حال پیدا ہوئی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آپؐ کو بتایا گیا کہ جنوں کو غیب کی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے۔ جنوں نے جانا جو کچھ کہ جانا اور جب انھوں نے دیکھا جو کچھ کہ دیکھا تو انہوں نے اس کا انکار نہ کیا۔

فرمانِ خداوندی ہے:

قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن . . . .
الیٰ قومہ ام اراد بھم ربھم رشدا ۱۰
(الجن - ۱ تا ۱۰)

اے نبیؐ! کہو، میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے غور سے سُنا پھر (جا کر اپنی قوم کے لوگوں سے) کہا: "ہم نے ایک بڑا ہی عجیب قرآن سُنا ہے جو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور اب ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے"۔ اور یہ کہ "ہمارے رب کی شان بہت ارفع و اعلیٰ ہے، اس نے کسی کو بیوی یا بیٹا نہیں بنایا ہے"۔ اور یہ کہ "ہمارے نادان لوگ اللہ کے بارے میں بہت خلافِ حق باتیں کہتے رہتے ہیں"۔ اور یہ کہ "ہم نے سمجھا تھا کہ انسان اور جن کبھی خدا کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتے"۔ اور یہ کہ "انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے، اس طرح انہوں نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا"۔ اور یہ کہ "انسانوں نے بھی وہی گمان کیا جیسا کہ تمہارا گمان تھا کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر نہ بھیجے گا"۔ اور یہ کہ "ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو دیکھا کہ وُہ پہرے داروں سے پٹا پڑا ہے اور شہابوں کی بارش ہو رہی ہے"۔ اور یہ کہ "پہلے ہم سُن گُن لینے کے لیے آسمان میں بیٹھنے کی جگہ پا لیتے تھے مگر اب جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرتا ہے وُہ اپنے لیے گھات میں ایک شہابِ ثاقب لگا ہوا پاتا ہے"۔ اور یہ کہ "ہماری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آیا زمین والوں کے ساتھ کوئی بُرا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کا رب انھیں راہِ راست دکھانا چاہتا ہے"۔

جب جنوں نے قرآن سُنا تو انہیں معلوم ہُوا کہ انھیں اس وجہ سے آسمانی خبریں سُننے سے روکا گیا ہے کہ کہیں وحیِ آسمانی مشتبہ نہ ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام بصورتِ وحی اہلِ زمین کے پاس آئیں گے وہ مشکوک نہ ہوجائیں اور ہر قسم کا اشتباہ جاتا رہے۔ چنانچہ وہ وحیِ آسمانی پر ایمان لے آئے اور انہوں نے تصدیق کی۔

ارشادِ ربانی ہے:

ولّوا الیٰ قومھم منذرین ۝ قالوا یٰقومنا انا سمعنا کتٰبًا انزل من بعد موسٰی مصدقًا لما بین یدیہ یھدی الی الحق والیٰ صراط مستقیم ۝ (الاحقاف ۲۹ - ۳۰)

وہ خبردار کرنے والے بن کر اپنی قوم کی طرف پلٹے، انہوں نے جاکر کہا: اے ہماری قوم کے لوگو! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی، رہنمائی کرتی ہے حق اور راہِ راست کی طرف۔

اور جنوں نے یہ بات کہی:

وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوھم رھقاo (الجن - ۶)

اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے، اس طرح انہوں نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا۔

اس کی صورت یہ تھی کہ جب اہلِ عرب قریش وغیرہم میں سے کوئی شخص مسافرت اختیار کرتا اور رات گزارنے کے لئے کسی وادی کے درمیان اترتا تو کہا کرتا تھا: "میں آج رات اس وادی کے مالک جن کی پناہ لیتا ہُوں اس شر سے جو اس وادی میں ہے۔"

(۱۲۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی، ابنِ اسحاق نے کہا: اہلِ علم میں سے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ جاہلیت میں بنی سہم میں غیطالجہ نامی ایک عورت کاہنہ تھی۔ ایک عورت اس کا ساتھی جن اس کے پاس آکر نیچے گر پڑا اور اس نے کہا:

"اذن من اذن یوم عقر و نحر۔"

(سنا جس نے سنا کہ یہ تو زخمی کرنے اور گلے کاٹنے کا دن ہے)

جب قریش کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو انھوں نے پُوچھا: "اس کا مطلب کیا ہے؟" اس کاہنہ کا ساتھی جن دوسری رات کو آکر پھر نیچے گر پڑا اور اس نے کہا:

"شعوب ماشعوب؛ تصرع فیہ کعب لجنوب۔"

(گھاٹیاں، گھاٹیاں؛ جن میں کعب پہلوؤں کے بل پچھاڑے جائیں گے)

جب قریش نے یہ سُنا تو انہوں نے کہا: "اس کا مفہوم کیا ہے؟ بیشک یہ وقوع پذیر ہونے والا ہے۔

پس دیکھو کہ وہ ہے کیا؟" لیکن وہ اس کلام کو سمجھ نہ سکے یہاں تک کہ گھاٹیوں میں بدر و اُحد کے واقعات پیش آئے اور انہیں اُس وقت معلوم ہُوا کہ وہی واقعات ہیں جن کی خبر کاہنہ کے ساتھی جن نے دی تھی۔

(۱۲۱) احمد نے ابی کے حوالہ سے جریر بن عبدالحمید سے اور اُس نے منصور کی وساطت سے ابراہیم کی روایت نقل کی۔ یہ روایت قرآن کریم کی درج ذیل آیت کے متعلق ہے:

وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوھم رھقا ۵ (الجن - ۶)

اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے اس طرح انہوں نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ جب قریش کسی وادی میں اُترتے تھے تو کہتے تھے، ہم اس وادی کے سردار کی پناہ مانگتے ہیں اس شر سے جو اس وادی میں ہے۔" اس کے جواب میں جن کہتے تھے: "تم ہماری پناہ طلب کرتے ہو حالانکہ ہمیں اپنے نفع و نقصان کا اختیار بھی حاصل نہیں ہے۔" راوی نے کہا کہ "فزادوھم رھقا" کا مفہوم یہ ہے کہ جب لوگ جنوں کی پناہ مانگنے لگے تو جنوں کا دماغ اور زیادہ خراب ہوگیا اور وہ گمراہی میں زیادہ جری ہوگئے۔

(۱۲۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: انصار کا یہ قبیلہ یہود سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا کرتا تھا اور بعد ازاں آنحضرتؐ کے بارے میں یہی باتیں اس قبیلہ کی طرف سے بیان کی جاتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل سب سے پہلے جو بات آنحضرتؐ کے متعلق پیش آئی وہ یہ تھی کہ فاطمہ امّ نعمان بن عمرو (برادر قبیلہ بنی نجار) جاہلیت کے زمانہ میں ایک زانیہ عورت تھی اس کا ایک تابع جن تھا وہ بیان کیا کرتی تھی کہ جب اس کا تابع جن اس کے پاس آتا تھا تو اس کے گھر میں جو بھی موجود ہوتا اس پر وہ اچانک حملہ آور ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ ایک دن وہ آیا اور ایک دیوار پر گر پڑا۔ اس دن اس نے اپنے معمول کا حملہ نہ کیا۔ فاطمہ نے اسے کہا: "آج تیرا کیا حال ہے؟" اس نے کہا: "ایک نبی مبعوث کیا گیا ہے جو زنا کو حرام قرار دے گا۔"

(۱۲۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس نے اور اس نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت کی۔ اس سے بیان کیا گیا کہ بنی ثقیف کا ایک آدمی جس کا نام عمرو بن امیہ تھا وہ معاشی امور کی سمجھ بُوجھ کے لحاظ سے پورے عرب میں عقلمند ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا اور رائے کے اعتبار سے بہت دانا اور دور اندیش تھا۔ جب ٹوٹنے والے تاروں سے رمی کی گئی تو سب سے پہلے جس قبیلہ پر گھبراہٹ طاری ہُوئی وہ ثقیف تھا۔ قبیلہ کے لوگ عمرو بن امیہ کے پاس آئے اور اس سے پُوچھا: "کیا تم نے تاروں کے پھینکے جانے کا یہ نیا واقعہ دیکھا ہے؟" اس نے کہا: "کیا واقعہ ہے؟" لوگوں نے بتایا کہ آسمان کے تاروں سے رمی کی جاتی ہے۔ اس نے جواب دیا: "تمہاری بدقسمتی! اب

انتظار کرو۔ اگر یہ تارے وہی ہیں جن کے ذریعے بحر و بر میں جادہ و منزل کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے اور موسم گرما و سرما کی پہچان کی جاتی ہے اور جن سے لوگ اپنی معیشت کے وسائل کی اصلاح کر لیتے ہیں تو یہ دنیا کی بربادی اور مخلوقات کی ہلاکت کا پیش خیمہ ہے اور اگر یہ تارے ان کے علاوہ ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخلوقات کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص پروگرام ہے اب انتظار کرو اور دیکھو کہ مشیتِ ایزدی کیا ہے ؟"

(۱۲۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ابنِ اسحاق نے کہا ، مجھ سے زہری نے اور اس نے علی بن حسین کی وساطت سے ابن عباس کی روایت نقل کی۔ ابن عباس نے کہا : مجھے انصار کے ایک قبیلہ نے بتلایا کہ ہم ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ایک تارا دیکھا اور ہم سے پوچھا کہ "ان تاروں کے متعلق جو پھینکے جاتے ہیں تمھاری کیا رائے ہے ؟" ہم نے کہا : یہ کسی بچے کی پیدائش یا مرنے والے کی موت یا کسی بادشاہ کی حکومت کی نشان دہی کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں میں کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملانِ عرش اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں پھر ان سے نچلے طبقہ کے فرشتے بھی اس تسبیح میں شامل ہو جاتے ہیں اور یہ تسبیح کا سلسلہ نیچے آسمانِ دنیا تک آکر منتہی ہوتا ہے آسمانِ دنیا پر متعین فرشتے اپنے سے اوپر والے فرشتوں سے اس تسبیح کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمیں تو اس کے متعلق کچھ علم نہیں ہے ہم نے اپنے سے اوپر والوں کو اللہ کی تسبیح کرتے سنا ہے اور ہم نے بھی ان کی پیروی میں اللہ کی تسبیح بیان کی۔ ہم اپنے سے اوپر والوں سے دریافت کریں گے۔ چنانچہ وہ ان سے پوچھتے ہیں اور وہ بھی یہی جواب دیتے ہیں یہاں تک کہ حاملانِ عرش سے سوال کیا جاتا ہے اور وہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ عز و جل نے اپنی مخلوقات کے بارے میں یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے اور اس طرح آسمانِ دنیا پر متعین فرشتوں تک یہ خبر گردش کرتی ہوئی پہنچتی ہے اور وہاں سے جن چوری چھپے کچھ سُن لیتے ہیں اور زمین پر اپنے ساتھی کہانت پیشہ انسانوں سے بیان کرتے ہیں ، وہ اس میں اپنے توہمات کو شامل کر کے لوگوں سے بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض باتیں حقیقت پر مبنی ہوتی ہیں اور بعض میں وہ غلطی کر جاتے ہیں۔ جنوں کا یہ معمول جاری رہا یہاں تک کہ ان تاروں کی مار کے ذریعے جنوں کو عالمِ بالا کی خبریں چُرانے سے روک دیا گیا۔

(۱۲۵) احمد نے یونس بن بکیر کے حوالے سے یونس بن عمرو سے اور اس نے اپنے باپ سے اور اس نے سعید بن جبیر کی وساطت سے ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی کہ شیاطین آسمان تک جا کر وحی کا کوئی کلمہ سُن لیتے تھے اور پھر زمین پر آکر اس کے ساتھ نو حصے جھوٹ شامل کر لیتے تھے۔ اہلِ زمین یہ وحی کا کلمہ جس میں نو حصے جھوٹ شامل ہوتا تھا سنتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور شیاطین کو ان کے بیٹھنے کی جگہوں سے روک دیا۔ انھوں نے ابلیس سے اس کا تذکرہ کیا تو اس نے کہا : "زمین میں ایک اہم واقعہ رونما ہو چکا ہے"، چنانچہ اس نے شیاطین کو بھیجا۔ انھوں نے کہا : "واللہ ! یہ بہت بڑی حقیقت ہے اس لیے ان پر تاروں کی

مار پڑتی ہے۔" جب تارے تم سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں تو وہ جنوں پر مارے جاتے ہیں اور انھیں ٹھیک ٹھیک ضرب لگاتے ہیں لیکن قتل نہیں کرتے بلکہ ان کے چہرے، پہلو اور ہاتھ جلا دیتے ہیں۔

(۱۲۶) نبیؐ کے متعلق ورقہ بن نوفل کا بیان

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: ورقہ بن نوفل بن اسد حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کا چچیرا بھائی تھا۔ وہ نصرانی تھا۔ اس نے علم حاصل کیا تھا اور وہ کتابوں کے احکام کی پیروی کرتا تھا۔ بحیرا راہب نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دو فرشتوں کو سایہ فگن دیکھا تو جو باتیں اس نے کہی تھیں ان کا ذکر میسرہ غلام نے حضرت خدیجہؓ سے کیا اور حضرت خدیجہؓ نے اس کا تذکرہ ورقہ بن نوفل سے کیا۔ ورقہ نے کہا: "اے خدا! اگر مذکورہ واقعہ سچا ہے تو محمدؐ اس امت کے نبی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس اُمت کے لیے ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے اور یہی اس کا زمانہ ہے۔ ورقہ نے اسی طرح کی بات کہی۔ ورقہ نے کچھ دیر کے بعد کہا "کب ہوگا؟" لوگوں کا بیان ہے کہ ورقہ نے خدیجہؓ کی باتیں سُن کر کچھ دیر توقف کیا اور پھر یہ اشعار کہے:

اتبکرام انت العشیة رائح وفی الصدر من اضمارك الحزن قادح	کیا تُو صبح کے وقت یا رات کے وقت آنے والا ہے اور تمہارے انتظار میں پوشیدہ غم سینے کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے۔
لفرقة قوم لا احب فراقهم کانك عنهم بعد یومین نازح	ایک ایسی قوم کی جُدائی کی وجہ سے جس کی جدائی مجھے پسند نہیں ہے گویا کہ تُو دو دن کے بعد ان سے دُور چلا جانے والا ہے۔
واخبار صدق خبرت عن محمد یخبرها عنه اذا غاب ناصح	جب کوئی خیر خواہ (ناصح) نہیں رہے گا تو اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی خبریں سُنائی جائیں گی۔
فتاك الذی وجهت یا خیر حرة بغوری والنجدین حیث الصحاصح	میں نے اپنی تمام تر توجہ اسی کی طرف مبذول کر رکھی ہے جو پتھریلی زمین، نشیبی زمین، اونچی زمین اور ہموار میدانوں (یعنی کل روئے زمین) کے رہنے والوں میں سے بہترین ہے۔
الی سوق بصری فی الرکاب التی غدت وهن من الاحمال قعص دوالح	وہ ایک قافلے کے ہمراہ بصریٰ کے بازار کی طرف گیا اس حال میں کہ بوجھ کی وجہ سے سواریوں کے سینے باہر کو اور پیٹھیں اندر کو جھکی ہوئی تھیں اور وہ پسینے میں شرابور تھیں۔
فخبرنا عن کل خیر لعلمه وللحق ابواب لهن مفاتح	ہمیں اس کے علم کے بارے میں جو خبر بھی پہنچی وہ بھلائی پر مبنی تھی اور ظاہر ہے کہ حق کے متعدد دروازے ہیں اور ان کے کھولنے کے لیے چابیاں بھی ہیں۔

کان ابن عبد اللہ احمد مرسل
الیٰ کل من ضمت علیہ الا باطح
وظنی بہ ان سوف یبعث صادقا
کما ارسل العبدان ھود وصالح

احمد بن عبد اللہ پتھریلی زمین کی وادیوں کے جملہ رہنے والوں کی طرف اللہ کے رسول ہیں۔
ان کے بارے میں میرا گمان یہ ہے کہ وہ عنقریب صداقت کے ساتھ مبعوث کیے جائیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دو بندوں ھود اور صالح علیہما السلام کو مبعوث فرمایا۔

وموسٰی وابراھیم حتی یری لہ
بھاو منشور من الذکر واضح
ویتبعہ حیا لوی جماعۃ
شبابھم والاشیبون الجحاجح
فان ابق حتی یدرک الناس دھرہ
فانی بہ مستبشر الود فارح
والافانی یا خدیجۃ فاعلمی
عن ارضک فی الارض العریضۃ سائح

اور جس طرح موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام کو مبعوث کیا گیا یہاں تک کہ اس کے محاسن ومحامد واضح ہو جائیں گے اور اس کے ذکر کا بول بالا ہو جائے گا۔
اور قبیلہ لوی کے جوان اور بوڑھے سردار من حیث المجموع اس کا اتباع کریں گے۔
کاش میں اس وقت زندہ رہوں جب لوگ اس کا زمانہ پائیں گے میں اس کے لیے محبت کی بشارت دینے والا اور خوشی وخرمی کا پیغام رساں ہوں۔
ورنہ اے خدیجہؓ! جان لے کہ میں تو (اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور) تمہاری اس زمین سے آخرت کی طویل وعریض زمین کی طرف سفر کرنے والا ہوں۔

(۱۲۷) تعمیرِ نو کے بعد کعبہ کا حج

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: جب قریش نے کعبہ کی دیواریں اونچی کر دیں اور اسے مسقف کر دیا تو وہ ہر سال حجِ کعبہ کی تعظیم کے پیشِ نظر اس پر غلاف چڑھانے کے لیے باہم تعاون کرتے تھے۔ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور وہاں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بتوں کی تعظیم بھی بجا لاتے تھے، ان کے نام کے جانور ذبح کرتے تھے اور دین میں شرک کا ارتکاب کرتے تھے۔

جب قریش ایک عید کے موقع پر اپنے ایک بت کے نام پر جانور ذبح کر رہے تھے تو قریش کا ایک گروہ مشتمل بر زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ، عثمان بن حویرث بن اسد بن عبد العزیٰ اور عبید اللہ بن جحش بن رئاب [جس کی ماں امیمہ بنت عبد المطلب بن ہاشم (حلیفِ بنی امیہ) تھی] ان کے پاس موجود تھا۔ جب وہ اکٹھے ہوئے تو ان میں سے بعض نے بعض کو علیحدگی میں کہا: "ایک دوسرے کے ساتھ سچائی کا عہد کرو اور اس کی پاسداری کرو۔ تمہیں چاہیے کہ ایک دوسرے کا راز فاش نہ کرو۔" ان میں سے ایک نے کہا: "تم جانتے ہو کہ بخدا! تمہاری قوم کسی اصل پر قائم نہیں ہے انھوں نے دینِ ابراہیم میں خرابیاں پیدا کر دی ہیں اور وہ دین کی مخالفت پر کمربستہ ہیں جن بتوں کی پوجا کی جاتی ہے وہ نہ تو نقصان کر سکتے ہیں اور نہ ہی نفع پہنچا سکتے ہیں۔ پس تم اپنے لیے حق کی تلاش کرو۔"

چنانچہ وہ حق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اُنھوں نے گھوم پھر کر اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) اور دیگر مذاہب کے حاملین سے دینِ ابراہیمؑ کی حنیفیت کے بارے میں دریافت کیا۔ ورقہ بن نوفل نے تو عیسائیت اختیار کر لی اور اس مذہب کا پختہ پیروکار بن گیا۔ اس نے اس مذہب کی کتابوں کا تتبع کیا یہاں تک کہ اہلِ کتاب سے اس نے کافی علم حاصل کر لیا۔ قریش کے اس گروہ میں سے زید بن عمرو بن نفیل سب سے زیادہ منصف مزاج اور راست باز تھا۔ اس نے بتوں کو چھوڑ دیا اور جملہ دیگر مذاہب کے طور طریقوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور صرف دینِ ابراہیم کی پیروی پر کمربستہ ہو گیا وہ اللہ عزوجل کی توحید کا قائل تھا اور اللہ کے ماسوا ہر چیز سے اظہارِ بیزاری کرنے والا تھا۔ وہ اپنی قوم کا ذبیحہ نہیں کھاتا تھا اس نے قوم کے مشرکانہ طور طریقوں کی وجہ سے ان سے علانیہ مفارقت اختیار کر لی۔

(۱۲۸) زید بن عمرو بن نُفیل کا واقعہ

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے ہشام بن عروہ اور اس سے اس کے باپ نے اسماءؓ بنت ابی بکر کی روایت بیان کی۔ حضرت اسماءؓ نے فرمایا: میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو اس حال میں دیکھا کہ وہ کعبہ کے ساتھ پشت لگا کر کہہ رہا تھا: "اے گروہِ قریش! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں زید کی جان ہے، میرے سوا تم میں سے کوئی بھی دینِ ابراہیم پر کاربند نہیں ہے۔" پھر کہتا تھا: "اے اللہ! اگر میں جانتا کہ کون سا طریقہ تجھے زیادہ پسندیدہ ہے تو میں اس کے مطابق تیری عبادت کرتا لیکن میں اس طریقے کو نہیں جانتا۔" پھر وہ اپنی ہتھیلی پر سجدہ ریز ہو جاتا تھا۔

(۱۲۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھے آلِ زید بن عمرو بن نفیل میں سے کسی نے بتلایا کہ زید کعبہ میں داخل ہوتا اور کھڑے ہو کر کہا کرتا تھا: "اے اللہ! میں سچائی کے ساتھ تیرے حضور حاضر ہوں، تیرا بندہ اور تیرا غلام ہوں، میں ہر اس چیز سے پناہ مانگتا ہوں جس سے ابراہیمؑ نے پناہ مانگی۔" اور اس نے کھڑے ہو کر کہا: "میری ناک تیرے لیے خاک آلود ہے۔ تُو جس مصیبت میں مجھے مبتلا کرے میں اسے برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں، میں نیکی کا طالب ہوں، فخر و تکبر مجھے مطلوب نہیں ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ نصف النہار کے وقت کڑاکے کی گرمی میں ہجرت کرنے والا قیلولہ کرنے والے کی طرح نہیں ہو سکتا۔

(۱۳۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے ہشام بن عروہ نے اور اس سے عروہ بن زبیر نے روایت بیان کی کہ زید بن عمرو بن نفیل نے یہ اشعار کہے:

اربا واحدا ام الف رب ادین اذا تقسمت الامور	جب مختلف معاملات الجھ چکے ہوں تو ان کو سلجھانے کے لیے میں ایک رب کی عبادت کروں یا ایک ہزار کی۔

عزلت اللات والعزى جميعاً
كذلك يفعل الجلد الصبور

میں نے لات اور عزّیٰ سب سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ ایک باہمت اور صابر شخص اسی طرح کیا کرتا ہے۔

فلا عزى ادين ولا ابنتيها
ولا صنمى بنى عمرو ادير

میں نہ عزّیٰ کی اطاعت کرتا ہوں اور نہ اس کی دو بیٹیوں کی ، اور نہ ہی بنی عمرو کے دو بتوں کا طواف کرتا ہوں۔

ولا غنما ادين وكان ربا
لنا فى الدهر اذ حلمى يسير

اور نہ ہی میں غنم نامی بُت کا پرستار رہوں۔ وہ اُس زمانہ میں ہمارا پروردگار سمجھا جاتا تھا جب میری عقل ناپختہ تھی۔

عجبت وفى الليالى معجبات
وفى الايام يعرفها البصير

میں متعجب ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ لیل و نہار کی گردشیں نت نئی حیرت افزا چیزیں ہمارے سامنے لاتی ہیں جن کی معرفت صرف دانشمندوں کو حاصل ہے۔

بان الله قد افنى رجالا
كثيرا كان شانهم الفجور

بیشک اللہ تعالیٰ نے ایسے بہت سے لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے جو فسق و فجور میں مبتلا تھے۔

وابقى آخرين ببر قوم
فيربل منهم الطفل الصغير

اور دوسروں کو ان کی نیکی کی وجہ سے باقی رکھا۔ ان میں کے چھوٹے لڑکے نشوونما پاتے ہیں اور ان کی افرادی قوت بڑھتی چلی جاتی ہے۔

وبينا المرء يعثر ثاب يوما
كما يتروح الغصن النضير

گردشِ زمانہ کے تحت آدمی کبھی کسی سختی میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن ایک دن اس کی حالت ایسی درست ہو جاتی ہے کہ وہ تروتازہ شاخ کی طرح ہو جاتا ہے جو پتے اور پھل لاتی ہے۔

(۱۳۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی کہ زید بن عمرو بن نفیل نے یہ اشعار بھی کہے:

اسلمت وجهى لمن اسلمت
له الارض تحمل صخرا ثقالا

میں نے اس ذات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے جس کے آگے بھاری چٹانوں کو اٹھانے والی زمین سرنگوں ہے۔

واسلمت وجهى لمن اسلمت
له المزن تحمل عذبا زلالا

میں نے اس ذات کے آگے سر جھکا دیا ہے جس کے حکم کے آگے صاف اور میٹھا پانی اٹھانے والے بادل بھی جھکے ہوئے ہیں۔

اذا هى سيقت الى بلدة
اطاعت فصبت عليها سجالا

جب ان بادلوں کو کسی بستی کی جانب ہانکا جاتا ہے وہ تعمیل کرتے ہیں اور اس بستی پر موسلا دھار مینہ برساتے ہیں۔

واسلمت وجهى لمن اسلمت
له الريح تصرف حالا فحالا

میں نے اس ذات کے آگے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیا ہے جس کے حکم سے ہوائیں وقتاً فوقتاً اپنا رُخ بدلتی رہتی ہیں۔

(۱۳۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی کہ خطاب بن نفیل زید بن عمرو بن نفیل کو بہت ایذا دیتا تھا یہاں تک کہ زید مکہ کی بالائی جانب چلا گیا اور مکہ کے بالمقابل حرا میں پناہ گزین ہو گیا۔ خطاب نے قریش نوجوانوں میں سے کچھ نوجوان اور بیوقوفوں میں سے کچھ بیوقوف اس کے پیچھے لگا دیئے اور انھیں حکم دیا کہ اسے مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے، چنانچہ زید ان سے چھپ کر ہی مکہ میں داخل ہو سکتا تھا۔ جب انھیں اس کے داخلہ کا علم ہوتا تو وہ خطاب کو اطلاع دیتے، اسے باہر نکال دیتے اور اسے اذیت پہنچاتے تاکہ وہ کہیں ان کے دین میں فساد نہ برپا کر دے اور ان میں سے کوئی ان سے علیحدہ ہو کر اس کا پیروکار نہ بن جائے۔ خطاب زید کا چچا اور اس کا ماں جایا بھائی تھا۔ عمرو بن نفیل نے بعد میں خطاب کی ماں سے نکاح کر لیا تھا اور اس کے بطن سے زید بن عمرو تولد ہوا تھا۔ اس طرح خطاب زید کا چچا اور اس کا ماں شریک بھائی تھا۔ زید نے اپنی قوم کے دین سے مفارقت اختیار کر لی تھی اس لیے خطاب اسے عتاب کا نشانہ بناتا تھا اور اسے ایذا دیتا تھا۔ زید نے خانہ کعبہ کی عظمت و حرمت بحال رکھی اور اس نے اپنی قوم کے ان لوگوں کے خلاف جنہوں نے کعبۃ اللہ کی حرمت کو پامال کیا یہ اشعار کہے:

لاھم انی محرم لا حلہ	اے اللہ! میں حرم کی حرمت کا پاسدار ہوں۔ اس کی حرمت کو
وان بیتی اوسط المحلہ	توڑنے والا نہیں ہوں میرا گھر محلے کے درمیان صفا کے پاس واقع ہے
عند الصفا لیس بذی مظلہ	وہ کوئی غیر معروف اور گم گشتہ جگہ نہیں ہے۔

(۱۳۳) بعثت سے قبل نبیؐ کو زید کی طرف سے بتوں کا ذبیحہ کھانے کی ممانعت

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے بتلایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن عمرو بن نفیل کے بارے میں فرما رہے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے میرے سامنے بتوں کی عیب چینی کی اور مجھے بتوں کے پاس جانے سے روکا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "میں طائف سے آیا، میرے ساتھ زید بن حارثہ تھے، میں زید بن عمرو بن نفیل کے پاس سے گزرا وہ اس وقت مکہ کے بالائی علاقہ میں تھا قریش نے اس کے متعلق مشہور کر رکھا تھا کہ اس نے قریش کا دین ترک کر دیا ہے یہاں تک کہ وہ ان سے علیحدگی اختیار کر کے بالائی مکہ میں سکونت پذیر تھا۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ توشہ دان تھا جس میں بتوں کے ذبیحہ کا گوشت تھا جو زید بن حارثہ کی تحویل میں تھا۔ میں اس وقت نوجوان لڑکا تھا۔ میں نے وہ توشہ دان زید کے آگے رکھ دیا اور کہا: "چچا جان! اس کھانے میں سے حسب ضرورت تناول کرو۔" اس نے کہا: "بھتیجے! شاید یہ تمہارے بتوں کے ذبیحہ کا گوشت ہے؟" میں نے کہا: "ہاں، ایسا ہی ہے"۔ اس نے کہا: "بھتیجے! اگر تو عبدالمطلب کی بیٹیوں سے دریافت کرے تو وہ تجھے بتائیں گی کہ میں ان ذبائح کو نہیں کھاتا اور نہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔" پھر اس نے میرے سامنے بتوں کی اور ان کی پرستش کرنے والوں کی عیب چینی کی اور کہا کہ یہ بت باطل ہیں۔ ہمارے

نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کے بعد میں نے کبھی کسی بُت کو ہاتھ بھی نہیں لگایا کیونکہ ان کے بارے میں مجھے معرفت حاصل ہوگئی اور نہ ہی میں نے کبھی کسی جانور کو کسی تھان پر ذبح کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت سے مشرف فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۴۴) احمد نے یونس کے حوالہ سے مسعودی سے اور اس نے نفیل بن ہشام کی وساطت سے اس کے باپ ہشام کی روایت نقل کی۔ ہشام نے کہا کہ زید بن عمرو بن نفیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زیدؓ بن حارثہ کے پاس سے گزرا ان دونوں نے اسے اپنے توشہ دان پر مدعو کیا۔ زیدؓ نے کہا: "اے میرے بھتیجے! میں کسی تھان پر ذبح کیے گئے جانور کا گوشت نہیں کھاتا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپؐ نے کوئی ایسی چیز کھائی ہو جو کسی تھان پر ذبح کی گئی ہو۔

(۱۴۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: زید بن عمرو نے مکے سے نکلنے کا ارادہ اس لیے کیا تھا کہ وہ دینِ ابراہیم کی حنیفیت کی طلب میں دنیا کا سفر کرے۔ اس کی بیوی صفیہ بنت الحضرمی تھی جب کبھی وہ دیکھتی کہ زید سفر کے ارادہ سے نکلنے کو ہے تو وہ خطاب بن نفیل کو اس کی اطلاع دے دیتی۔ زید شام کی طرف دینِ ابراہیمؑ کی تلاش میں نکلا تاکہ اہلِ کتاب سے دین کے مبادیات کا علم حاصل کرے یہاں تک کہ وہ سرزمینِ بلقاء میں ایک کلیسا میں ایک راہب کے پاس پہنچا جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ اس کے پاس نصرانیت کا انتہائی علم تھا زید نے اس سے دینِ ابراہیم کا طریقہ حنیفیہ دریافت کیا۔ راہب نے جواب دیا: "تو اس دین کے بارے میں سوال کر رہا ہے جس پر چلانے والا آج تجھے کوئی بھی نہیں ملے گا، اس کا علم ناپید ہو چکا ہے اور اس کی معرفت کے حامل لوگ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن ایک نبی کی بعثت کا وقت قریب آ گیا ہے جسے اس سرزمین میں مبعوث کیا جائے گا جہاں سے تم آئے ہو وہ نبی دینِ ابراہیم کی حنیفیت کا حامل ہوگا، پس حق تو اب تمہارے علاقہ میں ہے وہ نبی اب مبعوث ہونے والا ہے اور اس کا زمانہ یہی ہے۔ شام میں اس وقت یہودیت اور نصرانیت کا دور دورہ تھا۔ ان میں سے کوئی طریقہ بھی اسے پسند نہ آیا۔ اس راہب کا جواب سن کر وہ فوراً نکل کھڑا ہوا اور عازمِ مکہ ہوا۔ جب وہ بنی لخم کی سرزمین میں پہنچا تو انہوں نے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ ورقہ بن نوفل بھی دینِ ابراہیم کی حنیفیت کی تلاش میں زید کے نقشِ قدم پر تھا لیکن اس نے زید کا سا طرزِ عمل اختیار نہ کیا۔ ورقہ بن نوفل نے زید کے قتل پر مرثیہ کے یہ اشعار کہے:

رشدت و انعمت ابن عمرو و انما تجنبت تنورا من النار حامیا	اے ابن عمرو! تو صراطِ مستقیم پر تھا۔ تجھ پر انعام کیا گیا اور تُو نے جلانے والی آگ کے تنور سے اپنے آپ کو بچا لیا۔
بدینك ربا لیس رب کمثله وترکك اوثان الطواغی کما هیا	تو نے اپنے اس رب کا دین اختیار کیا جس کا کوئی ثانی نہیں ہے اور تو نے سرکشوں کی مورتیوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا اور ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

وقد تدرك الانسان رحمة ربه — انسان کو اس کا رب اپنی رحمتوں سے نوازتا ہے خواہ انسان زمین کے
ولو کان تحت الارض ستین واديا — نیچے ستّر وادیوں کی مسافت پر ہو۔

(۱۳۶) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق سے اور اس نے محمد بن جعفر بن زبیر یا محمد بن عبدالرحمان بن عبداللہ بن حصین تمیمی سے روایت نقل کی کہ عمر بن خطاب اور سعید بن زید نے عرض کی: "یا رسول اللہ! کیا ہم زید کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں، اس کے لیے مغفرت طلب کرو، اس لیے کہ وہ ایک امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔"

(۱۳۷) احمد نے یونس کے حوالہ سے مسعودی سے اور اس نے نفیل بن ہشام کی وساطت سے اس کے باپ ہشام کی روایت نقل کی کہ اس کے دادا سعید بن زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ زید بن عمرو کے بارے میں سوال کیا اور عرض کی: "یا رسول اللہؐ! میرا باپ آپؐ نے دیکھا ہے اور جیسا بھی وُہ تھا اس سے آپؐ باخبر ہیں۔ اگر وہ آپؐ کا زمانۂ نبوت پاتا تو آپؐ پر ایمان لاتا۔ کیا آپؐ اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں گے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "میں اس کے لیے مغفرت طلب کروں گا، وہ قیامت کے دن ایک اُمت کی شکل میں آئے گا۔" زید کے بارے میں یہ مذکور ہے کہ وہ دین کا طالب تھا اور اسی تلاش وجستجو میں اسے موت آئی۔

(۱۳۸) قریش کا طریقہ حج

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شرفِ نبوت سے نوازنے اور آپؐ کے ذریعہ سے بندوں پر نزولِ رحمت اور حج کی فرضیت کا ارادہ فرمایا۔ اس وقت اہلِ عرب متفرق تھے اور مختلف ادیان کے پیرو تھے۔ اس کے بعد ایک چیز ان میں قدرِ مشترک تھی اور وہ حرم کی تعظیم، خانہ کعبہ کا حج اور دینِ ابراہیمؑ کے آثار کی پابندی تھی اور اس طرح وہ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ ملّتِ ابراہیم کے پیرو ہیں۔ وہ مناسکِ حج کے بارے میں اختلاف کے باوجود خانہ کعبہ کا حج کرتے تھے۔ قریش، بنی کنانہ، بنی خزاعہ اور دیگر تمام عرب جو قریش کے درمیان پیدا ہوں وہ سب کے سب حمس (یعنی اہلِ حرم) کہلاتے تھے۔ وہ حج کے لیے تلبیہ کہتے تھے اور اس میں اختلاف کرتے ہوئے یہ کہتے تھے:

لبیك لا شریك لك الا شریك هو — میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، مگر وہ شریک جو تیرا مملوک ہے اور
لك تملكه و ما ملك۔ — تو اس کا مالک ہے اور وہ شریک تیرا مالک نہیں ہے۔

اس تلبیہ میں توحید کا اقرار کیا جاتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ اپنے بتوں کو بھی شریک کرتے تھے اور انھیں اللہ تعالیٰ کا مملوک قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وما یؤمن اکثرهم بالله الا وهم — ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو

مشرکون ٥ (یوسف - ۱۰۶) شریک ٹھہراتے ہیں۔

وہ حدودِ حرم سے باہر نہیں جاتے تھے اور نہ مزدلفہ سے آگے بڑھتے تھے بلکہ یہ کہتے تھے کہ ہم اہلِ حرم ہیں ہم حدودِ حرم سے باہر نہیں جائیں گے۔ احرام کی حالت میں وہ گھروں میں سکونت اختیار نہیں کرتے تھے اور اہلِ نجد میں سے قبیلہ مضر کے لوگ بیت اللہ کی طرف آتے ہوئے تلبیہ کہتے تھے اور وقوفِ عرفات کرتے تھے۔

(۱۳۹) آنحضرتؐ کے سچے خواب

احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق سے اور اس نے محمد بن مسلم بن شہاب زہری سے اور اس نے عروہ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی۔ ام المومنینؓ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو شرفِ نبوت سے نوازنے اور اپنے بندوں پر نزولِ رحمت کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے حالتِ خواب میں آپؐ پر اسرار منکشف ہونے لگے۔ آپؐ خواب میں جو کچھ دیکھتے وہ ایسا ہوتا کہ جیسے آپؐ صبح کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں اور بعینہٖ اسی طرح پیش آتا تھا۔ آپؐ کی یہ کیفیت اس وقت تک رہی جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پھر آپؐ خلوت پسند ہو گئے اور آپؐ کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ پسندیدہ نہ تھی کہ آپؐ تنہائی اختیار کریں۔

(۱۴۰) غارِ حرا میں حضورؐ کا دورِ تحنث اور نزولِ وحی کی ابتدار

احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق سے اور اس نے عبدالملک بن عبداللہ بن ابی سفیان بن علاء بن جاریہ ثقفی سے جس کا حافظہ قابلِ اعتماد تھا بعض اہلِ علم کی یہ روایت نقل کی کہ جب اللہ عزّوجلّ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شرافت و کرامت سے نوازنے اور آپؐ کی نبوت کی ابتداء کا ارادہ فرمایا تو اس وقت آپؐ جب کسی حجر و شجر کے پاس سے گزرتے تو وہ تسلیمات بجالاتے اور آنحضرتؐ ان کے سلام کو سنتے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی توجہ اپنے پیچھے اور دائیں بائیں مبذول فرماتے لیکن درخت اور اس کے ارد گرد پتھروں کے علاوہ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ یہ درخت اور پتھر آپؐ کو نبوت کے حوالہ سے اس طرح سلام کہتے تھے:

"السلامُ علیك یا رسول اللہ۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک ماہ تک غارِ حرا میں رہ کر عبادت کرنے لگے۔ آپؐ کی عبادت میں یہ بھی شامل تھا کہ آپؐ کے پاس قریش کے جو مساکین آتے تھے آپؐ ان کو کھانا کھلاتے تھے۔ جب آپؐ غار کی خلوت گزینی سے فارغ ہوتے تو پھر واپس آکر سب سے پہلے کعبہ کا طواف کرتے۔ آپؐ کا یہ معمول چند سال تک جاری رہا یہاں تک کہ جس آخری ماہ میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بزرگی سے مشرف کرنے کا ارادہ کیا اور آپؐ کو مبعوث فرمایا وہ رمضان کا مہینہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ معمول غارِ حرا میں خلوت گزینی کے لیے نکلے، آپؐ کے ہمراہ آپؐ کی اہلیہ بھی تھیں۔ جس رات کو اللہ عزّ و جل نے شرفِ رسالت سے نوازا اور آپؐ کے ذریعہ سے بندوں پر رحمت نازل فرمائی تو جبریلؑ یہ ایک اللہ تعالیٰ کا حکم لے کر آپؐ کے پاس آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریلؑ میرے پاس اس حال میں آئے کہ میں سو رہا تھا اور آ کر کہا: "پڑھو"۔ میں نے کہا: میں کیا پڑھوں؟" اس پر جبریلؑ نے مجھے پکڑ کر اس قدر بھینچا کہ مجھے موت یاد آ گئی۔ پھر جبریلؑ نے اس خوف کو مجھ سے دُور کر دیا اور کہا: "پڑھو"۔ میں نے کہا: "کیا پڑھوں؟" جبریلؑ نے دوبارہ مجھے اسی طرح بھینچا، پھر چھوڑ دیا اور کہا: "پڑھو"۔ میں نے کہا: "کیا پڑھوں؟" میں یہ بات صرف اس لیے کہہ رہا تھا کہ جبریلؑ سے نجات حاصل کر لُوں کہیں وہ مجھے پھر بھینچنا شروع نہ کر دیں۔ جبریلؑ نے کہا:

اقرأ باسم ربك الذی خلق ٥ خلق الانسان من علق ٥ اقرأ وربك الاکرم ٥ الذی علم بالقلم ٥ علم الانسان مالم یعلم ٥ (العلق ۱-۵)	پڑھو (اے نبیؐ!) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو۔ اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

پھر جبریلؑ رک گئے اور مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ میں اپنی نیند سے اس حال میں بیدار ہوا کہ میرے دل پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے میرے نزدیک شاعر یا مجنون سے زیادہ کوئی شخص مبغوض نہ تھا۔ میں ان دونوں کو دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ میں نے اپنے جی میں کہا: کیا میں شاعر ہوں یا مجنوں؟ میں نے پھر کہا کہ قریش مجھ سے یہ کلام سُننا ہرگز برداشت نہیں کریں گے، میں ضرور کسی اونچے چٹیل پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور وہاں سے اپنے آپ کو گرا کر خودکشی کروں گا اور اس طرح اس بوجھ سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا۔ میں سخت تکلیف محسوس کر رہا تھا اور مجھے ایسا کرنے کے سوا کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ جب میں نے اس اقدام کا قصد کیا تو میں نے آسمان سے ایک پکارنے والے کی آواز سُنی جو کہہ رہا تھا: "اے محمدؐ! آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔" میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو دیکھا کہ جبریلؑ ایک آدمی کی شکل میں نمودار ہوئے ان کے دونوں قدم ایک قطار میں آسمان کے اُفق پر تھے اور وہ کہہ رہے تھے: "اے محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہُوں۔" میں ان کی طرف دیکھتا رہا اور انھوں نے مجھے اس اقدام سے باز رکھا جس کا میں نے ارادہ کیا ہوا تھا۔ میں کھڑا تھا، مجھ میں آگے یا پیچھے جانے کی طاقت نہ تھی اور نہ ہی مجھ میں یہ سکت تھی کہ میں اس طرف سے اپنا منہ ہٹاؤں جدھر آسمان پر میں جبریلؑ کو دیکھ رہا تھا۔

میں اسی حالت میں دم بخود کھڑا رہا یہاں تک کہ خدیجہؓ نے میری تلاش میں اپنے آدمی بھیجے اور وہ مکہ میں جا کر واپس چلے آئے، میں اسی حال میں تھا کہ رات اختتام کے قریب پہنچ گئی۔ پھر جبریلؑ چلے گئے اور میں اپنے گھر والوں کے پاس آ گیا اور خدیجہؓ کے پاس آ کر اس کی رانوں کے ساتھ جھک کر بیٹھ گیا۔ انھوں نے پُوچھا: "اے ابوالقاسم! آپؐ کہاں تھے؟ بخدا میں نے تو آپؐ کی تلاش میں آدمی بھیجے جو مکہ میں جا کر واپس چلے آئے ہیں۔" میں نے کہا:

"نہ معلوم میں شاعر ہوں یا مجنون!" خدیجہؓ نے کہا: "اے ابوالقاسم! میں آپؐ کو اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں آپ یقیناً ایسے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ آپؐ کے ساتھ ایسا سلوک ہرگز نہیں کرے گا کیونکہ میں جانتی ہوں کہ آپ سچ بولنے والے، انتہائی امانت دار، محاسنِ اخلاق کے حامل اور صلۂ رحمی کرنے والے ہیں۔ اے میرے چچا کے بیٹے! کیا معاملہ ہے؟ کیا آپؐ نے کوئی چیز دیکھی ہے یا سُنی ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے خدیجہ کو سارا ماجرا سنایا۔" خدیجہؓ نے کہا: "اے میرے چچا کے بیٹے! آپؐ خوش ہو جائیے اور دلجمعی اختیار کیجئے۔ اس ذات کی قسم جس کی قسم آپؐ کھاتے ہیں، مجھے امیدِ واثق ہے کہ آپؐ اس امت کے نبی ہیں۔" پھر خدیجہؓ اٹھیں، اپنا پورا لباس زیبِ تن کیا اور ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو ان کا چچیرا بھائی تھا اور کتابیں پڑھا ہوا تھا اس نے نصرانیت اختیار کر رکھی تھی اور توراۃ و انجیل کی تعلیمات سے باخبر تھا خدیجہؓ نے وہ سارا قصہ یعنی جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا یا سنا تھا ورقہ کو من وعن سنا دیا۔ ورقہ نے کہا: "قدوس، قدوس (پاک ہے، پاک ہے)۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ورقہ کی جان ہے۔ اے خدیجہؓ! اگر آپ نے مجھ سے سچ کہا ہے تو وہ یقیناً اس امت کے نبی ہیں۔ ان کے پاس وہ ناموسِ اکبر آیا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔ آپ انہیں کہہ دیجئے کہ ثابت قدمی اختیار کریں۔" حضرت خدیجہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئیں اور جو کچھ ورقہ نے کہا تھا آپؐ کو سنایا۔ اس سے آنحضرتؐ کا وہ بوجھ اور غم جو آپؐ پر طاری تھا کافی حد تک ہلکا ہو گیا۔ غارِ حرا میں اپنی خلوت گزینی کے خاتمہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معمول کے مطابق پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ طواف کے دوران میں آپؐ کی ملاقات ورقہ سے ہو گئی اس نے آپؐ سے پوچھا: "آپ نے کیا دیکھا یا سنا؟ مجھے پورا واقعہ سنائیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنا سارا قصہ سنایا۔ ورقہ نے کہا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ورقہ کی جان ہے، یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا، آپ یقیناً اس امت کے نبی ہیں۔ آپؐ کو ایذا دی جائے گی اور جھٹلایا جائے گا۔ آپؐ سے قتال کیا جائے گا اور آپؐ کی امداد بھی ہوگی۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو ان شاء اللہ میں آپؐ کی پُر زور تائید کروں گا۔" پھر ورقہ نے اپنا سر جھکایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے وسط میں بوسہ دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے۔ ورقہ کی باتوں کے ذریعہ سے اللہ عزوجل نے آنحضرتؐ کو دلجمعی عطا فرمائی اور آپؐ کے بوجھ اور غم کو ہلکا کر دیا۔

(۱۴۱) احمد نے یونس اور اس نے قرۃ بن خالد کی وساطت سے ابو رجاء عطاردی کی یہ روایت نقل کی کہ سب سے پہلی سورۃ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی وہ اقرأ باسم ربك الذی خلق تھی۔

(۱۴۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: لوگوں کا گمان ہے کہ جب خدیجہؓ نے ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی سے آنحضرتؐ کے بارے میں ذکر کیا تو ورقہ نے یہ اشعار کہے:

ان يك حقا يا خديجة فاعلمي
حديثك ايانا فاحمد مرسل

اے خدیجہؓ! اگر تمہاری وُہ بات جو تم نے ہم سے بیان کی ہے سچی ہے تو جان لو کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

وجبريل ياتيه وميكال معهما
من الله وحي يشرح الصدر منزل

جبریلؑ اور میکائیلؑ ان کے پاس اللہ کی طرف سے وحی لے کر آتے ہیں جس سے شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے۔

يفوز به من فاز فيها بتوبة
ويشقي به العاني الغوي المضلل

جو شخص وحی کے ذریعہ سے گناہوں سے توبہ کرتا ہے وہ کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے اور سرکشی، گمراہی اور دجل و تلبیس کے وبال سے بچ کر شفا حاصل کرتا ہے۔

فريقان منهم فرقة في جنانه
واخرى باحوار الجحيم تغلل

لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک گروہ (جو وحی پر ایمان لائیگا وہ) باغوں میں داخل ہوگا اور دوسرے گروہ کو جہنم کی گہرائیوں میں بیڑیاں پہنائی جائیں گی۔

اذا ما دعوا بالويل فيها تتابعت
مقامع في هاماتهم ثم من عل

جب انھیں دوزخ میں عذاب کے لیے پکارا جائے گا تو ان کے سروں کو لوہے کے آنکڑوں کے ساتھ ہانک کر لے جایا جائے گا اور پھر اوپر سے ضربیں لگائی جائیں گی۔

يسبح من تهوي الرياح بامره
ومن هو في الايام ما شاء يفعل

وہ ضرور اس خدا کی تسبیح کرے گا جس کے حکم سے ہوائیں چلتی ہیں اور جو زمانے میں جو چاہے کرتا ہے۔

ومن عرشه فوق السماوات كلها
واقضاؤه في خلقه لا تبدل

اور وہ خدا وہ ہے جس کا عرش سارے آسمانوں کے اوپر ہے اور جس کا فیصلہ اس کی مخلوقات میں ناقابلِ تغیّر و تبدّل ہے۔

ورقہ نے اس بارے میں یہ اشعار بھی کہے :

يا للرجال لصرف الدهر والقدر
وما لشيء قضاه الله من غير

زمانہ اور قضا و قدر کے انقلابات سے لوگ پریشان حال ہیں جس چیز کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کر دیں اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

حتى خديجة تدعوني لاخبرها
وما لها بخفي الغيب من خبر

خدیجہؓ مجھے پکارتی ہے کہ میں اسے خبر دوں، اس کے پاس غیب کی خفیہ خبروں کا علم نہیں ہے۔

جاءت لتسألني عنه لاخبرها
امرا اراه سياتي الناس من اخر

وہ میرے پاس استفسار کے لیے آئی تاکہ میں اسے محمدؐ کی اس بات کے متعلق بتلاؤں جسے وہ بالآخر لوگوں کے سامنے پیش کریں گے۔

فخبرتني بامر قد سمعت به
فيما مضى من قديم الدهر والعصر

اس نے مجھے وُہ بات بتلائی جو میں نے سُن لی اور جو زمانۂ قدیم سے تاریخ کے ہر دور میں چلی آ رہی ہے۔

بان احمد یاتیہ فیخبرہ
جبریل أنك مبعوث الی البشر

یہ کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریلؑ آکر خبر دیں گے کہ آپؐ کو بنی نوعِ انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

فقلت عل الذی ترجین ینجزہ
لك الالہ فرجی الخیر وانتظری

میں نے اسے کہا کہ بھلائی کی امید رکھ اور انتظار کر۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جن کے متعلق تمھیں امید ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے تمہاری حاجت پوری کر دے۔

وارسلیہ الینا کی نسائلہ
عن امرہ ما یری فی النوم والسھر

انھیں ہمارے پاس بھیج دو تاکہ ہم ان سے اس واقعہ کے بارے میں پوچھیں جو انہوں نے خواب اور بیداری کی حالت میں دیکھا۔

فقال حین اتانا منطقا عجبا
یقف منه اعالی الجلد الشعر

جب وہ ہمارے پاس تشریف لائے تو انھوں نے عجیب بات بتلائی جس سے جلد کا بالائی حصّہ اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

انی رایت امین اللہ واجھنی
فی صورۃ اکملت فی اھیب الصور

میں نے دیکھا کہ حضرت محمدؐ اللہ کے امین ہیں اور وہ انتہائی رعب والی صورتوں میں سے مکمل ترین شکل میں میرے سامنے موجود ہیں۔

ثم استمر فکاد الخوف یذعرنی
مما یسلم ما حولی من الشجر

وہ اسی حالت پر قایم رہا اور میں اس اندیشہ سے خوفزدہ ہوں کہ میرا ماحول مخالفتوں کی آماجگاہ ہے۔

فقلت ظنی وما ادری ایصدقنی
ان سوف یبعث یتلو منزل السور

میں نے اپنا گمان بیان کیا ہے اگر اسے مبعوث کیا گیا تو وہ نازل شدہ سورتیں تلاوت کرے گا اور میرے گمان کی تصدیق ہو جائے گی۔

وسوف ابلیك ان اعلنت
دعوتھم من الجھاد بلا من ولا کدر

اگر تو انھیں علانیہ تبلیغ کرے تو جہاد کے ذریعے تمہاری آزمائش کی جائے گی۔ اس ضمن میں احسان اور کدورت بے اثر ثابت ہوں گے۔

(۱۴۳) نظر لگنے کے بارے میں آنحضرتؐ کا معمول

احمد نے یونس بن بکیر کے حوالہ سے محمد بن اسحاق سے اور اس نے عبداللہ بن ابی بکر کی وساطت سے ابو جعفر کی روایت نقل کی۔ ابو جعفر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں نزولِ وحی سے قبل اکثر نظر لگ جاتی تھی۔ خدیجہؓ بنت خویلد مکہ کی ایک بوڑھی عورت کو بلاتی تھیں اور وہ بڑھیا دعا پڑھ کر آپؐ پر دم کرتی تھی۔ بعد ازاں آنحضرتؐ پر قرآن نازل ہُوا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ کو پہلے کی طرح نظر لگ گئی تو حضرت خدیجہؓ نے آپؐ سے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! کیا میں اس بڑھیا کو بُلا بھیجوں تاکہ وہ آپؐ پر دم کرے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

(۱۴۴) انبیاء کا بکریاں چرانا

احمد نے یونس کے حوالہ سے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت نقل کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔" عرض کیا گیا: "یا رسول اللہ! کیا آپؐ نے بھی؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں، میں نے بھی۔"

(۱۴۵) احمد نے یونس بن بکیر کے حوالہ سے یونس بن عمرو سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے عبیدہ نصری کی روایت نقل کی۔ عبیدہ نے کہا: ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اونٹوں کے چرواہے اور بکریوں کے گڈریے اپنے اپنے مفاخر پر فخر کر رہے تھے۔ اس تفاخر میں اونٹوں کے چرواہوں نے بکریاں چرانے والوں پر برتری حاصل کرنے کے لیے انہیں کہا: "بکریاں چرانے والو! تمہاری حیثیت کیا ہے؟ تم دوڑنا چاہتے ہو یا شکار کرنا چاہتے ہو؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے آپؐ نے فرمایا: "موسٰی علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا حالانکہ وہ بکریاں چراتے تھے۔ داؤد علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا وہ بھی بکریاں چراتے تھے۔ مجھے مبعوث کیا گیا اور میں بھی اپنے خاندان کی بکریاں اجیاد میں چرایا کرتا تھا۔" اس طرح آنحضورؐ نے ان کو نیچا دکھایا۔

(۱۴۶) نبیوں کے وصی اور اسباط

احمد نے یونس کے حوالہ سے عبید بن عتیبہ عبدی سے اور اس نے وہب بن کعب بن عبداللہ بن سُور ازدی کی وساطت سے سلمان فارسیؓ کی روایت نقل کی۔ سلمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: "یا رسولؐ اللہ! کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کا ایک وصی اور دو سبط نہ ہوں۔ آپؐ کا وصی اور آپؐ کے سبطین کون ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی اور اس استفسار کے جواب میں کچھ نہ فرمایا۔ سلمانؓ اس حال میں چلے گئے کہ جب مسلمانوں میں سے کسی فردِ مسلم سے ان کی ملاقات ہوتی تو کہتے: "ہائے افسوس! ہائے افسوس!" لوگوں نے پوچھا: "اے سلمان الخیر! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟" سلمان جواب دیتے: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک چیز کے متعلق سوال کیا لیکن آنحضرتؐ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا، مجھے خدشہ ہے کہ آنحضرتؐ نے ناراضی کی بناء پر یہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ادا کر چکے تو فرمایا: "سلمان! میرے قریب آؤ۔" سلمانؓ یہ الفاظ کہتے ہوئے آنحضرتؐ کے قریب گئے:

اعوذ باللہ من غضبہ وغضب رسولہ۔	میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی ناراضی سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "تم نے مجھ سے ایک چیز کے متعلق سوال کیا تھا لیکن اس کے متعلق مجھے اللہ کی

رف سے کوئی حکم موصول نہیں ہوا تھا، اب اللہ کا پیغام آ چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے چار انبیاء مبعوث
رمائے جن کے چار ہزار وصی اور آٹھ ہزار سبط تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے
ں سب نبیوں سے عالی مرتبت ہوں۔ میرا وصی سب اوصیأ سے اور میرے سبطین جملہ اسباط سے
ضل ہیں۔

حصہ سوم

باب ۱۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

(۱۴۷) سیدنا محمدؐ پر ایمان لانے اور آپؐ کی مدد کرنے کے لیے انبیاؑ کا عہد و پیمان

ابو الحسین احمد بن محمد بن النقور البزاز نے ابو طاہر محمد بن عبد الرحمان المخلص کی وساطت سے ابو الحسین رضوان بن احمد کی روایت نقل کی۔ ابو الحسین نے کہا کہ ابو عمر احمد بن عبد الجبار عطاردی نے یونس بن بکیر کے حوالہ سے ابن اسحاق کی یہ روایت بیان کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا جہان کے لیے رحمت اور تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے قبل مبعوث کردہ ہر نبی سے آپؐ پر ایمان لانے، آپؐ کی تصدیق کرنے اور آپؐ کے مخالفین کے مقابلہ میں آپؐ کی مدد کرنے کا عہد لیا تھا، نیز ان سے یہ وعدہ بھی لیا تھا کہ جو لوگ ان پر ایمان لائیں اور ان کی تصدیق کریں ان تک بھی یہ عہد و پیمان پہنچا دیں۔ چنانچہ اس بارے میں ان کے ذمہ جو حق تھا وہ انھوں نے پہنچا دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

و اذ اخذ اللہ میثاق النبیّٖن لما اٰتیتکم من کتٰب و حکمۃ ثم جآءکم رسول مصدّق لما معکم لتؤمننّ بہٖ و لتنصرنّہٗ ؕ قال ءاقررتم و اخذتم علٰی ذٰلکم اصری ؕ قالوا اقررنا ؕ قال فاشھدوا و انا معکم من الشّٰھدین ۝ (آل عمران - ۸۱)	اور یاد کرو، اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ "آج ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی" یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا "کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟" انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: "اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے آپؐ کی تصدیق اور آپؐ کے مخالفوں کے مقابلہ میں آپؐ کی امداد کا وعدہ لیا تھا۔ پھر انہوں نے اس عہد کو ان لوگوں تک پہنچا دیا جو ان دونوں کتابوں (توراۃ و انجیل) کے حاملین میں سے ان پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان کی تصدیق کی۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو کعبہ کی تعمیر جدید کے پانچ سال بعد مبعوث فرمایا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کی تھی۔

(۱۴۸) پہلی وحی کی تاریخِ نزول

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی ابتدا ماہِ رمضان میں ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن ھدی للناس وبینٰت من الھدیٰ والفرقان ج (البقرہ - ۱۸۵)

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا انزلناہ فی لیلة القدر ٥ ...... الخ (سورة القدر)

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا اور تم کیا جانو کہ شبِ قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اذن پر حکم لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوعِ فجر تک۔

اور یہ بھی فرمایا:

حٰمٓ ٥ والکتٰب المبین ٥ انا انزلنٰه فی لیلة مبٰرکة انا کنا منذرین ٥ (الدخان ۱-۳)

ح، میم۔ قسم ہے اس کتابِ مبین کی کہ ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے کیونکہ ہم لوگوں کو متنبہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

نیز فرمایا:

ان کنتم اٰمنتم باللہ وما انزلنا علیٰ عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعٰن ط (الانفال - ۴۱)

اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو فیصلے کے روز، یعنی دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ کے دن، ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان یہ مڈبھیڑ بدر کے مقام پر ہوئی۔

(۱۴۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے ابوجعفر محمد بن علی بن حسین نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کا مقابلہ جنگِ بدر میں ماہِ رمضان کی سترہ تاریخ کو جمعہ کی صبح کو ہوا تھا آخر یونس نے اور اس نے اسباط بن نصر کے حوالہ سے اسماعیل بن عبدالرحمٰن سے

روایت کی کہ جنگ بدر جمعہ کے دن سترہ ماہ رمضان کو ہوئی تھی۔

(۱۵۰) احمد نے یونس سے اور اس نے ..... خالد سے روایت کی کہ میں نے عبدالرحمان بن قاسم سے لیلۃ القدر کے متعلق پوچھا اس نے کہا کہ زید بن ثابت ؓ سترہ تاریخ کی رات کو شب قدر قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس تاریخ کو جنگِ بدر ہوئی تھی۔

(۱۵۱) احمد نے یونس سے اور اس نے بسر بن ابی حفص کندی دمشقی کی وساطت سے مکحول کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال ؓ کو فرمایا: "خبردار! پیر کے دن کا روزہ باقاعدگی سے رکھا کرو کیونکہ میری پیدائش پیر کو ہوئی۔ پیر کے دن مجھ پر پہلی وحی نازل کی گئی، میں نے پیر کے دن ہجرت اختیار کی اور پیر کو ہی میرا انتقال ہوگا۔

(۱۵۲) احمد بن عبدالجبار نے محمد بن فضیل کے حوالہ سے عاصم بن کلیب سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے عبداللہ بن عباس ؓ کی روایت نقل کی۔ ابن عباس ؓ نے فرمایا: "میں حضرت عمر ؓ بن خطاب کے پاس تھا۔ آپ کے پاس آپ کے رفقاء بھی تھے۔ حضرت عمر ؓ نے ان سے پوچھا: کیا آپ لوگوں نے شبِ قدر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول دیکھا ہے؟:

التمسوھا فی العشر الاواخر وترا۔ — یعنی شبِ قدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق رات میں تلاش کرو۔

تمہارے خیال میں وہ کون سی رات ہے؟ ان میں سے بعض نے کہا کہ پہلی رات، بعض نے تیسری رات کے حق میں رائے دی، بعض نے پانچویں رات کو شبِ قدر قرار دیا اور بعض نے ساتویں کو۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ میں اس دوران میں سکوت اختیار کیے ہوئے تھا۔ حضرت عمر ؓ نے مجھ سے پوچھا: "تم نے کیوں چُپ سادھ رکھی ہے؟" میں نے کہا: "میری خاموشی آپ کے اس حکم کی وجہ سے ہے کہ میں اس وقت تک بات نہ کروں جب تک کہ یہ سب گفتگو نہ کرلیں۔" حضرت عمر ؓ نے فرمایا: "میں نے تمہیں اسی لیے تو بلایا ہے کہ تم بھی اس مکالمہ میں شرکت اختیار کرو۔" حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: "میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت و من الارض مثلھن۔ (الطلاق-۱۲) — اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنانے اور زمین کی قسم سے بھی انہی کے مانند۔

اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسانی کی سات حالتیں بیان فرمائیں اور نباتات کی سات قسمیں پیدا کیں۔" حضرت عمر ؓ نے فرمایا: "یہ جو کچھ تم نے کہا ہے میرے علم میں ہے لیکن تمہارے اس قول کا مفہوم مجھے معلوم نہیں ہے کہ نباتات کی سات قسمیں پیدا کی گئی ہیں۔" حضرت ابن عباس ؓ نے کہا کہ میں نے جواباً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پیش کیا:

ثم شققنا الارض شقا ہ فانبتنا فیھا حبا ہ وعنبا وقضبا ہ وزیتونا — پھر زمین کو عجیب طرح پھاڑا پھر اس کے اندر اگائے غلّے اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغ اور طرح طرح کے

ونخلاں وحدآئق غلباہ وفاکھۃ واباہ   پھل اور چارے۔
(عبس۔ ۲۶-۳۱)

(حضرت ابن عباس کے نزدیک ’حدائق‘ ایسے باغوں کو کہتے ہیں جن کے اردگرد کھجوروں اور دوسرے درختوں کی ایک چاردیواری ہو۔ اور ’اب‘ سے مراد وہ چارے ہیں جو جانور اور مویشی کھاتے ہیں اور انسان نہیں کھاتے)
اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے رفقاء سے فرمایا "کیا تم وہ باتیں بتانے سے عاجز ہو جو اس لڑکے نے بیان کی ہیں جس کے سر کی ہڈیوں کے جوڑ ابھی مجتمع نہیں ہوئے۔ بخدا! میری رائے بھی اس مسئلہ میں یہی ہے جس طرح ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے۔"

(۱۵۳) اولوالعزم رسول اور سیدنا یونسؑ کا طرزِ عمل

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی مسلسل آتی رہی۔ آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ پر ایمان تھا اور آپؐ کے پاس جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام آتے تھے آپؐ ان کی تصدیق کرتے تھے اور صدق دل سے ان کو قبول کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ پر جو بوجھ بھی ڈالا آپؐ نے اسے لوگوں کی خوشنودی اور ناراضی کے علی الرغم برداشت کیا۔ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے جو پیغام لے کر آتے ہیں اس کی تبلیغ کے ردعمل کے طور پر وہ لوگوں کے مظالم کا تختۂ مشق بنتے ہیں۔ نبوت کے بارگراں کی ذمہ داری اس قسم کی ہے کہ صرف اولوالعزم رسول ہی اسے اٹھانے کی استطاعت رکھتے ہیں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی امداد اور توفیق سے۔

(۱۵۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے ربیعہ بن ابی عبدالرحمن نے بتایا کہ اس نے ابن منبہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ ابن منبہ اس وقت منیٰ کی مسجد میں تھے۔ ابنِ منبہ کے سامنے حضرت یونسؑ کا ذکر کیا گیا تو اس نے کہا کہ یونسؑ اللہ تعالیٰ کے ایک صالح بندے تھے ان کا مزاج عاجزانہ تھا آپ پر بارِ نبوت ڈالا گیا۔ ظاہر ہے کہ نبوت کا بوجھ بہت بھاری ہوتا ہے۔ جب آپ پر نبوت کی ذمہ داری ڈالی گئی تو آپ اس کے نیچے دب گئے اور آپ کی کیفیت اس بوجھ اٹھانے والی لکڑی کی طرح ہوگئی جو بوجھ کی زیادتی کی وجہ سے ٹوٹ جانے والی ہو۔ چنانچہ انھوں نے اس بوجھ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی اور (وہ اس بستی سے جس کی اصلاح پر وہ مامور تھے اللہ تعالیٰ کے حکم ثانی کا انتظار کیے بغیر) بھاگ نکلے۔

(۱۵۵) حضرت خدیجہؓ، پہلی مومنہ خاتون

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا کہ حضرت خدیجہؓ پہلی

خاتون ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی تصدیق کی۔ حضرت خدیجہؓ ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے کام میں آسانی پیدا کر دی۔ جب مخالفین کی تکذیب اور ان کی طرف سے مکروہ باتیں سننے کی وجہ سے آپؐ رنجیدہ خاطر ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس رنج والم کو خدیجہؓ ہی کے ذریعہ رفع کرتا تھا۔ جب آپؐ خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے تو وہ آپؐ کو دلجمعی عطا کرتیں، آپؐ کا بوجھ ہلکا کر دیتیں، آپؐ کی تصدیق کرتیں اور اس طرح لوگوں کی بدسلوکی کے باعث آپؐ کو جو پریشانی لاحق ہوتی وہ دور ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہؓ پر رحم فرمائیں۔

(۱۵۶) سچے خواب

احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق کے حوالہ سے زہری سے اور اس نے عروہ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی۔ ام المومنین نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو شرفِ نبوت سے نوازنے اور اپنے بندوں پر نزولِ رحمت کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے خواب کی حالت میں آپؐ پر اسرار منکشف ہونے لگے۔ آپؐ خواب میں جو کچھ دیکھتے وہ ایسا ہوتا جیسے آپؐ صبح کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں اور بعینہٖ اسی طرح پیش آتا تھا۔ آپؐ کی یہ کیفیت اس وقت تک برقرار رہی جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پھر آپؐ خلوت پسند ہو گئے اور آپؐ کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ پسندیدہ نہ تھی کہ آپؐ تنہائی اختیار کریں۔

(۱۵۷) ورقہ بن نوفل سے ملاقات

احمد نے یونس بن بکیر سے اور اس نے یونس بن عمرو کے حوالہ سے ابی میسرہ عمرو بن شرحبیل کی یہ روایت نقل کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہؓ کو بتلایا کہ "جب میں اکیلا ہوتا ہوں تو میں ایک ندا سنتا ہوں۔ بخدا! مجھے ڈر ہے کہ مجھ پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔" خدیجہؓ نے کہا: "خدا کی پناہ! اللہ تعالیٰ کبھی آپؐ کو رنج میں مبتلا نہ کرے گا، بخدا! آپؐ امانتیں ادا کرتے ہیں، رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں۔"

جب ابوبکرؓ آپؐ کے ہاں تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت گھر پر موجود نہ تھے، حضرت خدیجہؓ نے ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماجرا سنایا اور انہیں کہا: "اے عتیق! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ کے پاس لے جاؤ۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو ابوبکرؓ نے آپؐ کے دستِ مبارک کو تھاما اور کہا: "چلو، ورقہ کے پاس چلیں۔" آنحضرتؐ نے پوچھا: "تمہیں کس نے بتایا ہے؟" ابوبکرؓ نے جواب دیا: "خدیجہ نے۔" چنانچہ دونوں حضرات ورقہ کے پاس گئے اور اسے سارا قصہ سنایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتلایا کہ جب میں اکیلا ہوتا ہوں تو میں اپنے پیچھے یہ آواز سنتا ہوں "یا محمد، یا محمد!" اور میں بھاگ جاتا ہوں

ورقہ نے کہا: "آپؐ ایسا نہ کریں بلکہ جب آپؐ کو پکارا جائے تو ثابت قدمی اختیار کر کے اس پیغام کو سُنیں اور پھر آکر مجھے بتلائیں۔" اس کے بعد جب آپؐ تنہائی میں تھے تو جبریلؑ نے آپؐ کو آواز دی: "یا محمد! یا محمد! کہو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔

الحمد للہ رب العلمین ○ الرحمٰن الرحیم ○ ملک یوم الدین ○ ایاک نعبد وایاک نستعین ○ اھدنا الصراط المستقیم ○ صراط الذین انعمت علیھم ۵ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ○ (الفاتحہ)"

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے، رحمان اور رحیم ہے، روزِ جزا کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام فرمایا، جو معتوب نہیں ہوئے، جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔

پھر کہا: "کہو:

لآ اِلٰہ اِلاّ اللہ۔" (اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے)

آنحضرتؐ ورقہ کے پاس تشریف لائے اور اسے سارا ماجرا سنایا۔ ورقہ نے آپؐ سے کہا: "خوش ہو جائیے، آپؐ کو بشارت ہو، آپؐ وہی رسول ہیں جن کی بشارت ابنِ مریمؑ نے دی تھی اور آپؐ وہ رسول ہیں جو موسیٰؑ کے پاس آیا تھا۔ آپؐ نبی مرسل ہیں۔ آپؐ کو عنقریب جہاد کا حکم دیا جائے گا۔ اگر میری عمر نے اس وقت تک وفا کی تو میں آپؐ کی پُر زور مدد کروں گا۔" جب ورقہ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے ایک نصرانی عالم کو جنت میں دیکھا ہے جو ریشم کا لباس زیبِ تن کیے ہوئے ہے کیونکہ وُہ مجھ پر ایمان لایا تھا اور اس نے میری تصدیق کی تھی۔" آنحضرتؐ کا یہ اشارہ ورقہ کی جانب تھا۔

(۱۵۸) یونس نے ہشام بن عروہ کے حوالہ سے اس کے باپ عروہ کی روایت نقل کی۔ عروہ نے کہا کہ ورقہ کے ایک بھائی نے ورقہ کی بے عزتی کی۔ اس آدمی نے ورقہ کو پکڑ لیا اور اسے گالیاں دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے ورقہ کے بھائی کو کہا: "کیا تم جانتے ہو کہ میں نے ورقہ کے لیے ایک باغ یا دو باغ دیکھے ہیں؟" پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ورقہ کو سبّ وشتم کیا جائے۔

(۱۵۹) حضرت خدیجہؓ کا جبریلؑ کو شیطان سے تمیز کرنا

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے اسماعیل بن ابی حکیم مولی زبیر نے بتلایا کہ اس سے خدیجہؓ کی یہ روایت بیان کی گئی: جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شرفِ نبوت سے نوازا تو خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کی دلجمعی کی خاطر آپؐ کو کہا: "اے میرے چچا کے بیٹے! آپؐ کے

وہ ساتھی جو آپؐ کے پاس آتے ہیں کیا ان کی آمد پر آپؐ مجھے بتلائیں گے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں!" حضرت خدیجہؓ نے عرض کی: "جب وہ آئیں تو آپ مجھے اطلاع دیں۔" ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تھے کہ یکایک جبریلؑ تشریف لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا تو فرمایا: "خدیجہؓ! یہ جبریلؑ میرے پاس آئے ہیں۔" خدیجہؓ نے پوچھا: "کیا آپؐ انھیں دیکھ رہے ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں۔" خدیجہؓ نے عرض کی: "آپؐ میری بائیں جانب تشریف لے آئیں۔" آپؐ بائیں جانب آکر بیٹھ گئے۔ حضرت خدیجہؓ نے پوچھا: "کیا آپؐ اب بھی انھیں دیکھ رہے ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں۔" خدیجہ نے عرض کی: "آپؐ میری دائیں جانب تشریف لے آئیں۔" آپؐ اٹھے اور خدیجہؓ کے دائیں جانب آکر بیٹھ گئے۔ خدیجہ نے دریافت کیا: "کیا آپؐ انھیں دیکھ رہے ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں"۔ حضرت خدیجہؓ نے پھر عرض کی: "آپؐ آکر میری گود میں بیٹھ جائیں۔" رسول اللہ گود میں بیٹھ گئے تو حضرت خدیجہؓ نے پوچھا: "کیا آپؐ اب بھی انھیں دیکھ رہے ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں۔" پھر حضرت خدیجہؓ نے اپنا چہرہ کھول دیا اور اپنی اوڑھنی اتار دی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے پوچھا: "کیا آپؐ انھیں دیکھ رہے ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "نہیں۔" حضرت خدیجہؓ نے کہا: "اے میرے چچا کے بیٹے! یہ شیطان نہیں بلکہ فرشتہ ہیں، آپؐ دلجمعی اختیار کریں، آپؐ کو بشارت ہو۔" پھر خدیجہؓ ایمان لائیں اور انھوں نے گواہی دی کہ آپؐ کے پاس جبریلؑ جو کچھ لائے ہیں وہ برحق ہے۔

(۱۶۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی، ابن اسحاق نے کہا: میں نے یہ حدیث عبداللہ بن حسین سے بیان کی تو انھوں نے کہا کہ میں نے اپنی ماں فاطمہ بنت حسین کو حضرت خدیجہؓ سے یہ روایت کرتے ہوئے سنا اس میں صرف یہ اختلاف تھا میں نے انھیں کہتے ہوئے سُنا کہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کو اپنے کُرتے کے اندر داخل کرلیا اور اس وقت جبریلؑ چلے گئے۔ چنانچہ خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "یقیناً یہ فرشتہ ہیں، شیطان نہیں۔"

(۱۶۱) تخلیقِ آدم اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت

یونس نے زکریا بن ابی زائدہ کی وساطت سے عامر شعبی کی روایت نقل کی۔ عامر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا گیا: "آپؐ نے نبوت کب حاصل کی؟" آنحضرتؐ نے جواب دیا: "جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور ان میں روح پھونکی گئی۔"

(۱۶۲) بعثت کے بعد آنحضرتؐ کے مکہ اور مدینہ میں قیام کی مدت

یونس نے ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع انصاری سے اور اس نے ایک شخص کی وساطت سے سعید بن مسیب کی روایت نقل کی۔ سعید نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اس وقت آپؐ کی عمر تینتالیس ۴۳ سال کی تھی۔ اس کے بعد آپؐ نے دس سال مکہ میں قیام فرمایا اور دس سال مدینہ میں۔

(۱۶۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اس وقت آپؐ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ بعدازاں آپؐ نے دس سال مکہ میں قیام فرمایا اور دس سال مدینہ میں۔

(۱۶۴) طریقِ تبلیغ و دعوت

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی رسالت کے معاملہ میں صبر سے کام لیں اور جو کچھ آپؐ کو حکم دیا جائے اس کی تبلیغ کرتے جائیں۔

(۱۶۵) یونس نے عیسٰی بن عبداللہ تمیمی سے اور اس نے ربیع بن انس سے ابوالعالیہ کی یہ روایت نقل کی اللہ تعالٰی نے فرمایا:

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل۔ (الاحقاف۔ ۳۵)	پس اے نبیؐ! صبر کرو، جس طرح اولوا العزم رسولوں نے صبر کیا ہے۔

یہ اولوا العزم رسول حضرات نوح، ہودؑ اور ابراہیم علیہم السلام ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ اسی طرح صبر کریں جس طرح رسولوں نے صبر کیا۔ یہ تین تھے اور چوتھے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا:

یٰقوم ان کان کبر علیکم مقامی و تذکیری بایٰت اللہ فعلی اللہ توکلت فاجمعوا امرکم و شرکآءکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃ ثم اقضوا الی و لا تنظرون ٥ (یونس۔ ۷۱)	اے برادرانِ قوم! اگر میرا تمہارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیات سنا سنا کر تمہیں غفلت سے بیدار کرنا تمہارے لیے ناقابلِ برداشت ہوگیا ہے تو میرا بھروسا اللہ پر ہے۔ تم اپنے ٹھہراتے ہوئے شریکوں کو ساتھ لے کر ایک متفقہ فیصلہ کرلو اور جو منصوبہ تمہارے پیشِ نظر ہو اس کو خوب سوچ سمجھ لو تاکہ اس کا کوئی پہلو تمہاری نگاہ سے پوشیدہ نہ رہے۔ پھر میرے خلاف اس کو عمل میں لے آؤ اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔

اس طرح حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے جدائی کا اظہار برملا کردیا۔

عاد نے ہودؑ کا انکار کیا اور کہا:

ان نقول الا اعترٰک بعض اٰلہتنا بسوٓء ط (ھود۔ ۵۴)	ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے۔

اس کے جواب میں حضرت ہودؑ نے فرمایا:

قال انی اشہد اللہ واشہدوا انی بریٓئ مما تشرکون ○ (ھود - ۵۴)	ہود نے کہا: میں اللہ کی شہادت پیش کرتا ہوں اور تم گواہ رہو کہ یہ جو اللہ کے سوا دُوسروں کو تم نے خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا ہے اس سے میں بیزار ہوں۔

اس طرح حضرت ہودؑ نے بھی اپنی قوم سے جُدائی کا اظہار کر دیا۔

ابراہیمؑ کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے:

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا برءٓؤ منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضآء ابدًا حتی تؤمنوا باللہ وحدہٗ۔ (الممتحنۃ - ۴)	تم لوگوں کے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا "ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پُوجتے ہو قطعی بیزار ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا جب تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔"

یہ ابراہیمؑ اور ان کی قوم کے درمیان اظہارِ مفارقت ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی نھیت ان اعبد الذین تدعون من دون اللہ۔ (الانعام - ۵۶) (المومن - ۶۶)	مجھے تو ان ہستیوں کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر مشرکین کو یہ آیت سنائی اور ان سے کھلم کھلا اظہارِ مفارقت کیا۔

(۱۶۶) نزولِ وحی کے بعد وقفہ

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر کچھ مدت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے نزول کا سلسلہ بند رہا جس سے حضورؐ سخت پریشان اور غمگین ہو گئے۔ اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ آپؐ نے اپنے جی میں کہا: مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرا رب مجھ سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اسی وقت جبریلؑ سورۃ الضحیٰ لے کر تشریف لائے جس میں دن کی روشنی کی قسم کھائی گئی ہے۔ جبریلؑ نے یہ کہہ کر آپؐ کو تسلی دی کہ آپؐ کے رب نے آپؐ کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ فرمایا:

والضحیٰ ○ والیل اذا سجیٰ ○	قسم ہے روزِ روشن کی اور رات کی جبکہ وہ سکون کے ساتھ طاری



مسجد قبلتین

ماودعك ربك وما قلٰی ٥ وللاٰخرة خیرٌ لك من الاولٰی ٥ ولسوف یعطیك ربك فترضٰی ٥ الم یجدك یتیماً فاٰوٰی ٥ ووجدك ضاٰلا فهدٰی ٥ ووجدك عاٰئلا فاغنٰی ٥ فاما الیتیم فلا تقهر ٥ واما السائل فلا تنهر ٥ واما بنعمة ربك فحدث ٥

ہو جائے۔ (اے نبیؐ!) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا (یعنی وہ آپؐ سے کبھی ناراض نہیں ہوا) تمہارے لیے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے (یعنی آخرت میں میرے ہاں واپسی پر جو مرتبہ آپؐ کو ملے گا وہ اس بزرگی سے بڑھ کر ہے جو میں نے آپؐ کو اس دنیا میں عطا کی ہے) اور عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے (یعنی دنیا میں فتح و کامرانی اور آخرت میں ثواب عظیم) کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟ اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا (یعنی اللہ تعالیٰ آپؐ کو یاد دلاتا ہے کہ اس نے کس طرح اس دنیا میں آپؐ پر یتیمی، ناداری اور ناواقفی کی حالت میں احسانات کئے اور بہترین طریقے سے آپؐ کی دستگیری کر کے آپؐ کی حالت کو سدھار دیا) لہذا یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو (یعنی آپؐ کو چاہیے کہ آپؐ متکبر اور جبار نہ ہوں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے کمزور بندوں کے ساتھ بخل اور بد مزاجی کا مظاہرہ کریں) اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو (یعنی اللہ کی طرف سے آپؐ کو جو بزرگی اور نبوت کی نعمت عطا کی گئی ہے اس کا اظہار کرو اور تبلیغ و دعوت کا حق ادا کرو اور لوگوں کو بتاؤ کہ نبوت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر اور بندوں پر کتنا عظیم احسان کیا ہے)

(۱۶۷) احمد نے یونس کے حوالہ سے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت خدیجہؓ کی روایت نقل کی۔ خدیجہؓ نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی میں تاخیر ہوئی تو آپؐ سخت غمگین ہو گئے۔ جب میں نے آپؐ کا یہ غم و حزن دیکھا تو میں نے کہا کہ آپ کی غمگینی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کا رب آپؐ سے ناراض ہو گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ماودعك ربك وما قلٰی ٥ (اے نبیؐ!) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔

(۱۶۸) یونس نے عمرو بن ذر کے حوالہ سے اپنے باپ سے اور اس نے سعید بن جبیر کی وساطت سے ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ سے یہ آرزو ظاہر فرمائی کہ آپؐ ہمارے پاس ذرا زیادہ

آیا کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں جبریلؑ کی طرف سے آنحضرتؐ کی فرمائش کا جواب دیا گیا:

وما نتنزل الا بامر ربك ج له ما بين ايدينا وما خلفنا وما بين ذالك ج وما كان ربك نسيا o (مریم - ۶۴)	اے محمدؐ! ہم تمہارے رب کے حکم کے بغیر نہیں اترا کرتے، جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے۔ ہر چیز کا مالک وہی ہے اور تمہارا رب بھولنے والا نہیں ہے۔

(۱۶۹) وضو اور نماز کی تعلیم

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز فرض ہوئی تو جبریلؑ آنحضرتؐ کے پاس آئے انھوں نے وادی کے کنارے کو ایڑی سے ٹھوکر لگائی جس سے پانی کا ایک چشمہ اُبل پڑا۔ جبریلؑ نے وضو کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر آپؐ نے اپنا منہ دھویا، کلی کی اور ناک جھاڑی، سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا ———— اور دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے اور خوب پانی چھڑکا۔ پھر اٹھ کر دو رکعت نماز پڑھی اور چار سجدے کیے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور جی کو خوشی عطا کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو وہ کچھ حاصل ہوا جو آپؐ کو محبوب تھا پھر آپ خدیجہؓ کو لے کر چشمے پر آئے اسی طرح وضو کیا جس طرح جبریلؑ نے وضو کیا تھا۔ پھر آپؐ نے اور خدیجہؓ نے دو رکوع اور چار سجدے کیے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ اور خدیجہؓ اسی طرح چھپ کر نماز ادا کرتے رہے۔

(۱۷۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، مجھ سے صالح بن کیسان نے، اس نے عروہ بن زبیر سے اور اس نے عائشہؓ سے بیان کیا کہ جب پہلے پہل نماز فرض ہوئی تو دو دو رکعتیں فرض کی گئیں پھر حضر میں انھیں پورا کر کے چار رکعتیں کر دیا گیا اور مسافر کے لیے ان کی ابتدائی فرضیت یعنی دو دو رکعت بحال رکھی گئی۔ راوی نے کہا کہ میں نے یہ بات عمر بن عبدالعزیزؒ سے بیان کی اور انھوں نے عروہ سے کہا: تم نے مجھے یہ بات بتائی تھی کہ حضرت عائشہؓ سفر میں چار رکعت پڑھا کرتی تھیں۔[1] جب عروہ آیا تو میں نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ یہ وہ شخص نہیں ہو گا جس سے میں نے یہ بات دریافت کی تھی۔ عروہ نے پھر وہی بات بتائی۔ عمرؒ نے فرمایا: "میں نہیں جانتا کہ تمہاری یہ باتیں کیا ہیں!" پھر انہوں نے پہلو بدلا، اپنی مسند سے اُترے اور اندر چلے گئے۔

---

[1] اصل متن جس سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے یہ نسخہ مرتب کیا ہے اس میں یہاں پر خلا موجود ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں پر جو عبارت رہ گئی ہے اس کی وجہ سے مضمون خاصا گنجلک ہو گیا ہے شاید اسی لیے ابنِ ہشام نے اپنی کتاب "سیرۃ النبیؐ" میں ابن اسحاق کی اس روایت کے آخری حصے کو کلیۃً حذف کر دیا ہے۔ (مترجم)

(۱۷۱) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہ رض کی روایت نقل کی حضرت عائشہ رض نے فرمایا: جب ابتداء میں نماز فرض ہوئی تو دو دو رکعتیں فرض کی گئیں۔ بعدازاں مسافر کے لیے ان کی ابتدائی فرضیت یعنی دو رکعت بحال رکھی گئی اور مقیم کے لیے انھیں پورا کر کے چار رکعت کر دیا گیا۔

(۱۷۲) یونس نے سالم مولیٰ ابی المہاجر سے روایت نقل کی۔ سالم نے کہا میں نے میمون بن مہران کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ پہلے پہل نماز دو دو رکعت تھی بعدازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعتیں پڑھیں اور یہی سنتِ ثابتہ ہے اور دو رکعتیں مسافر کے لیے برقرار رکھی گئیں اور اس کے لیے یہی پوری نماز ہے۔

باب ۱۶

حضرت علیؓ بن ابی طالب کا اسلام لانا

(۱۷۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: پھر اس کے دو دن بعد حضرت علیؓ بن ابی طالب آئے۔ اُنھوں نے ان دونوں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ) کو حالتِ نماز میں دیکھ لیا اور پُوچھا: "اے محمدؐ! یہ کیا ہے؟" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ اللہ کا دین ہے جسے اس نے اپنے لیے پسند کیا ہے اور جس کے ساتھ اس نے اپنے رسول مبعوث فرمائے ہیں۔ پس میں تمہیں بھی ایک خدا پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے اور لات وعزّٰی کا انکار کرنے کی دعوت دیتا ہُوں۔" حضرت علیؓ نے عرض کیا: "یہ ایسی بات ہے جو آج سے پہلے میں نے کبھی نہ سُنی تھی میں اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک (اپنے باپ) ابو طالب سے نہ پوچھ لُوں۔" حضورؐ کو یہ بات ناپسند تھی کہ اسلام کے استعلاء سے قبل ہی آپؐ کا راز فاش ہو جائے۔ اس لیے آنحضرتؐ نے فرمایا: "اے علیؓ! اگر تم قبول نہیں کرتے تو اس بات کو مخفی رکھو۔" حضرت علیؓ نے اس رات توقف کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا اور انہوں نے صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پُوچھا: "اے محمدؐ! کل آپؐ نے میرے سامنے کیا بات پیش کی تھی؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، نیز تمہیں چاہیے کہ تم لات اور عزّٰی کا انکار کرو اور اللہ کے سوا دوسرے شریکوں سے قطعِ تعلق کر لو۔" حضرت علیؓ نے تعمیل کی اور اسلام قبول کر لیا لیکن ابو طالب کے خوف سے اپنا اسلام مخفی رکھا اور اس کا اظہار نہ کیا۔ زیدؓ بن حارثہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ تقریباً ایک ماہ تک ان دونوں کا اسلام مخفی رہا۔ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اکثر آتے جاتے تھے اور حضرت علیؓ کو اللہ تعالیٰ نے جن انعامات سے نوازا ان میں سے ایک انعام یہ بھی تھا کہ وہ اسلام سے قبل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ تربیت میں تھے۔

(۱۷۴) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق سے اور اس نے عبداللہ بن ابی نجیح کی وساطت سے مجاہد کی روایت نقل کی۔ مجاہد نے کہا: جب حضرت علیؓ نے اسلام قبول کیا تو وہ دس سال کے تھے۔

(۱۷۵) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق سے، اس نے یحییٰ بن ابی اشعث کندی (از اہلِ کوفہ) سے، اس نے اسماعیل بن ایاس بن عفیف سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے اپنے دادا عفیف کی روایت نقل کی۔

عفیف نے کہا: میں ایک تجارت پیشہ شخص تھا، میں حج کے موسم میں منیٰ آیا، حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی تجارت کا کاروبار کرتے تھے، میں ان کے پاس خرید و فروخت کے لیے گیا۔ اسی دوران میں ایک شخص ایک چھوٹے خیمے سے نکلا اور کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز کے لیے کھڑا ہوگیا۔ اس کے بعد ایک عورت آئی وہ بھی اس کے ساتھ نماز کے لیے کھڑی ہوگئی پھر ایک لڑکا آیا وہ بھی ان کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑا ہوگیا۔ میں نے پوچھا: "اے عباس! یہ کیا دین ہے، اسے تو میں نہیں جانتا۔" عباس نے کہا: "یہ محمد بن عبداللہ ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور یہ کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے عنقریب ان کے لیے فتح ہوجائیں گے، یہ ان کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہیں جو ان پر ایمان لائی ہیں اور لڑکا ان کا بھتیجا علی بن ابی طالب ہے جو ان پر ایمان لایا ہے۔" عفیف نے کہا: "کاش! میں اس وقت ایمان لاتا اور حضرت علی بن ابی طالب کے بعد دوسرا مومن مرد ہوتا۔"

(۱۷۶) یونس نے یوسف بن صہیب کی وساطت سے عبداللہ بن بریدہ کی یہ روایت نقل کی کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اسلام قبول کیا اور ان کے بعد تین اشخاص ابوذر، بریدہ اور ابوذر کے ایک چچیرے بھائی نے اسلام قبول کیا۔

باب ۱۷

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا اسلام لانا

(۱۷۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور پوچھا: "اے محمدؐ! کیا قریش کی یہ بات سچی ہے کہ آپؐ نے ہمارے معبودوں کو چھوڑ دیا ہے اور یہ کہ آپ ہمیں بے وقوف اور ہمارے آباؤ اجداد کو کافر قرار دیتے ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوبکر! بیشک میں اللہ کا رسول اور اس کا نبی ہوں تاکہ اس کا پیغام پہنچاؤں، میں تمہیں بھی اللہ کی طرف سچائی کے ساتھ دعوت دیتا ہوں۔ بخدا! یہ دعوت برحق ہے۔ اے ابوبکر! میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم ایک خدا کو مانو جس کا کوئی شریک نہیں ہے اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے سلسلے میں اہلِ اطاعت کی امداد کرو۔" آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کو قرآن بھی پڑھ کر سنایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے تردد کیا نہ انکار بلکہ فوراً اسلام قبول کر لیا، بتوں کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے شریکوں سے قطع تعلق کر لیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیا اور اس حال میں واپس گئے کہ وہ سچے مومن تھے۔

(۱۷۸) احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق کی وساطت سے محمد بن عبدالرحمان بن عبداللہ بن حصین تمیمی کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جس کے سامنے بھی اسلام پیش کیا اس نے کچھ نہ کچھ تردد کیا اور انحراف کی روش اختیار کر کے سوچا مگر جونہی میں نے ابوبکر کے سامنے اسلام کا ذکر کیا انھوں نے کوئی تردد نہ کیا اور فوراً قبول کر لیا۔

(۱۷۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر ابوبکر نے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ اپنے اسلام کا اظہار کیا اور لوگوں کو دینِ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ حضرت علیؓ اور زیدؓ بن حارثہ نے بھی اپنے اسلام کو ظاہر کیا۔ قریش کے لیے یہ چیز ناقابلِ برداشت ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع سب سے پہلے جس نے کیا وہ آنحضرتؐ کی بیوی خدیجہؓ بنت خویلد تھیں۔ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علیؓ تھے جن کی عمر اس وقت دس سال کی تھی۔ پھر زیدؓ بن حارثہ ایمان لائے اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے۔ ابوبکرؓ نے اسلام قبول کر کے اس کا اظہار کیا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوگوں کو دعوت دینا شروع کر دی۔ ابوبکرؓ اپنی قوم میں انتہائی خوش اخلاق اور ملنسار تھے اور لوگ ان سے محبت کرتے تھے۔ وہ قریش میں

علمِ انساب کے سب سے زیادہ ماہر تھے اور ان سے زیادہ کوئی دوسرا یہ نہ جانتا تھا کہ قریش میں اچھے کون ہیں اور بُرے کون ہیں۔ آپ ایک خلیق اور نیکوکار تاجر تھے۔ آپ کی قوم کے لوگ ان کے علم و فضل، ان کی تاجرانہ حیثیت اور ان کے حسن سلوک کی وجہ سے بکثرت ان سے ملتے اور ان کے پاس آکر بیٹھتے تھے۔ آپ نے اپنے ملنے والوں اور اپنے ہم نشینوں میں سے جن جن کو قابلِ اعتماد سمجھا ان تک اسلام کی دعوت پہنچائی۔ راوی کا بیان ہے کہ میری معلومات کے مطابق آپ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر حضرات زبیر بن عوامؓ، عثمانؓ بن عفان، طلحہؓ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اسلام قبول کیا۔ یہ سب حضرات حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے انھیں قرآن سنایا اور اسلام کی حقیقت سے روشناس کیا نیز اللہ کی طرف سے نوازشات کے وعدوں کی بشارت دی۔ چنانچہ وہ ایمان لے آئے اور اسلام کی حقانیت کا اقرار کرنے والے بن گئے۔ یہ آٹھ اشخاص وہ ہیں جنہوں نے دعوتِ اسلام پر لبیک کہنے میں سبقت کی اور نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور آنحضرتؐ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ آیا اس پر ایمان لے آئے۔

باب ۱۸

حضرت ابوذرؓ کا اسلام لانا

(۱۸۰) یونس نے یوسف بن صہیب کی وساطت سے عبداللہ بن بریدہ کی روایت نقل کی۔ حضرت ابوذر، بریدہ اور ابوذر کا ایک چچیرا بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ آنحضرتؐ اس وقت مکہ کے ایک گروہ سے علیحدگی اختیار کر کے پہاڑ میں چھپے ہوئے تھے۔ جب یہ تینوں آپؐ کے پاس پہنچے تو آپؐ اس وقت پہاڑ میں سوئے ہوئے تھے۔ آپؐ نے اپنے اوپر چادر اوڑھی ہوئی تھی لیکن آپؐ کے دونوں پاؤں چادر سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں سب لوگوں سے زیادہ حسین تھے۔ ابوذرؓ نے کہا: "اگر اس علاقے میں کوئی نبی ہے تو وہ یہی سونے والا ہو سکتا ہے۔" چنانچہ وہ آنحضرتؐ کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ ابوذرؓ کے پاس ایک لاٹھی تھی جس پر وہ ٹیک لگا کر چلتے تھے۔ ابوذر نے آواز دی: "اے سونے والے مرد!" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے اس لیے آپؐ نے جواب نہ دیا۔ ابوذر نے پھر آواز دی: "اے سونے والے مرد!" لیکن آپ نے جواب نہ دیا۔ ابوذر نے تیسری دفعہ یہ آواز دی: "اے سونے والے مرد!" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کے تلوے کو لاٹھی سے ذرا دبایا۔ آپؐ جاگ کر بیٹھ گئے۔ ابوذر نے کہا: "اے محمدؐ! ہم آپ کے پاس یہ سننے کے لیے آئے ہیں کہ آپؐ کیا کہتے ہیں اور آپ کی دعوت کیا ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "میں کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں۔" یہ سن کر ابوذر اور آپ کے دونوں ساتھی ایمان لے آئے۔ اس وقت حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی ضروری کام کے لیے بھیجا ہوا تھا اور وہ اس میں مصروف تھے۔

(۱۸۱) گزشتہ امتوں کی تعداد

یونس بن جعفر بن حیان کے حوالہ سے حسن کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہیں شامل کر کے امتوں کا شمار کیا جائے تو ستر کی گنتی پوری ہو جاتی ہے۔ اللہ کے نزدیک تم سب امتوں سے بہترین اور اشرف ہو۔"

(۱۸۲) توراۃ میں نبی موعود کی صفت

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق سے اور اس نے محمد بن ثابت بن شرحبیل کے حوالہ سے ام درداء کی

روایت نقل کی۔ اُمّ درداؓ نے کہا ، میں نے کعب حبر سے پوچھا کہ "تم توراۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا صفات دیکھتے ہو؟" کعب نے جواب دیا "وہاں آپؐ کا نام محمد رسول اللہ ہے۔ آپؐ اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے والے ہیں۔ تندخو، سنگدل اور بازاروں میں شوروغل کرنے والے نہیں۔ آپؐ کو فتوحات عطا کی جائیں گی اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ آپؐ ہی کے لیے کھولا جائے گا، نیز آپؐ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھوں کو دکھلائے گا ، بہرے کانوں کو سنوائے گا اور ٹیڑھی زبانوں کو سیدھا کرے گا یہاں تک کہ وہ گواہی دیں گی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ، اور یہ کہ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ۔ آنحضرتؐ مظلوم کی مدد اور اس کی حفاظت کریں گے۔

(۱۸۳) نبیؐ کے اسماءِ مبارکہ

یونس نے عبدالرحمان بن عبداللہ بن عمرو بن مرہ کے حوالہ سے ابی عبیدہ سے اور اس نے ابوموسیٰ سے روایت نقل کی ابوموسیٰ نے کہا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے کئی نام بتائے جن میں سے ہم نے بعض کو یاد کر لیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا :

"انا محمد واحمد والمقفی والحاشر ونبی التوبۃ والملحمۃ۔"

یعنی میرے اسمائے یہ ہیں ،

— محمد (بہت تعریف کیا ہوا)

— احمد (بہت سراہا ہوا)

— مقفی (تمام پیغمبروں سے پیچھے آنے والا ، خاتم النبیین)

— حاشر (لوگوں کو قیامت کے دن اکٹھا کرنے والا)

— نبی توبۃ (بہت زیادہ استغفار کرنے والا)

— نبی ملحمہ (امت کی خیر و صلاح کا ضامن خواہ یہ بھلائی اور استواریِ احوال کفار کے ساتھ ناگزیر قتال کے ذریعہ سے حاصل کرنا پڑے)

(۱۸۴) یونس بن بکیر نے یونس بن عمرو سے اور اس نے عیزار بن حریث کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انجیل میں لکھا ہُوا ہے کہ آپؐ تُند خُو ، سنگدل اور بازاروں میں شور مچانے والے نہیں ہوں گے۔ وہ بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی سے نہیں لیں گے بلکہ عفو و درگذر سے کام لیں گے۔

(۱۸۵) یونس نے عبدالرحمان بن عبیداللہ بن زیاد مولیٰ مصعب کی وساطت سے حسن کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : انہتّر امتیں گزر چکی ہیں اور تمہیں شامل کر کے ستّر کی گنتی پُوری ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

تم سب امتوں سے بہترین اور اشرف امت ہو۔

(۱۸۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی: ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے زہری نے محمد بن جبیر بن مطعم کے حوالہ سے اپنے باپ جبیر کی روایت بیان کی۔ جبیر بن مطعم نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ذکر فرماتے ہوئے سنا کہ میرے یہ پانچ اسماء ہیں:

میں محمد اور احمد ہوں۔ میں ماحی (مٹانے والا) ہوں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو ملیامیٹ کرے گا۔ میں عاقب (سب سے پیچھے آنے والا یعنی خاتم النبیین) ہوں اور میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں یعنی جب قیامت قائم ہوگی تو میں میدانِ حشر میں آؤں گا اور میرے پیچھے سب لوگ وہاں اکٹھے ہو جائیں گے۔

باب ۱۹

مہاجرینؓ کا اسلام لانا

(۱۸۷) اہلِ مکّہ کا اسلام

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا کہ ابوعبیدہؓ بن حارث، ابوسلمہؓ بن عبدالاسد، عبداللہؓ بن ارقم مخزومی اور عثمانؓ بن مظعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور گواہی دی کہ آپؐ ہدایت اور روشنی کے جادۂ مستقیم پر ہیں۔

پھر قبائلِ عرب میں سے مندرجہ ذیل حضرات ایمان لائے:

سعید بن زید بن عمرو بن نفیل (برادر بنی عدی بن کعب)۔ ان کی زوجہ فاطمہؓ[1] بنت خطاب بن نفیل بن عبدالعزی (ہمشیرہ عمر بن خطابؓ)۔ اسماءؓ بنت ابی بکرؓ۔ عائشہؓ بنت ابی بکرؓ (جو اس وقت کم عمر تھیں)۔ قدامہ بن مظعونؓ (جمحی)۔ عبداللہؓ بن مظعونؓ (جمحی)۔ خباب بن ارتؓ (حلیف بنی زہرہ)۔ عمیر بن ابی وقاص زہریؓ۔ عبداللہؓ بن مسعودؓ (حلیف بنی زہرہ)۔ مسعودؓ بن قاری۔ سلیطؓ بن عمرو (برادر بنی عامر بن لوی)۔ عیاشؓ بن ابی ربیعہ مخزومی۔ ان کی زوجہ اسماءؓ بنت سلامۃ بن مخرمہ تمیمی۔ خنیسؓ بن حذافہ سہمی۔ عامرؓ بن ربیعہ (حلیف بنی عدی بن کعب)۔ عبداللہؓ بن جحش اسدی۔ ابو احمدؓ بن جحش۔ جعفرؓ بن ابی طالب۔ ان کی زوجہ اسماءؓ بنت عمیس۔ حاطبؓ بن حارث (جمحی)۔ ان کی زوجہ اسماءؓ بنت مجلل (خواہر بنی عامر بن لوی)۔ خطابؓ بن حارث۔ ان کی زوجہ فکیہہؓ بنت یسار۔ معمرؓ بن حارث بن معمر (جمحی)۔ سائبؓ بن عثمان بن مظعون۔ مطلبؓ[2] بن ازہر بن عبد عوف زہری۔ ان کی زوجہ رملہؓ بنت ابی عوف بن صبیرہ[3] بن سعد۔ نعیمؓ[4] بن عبداللہ (برادر بنی عدی بن کعب۔ نعیمؓ کا لقب نحام ہے)۔ عامرؓ بن فہیرہ مولی ابی بکر صدیق۔ خالدؓ بن سعید بن عاص۔ ان کی زوجہ امینہ بنت خلف بن اسعد بن عامر بن بیاضہ (خزاعی)۔ حاطبؓ بن عمرو بن عبد شمس (برادر بنی عامر بن لوی)۔ ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ۔ واقد بن قائد بن عبداللہ بن عرین[5] بن ثعلبہ تمیمی (حلیف بن عدی بن کعب)۔ خالدؓ بن بکیر۔ عامرؓ بن بکیر۔

---

[1] ابنِ ہشام نے ان کا نام فاطمہ لکھا ہے۔ [2] ابن ہشام کے نزدیک ان کا نام مطلب ہے۔ [3] صبیرہ بحوالہ ابن ہشام۔
[4] سعید بحوالہ ابن ہشام [5] ابن ہشام کے نزدیک یہ نام عرین ہے۔

عاقلؓ بن بکیر۔ ایاسؓ بن بکیر بن عبداللہ بن ناشب (بنی سعد بن لیث۔ حلفائے بنی عدی بن کعب)۔ عمارؓ بن یاسر (حلیف بنی مخزوم)۔ صہیبؓ بن سنان (حلیف بنی تیم)۔

ان کے بعد عورتوں اور مردوں نے اِکا دُکا اسلام قبول کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ اس کا چرچا ہونے لگا اور اسلام کی دعوت آشکار ہوگئی۔ جب یہ حضرات اسلام لائے اور اسلام کی دعوت پھیلنا شروع ہوگئی تو قریشِ مکہ کو یہ چیز ناگوار گزری۔ آنحضرتؐ کے خلاف ان کا غیظ و غضب بھڑک اٹھا اور ان کے دلوں میں رسول اللہؐ کے متعلق بغاوت اور حسد کے جذبات اُمڈ آئے۔ اسلام کے خلاف قریش کا یہ عمومی ردعمل تھا۔ لیکن ان میں بالخصوص کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے آپ کے ساتھ کھلم کھلا عداوت اور مخاصمت کا رویہ اختیار کیا۔ ان کُھلے دشمنوں کے نام یہ ہیں:

ابُوجہل بن ہشام اور اس کے رفقاؓ۔ ابولہب۔ عبید بن عبدیغوث۔ عمرو بن طلاطلہ۔ ولید بن مغیرہ۔ عاصی بن وائل۔ امیہ بن خلف۔ ابی بن خلف (اس نے مکہ میں آنحضرتؐ کے چہرہ مبارک کو ضرر پہنچایا)۔ ابوقیس بن فاکہہ بن مغیرہ۔ ابوقیس بن اسلت۔ حصین یا حصن بن حارث بن سعید بن حجاج (جو زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ ہے)۔ سائب بن صیفی بن عابد۔ اسود بن عبدالاسد۔ عاص بن سعید۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابوسفیان بن حرب۔ ابوالعاص بن ہشام۔ عقبہ بن ابی معیط۔ ابوالاصدا ہذلی (اروٰی نے اسے دھکا مارا وہ گر پڑا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا)۔ حکم بن ابی العاص۔ عدی بن حمراثقفی۔ زمعہ بن اسود۔ ان میں سے جو لوگ آنحضرتؐ کو ایذا رسانی کرتے وہ ابولہب، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص اور عدی بن حمرا ثقفی تھے اور ایک اور شخص بھی تھا۔

(۸۸۱) ارشادِ ربانی انذر عشیرتك الاقربین (اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ)

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بزرگی سے نوازا تو جس شخص نے آنحضرتؐ کے ساتھ سب سے زیادہ اور مسلسل و پیہم عداوت اور حسد و ظلم کا رویّہ اختیار کیا وہ ابوجہل تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جو تعلیم آپؐ کو دی گئی ہے اسے صاف صاف سنادیں، اللہ تعالیٰ کا حکم لوگوں تک پہنچائیں اور لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد ابتدائی تین سال تک خفیہ طریقے سے اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ اس کے بعد علانیہ دعوت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ احکام دئے:

(۱) فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین۔ (الحجر۔ ۹۴)

پس اے نبی! جس چیز کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اسے ہانکے پکارے کہہ دو اور شرک کرنے والوں کی ذرا پروا نہ کرو۔

ؔ ابن ہشام نے یہ نام عبد یالیل لکھا ہے۔

(ب) وانذر عشیرتك الاقربین ۵ واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنین ۵ (الشعراء - ۲۱۴-۲۱۵) — اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ، اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمہاری پیروی اختیار کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

(ج) قل انی انا النذیر المبین ۵ (الحجر - ۸۹) — کہہ دو کہ میں تو صاف صاف تنبیہ کر دینے والا ہوں۔

(۱۸۹) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ اس نے کہا: مجھے اس شخص نے بتایا جس نے عبداللہ بن حارث بن نوفل سے سُنا اور مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اس کا نام پوشیدہ رکھوں اور عبداللہ بن حارث نے حضرت ابن عباسؓ کی وساطت سے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی یہ روایت نقل کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت " وانذر عشیرتك الاقربین ۵ واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنین ۵" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خیال کیا کہ اگر میں نے اپنی دعوت کو علانیہ پیش کرنے کا قصد کیا تو مجھے قوم کی طرف سے ناروا سلوک سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لیے میں نے توقف کیا۔ یکایک میرے پاس جبریلؑ آ گئے اور انہوں نے کہا کہ "اے محمدؐ! اگر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہ کی تو آپؐ کا رب آپ کو عذاب دے گا۔" حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور بتلایا: "اے علی! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ میں اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤں۔ لیکن میں نے سمجھا کہ اگر میں نے ان کے سامنے اپنی دعوت علانیہ پیش کی تو وہ میرے ساتھ ناپسندیدہ سلوک کریں گے اس لیے میں ایسا کرنے سے باز رہا یہاں تک کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی عدمِ تعمیل کی صورت میں عذاب کی وعید سنائی اس لیے اے علی! ہمارے لیے ایک صاع کھانا تیار کراؤ اور اس پر سالم بکری کا پکا ہوا گوشت رکھ دو، نیز دودھ کا ایک لگن مہیا کرو اور بنی عبدالمطلب کو بلا بھیجو۔" حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی۔ بنی عبدالمطلب اکٹھے ہو گئے۔ وہ اس وقت تقریباً چالیس مرد تھے جن میں آنحضرتؐ کے چچا ابوطالب، حمزہؓ، عباسؓ اور (خبیث کافر) ابولہب بھی تھے۔ میں نے کھانے کا وہ بڑا برتن ان کے سامنے رکھ دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے ایک ٹکڑا لیا اور اسے دانتوں سے کاٹ کر ملاحظہ فرمایا پھر وہ برتن سب حاضرین کے سامنے کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ سب لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور برتن کو خالی کر دیا یہاں تک کہ کھانے کے نشانات صرف ان کی انگلیوں اور زبانوں پر تھے ان میں سے ہر ایک نے اسی طرح کھایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے علیؓ! اب مشروب سے ان کی تواضع کرو۔" میں دودھ والا برتن بھی لے آیا۔ ان سب نے سیر ہو کر پیا۔ بخدا! ان میں سے ہر ایک نے اسی طرح پیٹ بھر کر پیا۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کہنے کا ارادہ کیا تو ابولہب جلدی سے بول اٹھا: "تمہارے اس ساتھی کا جادو کہیں تم پر چل جائے۔" اس طرح ابولہب نے یہ مجلس خراب کر دی اور سب لوگ منتشر

ہو گئے۔ آنحضرتؐ اپنی دعوت پیش نہ کر سکے۔ اگلے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے علی! کل کی طرح آج دوبارہ اکل و شرب کی دعوت کا انتظام کرو۔ یہ شخص میرے بات کرنے سے قبل ہی بول پڑا تھا اور تم نے سُن لیا ہے جو اس نے کہا۔ اس کی وجہ سے میں اپنی دعوت پیش نہیں کر سکا" حضرت علیؓ نے کہا کہ میں نے آنحضرتؐ کے ارشاد کی تعمیل کی اور بنی عبد المطلب کو اکٹھا کیا۔ آنحضرتؐ نے حسب سابق ان کے سامنے ماحضر پیش کیا، سب نے خوب سیر ہو کر تناول کیا۔ پھر میں نے ان کے سامنے مشروب پیش کیا۔ سب نے سیر ہو کر پیا۔ بخدا! سب لوگوں نے اسی طرح کھایا اور پیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے بنی عبد المطلب! مجھے کسی ایسے عرب جوان کے بارے میں معلوم نہیں جو اپنی قوم کے پاس میری لائی ہوئی دعوت سے بہتر لائحہ عمل لایا ہو، میں تمہارے لیے دنیا و آخرت میں کامیابی کے حصول کا پروگرام لایا ہوں"

(۱۹۰) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے عائشہؓ کی روایت پیش کی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "آپؐ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس فرشتہ یکایک وحی لے آتا ہے اور یہ گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی ہے۔ وحی اخذ کرنے کا یہ تجربہ میرے لیے بڑا اعصاب شکن ہوتا ہے۔ بہرحال جب فرشتہ مجھ سے جُدا ہوتا ہے تو وحی میرے سینے میں محفوظ ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ میرے پاس انسانی شکل میں آ کر ہمکلام ہوتا ہے اور میں اس کی باتوں کو محفوظ کر لیتا ہوں"

(۱۹۱) یونس نے عباد بن منصور سے اور اس نے عکرمہ کی وساطت سے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ بوجھ محسوس کرتے اور آپؐ کی جلد کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ اس دوران میں لوگ آپؐ سے کوئی کلام نہ کرتے۔

(۱۹۲) نزولِ وحی کے بعد آنحضرتؐ کا معمول

یونس نے عمر بن ذر کی وساطت سے مجاہد کی یہ روایت نقل کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کا نزول ہوتا تو آپؐ پہلے اسے مردوں کے سامنے تلاوت کرتے پھر عورتوں کے سامنے۔

(۱۹۳) یونس نے ابی معشر سے اور اس نے سعید مقبری کی وساطت سے ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اولادِ عبد مناف! اے اولادِ عبد المطلب! اے فاطمہ محمدؐ کی بیٹی! اے صفیہ رسولؐ اللہ کی پھوپھی! تم لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچاؤ کیونکہ میں اللہ کی گرفت سے تم کو بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ میرے مال میں سے تم جو چاہو مجھ سے مانگ سکتے ہو۔ جان لو کہ قیامت کے روز سب سے پہلے متقی لوگ آئیں گے۔ اگر تم میری قرابت کے ساتھ تقویٰ اختیار کرو گے تو یہ تمہارے لیے اور میرے لیے کامیابی ہو گی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ اعمال لے کر آئیں اور تم دنیا کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے آؤ۔ ایسی صورت میں میں تم سے کنارہ کشی اختیار کروں گا۔ تم مجھے پکارو گے، یا محمدؐ! اور میں اس طرح کروں گا۔" اس پر آنحضرتؐ نے اپنا منہ پھیر لیا اور فرمایا: "تم پھر

کھو گے اے محمدؐ! اور میں اس کا جواب اِس طرح دوں گا۔" اور آنحضرتؐ نے اپنا رُخ دوسری طرف پھیر لیا۔

(۱۹۴) مشرکین کی عداوت

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نماز پڑھنے کے لیے گھاٹیوں میں چلے جاتے تھے اور اپنی قوم کے لوگوں سے چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مکہ کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں نماز ادا کر رہے تھے، اس دوران میں مشرکین کا ایک گروہ ان کے پاس چلا گیا ان کے ساتھ مقابلے پر اُتر آیا اور ان کی نماز کو بُرا بھلا کہا یہاں تک کہ مشرکین لڑائی پر آمادہ ہو گئے اور مسلمانوں کو بھی اپنا دفاع کرنا پڑا۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے مشرکین کے ایک آدمی کے سر پر اونٹ کے جبڑے کی ہڈی دے ماری اور اس کا سر پھوڑ دیا۔ یہ پہلا خُون تھا جو اسلام کے بارے میں بہایا گیا۔

جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں سے باز نہیں آتے جو انہیں سخت ناپسند ہیں اور ان کے معبودوں کی عیب چینی کرتے رہتے ہیں اور آپؐ کے چچا ابو طالب آپؐ کے ساتھ شفقت کرتے ہیں اور آپؐ کی حمایت پر کمربستہ ہیں اور آپؐ کو ان کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں تو قریش کے قابلِ ذکر سرداروں میں سے مندرجہ ذیل اشخاص ابو طالب کے پاس گئے:

عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابو سفیان، ابوالبختری، اسود بن مطلب، ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاصی بن وائل منبہ و نبیہ پسرانِ حجاج۔

ان کے ہمراہ شاید اور شخص بھی تھے۔ انھوں نے کہا: "اے ابُو طالب! آپ کے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کی بُرائی کی، ہمارے دین کی عیب چینی کی، ہماری عقلوں کو حماقت قرار دیا اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ ٹھہرایا۔ لہٰذا اب یا تو اسے ان باتوں سے باز رکھیں یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں ہم اس سے نمٹ لیں گے کیونکہ آپ خود بھی تو ہماری طرح اس کے لائے ہوئے دین کے خلاف ہیں۔ ابو طالب نے اس کے ساتھ نرم باتیں کیں اور انھیں اچھے طریقے سے ٹھنڈا کیا اور وہ واپس چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ معمول دین کی تبلیغ جاری رکھی اور آپ لوگوں کو دین کی طرف دعوت دیتے رہے۔

پھر قریش نے باہم مشورہ کیا کہ جس جس قبیلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ نے اسلام قبول کیا ہے وہ قبیلہ ان مسلمانوں کو اذیت پہنچائے۔ چنانچہ ہر قبیلہ اپنے میں کے مسلمان پر ٹوٹ پڑا۔ انھیں تعذیب کا نشانہ بنایا اور فتنہ میں مبتلا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و حفاظت آنحضرتؐ کے چچا ابو طالب نے کی۔ جب انہوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے بارے میں قریش کا طرزِ عمل دیکھا تو انہوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی حمایت و حفاظت کے لیے آمادہ کیا۔ وہ سب اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے ابو طالب کا ساتھ دیا اور ابو طالب کی اس پکار پر کہ ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی جائے ——— لبیک کہا ما سوائے ابولہب کے، جس نے اس معاملہ میں بنی ہاشم کا ساتھ نہ دیا۔ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب بھی ایک معاہدہ کے ذریعہ سے ایک دوسرے کے حلیف تھے دیگر بنی عبد مناف اس معاہدہ میں شریک نہ تھے۔ ابوطالب نے اس موقعہ پر یہ اشعار کہے:

حتی متی نحن علیٰ فتنـة	اے بنی ہاشم! ہم کب تک فتنے کا شکار رہیں گے جبکہ قوم من حیث المجموع
یا هاشم والقوم فی محـفل	ہمارے خلاف متحد ہے۔
یدعون بالخیـل علیٰ رقبة	وہ خوف کے مارے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر سواروں کو نگہبانی اور
منا لدی الخوف وفی معزل	حفاظت کے لیے بلا رہے ہیں۔
کالرجبة السوداء یعلو بهـا	ان کی مثال ایسی ہے کہ جب وہ وسیع اور کشادہ سبزہ زار میں ہوتے ہیں
سرعانها فی سبب مجفـل	تو ان کے تیز سوار ابھرتے ہیں لیکن کھلے مقابلہ کے میدان میں راہ فرار
	اختیار کرتے ہیں۔
علیهـم الـترك علـیٰ رعله	انہیں لازم ہے کہ وہ جنگ میں خواہ مخواہ بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیں اور ان کا
مثـل القطا السارب المهمل	طرزِ عمل قطا پرندہ (بھٹ تیتر) کی طرح نہ ہونا چاہیے جو بے مقصد ایک
	طرف کو نکل جاتا ہے۔
یا قوم ذودوا عن حـماکم	اے قوم! اپنی چراگاہ کی حفاظت کرو اور شمشیرِ برّاں کے ساتھ ہر
بکل مفصال علیٰ مسـبل	متکبر کے سر کو کچل کر رکھ دو۔
وقد شهدت العـرب فی	عرب یہ دیکھیں گے کہ گرد و غبار کی دھول میں ہمارے نوجوان معرکۂ کارزار
فتیة عند الوغاء فی عثیر القسطل	میں برسرِ پیکار ہو کر جرأت و مردانگی کے جوہر دکھائیں گے۔

جب بنو ہاشم اکٹھے ہو گئے اور بنو مطلب بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور ابو طالب نے دیکھا کہ بنو مطلب کی شمولیت کے باعث بنو ہاشم طاقتور ہو چکے ہیں اور یہ کہ دیگر قریش ان کی عداوت پر کمر بستہ ہیں تو ابو طالب نے قوم کی دشمنی کو الم نشرح کر دیا اور ان کے ساتھ جنگ کی طرح ڈال دی۔ اس موقعہ پر ابو طالب نے یہ اشعار کہے:

منعت الرسول رسول الملیك	میں نے اس رسولؐ کی حفاظت کی جو خدا کا رسول ہے۔ یہ کارروائی میں
ببیض تلالا کلمع البریق	نے سفید تلواروں کے ساتھ کی جو بجلی کی طرح چمکتی ہیں۔
بضرب یزبر دون التهـاب	میں ان پر مضبوط اور کاری ضرب غصہ کے بغیر سنجیدگی کے ساتھ لگاتا ہوں
جذار البوادر کالجنفقیـق	اور یہ ضرب تلوار کی تیزی کے باعث شانوں کو کاٹ دیتی ہے۔

أذب ذاحمی رسول الملیك
حمایة یحام علیه شفیق

میں خدا کے رسولؐ کی بکثرت زیارت کرتا ہُوں اور ان کی حفاظت کرتا ہُوں ۔ میں یہ حفاظت مسلسل اور پیہم کرتا ہُوں جس طرح ایک مشفق کیا کرتا ہے ۔

وما ان ادب لاعدائه
دبیب البکار حذار الفنیق

اگر میں آنحضرتؐ کے دشمنوں کے لیے آہستہ چال چلوں تو میں ان جوان اونٹوں کی چال نہیں چلتا جو اصیل نسل کشی کے سانڈ اونٹوں سے بچتے ہوئے چلتے ہیں ۔

ولکن ازیر لھم سامیا
کما زار لیث بغیل مضیق

بلکہ میں ان کے مقابلے میں سر کو اونچا کر کے اس طرح دھاڑتا ہوں جس طرح تنگ کرنے والا شیر نر دھاڑتا ہے ۔

جب ابو طالب نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کی یہ حالت دیکھی کہ وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں آپؐ کے ساتھ کوشاں ہیں اور آپ کے ساتھ شفقت کا سلوک کرتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہُوئے اور انہوں نے ان کی تعریف کی اور انھیں پرانے واقعات یاد دلائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور مرتبے کا ذکر کیا تاکہ آپؐ کے بارے میں ان کی رائے پختہ ہو جائے اور وہ آپؐ سے مشفقانہ سلوک کریں ۔ چنانچہ ابو طالب نے یہ اشعار کہے :

اذا اجتمعت قریش لمفخر
فعبد مناف سرھا وصمیمھا

جب قریش کسی قابلِ افتخار کارنامہ کے لیے اکٹھے ہُوئے تو اس مہم میں بنی عبد مناف نے اپنے آپ کو قریش کی رُوح و رواں ثابت کیا ۔

وان حصلت اشراف عبد منافھا
ففی ھاشم اشرافھا وقدیمھا

پھر جب ان میں سے بنی عبد مناف کے شرفاء کا انتخاب کیا گیا تو یہ شرفاء اور سردار بنی ہاشم کے گھرانے میں پائے گئے ۔

وان فخرت یومًا فان محمدًا
ھو المصطفٰی من سرھا وکریمھا

اگر کسی دن بنی ہاشم نے فخر کیا تو ان میں سے محمد مصطفیٰ ہی ان کی جان اور صاحبِ شرافت ثابت ہوئے ۔

تداعت قریش غثھا وسمینھا
علینا فلم تظفر وطاشت حلومھا

قریش کے چھوٹے بڑے تمام لوگوں نے ہمارے خلاف متحدہ محاذ بنا لیا ، لیکن ان کی کوشش کامیاب نہ ہوئی بلکہ ان کی عقل ماری گئی اور ان کے منصوبے ناکام ہو گئے ۔

وکنا قدیما لا نقر ظلامة
اذا ما ثنوا صعر الخدود نقیمھا

ہمارا یہ طریقہ ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے کہ ہم ظلم کو قائم نہیں رہنے دیتے اور جب لوگ تکبر و غرور سے اپنے رخساروں کو ٹیڑھا کرتے ہیں تو ہم انھیں سیدھا کر دیتے ہیں ۔

ونحمی حماھا کل یوم کریھة
ونضرب عن احجارھا من یرومھا

ہر مکروہ جنگ کے موقعہ پر ہم اس کی چراگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور جو کوئی اس کے استیصال کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کو ضربیں رسید کرتے ہیں ۔

(۱۹۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ جب بنو ہاشم نے ابولہب کے معاندانہ طرز عمل کے خلاف محاذ بنا لیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں دیگر قریش کا ساتھ دیا تو ابوطالب نے کھل کر اس کی ہجو کی۔ ابولہب کی ماں کا نام لبنیٰ بنت حاجر تھا اور وہ خزاعیہ تھی۔ اور ابوطالب، عبداللہ (والد ماجد رسول اللہؐ) اور زبیر کی ماں کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم تھا۔ ابوطالب نے ابولہب کی ماں کے حوالے سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی ماں کو ساحج کہا جاتا تھا۔ ابوطالب نے اس کے خلاف یہ سخت اشعار کہے:

مستعرض الاقوام بخبرهم عذری و ما ان جئت من غدر	میں لوگوں کو ان کے بارے میں خبر دے کر معذرت پیش کرتا ہوں اور ایسا کر کے میں نے کسی بدعہدی کا ارتکاب نہیں کیا۔
فاجعل فلانة وابنها عوضًا لكرائم الاكفا و الصهر	فلاں عورت اور اس کے بیٹے کو شریف میل کے رشتوں اور سسرالی رشتوں کی ضد سمجھو۔
واسمع نوادر من حديث صادق تهوين مثل جنادل الصخر	ایک سچے شخص کے واقعہ کے بارے میں ان سے عجیب وغریب باتیں سنو یعنی یہ کہ چٹان کے ان پتھروں کو کمزور قرار دیا جا رہا ہے۔
انا بنوام الزبير و فحلها حملت بنا للطيب (... [1]) و الظهر	ہم اُمّ زبیر اور اس کے اصیل خاوند کی اولاد ہیں۔ ہم اصیلوں کے صلب سے ہیں اور ہماری مائیں پاکدامن ہیں۔
نحومت منا صاحبا و موازرا واخا على السراء و الضر	ہم سے ہمارے ایک ساتھی، مددگار اور بھائی کو ہم سے خوشحالی اور بدحالی میں ہم سے جدا کر دیا گیا ہے۔

ابن اسحاق نے کہا کہ جب ابوطالب نے اپنی قوم کی مخالفت کے علی الرغم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کا فیصلہ کر لیا اور وہ اس پر مضبوطی سے کاربند ہو گئے اور قوم آنحضرتؐ کی عداوت اور مخالفت پر کمربستہ ہو گئی تو ابوطالب نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

ما ان جنينا من قريش عظيمة سوى ان منعنا خير من وطئ التربا	اگر ہم قریش کی طرف سے سخت مصیبت میں مبتلا کیے گئے ہیں تو یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم نے اس شخص کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا ہے جو زمین پر چلنے والوں میں سے بہترین ہے۔
اخا ثقة للنائبات مرزا كريما مناه لا لئيما و لا ذربا	وہ قابل اعتماد بھائی ہے، مصیبتوں میں جس کی پناہ لی جاتی ہے، وہ نجیب الطرفین ہے، ملامت زدہ ہے اور جی حضوری نہیں ہے۔

---

[1] اصل متن جس سے یہ نسخہ مرتب کیا گیا ہے اس میں یہاں خلا ہے۔

فيا أخوينا عبد شمس و نوفلا
فياكما ان تسعرا بيننا حربا

اے ہمارے دو بھائیو! یعنی بنی عبد شمس اور بنی نوفل! تمہیں یہ چیز زیب نہیں دیتی کہ تم ہمارے درمیان جنگ کی آگ بھڑکاؤ۔

و ان تصبحوا من بعد ود و الفة
احابیش فیها کلکم یشتکی النکبا

اگر تم محبت و الفت کے بعد احابیش کا کردار ادا کرو تو تم میں سے ہر ایک مصیبت و نکبت کی شکایت کرے گا۔

الم تعلموا ما کان فی حرب داحس
و رهط ابی یکسوم اذ ملئوا الشعبا

کیا تم نہیں جانتے کہ حرب داحس میں کیا ہوا اور ابو یکسوم (ابرہہ) کے لشکر کے ساتھ کیا پیش آیا جبکہ انھوں نے گھاٹیوں کو بھر دیا تھا۔

فو الله لولا الله لا شئ غیره
لاصبحتم لا تملکون لنا سربا

بخدا! اگر اللہ نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا (یعنی ہم سب ناپید ہوتے) اور تمہاری یہ حالت ہوتی کہ تمہارے پاس کوئی رستہ نہ ہوتا جس پر چل کر ہم تمہارے پاس آتے۔

(۱۹۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق سے اور اس نے محمد بن ابی محمد سے اور اس نے سعید بن جبیر یا عکرمہ کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی کہ قریش کے کچھ لوگ ولید بن مغیرہ کے ہاں اکٹھے ہوئے، وہ ان سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھا۔ حج کا موسم آ چکا تھا۔ ولید بن مغیرہ نے حاضرین سے کہا: "حج کا زمانہ آگیا ہے اس موقعہ پر حاجیوں کے وفود تمام عرب سے تمہارے پاس آئیں گے۔ انہوں نے تمہارے اس رفیق (حضرت محمدؐ) کا حال تو سُن ہی لیا ہے، اس لیے ان کے متعلق کوئی ایک بات طے کر لی جائے ایسا نہ ہو کہ تم ان کے خلاف مختلف الزام عائد کرو اور اس طرح خود ہی ایک دوسرے کو جھٹلاؤ اور ایک دوسرے کی تردید کرتے جاؤ۔" انہوں نے کہا: "اے ابو عبد شمس! آپ ہی ان کے بارے میں کوئی رائے تجویز کریں ہم سب اس کی تعمیل کریں گے۔" ولید نے کہا: "تم لوگ اپنی تجاویز پیش کرو، میں سنتا ہوں۔" کچھ لوگوں نے کہا: "ہم محمدؐ کو کاہن کہیں گے۔" ولید نے کہا: "وہ کاہن تو نہیں ہے۔ میں نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ یہ قرآن کاہنوں کی گنگناہٹ اور ان کے مسجع فقرات کی طرح نہیں ہے۔" انھوں نے کہا: "ہم انھیں مجنون کہیں گے۔" ولید نے کہا: "وہ مجنون نہیں ہے۔ ہم نے پاگلوں کو دیکھا ہے اور ان کے حالات سے ہم باخبر ہیں۔ تمہارا یہ رفیق نہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے نہ الٹی سیدھی حرکات کرتا ہے اور نہ وسوسوں کا شکار ہے۔" انھوں نے کہا: "ہم انھیں شاعر کہیں گے۔" ولید نے کہا: "وہ شاعر بھی نہیں ہیں ہم جملہ اصناف سخن ——— رجز، ہزج، قریض، مقبوض اور مبسوط ——— سے واقف ہیں۔ ان کے کلام پر شاعری کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے کہا: "ہم انھیں ساحر کہیں گے۔" ولید نے کہا: "وہ ساحر بھی نہیں ہیں، جادوگروں اور ان کے طور طریقوں سے ہم واقف ہیں لیکن یہ تو گرہوں میں پھونکنے کا عمل نہیں کرتے اور یہ بات بھی ان پر چسپاں نہیں ہوتی۔" پھر انھوں نے کہا: "اے ابو عبد شمس! پھر تم ہی بتاؤ کہ ہم ان کے متعلق کیا پراپیگنڈہ کریں؟" ولید نے کہا: "بخدا! ان کے کلام میں شیرینی ہے۔ اس کلام کی جڑیں پھیلی ہوئی اور مستحکم ہیں اور اس کی شاخیں ثمر دار ہیں۔ اپنی تجاویز کے مطابق تم جو بات بھی کرو گے میں سمجھتا ہوں کہ

وہ باطل قرار دی جائے گی۔ قریب ترین بات جو کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ تم ان کے بارے میں کہو کہ یہ شخص جادوگر ہے جو آدمی کو اس کے باپ، بھائی، بیوی اور اہلِ خاندان سے جُدا کردیتا ہے۔" ولید کی یہ بات سُن کر سب حاضرین منتشر ہو گئے۔ انہوں نے حاجیوں کے وفود کے پاس جانا شروع کیا اور زائرین میں سے جس کے ساتھ ملاقات ہوتی اسے آپؐ سے ڈراتے اور حاجیوں کو آپؐ کے بارے میں بتلا کر انھیں ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے۔ ولید بن مغیرہ کی اس شر انگیزی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورۂ مدثر میں اس کے متعلق فرمایا،

ذرنی و من خلقت وحیدا ۵ سے لے کر ساصلیہ سقر تک۔"

جس کا ترجمہ درج ذیل ہے،

"چھوڑ دو مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا، بہت سا مال اس کو دیا، اس کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے دیئے، اور اس کے لیے ریاست کی راہ ہموار کی، پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ اسے میں اور زیادہ دُوں۔ ہرگز نہیں، وُہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے، میں تو اسے عنقریب ایک کٹھن چڑھائی چڑھواؤں گا۔ اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی، تو خدا کی مار اس پر، کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ ہاں، خدا کی مار اس پر، کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ پھر (لوگوں کی طرف) دیکھا۔ پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بنایا۔ پھر پلٹا اور تکبر میں پڑ گیا۔ آخر کار بولا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔ عنقریب میں اسے دوزخ میں جھونک دُوں گا۔"

وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ پر نازل شدہ پیغام کے بارے میں مختلف باتیں بناتے تھے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الذین جعلوا القرآن عضین ۵	جنھوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے تو قسم ہے تیرے رب کی،
فوربك لنسئلنهم اجمعین ۵	ہم ان سب سے ضرور پُوچھیں گے۔

(الحجر - ۹۱ - ۹۲)

یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لوگوں سے اسی قسم کا پراپیگنڈہ کرتے اور جس سے بھی ملتے اسے آنحضرتؐ سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ حج سے واپسی پر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ خبریں اپنے علاقوں میں لے گئے اس طرح آنحضرتؐ کا ذکر عرب کے تمام شہروں میں پھیل گیا اور آپؐ کا چرچا ہونے لگا۔

(۱۹۷) یونس نے ابی معشر کی وساطت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ——— وقالوا قلوبنا فی اکنۃ[۱] ——— کے متعلق

---

[۱] اور کہنے لگے کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں (حٰم السجدہ: ۵)

محمد بن قیس کی یہ روایت نقل کی کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: "آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ برحق نہیں ہے۔ بخدا! جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں اس کے لیے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوتے ہیں، ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب حائل ہو گیا ہے[۱]۔ آپ کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

(۱۹۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ جب قریش نے دیکھا کہ ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ان کے سپرد کرنے اور اس جھگڑے کو سمیٹنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتے اور وہ قوم سے جدائی اور اس سے جدائی تک آنحضرتؐ کی خاطر مول لینے پر تیار ہیں تو وہ عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو لے کر ان کے پاس گئے اور حسبِ روایت ان سے کہا: "اے ابوطالب! ہم آپ کے پاس یہ قریش کا ایک خوبصورت اور بہادر نوجوان عمارہ بن ولید لائے ہیں اسے لے لیجئے اس کی ساری کارگذاری آپ سے متعلق رہے گی آپ اسے لے کر بیٹا بنا لیں یہ آپ ہی کا ہے اور اس کے بدلے اپنے اس بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو جس نے آپ کے اور آپ کے آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت کی، آپ کی قوم میں پھوٹ ڈال دی اور سب لوگوں کی عقل کو حماقت سے تعبیر کیا۔ ہم ایک آدمی دے کر دوسرا لیتے ہیں تاکہ اسے قتل کر دیں۔ اس طرح قوم میں پھوٹ نہیں پڑے گی اور انجام کار بھی ایسا کرنا بہتر رہے گا۔" ابوطالب نے ان سے کہا: "بخدا! تم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا، تم مجھے اپنا بیٹا دیتے ہو کہ میں اسے پالوں اور میرا بھتیجا مجھ سے مانگتے ہو کہ تم اسے قتل کر ڈالو۔ خدا کی قسم! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ جب کسی اونٹنی کا بچہ گم ہو جائے تو اس کی مامتا کی تسکین کسی دوسرے بچے کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتی۔" مطعم بن عدی بن نوفل (برادر ہاشم) بن عبد مناف نے اس سے کہا: "اے ابوطالب! تمھاری قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کیا ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم ان کی کوئی بات قبول نہیں کرتے۔" ابوطالب نے مطعم بن عدی کو جواب دیا: "بخدا! تم لوگوں نے مجھ سے انصاف نہیں کیا اور تم مجھے چھوڑ کر میرے خلاف لوگوں کا ساتھ دے رہے ہو، اچھا کرو جو تمہارا جی چاہے۔" (ابوطالب نے اسی قسم کا جواب دیا) اس پر بات بڑھ گئی اور لڑائی ٹھن گئی۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو پکارا اور ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس موقع پر ابوطالب نے مطعم اور بنی عبد مناف میں سے علیحدگی اختیار کرنے والوں اور دیگر قبائل قریش میں سے دشمنی کرنے والوں پر تعریض کی اور یہ اشعار کہے:

الا قل لعمرو والولید ومطعم	خبردار! عمرو اور ولید اور مطعم سے کہہ دو۔ وہ بھی سن لیں کہ کاش تمہاری
الا لیت حظی من حیاطتکم بکر	نگہداشت میں کا ایک جوان اونٹ مجھے مل جاتے۔
من الخور حبحاب کثیر رغاؤہ	جو نحافت اور لاغری کے باعث پست قد اور بدشکل ہو چکا ہو اور بہت بلبلاتا ہو
یرش علی الساقین من بولہ قطر	اور اس کے بول کے قطرے اس کی دونوں پنڈلیوں پر ٹپکے پڑتے ہوں۔

---

[۱] یعنی آپ کی اس تبلیغ نے ہمارے اور آپ کے درمیان افتراق پیدا کر دیا ہے اور یہ ایک ایسی رکاوٹ ہے کہ اس کی موجودگی میں ہمارا اور آپ کا ملاپ نہیں ہو سکتا۔

تخلف خلف الورد لیس ببلاحق
اذا ما علی الفیفاء و تحسبه وبر

پانی پینے کے لیے جانے والے اونٹوں سے پیچھے رہ جاتا ہو اور ان سے مل نہ سکتا ہو جب کسی فراخ بیابان میں چلا جانے تو تو اسے گربہ نما ایک چھوٹا سا جانور سمجھے۔

اری اخوینا من ابینا و امنا
اذا سئلا قال الی غیرنا الامر

میں اپنے دو بھائیوں کو دیکھتا ہوں جو ہمارے باپ اور ہماری ماں سے ہیں کہ جب ان سے کوئی سوال کیا جاتا ہے تو وہ دونوں کہتے ہیں کہ یہ معاملہ دوسروں کے اختیار میں ہے۔

بلی لهما امر ولکن تجرجما کما جرجمت
من راس ذی العلق الصخر

معاملہ تو ان کے اختیار میں ہے لیکن وہ اپنے مقام و مرتبہ سے گر کر شکستہ ہو چکے ہیں اور ان کی حالت اس پتھر کی سی ہے جو ذی علق پہاڑ کی چوٹی سے گر کر شکست و ریخت کا سامان ہو جائے۔

هما اغمزا للقوم فی اخویهما
وقد اصبحا منهم اکفهما صفر

انھوں نے قوم کے روبرو اپنے بھائیوں کی عیب چینی کی اور ان کی شان گھٹائی اور اب یہ حالت ہے کہ ان دونوں کی ہتھیلیاں بھائیوں سے خالی ہو گئی ہیں۔

اخص خصوصا عبد شمس و نوفلا
هما نبذانا مثل ما نبذ الجمر

بالخصوص میری مراد بنی عبد شمس اور بنی نوفل سے ہے ان دونوں نے ہمیں اس طرح اپنے سے جدا کر دیا ہے جس طرح آگ کی چنگاری کو پھینک دیا جاتا ہے۔

فاقسمت لا ینفک منهم مجاور
یجاورنا ما دام من نسلنا شفر

میں نے قسم کھا لی ہے کہ ان میں کا کوئی آدمی ہمارے پڑوس میں نہیں رہ سکتا جب تک ہماری نسل میں سے ایک آدمی بھی زندہ باقی ہے۔

هما اشرکا فی المجد من لا اخا له
من الناس الا ان یرس له ذکر

ان دونوں نے لوگوں میں سے ایسے شخص کو بزرگی میں شریک کر لیا ہے جس کی کوئی برادری نہیں ہے لیکن اس کی ذات کی حد تک اس کی تھوڑی سی شہرت ہو تو ہو۔

ولید ابوه کان عبدا لجدنا
الی علجة زرقاء جاش بها البحر

انہوں نے ولید کے ساتھ اشتراک کر لیا ہے جس کا باپ ہمارے دادا کا غلام تھا اور سب نیلے گدھے اکٹھے ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے سمندر جوش میں آ گیا ہے یعنی جنگ کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔

وتیم و مخزوم و زهرة منهم
وکانوا لنا مولی اذا ابتغی النصر

بنی تیم اور بنی مخزوم اور بنی زہرہ نے بھی ان ہی کی رفاقت اختیار کر لی حالانکہ جب امداد طلب کی گئی تو وہ ہمارے حامی تھے۔

فقد سفهت احلامهم وعقولهم
وکانوا کجفر شرها جهلت جفر

وہ احمق قرار پائے اور ان کی عقلیں ماری گئیں۔ وہ جفر کی طرح ہو گئے بلکہ ان کے شر نے جفر کو بھی بھلا دیا۔

باب ۲۰

مُسلمانوں پر ظلم و ستم اور تشدّد

(۱۹۹) پھر قریش کے سردار ایک دُوسرا وفد لے کر ابو طالب کے پاس گئے اور کہا: "اے ابو طالب! آپ ہمارے درمیان عمر رسیدہ بزرگ ہیں اور شرافت اور قدر و منزلت کے مالک ہیں۔ ہم نے آپ سے گزارش کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کی حمایت ترک کر دیں تاکہ ہم اسے قتل کر دیں یا وہ ہمارے معبودوں کو گالیاں دینے، ہمارے باپ دادا کی برائی اور ہمارے دین کی عیب چینی سے باز آ جائے۔ اب یا تو آپ اسے روکیں یا ہماری اور آپ کی جنگ ہو گی۔ ہم نے آپ سے معذرت طلب کی تھی اور ہماری خواہش تھی کہ ہمیں آپ کی دشمنی اور آپ سے محاذ آرائی سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ ہمارے خیال میں اس معاملے کا یہی حل ہے۔ آپ اس بارے میں سوچیں اور ہمیں اپنے فیصلہ سے مطلع فرمائیں۔"

(۲۰۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس نے مجھے بتایا کہ جب قریش نے ابو طالب کو یہ الٹی میٹم دیا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا اور آپؐ سے کہا: "بھتیجے! آپؐ کی قوم نے آ کر مجھ سے یہ یہ باتیں کہی ہیں اور ان کی باتوں سے ظاہر ہو گیا ہے کہ انہوں نے میرے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا ہے۔ آپؐ میرے لیے بھی اور اپنے لیے بھی جینے کی کچھ گنجائش باقی رہنے دیں اور آپؐ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں کہ نہ میں اسے اٹھا سکوں اور نہ آپؐ اٹھا سکیں۔ اس لیے آپؐ اپنی قوم سے ایسی باتیں کہنا چھوڑ دیں جو انہیں ناگوار ہیں اور جن کی وجہ سے ہمارے اور ان کے درمیان تفریق واقع ہو گئی ہے۔" اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمان کیا کہ میرے چچا کی پوزیشن نازک ہو گئی ہے ان کے لیے میری حمایت کرنا مشکل ہو گیا ہے اور وہ اس سے دست بردار ہونے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دینے کے لیے مجبور ہو چکے ہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چچا جان! اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیا جائے پھر بھی میں یہ کام نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ تعالیٰ اسے کامیاب فرمائے یا میں اپنے مقصد کے حصول میں ہلاک ہو جاؤں۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں فرطِ جذبات کے باعث آنسو امڈ آئے اور آپؐ رو دیے۔ جب آپؐ جانے لگے تو ابو طالب نے یہ دیکھ کر کہ حضورؐ پر اس بات کا کیسا ناگوار اثر ہوا ہے آنحضرتؐ کو پکارا: "بھتیجے! واپس آؤ۔" آنحضرتؐ واپس آ گئے تو ابو طالب نے کہا: "آپؐ اپنا مشن جاری رکھیں اور جو کچھ کرنا چاہیں کریں۔ بخدا! میں کسی چیز کی وجہ سے آپؐ کو دشمنوں کے حوالے نہ کروں گا۔"

(۲۰۱) یونس نے طلحہ بن یحییٰ بن طلحہ بن عبید اللہ کی وساطت سے موسیٰ بن طلحہ کی روایت نقل کی۔ موسیٰ نے کہا: مجھے

عقیل بن ابی طالب نے خبر دی کہ قریش ابو طالب کے پاس آئے اور انہیں کہا: "تمہارا یہ بھتیجا ہماری مجلسوں میں اور ہماری مسجد میں (یعنی ہر جگہ) ہماری ایذا رسانی کے درپے ہے آپ اسے روکیں۔" ابو طالب نے کہا: "اے عقیل! جاؤ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلا لاؤ۔" چنانچہ میں گیا اور آپؐ کو ایک چھوٹے سے مکان سے نکال کر لے آیا۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ سخت گرمی کا موسم تھا اور دوپہر کا وقت تھا آنحضرتؐ گرمی کی شدت سے بچاؤ کے لیے سایہ میں چلنے کی کوشش کرتے تھے جب آنحضرتؐ تشریف لائے تو ابو طالب نے آپؐ سے کہا: "آپؐ کے ان چچیرے بھائیوں کا گمان ہے کہ آپؐ مجلس و مسجد میں ان کی ایذا رسانی کے درپے ہیں، آپؐ کو چاہیے کہ آپؐ ان کے لیے اذیت کا باعث نہ بنیں۔" آپؐ نے اپنی نگاہ آسمان کی جانب اٹھائی اور فرمایا: "کیا تم اس سورج کو دیکھتے ہو؟" انہوں نے کہا: "ہاں"۔ پھر آپؐ نے فرمایا: "میں تمہاری وجہ سے اپنے اس کام کو چھوڑنے کی قدرت نہیں رکھتا جس طرح تم اس سورج سے شعلہ حاصل کرنے پر قادر نہیں ہو" اس پر ابو طالب نے قریش کے وفد کو کہا: "بخدا! میرے بھتیجے نے ہمارے ساتھ کبھی جھوٹی بات نہیں کہی، اس لیے تم چلے جاؤ اور مجھے معذور سمجھو۔"

(۲۰۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ جب ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و نصرت اور قوم کی عداوت و مفارقت کے برخلاف آنحضرتؐ کے دفاع کا فیصلہ کر لیا تو یہ اشعار کہے:

و اللہ لن یصلوا الیہ بجمعھم	بخدا! قریش اپنی جمعیت کے باوجود (آنحضرتؐ کو نقصان پہنچانے کیلئے)
حتی اوسد فی التراب دفینا	آپؐ کے قریب ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے جب تک کہ میں مٹی میں دفن ہو کر لیٹ نہ جاؤں۔
امض لامرک ماعلیک غضاضۃ	آپؐ اپنے کام کو جاری رکھیں ذلت و منقصت آپؐ کو چھو نہ سکے گی۔
وابشر وقر بذاک منک عیونا	آپؐ خوش ہو جائیں اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کریں۔
ودعوتنی وعلمت انک ناصح	اور آپؐ نے مجھے دعوت دی اور میں نے جان لیا کہ آپؐ ناصح و خیر خواہ ہیں
فلقد صدقت وکنت قدما امینا	اور پہلے سے ہی صادق و امین تھے۔
وعرضت دینا قد عرفت انہٗ	آپؐ نے اپنا دین پیش کیا اور مجھے معرفت حاصل ہو گئی کہ یہ دین دنیا کے
خیر ادیان البریہ دینا	جملہ ادیان سے بہتر ہے۔
لولا الملامۃ و حذاری سبۃ	اگر مجھے (قوم کی) ملامت اور سب وشتم کا خوف لاحق نہ ہوتا تو آپؐ
لوجدتنی سمحا لذاک مبینا	مجھے دیکھتے کہ میں جوانمردی کے ساتھ علانیہ اس دین کی پیروی اختیار کرتا۔

جب قریش نے یہ کہا کہ آپؐ نے ہماری عقلوں کو بے عقل قرار دیا ہے، ہمارے دین کی برائی کی ہے اور ہمارے باپ دادا کو گالیاں دی ہیں۔ بخدا! ہم اس توہین کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ اس وقت ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ حضورؐ آپ کو سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھے اور آپؐ کی شان میں،

فوراً ایک قصیدہ کہا اور اس کے آخر میں اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے انہیں آنحضرتؐ کو اذیت پہنچانے سے باز رہنے کی تلقین کی۔ قصیدہ مذکور کے چند اشعار یہ ہیں:

لما رأیت القوم لا ود بینھم وقد قطعوا کل العری والوسائل	جب میں نے قوم کو دیکھا کہ وہ محبت و مودت سے عاری ہو چکے ہیں اور انہوں نے تمام مضبوط رشتوں اور تعلقات کو منقطع کر دیا ہے۔
وقد صارحونا بالعداوۃ والاذی وقد طاوعوا امر العدو المزایل	وہ عداوت و ایذا رسانی کے لیے کھل کر ہمارے سامنے آ گئے ہیں اور انہوں نے ہماری گھات میں بیٹھے ہوئے دشمن کے ساتھ موافقت اختیار کر لی ہے۔
وقد حالفوا قوماً علینا اظنۃ یعضون غیظاً خلفنا بالانامل	انہوں نے ہماری مخالفت میں تہمت زدہ لوگوں کو اپنا حلیف بنا لیا ہے اور وہ سب غیظ و غضب کے باعث ہمارے پیچھے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔
صبرت لھم نفسی بصفراء سمحۃ وابیض عضب من سیوف المقاول	میں ان کے سامنے چٹان کی طرح ڈٹ گیا اور میرے پاس ایک لچکدار کمان اور معاہد کی تلواروں میں سے ایک تلوار تھی۔
واحضرت عند البیت رھطی واسرتی وامسکت من اثوابہ بالوصائل	میں نے بیت اللہ کے پاس اپنی برادری اور اہلِ خاندان کو حاضر کیا اور میں نے بیت اللہ کی دھاری دار چادروں کے غلاف کو پکڑ لیا۔
عکوفاً معاً مستقبلین رتاجہ لدی حیث یقضی حلفہ کل نافل	میں دوسرے قبلہ رُخ کھڑا ہونے والوں کے ساتھ وہاں پر کھڑا ہو گیا جہاں ہر قسم اٹھانے والا کھڑا ہو کر قسم اٹھاتا ہے۔
وحیث ینیخ الاشعرون رکابھم بمفضی السیول بین ساف و نائل	جہاں یمن کے قبیلہ اشعر کے لوگ آکر اپنے اونٹ بٹھاتے ہیں۔ یہ جگہ سیلابوں کی زد میں ہے اور اساف اور نائلہ بتوں کے درمیان واقع ہے۔

(۲۰۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین کی تبلیغ جاری رکھی اور بنی ہاشم اور بنی مطلب نے آپؐ کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا اور انہوں نے آپؐ کو کفار کے سپرد کر دینے سے انکار کر دیا حالانکہ وُہ بھی دیگر کفارِ قریش کی طرح آپؐ کے دین کے مخالف تھے لیکن وہ اس حرکت کو ذلت آمیز سمجھتے تھے کہ وُہ اپنی برادری کے آدمی کو دشمنوں کے حوالے کر دیں۔ جب بنی ہاشم اور بنی مطلب نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا اور قریش نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا بس نہیں چلتا تو انہوں نے برافروختہ ہو کر یہ طے کیا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف ایک دستاویز لکھی جائے کہ ان کے ساتھ شادی بیاہ اور خرید و فروخت کے تعلقات نہ رکھے جائیں۔ چنانچہ اس بارہ میں انہوں نے ایک دستاویز تیار کی، اس دستاویز کا کاتب منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار تھا۔ انہوں نے اس دستاویز کو خانہ کعبہ کے ساتھ لٹکا دیا۔ پھر وہ مسلمانوں کے ساتھ کھلی دشمنی پر

اُتر آئے انہیں پابند کر دیا اور اذیت پہنچائی۔ قریش کا یہ محاصرہ مسلمانوں کے لیے بلاءِ عظیم ثابت ہُوا اور وہ بُری طرح ہلا دیئے گئے۔

دشمنِ خدا ابُولہب (بن عبد المطلب) نے اپنے خاندان سے علیحدگی اختیار کر کے قریش کا ساتھ دیا اور کہا: "اُے گروہِ قریش! میں لات اور عزّیٰ کا حامی ہوں۔" چنانچہ اللہ عزّ و جلّ نے اس کے بارے میں یہ سورۃ اللّھب نازل فرمائی:

تبت یدا ابی لهب و تب ○ ما اغنیٰ
عنه ماله وما کسب ○ سیصلیٰ نارا
ذات لهب ○ وامراته حمالة الحطب ○
فی جیدها حبل من مسد ○

ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہوگیا وُہ۔ اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا۔ ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور (اس کے ساتھ) اس کی جورو بھی، لگائی بجھائی کرنے والی، اس کی گردن میں مُونج کی رسی ہوگی۔

(۲۰۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی کہ صفیہ بنت عبد المطلب نے یہ اشعار کہے:

الا من مبلغ عنی قریشا
ففیم الامر فینا و الامار

خبردار! قریش کو میری طرف سے کون یہ بات پہنچانے والا ہے کہ ہمارے درمیان کیا معاملہ رونما ہوا ہے۔

لنا الامر المقدم قد علمتم
ولم توقد لنا بالغدر نار

تم جانتے ہو کہ ہماری بات مقدم ہے اور ہمارے لیے جنگ کی آگ غداری کر کے نہیں بھڑکائی جا سکتی۔

مجازیل العطا اذا وهبنا
والیسار اذا ابتغی الیسار

جب ہم ہبہ کرتے ہیں تو بہت زیادہ عطا کرتے ہیں اور جب آسانی کا مطالبہ کیا جائے تو ہم وہ بھی عطا کرتے ہیں۔

وکل مناقب الخیرات فینا
وبعض الامر منقصة و عار

جملہ مناقب خیر ہم میں موجود ہیں اور بعض امور ذلت و منقصت اور عار کا باعث ہوتے ہیں۔

فلا موالعادیات غداة جمع
بایدیها اذا سطع الغبار

جب غبار اڑ کر بلند ہُوا تو لوگوں نے اس جماعت کی ملامت کی جنہوں نے علی الصبح قتل و قتال کے لیے فضا کو تیار کیا۔

لنصطبرن لامر الله حتی
یبین ربنا این القرار ؟

ہم اللہ کے فیصلے کو صبر کے ساتھ برداشت کریں گے یہاں تک کہ ہمارا پروردگار ہمارے لیے واضح کر دے کہ کہاں جا کر ٹھہرنا ہے؟

اور ابوطالب نے یہ اشعار کہے:

الا ابلغا عنی علی ذات بینها
لؤیا وخصا من لؤی بنی کعب

خبردار! تم دونوں میری طرف سے بنی لوی اور بالخصوص بنی لوی میں سے بنی کعب کو وہ بات پہنچا دو جو ظاہر ہو چکی۔

الم تعلموا انا وجدنا محمدا
نبیا کموسیٰ خط فی اول الکتب
وان علیہ فی العباد محبۃ
ولا خیر فیمن خصہ اللہ بالخب

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ جیسا نبی پایا ہے جن کا ذکر پہلی کتابوں میں لکھا ہوا موجود ہے۔ اللہ کے بندے محبت کے ساتھ آپؐ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے فریب کاری اور خیانت کے لیے مخصوص کر دیا ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

وان الذی اضفتم فی کتابکم
لکم کائن نحسا کراغیۃ السقب
افیقوا افیقوا ان یحفر الثری
ویصبح من لم یجن ذنبا کذی الذنب

جو کچھ تم نے اپنی دستاویز میں قلمبند کیا ہے اونٹنی کے نوزائیدہ بچے کی آواز کی طرح اس کی نحوست کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔ نیند سے بیدار ہو جاؤ اور ہوش میں آؤ قبل اس کے کہ قبر کھودی جائے اور جس نے کوئی گناہ نہیں کیا اس کو بھی گناہگاروں کی طرح حساب دینا پڑے۔

ولا تتبعوا امر الغواۃ وتقطعوا
اواصرنا بعد المودۃ والقرب
وتستجلبوا حربا عوانا وربما
امر علی من ذاقہ حلب الحرب

گمراہوں کی باتوں کا اتباع نہ کرو اور مروت اور قربت کے بعد ہمارے معاہدوں کو نہ توڑو۔ جنگ کو دعوت نہ دو اور زور آزمائی کے مواقع پے در پے پیدا نہ کرو، کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ جنگ کا دودھ جس شخص نے بھی چکھا ہے اس نے اسے کڑوا محسوس کیا ہے۔

ولسنا ورب البیت نسلم احمدا
علی الحال من عض الزمان ولا کرب
الیس ابونا ہاشم شد ازرہ
واوصی بنیہ بالطعان وبالضرب؟

رب البیت کی قسم! ہم وہ لوگ نہیں ہیں کہ شدائد زمانہ اور کرب و بلا کی وجہ سے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حالات کے سپرد کر دیں۔ کیا ہمارے باپ ہاشم نے اپنی قوت کو مستحکم نہیں کیا تھا اور اپنے بیٹوں کو یہ وصیت نہیں کی تھی کہ وہ نیزے اور تلوار کے استعمال میں مہارت حاصل کریں؟

ولسنا نمل الحرب حتی تملنا
ولا نشتکی ما ینوب من النکب

ہم جنگ آزمائی سے اکتانے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ خود جنگ ہی ہم سے اکتا جائے اور ہم پر جو نکبت و مصیبت بھی آئے ہم اس کے بارے میں شکایت کرنے والے نہیں ہیں۔

ولکننا اہل الحفاظ ذوو النہی
اذا طار ارواح الکماۃ من الرعب

جب زرہ پوش جنگی بہادروں کی روحیں رعب اور خوف سے اڑی جاتی ہیں ہم اس وقت بھی اپنے حواس نہیں کھوتے بلکہ محافظت اختیار کرتے ہیں اور عقل سے کام لیتے ہیں۔

ابوطالب نے یہ اشعار بھی کہے:

الا ابلغا عنی لؤیا رسالة
بحق وما تغنی رسالة مرسل

خبردار! تم دونوں میری طرف سے بنی لؤی کو یہ پیغام پہنچا دو جو حقیقت پر مبنی ہے حالانکہ پیغام بھیجنے والے کا پیغام فائدہ مند ثابت نہیں ہوگا۔

بنی عمنا الادنین تیما نخصهم
واخوتنا من عبد شمس و نوفل

یہ پیغام ہمارے قریبی چچا کے بیٹوں بنی تیم اور بالخصوص ہمارے بھائیوں بنی عبد شمس اور بنی نوفل کے لیے ہے۔

اظاهرتم قوما علینا ولایة
وامر غوی من غواة و جهل؟

کیا تم ہمارے خلاف ایسی قوم کی مدد کرتے ہو اور گمراہوں اور جاہلوں کے ہتھکنڈوں میں آچکے ہو؟

یقولون انا قد قتلنا محمدا
اقرت نواصی هاشم بالتذلل

جو یہ کہتے ہیں ہم نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے اور بنی ہاشم کی پیشانیوں کو ذلت کے ساتھ جھکا دیا ہے۔

کذبتم ورب الهدی تدمی نحورها
بمکة والرکن العتیق المقبل

ربِ ہدایت کی قسم! تم جھوٹ کہتے ہو مکہ میں اور رکنِ عتیق جسے بوسہ دیا جاتا ہے اس کے پاس ان کے گلے کاٹے جائیں گے اور خون بہے گا۔

تنالونه او تبطلون لقتله
صوارم تفری کل عظم و مفصل

تم آنحضرتؐ کو حاصل کرو گے یا آپؐ کے قتل کا ابطال کرو گے اور کاٹنے والی تلواریں ہڈیوں اور اعضا کے جوڑوں کو کاٹ کر رکھ دیں گی۔

وتدعوا بویل انتم ان ظلمتم
مقالیه فی یوم اغر محجل

اگر تم نے آپؐ کے گھروں پر ظلم کیا تو تم بُرے ناموں سے پکارے جاؤ گے۔ اس دن جبکہ کچھ چہرے چمکتے ہوں گے۔

فمهلا ولما تنتج الحرب بکرها
ویاتی تماما او اخر معجل

پس نرم رویہ اختیار کرو۔ جنگ پینترے بدل بدل کر لڑی جانے کے بعد بالآخر جلد ہی ختم ہو جائے گی۔

وانا متی ما نمرها بسیوفنا
تجلجل وتعرك من نشاء بکلکل

ہم کب تک اپنی تلواروں کو حرکت دیتے رہیں گے اور معرکہ آرائی کر کے گلے کاٹتے رہیں گے۔

ویعلو ربیع الابطحین محمدؐ
علی ربوة من راس عنقاء عیطل

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سختیاں اور مصائب برداشت کر کے وادیٔ بطحا کے موسم بہار میں ایک ٹیلہ پر چڑھ جائیں گے۔

ویاوی الیها هاشم ان هاشما
عرانین کعب آخرا بعد اول

اور بنی ہاشم اس کے پاس پناہ حاصل کریں گے اور بنی ہاشم اوّل سے لے کر آخر تک سب کے سب سردار اور اشراف ہیں۔

فان کنتم ترجون قتل محمد
فروموا بما جمعتم نقل یذبل

اگر تم محمدؐ کو قتل کرنا چاہتے ہو تو سب کے سب اکٹھے ہو کر ضرورت سے زیادہ کوشش کرتے رہو تمہاری کوشش بے فائدہ ثابت ہوگی۔

فانا سنمنعه بكل طمرة	ہم لمبی ٹانگوں والے عمدہ، مضبوط اور تنومند اور تیز رفتار گھوڑوں کے ساتھ
وذی میعة نهد المراکل هیکل	آپؐ کا دفاع کرتے رہیں گے۔
وکل ردینی ظماکعوبه	ہر نیزے کا بھالا بلند ہوگا اور شعلہ زن ہوگا جس طرح سفید بادل چمکتا ہے
وعضب کایماض الغمامة یفصل	اور نیزوں کے بھالے ٹکڑے ٹکڑے کرتے چلے جائیں گے۔
بایمان شم من ذؤابة هاشم	یہ کارروائی ہاشمی سرداروں کے ہاتھوں عمل میں لائی جائے گی جو ہر محفل
مغاویر الابطال فی کل محفل	میں بہادروں پر غارت ڈالتے ہیں۔

(۲۰۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب قریش نے ابوطالب کا یہ کلام سُنا اور دیکھ لیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر کس طرح کمربستہ ہوں تو وہ ان سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے بنی عبدالمطلب کو مظالم کا تختۂ مشق بنانے کی ٹھان لی۔ ابوطالب ان کو لے کر آئے اور وہ سب کعبہ کے پردوں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنی قوم کے مظالم قطع رحمی، جنگ آزمائی اور خونریزی کے خلاف اللہ تعالیٰ سے دعا کی، ابوطالب نے یہ دعائیہ کلمات کہے: "اے اللہ! ہماری قوم ہم سے برگشتہ ہو چکی ہے اور ان سب نے ہمارے خلاف متحدہ محاذ بنا لیا ہے، تو ہماری جلد امداد فرما اور ان کے اور میرے بھتیجے کے درمیان حائل ہو جا" پھر انہوں نے اپنا رُخ قریش کی طرف پھیرا جو ان کو اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ رہے تھے۔ ابوطالب نے ان کو اس طرح خطاب کیا، "ہم اس گھر کے مالک کے حضور قطع رحمی کرنے والے اور رشتہ داروں سے بدسلوکی کرنے والے کے خلاف بددعا کرتے ہیں۔ بخدا! تمھیں چاہیے کہ اپنے بُرے ارادوں سے باز آ جاؤ ورنہ ہماری قطع رحمی کے سبب اللہ تعالیٰ تم پر مکروہ عذاب نازل کرے گا۔" قریش نے اس کا یہ جواب دیا: "اے بنی عبدالمطلب! ہمارے اور تمہارے درمیان مصالحت اور صلہ رحمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ (خاکم بدہن) اسؐ بیوقوف لڑکے کو قتل نہ کر دیا جائے"۔

ابوطالب اپنے موقف پر ڈٹ گئے، وہ اپنے بھتیجے اور بھائیوں کو گھاٹی میں لے گئے اور ان کے علاوہ دوسرے ایسے لوگوں کو بھی گھاٹی میں داخل کیا جو مومنوں میں سے تھے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و امداد پر کمربستہ تھے یا مشرک ہونے کے باوجود آنحضرتؐ کے حامی تھے۔ یہ سب کے سب اس گھاٹی میں داخل ہو گئے جو مکہ کے نواح میں شعب ابی طالب کے نام سے موسوم تھی۔

جب عمرو یعنی عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ قریش کے پاس واپس آئے اور انہوں نے انہیں وہ باتیں بتائیں جو نجاشی (شاہِ حبشہ) نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہیں تو قریش بہت چیں بجبیں ہوئے انہوں نے آنحضرتؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو سخت اذیت پہنچانا شروع کی۔ وہ انہیں ہر راستہ پر مارتے تھے اس طرح انہیں گھاٹی میں محصور کر دیا گیا اور ان کی ایسی ناکہ بندی کی گئی کہ ان کو بازار کی اشیاء پہنچنے کے تمام راستے بند ہو گئے۔ کفار کسی شخص کو بھی ان کے پاس جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے جو ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں یا دوسری

ضروری اشیاء لے جانا چاہتا ہو۔ محصورین صرف حج کے موسم میں گھاٹی سے نکل سکتے تھے اس موقع پر بھی قریش کے لوگ جلدی کرکے بازاروں کا مال خرید لیتے تھے اور محصورین سے زیادہ قیمت مانگی جاتی تھی تاکہ مال خریدنے سے محروم رہیں۔ ولید بن مغیرہ کا منادی قریش کے درمیان یہ ندا کرتا پھرتا تھا کہ محصورین میں سے جس آدمی کو تم کھانے کی چیزیں خریدتے ہوئے دیکھو تو تاجر کو اس سے زیادہ قیمت دے کر وہ چیزیں خرید لو اور محصورین کو محروم کر دو۔

(۲۰۶) یونس نے عیسیٰ بن عبداللہ تمیمی کے حوالہ سے ربیع بن انس کی یہ روایت نقل کی کہ ولید بن مغیرہ کی بد خلقی اور سفاکی کے باعث اس کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

عتل بعد ذٰلک زنیم ○ (القلم-۱۳) وہ جفا کار ہے اور ان سب عیوب کے ساتھ بد اصل ہے۔

(۲۰۷) شعب ابی طالب کی محصوری اور بائیکاٹ کی دستاویز

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی وہ روایت نقل کی جو اس نے ولید کی منادی کے بارے میں بیان کی۔ ولید کا منادی یہ ندا کرتا پھرتا تھا کہ "محصورین میں سے جس کسی کو تم دیکھو کہ وہ کوئی کھانے کی چیز خرید رہا ہے تو تم اس سے زیادہ قیمت دے کر وہ چیز خرید لو اور تاجروں اور ان کے درمیان حائل ہو جاؤ اور جس کے پاس نقدی نہ ہو اسے چاہیے کہ وہ خرید لے۔ نقدی کی ادائیگی میرے ذمے ہوگی۔" وہ متواتر تین سال تک ایسا کرتے رہے یہاں تک کہ محصورین کی حالت انتہائی کربناک ہوگئی اور ان کے بھوکے بچوں کے رونے بلکنے کی آوازیں شعب ابی طالب سے باہر سنی جانے لگیں۔ بنو ہاشم کے اس ابتلا کو مشرکین ناپسندیدہ سمجھنے لگے۔ یہاں تک کہ عام قریش بھی بنی ہاشم کی اس مصیبت کو کراہت کی نظر سے دیکھنے لگے۔

انہوں نے بائیکاٹ کی اس ظالمانہ دستاویز پر جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کے برخلاف تحریر کی گئی تھی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور ان میں سے کچھ آدمی اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ وہ اس دستاویز سے اعلانِ برأت کر دیں۔ اس دوران میں ابو طالب ڈرتے تھے کہ کہیں کفارِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت یا خفیہ طریقے سے قتل نہ کر دیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹتے یا سو جاتے تو اسی خوف کے باعث ابو طالب آپؐ کو جگا کر اپنے اور اپنے بیٹوں کے درمیان سلاتے۔

قریش رات کے وقت بنی ہاشم کے بھوکے بچوں کے رونے کی آوازیں گھاٹی میں سنتے۔ جب صبح کے وقت اٹھ کر وہ اپنی مجلسوں میں کعبہ کے پاس بیٹھتے تو ایک دوسرے سے سوال کرتے۔ ایک آدمی اپنے رفیق سے پوچھتا: "تمہارے اہل و عیال نے گزشتہ رات کیسے گزاری؟" وہ جواب دیتا: "خیریت سے۔" پہلا آدمی کہتا: "لیکن تمہارے یہ بھائی جو گھاٹی میں محصور ہیں انہوں نے اس حال میں رات بسر کی کہ ان کے بچے صبح تک بھوک سے بلکتے رہے۔" قریش کے کچھ لوگ ایسے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کی یہ حالت دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو اس صورتِ حال کو دیکھ کر کراہت محسوس کرتے تھے۔ اس موقع پر ابو طالب نے یہ اشعار کہے جن میں انہوں نے ذکر کیا کہ کفارِ قریش حضرت محمدؐ کے

بارے میں کیا مطالبہ کرتے تھے اور وہ ہر موسم حج میں کس طرح اکٹھے ہو کر ہمیں اپنی ضروریات کی اشیاء خریدنے سے محروم رکھتے تھے۔ اشعار درج ذیل ہیں :

الا من لهم آخر الليل معتم
طوانى واخرى النجم لم يتقحم

ان لوگوں سے آگاہ رہو، جو آخر شب اپنے ہاتھ خون سے رنگین کرنا چاہتے ہیں انھوں نے مجھ پر زیادتی کی ہے اور ابھی تو آخری ستارہ بھی غروب نہیں ہوا۔

طوانى وقد نامت عيون كثيرة
وسائر اخرى ساهر لم ينوم

وہ میرے ساتھ زیادتی کا ارتکاب کر رہے ہیں اور اس وقت بہت سی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور دوسری کچھ آنکھیں جاگ رہی ہیں اور انھیں نیند نہیں آتی۔

لاحلام اقوام ارادوا محمدا
بسوء و من لا يتقى الظلم يظلم

ان آنکھوں کی بیداری ان لوگوں کی عقلوں کے باعث ہے جو حضرت محمدؐ کے خلاف بُرے منصوبے تیار کرتے ہیں اور جو شخص ظلم سے باز نہیں آتا اس کے ساتھ بھی ظلم کیا جاتا ہے۔

سعوا سفها واقتادهم سوء امرهم
على قليل من راى غير محكم

ان کی تمام تر کوششیں احمقانہ ہیں۔ حماقت ہی انھیں باہر کھینچ لائی ہے اور ان کی یہی بیوقوفی ان کی غیر محکم رائے پر مسلط ہو کر برائی کے لیے کوشاں ہے۔

رجاء امور لم يسالوا نظامها
وان حشدوا فى كل نفر و موسم

وہ ایسے امور کے طلبگار ہیں جن کی سچائی و پختگی سے وہ ناواقف ہیں اگرچہ ان میں کا ہر گروہ ہر موسم میں ان امور کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

يرجون ان نسخى بقتل محمد
ولم تختضب سمر العوالى من الدم

ان کا مطالبہ یہ ہے کہ ہم محمدؐ کے قتل کو گوارا کرلیں اور نیزوں کے سروں کو اور حجاز، نجد اور تہامہ کی سرزمین کو خون سے رنگین نہ کریں۔

يرجون منا خطة دون نيلها
اضراب وطعن بالوشيح المقوم

وہ ہم سے ایسا غیر معقول مطالبہ کر رہے ہیں جس کو حاصل کرنے کے لیے نیزوں کا نشانہ بننا پڑتا ہے اور سیدھا رکھنے والی تلواروں کی ضربیں کھانا پڑتی ہیں۔

كذبتم و بيت الله لا تقتلونه
جماجم تلقى بالحطيم و زمزم

بیت اللہ کی قسم! تم جھوٹے ہو تم آنحضرتؐ کو قتل نہیں کر سکو گے۔ یقیناً سروں کی کھوپڑیاں حطیم اور زمزم کے پاس کاٹ کر پھینکی جائیں گی۔

وتقطع ارحام و تنسى حليلة
خليلا و تغشى محرما بعد محرم

خونی رشتے منقطع ہو جائیں گے۔ مصاہرت اور دوستی اور ہمسائیگی کے تعلقات فراموش کر دئیے جائیں گے اور حرم کعبہ میں آنے والے ہر شخص کو پردہ پوش کر دیا جائے گا۔

وينهض قوم فى الدروع اليكم
يذبون عن احسابهم كل مجرم

ایک قوم زرہ پوش ہو کر تیزی کے ساتھ تم پر حملہ آور ہوگی اور ہر مجرم کو اس کے خاندانی محاسن و مفاخر سے محروم کر کے کیفر کردار تک پہنچائے گی۔

(۲۰۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف قریش کے مقاطعہ کی کارروائی دو یا تین سال تک جاری رہی یہاں تک کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب انتہائی ظلم و تشدد کا شکار ہوگئے۔ قریش کے جو لوگ ان کے ساتھ صلہ رحمی کا سلوک کرنا چاہتے وہ ان کے پاس کوئی چیز علانیہ نہیں بھجوا سکتے تھے بلکہ پوشیدہ طریقے سے ہی ان سے احسان کر سکتے تھے۔ راوی کا بیان ہے : مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک دن حکیم بن حزام نکلا اس کے ہمراہ ایک شخص اس کی پھوپھی بنت خویلد کے لیے کھانا اٹھائے جا رہا تھا (حضرت خدیجہؓ زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرتؐ کے ساتھ شعب میں محصور تھیں) اس دوران میں حکیم کی ملاقات ابوجہل سے ہوگئی۔ ابوجہل پکار اٹھا "تم یہ کھانا بنی ہاشم کے لیے لے جا رہے ہو؟ بخدا تمہارا کھانا اور تم آگے نہیں جا سکتے جب تک کہ میں تمہیں قریش کے درمیان رسوا نہ کردوں۔ ابوالبختری بن ہاشم بن حارث بن اسد نے ابوجہل سے کہا "یہ حکیم کی پھوپھی کا کھانا ہے جو حکیم کے پاس تھا اور اب وہ پھوپھی کے پاس بھیجنا چاہتا ہے کیا تم اسے ایسا کرنے سے باز رکھنا چاہتے ہو؟" لیکن ابوجہل نے اسے چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ ابوالبختری نے اونٹ کی پنڈلی کی ہڈی اس کے سر پر دے ماری اور اسے زخمی کر دیا اور پاؤں کے ساتھ اسے کچل کر اس کی خوب مرمت کی۔ حمزہ بن عبدالمطلب قریب ہی یہ سب ماجرا دیکھ رہے تھے اور کفار یہ نہ چاہتے تھے کہ اس واقعہ کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچے ایسا نہ ہو کہ وہ کفار کی باہمی آویزش سے خوش ہوں۔ ابوالبختری نے اس موقع پر یہ اشعار کہے :

ذق یا اباجهل لقیت غما	اے ابوجہل ! اپنی غمزدگی کا مزہ چکھو ، اس طرح جہالت اور سخت کلامی
كذالك الجهل يكون ذما	مذمت کا باعث بنتی ہے۔
سوف ترى عودی ان الما	تو دیکھے گا کہ میں جلد لوٹ کر آؤں گا۔ اسی طرح سرزنش اور دھمکی لوٹ کر
كذالك اللوم يعود ذما	مذمت بن جاتی ہے۔
تعلم انا نفرج المهما	تو جانتا ہے کہ ہم مہمات امور کو سر کرتے ہیں اور کشادہ رو اور ہشاش بشاش
ويمنع الابلج ان يطما	آدمی کو مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔

(۲۰۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا : پھر اللہ تعالیٰ نے اس دستاویز پر جو قریش نے بنی ہاشم کو مغلوب کرنے کے لیے تحریر کی اپنی رحمت سے دیمک کو مسلط کر دیا اور اس میں جہاں اللہ کا نام تھا اس جگہ کو دیمک نے چاٹ لیا اور صرف ظلم اور قطع رحمی اور بہتان طرازی کا مضمون[۱] باقی رہ گیا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی اور آنحضرتؐ نے اس کی خبر ابو طالب کو دی۔ انھوں نے آپؐ سے پوچھا

---

[۱] اس کے برعکس ابن ہشام نے ایک روایت نقل کی ہے جس کے مطابق مقاطعہ کی دستاویز میں جور و ظلم اور قطع رحمی کا جو مضمون لکھا گیا تھا اس کو دیمک چاٹ گئی اور صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا۔ یہی مضمون اس کتاب کے آئندہ پیراگراف ۲۱۰ کے اواخر میں بیان ہوا ہے اور یہی بات قابل قبول اور صحیح معلوم ہوتی ہے۔ مترجم

"بھتیجے! یہ بات آپؐ کو کس نے بتائی ہے؛ نہ ہمارے پاس کوئی آدمی آتا ہے اور نہ آپؐ کسی آدمی کے پاس جاتے ہیں اور نہ ہی آپؐ نے کبھی کوئی جھوٹی بات کہی ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے میرے رب نے خبر دی ہے۔" آپؐ کے چچا نے کہا: "آپؐ کا رب سچا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ بھی صادق ہیں۔" ابو طالب نے اپنے آدمیوں کو اکٹھا کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبر انہیں بتائی تھی وہ انہوں نے اپنے آدمیوں سے صیغۂ راز میں رکھی تاکہ خبر پھیل کر مشرکین تک نہ پہنچ جائے اور اس دستاویز کے بارے میں کوئی خبیث حیلہ اور مکر تیار نہ کرلیں۔

ابو طالب اپنے آدمیوں کو لے کر مسجدِ حرام میں آ گئے۔ مشرکین اس وقت کعبہ کے سامنے میں بیٹھے تھے۔ جب انہوں نے ان محصورین کو آتے ہوئے دیکھا تو خوش ہوئے اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ محصوری اور ابتلأ سے تنگ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے ان کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ جب ابو طالب اپنے ہمراہیوں کو لے کر کفار کے پاس پہنچے تو انہوں نے "خوش آمدید" سے ان کا استقبال کیا اور کہا: "تم لوگوں کو چاہیے کہ تم اپنے اس آدمی کے قتل پر راضی ہو جاؤ جس کے قتل میں تمہارے لیے خیر و صلاح ہے اور جس کے زندہ رہنے سے تمہیں قوم کا مقاطعہ اور فساد برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔" ابو طالب نے کہا: "میں تمہارے پاس ایک بات لے کر آیا ہوں شاید اس کے ذریعے سب کا بھلا ہو جائے۔ آپ لوگ میری اس پیشکش کو تسلیم کرلیں اور وہ دستاویز لائیں جس کی رُو سے آپ لوگوں نے ہمیں مغلوب کر رکھا ہے۔" وہ لوگ دستاویز لے آئے تو ابو طالب نے کہا: "میرے بھتیجے نے اس کے متعلق مجھے یہ خبر دی ہے کہ اللہ عزّ وجل نے اس دستاویز پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے اور اس میں جہاں اللہ کا نام تھا اس کو دیمک نے چاٹ لیا اور صرف ظلم و قطع رحمی اور بہتان طرازی کا مضمون باقی رہ گیا ہے میرے بھتیجے نے مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔ اگر میرا بھتیجا جھوٹا ثابت ہو جائے تو تمہارا یہ حق بنتا ہے کہ میں اسے تمہارے حوالے کر دوں اور تم اسے قتل کر دو اور اگر وہ سچا ہے تو تمہیں اپنی اس قطعِ رحمی کی روش سے باز آ جانا چاہیے۔"
قریش نے اس پیشکش کو قبول کرلیا اور فریقین کی طرف سے اس کے مطابق عہد و پیمان ہو گیا۔ جب دستاویز کو کھولا گیا تو اس کی حالت ویسی ہی تھی جیسی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی تھی، اس طرح وہ بے وفائی کے مرتکب قرار پائے۔ ابو طالب اور ان کے ساتھی خوش ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ یہ فریب کاری، قطعِ رحمی اور بہتان بازی کب تک روا رکھی جائے گی! اس موقع پر مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف اور ہشام بن عمرو برادر عامر بن لوّی بن حارثہ اُٹھے اور انہوں نے کہا: "ہم قطع رحمی، عداوت اور ظلم پر مبنی اس دستاویز سے اعلانِ برأت کرتے ہیں۔ ہم اپنے خلاف اور اپنے شرفأ کے خلاف فساد انگیزی میں کسی سے تعاون نہیں کریں گے۔ قریش کے کچھ دیگر لوگوں نے بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ اس طرح بنی ہاشم اور دیگر محصورین گھاٹی سے باہر آ گئے۔ وہ شدید مصائب میں مبتلا کئے گئے تھے۔ ابو طالب نے حضرت محمدؐ اور آنحضرتؐ کے خلاف کفار کے ارادۂ قتل کے بارے میں یہ اشعار کہے:

طاول لیلی بھم و صب	میری رات غم و اندوہ اور قلتِ خوراک اور گریہ و زاری کے باعث طویل ہو گئی ہے
و دمع کسح السقاء السرب	جس طرح کسی سرنگ میں اگر پانی بہایا جائے تو وہ دور تک چلا جاتا ہے۔

للعب قصی باحلامها
وهل یرجع الحلم بعد اللعب

بنی قصی اپنی عقلوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں اور کیا کھیل کے بعد معقولیت واپس آ جاتی ہے ؟

ونفی قصی بنی هاشم
کنفی الطهاة لطاف الحطب

بنی قصی نے بنی ہاشم کو دور کر دیا ہے جس طرح باورچی ایندھن کی باریک لکڑیوں کو دور پھینک دیتے ہیں۔

وقول لاحمد انت امرؤ
خلوف الحدیث ضعیف النسب

احمدؐ کو وہ یہ کہتے ہیں کہ آپؐ کی باتیں احمقانہ ہیں اور آپؐ کمزور نسب کے آدمی ہیں۔

وان کان احمد قد جاءهم
بحق ولم یاتهم بالکذب

اگرچہ احمدؐ ان کے پاس حق و صداقت کا پیغام لے کر آئے ہیں اور جھوٹ لے کر نہیں آئے۔

علیٰ ان اخوتنا وازروا
بنی هاشم و بنی المطلب

بے شک ہمارے بھائیوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب پر بھاری بوجھ ڈال دیا ہے۔

هما اخوان کعظم الیمین
امر علینا کعقد الکرب

اس ضمن میں وہ دونوں بھائی باہم گراس طرح اکٹھے ہیں جس طرح دائیں ہاتھ کی ہڈیاں مربوط ہوتی ہیں اور ہمارے خلاف رنج و محن کا ایک سلسلہ پھیلا دیا گیا ہے۔

فیال غی لم تخبروا
بما قد مضی من شؤون العرب

اے میرے بھائیو! تمہیں خبر نہیں ہے کہ عرب کن حالات سے دوچار ہیں۔

فلا تمسکن باید یهم
بعد الانوف بعجب الذنب

اپنے سرداروں کو چھوڑ کر کم مرتبہ لوگوں کے گرویدہ نہ ہو جاؤ اور ان کے ساتھ تعلقات استوار نہ کرو۔

علام علام تلافیتم بامر
مراح و حلم عزب

تم مہلک کاموں، بے فائدہ سوچ و بچار اور احمقانہ منصوبوں کے ذریعہ سے کیا حاصل کرو گے ؟

ورمیتم باحمد ما رمتم
علی الآصرات وقرب النسب

تم نے رشتہ داری کے تعلقات اور نسبی قرابت کے باوجود احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح سے مطعون کیا۔

فانا فما حج من راکب
لکعبة مکة ذات الحجب

تم نے ہمیں مطعون کیا اور مکہ کا یہ کعبہ جو غلافوں میں لپٹا ہوا ہے اس کے حج کے لیے سوار ہو کر آنے والے ہر شخص کو تم نے مطعون کیا۔

تنالون احمد او تصطلوا
ظبات الرماح وحد القضب

تم احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل کرنا چاہتے ہو حالانکہ تمہیں نیزوں کی مار اور کاٹنے والی تلواروں کی دھار کا سامنا کرنا پڑے گا۔

وتعترفوا بين ابياتكم
صدور العوالي وحبا عصب

تم اپنے گھروں میں نیزوں کی بارش اور بدن کے پٹھوں کی تھکاوٹ کا اعتراف کرو گے۔

تراهن من بين صاف السبيب
قصير الحزام طويل اللبب

ہر قسم کے گھوڑے یعنی یال اور دُم کٹے، چھوٹی تنگ والے، بڑی تنگ والے اور باریک کمر والے جو تیز رفتاری میں پرندوں کی طرح ہیں۔

وجردا كالطير سمحوجة
طواها المقانع بعد الحلب

یرغمال کے طور پر پیش کیے جائیں گے اور مغلوب کرنے والا انہیں سیاہی مائل سُرخ رنگ کے گھوڑوں کے بعد گرفتار کر لے گا۔

عليها صناديد من هاشم
هم الانجبون مع المنتجب

ان مفتوحہ گھوڑوں پر ہاشمی سردار سوار ہوں گے جو خاندانی شرفاء میں سے اشرف ہیں۔

جب قوم نے دستاویز کا مشاہدہ کر لیا اور انہیں اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئیں لیکن وہ پھر بھی اپنی روش سے باز نہ آئے۔ اس پر ابوطالب نے یہ اشعار کہے:

الا من لهم آخر الليل منصب
وشعب العصا من قومك المتشعب

خبردار جن کے لیے پچھلی رات کو رنج و تکلیف کا سامنا ہے اور جو ایسا خانوادہ اور گروہ ہے جسے تیری قوم نے دور کر دیا ہے۔

وحرب ابينا من لؤی بن غالب
متى ما تزاحمها الصحيفة تخرب

ہم نے لؤی بن غالب کے ساتھ جنگ آزمائی کو مکروہ جانا جب تک کہ اس دستاویز نے اسے روکا جو اب خراب ہو چکی ہے۔

اذا ما نشير قام فيها بخطة
الذوابة ذنبا وليس بمذنب

جب ہم اپنے کسی ماتحت کو اشارہ کرتے ہیں تو وہ بھی سرداروں کی طرح معرکہ آرائی کے لیے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے اور درحقیقت وہ کم مرتبہ نہیں ہوتا۔

وما ذنب من يدعوا الى البر والتقى
ولم يستطع ان يا رب الشعب يا رب

اے قبیلوں کے مالک اور اے میرے پروردگار! وہ شخص کمینہ اور رذیل نہیں ہے جو نیکی اور تقوٰی کی دعوت دے خواہ اس کے پاس کوئی قوت نہ ہو۔

وقد جربوا فيما مضى غب امرهم
وما عالم امرا كمن لم يجرب

انہوں نے اپنے پوشیدہ معاملے کا مشاہدہ کر لیا ہے اور کسی کام کو جاننے والا اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جس نے تجربہ نہ کیا ہو۔

وقد كان فى امر الصحيفة عبرة
متى يخبر غائب القوم يعجب

دستاویز کے معاملہ میں عبرت کا سامان تھا جب کسی قوم کا کوئی غائب شخص کوئی سچی خبر دے تو وہ خوش کن ہوتی ہے۔

محی اللہ منہا کفرھم وعقوقھم
وما نقموا من باطل الحق معرب

اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور قطع رحمی اور باطل کے ہاتھوں حق کی علانیہ ایذا رسانی کو محو کر دیا۔

فاصبح ما قالوا من الامر باطلا
ومن یختلق ما لیس بالحق یکذب

انہوں نے جو کچھ کہا وہ باطل قرار پایا اور جو شخص ناحق دروغ بافی کرتا ہے وُہ جھوٹا ہے۔

وامسی ابن عبداللہ فینا مصدقا
علی سخط من قومنا غیر معتب

محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تصدیق کرنے والے ہیں اور قوم کی خشم گیری کے باوجود سرزنش اور عتاب کرنے والے نہیں ہیں۔

فلا تحسبوا یا مسلمین محمدا
لذی غربۃ منا ولا متغرب

اے مسلمانو! حضرت محمدؐ کو غریب الدیار اور وطن سے نکلا ہُوا نہ سمجھو۔

ستمنعہ منا ید ھاشمیہ
مرکبھا فی الناس خیر مرکب

ہم ہاشمیوں کے ہاتھ اس کی حفاظت و حمایت کریں گے ہم نسبی شرافت کے لحاظ سے لوگوں میں بہترین نسب کے حامل ہیں۔

جب ابو طالب نے ان کی دشمنی کو ظاہر کر دیا اور وُہ ان کے ساتھ علی الاعلان لڑائی کے لیے آمادہ ہو گئے تو قریش نے ہر ایسے شخص کو جو اسلام قبول کرتا تھا ظلم کا نشانہ بنایا اور گرفتار کیا اور وُہ مسلمانوں کی اذیت کے درپے ہو گئے۔ مسلمانوں کے خلاف ان کی بلا خیزی اور فتنہ انگیزی شدید سے شدید تر ہوتی گئی اور وہ بری طرح ہلا مارے گئے۔

بنو جمح نے عثمان بن مظعون پر ظلم کیا۔ ابو سلمہ بن عبد الاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بھاگ کر ابو طالب کے پاس آ گئے اور پناہ کے طالب ہوئے۔ وہ ابو سلمہ کے ماموں تھے۔ بنی مخزوم ابو سلمہ کو پکڑنے کے لیے آئے۔ ابو طالب نے انہیں روکا۔ انہوں نے کہا: "اے ابو طالب! تم نے اپنے بھتیجے کو ہمارے مقابلے میں پناہ دی، کیا اب ہمارے بھتیجے کو بھی ہمارے خلاف پناہ دیتے ہو؟" ابو طالب نے کہا "میں جس طرح اپنے بھتیجے کی حمایت کرتا ہوں اسی طرح اپنے بھانجے کی بھی حمایت کروں گا۔" ابو لہب بھی بول اٹھا: "ابو طالب ٹھیک کہتا ہے وہ ابو سلمہ کو تمہارے سپرد نہیں کرے گا۔" ابو لہب نے اس سے زیادہ بہتر بات کبھی نہیں کہی تھی۔ جب ابو طالب نے ابُو لہب کی یہ بات سُنی تو وہ اس کے بارے میں کچھ پُر امید ہوئے اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ ابو لہب ان کی امداد اور حمایت کرے۔ چنانچہ ابو طالب نے اس کی دلجوئی اور تالیفِ قلب کے لیے یہ اشعار کہے:

وان امرأ ابو عتیبۃ عمہ
لفی روضۃ من ان یسام المظالما

جس شخص کا چچا ابو عتیبہ ہے وہ یقیناً ایسے باغ میں ہے جسے ظلم کا نشانہ بنا کر نیست و نابود نہیں کیا جا سکتا۔

اقول لہ واین منی نصیحتی
ابا معتب ثبت سوادک قائما

میں اس سے کہتا ہوں: "اے ابو معتب! اپنی جماعت کو مضبوطی اور ثبات مہیا کرو۔" لیکن میری یہ نصیحت اس تک کب پہنچ سکے گی!

ولا تقبلن الدهر ما عشت خطة
تسب بها اما هبطت الموا سما
وحارب فان الحرب نصف ولن ترى
اخا الحرب يعطى الضيم الا يسالما

جب تک تو زندہ ہے کسی ایسی چیز کو ہرگز قبول نہ کر جس کی وجہ سے تجھے قومی تقریبات میں شمولیت کے لیے مواقع پر طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے۔ جنگجوئی اختیار کر کیونکہ جنگ ہی تجھے انصاف مہیا کرتی ہے تو کبھی نہیں دیکھے گا کہ (اپنے حقوق کے لیے) لڑنے والے کے ساتھ ظلم کیا جاتا ہے بلکہ اس کے برعکس اس کے ساتھ مصالحت اختیار کی جاتی ہے۔

ودلى سبيل العجز غيرك منهم
فانك لن تلحق على العجز لازما

ان میں سے تیرے علاوہ دوسرے لوگ عاجزی کا راستہ اختیار کریں تو کریں۔ یقیناً تجھے ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ تو عاجزی سے الحاق کرے۔

(۲۱۰) مقاطعہ کی دستاویز کا خاتمہ

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مقاطعہ کی وہ دستاویز جو قریش نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف قلمبند کی تھی اسے کالعدم قرار دینے کے لیے قریش ہی کے چند آدمی آمادہ ہو گئے۔ اس ضمن میں ہشام بن عمرو بن ربیعہ بن حارث بن خبیب بن خزیمہ بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی نے جس طرح کا بہترین کردار ادا کیا اس طرح کی کوشش کسی دوسرے نے نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص نضلہ بن ہاشم بن عبد مناف کے ماں جائے بھائی کا بیٹا تھا اور عمرو اور نضلہ اخیافی بھائی تھے اور ہشام کا بنی ہاشم کے ساتھ میل ملاپ تھا۔ علاوہ ازیں وہ اپنی قوم میں شرافت و مرتبت کا حامل تھا۔

ابن اسحاق نے کہا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ہشام بن عمرو بنی مغیرہ، بنی ہاشم اور بنی مطلب کے پاس رات کے وقت اونٹ پر خوراک لاد کر لاتا جب گھاٹی کے دہانے پر پہنچتا تو اونٹ کی مہار کھول دیتا اور اس کے پہلو پر ضرب رسید کرتا۔ اونٹ گھاٹی میں داخل ہو کر بنی ہاشم کے پاس پہنچ جاتا۔ پھر اسی طرح وہ گیہوں یا پارچات اونٹ پر لاد کر لاتا اور اسی طرح اسے گھاٹی میں پہنچا دیتا۔

پھر ہشام بن عمرو، زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے پاس گیا اور اسے کہا: "کیا تم اس بات پر راضی ہو کر تم کھانا کھاؤ، کپڑے پہنو اور عورتوں سے نکاح کرو لیکن تمہارے ننھیال جیسا کہ تم جانتے ہو نہ خرید و فروخت کر سکیں نہ ان کے ساتھ رشتۂ مناکحت استوار کیا جا سکے۔ نہ وہ کسی کو امان دے سکیں اور نہ کوئی دوسرا انھیں امان دے سکے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر معاملہ ابوالحکم بن ہشام کے ننھیال کا ہوتا اور تم اسے اس کی ننھیال کے ساتھ وہ معاملہ کرنے کی دعوت دیتے جو اس نے تمہاری ننھیال کے ساتھ کرنے کی دعوت دی ہے تو وہ کبھی اس دعوت کو قبول نہ کرتا۔" اس نے کہا: "ہائے افسوس! میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں؟" ہشام نے کہا: "ایک شخص تو تیرے پاس موجود ہے۔" اس نے کہا: "وہ کون ہے؟" ہشام نے کہا: "میں تیرا ساتھ دوں گا۔" زہیر نے اسے کہا: "ہمیں تیسرے ساتھی کی

تلاش بھی کرنی چاہیے۔"

پھر ہشام، مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف کے پاس گیا اور اس سے کہا: "اے مطعم! کیا تم اس بات پر رضامند ہو کہ بنی عبد مناف کا ایک خانوادہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو جائے اور تم مقاطعہ کرنے والوں کے ساتھ موافقت اختیار کرو۔ بخدا اگر تم نے قریش کو اس طرح بنو ہاشم کا خاتمہ کرنے کی کھلی چھٹی دے دی تو تم یقیناً دیکھو گے کہ یہی سلوک عنقریب تمہارے ساتھ روا رکھا جائے گا۔" اس نے کہا: "ہائے افسوس! میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں تو اکیلا ہوں۔" ہشام نے کہا: "تمہارے ساتھ دوسرا بھی ہے۔" مطعم نے پوچھا: "وہ کون ہے؟" ہشام نے کہا: "میں ہوں۔" مطعم نے کہا: "ہمیں تیسرے ساتھی کی تلاش کرنی چاہیے۔" ہشام نے کہا: "وہ میں نے تلاش کر لیا ہے۔" مطعم نے کہا: "وہ کون ہے؟" ہشام نے کہا: "وہ زہیر بن امیہ ہے۔" مطعم نے کہا: "ہمیں چوتھا ساتھی بھی ڈھونڈنا چاہیے جو ہمارا ہمنوا ہو۔"

ہشام اس کے بعد ابوالبختری کے پاس گیا اور اس کے ساتھ محصورین کی قرابت اور حقوق کا ذکر کیا۔ اس نے پوچھا: "کیا کوئی اور بھی اس معاملہ میں ہماری امداد کرنے والا ہے؟" ہشام نے کہا: "مطعم بن عدی اور زہیر بن امیہ بھی ہمارے ساتھی ہیں۔" ابوالبختری نے کہا: "ہمیں پانچواں آدمی بھی ساتھ ملانا چاہیئے۔"

پھر ہشام زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد کے پاس گیا اور اس سے بات کی اور اس کے ساتھ بھی محصورین کی قرابت اور حقوق کا ذکر کیا۔ زمعہ نے پوچھا: "جس بات کی تم مجھے دعوت دے رہے ہو کیا اس معاملہ میں کوئی اور شخص بھی تمہارا ساتھی ہے؟" ہشام نے کہا: "ہاں۔" پھر ہشام نے اسے دیگر ساتھیوں کے نام بتلائے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ رات کے وقت مکہ کی بالائی سمت میں واقع حجون پہاڑ کے اس مقام پر ملاقات کریں جہاں سے وہ پہاڑ ٹوٹا ہوا تھا اور اس کی شکل سونڈ کی سی ہو گئی تھی۔ انہوں نے باہم سوچ بچار کر کے طے کیا کہ مقاطعہ کی دستاویز کو کس طرح ختم کیا جائیگا۔ زہیر نے کہا: "میں بات کی ابتدا کروں گا، تم لوگ میری تائید کرنا۔"

جب صبح ہوئی تو یہ لوگ قریش کی مجالس کی طرف گئے۔ زہیر بن امیہ نیا لباس پہن کر گیا۔ اس نے بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح خطاب کیا: "اے اہل مکہ! کیا ہم کھانا کھائیں، مشروبات پئیں اور کپڑے پہنیں اس حال میں کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب ہلاک ہو رہے ہیں؛ نہ وہ کسی سے کچھ خرید سکتے ہیں اور نہ ان سے کچھ خریدا جاتا ہے اور نہ ہی ان سے ازدواجی رشتے استوار کئے جاتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں اس وقت نہ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا جب تک کہ یہ ظالمانہ اور قطع رحمی پر مبنی تحریر پھاڑ نہ دی جائے۔" ابوجہل اس وقت مسجد کے ایک کونے میں تھا وہ پکار اٹھا: "تم جھوٹ کہتے ہو، یہ دستاویز ہرگز نہ پھاڑی جائے گی۔" زمعہ بن اسود نے ابوجہل کو کہا: "تم سب سے زیادہ جھوٹے ہو۔ جب یہ تحریر لکھی گئی ہم اس وقت بھی اس پر راضی نہیں تھے۔" ابوالبختری نے کہا: "زمعہ بن اسود سچ کہتا ہے۔ اس دستاویز میں جو کچھ لکھا ہوا ہے ہم اس پر راضی نہیں ہیں اور نہ اس کا اقرار کرتے ہیں۔" مطعم بن عدی نے تائیداً کہا: "تم

دونوں سچ کہتے ہو اور جھوٹا وہ ہے جو اس کے علاوہ کچھ کہتا ہے۔ ہم اللہ کے حضور اس دستاویز سے اور اس میں تحریر کردہ مضمون سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔" ان سب لوگوں نے اس دستاویز کی تردید کی اور اس کو پھاڑنے کے لیے جو موقف اختیار کیا ہشام بن عمرو نے بھی اس کی تائید کی۔ ابو جہل نے کہا: "یہ تو ایسا منصوبہ ہے جو رات کو کسی اور جگہ بیٹھ کر تیار کیا گیا ہے"۔ اس موقع پر ابو طالب بھی مسجد میں ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ جو کچھ کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر مطعم بن عدی نے اُٹھ کر اس دستاویز کو چاک کر دیا اور معلوم ہوا کہ "باسمك اللّٰھم" کے الفاظ کے سوا دیمک سارے مضمون کو چاٹ گئی تھی۔ یہ دستاویز منصور بن عکرمہ بن ہشام بن عبد مناف بن عبدالدار نے تحریر کی تھی۔ لوگوں کا گمان ہے کہ اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ واللہ اعلم۔ جب یہ دستاویز پھٹ گئی اور جو کچھ اس میں لکھا گیا تھا باطل قرار پایا تو جن لوگوں نے اس معاہدے کو توڑنے کا کارنامہ سرانجام دیا ان کے متعلق ابو طالب سے یہ اشعار کہے :

الا ھل اتی الاعداء کافة ربنا علیٰ نایھم واللہ بالناس ارود	خبردار، کیا سب دشمنوں کو یہ بات پہنچ گئی ہے کہ ہمارا پروردگار ان سے دور رہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا مہربان ہے۔
فیخبرھم ان الصحیفة مزقت وان کل مالم یرضه اللہ مفسد	(کوئی ہے جو) ان کو خبر دے کہ دستاویز چاک کر دی گئی ہے اور جس چیز میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نہیں وہ برباد ہونے والی ہے۔
تراوحھا افك وسحر مجمع ولم یلف سحرا آخر الدھر یصعد	اس دستاویز کو بہتان طرازی اور مجموعی فریب کاری نے تقویت پہنچائی اور کوئی فریب کاری بھی زیادہ عرصہ تک ترقی کرتی ہوئی نہیں پائی گئی۔
تداعی لھا من لیس فیھا بقربة فطائرھا فی وسطھا یتردد	اس دستاویز کے معاملہ میں وہ لوگ بھی اکٹھے ہو گئے جن کا اس سے کوئی قریبی تعلق نہیں تھا اور اس دستاویز کی نحوست اس کے بین السطور میں پھڑپھڑا رہی تھی۔
الوتلك حقا وقعة صیلمیة لیقطع فیھا ساعد ومقلد	یہ واقعہ ایسا تھا کہ اس کے نتیجے میں بیخ و بُن سے اکھاڑ دینے والی جنگ برپا کی جاتی جس میں ہاتھ اور گردنیں کاٹی جاتیں۔
ویظعن اھل ماکثون فیھربوا فرائصھم من خشیة الموت ترعد	مکّہ کے مکین کوچ کیے جا رہے ہیں اور افراتفری میں اس حال میں بھاگ رہے ہیں کہ ان کے شانے موت کے خوف سے کانپ رہے ہیں۔

(۲۱۱) عمارہ بن ولید اور عمرو بن عاص حبشہ میں

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد قریش عمارہ بن ولید کو لے کر ابو طالب کے پاس گئے تھے (جس کا ذکر پیراگراف ۱۹۰ میں ہے)۔ اس واقعہ کے بعد عمارہ بن ولید اور عمرو بن عاص دونوں تجارت کی غرض سے سرزمین حبشہ کی طرف گئے جو قریش کے لیے

جاے پناہ تھی اور وہ بالعموم وہاں جاتے تھے۔ یہ دونوں اس وقت مشرک تھے، شاعر بھی تھے، دلیر تھے لیکن نفسانی خواہشات سے مغلوب تھے۔ عمارہ بڑا حسین وجمیل تھا۔ عورتیں اس کی گرویدہ تھیں وہ خوش گفتار اور خوش پوشاک تھا۔ عمرو بن عاص کے ساتھ اس کی بیوی بھی شریکِ سفر تھی۔ ان کے پاس شراب تھی۔ کچھ راتوں تک سمندر کا سفر کرنے کے بعد انھوں نے شراب نوشی کی۔ جب عمارہ بن ولید نشہ سے مخمور ہوگیا تو اس نے عمرو بن عاص کی بیوی کو کہا: "مجھے چوم لو۔" عمرو نے اپنی بیوی سے کہا: "اپنے چچا کے بیٹے کو چوم لو۔" اس نے عمارہ کو چوم لیا۔ عمارہ نے اسے نیچے گرا کر اپنی ہوس رانی کا نشانہ بنانے کا ارادہ کیا تو اس عورت نے اسے پیچھے ہٹا دیا۔ پھر عمرو نے سفینہ کے کنارہ کے اُوپر اونچی جگہ پر بیٹھ کر پیشاب کرنا شروع کیا۔ عمارہ نے اسے سمندر میں دھکیل دیا اس نے تیرنا شروع کیا یہاں تک کہ اسے پکڑ کر نکال لیا گیا۔ عمارہ نے اسے کہا: "واللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تُو تیراکی جانتا ہے تو میں تجھے نہ پھینکتا۔ میرا گمان تھا کہ تُو اچھا تیراک نہیں ہے۔" جب عمارہ نے عمرو سے یہ کہا تو اس کے دل میں عمارہ کے متعلق کینہ پیدا ہوگیا اور اس نے جان لیا کہ عمارہ اسے قتل کرنا چاہتا تھا۔

ان دونوں نے اکٹھا سفر کیا اور حبشہ پہنچ گئے۔ عمرو بن عاص[۱] نے اپنے باپ عاصی بن وائل کو لکھا کہ مجھے عاق کر دیا جاتے اور میرے جرائم کے متعلق بنی مغیرہ اور جملہ بنی مخزوم کے سامنے بریت کا اعلان کر دیا جائے۔ کیونکہ عمرو کو اپنے باپ کے بارے میں یہ خوف لاحق تھا کہ عمرو کے جرائم کے متعلق اس کے باپ عاص کا تعاقب کیا جائے گا۔ جب یہ مکتوب عاصی کو ملا تو وہ بنی مخزوم اور بنی مغیرہ کے لوگوں کے پاس گیا اور کہا: "تم جانتے ہو کہ یہ دونوں جوان یہاں سے چلے گئے ہیں وُہ دونوں جانباز اور شریر ہیں نیز جذباتی ہیں اور انھیں اپنے آپ پر قابو نہیں ہے مجھے معلوم نہیں کہ کیا واقعہ پیش آجائے اس لیے میں تمہارے رُوبرو عمرو اور اس کے کرتُوتوں سے اعلانِ برأت کرتا ہُوں میں نے اسے عاق کر دیا ہے۔" بنی مغیرہ اور بنی مخزوم کے لوگوں نے اسے کہا: "تمہیں عمارہ کے بارے میں خدشہ ہے ہم نے عمارہ کو عاق کر دیا ہے اور ہم تمہارے لیے اس کے جرائم سے اعلانِ برأت کرتے ہیں۔" ان دونوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ عمرو بن عاص نے کہا: میں نے یہ کیا۔ قبیلوں نے دونوں کو عاق کر دیا اور ہر ایک قبیلہ نے اپنے آدمی کے جرائم سے اعلان برأت کر دیا۔

جب وُہ دونوں حبشہ میں اطمینان سے رہنے لگے زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ عمارہ نے نجاشی کے حرم میں ایک عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات خفیہ طور پر قائم کر لئے وہ حسین وجمیل آدمی تھا۔ عورت نے اسے اپنے پاس بلانا شروع کر دیا تو وہ اکثر اس کے پاس جاتا رہتا اور واپس آکر عمرو کو خلوت کی باتیں سناتا تھا۔ عمرو اسے کہتا: میں یہ نہیں مانتا کہ تُو ایسا بھی کر سکتا ہے کیونکہ اس عورت کا مرتبہ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔ لیکن جب عمارہ نے یہ باتیں کثرت سے شروع کر دیں اور عمرو کو معلوم ہوگیا کہ وہ واقعی نجاشی کی ایک عورت کے پاس جاتا ہے کیونکہ اس کی ہیئت ہی بدل چکی ہے وہ شام کے وقت اس کے پاس جاتا اور سحر کو واپس آجاتا تھا۔

---

[۱] متن میں عاص اور عاصی دونوں طرح لکھا ہوا ہے۔ (ادارہ)

عمرو اور عمارہ دونوں اکٹھے رہتے تھے۔ عمرو یہ چاہتا تھا کہ عمارہ اس کے پاس اس عورت کی کوئی ایسی چیز لائے جو وہ واپس نہ کر سکے۔ چنانچہ جب عمارہ نے عمرو کے ساتھ عورت کی باتیں کیں تو عمرو نے اسے کہا: "عورت کو کہنا کہ وہ تمہیں نجاشی کا تیل لگائے جو دوسرا کوئی بھی نہیں لگا سکتا، میں اسے پہچانتا ہوں اور اس تیل میں سے تھوڑا سا مجھے لاکر دو تاکہ میں تصدیق کر سکوں کہ تم سچ کہتے ہو۔" عمارہ نے کہا: "میں ایسا کروں گا۔" عمرو کا بیان ہے کہ وہ عورت کے پاس گیا اس نے اسے وہ تیل لگایا اور ایک شیشی میں تھوڑا سا تیل دے بھی دیا۔ جب عمرو نے اُسے سُونگھا تو پہچان لیا اور عمارہ کو کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ تُو سچ کہتا ہے۔ تُو نے تو وہ چیز حاصل کر لی ہے جو کسی عرب کو حاصل نہیں ہوئی، بادشاہ کی بیوی! ہم نے تو ایسا کبھی نہیں سُنا تھا۔ وہ اہلِ جاہلیت تھے۔ ان کے نزدیک یہ بہت بڑی فضیلت تھی جو کسی کو حاصل ہو۔

پھر عمرو نے سکوت اختیار کر لیا یہاں تک کہ جب وہ مطمئن ہو گیا تو عمرو نجاشی کے پاس گیا اور کہا: "اے بادشاہ! میرے ساتھ قریش کے احمقوں میں سے ایک احمق ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کے معاملہ کو آپ کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے حالات آپ تک پہنچا دوں۔ میں یہ بات ایک ثابت شدہ حقیقت کے طور پر بتا رہا ہوں کہ وہ آپ کی بیویوں میں سے کسی بیوی کے پاس جاتا ہے اور یہ وہ تیل ہے جو اس عورت نے اسے دیا ہے اور جسے اس نے استعمال کیا ہے۔" جب نجاشی نے تیل کو سُونگھا تو اس نے کہا: "تُو نے سچ کہا ہے یہ وہ تیل ہے جو میری عورتوں کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔" پھر نجاشی نے عمارہ کو بلایا اور جادوگروں کو بُلا بھیجا۔ عمارہ کے کپڑے اتروا دیئے گئے۔ بادشاہ نے جادوگروں کو حکم دیا کہ اس پر عمل کیا جائے۔ جادوگروں نے عمارہ کے جسم کے مخصوص حصہ پر پھونکیں ماریں، وہ پاگلوں کی طرح بھاگتا ہُوا برہنہ ہی جنگلوں کی طرف نکل گیا اور اسی حالت میں حبشہ کی سرزمین میں رہا یہاں تک کہ عمرؓ بن خطاب کی خلافت کا دور آ گیا۔ بنی مغیرہ کے کئی آدمی اس کے پاس گئے۔ ان میں عبداللہ بن ابی ربیعہ بن مغیرہ بھی تھا۔ اسلام سے قبل عبداللہ کا نام "بجیر" تھا۔ جب اس نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھ دیا۔ اس نے سرزمینِ حبشہ میں عمارہ کی تلاش شروع کی۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ جنگلی گدھوں کے ساتھ آتا ہے اور ان ہی کے ساتھ واپس چلا جاتا ہے، اگر اسے انسان کی آہٹ محسوس ہو تو وہ بھاگ جاتا ہے۔ جب پیاس محسوس کرتا ہے تو سیر ہو کر پانی پی لیتا ہے۔" بنی مغیرہ کے لوگ اس کی تلاش میں نکلے۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ کا بیان ہے کہ میں نے آگے بڑھ کر سے پکڑ لیا اس نے بار بار کہا: "اے بجیر! مجھے چھوڑ دو اگر تُو نے مجھے اسی طرح پکڑ کر رکھا تو میں مر جاؤں گا۔" عبداللہ نے کہا: "میں نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا اور وہ اسی جگہ میرے ہاتھوں میں فوت ہو گیا۔ میں نے اسے دفن کر دیا۔ پھر ہم واپس چلے آئے۔" لوگوں کا بیان ہے کہ اس کے بال اتنے زیادہ تھے کہ اس کا سارا بدن بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

عمرو نے اس کے بارے میں یہ اشعار کہے جن میں یہ بیان کیا کہ عمارہ نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا اور وہ عمرو کی عورت کے ساتھ کیا کرنا چاہتا تھا:

تعلم عمار ان من شر شیمۃ
لمثلك ان یدعا ابن عم له ابنما

عمارہ کو یہ بات بتلا دو کہ تیری طرح بداخلاقی کا مظاہرہ کرنے پر تیرے بھائی کے بیٹے سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ کس کا بیٹا ہے؟

أ ان كنت ذا بردين احوى مرجـلا فلست ترای لابن عمك محـرما	اگر تمہارے پاس دو چادریں ہیں تم سیاہی مائل سرخ ہو، بالوں کو کنگھی کیے ہوئے ہو، تو اپنے چچا کے بیٹے کو صلع جوئی کی حالت میں دیکھنے روادار کیوں نہیں ہو؟
اذا المرء لم يترك طعاما يحبـه ولـم ينه قلبا غاويا حيث يمـما	جب آدمی اپنے پسندیدہ اور محبوب کھانے کو ترک نہ کرے اور ا- گمراہ دل کو بُرے ارادوں سے باز نہ رکھے۔
قضی وطرا منها يسيرا فاصبحت اذا ذكرت امثاله تملاء الفـما	تو وہ آسانی کے ساتھ اپنی حالت پُوری کر لیتا ہے پھر اس کی حالت ہوتی ہے کہ اسں کی باتیں ضرب المثل کے طور پر زبان زدِ خاص و عام ہو۔
اصبت من الامر الدقيق جليـله وعيشا اذا لاقيت من قدر تلومـا	تو تھوڑے کام سے بڑی مصیبت میں گرفتار رہوا اور ایسی زندگی بسر پر مجبور ہو گیا جو قابلِ مذمت ہے۔
الی ملجا بعم عن مطامع خشية وعالج امر المجد لا يتنـدما	ڈر کی خواہشات چھوڑ کر آسائش و فراخی کی پناہ گاہ تلاش کر، بزرگ کام کرتا رہ تاکہ ندامت و پشیمانی سے بچ جائے۔
فليس الفتی وان انمت عروقـه بذی كرم الا بان يتكـرما	اگر آدمی کی رگیں اور ریشے نشوونما پا جائیں تو وہ صاحبِ شرافت نہیں بن جاتا جب تک کہ فی الواقع وہ شرافت حاصل نہ کرے۔

باب ۲۱

حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کا اسلام لانا

(۲۱۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے بنی اسلم کے ایک فقیہ اور سمجھدار شخص نے بیان کیا کہ ابوجہل صفا کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ اس نے آنحضرتؐ کو ایذا پہنچائی اور بے تحاشا گالیاں دیں۔ آپؐ کے دین کی عیب چینی کی اور آپؐ کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدسلوکی کو مکروہ جانا مگر آپؐ نے اس کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ عبداللہ بن جدعان تیمی کی آزاد کردہ لونڈی صفا کے اوپر اپنے گھر میں یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ پھر ابوجہل چلا گیا اور جا کر کعبہ کے پاس قریش کی ایک مجلس میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ اتنے میں حمزہؓ بن عبدالمطلب اپنی کمان کو گلے میں لٹکائے ہوئے شکار سے واپسی پر وہاں پہنچ گئے۔ آپ شکاری تھے تیر سے شکار کیا کرتے تھے اور عموماً شکار کو نکل جایا کرتے تھے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ شکار سے واپسی پر آپ سیدھے گھر نہیں جاتے تھے بلکہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے پھر قریش کی مجلس کے پاس سے گزرتے تو وہاں ٹھہر جاتے تسلیمات بجا لاتے اور گفت و شنید کے بعد اپنے گھر جاتے تھے۔ آپ قریش کے نہایت طاقتور، بہادر اور غیرت مند آدمی تھے وہ اس وقت تک اپنی قوم کے دین پر تھے اور مشرک تھے۔ جب حمزہؓ اس لونڈی کے پاس سے گزرے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک اپنے گھر جا چکے تھے) تو لونڈی نے حضرت حمزہؓ کو کہا: "اے ابو عمارہ! کاش! آپ اس مصیبت کو دیکھتے جو ابوالحکم نے آپ کے بھتیجے (حضرت محمدؐ) پر نازل کی۔ اس نے آپؐ کو یہاں دیکھا تو آپ کو اذیت پہنچائی، گالیاں دیں اور آپؐ کے ساتھ ناپسندیدہ سلوک کیا اور چلا گیا لیکن محمدؐ نے اس کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت حمزہؓ غصے سے بھر گئے اور اللہ تعالیٰ اسی طرح آپ کو شرافت سے نوازنا چاہتا تھا آپ تیزی سے چلے اور خلافِ معمول کسی کے پاس نہ ٹھہرے۔ وہ طواف کرنا چاہتے تھے تاکہ ابوجہل کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار ہو جائیں۔ جب مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے ابوجہل کو لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا آپ سیدھے اس کی طرف گئے اور اس کے سر پر کھڑے ہو گئے اور کمان اٹھا کر اس زور سے اس کے سر پر دے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اس پر قریش میں سے بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی حمایت کے لیے اُٹھے اور انہوں نے کہا: "اے حمزہؓ! کیا تم بھی اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ گئے ہو؟" حضرت حمزہؓ نے کہا: "میرے لیے کونسی رکاوٹ ہے جبکہ حقیقت مجھ پر واضح ہو چکی ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ سچ ہے۔ بخدا میں اس دین کو نہیں چھوڑوں گا مجھے اس سے روک لو اگر تم سچے ہو۔" ابوجہل نے کہا: "ابو عمارہ کو چھوڑ دو۔

میں نے واقعی ان کے بھتیجے کو بُری گالیاں دی تھیں۔" بالآخر حضرت حمزہؓ اپنے اسلام پر ڈٹ گئے اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ آپ کو فرمایا آپ ہمیشہ اس پر قائم رہے۔ جب حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کر لیا تو قریش کو معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوت اور حفاظت و حمایت حاصل ہوگئی ہے اب حمزہؓ آپؐ کی حمایت کریں گے اس لیے موقع پانے کے باوجود آپؐ کو اذیت پہنچانے سے باز آ گئے۔ جب حضرت حمزہؓ نے ابُوجہل کو مارا اور اسلام قبول کیا تو اس وقت یہ اشعار کہے:

ذق یا ابا جہل ما عسیت	اے ابوجہل! اپنی سخت مزاجی کا مزہ چکھو، تو نے ظالمانہ کارروائی کی تھی
من امرك الظالم اذا مشیت	اس کا نتیجہ بھگتو۔
عزامرك الظالم اذا عنیت	جب تُو نے زبردستی کی تو تیری ظالمانہ کارروائی سخت ہوگئی۔ اگر تو اللہ سے
لوکنت ترجوا اللہ ما شقیت	امید رکھے تو تُو بدبختی اور شقاوت سے بچ جائے۔
ستسعط الرغم بما اتیت	تیرے کرتوتوں کی وجہ سے تیری ناک خاک آلود ہوگی۔ تجھے روکا گیا ہے
تؤذی رسول اللہ اذ نہیت	لیکن تُو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتا ہے۔
ولا ترکت الحق اذ دعیت	جب مجھے دعوت دی گئی تو میں نے حق سے روگردانی نہیں کی اور میں
ولا ھویت بعد ما ھویت	خواہشاتِ نفس کا غلام نہیں بنا جبکہ تُو راہِ حق سے ہٹ چکا ہے۔
حتی تذوق الخوی قد لقیت	حتیٰ کہ تُو نے سر کی چوٹ کا مزہ چکھا جس کی وجہ سے تیرا سر خون سے
فقد شفیت النفس واشفیت	خالی ہوگیا۔ تُو نے صحت طلب کی لیکن صحت نہ پائی۔

(۲۱۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر حمزہؓ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ شیطان نے وسوسہ اندازی کی اور کہا: "تو قریش کا سردار ہے دین سے پھرے ہوئے اس شخص کی پیروی اختیار کر لی ہے اور اپنے آباء و اجداد کے دین کو ترک کر دیا ہے ایسا کرنے سے تو تیرے لیے مرجانا بہتر ہے۔" حضرت حمزہؓ پر اس کی وجہ سے سخت غم اور پراگندگی طاری ہوگئی۔ حضرت حمزہؓ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: "اے اللہ! جو کچھ میں نے کیا ہے اگر یہ صحیح ہے تو اس کی تصدیق میرے دل میں ڈال دے ورنہ میرے لیے اس گراوٹ سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے۔" شیطانی مکر و فریب اور وسوسہ کی وجہ سے حضرت حمزہؓ خلافِ معمول طور پر رات بھر سخت بے چین رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ آپ علی الصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: "بھتیجے! میں ایک مخمصہ میں پھنس گیا ہوں جس سے نکلنے کی کوئی صورت مجھے نظر نہیں آتی اور مجھ جیسے آدمی کا کسی ایسی چیز پر قائم رہنا جس کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ وہ ہدایت ہے یا گمراہی، ایک شدید بات ہے۔ تم میری رہنمائی کرو۔ میری انتہائی خواہش ہے کہ اس مخمصہ سے نکلنے کے لئے تم مجھے کوئی رستہ سمجھاؤ۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی بات سن کر انھیں سمجھایا، نصیحت کی، خدا کا خوف دلایا اور ایمان لانے پر بشارت دی۔ راوی کا

بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہمائش سے اللہ عزوجل نے ان کے دل میں ایمان ڈال دیا اور انہوں نے کہا: "میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ صادق ہیں۔ یہ سچی شہادت ہے جو ایک عارف نے دی ہے۔ میرے بھتیجے! میں آپؐ کے دین کا اظہار کروں گا۔ بخدا! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آسمان کے نیچے جو کچھ ہے وہ مجھے مل جائے اور میں اپنے پہلے مشرکانہ دین پر قائم رہوں۔"

حضرت حمزہؓ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے دین کو قوت و شوکت عطا فرمائی۔

(۲۱۴) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: حمزہؓ بن عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے:

حمدت الله حین هدی فؤادی الی الاسلام والدین الحنیف	میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جب کہ اس نے میرے دل کو اسلام اور دین حنیف کی رہنمائی عطا فرمائی۔
لدین جاء من رب عزیز خبیر بالعباد بهم لطیف	یہ دین قادر مطلق رب کی طرف سے آیا ہے جو اپنے بندوں سے باخبر اور ان پر بہت مہربان ہے۔
اذا تلیت رسائله علینا تحدر دمع ذی اللب الحصیف	جب اللہ کے پیغامات ہمارے سامنے تلاوت کیے جاتے ہیں تو وہ فہیم اور عقلمند آدمی کے دل و دماغ کو اپیل کرتے ہیں۔
رسائل جاء احمدٌ من هداها بآیات مبینات الحروف	یہ وہ پیغامات ہیں جو احمدؐ لے کر آئے ہیں وہ سراسر ہدایت ہیں اور واضح مضامین کی آیات پر مشتمل ہیں۔
واحمد مصطفیً فینا مطاع فلا تغشوه بالقول العنیف	احمد مصطفیٰؐ ہمارے مطاع ہیں۔ آپؐ کے ساتھ سخت کلامی کرکے آپؐ کو رنجیدہ خاطر نہ کرو۔
فلا والله نسلمه لقوم ولما نقض فیهم بالسیوف	بخدا! ہم آپؐ کو قوم کے سپرد نہیں کریں گے جب تک کہ تلواروں کے ساتھ ان کا فیصلہ نہ چکا دیں۔
ونترك منهم قتلی بقاع علیها الطیر کالورد العکوف	ہم ان میں سے ان جگہوں کے مقتولوں کو چھوڑ دیں گے جن کے گرد اگرد پرندے منڈلاتے ہیں جس طرح پنگھٹ پر پانی پینے کے لیے اونٹ اور آدمی ہمیشہ آتے رہتے ہیں۔
وقد خبرت ما صنعت ثقیف به فجزی القبائل من ثقیف	ثقیف نے آپؐ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ معلوم ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ (جو انسانوں کا بادشاہ ہے) قبائلِ ثقیف کو بدترین جزا دے جو کسی

الہ الناس شر جزاء قوم — قوم کو دی جاتی ہے اور انہیں فصلِ خریف کی بارانِ رحمت سے
ولا استقاھم صوب الخریف[1] — سیراب نہ کرے۔

---

[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے علامہ عبدالرحمان سُہیلی کے حوالہ سے حاشیہ پر لکھا ہے کہ نہ معلوم یہ کس واقعہ سے متعلق ہے بنی ثقیف طائف میں آباد تھے اگر یہ اشعار آنحضرتؐ کے سفرِ طائف کے بارے میں ہیں تو وہ سفر آپؐ نے شوال سنہ ۱۰ نبوت میں کیا تھا جبکہ مشہور ترین قول کے مطابق حضرت حمزہؓ سنہ ۶ بعد بعثت میں مشرف باسلام ہوئے تھے۔ بہرحال اس منظوم کلام کا یہ آخری حصہ غیر واضح ہے۔ (مترجم)

اصحابِ رسولؐ کی ہجرتِ حبشہ

(۲۱۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی، ابن اسحاق نے کہا: اللہ عزّ وجل نے ابوطالب کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا انتظام فرمادیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپؐ کے اصحابؓ آزمائشوں اور سختیوں میں مبتلا کیا جاتا ہے اور آپؐ خود اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کے طفیل ان مصائب سے محفوظ ہیں۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی محسوس کیا آپؐ بذاتِ خود اپنے اصحابؓ کو کفار کی دست درازیوں سے بچانے کے قابل نہیں ہیں اور نہ ہی ابوطالب جیسا کوئی اور آدمی ہے جو ان کی حمایت کا بیڑا اٹھائے تو حضورؐ نے اپنے اصحابؓ کو سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا اور فرمایا: "وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں لوگوں پر ظلم نہیں ہوتا۔ وہ بھلائی اور سچائی کی سرزمین ہے تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشائش مہیا کر دے اور میرے لیے اور تمہارے لیے ان مصائب کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کر دے۔" اس ارشاد کے مطابق آپؐ کے اصحابؓ میں سے کچھ لوگوں نے فتنہ کے ڈر سے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہ اپنے دین کو بچاتے ہوئے اللہ عزوجل کی طرف چلے گئے اور باقی ماندہ مسلمانوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔

(۲۱۶) یونس نے عیسیٰ بن عبداللہ تمیمی سے اور اس نے ربیع بن انس کی وساطت سے قرآن کریم کی آیت "وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم ......" کے متعلق ابوالعالیہ کی یہ روایت نقل کی: نزولِ وحی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں دس سال اس حال میں گزارے کہ آنحضرتؐ اور آپؐ کے اصحاب خوف و ہراس میں رہے اور اللہ عزوجل سے خفیہ اور علانیہ دعائیں مانگتے رہے پھر انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ وہاں بھی وہ خوفزدہ اور صبح و شام مسلح رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے ایک شخص نے آپؐ سے پوچھا: "یا رسول اللہؐ! ہم پر وہ زمانہ کب آئے گا جب ہمیں امن نصیب ہوگا اور ہم اسلحہ اتار دیں گے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم صرف تھوڑا عرصہ غمزدہ رہو گے یہاں تک کہ تم میں کا آدمی عالمِ عظیم میں بیٹھے گا جہاں لوہا یعنی ہتھیار نہیں ہوں گے۔" پس اللہ تعالیٰ نے اس صحابیؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

وعد اللہ الذین آمنوا منکم	اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں
وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم	اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح سرزمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح

فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً یعبدوننی لایشرکون بی شیئاً و من کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفسقون ○ (النور-۵۵)

ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لیے اُن کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قایم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے، اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

آیتِ استخلاف کے آخری حصہ "و من کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفسقون" میں راوی کے بیان کے مطابق "فمن کفر بھذہ النعمۃ" مراد ہے یعنی جو اس کے بعد اس نعمت کا کفران کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "من کفر باللہ یعنی جو اللہ کا انکار کرے" نہیں فرمایا۔ چنانچہ غلبۂ اسلام کے بعد مسلمان مامون ہو گئے اور ان کی یہ حالت برقرار رہی یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو پیارے ہو گئے پھر ان کی یہی حالت حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ادوارِ خلافت میں قائم رہی اس کے بعد کفرانِ نعمت کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان پر وہی خوف طاری کر دیا جو ان سے ہٹا دیا گیا تھا۔

(۲۱۷) یونس نے ہشام بن سعید کے حوالہ سے زید بن اسلم کی یہ روایت نقل کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں تین قسم کے لوگ تھے۔ ان میں سے ایک گروہ تو مدینہ میں تھا اور دو قسم کے لوگ مکہ میں تھے۔ مکہ میں ایک گروہ ایسے صحابہؓ کا تھا جو دس سال تک ظلم وستم کا نشانہ بنائے گئے لیکن انہوں نے مشرکین کو معاف کر دیا اور دوسرا گروہ ایسے صحابہؓ پر مشتمل تھا کہ جب انہیں ایذا پہنچائی جاتی تو وہ اس کا بدلہ لیتے تھے۔ ان سب اصحابؓ کے متعلق اللہ عزوجل نے فرمایا:

والذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش۔ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔

بڑے گناہوں سے مراد "شرک" اور فواحش سے مراد "زنا" ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

و اذا ما غضبوا ھم یغفرون ○ (الشوریٰ - ۳۷)

اور اگر غصہ آ جائے تو درگزر کر جاتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو مشرکین سے بدلہ نہیں لیتے۔

پھر فرمایا:

والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوٰۃ وامرھم شوریٰ بینھم ومما رزقنٰھم ینفقون ○ (الشوریٰ - ۳۸)

جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قایم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں، ہم نے جو کچھ بھی رزق انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

جو لوگ مدینہ میں تھے ان کا کوئی امیر نہیں تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اور وہ مدینہ میں تھے وہ اپنے معاملات میں مشاورت کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا گیا :

والذین اذآ اصابھم البغی ھم ینتصرون ۝ (الشوریٰ - ۳۹)

اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں۔

یہ بدلہ لینے والے ہیں۔

پھر فرمایا گیا :

وجزآء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا و اصلح فاجرہٗ علی اللہ ط انہٗ لا یحب الظّٰلمین ۝ (الشوریٰ - ۴۰)

بُرائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پھر جو کوئی معاف کرے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

یہ معاف کرنے والے صحابہؓ ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا :

ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولٰئک ما علیھم من سبیل ۝ انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق ط اولٰئک لھم عذاب الیم ۝ (الشوریٰ - ۴۱ - ۴۲)

اور جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں ان کو ملامت نہیں کی جا سکتی، ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

وہ مشرکین جو مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

باب ۲۳

اسمائے گرامی مہاجرینِ حبشہ — پہلا مرحلہ

(۲۱۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا، حضرت جعفرؓ اور آپ کے ساتھیوں سے قبل مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ نے مکہ سے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی:

بنی امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف میں سے: (۱) عثمانؓ بن عفان اور ان کے ہمراہ ان کی بیوی (۲) رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بنی عبد شمس بن عبد مناف میں سے: (۳) ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس اور ان کے ہمراہ ان کی بیوی۔
(۴) سہلہؓ بنت سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل۔
ان کے ہاں سرزمینِ حبشہ میں محمدؓ بن ابی حذیفہ پیدا ہوئے۔

حلفائے بنی امیہ میں سے: (۵) عبداللہؓ بن جحش بن رئاب۔

حلفائے بنی نوفل بن عبد مناف میں سے: (۶) عتبہؓ بن غزوان بن جابر (یہ بنی قیس عیلان میں سے تھے)

بنی اسد بن عبد العزیٰ بن قصی میں سے: (۷) زبیرؓ بن العوام بن خویلد بن اسد میں سے۔

بنی عبد الدار بن قصی میں سے: (۸) مصعبؓ بن عمیر بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار۔

بنی عبد بن قصی میں سے: (۹) طلیبؓ بن عمیر بن وہب بن ابی کثیر بن عبد بن قصی۔

بنی زھرہ بن کلاب میں سے: (۱۰) عبد الرحمٰنؓ بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن حارث بن زہرہ۔

حلفائے بنی زھرہ میں سے: (۱۱) عبداللہؓ بن مسعود اور (۱۲) مقدادؓ

بنی مخزوم بن یقظہ بن مرہ میں سے: (۱۳) ابو سلمہؓ بن عبد الاسد اور ان کے ہمراہ ان کی بیوی۔
(۱۴) ام سلمہؓ بنت ابی امیہ

(۱۵) سلمہؓ بن ہشام بن مغیرہ۔ بعد ازاں انہیں مکہ میں گرفتار کر لیا گیا اور بدر، اُحد اور خندق کے غزوات کے بعد مدینہ تشریف لائے۔

(۱۶) عیاشؓ بن ابی ربیعہ بن مغیرہ۔ انہوں نے بعد ازاں مدینہ کی طرف ہجرت کی اور حارث بن ہشام جو ان کے ماں جائے بھائی تھے وہ انہیں مکہ واپس لے گئے اور قید کر دیا، غزوات بدر، اُحد اور خندق کے بعد رہائی ملی۔

حلفائے بنی مخزوم میں سے
(۱۷) عمارؓ بن یاسر۔ ان کے بارے میں شک ہے کہ انہوں نے ہجرت حبشہ کی یا نہیں۔
(۱۸) معتب بن عوف بن عامر (یہ بنی خزاعہ میں سے تھے)

حلفائے بنی عدی بن کعب بن لوی میں سے
(۱۹) عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی۔
(۲۰) لیلیٰ بنت ابی حثمہ بن غانم۔

بنی جمح بن عمرو بن ہصیص میں سے
(۲۱) عثمانؓ بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح اور ان کے بیٹے
(۲۲) سائبؓ بن عثمانؓ۔
(۲۳) قدامہؓ بن مظعون۔

بنی سہم بن عمرو بن ہصیص میں سے
(۲۴) خنیسؓ بن حذافہ بن قیس بن عدی۔
(۲۵) ہشام بن عاصی بن وائل۔

بنی عامر بن لوی میں سے
(۲۶) حاطبؓ بن عمرو بن عبدشمس (کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی)
(۲۷) سلیط بن عمرو بن عبدشمس اور ان کے ہمراہ ان کی بیوی۔
(۲۸) ام یقظہؓ بنت علقمہ۔ ان کے ہاں ایک لڑکا (؟) پیدا ہوا۔
(۲۹) سلیطؓ بن سلیط
(۳۰) سکرانؓ بن عمرو بن عبدشمس اور ان کے ساتھ ان کی بیوی۔
(۳۱) سودہ بنت زمعہ بن قیس۔ سکرانؓ ہجرتِ مدینہ سے قبل مکہ ہی میں فوت ہو گئے اور ان کی بیوہ سودہ بنت زمعہ کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا جو حرمِ نبوت میں داخل ہو گئیں۔

حلفائے بنی عامر بن لوی میں سے
(۳۲) سعدؓ بن خولہ

بنی حارث بن فہر بن مالک میں سے
(۳۳) ابوعبیدہؓ بن الجراح
(۳۴) سہیل بن بیضاء
(۳۵) عمرو بن ابی سَرح بن ربیعہ اور
(۳۶) عمرو بن حارث بن زہیر بن ابی شداد۔

(۲۱۹) قصۂ غرانیق

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، مہاجرین حبشہ میں

ٹھہرے رہے یہاں تک کہ انہیں خبر پہنچی کہ اہلِ مکہ مسلمان ہو گئے ہیں اور انہوں نے سجدہ کیا ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ سورۃ النجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ آپؐ نے اس کی تلاوت فرمائی۔ مسلمانوں اور مشرکوں سب نے کان لگا کر سنا، جب آپؐ "افرایتم اللات والعزّٰی" پر پہنچے تو سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ مومنوں نے خیرات دی اور جب لوگوں نے اس کے بعد شیطان کی طرف الحاقی مسجع فقرے سنے تو وہ مرتد ہو گئے اور انہوں نے کہا: بخدا! ہم ان کی عبادت کریں گے تاکہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔" شیطان نے وہ دو آیتیں ہر مشرک کو سکھا دیں اور وہ ان کی زبانوں پر جاری ہو گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سخت غمزدہ ہوئے یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام آئے۔ آنحضرتؐ نے ان دو فقروں کے بارے میں شکایت کی جو لوگوں کی طرف سے ملا لیے گئے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے ان دونوں فقروں سے بیزاری کا اظہار کیا اور کہا: "آپؐ نے لوگوں کے سامنے وہ تلاوت کیا جو میں آپؐ کے اللہ عزوجل کی طرف سے نہیں لایا اور آپؐ نے وہ کچھ کہا جو آپؐ کو نہیں کہا گیا۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید رنج و غم محسوس کیا اور آپؐ خوفزدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دلجوئی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:

وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطٰن فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطٰن ثم یحکم اللہ ایٰتہ ط واللہ علیم حکیم ۵ (الحج-۵۲)[1]	اور اے نبی! تم سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ایسا بھیجا ہے نہ نبی (جس کے ساتھ یہ معاملہ پیش نہ آیا ہو کہ) جب اس نے تمنا کی شیطان اس کی تمنا میں خلل انداز ہو گیا۔ اس طرح جو کچھ بھی شیطان خلل اندازیاں کرتا ہے اللہ ان کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے۔ اللہ علیم ہے اور حکیم۔

(۲۲۰) حبشہ سے واپس آنے والے مسلمانوں پر کیا گزری؟

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: وہ مسلمان جو حبشہ میں مقیم تھے جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اہلِ مکہ کے سجدہ ریز ہونے کی خبر پہنچی تو وہ سب کے سب یا ان میں سے بعض مکہ کو واپس چل پڑے۔ ان کا خیال تھا کہ اہلِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کر لی ہے۔ جب وہ مکہ کے قریب پہنچے تو انہیں حقیقتِ حال معلوم ہوئی۔ اب ان کے لیے واپس حبشہ جانا بڑا کٹھن کام تھا لیکن کسی کی پناہ کے بغیر وہ مکہ میں داخل ہوتے ہوئے بھی ڈرتے تھے۔ وہ کچھ وقت تک اسی حیص بیص میں رہے اس کے بعد ان میں سے ہر ایک اہلِ مکہ میں سے کسی نہ کسی کی پناہ لے کر شہر میں داخل ہو گیا۔ عثمانؓ بن مظعون نے ولید بن مغیرہ کی پناہ حاصل کی

---

[1] یہ امر قابلِ ملاحظہ ہے کہ سورۃ النجم مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور سورۃ الحج مدنی دور کی آخری سورتوں میں سے ہے ان دونوں میں سبب اور مسبب کا جوڑ لگانا بعید از قیاس ہے۔ (محمد حمید اللہ)

اور ابوسلمہؓ بن عبدالاسد نے اپنے ماموں ابوطالب کی پناہ لی۔ ابوسلمہ کی والدہ کا نام برہ بنت عبدالمطلب تھا۔

یونس بن بکیر نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے صالح سے اور اس نے ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف کی وساطت سے ایک دُوسرے راوی سے عثمانؓ بن مظعون کے متعلق یہ روایت نقل کی : جب عثمانؓ بن مظعون نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرامؓ کو اذیت دی جا رہی ہے اور وہ صبح وشام ولید بن مغیرہ کی پناہ میں آرام سے چل پھر رہے ہیں۔ اس پر عثمانؓ نے اپنے دل میں سوچا کہ میرا ایک مشرک کی پناہ میں صبح ومسا امن سے گزر بسر کرنا جبکہ میرے دیگر رفقاء اور گھر والے اذیت و مصیبت میں مبتلا ہیں، میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے اس لیے وہ ولید بن مغیرہ کے پاس گئے جو اس وقت مسجد میں تھا اور اسے کہا :" اے ابوعبدِشمس! آپ کی ذمہ داری پوری ہوگئی۔ میں اب تک آپ کی پناہ میں تھا، میں چاہتا ہوں کہ آپ کی پناہ سے نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ حاصل کروں۔ میرے لئے آنحضرتؐ اور آپؐ کے اصحاب نمونہ ہیں۔" ولید نے کہا :" بھتیجے! کیا کسی نے تجھے اذیت پہنچائی ہے یا تمہارے ساتھ بدسلوکی ہوئی ہے؟" عثمانؓ نے کہا :" کوئی شکایت نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کروں۔ اس کے سوا کسی دوسرے کی پناہ میں رہنا مجھے پسند نہیں ہے۔" ولید نے کہا :" پھر حرم میں چلو اور وہاں اسی طرح علانیہ میری پناہ کو رد کر دو جس طرح میں نے علانیہ تمہیں پناہ دی تھی۔" راوی کا بیان ہے کہ وہ دونوں مسجد میں پہنچے۔ ولید نے کہا :" یہ عثمانؓ بن مظعون ہیں جو اس لیے آئے ہیں کہ میری پناہ کو لوٹا دیں۔" عثمانؓ نے کہا :" یہ سچ کہتے ہیں میں نے ان کی پناہ کو ایک باوفا اور شریف آدمی کی پناہ پایا ہے اب میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ کے سوا کسی کی پناہ میں نہ رہوں، اس سلسلے میں نے ان کی پناہ واپس کر دی ہے۔" اس کے بعد عثمانؓ بن مظعون چلے گئے۔

ایک دن لبید بن ربیعہ بن جعفر بن کلاب قیسی قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، عثمانؓ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ لبید نے اپنے اشعار سناتے ہوئے یہ مصرع پڑھا :

الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل

خبردار! اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے

عثمانؓ نے کہا :" تم نے بڑی سچی بات کہی ہے۔" اس کے بعد لبید نے یہ دوسرا مصرع پڑھا :

وکل نعیم لامحالۃ زائل

اور ہر نعمت لامحالہ زائل ہونے والی ہے

اس پر عثمانؓ نے کہا :" یہ جھوٹی بات ہے۔" لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے لبید کو یہ شعر مکرر پڑھنے کی فرمائش کی۔ لبید نے دوبارہ پڑھا۔ عثمانؓ نے پھر پہلے مصرع پر اس کی تصدیق کی اور دوسرے مصرع پر تکذیب کی۔ جب عثمانؓ نے دوسرے مصرع کی تکذیب کی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ جنت کی نعمتیں زائل ہونے والی نہیں ہیں۔ لبید نے کہا :" اے گروہِ قریش! بخدا، تمہاری یہ مجلسیں کیسی ہو گئی ہیں؟" اس پر قریش میں سے ایک احمق اٹھا اور اس نے

عثمانؓ کی آنکھ پر ایک تھپڑ دے مارا جس سے ان کی آنکھ نیلی ہوگئی۔ ادھر ادھر بیٹھے ہوئے لوگوں نے عثمانؓ سے کہا: "بخدا! اے عثمانؓ! اس سے قبل تو محفوظ پناہ میں تھا اگر تو اسی پناہ میں رہتا تو تیری آنکھ کو یہ چوٹ نہیں آسکتی تھی۔" عثمانؓ نے کہا: "اللہ کی پناہ سب سے زیادہ امن دینے والی اور سب پر غالب ہے۔ میری دوسری آنکھ بھی اسی طرح کی ضرب کی محتاج ہے جو اس کی ساتھی کو لگی ہے، اور میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ کا نمونہ بہترین لائحہ عمل ہے۔" ولید نے کہا: "کیا تم دوبارہ میری پناہ میں آنا چاہتے ہو۔" عثمانؓ نے جواب دیا: "میں اللہ کی پناہ کے سوا کسی دوسرے کی پناہ تلاش نہ کروں گا۔" پھر عثمانؓ نے اس بارہ میں یہ اشعار کہے:

لاارب لی یا بن المغیرہ فی الـذی	اے ابن مغیرہ! جو کچھ تم کہہ رہے ہو مجھے اس کی خواہش نہیں ہے
تقول و تکفی باحـمدؐ و اثق	میں نے تو حضرت احمدؐ کا دامن مضبوطی سے تھام لیا ہے۔
رسول عظیم الشان یتـلو کتا بـہ	آنحضرتؐ عظیم الشان رسول ہیں اور ہر وہ شخص جو تلاوت کا خواہشمند ہے
لہ کل من یبغی التلاوۃ وا مـق	وہ آپؐ سے بہت زیادہ محبت کرنے والا ہے۔
محب علیـہ کل یوم حـلاوۃ	وہ تو آپؐ کی شیریں کلامی کی وجہ سے آپؐ کا عاشق ہے اور آپؐ جو
وان قال قولاً فا لـذی قال صادق	بات بھی فرماتے ہیں وہ سچائی پر مبنی ہوتی ہے۔
فیارب انی مو من لمحـمدؐ	اے میرے پروردگار! میں حضرت محمدؐ اور جبریلؑ پر ایمان لانے والا ہوں
وجبریل اذ جبریل با لوحی طـارق	جبکہ جبریلؑ وحی لانے والے ہیں۔
وما نزل الرحمٰن من کل اٰ یـۃ	اللہ تعالیٰ نے جو آیت بھی نازل فرمائی اس کے لیے ہر ذکر کرنے والا دل
لہا کل قلب حین یذ کر خا فـق	خوف سے دھڑکتا ہے۔
من الخوف مما ینذر اللہ خلقـہ	کیونکہ لوگ جب صاحبِ عرش خدا کی آیات سے روکے جائیں تو
اذا اصد عن اٰیات ذی العرش وا مـق	اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ڈراتا ہے اور وہ بہت زیادہ محبت کرنے والا ہے۔
تری الناس ضلالا وقد ضل سعیـہ	تو دیکھے گا کہ لوگ گم کردہ راہ ہیں اور ان کی کوشش رائیگاں ہے۔ وہ
وبالخیر مغبون و بالشـر سا بـق	بھلائی کرنے میں سُست رفتار ہیں اور برائی کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔

باب ۲۴

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

(۲۲۱) احمد نے یونس کی وساطت سے محمد بن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحابؓ کی سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کے بعد حضرت عمرؓ بن خطاب مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(۲۲۲) احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق سے اور اس نے عبدالرحمان بن حارث کے حوالہ سے عبدالعزیز بن عبداللہ سے اور اس نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کی وساطت سے اپنی ماں لیلیٰؓ کی روایت نقل کی کہ حضرت عمرؓ ہمارے اسلام کی وجہ سے ہم پر ظلم وستم کرنے میں پیش پیش تھے۔ جب ہم نے سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کی تیاری کر لی تو عمرؓ بن خطاب میرے پاس آئے میں اس وقت اپنے اونٹ پر تھی اور ہم سفر پر جانے والے تھے۔ حضرت عمرؓ مجھ سے کہنے لگے: "اے امِ عبداللہ! کہاں جا رہے ہو؟" میں نے آپ کو کہا: "جب تم لوگوں نے ہمیں بہت ستایا تو اب ہم خدا کی زمین میں کہیں نکل جائیں گے جہاں ہم اللہ کی عبادت بلا روک ٹوک کر سکیں۔" اس پر حضرت عمرؓ نے کہا: "اللہ تمہارا ساتھ دے۔" اس کے بعد عمرؓ چلے گئے۔ پھر میرے شوہر عامرؓ بن ربیعہ آئے تو میں نے ان سے عمرؓ کی رقت کے بارے میں بیان کیا۔ انہوں نے کہا: "کیا تمہیں ان کے اسلام لانے کی امید ہو گئی ہے؟" میں نے کہا: "ہاں!" انہوں نے کہا: "وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوں گے جب تک خطاب کا گدھا مسلمان نہ ہو جائے۔"

(۲۲۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر قریش نے عمرؓ بن خطابؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں بھیجا۔ عمرؓ بن خطاب اس وقت شرک پر قائم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی کے قریب ہی ایک مکان میں تھے۔ راستے میں حضرت عمرؓ بن خطاب کو النحام (نعیمؓ بن عبداللہ بن اسد۔ برادر بنی عدی) مل گئے جو قبل ازیں مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ اپنی تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے تھے۔ نعیمؓ نے ان سے پوچھا: "اے عمرؓ! کدھر کا ارادہ ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "میں اس محمدؐ کا کام تمام کر دینا چاہتا ہوں جس نے ہمیں بے وقوف قرار دیا ہے، ہمارے خداؤں کی عیب چینی کی ہے اور ہماری جماعت میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔" نعیمؓ نے ان سے کہا: "بخدا اے عمرؓ! آپ نے یہ اچھا راستہ اختیار نہیں کیا۔ آپ بھٹک چکے ہیں اور آپ بنی عدی بن کعب کی ہلاکت کا سامان مہیا کر رہے ہیں کیا تم سمجھتے ہو کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کے بعد بنی ہاشم اور بنی زہرہ آپ کو چلنے پھرنے کے لیے چھوڑ دیں گے؟" اس مکالمہ کے دوران میں ان دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت نعیمؓ سے کہا: "میں گمان کرتا ہوں کہ تم بھی آبائی دین چھوڑ چکے ہو۔ اگر مجھے اس کا علم ہوتا تو سب سے پہلے میں تمہاری خبر لیتا۔" جب حضرت نعیمؓ نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ اپنے منصوبہ کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہیں تو انہوں نے کہا: "میں آپ کو خبر دیتا ہوں کہ آپ کے اپنے گھر والے اور آپ کے بہنوئی کے اہل خانہ مسلمان ہو چکے ہیں، اور انہوں نے آپ کو آپ کی گمراہی کے مسلک پر چھوڑ دیا ہے۔" جب حضرت عمرؓ نے یہ بات سُنی تو پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ حضرت نعیمؓ نے کہا: "آپ کا بہنوئی اور چچازاد بھائی اور آپ کی بہن۔" حضرت عمرؓ پلٹ کر سیدھے بہن کے گھر گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپؐ کے پاس محتاج صحابہؓ میں سے کوئی آتا تو آپؐ اپنے آسودہ حال صحابہؓ کی جانب نظر دوڑاتے اور انہیں فرماتے کہ تمہارے پاس فلاں حاجتمند صحابیؓ گزر بسر کرے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی اور ان کے بہنوئی سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کو پابند کیا اور خبابؓ بن الارت مولی ثابت بن ام انمار (حلیف بنی زہرہ) کو ان کے سپرد کر دیا۔ اس وقت سورۂ طٰہٰ اللہ عز وجل کی طرف سے نازل ہو چکی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پنجشنبہ کی رات کو اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ! عمرؓ بن خطاب یا ابوالحکم بن ہشام کے ذریعہ سے اسلام کی تائید فرما۔ حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی اور آپ کی بہن نے کہا: "ہمیں امید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دُعا کا مصداق حضرت عمرؓ قرار پائیں گے۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت عمرؓ اپنی بہن کے گھر پہنچے تاکہ انہیں اسلام سے برگشتہ کریں۔ اس وقت خبابؓ بن الارت انہیں سورۂ طٰہٰ اور سورہ التکویر کا درس دے رہے تھے۔ مشرکین اس درس کو ھیمنہ یا گنگناہٹ کہا کرتے تھے حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے۔ آپؓ کی بہن آپ کی ترش روئی کو بھانپ گئیں اور صحیفہ کو چھپا دیا اور خبابؓ بن ارت گھر کے ایک حصّہ میں چھپ گئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن کو کہا: "یہ تمہارے گھر میں کیسی گنگناہٹ تھی؟" بہن نے کہا: "ہم تو آپس میں باتیں کر رہے تھے اس کے سوا کچھ نہیں تھا۔" حضرت عمرؓ نے بہن کو ملامت کی اور کہا کہ میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک تم اپنی پوزیشن واضح نہیں کرو گی۔ ان کے بہنوئی سعید بن زید بن عمرو بن نفیل نے کہا: "اے عمرؓ! آپ سب لوگوں کو اپنی ہمنوائی پر مجبور نہیں کر سکتے جبکہ حق آپ کے مشرب کے علاوہ ہے۔" حضرت عمرؓ نے اپنے بہنوئی کو پکڑ لیا اور انہیں نیچے گرا کر خوب پیٹا۔ حضرت عمرؓ اس وقت غضبناک تھے۔ آپ کی بہن اپنے شوہر کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں حضرت عمرؓ نے انھیں بھی اپنے ہاتھ سے مارا اور وہ زخمی ہو گئیں اور جب انہوں نے اپنا خون بہتا ہُوا دیکھا تو کہا: "اے عمرؓ! کیا تم سُن رہے ہو؟ تمہیں یہ جو خبر پہنچی ہے کہ میں نے تمہارے خداؤں کو چھوڑ دیا ہے اور لات وعُزّٰی کی خدائی سے انکار کر دیا ہے یہ خبر سچی ہے میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وُہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اب سوچ سمجھ کر جو کچھ بھی کرنا چاہو کر لو۔" جب عمرؓ نے یہ دیکھا تو ندامت محسوس کی اور اپنی بہن کو کہا: "وہ

صحیفہ مجھے دکھاؤ جو تم لوگ پڑھ رہے تھے اور میں اللہ کے نام سے تمہارے ساتھ عہد و پیمان کرتا ہوں کہ میں اسے ضائع نہیں کروں گا بلکہ تمہیں واپس کر دوں گا۔ اور ہم اس معاملے میں تمہیں سرزنش نہیں کریں گے۔" جب آپؓ کی بہن نے یہ دیکھا کہ عمرؓ صحیفہ پڑھنے کے خواہشمند ہیں تو امید بندھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا مصداق ثابت ہوں گے۔ چنانچہ بہن نے کہا: "آپ ناپاک ہیں ... اور اس صحیفے کو صرف پاک آدمی ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ آپ غسلِ جنابت کریں اور مجھے عہد و پیمان دیں۔" حضرت عمرؓ نے تعمیل کی اور آپ کی بہن نے انہیں صحیفہ دیا۔

حضرت عمرؓ پڑھے لکھے آدمی تھے انہوں نے سورہ طٰہٰ پڑھی اور درج ذیل آیات تک پہنچے:

ان الساعۃ اٰتیۃ اکاد اخفیہا لتجزٰی کل نفس بما تسعٰی ۵ فلا یصدنک عنہا من لا یؤمن بہا واتبع ھوٰہ فتردٰی ۵ (طٰہٰ ۔ ۱۵ ۔ ۱۶)	قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔ پس کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہشِ نفس کا بندہ بن گیا ہے تجھ کو اس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے، ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

پھر حضرت عمرؓ نے سورۃ التکویر پڑھی اور اس آیت تک پہنچے:

علمت نفس ما احضرت ۵ (التکویر ۔ ۱۴)	اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

اس کلام پاک کی تاثیر سے حضرت عمرؓ نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور پوچھا: "دینِ اسلام کس طرح قبول کیا جاتا ہے؟" آپ کی بہن اور بہنوئی نے کہا: "آپ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ آپ نے اللہ کے ساتھ جو شریک بنا رکھے ہیں ان کو چھوڑ دیں اور لات اور عزّٰی کا انکار کریں۔" حضرت عمرؓ نے تعمیل کی۔ اس موقع پر خباب بن الارت بھی نکل آئے وہ گھر کے ایک حصہ میں چھپے ہوئے تھے، انہوں نے تکبیر بلند کی اور کہا: "اے عمرؓ! آپ کو بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلام سے مشرف فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپؓ کے ذریعہ سے اسلام کی تائید فرمائے۔" عمرؓ نے فرمایا: "مجھے بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟" خبابؓ بن الارت نے کہا: "میں آپ کو بتاتا ہوں۔" چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ آنحضورؐ کوہِ صفا کے قریب ایک مکان میں ہیں۔ حضرت عمرؓ تشریف لے چلے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے متمنی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے درپے ہیں لیکن آنحضرتؐ کو ان کے مسلمان ہونے کی اطلاع نہیں پہنچی تھی۔ جب عمرؓ اس مکان تک پہنچے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقیم تھے تو انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کو گلے

میں تلوار لٹکائے ہوئے دیکھا تو وہ ڈر گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے خوف و ہراس کو دیکھا تو فرمایا :
"دروازہ کھول دو، اگر اللہ تعالیٰ کو عمر کی بھلائی مطلوب ہے تو عمرؓ اسلام کا اتباع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں گے۔ اور اگر عمرؓ کسی اور ارادہ سے آئے ہیں تو ان کا قتل ہمارے لیے مشکل ہو جائے گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے کچھ لوگ آگے بڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ کی جانب اشارہ کیا اور جب آنحضرتؐ نے عمرؓ کی آواز سنی تو آپؐ باہر نکل آئے۔ اس وقت آنحضرتؐ پر کوئی چادر نہیں تھی آپؐ نے عمرؓ کی قمیص اور چادر کو اکٹھا پکڑ لیا اور فرمایا : "اے عمر! تم باز نہیں آؤ گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی آفت نازل نہ کر دے جس طرح ولید بن مغیرہ پر عذاب نازل ہوا۔" آنحضرتؐ نے پھر فرمایا : "اے اللہ! عمرؓ کو ہدایت نصیب فرما۔" حضرت عمرؓ ہنس پڑے اور کہا : "اے اللہ کے نبی! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔" اس پر اہلِ اسلام نے بیک آواز تکبیر بلند کی جسے مکان سے باہر لوگوں نے بھی سنا۔ اس وقت مسلمان چالیس سے کچھ زیادہ مرد تھے اور گیارہ مسلمان عورتیں تھیں۔

(۲۲۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو انہوں نے یہ اشعار کہے :

الحمد للّٰہ ذی المن الذی وجبت
لہ علینا ایاد مالہا غیر

تعریف اس خدائے ذوالمنن ہی کے لیے ہے جس کی پناہ کے ہم متلاشی ہیں اور اس کی پناہ کے سوا ہمارے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔

وقد بدانا فکذبنا فقال لنا
صدق الحدیث نبی عندہ الخبر

اسی نے ہمیں پیدا کیا ہے لیکن ہم نے اس کی تکذیب کی۔ پھر ایک نبیؐ نے جس کے پاس سچی خبریں آتی ہیں ہمیں سچائی کی تعلیم دی۔

وقد ظلمت ابنۃ الخطاب ثم ھدی
ربی عشیۃ قالوا قد صبا عمر

میں نے خطاب کی بیٹی (یعنی اپنی بہن) پر ظلم کیا پھر دن کے آخری حصہ میں میرے رب نے مجھے ہدایت سے نوازا لیکن لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ عمر دین سے منحرف ہوگیا ہے۔

وقد ندمت علی ما کان من زلل
بظلمہا حین تتلی عندھا السور

میں اس ظالمانہ کارروائی پر نادم ہوا جو میں نے اپنی بہن کے گھر میں روا رکھی جبکہ وہاں قرآن کی سورتیں تلاوت کی جا رہی تھیں۔

لما دعت ربہا ذا العرش جاھدۃ
والدمع من عینہا عجلان یبتدر

جب اس نے انتہائی آزردگی کے عالم میں صاحبِ عرش خدا سے دعا مانگی اس حال میں کہ اس کی آنکھیں پیہم اشکبار تھیں۔

ایقنت ان الذی تدعوہ خالقہا
فکاد یسبقنی من عبرۃ درر

اسے یقین تھا کہ وہ جس کو پکار رہی ہے وہ اس کا خالق ہے۔ اس کے بعد میری آنکھوں میں بھی موتیوں جیسے آنسو ڈبڈبا آئے۔

فقلت اشھد ان اللّٰہ خالقنا
وان احمد فینا الیوم مشتہر

پس میں نے کہا : میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہمارا خالق ہے اور یہ کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم آج ہم میں ظاہر ہوئے ہیں۔

نبی صدق اتی بالحق من ثقتہ — ایک سچے نبیؐ کی حیثیت سے آپؐ حق لے کر آئے ہیں جبریل امینؑ
وافی الامانۃ مافی عودہ خور — کی طرف سے جو قابلِ اعتماد امانت دار ہیں اور جن کے بار بار آنے
میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

(۲۲۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی: حضرت عمرؓ نے قبولِ اسلام کے وقت کہا:
بخدا! کفر کی بہ نسبت ہم زیادہ حقدار ہیں کہ ہم اسلام کی تبلیغ کریں۔ اللہ کے دین کا اظہار مکہ میں ہو کر رہے گا۔ اگر ہماری قوم نے ہم پر زیادتی کی تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے اور اگر ہماری قوم نے ہمارے ساتھ انصاف کا سلوک کیا تو یہ ہمارے لیے قابلِ قبول ہو گا۔ حضرت عمرؓ اور آپ کے دوسرے ساتھی نکلے اور مسجد میں جا کر بیٹھ گئے۔ جب قریش نے حضرت عمرؓ کا اسلام دیکھا تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔

(۲۲۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے نافع نے ابن عمرؓ کی روایت بیان کی۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے کہا کہ قبولِ اسلام کے بعد حضرت عمرؓ نے پُوچھا: "اہلِ مکہ میں کون شخص سب سے زیادہ خبریں پھیلانے والا ہے؟" لوگوں نے بتایا: "جمیل بن معمر جمحی۔" حضرت عمرؓ اس کی تلاش میں نکلے اور میں ان کے پیچھے ہو لیا۔ اس وقت میں اس عمر کا لڑکا تھا کہ جو کچھ دیکھتا تھا اسے سمجھ سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ جمیل کے پاس آئے اور اسے کہا: "اے جمیل! کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟" بخدا! اس نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اپنی چادر گھسیٹتا ہوا اسی وقت نکل کھڑا ہوا۔ حضرت عمرؓ اس کے ساتھ چلے اور میں ان کے ساتھ۔ جب وہ مسجدِ حرام کے دروازے پر پہنچا تو بلند ترین آواز سے چیخا: "اے گروہِ قریش! عمرؓ دین سے پھر گیا ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "تُو جھوٹ کہتا ہے، میں مسلمان ہوا ہوں۔" وہ سب لوگ حضرت عمرؓ کی طرف لپکے اور انھیں مارنے لگے۔ وُہ بھی انہیں مارنے لگے، یہاں تک کہ سورج سروں پر آ گیا۔ حضرت عمرؓ نڈھال ہو کر بیٹھ گئے۔ لوگ آپ کے ارد گرد کھڑے ہو گئے اور حضرت عمرؓ کہہ رہے تھے کہ "تم جو چاہو کر لو، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم تین سو آدمی ہو جائیں تو پھر کیفیت یہ ہو جائے گی کہ یا تم مکہ کو ہمارے لیے چھوڑ دو گے یا ہم تمہارے لیے مکہ کو چھوڑ دیں گے۔" لوگ اسی حالت میں تھے کہ قریش کا ایک شیخ آگے بڑھا وہ یمنی دوشالہ اور قیمتی قمیص پہنے ہوئے تھا اس نے کہا: "ٹھہرو، کیا معاملہ ہے؟" لوگوں نے کہا: "عمرؓ دین سے برگشتہ ہو گیا ہے۔" اس نے کہا: "ان کو چھوڑ دو، ایک آدمی نے اپنے لیے ایک دین کو پسند کر لیا ہے، کیا تم سمجھتے ہو کہ بنی عدی اپنے آدمی کو اسی طرح تمہارے سپرد کر دیں گے؟" بخدا! اس پر لوگ اس طرح چھٹ گئے جس طرح کسی پر سے کپڑے کو کھینچ کر اتار لیا جائے۔ جب ہم مدینہ آ گئے تو میں نے پُوچھا: "ابّا جان! وہ دوشالہ پوش آدمی کون تھا جس نے آپ سے لوگوں کو ہٹایا تھا؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "وہ عاصی بن وائل سہمی تھا۔"

(۲۲۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا مجھے منکدر نے بتایا

کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر ایک بدو کو پہنچی اور آپ کی بعثت اور ظہور کا چرچا عام ہونے لگا اور آپ کے بارے میں لوگوں کے درمیان اختلاف رونما ہوا تو اس بدو نے پوچھا کہ اس کش مکش میں اس شخص کا کردار کیا ہے جس کے سر کے اگلے حصہ کے بال گر گئے ہیں اور جو دراز قامت اور بائیں ہاتھ سے کام کرنے والا ہے؛ وہ کون سے گروہ کے ساتھ ہے؛ بخدا! وہ شخص —— خیر یا شر —— جس گروہ کے ساتھ ہوگا اسے کل کو ضرور غالب کر دے گا۔" اس گفتگو میں اس بدو کا اشارہ عمرؓ بن خطاب کی طرف تھا۔

(۲۲۸) یونس نے نضر ابی عمر سے اور اس نے عکرمہ کی وساطت سے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی "اے اللہ! ابی جہل بن ہشام یا عمرؓ بن خطاب کے ذریعہ سے اسلام کی تائید فرما۔" چنانچہ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، اسلام قبول کیا اور پھر باہر نکل کر مسجد میں علانیہ نماز ادا کی۔

(۲۲۹) یونس نے عبدالرحمان بن عبداللہ سے اور اس نے قاسم کی وساطت سے عبداللہؓ بن مسعود کی روایت نقل کی۔ عبداللہؓ بن مسعود نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب کا حلقہ بگوشِ اسلام ہونا اسلام کی فتح تھی۔ آپ کی ہجرت تائیدِ ایزدی تھی اور آپ کی امارت اللہ کی رحمت تھی۔ ہم کعبہ کے پاس علانیہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے یہاں تک کہ عمرؓ اسلام لائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو آپ پر۔

باب ۲۵

مکّہ مکرّمہ میں قرآن کریم کی جہری تلاوت کی ابتداء

(۲۳۰) یونس نے محمد بن اسحاق سے اور اس نے یحییٰ بن عروہ بن زبیر بن العوام کی وساطت سے یحییٰ کے باپ عروہ کی روایت نقل کی۔ عروہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عبداللہؓ بن مسعود پہلے صحابی ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں ہانکے پکارے قرآن کی تلاوت کی۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے آپس میں کہا: "بخدا! قریش نے کبھی کسی کو علانیہ بلند آواز کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نہیں سُنا، ہم میں سے کون آدمی انہیں قرآن سنائے گا؟" عبداللہؓ بن مسعود نے کہا: "میں سناؤں گا۔" صحابہؓ نے کہا: "ہم آپ کے بارے میں خائف ہیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم میں سے ایسے شخص کو یہ کام کرنا چاہیے جس کا قبیلہ طاقتور ہو تاکہ قوم اگر اس پر دست درازی کرے تو اس کا قبیلہ اس کی حمایت کرے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے فرمایا: "مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، اللہ عزوجل میری حفاظت فرمائے گا۔" پھر وہ دن چڑھے چاشت کے وقت مقامِ ابراہیمؑ پر پہنچے جبکہ قریش اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود مقامِ ابراہیمؑ پر کھڑے ہو گئے اور بلند آوازی کے ساتھ پڑھنا شروع کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥	اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔
الرحمٰن ٥ٌ علم القراٰن ٥ٌ	رحمٰن نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔

(سورہ الرحمٰن۔ ۱ - ۲)

حضرت عبداللہؓ بن مسعود قریش کی طرف منہ کر کے پڑھتے رہے۔ قریش کے لوگ سوچتے رہے اور ایک دوسرے سے پوچھنا شروع کیا کہ ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟ (ابن ام عبد سے مراد عبداللہؓ بن مسعود ہیں)۔ لوگوں نے کہا: یہ وُہ کلام ہے جو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں۔ وہ عبداللہؓ بن مسعود پر ٹوٹ پڑے اور ان کے چہرۂ مبارک پر تھپڑ مارنے لگے۔ اس پر بھی حضرت عبداللہؓ بن مسعود پڑھنے سے باز نہ آئے بلکہ پٹتے جاتے تھے اور تلاوت کرتے جاتے تھے اور جتنی تلاوت اللہ تعالیٰ کو منظور تھی اتنی انہوں نے کر دی۔ پھر چہرے پر ضربوں کے نشانات لیے ہوئے صحابہؓ کے پاس واپس آئے تو انہوں نے فرمایا: "ہمیں آپ کے بارے میں یہی خوف لاحق تھا۔" حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: "آج سے بڑھ کر یہ دشمنانِ خدا میرے لیے کبھی ہلکے نہ تھے اگر تم چاہو تو میں کل پھر اسی طرح انہیں قرآن سناؤں۔"

انہوں نے کہا: "اسی قدر کافی ہے۔ آپ نے انہیں وہ کچھ سنا دیا جس کو سننے کے وہ روادار نہیں تھے۔"

(۲۳۱) یونس نے عبدالرحمان بن عبد اللہ کی وساطت سے قاسم کی روایت نقل کی۔ قاسم نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے بعد سب سے پہلے جس شخص نے مکہ مکرمہ میں لوگوں کو علانیہ قرآن سنایا وہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود تھے۔

باب ۲۶

تعذیبِ اہلِ ایمان

(۲۳۴) شیخ ابو الحسین احمد بن محمد بن نقور البزاز نے ابو طاہر محمد بن عبد الرحمان کی وساطت سے ابو الحسین رضوان بن احمد کی روایت نقل کی۔ ابو الحسین نے کہا کہ ابو عمر احمد بن عبد الجبار عطاردی نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت بیان کی۔ ابن اسحاق نے کہا: ہم سے زہری نے بیان کیا کہ مجھے بتایا گیا کہ ابو جہل اور ابو سفیان اور اخنس بن شریق کسی رات کو علیحدہ علیحدہ نکلے تاکہ رات کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر پر جو قرآن پڑھتے ہیں وہ سُنیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے ٹھکانے پر بیٹھ گیا اور تینوں کو ایک دُوسرے کی خبر نہ تھی اور وہ رات بھر قرآن سنتے رہے۔ جب فجر طلوع ہوئی اور علی الصبح یہ تینوں علیحدہ علیحدہ چل دئے لیکن رستہ میں اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور آپس میں ایک دُوسرے کو کہا کہ ہمیں دوبارہ ایسا نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ بیوقوف لوگوں میں سے کسی نے اگر ہمیں ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیا تو یہ بات اس کے دل میں جاگزیں ہو جائے گی۔ اس کے بعد وُہ چلے گئے۔ دُوسرے روز ان تینوں میں سے ہر ایک دوبارہ رات کے وقت جا کر اپنے اپنے ٹھکانے پر جا بیٹھا اور انہوں نے پھر اسی طرح قرآن سنتے ہوئے رات بسر کی۔ جب فجر طلوع ہُوئی تو وہ تینوں الگ الگ چل دیے لیکن رستہ میں ان کی ملاقات ہو گئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو اسی طرح کہا جس طرح پہلی دفعہ کہا تھا۔ پھر وُہ چلے گئے۔ تیسری رات کو بھی ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے ٹھکانے پر جا بیٹھا اور قرآن سننے میں رات گزار دی۔ جب صبح کے وقت وہ واپس ہوئے تو راستہ میں اکٹھے ہو گئے۔ اس پر انہوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ ہم یہاں سے ہرگز نہ جائیں گے جب تک کہ ایسا نہ کرنے کا باہم معاہدہ نہ کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے اس بات پر عہد کر لیا اور پھر منتشر ہو گئے۔ بعد ازاں اخنس بن شریق اپنی لاٹھی لے کر پہلے ابو سفیان کے گھر گیا اور اسے کہا: "اے ابو حنظلہ! مجھے بتاؤ کہ محمدؐ سے جو کچھ تم نے سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟" اس نے کہا: "اے ابو ثعلبہ! بخدا میں نے وہ باتیں سُنی ہیں جنہیں میں سمجھتا ہُوں اور یہ بھی جانتا ہُوں کہ ان کی مراد کیا ہے؟ اور بعض باتیں ایسی ہیں جن کے مفہوم اور مراد کو میں نہیں سمجھتا۔" اخنس نے کہا: "میں حلفیہ کہتا ہُوں کہ میرا بھی یہی حال ہے۔" پھر وہاں سے نکل کر وہ ابو جہل کے ہاں گیا اور اس کے مکان کے اندر جا کر پُوچھا: "اے ابو الحکم! جو کچھ تم نے محمدؐ سے سنا ہے اس کلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے کہا: "سنا کیا ہے، ہم میں اور بنو عبد مناف

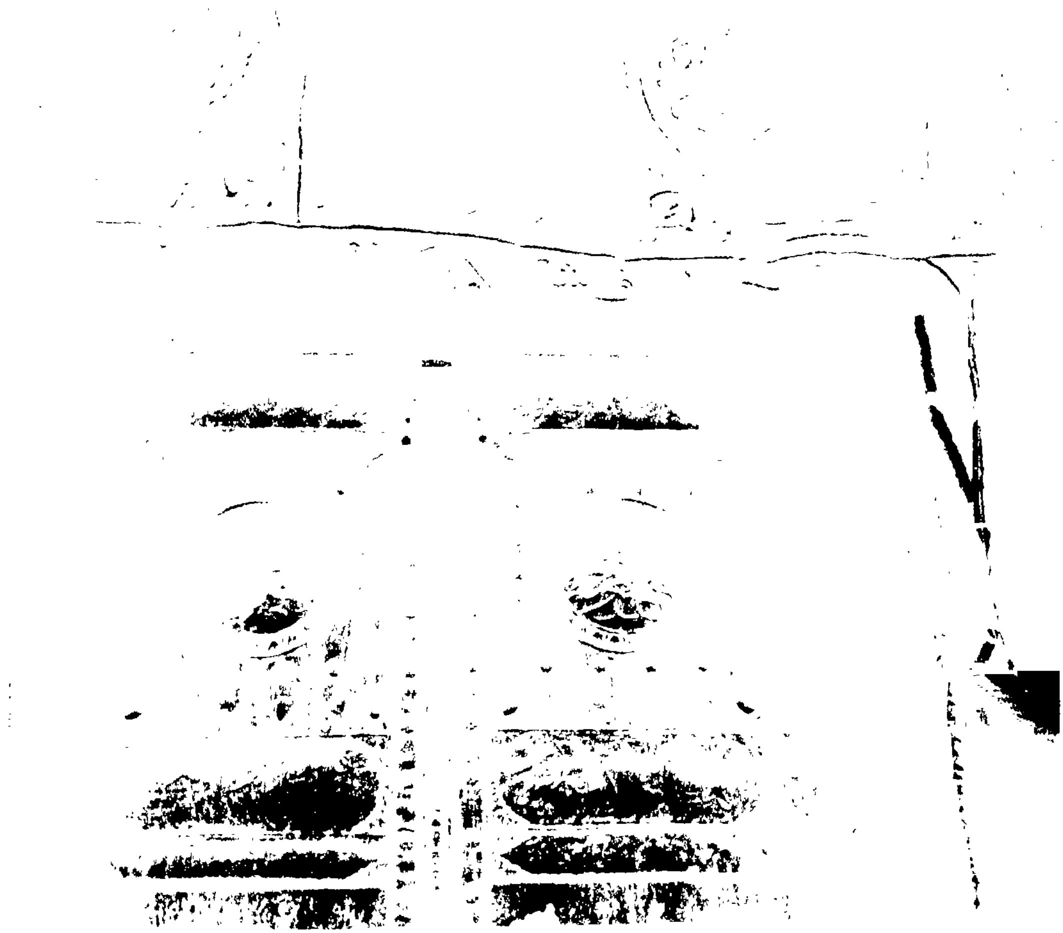
میں شرافت و بزرگی کے بارے میں جھگڑا پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے بھی کھانے کھلائے اور ہم نے بھی۔ انہوں نے بھی ذمہ داریوں کے بوجھ اٹھائے اور ہم نے بھی۔ انہوں نے بھی لوگوں کو عطیات دیے اور ہم نے بھی۔ یہاں تک کہ جب ہم اور وہ برابر کی ٹکر کے ہو گئے اور ہماری اور ان کی حالت شرط کے دو گھوڑوں کی سی ہو گئی تو وہ کہنے لگے "ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے اب یہ چیز کہاں سے حاصل ہو سکتی ہے؟ بخدا! ہم اس پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔" اس کے بعد اخنس بن شریق ابوجہل کے پاس سے اٹھ کر چلا آیا۔

(۲۲۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر کفار نے ان صحابہؓ کو جنہوں نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کیا مظالم کا تختۂ مشق بنایا۔ ہر قبیلہ اپنے میں سے مسلمانوں پر جھپٹ پڑا اور انہیں تعذیب کا نشانہ بنایا۔

(۲۲۴) احمد نے یونس سے اور اس نے ہشام بن عروہ کی وساطت سے اس کے باپ عروہ کی روایت نقل کی۔ عروہ نے کہا: ورقہ بن نوفل حضرت بلالؓ کے پاس سے گزرتے اس حال میں کہ انھیں اسلام قبول کرنے پر طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا تھا اور وہ اَحد اَحد ہی کہے چلے جاتے تھے۔ ورقہ کہتا: "بخدا! اے بلالؓ! وہ ایک ہی ہے۔ وہ یکتا ہے۔ تو غلامی سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے گا۔" پھر ورقہ بن نوفل امیہ اور بنی جمح کے ان لوگوں کی جانب متوجہ ہوتا جنہوں نے حضرت بلال کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا تھا اور ان سے کہتا: "بخدا! اگر تم لوگوں نے اس کو اسی طرح قتل کر دیا تو میں اس کے فراق میں نوحہ کرتا رہوں گا۔"

(۲۲۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمارؓ بن یاسر نے حضرت بلالؓ بن رباحؓ، ان کی والدہ حمامہ اور ان کے ساتھیوں کی تکالیف و مصائب اور حضرت ابوبکرؓ کے انہیں رہا کرانے کے بارے میں یہ اشعار کہے:

جزی اللہ خیرا عن بلال و صحبه عتیقا و اخزی فاکها و ابا جهل	اللہ تعالیٰ حضرت بلالؓ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے حضرت ابوبکر عتیقؓ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور فاکہ اور ابوجہل کو رسوا کرے۔
عشیة هما فی بلال بسوءة ولم یحذروا ما یحذر المرء ذو العقل	ان دونوں نے ظہر کے وقت حضرت بلالؓ کے ساتھ برائی کا قصد کیا اور انہیں مبتلائے عذاب کرنے میں پرہیز نہ کیا جس طرح ایک عقلمند آدمی پرہیز کیا کرتا ہے۔
بتوحیده رب الانام و قوله شهدت بان اللہ ربی علی مهل	یہ عذاب انہیں اس وجہ سے دیا جاتا ہے کہ وہ مخلوقات کے رب کی وحدانیت کے قائل ہیں اور نرمی و آہستگی کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے۔



باب الكعبة المشرفة

فان تقتلونی تقتلونی ولم اکن	اور یہ کہ اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو قتل کر دو لیکن میں قتل کے خوف سے
لاشرك بالرحمٰن من خیفۃ القتل	رحمان کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤں گا۔
فیارب ابراھیم والعبد یونس	اور یہ کہ اے اپنے بندگان — ابراہیمؑ، یونسؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ — کے رب!
وموسٰی وعیسٰی نجنی ثم لا تملی	مجھے ان ظالم کفار کے مظالم سے نجات عطا فرما اور پھر مہلت نہ دے۔
لمن ظل یھوی الغی من آل غالب	آلِ غالب کے ان لوگوں کو جو ضلالت و گمراہی کے دلدادہ ہیں اور نیکی و
علٰی غیر بر کان منہ ولا عدل	انصاف کی روش پر کاربند نہیں ہیں۔

(۲۲۶) یونس نے ہشام بن عروہ کی وساطت سے اس کے باپ عروہ کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان اشخاص میں سے جنہیں اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی وجہ سے تعذیب کا نشانہ بنایا گیا تھا ان سات مسلمانوں کو آزاد کرا دیا: (۱) بلالؓ (۲) عامرؓ بن فہیرہ (۳) زنیرہؓ (۴) بنی عمرو بن مومل کی لونڈی (جن کا نام لبینہؓ یا لبیبہؓ تھا) (۵) نہدیہؓ اور (۶) ان کی بیٹی اور (۷) ام عبیسؓ۔

یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نہدیہؓ کے پاس سے گزرے۔ ان کی مالکہ ان پر ظلم کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی: "بخدا! میں تجھے اس وقت تک آزاد نہیں کروں گی جب تک کہ تیرے ہم مذہب تجھے آزاد نہ کرا لیں۔" ابوبکرؓ نے فرمایا: "اے اُمِّ فلاں! ہمیں منظور ہے۔" اس عورت نے کہا: "تو پھر اسے آزاد کرا لو کیونکہ وہ تمہارے دین کی پیروکار ہے۔" ابوبکرؓ نے قیمت پوچھی۔ اس عورت نے کہا: "اتنی قیمت ہے۔" ابوبکرؓ نے فرمایا: "میں نے خرید لیا اور انہیں آزاد کر دیا۔" پھر نہدیہؓ سے فرمایا کہ اپنی سابقہ مالکہ کا غلہ اسے واپس کر دو۔ نہدیہؓ نے فرمایا: "میں اس کا غلہ پیس کر اسے دے دیتی ہوں۔"

(۲۲۷) یونس نے ہشام بن عروہ کی وساطت سے اس کے باپ عروہ کی یہ روایت نقل کی کہ زنیرہؓ کی بینائی جاتی رہی یہ ان لوگوں میں سے تھیں جنہیں اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی وجہ سے تعذیب کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ انہوں نے ہر چیز کو خیرباد کہہ دیا لیکن اسلام سے منہ نہ موڑا۔ مشرکین نے کہنا شروع کر دیا کہ اسے لات و عزّٰی نے اندھا کر دیا ہے زنیرہؓ نے فرمایا: "بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہے۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی بحال کر دی۔

(۲۲۸) احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق کے حوالہ سے ابن عبداللہ سے اور اس نے ابن عتیق کی وساطت سے عامر بن عبداللہ بن زبیر کی روایت نقل کی۔ عامر نے کہا کہ جب حضرت ابوبکرؓ مکہ میں ان کمزور غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کراتے تھے تو ان کے والد ابوقحافہ نے کہا: "بیٹا! اگر ان کمزوروں کی بجائے تم مضبوط جوانوں کو آزاد کرواتے تو وہ تمہارے لیے قوتِ بازو بنتے اور تمہاری پشت پناہی کرتے۔" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: "اباجان! میں تو وہ اجر چاہتا ہوں جو اللہ کے ہاں ہے۔" بیان کیا جاتا ہے کہ سورہ لیل کی یہ آیات حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں نازل ہوئیں:

فاما من اعطٰی واتقٰی ہ وصدق بالحسنٰی ہ فسنیسرہٗ للیسرٰی ہ (الیل - ۵ تا ۷)

تو جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے پرہیز) اور بھلائی کو سچ مانا اس کو ہم آسان راستے کی سہولت دیں گے۔

وسیجنبھا الاتقٰی ہ الذی یؤتی مالہٗ یتزکّٰی ہ ومالاحد من نعمۃ تجزٰی ہ الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلٰی ولسوف یرضٰی ہ (الیل - ۱۷ - ۲۱)

اور اس سے دور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیزگار جو پاکیزہ ہو۔ کی خاطر اپنا مال دیتا ہے۔ اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس اسے بدلہ دینا ہو۔ وہ تو اپنے رب برتر کی رضا جوئی کے لیے یہ کا کرتا ہے اور ضرور وہ (اس سے) خوش ہوگا۔

(۲۳۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے عمارؓ بن یاسرؓ کے خاندان کے کچھ آدمیوں نے بتایا کہ حضرت سمیہؓ ام عمار کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے بنی مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم کا قبیلہ ان پر دردناک مظالم توڑتا تھا یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو قتل کر دیا لیکن وُہ بھی اسلام کے ماسوا ہر بات سے منکر تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمارؓ اور ان کی والدہ کے پاس سے گزرتے تھے اس حال میں کہ انھیں مکہ کی پتھریلی وادی میں تپتی ہوئی زمین پر عذاب دیا جاتا تھا تو آنحضرتؐ فرماتے تھے "اے آلِ یاسر! صبر کرو، تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔"

(۲۴۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ یاسرؓ بنی بکر کے غلام تھے جو بنی اشجع بن لیث کی شاخ تھی۔ بنی اشجع نے ان کو خرید لیا اور سمیہؓ ام عمار سے ان کا نکاح کر دیا۔ ان کے ہاں حضرت عمارؓ پیدا ہوئے۔ حضرت سمیہؓ ان کی لونڈی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے سمیہؓ، عمارؓ اور یاسرؓ تینوں کو آزاد کر دیا۔

(۲۴۱) یونس نے عبداللہ بن عون کی وساطت سے محمد بن سیرین کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمارؓ بن یاسرؓ کے پاس سے گزرے اور وُہ اپنے حال پر رو رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تمہیں کفار نے پکڑ لیا اور پانی میں غوطے دئے۔ پھر تُو نے ایسا ویسا کہہ دیا اگر وُہ تمہارے ساتھ اسی طرح ظلم کریں تو پھر بھی کچھ نہ کہہ دینا۔"

(۲۴۲) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق سے اور اس نے حکیم بن جبیر کی وساطت سے سعید بن جبیر کی روایت نقل کی۔ سعید بن جبیر نے کہا: "میں نے ابنِ عباسؓ سے پُوچھا: اے ابن عباسؓ! کیا مشرکین مسلمانوں کی ایذا رسانی میں اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ مسلمان اپنا دین چھوڑ دینے کے معاملہ میں معذور سمجھے جا سکتے تھے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں، بخدا! وہ ان میں سے کسی کو مارتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے اور وہ اس مصیبت کی شدت کے باعث سیدھا بیٹھ بھی نہ سکتا تھا اور اس حالت میں وہ جو چاہتے تھے جبراً اس سے کہلوا لیتے تھے کفار یہاں تک کہتے کہ لات اور عزّٰی اللہ کے سوا تیرے معبود ہیں اور وہ 'ہاں' کہہ دیتا۔ تشدد اور جبر اس حد

تک تھا کہ گوبر کا کیڑا ان کے پاس سے گزرتا اور وہ اس مجبور مسلمان سے کہتے کیا اللہ کے سوا یہ تیرا خدا ہے؟ تو وہ ان کے جبر و اکراہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے 'ہاں' کہہ دیتا تھا۔

(۲۴۳) مکّہ کے بتوں کے متعلق حضرت خالدؓ بن ولید کی رائے

یونس نے عیزار بن حریث کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت خالدؓ بن ولید لات اور عزّٰی کے پاس سے گزرے اور فرمایا: "میں تمہارا انکار کرتا ہوں اور تمہیں پاک نہیں گردانتا۔ بیشک میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلیل کردیا ہے۔" اور پھر آگے چلے گئے۔

(۲۴۴) مشرکین سرداروں کو دھوکا سے قتل کرنے کا قصد

یونس نے حبیب اسدی کی وساطت سے مسلم بن صبیح کی روایت نقل کی۔ مسلم نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: ہماری تعداد اچھی خاصی ہوچکی ہے۔ اگر آپؐ ہم میں سے دس دس کے جتھے کو حکم دیں کہ وہ سردارانِ قریش میں سے ایک ایک آدمی کو راتوں رات لے آئیں اور پکڑ کر قتل کردیں تو اس طرح دشمنوں کا صفایا ہوجائے گا اور صبح تک شہر میں ہمارا غلبہ ہوجائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ تجویز خوش کن تھی اور خوشی کے آثار آپؐ کے چہرہ پر بھی ہویدا ہوتے۔ اس دوران میں حضرت عثمانؓ بن عفان اُٹھے اور انہوں نے عرض کی: "یا رسولَ اللہ! یہ سردارانِ قریش ہمارے بیٹے، ہمارے باپ اور ہمارے بھائی بند ہیں۔" حضرت عثمانؓ اس فقرے کو لگاتار دُہراتے رہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی تجویز کو بُرا جانا اور اس ناراضی کے آثار آپؐ کے چہرۂ انور پر نمودار ہوئے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے یہ بات چھوڑ دی۔ وقت گزرنے پر مشرکین نے ہمیں تعذیب کا نشانہ بنایا اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی ایسا نہ تھا جسے فتنوں میں مبتلا کرکے مجبور نہ کردیا گیا ہو اور حضرت بلالؓ تو مجبوری کے عالم میں بھی اَحد اَحد پکارتے رہے۔

(۲۴۵) مُسلمانوں پر ظلم وستم

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق سے اور اس نے صالح بن کیسان کے حوالہ سے آلِ سعد بن ابی وقاص کے کسی شخص کی روایت بیان کی۔ راوی نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکّہ میں نامساعد حالات میں زندگی گزارتے تھے اور مظالم و شدائد کا شکار تھے۔ جب ہم پر کوئی آزمائش آتی تو ہم اسے برداشت کرتے تھے اور اس کے مقابلہ میں صبر و استقامت کی روش اختیار کرتے تھے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر مکّہ میں ناز و نعمت میں پلے ہوئے نوجوان تھے اور اپنے والدین کے ہاں نہایت قیمتی لباس پہنا کرتے تھے لیکن میں نے دیکھا کہ انہیں اسلام کی خاطر

سخت ترین آزمائشوں سے گزرنا پڑا اور ان کے جسم کی کھال کھُردری ہوگئی اور اکھڑ اکھڑ کر گرتی جاتی تھی جس طرح سانپ کی کینچلی اترتی ہے۔ ان کی حالت اس قدر دگرگوں تھی کہ اگر ان کی تکالیف ہماری سنگدلی کے باوجود ہمارے سامنے پیش کی جاتیں تو ہم بھی شدتِ احساس کی وجہ سے اسی طرح کی مصیبت میں مبتلا ہوجاتے اور اس طرح جو تکلیف ہمیں پہنچتی وہ ان کی تکلیف سے کسی طرح کم نہ ہوتی۔

(۲۴۶) احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق سے اور اس نے یزید بن زیاد کی وساطت سے محمد بن کعب قرظی کی روایت نقل کی۔ محمد بن کعب نے کہا: مجھے اس شخص نے بتایا جس نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اتنے میں حضرت مصعبؓ بن عمیر ہم لوگوں کے پاس آ گئے۔ انہوں نے صرف ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی جس پر پوستین کے پیوند لگے ہوئے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو آپؐ رو پڑے کیونکہ آپؐ ان کی سابقہ ناز و نعمت کی زندگی سے باخبر تھے اور یہ موجودہ خستہ حالی آپؐ کے سامنے تھی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں سے ہر ایک صبح کو ایک جوڑا پہنے گا اور شام کو دُوسرا لباس زیبِ تن کرے گا، اور تمہارے سامنے ایک بڑا پیالہ صبح کو پیش کیا جائے گا اور ایک بڑا پیالہ شام کو حاضر کیا جانے گا۔ اور تم اپنے گھروں کی دیواروں پر اس طرح پردے لٹکاؤ گے جس طرح کعبہ پر غلاف پڑا رہتا ہے!" لوگوں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! اس وقت ہم آج کے مقابلہ میں بڑی خیریت کے ساتھ ہوں گے ہم عبادت گزاری کے لیے فارغ ہوں گے اور محنت و مشقت سے بچ جائیں گے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں، بلکہ تم آج اس زمانے سے بہتر ہو۔"

(۲۴۷) احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق کے حوالہ سے صالح بن کیسان سے اور اس نے آلِ سعد میں سے ایک شخص کی وساطت سے سعدؓ بن ابی وقاص کی روایت نقل کی۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا: "تو نے دیکھا ہے کہ میں مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا۔ ایک رات میں پیشاب کرنے کے لیے باہر نکلا۔ جب میں پیشاب کر رہا تھا تو میں نے نیچے کھڑکھڑاہٹ کی آواز سُنی۔ میں نے غور سے دیکھا تو اُونٹ کی کھال کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ میں نے اٹھا کر دھویا، اس کے بعد اسے جلایا اور پھر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر اسے کُوٹا اور سفوف بنا لیا۔ اس سفوف کو منہ میں ڈال کر اوپر سے پانی پی لیا اور اس طرح تین دن تک میری قوت بحال رہی۔

(۲۴۸) حضرت علیؓ کے مدنی دَور کا ایک واقعہ

احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق سے اور اس نے یزید بن زیاد کی وساطت سے محمد بن کعب قرظی کی روایت بیان کی۔ محمد بن کعب نے کہا: مجھے اس شخص نے بتایا جس نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میں سردی کے موسم میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے نکلا۔ میں نے کٹا ہوا ایک کچا چمڑا

لیا، اس کے درمیان شگاف کر کے اسے اپنی گردن میں ڈال لیا اور اپنی کمر اور چمڑے کے سرے کو کھجور کے پتوں سے باندھ لیا۔ مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز ہوتی تو میں کھا لیتا (لیکن وہاں کوئی ایسی چیز نہ تھی) اس لیے میں خوراک کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور ایک یہودی کے پاس سے گزرا، جو اپنے ڈیرے پر چرخی کے ذریعہ کنوئیں سے پانی کھینچ رہا تھا۔ میں نے اسے دیوار کے ایک سوراخ میں سے اپنی آمد کی اطلاع دی۔ اس نے پوچھا: "اے عربی! کیا چاہتے ہو؟ کیا تم ایک کھجور کے عوض ایک ڈول پانی نکال دوگے؟" میں نے کہا: "ہاں، دروازہ کھولو تاکہ میں اندر آجاؤں۔" اس نے دروازہ کھولا اور میں اندر چلا گیا اور اس نے مجھے ڈول دے دیا۔ جب میں نے ایک ڈول پانی کھینچا تو اس نے مجھے ایک کھجور دی۔ میں اسی طرح ڈول کھینچتا رہا اور ایک ایک کھجور حاصل کرتا رہا، یہاں تک کہ میرے پاس مٹھی بھر کھجوریں ہوگئیں۔ اس کے بعد میں نے ڈول رکھ دیا اور اپنے جی میں کہا کہ میرے لیے یہ خوراک کافی ہے۔ میں نے کھجوریں کھائیں، پانی پیا اور مسجد میں آگیا، وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔

(۲۴۹) نبی اکرمؐ کی مدنی زندگی

یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس توشک پر سوتے تھے وہ چمڑے کی تھی اور اس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

(۲۵۰) احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق کے حوالہ سے زہری سے اور اس نے عبید اللہ بن ابی ثور کی وساطت سے عمرؓ بن خطاب کی روایت نقل کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، آنحضرتؐ پہلو کے بل ایک کھجور کے بوریے پر لیٹے ہوئے تھے آپؐ کے وجود کا کچھ حصہ مٹی پر تھا۔ آپؐ ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے جو چمڑے کا تھا اور جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپؐ کے سر کے اوپر بالاخانہ کی چھت میں چمڑے کی ایک کھال لٹکی ہوئی تھی جس کے بال صاف کر لیے گئے تھے اور اس کھال کے ایک کونہ میں ایک چیز اُبھری ہوئی تھی۔

(۲۵۱) یونس نے ابو معشر مدنی کے حوالہ سے سعید مقبری کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چٹائی تھی جسے دن کے وقت آپؐ نیچے بچھا لیتے تھے اور جب رات ہوتی تو اسی سے مسجد میں ایک چھوٹا سا حجرہ بنا لیتے اور اس میں نماز پڑھتے۔

(۲۵۲) یونس نے مسعودی سے اور اس نے عمرو بن مرہ کے حوالہ سے ادھم سے اور اس نے علقمہ کی وساطت سے عبد اللہ سے یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے، جب اُٹھے تو بدن مبارک پر چٹائی کے

نشانات تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ جب آپؐ بیدار ہوئے تو میں آپؐ کے جسم پر ہاتھ ملتا رہا اور میں نے عرض کیا کہ آپؐ ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں کہ ہم آپؐ کی چٹائی پر کوئی ایسی چیز بچھادیں جس کی وجہ سے آپؐ کا جسم چٹائی سے متاثر نہ ہو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرا اور دُنیا کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ میرا اور دنیا کا آپس میں کیا جوڑ ہے؟ میری مثال تو ایک سوار کی سی ہے جو آرام کرنے کے لیے تھوڑی دیر کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے اور پھر کُوچ کر جاتا ہے۔"

(۲۵۲) اراشی اور ابُوجہل کا واقعہ

احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق کی وساطت سے عبد الملک بن ابی سفیان ثقفی کی یہ روایت نقل کی کہ اراش کا ایک شخص اپنے کچھ اونٹ لے کر مکہ آیا۔ ابُوجہل نے وہ اونٹ اس سے خرید لیے لیکن قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ اراشی حرم میں جا کر قریش کی مجلس میں کھڑا ہو گیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اراشی نے بلند آواز سے یہ فریاد شروع کر دی: "اے گروہِ قریش! کون شخص ابو الحکم بن ہشام سے مجھے میری رقم دلوائے گا، میں غریب الوطن مسافر ہوں، اس نے میرا حق غصب کر لیا ہے حالانکہ میں غریب الدیار ہوں اور مسافر ہُوں۔" اہلِ مجلس نے اس سے کہا: "تم اس گوشہ گیر آدمی کو دیکھتے ہو، اس کے پاس جاؤ، وہ تمہاری رقم اس سے دلوا دے گا۔" انہوں نے یہ اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بطور تمسخر کیا کیونکہ آپؐ کے ساتھ ابوجہل کی عداوت سے سب باخبر تھے۔ اراشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور کہا: "اے اللہ کے بندے! بیشک ابو الحکم بن ہشام نے میرا حق غصب کر لیا ہے حالانکہ میں ایک غریب الوطن مسافر ہوں۔ میں نے ان لوگوں سے فریاد کی تھی کہ کوئی شخص اس سے میرا حق دلوا دے انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے آپؐ اس سے میرا حق دلوا دیں، اللہ تعالیٰ آپؐ پر رحم کرے گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لے کر ابوجہل کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب ان تماش بینوں نے دیکھا کہ آپؐ اس کے ساتھ جا رہے ہیں تو انہوں نے اپنے میں سے ایک آدمی کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا تاکہ وہ سارا ماجرا دیکھتا رہے۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ابوجہل کے گھر گئے اور جا کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابوجہل نے پُوچھا: "کون ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "میں محمد ہُوں، باہر آؤ۔" ابوجہل باہر نکل آیا اس حال میں کہ اس کے چہرے پر کوئی رونق نہ تھی بلکہ اس کا رنگ متغیر تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "اس شخص کا حق ادا کر دو۔" اس نے بلا چون و چرا اس شخص کی رقم ادا کر دی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے اور اراشی سے فرمایا: "تیرا حق تجھے وصول ہو گیا۔" قیمت وصول کرنے کے بعد اراشی قریش کی مجلس میں آیا اور کہا: "اللہ تعالیٰ اس شخص کو جزائے خیر عطا کرے جس نے میرا حق مجھے دلوایا ہے۔" سردارانِ قریش نے جو مخبر بھیجا تھا جب وہ آیا تو اس سے پُوچھا: "وائے افسوس! تم نے کیا معاملہ دیکھا ہے؟" اس نے کہا: "بخدا! میں نے تو انتہائی عجیب واقعہ دیکھا ہے۔ محمدؐ نے ابُوجہل کا

دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب ابوجہل باہر نکلا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے جسم میں جان ہی نہیں ہے۔ محمدؐ نے اسے کہا کہ اس شخص کا حق ادا کر دو۔ ابوجہل نے کہا "ہاں، میں ابھی اس کا حق ادا کر دیتا ہوں"۔ چنانچہ وہ اندر گیا اور اس کے اونٹوں کی قیمت لا کر اسی وقت اس کو ادا کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد ابوجہل بھی مجلس میں آ گیا۔ لوگوں نے پوچھا: "تجھ پر افسوس ہے، تجھے کیا ہو گیا؟ تو نے تو انتہائی کمزوری کا مظاہرہ کیا، بخدا! ہم نے تو ایسا کبھی نہیں دیکھا"۔ ابوجہل نے جواب دیا: "وائے افسوس! بخدا! معاملہ اس طرح ہوا کہ محمدؐ نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے اس کی آواز سنی اور مرعوب ہو گیا۔ جب میں باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سر کے اوپر ایک سانڈ اونٹ ہے۔ اس جیسے سر، گردن اور دانتوں والے نر اونٹ کو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بخدا! اگر میں انکار کرتا تو وہ اونٹ مجھے کھا جاتا۔"

باب ۲۷

رسول اللہؐ کے ساتھ مشرکین کی مخاصمت

(۲۵۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، چالیس سال سے زیادہ عرصہ گزرا کہ مجھ سے قدیم مکہ کے ایک بوڑھے شخص نے عکرمہؒ کے حوالے سے ابن عباسؓ کی روایت بیان کی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، نضر بن حارث (برادر بنی عبدالدار)، ابوالبختری (برادر بنی اسد)، اسود بن مطلب بن اسد، زمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ا؟ امیہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل اور نبیہ اور منبہ پسران حجاج (سہمی) سب کے سب یا ان میں سے بعض ایک رات غروب آفتاب کے بعد کعبہ کی پچھلی جانب اکٹھے ہوئے۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو کہا، ہمیں چاہیے کہ ہم محمدؐ کو بلائیں اور ان سے بات کریں اور اس کے بعد اگر ہم جھگڑا کریں تو ہم معذور سمجھے جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ آپؐ کی قوم کے اشراف اکٹھے ہوئے ہیں تاکہ آپؐ سے بات کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت جلدی سے تشریف لے آئے کیونکہ آپؐ کا گمان تھا کہ شاید مشرکین آپؐ کے دین کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں آپؐ کی یہ انتہائی خواہش تھی کہ مشرکین راہ راست پر آجائیں اور ان کی نافرمانی آپؐ پر شاق گزرتی تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ تشریف لاکر ان کے پاس بیٹھ گئے۔

مشرکین نے آپؐ سے کہا، بخدا! ہم جانتے ہیں کہ آپؐ نے اپنی قوم کو جس قدر مصیبت میں مبتلا کیا ہے اس قدر کسی دوسرے شخص نے پورے عرب میں اپنی قوم کو پریشان نہیں کیا۔ آپؐ نے ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دیں، ہمارے دین کی عیب چینی کی، ہمارے عقلمندوں کو بیوقوف ٹھہرایا اور جماعت میں تفرقہ ڈال دیا اور کوئی ایسی خرابی نہیں ہے جو ہمارے درمیان آپؐ کی وجہ سے پیدا نہ ہوئی ہو۔ یہ کام جو آپؐ نے شروع کر رکھا ہے اس سے آپؐ کی غرض اگر مال کا حصول ہے تو ہم سب آپؐ کو اتنا مال جمع کرکے دیئے دیتے ہیں کہ آپؐ ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں۔ اگر آپؐ اس طرح اپنی بڑائی کے طلبگار رہیں تو ہم آپؐ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ اگر آپؐ کو بادشاہی مطلوب ہے تو ہم آپؐ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر آپؐ کے پاس کوئی جن آتا ہے جسے آپؐ دیکھتے ہیں اور جس نے آپؐ کو مغلوب کر رکھا ہے تو ہم اپنا مال خرچ کرکے آپؐ کا علاج کراتے ہیں تاکہ ہم آپؐ کو اس سے نجات دلائیں یا آپؐ سے معذرت خواہی کریں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نہیں جانتا تم کیا کہتے ہو! میں جو پیغام لایا ہوں اس سے

میرا مقصود طلبِ مال اور حصولِ جاہ اور بادشاہی حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں بشارت دوں اور خبردار کروں، پس میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی۔ اگر تم اس پیغام کو قبول کرو جو میں اللہ کی طرف سے تمہارے پاس لایا ہوں تو یہ تمہارے لیے دُنیا و آخرت میں خوش نصیبی ہے اور اگر تم اسے رد کر دو تو میں صبر کے ساتھ اللہ کے حکم کا انتظار کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یا جیسا کچھ فرمایا)۔ مشرکین نے کہا "اے محمدؐ! اگر ہماری یہ عرضداشت آپؐ کے لیے قابلِ قبول نہیں ہے تو آپؐ اس بات کو تو جانتے ہیں کہ ہمارا شہر سب لوگوں سے تنگ آبادی والا شہر ہے، یہاں پانی کی قلت دوسری جگہوں سے زیادہ ہے اور ہماری گزراوقات بھی دُوسروں کی بہ نسبت مشکل ہے اس لیے اپنے پروردگار سے جس نے آپ کو مبعوث کیا ہے خواہ جو احکام بھی دئے ہوں آپؐ ہمارے لیے یہ دعا مانگیں کہ وُہ ان پہاڑوں کو جنہوں نے ہم پر تنگی مسلط کر رکھی ہے دُور ہٹا دے اور ہمارے لیے فراخی اور آسانی مہیا کر دے اور شام و عراق کے دریاؤں کی طرح یہاں بھی دریا جاری کر دے اور ہمارے اسلاف کو ہمارے لیے دوبارہ زندہ کر دے ان اسلاف میں بالخصوص قصی بن کلاب ہونا چاہیے جو ایک سچا بزرگ تھا۔ ہم ان سے دریافت کریں گے کہ آپؐ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے یا باطل۔ اگر آپؐ نے ہماری اس فرمائش کی تعمیل کی اور ہمارے اسلاف نے آپؐ کی تصدیق کر دی تو ہم بھی آپؐ کی تصدیق کریں گے اور جان لیں گے کہ اللہ کے ہاں آپؐ کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہے اور یہ کہ اللہ نے آپؐ کو رسول مبعوث فرمایا ہے جیسا کہ آپؐ کا دعویٰ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں ان کاموں کے لیے تمہارے پاس نہیں بھیجا گیا ہُوں۔ میں تو تمہارے پاس صرف وہ پیغام لایا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے اور میں نے وُہ باتیں تمہارے سامنے پیش کر دی ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے اگر تم اس پیغام کو قبول کر لو جو میں تمہارے پاس لایا ہُوں تو وہ تمہارے لیے دنیا و آخرت میں خوش بختی ہے اور اگر تم اسے رد کرتے ہو تو میں اللہ کے حکم کا صبر کے ساتھ انتظار کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے۔"

مشرکین نے کہا: "اگر آپؐ ہمارے اس مطالبے کو پُورا نہیں کرتے تو کم از کم اپنے لیے ہی دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کے ہمراہ کوئی فرشتہ بھیج دے جو آپؐ کے پیغام کی تصدیق کرتا رہے اور تمہاری تائید میں وہ ہم سے مراجعت کرے اور اپنے رب سے یہ دعا بھی مانگو کہ وہ آپؐ کے لیے باغات اور سونے چاندی کے خزانے اور محلات مہیا کر دے تاکہ آپؐ ان چیزوں سے بے نیاز ہو جائیں جن کی تلاش میں آپؐ بازاروں کے چکر کاٹتے ہیں اور روزی کی تلاش میں ہماری طرح سرگرداں رہتے ہیں یہاں تک کہ عربوں کو معلوم ہو جائے کہ آپؐ کے رب کے ہاں آپؐ کی بڑی قدر و منزلت ہے اگر آپؐ رسول ہیں جیسا کہ آپؐ کا گمان ہے تو آپؐ اپنے لیے یہ ضرور کریں گے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں اپنے پروردگار سے اس طرح کے سوال کرنے والا نہیں ہوں، اور نہ میں ان کاموں کے لیے تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بشیر (ایمان لانے پر بشارت دینے والا) اور نذیر (ایمان نہ لانے پر ڈرانے والا) بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اگر تم اس چیز کو قبول کر لو جو میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں تو یہ تمہارے لیے دنیا و آخرت میں خوش نصیبی ہے اور اگر تم اسے رد کرتے ہو تو میں اللہ کے حکم پر صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔"

مشرکین نے کہا : "آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دیں جیسا کہ آپؐ کا دعویٰ ہے کہ آپ کا رب اگر چاہے تو ایسا کر سکے۔ ہم تو آپؐ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپؐ ایسا نہ کر دیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "ایسا کرنا یا نہ کرنا تو اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر موقوف ہے، اگر تمہارا پروردگار چاہے تو ایسا کر دے۔"

مشرکین نے کہا : "اے محمدؐ ! کیا آپؐ کے پروردگار کو اس بات کا علم نہ تھا کہ ہم آپؐ کے پاس بیٹھیں گے اور آپؐ سے وہ سوالات کریں گے جو ہم نے کیے ہیں اور ہم آپؐ سے وہ فرمائشیں کریں گے جو ہم نے کی ہیں، اگر اسے علم ہوتا تو وہ اس سے پہلے ہی آپؐ کے پاس آ جاتا اور آپؐ کو ان سوالوں کے جوابات بتلا دیتا جو ہم نے آپؐ سے کیے ہیں۔ اور آپؐ کو یہ بھی بتلا دیتا کہ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہے جب تک ہم آپؐ کی باتوں کو ماننے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ ہمیں تو یہ خبر پہنچی ہے کہ آپؐ کو ان باتوں کی تعلیم یمامہ کا ایک آدمی دیتا ہے جس کا نام رحمان ہے۔ بخدا ! ہم تو ہرگز رحمان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اے محمدؐ ! ہم نے آپؐ کے سامنے معذرت پیش کر دی ہے، بخدا ! ہم آپؐ کو اور آپؐ کی ان کارروائیوں کو جو آپؐ ہمارے درمیان کر رہے ہیں یونہی نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ ہم آپؐ کو ختم نہ کر دیں گے یا آپؐ ہمیں ختم نہ کر دیں گے۔"

ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا : "ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور ہم آپؐ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپؐ خدا اور فرشتوں کو رو در رو ہمارے سامنے نہ لے آئیں۔"

جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ باتیں کیں تو آپؐ ان کے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپؐ کے ساتھ عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، جو آپؐ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا، بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا : "اے محمدؐ ! آپؐ کی قوم نے آپؐ کے سامنے کچھ مطالبے رکھے لیکن آپؐ نے انہیں ٹھکرا دیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ آپؐ اپنی ذات کے لیے ہی کچھ کریں تاکہ انھیں معلوم ہو کہ اللہ کے ہاں آپؐ کا مرتبہ کیا ہے ! لیکن آپؐ نے اس پیشکش کو بھی رد کر دیا۔ پھر انہوں نے مطالبہ کیا کہ جس عذاب سے آپؐ انہیں ڈراتے ہیں وہ جلدی ہی بھجوا دیں (لیکن آپؐ سے یہ بھی نہ ہو سکا)۔ بخدا ! میں آپؐ پر کبھی ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ آپؐ آسمان کی طرف کوئی سیڑھی نہ لگائیں پھر اس پر چڑھتے ہوئے آسمان پر پہنچ جائیں۔

اور میں دیکھتا رہوں۔ اور اپنے ساتھ ایک کھلی دستاویز لائیں اور چار فرشتے بھی آپؐ کے ساتھ آکر یہ شہادت دیں کہ آپؐ کا دعویٰ سچا ہے۔ خدا کی قسم! اگر آپؐ ایسا کر دیں تو بھی میرا گمان ہے کہ میں آپؐ کی تصدیق نہ کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے گھر تشریف لے آئے اور آپؐ غمناک اور آزردہ تھے کیونکہ اپنی قوم کے بارے میں آپؐ کی خواہش پوری نہ ہوئی اور آپؐ نے دیکھا کہ قوم پہلے سے بھی دُور چلی گئی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے اُٹھے تھے تو ابوجہل نے کہا: "اے گروہِ قریش! محمدؐ نے ہماری پیشکش کو ٹھکرا دیا ہے بلکہ تم دیکھتے ہو کہ ہمارے دین کی عیب چینی ہو رہی ہے، ہمارے آباؤ اجداد اور ہمارے معبودوں کو گالیاں دی جا رہی ہیں اور ہمارے عقلمندوں کو احمق قرار دیا جاتا ہے، اس لیے میں اللہ کے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ کل ایک بڑا پتھر جسے میں اٹھا سکا لے کر بیٹھ جاؤں گا اور جب وہ (یعنی محمدؐ) نماز کے سجدے میں ہوگا تو میں اس پتھر سے اس کا سر کچل دُوں گا۔ پھر اس کے بعد بنو عبد مناف جو چاہیں کرلیں۔"

حاضرین نے کہا: "بخدا! ہم تمہاری حمایت سے ہرگز کسی قیمت پر دست بردار نہیں ہوں گے تم اپنے منصوبے کے مطابق جس طرح چاہو کرو۔"

جب صبح ہوئی تو ابوجہل نے اپنے منصوبے کے مطابق ایک بڑا پتھر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حسبِ معمول تشریف لے آئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اور آپؐ کا قبلہ شام کی طرف تھا۔ جب آپؐ نماز پڑھتے تو رُکنِ اسود اور رکنِ یمانی کے درمیان کھڑے ہوتے اور شام کی طرف رُخ کرتے اور اس طرح کعبہ درمیان میں آجاتا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ قریش بھی اپنی مجالس میں آکر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ ابوجہل کیا گُل کھلاتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ریز ہوئے تو ابوجہل نے پتھر اٹھایا اور آنحضرتؐ کی طرف چلا۔ جب آپؐ کے قریب پہنچا تو ہیبت زدہ ہو کر اس حال میں لوٹا کہ اس کے اعضا ٹوٹ چکے تھے۔ مرعوبیت اور خوف کے باعث اس کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو چکا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ پتھر ہی پر بے حس ہو چکے تھے یہاں تک کہ وہ پتھر اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ قریش اس کے پاس آئے اور پوچھا: "اے ابوالحکم! تجھے کیا ہوا ہے؟" ابوجہل نے جواب دیا: "میں وہ کارروائی کرنے کے لیے اس (یعنی محمدؐ) کی طرف بڑھا جس کا میں نے کل آپ لوگوں سے ذکر کیا تھا۔ جب قریب پہنچا تو میرے اور اس (یعنی محمدؐ) کے درمیان ایک سانڈ اونٹ حائل ہو گیا۔ بخدا! میں نے کبھی ایسا کوئی اونٹ نہیں دیکھا جس کا سر اور گردن اور دانت اس اونٹ جیسے ہوں وہ اونٹ مجھے کھانے کے لیے لپکا۔"

(۲۵۵) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے ذکر کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام تھے اگر ابوجہل قریب آتا تو جبریلؑ اسے پکڑ لیتے۔

(۲۵۶) یونس نے ہمیں خبر دی کہ راوی نے بات کو پیچھے لوٹایا اور کہا: جب ابوجہل نے انہیں کہا تو نضر بن حارث

بن کلدہ بن علقمہ بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا: "اے گروہِ قریش! بخدا! تم ایک ایسے معاملہ سے دوچار ہو جس کے نتائج تمہارے حق میں اچھے نہیں ہوں گے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں ایک نوخیز لڑکا تھا تم سب اس سے راضی تھے وہ بات کا سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانت دار تھا یہاں تک کہ تم نے اس کی کنپٹیوں پر بڑھاپے کے آثار دیکھے اور وہ ایک پیغام لے کر تمہارے پاس آیا۔ تم نے کہا کہ وہ جادوگر ہے۔ بخدا! وہ جادوگر نہیں ہے۔ ہم جادوگروں کو جانتے ہیں اور ان کے جھاڑ پھونک کے طریقوں سے ہم واقف ہیں۔ تم نے کہا کہ وہ کاہن ہے۔ بخدا! وہ کاہن بھی نہیں ہے۔ ہم کاہنوں اور ان کے حالات سے باخبر ہیں جیسی باتیں وہ گنگناتے ہیں اور جس طرح کے فقرے وہ جوڑتے ہیں، ہم نے وہ بھی سنے ہیں۔ تم نے کہا کہ وہ شاعر ہے۔ بخدا! وہ شاعر بھی نہیں ہے ہم شعر کو جانتے ہیں اور اس کی جملہ اقسام رجز، ہزج اور قریض سے ہم واقف ہیں۔ تم نے کہا کہ وہ مجنون ہے۔ بخدا! وہ مجنون بھی نہیں ہے۔ ہم پاگل پن سے واقف ہیں۔ وہ نہ تو بہکی بہکی باتیں کرتا ہے نہ وسوسوں کا شکار ہے اور نہ احمقانہ حرکتیں کرتا ہے۔ اے گروہِ قریش! تم اپنی حالت کا اچھی طرح جائزہ لو۔ بخدا! تمہارے سامنے ایک عظیم معاملہ پیش ہے۔ نضر قریش کے شیطانوں میں سے تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے اور آنحضرتؐ کے ساتھ عداوت کی روش پر کاربند تھے۔ وہ حیرہ بھی گیا تھا وہاں اس نے شاہانِ ایران اور رستم و اسفندیار کے واقعات کی تعلیم حاصل کی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور پچھلی اُمتوں کے عذاب کے واقعات سنا کر اپنی قوم کو ڈراتے تو آپؐ کے چلے جانے کے بعد نضر آپؐ کی جگہ بیٹھ جاتا اور کہتا تھا: "اے گروہِ قریش! بخدا! میں اس سے بہتر قصہ گو ہوں۔ پس میرے نزدیک آجاؤ میں تمہیں اس کی باتوں سے بہتر باتیں سناتا ہوں۔ پھر وہ انہیں شاہانِ فارس اور رستم و اسفندیار کے قصے سناتا تھا اور کہتا تھا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کون سی بات مجھ سے بہتر بیان کی ہے؟

(۲۵۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ اس نے کہا: مجھ سے مکّہ کے ایک آدمی نے بتایا کہ سعید بن جبیر نے ابن عباسؓ کی روایت بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے نضر کے بارے میں قرآن مجید کی آٹھ آیتیں نازل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اذا تتلیٰ علیہ اٰیٰتنا قال اساطیر الاولین ٥ (القلم - ١٥ و المطففین - ١٣)	اسے جب ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے وقتوں کی کہانیاں ہیں۔

اور قرآن کی وہ آیتیں جن میں "الاساطیر" کہانیوں کا ذکر آیا ہے[1]

---

[1] یہ کلمہ قرآن کریم کی آیات میں ۹ دفعہ آیا ہے نہ کہ ۸ دفعہ۔ یہ آیات درج ذیل ہیں: الانعام -۲۵، الانفال -۳۱، النحل -۲۴، المومنون -۸۳، الفرقان -۵، النمل -۶۸، الاحقاف -۱۷، القلم -۱۵، المطففین -۱۳۔ (مترجم)

جب نضر نے یہ کہا تو قریشِ مکہ نے اسے اور اس کے ہمراہ عقبہ بن ابی معیط کو علمائے یہود کے پاس مدینہ بھیجا اور انہیں کہا کہ وہ ان سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق دریافت کریں آپؐ کے حالات اور اقوال ان سے بیان کریں کیونکہ ان کے پاس پہلی کتابیں ہیں اور ان کے پاس انبیاء علیہم السلام کا وہ علم ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے چنانچہ وہ دونوں چل کر مدینہ پہنچے اور انہوں نے علمائے یہود سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے آپؐ کے احوال اور بعض اقوال ان سے بیان کیے اور انہیں کہا: "آپ لوگوں کے پاس تورات ہے، ہم آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہمیں ہمارے اس رفیق کے بارے میں بتائیں۔" یہود کے علما نے انہیں کہا: "اس شخص (محمدؐ) سے تین باتیں پوچھو جو ہم تمہیں بتاتے ہیں اگر وہ ان کے متعلق بتا دے تو وہ نبی مرسل ہے اور اگر وہ ان باتوں کا جواب نہ دے سکے تو وہ افترا پردازی کرنے والا شخص ہے۔ پس تم اس کے مطابق جو رائے قائم کرنا چاہو کر لو۔ پہلا سوال اس سے ان نوجوانوں کے بارے میں کرو جو زمانہ ماضی میں غائب ہو گئے تھے اور جن کا واقعہ بڑا عجیب ہے۔ دوسرا سوال اس شخص کے متعلق کرو جو زمین کی مشرقی اور مغربی سرحدوں تک پہنچا کہ اس کا واقعہ کیا ہے؟ تیسرا سوال رُوح کے بارے میں کرو کہ وہ کیا ہے؟ اگر وُہ تمہیں ان سوالات کے جوابات دے دے تو وہ نبی ہے۔ تمہیں چاہیے کہ تم اس کا اتباع کرو۔ اگر وہ ان سوالوں کا جواب نہ دے سکے تو وہ شخص مفتری ہے، اس کے متعلق جو چاہو کرو۔" چنانچہ نضر اور عقبہ واپس قریش کے پاس آ گئے اور انہوں نے کہا: "اے گروہِ قریش! ہم تمہارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق ایک فیصلہ کن بات لے کر آئے ہیں۔ علمائے یہود نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس سے کچھ باتیں دریافت کریں۔" چنانچہ انہوں نے وُہ سوالات قریشِ مکہ کو بتائے۔ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: "اے محمدؐ! ہمیں ان سوالوں کے جواب بتاؤ۔" انہوں نے وہ سوال آنحضرتؐ سے کیے جو انہیں بتائے گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: "میں ان سوالوں کا جواب کل صبح دُوں گا۔" آپؐ نے کوئی استثنا پیش نہ کیا، یعنی ان شاء اللہ نہ کہا۔ چنانچہ وہ چلے گئے۔ اس بارے میں پندرہ دن تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہ آئی اور نہ ہی جبریلؑ تشریف لائے یہاں تک کہ اہلِ مکہ نے افواہیں پھیلانا شروع کر دیں اور کہا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا اور آج پندرہ یوم ہو چکے ہیں لیکن انہوں نے ابھی تک ہمارے سوالوں کا جواب نہیں دیا۔" دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ آپؐ وحی کے انتظار میں بڑے غمگین تھے اور اہلِ مکہ کی طعن و تشنیع آپؐ پر بہت شاق گزر رہی تھی۔ اس دوران میں جبریلؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورہ کہف لے کر آئے۔ اس سورہ میں آپؐ کی غمگینی کے بارے میں ہدایات بھی ہیں اور ان نوجوانوں کے بارے میں جو غائب ہو گئے تھے اور اس شخص کے متعلق جو زمین کی سرحدوں تک پہنچا تھا امتحانی سوالوں کے جواب بھی ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ویسئلونک عن الروح ۔ قل الروح یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پُوچھتے ہیں۔ کہو "یہ روح میرے

من امر ربی وما اوتیتم من العلم الاقلیلا ۝ (بنی اسرائیل - ۸۵) رب کے حکم سے آتی ہے، مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔

(۲۵۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت کو شروع کیا اور فرمایا:

الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتٰب — تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل کی۔ (انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق سوال کیا اور اللہ تعالیٰ نے تحقیق کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول فرمایا)

ولم یجعل لہ عوجا ۝ قیما — اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہ رکھی - ٹھیک ٹھیک سیدھی بات کہنے والی کتاب (یعنی وہ عدل وانصاف کی حامل ہے اور اس میں کوئی ایچ پیچ کی بات نہیں)

لینذر باسا شدیدا من لدنہ۔ (الکہف - ۱ - ۲) — تاکہ وہ لوگوں کو خدا کے سخت عذاب سے خبردار کردے (یعنی دنیا کی فوری سزا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خبردار کرے جس نے آنحضرتؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علمائے یہود اور اہلِ کتاب کی رائے

(۲۵۹) تورات میں نبیؐ کا ذکر

یونس نے اعمش سے اور اس نے ابراہیم کے حوالہ سے عبداللہ کی روایت نقل کی۔ عبداللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھیت میں جا رہے تھے اور میں آپؐ کے ہمراہ تھا۔ آپؐ کے پاس کھجور کی ٹہنی تھی جس پر آپؐ ٹیک لگاتے تھے۔ آنحضرتؐ یہود کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جن میں سے بعض نے بعض کو کہا: "اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے روح کے بارے میں دریافت کرو۔" بعض دوسروں نے کہا: "کوئی سوال نہ کرو۔" لیکن ایک یہودی اٹھا اور اس نے کہا: "اے محمدؐ! ہمیں یہ بتاؤ کہ روح کیا چیز ہے؟" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے کھڑے ہو گئے۔ میں نے سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری ہے میں آپؐ کے پیچھے کھڑا رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام شروع کیا اور فرمایا:

ویسئلونک عن الروح ط قل الروح — یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو "یہ روح میرے رب کے

من امر ربی وما اوتیتم من العلم الاقلیلا ○ (بنی اسرائیل۔ ۸۵)
حکم سے آتی ہے، مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔

دوسروں نے کہا: "کیا ہم نے تمہیں سوال کرنے سے روکا نہیں تھا؟"

(۲۶۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مکہ کے ایک آدمی نے سعید بن جبیر کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی یہ روایت مجھ سے بیان کی کہ علمائے یہود نے مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: "کیا آپؐ نے اپنے مندرجہ ذیل کلام پر غور کیا ہے؛

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ○ (بنی اسرائیل۔ ۸۵)
اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

کیا آپؐ نے اس میں ہمیں مخاطب کیا ہے یا اپنی قوم کو؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایسا ہرگز نہیں۔ (یہ خطابِ عام ہے)۔" یہود نے کہا: "کیا آپؐ کے پاس جو پیغام آیا ہے اس میں آپؐ یہ تلاوت نہیں کرتے کہ ہمیں توراۃ دی گئی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے علم کی مناسبت سے وہ تھوڑی ہی ہے اور اس میں سے تمہارے پاس صرف اسی قدر علم ہے جو تمہیں کفایت کرے۔ کاش کہ تم اسے قائم کرو۔" ان کے سوال کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمٰت اللہ ط (لقمٰن۔ ۲۷)
زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائے) جسے سات سمندر مزید روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں (لکھنے سے) ختم نہیں ہوں گی۔

میں دیکھتا ہوں کہ توراۃ بھی اللہ کے علم میں تھوڑی ہی ہے۔

(۲۶۱) سیدنا علیؓ اور قصہ ذُوالقرنین

یونس نے بسام مولیٰ علی بن ابو الطفیل سے روایت کی۔ راوی نے کہا: حضرت علیؓ بن ابی طالب منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: "مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم نہ پوچھ سکو۔ کیونکہ میرے بعد تم لوگ کسی سے نہ پوچھ سکو گے جو تمہیں میری طرح جواب دے سکے گا۔" چنانچہ ابو الکواء نے اٹھ کر سوال کیا: "اے امیر المومنین! ذوالقرنین نبی تھا یا فرشتہ تھا؟" حضرت علیؓ نے فرمایا: "وہ نہ فرشتہ تھا اور نہ نبی تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایک نیکوکار بندہ تھا، جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ تھا۔ وہ یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں میں سے تھا۔ اس کے دائیں سینگ پر ضرب لگائی گئی، وہ فوت ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اٹھایا۔ اس کے

بعد اس کے بائیں سینگ پر ضرب لگائی گئی اور وہ فوت ہوگیا۔ اور تم لوگوں میں بھی اس جیسے ہیں۔

(۲۶۲) یونس نے عمرو بن ثابت سے اور اس نے سماک بن حرب کے حوالہ سے بنی اسد کے ایک آدمی کی روایت بیان کی۔ راوی نے کہا کہ ایک شخص نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا: "کیا آپؓ نے ذوالقرنین کو دیکھا ہے؟ وہ کیونکر اس قابل ہوا کہ دنیا کے مشرقی اور مغربی کناروں تک پہنچ گیا؟" حضرت علیؓ نے فرمایا: "بادلوں کو اس کے لیے مسخر کر دیا گیا، اسے وسیع اسباب عطا کیے گئے، اس کے لیے روشنی کو پھیلا دیا گیا اور دن اور رات اس کے لیے یکساں کر دئے گئے۔"

(۲۶۳) رسولؐ اللہ کی تلاوتِ قرآن کو مشرکین کا چھپ کر سُننا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حق کی معرفت کفار کو حاصل ہوگئی اور انہوں نے آپؐ کی تعلیمات کی سچائی اور مغیبات کے متعلق اپنے سوالوں کے جواب میں آنحضرتؐ کے علوم نبوت کو بھی پہچان لیا لیکن ان کا حسد آڑے آیا اور انہوں نے آپؐ کی تصدیق اور فرمانبرداری سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اللہ کی سرکشی اختیار کی اور کھلے بندوں اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کی اور وہ اپنے کفر پر ڈٹ گئے۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا:

لا تسمعوا لهٰذا القراٰن والغوا فيه — اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ سنایا جائے تو اس میں خلل ڈالو،

لعلكم تغلبون ○ (حمٓ السجدہ - ۲۶) — شاید کہ اس طرح تم غالب آجاؤ۔

یعنی اس کو باطل قرار دو اور اسے مذاق اور تفریح کا سامان بنا لو۔ اس طرح تم اس پر غلبہ حاصل کر لو گے لیکن اگر تم نے اس سے موافقت کی روش اختیار کی اور اس سے انصاف کیا تو وہ تم پر غالب آجائے گا۔

ان میں سے بعض نے بعض کو کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جہری قرأت کریں تو انہیں چاہیے کہ وہ منتشر ہو جائیں اور سننے سے انکار کر دیں لیکن ان میں کوئی نہ کوئی شخص ایسا بھی ہوتا تھا جو نماز میں آپؐ کی تلاوتِ قرآن کو سُننے کا خواہشمند ہوتا تو وہ دوسروں سے چھپ کر قرآن سُنتا تھا۔ اگر وہ محسوس کرتا کہ دوسرے لوگ اس کے اس پوشیدہ عمل کو پہچان گئے ہیں تو وہ ان کی ایذا رسانی کے خوف سے چلا جاتا اور سُننا ترک کر دیتا، نیز اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز دھیمی ہو جاتی اور سُننے والوں کو گمان ہوتا کہ وہ آپؐ کی تلاوت میں سے کچھ بھی نہ سن سکیں گے تو ایسی صورت میں بھی کفار سے چھپ کر سننے والا اگر محسوس کرتا کہ وہ کچھ نہ کچھ سُن لے گا تو وہ آپؐ کی تلاوت کی طرف کان لگا کر سننے کی کوشش کرتا تھا۔

(۲۶۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے داؤد بن حصین نے عکرمہؓ کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی روایت بیان کی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے تو کفار منتشر ہو جاتے اور سننے سے انکار کر دیتے۔ اگر ان میں سے کوئی

شخص نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوتِ قرآن کو سننا چاہتا تو وہ ان سے علیحدہ ہو کر اور چھپ کر کچھ سن گن لینے کی کوشش کرتا تھا۔ اگر وہ محسوس کرتا کہ دوسرے لوگ اس کے اس پوشیدہ عمل کو تاڑ گئے ہیں تو وہ ان کی ایذا رسانی کے خوف سے چلا جاتا اور سننا ترک کر دیتا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آواز کو پست کر لیتے اور یہ خفیہ سننے والا گمان کرتا کہ دوسرے لوگ آپؐ کی قرأت میں سے کچھ بھی نہ سن سکیں گے تو یہ ان سے چھپ کر اور کان لگا کر سننے کی کوشش کرتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا :

ولا تجھر بصلاتک ۔ اور اپنی نماز نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو (تاکہ کفار آپؐ کے نزدیک سے ہٹ جائیں اور منتشر ہو جائیں)

ولا تخافت بھا ۔ اور نہ بہت پست آواز سے نماز پڑھو (ایسا نہ ہو کہ جو شخص دوسروں سے چھپ کر آپؐ کی تلاوت سننا چاہتا ہے وہ بھی نہ سن سکے)

وابتغ بین ذٰلک سبیلا ○ ان دونوں کے درمیان اوسط درجے کا لہجہ اختیار کرو (اس طرح شاید دوسروں سے الگ ہو کر سننے والا تو بہ کی روش اختیار کرے اور جو کچھ وہ سنے اس کے حق میں وہ فائدہ مند ثابت ہو)

(بنی اسرائیل ۔ ۱۱۰)

(۲۶۵) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی ہے ام المومنینؓ نے فرمایا کہ مندرجہ ذیل آیت دعا کے متعلق نازل ہوئی ہے :

ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پکارو اور نہ بہت پست آواز سے ۔

(۲۶۶) یونس نے عیسیٰ بن عبد اللہ تمیمی سے اور اس نے ایک شخص کی وساطت سے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کے متعلق مجاہد کی روایت نقل کی ہے :

فاصدع بما تؤمر ۔ پس اے نبی ! جس چیز کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسے ہانکے پکارے کہہ دو ۔

(الحجر ۔ ۹۴)

مجاہد نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ مکہ میں قرآن کی تلاوت علانیہ باوازِ بلند کریں۔

(۲۶۷) نبیؐ کثیر السکوت تھے اور آپؐ کا زور سب سے زیادہ زبردست تھا

یونس بن بکیر نے یونس بن عمرو ہمدانی سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے سعد بن عیاض کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ کم گو تھے اور جب آنحضرتؐ کو قتال کا حکم دیا گیا تو آپؐ مستعد ہو گئے اور آپؐ کا زور سب لوگوں سے زیادہ زبردست تھا۔

(۲۶۸) نبیؐ کو تبلیغ دین سے روکنے کے لیے مشرکین کے حربے

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے یزید بن زیاد مولی بنی ہاشم نے محمد بن کعب کی روایت بیان کی۔ محمد بن کعب نے کہا ؛ مجھ سے بیان کیا گیا کہ عتبہ بن ربیعہ ایک بردبار سردار تھا۔ وہ ایک دن قریش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ نے کہا: "اے گروہ قریش! کیا میں محمدؐ کے پاس جا کر ان سے بات نہ کروں اور ان کے سامنے کچھ تجویزیں پیش کروں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان میں سے کسی تجویز کو قبول کر لیں اور وُہ تجویز ہمارے لیے بھی قابلِ قبول ہو اور اس طرح وہ ہماری مخالفت سے باز آجائیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت حمزہؓ اسلام قبول کر چکے تھے اور کفار دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ قریش نے عتبہ کی بات سے اتفاق کا اظہار کیا اور کہا "ضرور جا کر ان سے بات کرو"۔ عتبہ اٹھا اور جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور کہا: "بھتیجے! ہمارے ہاں قبیلے میں تمہیں جو مرتبہ حاصل ہے وہ تم خود جانتے ہو اور نسبی لحاظ سے بھی تم ایک شریف ترین گھرانے کے فرد ہو۔ تم نے اپنی قوم کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ تم نے جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ ہمارے عقلمندوں کو بے وقوف قرار دیا ہے۔ ہمارے معبودوں اور ہمارے دین کی عیب چینی کی ہے اور ہمارے آباؤ اجداد جو مر چکے ہیں ان سب کو تم نے کافر ٹھہرایا ہے۔ تم میری بات غور سے سنو۔ میں تمہارے سامنے کچھ تجویزیں رکھتا ہوں تم انہیں سوچو۔ ہو سکتا ہے کہ تم ان میں سے کسی تجویز کو قبول کر لو۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوالولید! آپ کہیں میں سنوں گا۔" عتبہ نے کہا: "بھتیجے! یہ کام جو تم نے شروع کر رکھا ہے اگر اس سے تمہاری غرض مال کا حصول ہے تو ہم سب مل کر تمہیں اتنا مال دئے دیتے ہیں کہ تم ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اگر تم اپنی بڑائی چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں یہاں تک کہ ہم کسی معاملے کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کریں گے۔ اگر تم بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر تم پر کوئی جن آتا ہے جسے تم از خود دفع کرنے پر قادر نہیں ہو اور جسے تم دیکھتے ہو تو ہم طبیب بلواتے ہیں اور اپنا مال خرچ کر کے تمہارا علاج کرواتے ہیں اور تمہیں اس آسیب سے نجات دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن کسی آدمی کو مغلوب کر لیتا ہے لیکن علاج کرنے سے وہ آدمی صحت یاب ہو جاتا ہے۔ اور جن جو کلام تمہیں لا کر دیتا ہے وہ شاید شعر و سخن کی قسم سے ہے جس سے تمہارا سینہ اُبل پڑتا ہے۔ اے بنی عبدالمطلب! مجھے اپنی ذات کی قسم! تم ایسا کلام پیش کرنے پر قادر ہو جس کی قدرت کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ باتیں سُنتے رہے یہاں تک کہ عتبہ فارغ ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پُوچھا: "کیا آپ کی بات مکمل ہو چکی ہے؟" عتبہ نے کہا: "ہاں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اچھا اب میری بات غور سے سنیں۔" اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلاوت شروع کر دی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ کتٰبٌ فصلت ایٰتہٗ قرآناً عربیاً ۔ (حٰمٓ السجدہ ۔ ۳-۲) اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ یہ عربی زبان کا قرآن ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت پڑھتے گئے۔ جب عتبہ نے تلاوت سُنی تو خاموشی اختیار کر لی اور وہ اپنے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے زمین پر ٹیکے غور سے سنتا رہا یہاں تک کہ آپؐ سجدہ کی آیت ۳۸ پر پہنچے اور آپؐ نے سجدہ کیا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: "اے ابوالولید! آپ نے جو سُنا وہ تو سُن ہی لیا اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔"

عتبہ اُٹھ کر اپنے ساتھیوں کی طرف روانہ ہوا۔ ان میں سے بعض نے بعض کو کہا: "بخدا! عتبہ کا چہرہ دگرگوں ہے یہ وہ شکل نہیں جسے لے کر وہ گیا تھا۔" جب وہ ان کے پاس جا کر بیٹھا تو انہوں نے کہا "اے ابوالولید! اپنی کارگزاری کی رپورٹ سناؤ۔" عتبہ نے کہا: "بخدا! میری رپورٹ یہ ہے کہ میں نے ایسا کلام سُنا کہ کبھی اس سے پہلے نہ سنا تھا۔ اللہ کی قسم! نہ وہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے۔ اے گروہِ قریش! میری بات کو تسلیم کرو اور میری رائے پر عمل کرو۔ میری تجویز یہ ہے کہ اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ بخدا! جو کلام میں نے سنا ہے وہ ضرور رنگ لا کر رہے گا۔ اگر عربوں نے اس کو مغلوب کر لیا تو تم اس پر ہاتھ اٹھانے سے بچ جاؤ گے اور اگر وہ عربوں پر غالب آ گیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت اور اس کا اقتدار تمہارا اقتدار شمار ہو گا تم اس کی وجہ سے سب سے زیادہ بخت آور ہو جاؤ گے۔" انہوں نے کہا: "اے ابوالولید! خدا کی قسم! اس کی زبان کا جادو تم پر بھی چل گیا۔" عتبہ نے کہا: "یہ میری رائے تھی جو میں نے پیش کر دی۔ تم لوگ جو کرنا چاہو کرتے رہو۔"

(۲۶۹) عتبہ بن ربیعہ کی جانب سے نبیؐ کی مدافعت

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: پھر مکہ میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ دوسری جانب کفارِ قریش کا معمول یہ تھا کہ اگر وہ کسی مسلمان کو قید کرنے کی قدرت رکھتے تو وہ اس کو قید کر دیتے تھے اور جس مسلمان کو فتنہ میں مبتلا کر سکتے تھے اسے ابتلاء میں ڈالتے تھے۔ جب عتبہ بن ربیعہ نے ابوجہل کا رد کیا تو ابوطالب نے عتبہ بن ربیعہ کی مدح میں یہ اشعار کہے، اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا:

عجبت لحلم یابن شیبۃ حادث واحلام اقوام لدیک سخاف	اے ابن شیبہ! میں تمہاری نئی سوچ پر راضی ہوں اور قوموں کی عقلیں تمہارے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔
یقولون شائع من اراد محمدا بسوء وقم فی امرہ بخلاف	لوگ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ علانیہ برائی کا ارادہ کرنے والا شخص (ابوجہل) مشہور ہے۔ تم اس معاملہ میں اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاؤ۔

ولا ترکبن الدهر منی ظلامة
وانت امرؤ من خیر عبد مناف

میری وجہ سے لوگوں کے ساتھ بے انصافی اور ظلم کا رویہ اختیار نہ کرو کیونکہ تم عبد مناف کے بہترین گھرانے کے چشم و چراغ ہو۔

ولا تترکنه ما حییت لمطمع
وکن رجلا ذا نجدة و عفاف

لیکن جب تک تم زندہ ہو کسی طمع نفسانی کی خاطر اسے (یعنی محمدؐ کو) بے یار و مددگار نہ چھوڑو بلکہ ایک بہادر اور پاکدامن شخص کا کردار ادا کرو۔

تذود العدی عن ذروة هاشمیة
الافهم فی الناس خیر الاف

جب ہاشمی میدان میں اپنی جوانمردی کے جوہر دکھاتے ہیں تو دشمن دُم دبا کر بھاگ جاتے ہیں۔ لوگوں میں ایک فہیم آدمی ہزاروں پر بھاری ہوتا ہے۔

فان له قربی لدیك قریبة
ولیس بذی حلف و لا بمضاف

تمہارے ساتھ اس (محمدؐ) کی قریبی رشتہ داری ہے وہ کوئی کمینہ و رذیل آدمی نہیں ہے کہ باہر سے آکر تمہارے خاندان میں شامل ہوگیا ہو۔

ولانه من هاشم فی صمیمها
الی ابحر فوق البحور صواف

وہ اصلاً اور خالصۃً ہاشمی ہے اور یہ حقیقت سمندروں کے کناروں تک جہاں سواریاں جا سکیں مشہورِ زمانہ ہے۔

وزاحم جمیع الناس فیه وکن له
ظهیرا علی الاعداء غیر مجاف

تمہیں چاہیے کہ اس کے معاملہ میں سب لوگوں کی مزاحمت کرو اور اس کے دشمنوں پر پوری مستعدی کے ساتھ غلبہ حاصل کرو۔

فان غضبت فیه قریش فقل لهم
بنی عمنا ما قومکم بضعاف

اگر قریش اس کے معاملہ میں غضبناک ہیں تو ان سے کہو: اے ہمارے چچازاد بھائیو! تمہاری قوم (یعنی ہم) کمزور و ناتواں نہیں ہیں۔

فما بالکم تغشون منا ظلامة
وما بال احلام هناك خفاف

تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ ہمارے ساتھ بے انصافی کے باعث تمہارے قویٰ مضمحل ہو رہے ہیں اور ہم کوئی کم عقل لوگوں کا گروہ نہیں ہیں۔

وما قومنا بالقوم تغشون ظلمنا
وما نحن فیما ساء هم بخفاف

قوم کے ساتھ ہمارا طرزِ عمل ایسا نہیں ہے کہ تم ہمیں مظالم کا تختۂ مشق بناؤ اور ہم ایسے لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کے ساتھ ظلم کیا جائے اور وہ اسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرلیں۔

ولکننا اهل الحفائظ والنهی
وعز ببطحاء الحطیم مواف

بلکہ ہم اپنوں کی طرفداری اور ظلم کو روکنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے ہیں اور حطیم کی وادی میں پوری قوت و شوکت کے مالک ہیں۔

(۲۷۰) بلادِ روم و ایران کی فتح کی بشارت

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے گروہِ قریش! میرا اتباع کرو اور میرے حکم کی اطاعت بجا لاؤ کیونکہ یہی ہدایت اور دینِ حق ہے اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں معزز کرے گا اور لوگوں کی دست بُرد سے تمہیں بچائے گا اور تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا۔" قریش نے کہا: "اگر ہم تمہارے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کرلیں تو اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے۔" اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

او لم نمکن لھم حرما اٰمنا یجبیٰ الیه ثمرات کل شیٔ رزقاً من لدنا ولکن اکثرھم لایعلمون ٥

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے ایک پُرامن حرم کو ان کے لیے جائے قیام بنا دیا جس کی طرف ہر طرح کے ثمرات کھچے چلے آتے ہیں، ہماری طرف سے رزق کے طور پر؟ مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

(القصص - ۵۷)

(۲۷۱) یونس بن بکیر نے یونس بن عمرو کے حوالہ سے عیزار بن حریث کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "اے اللہ! میں قریش کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ (دینِ اسلام قبول کر کے) خشکی و تری کے مالک بن جائیں، لیکن انہوں نے میرا کھانا چکوروں کے کھانے کی طرح کر دیا۔"[1] آنحضرتؐ نے قریش کو دعوت دی کہ "اے گروہِ قریش! میری اطاعت کرو۔ آنے والے لوگ قیامت تک تمہارے نقشِ قدم پر چلتے رہیں گے۔" ابوجہل نے کہا: "بھتیجے! بخدا! اگر ہم تمہاری بیعت کرلیں پھر بھی مضر اور ربیعہ تمہاری بیعت نہیں کریں گے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں، خدا کی قسم! وہ چار و ناچار ضرور بیعت کریں گے۔ اور اسی طرح ایران اور روما بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوں گے۔"

(۲۷۲) یونس نے محمد بن ابی حمید المدینی کی وساطت سے محمد بن منکدر کی روایت نقل کی۔ محمد بن منکدر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آنحضرتؐ کو بتایا گیا کہ قریش نے آپؐ کو قتل کرنے کے لیے عہد و پیمان کر رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بابِ صفا سے باہر آئے اور وہاں آکر ٹھہر گئے۔ اس دوران میں جبریلؑ تشریف لائے اور فرمایا: "اے محمدؐ! اللہ تعالیٰ نے آسمان کو حکم دیا ہے کہ وہ آپؐ کی اطاعت کرے، اور اسی طرح زمین اور پہاڑوں کو بھی آپؐ کے فرمان کا مطیع بنا دیا ہے اگر آپؐ چاہیں تو آسمان کو حکم دیں کہ وہ ان پر

---

[1] چکور کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ایک ایک دانہ ٹھہر ٹھہر کر کھاتا ہے اچھی طرح نہیں کھاتا۔ مطلب یہ ہے کہ قریش کے لوگ بھی میری دعوت کو اچھی طرح قبول نہیں کرتے بلکہ ان میں سے اکا دُکا اشخاص اسلام قبول کرتے ہیں۔ (مترجم)

عذاب نازل کرے اور اگر آپ پسند کریں تو زمین کو حکم دیں کہ وہ انھیں نگل جائے، اگر چاہیں تو پہاڑوں کو حکم دیں کہ وہ باہم مل کر ان کو کچل دیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اپنی اُمت کو مہلت دیتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ اپنی نظرِ عنایت سے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہونے کا ارادہ کرے۔"

(۲۷۳) احمد نے عبدالجبار سے اس نے ابومعاویہ سے، اس نے اعمش سے، اس نے ابومنہال کے حوالہ سے سعید سے اور اس نے عبداللہ بن حارث کی وساطت سے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا، جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور انھیں زکوٰۃ کا حکم دیا تو قارون نے لوگوں کو اکٹھا کر کے کہا: یہ شخص (یعنی موسیٰؑ) روزہ، نماز اور دیگر احکام تمہارے لیے لائے ہیں، کیا تم اس بات کو برداشت کرو گے کہ تم اپنے اموال انہیں عطا کرو؟" انہوں نے کہا: "ہم تو اپنے اموال نہیں دیں گے، تمہاری رائے کیا ہے؟" قارون نے کہا: "میری رائے تو یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی کسی زناکار عورت کو ان کے پاس بھیجو اور اس عورت کو حکم دو کہ وہ موسیٰ (علیہ السلام) پر یہ تہمت لگائے کہ وہ اس سے بدکاری کرنا چاہتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی فرمانبرداری کرے۔ موسیٰؑ نے زمین کو حکم دیا کہ ان بدکار لوگوں کو پکڑ لے۔ چنانچہ وہ ایڑیوں تک گرفتار ہو گئے۔ لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا: "یا موسیٰ، یا موسیٰ!" لیکن موسیٰؑ نے پھر زمین کو حکم دیا کہ وہ انہیں جکڑ لے۔ چنانچہ وہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ وہ پھر پکارتے رہے: "یا موسیٰ! یا موسیٰ!!" موسیٰ علیہ السلام نے سہ بارہ زمین کو حکم دیا کہ ان کو پکڑ لیا جائے۔ اس پر وہ کمر تک گرفتار ہو گئے۔ انہوں نے پھر پکارنا شروع کیا: "یا موسیٰ! یا موسیٰ!!" لیکن موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو پھر حکم دیا کہ ان کا کام تمام کیا جائے۔ چنانچہ زمین انہیں پُوری طرح نگل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی: "اے موسیٰ! تمہاری قوم نے تضرع و زاری کے ساتھ تم سے فریاد کی لیکن تم نے ان کی فریاد قبول نہ کی، اگر وہ مجھے پکارتے تو میں ضرور ان کی توبہ قبول کرتا۔"

(۲۷۴) ابُوجہل کے کافرانہ عزائم

یونس نے ہشام بن سعید سے اور اس نے زید بن اسلم کی وساطت سے مغیرہ بن شعبہ کی روایت بیان کی مغیرہ نے کہا: سب سے پہلا دن جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا وہ دن تھا جب میں اور ابوجہل مکہ کے گلی کوچوں میں پھر رہے تھے۔ ہماری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کو فرمایا: "اے ابوالحکم! میں تمہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف آجاؤ۔" ابوجہل نے کہا: "اے محمدؐ! کیا تم ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے سے رک جاؤ گے؟ کیا تم اس کے سوا کچھ اور بھی چاہتے ہو کہ ہم گواہی دیں کہ تم نے اپنا پیغام پہنچا دیا؟ پس ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم نے اپنا پیغام پہنچا دیا ہے۔ بخدا! اگر میں یہ جان لیتا کہ تم جو کچھ کہتے ہو وہ برحق ہے میں پھر بھی تمہارا اتباع نہ کرتا۔" یہ سُن کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔ پھر ابو جہل میری طرف متوجہ ہوا اور اس نے کہا: "بخدا! میں یقیناً جانتا ہوں کہ جو کچھ یہ شخص کہتا ہے وہ برحق ہے۔ لیکن بنی قصی نے کہا کہ حجابہ یعنی خانہ کعبہ کی دربانی ہمارے ذمہ ہے۔ ہم نے اس کو تسلیم کر لیا۔ انہوں نے کہا کہ ندوہ یعنی مجلسِ مشاورت کے ارکان ہم ہیں ہم نے اسے بھی تسلیم کر لیا۔ انہوں نے کہا کہ "لواء" یعنی جھنڈا ہمارے پاس رہے گا، ہم نے یہ بھی مان لیا۔ انہوں نے کہا کہ سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب ان کے پاس رہے گا، ہم نے اسے بھی تسلیم کر لیا۔ پھر انہوں نے بھی کھانے کھلائے اور ہم نے بھی کھانے کھلائے یہاں تک کہ جب ہمارے گھٹنے ان کے گھٹنوں سے ٹکرانے لگے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے۔ بخدا! یہ میں کبھی نہیں مانوں گا۔"

(۲۷۵) یونس نے مبارک بن فضالہ کے حوالہ سے حسن کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"ہر امت کا ایک فرعون ہے اور اس امت کا فرعون ابو جہل ہے۔"

(۲۷۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے حکیم بن حکیم نے اور اس سے عباد بن حنیف نے عکرمہ کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی روایت بیان کی۔ ابن عباسؓ نے درج ذیل آیت تلاوت کی:

والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن۔ — اور وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔

(بنی اسرائیل۔ ۶۰)

اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ ملعونہ سے مراد مذمومہ ہے۔ یعنی وہ درخت جس کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے۔ یہ آیت ابوجہل بن ہشام کے بارے میں نازل ہوئی۔

(۲۷۷) یونس بن بکیر نے یونس بن عمرو سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے عمرو بن میمون اودی کی روایت نقل کی۔ عمرو بن میمون نے کہا مجھ سے عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ روایت بیان کی کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ ابراہیمؑ کے پاس مصروفِ نماز تھے۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوجہل نے کہا: "تم میں سے کون فلاں لوگوں کی اونٹنی کا بچہ دان لے کر آتا ہے؟" ان میں سے ایک غنڈہ اٹھ کھڑا ہوا اور اٹھا کر لے آیا۔ اسے کہا گیا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدے میں جائیں تو ان کے دونوں کندھوں کے درمیان اسے رکھ دیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ریز ہوئے تو اس نے یہ بچہ دان آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان ڈال دیا۔ آپؐ جب تک حالتِ سجدہ میں رہے آپؐ نے جنبش تک نہ کی۔ حضرت فاطمہؓ کو اس کی اطلاع پہنچی تو وہ تشریف لائیں، وہ اس وقت ابھی کم سن لڑکی تھیں، انہوں نے اس گندگی کو ہٹایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کو صاف کیا اور ان غنڈوں کو سخت سست بھی کہا۔ وہ ہنس ہنس کر ایک دوسرے پر گرتے جاتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے کعبہ رُو ہو کر اپنے ہاتھ اٹھا کر ان کے خلاف یہ

بددعا کی: "اے اللہ! عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، عمارہ بن ولید، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط سے تو ہی نمٹ اور تو ہی ان کی خبر لے۔" عبد اللہ بن مسعودؓ نے کہا: "پس اس وقت ابھی لڑکا تھا اور مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ میں قوم کا مقابلہ کر سکتا۔ اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمدؐ پر کتاب نازل فرمائی میں نے دیکھا کہ یہ غنڈے بدر کے کنوئیں میں گرے پڑے ہیں۔"[1]

(۲۷۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب کے قبولِ اسلام کے بعد یہ ذکر کیا جاتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ابوجہل کے منصوبوں سے قریش نے کوئی عبرت حاصل نہ کی۔" چنانچہ ایک کہنے والے یا ابوطالب نے یہ اشعار کہے اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ اشعار کس نے کہے:

افیقوا بنی غالب و انتھوا عن البغی فی بعض ذا المنطق	اے بنی غالب! ہوش میں آؤ اور اس شخص کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنے سے باز آ جاؤ جس کے پاس پیغام آتا ہے۔
والا فانی اذن خائف بوائق فی دارکم تلتقی	وگرنہ تمہارے معاملہ میں مجھے خوف لاحق ہے کہ تمہارے اس دیار میں سختیاں اور عذاب نازل ہوں گے۔
تکون لغابرکم عبرة ورب المغارب والمشرق	مشرق و مغرب کے رب کی قسم! یہ عذاب اس کے لیے سامانِ عبرت ثابت ہوگا جو تم میں سے بچ رہے گا۔
کما ذاق من کان من قبلکم ثمود و عاد فمن ذا بقی	یہ ایسا عذاب ہوگا جس قسم کے عذاب کا مزہ تم سے پہلے عاد اور ثمود کی قومیں چکھ چکی ہیں اور ان میں سے کون صاحبِ خیر تھا۔
غداة اتاھم بھا صرصرا وناقة ذی العرش اذ تستقی	صاحبِ عرشِ خدا کے ناقہ کی قسم جبکہ وہ پانی پیتی تھی! اس صرصر کے عذاب نے انہیں صبح کے وقت گھیر لیا۔
فحل علیھم بھا سخطة من اللہ فی ضربة الازرق	پس اللہ کی طرف سے ان پر غضب نازل ہوا اور کھلی مار پڑی۔
غداة یعض بعرقوبھا حسام من الھند ذو رونق	ہندوستان کی بنی ہوئی چمکتی دمکتی تلواریں کل اپنی مضبوط اور تیز دھار کے ذریعہ سے کاٹنے کے جوہر دکھائیں گی۔
واعجب من ذاك من امرکم عجائب فی الحجر الملصق	اور تمہارے معاملہ میں تو وہ عجائب اس سے بھی عجیب تر ہیں جو اس پتھر سے ظاہر ہوئے۔

[1] یہ سات غنڈے تھے جن میں سے پانچ جنگِ بدر میں مارے گئے اور ان کی نعشیں بدر کے کنوئیں میں پھینک دی گئیں۔ عمارہ بن ولید حبشہ میں بحالتِ دیوانگی فوت ہوا اور عقبہ کو آنحضرتؐ نے بدر سے واپسی پر قتل کرایا۔ مترجم

بکف الذی قام من حینہ	جو اس شخص (یعنی ابوجہل) نے اپنے ہاتھ میں اٹھایا اور ایک صابر و
الی الصابر الصادق المتقی	صادق اور متقی شخص (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف متوجہ ہوا لیکن آزمائش میں پڑ گیا۔
فایبسہ اللہ فی کفہ	اس خیانت کار اور احمق کی دشمنی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو
علی رغم ذاالخائن الاحمق	اس کے ہاتھ میں چپٹا دیا۔
احیمق مخزوم اذ غوی	وہ بنی مخزوم کا احمق تھا جو گمراہ کرنے والوں کی گمراہی کے باعث گمراہ
بغی الغواۃ ولم یصدق	ہوگیا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہ کی۔

(۲۷۹) یونس نے مبارک بن فضالہ کے حوالہ سے حسن کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اے لوگو! میرے اور قریش کے معاملہ کو ذرا مؤخر کر دو۔ اگر وہ مجھ پر غالب آگئے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لیے انہیں مغلوب کر دیا تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا، اس لیے ذرا انتظار کرو۔" لوگ رک گئے اور انہوں نے کہا: "آپؐ نے انصاف کی بات کی ہے۔ اگر آپؐ قریش پر غالب آگئے تو یہ غلبہ اللہ کی طرف سے ہوگا نہ کہ آپؐ کی اپنی طاقت سے۔" چنانچہ کچھ لوگ رک گئے اور کچھ دوسرے لوگ آپؐ کے مقابلہ میں ہلاک ہو گئے۔

(۲۸۰) یونس نے قیس بن ربیع کے حوالہ سے حکیم بن دیلم سے اور اس نے ضحاک بن مزاحم کی وساطت سے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی:

وانتم سٰمدون ○ (النجم - ۶۱) اور تم تکبر کرتے ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو کفار تکبر کے ساتھ آپؐ کے پاس سے گزر جاتے تھے۔ کیا تم نے کسی ایسے اونٹ کو نہیں دیکھا جو چلتے ہوئے اپنی دُم کو بار بار اٹھا کر اپنی رانوں پر مارتا ہے؟ یہ متکبرانہ چال ہے۔

باب ۲۸

سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت

(۲۸۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ مسلمانوں پر کفار کا ظلم وستم شدید ہوگیا۔ وہ عظیم فتنوں میں مبتلا کیے گئے اور کفار مسلمانوں پر جھپٹ پڑے۔ اس سے قبل کچھ مسلمان ظلم وستم سے تنگ آکر سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ اور اس دوسرے فتنہ نے مسلمانوں کو دوبارہ مجبور کر دیا کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔

(۲۸۲) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق سے اور اس نے زہری سے اور اس نے ابوبکر بن عبدالرحمان بن حارث بن ہشام کی وساطت سے ام المومنین ام سلمہؓ کی روایت بیان کی۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: مکہ کی زمین ہم پر تنگ ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو ایذائیں دی گئیں اور فتنوں میں مبتلا کیا گیا اور انہیں دین کی وجہ سے طرح طرح کے مصائب وشدائد سے دوچار ہونا پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مصائب کے مقابلہ میں اپنے صحابہؓ کی حفاظت نہیں فرما سکتے تھے اور آنحضرتؐ بذاتِ خود اپنی قوم کی طرف سے محفوظ تھے کیونکہ آپؐ کو اپنے چچا ابوطالب کی وجہ سے اس مکروہ ظالمانہ سلوک سے چھٹکارا حاصل تھا جو آپؐ کے صحابہؓ کے ساتھ روا رکھا جا رہا تھا۔ ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو فرمایا: "سرزمینِ حبشہ میں ایسا بادشاہ حکمران ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ پس تم اس کے ملک میں چلے جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کر دے جس میں تم مبتلا ہو۔"

چنانچہ ہم چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں یکے بعد دیگرے حبشہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور وہاں جا کر اکٹھے ہوگئے۔ ہمیں وہاں بہترین ٹھکانا اور بہترین پڑوس مل گیا۔ اپنے دین کے معاملے میں ہم امن سے تھے اور ہمیں کسی کے ظلم کا خوف نہ تھا۔ جب قریش نے یہ دیکھا کہ ہمیں ٹھکانا اور امن حاصل ہوگیا ہے تو انہوں نے طے کیا کہ وہ اپنا ایک وفد نجاشی کے پاس بھیجیں تاکہ وہ ہمیں اپنے ملک سے نکال دے اور واپس قریش کے حوالے کر دے انہوں نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو نجاشی کے پاس بھیجا اور نجاشی اور اس کے سرداروں کے لیے تحائف جمع کیے اور سرداروں میں سے کسی آدمی کو نہ چھوڑا جس کے لیے علیحدہ ہدیہ تیار نہ کیا گیا ہو۔ انہوں نے وفد کے دونوں ارکان کو کہا کہ ہر سردار کے ساتھ بات کرنے سے قبل اس کا ہدیہ اسے پیش کیا جائے۔ پھر نجاشی کو اس کے تحائف پیش کیے جائیں۔ اگر تم یہ کر سکو کہ نجاشی مسلمانوں کے ساتھ بات کرنے سے قبل انہیں تمہارے سپرد کر دے تو ایسا ضرور کرو۔ چنانچہ ان دونوں نے نجاشی کے سرداروں میں سے ہر سردار کو اس کا ہدیہ پہنچایا اور پھر اس سے بات کی اور کہا کہ

ہم اس ملک میں اپنے کچھ بیوقوفوں کے تعاقب میں آئے ہیں جنہوں نے اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دیا ہے اور وہ تمہارے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ ہمیں اپنی قوم نے اس لیے بھیجا ہے کہ ہم ان بے وقوفوں کو واپس اپنے ملک میں لے جائیں، ہم اس بارے میں بادشاہ سے بات کریں گے، اس ضمن میں آپ لوگ بھی بادشاہ کو مشورہ دیں کہ وہ ان بے وقوفوں کو واپس ہمارے ساتھ بھیج دے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ضرور تمہاری امداد کریں گے۔ پھر ان دونوں نے نجاشی کی خدمت میں تحائف پیش کیے اور مکہ کی بہترین چیزیں جو بطور ہدیہ دی جاسکتی تھیں وہ دباغت شدہ چمڑے کی کھالیں تھیں انہوں نے اس کے پاس تحائف بھیجے اور عرض کی: "اے بادشاہ! ہم میں سے کچھ بیوقوفوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور انہوں نے آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا۔ انہوں نے ایک نیا دین گھڑ لیا ہے جسے ہم نہیں پہچانتے۔ انہوں نے آپ کے ملک میں پناہ لے رکھی ہے۔ ہمیں ان کے قبیلوں نے یعنی ان کے آباؤ اجداد، چچاؤں اور قوم نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ انھیں قوم کے پاس واپس بھیج دیں کیونکہ وہ شرافت و بزرگی کے لحاظ سے ان سے برتر ہیں" سرداروں نے تائیداً کہا: "اے بادشاہ! یہ سچ کہتے ہیں۔ اگر آپ ان لوگوں کو ان کے پاس واپس بھیج دیں تو بہتر ہوگا کیونکہ وہ مرتبہ کے اعتبار سے ان کے بزرگ ہیں۔ یہ لوگ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے اس لیے ان کی حفاظت کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔" نجاشی نے بگڑ کر کہا: "اللہ کی قسم! میں انھیں یونہی واپس نہیں کروں گا جب تک کہ میں انہیں بلا کر ان سے بات نہ کرلوں اور یہ معلوم نہ کرلوں کہ ان کے معاملہ کی حقیقت کیا ہے! ان لوگوں نے میرے ملک میں پناہ لی ہے اور دوسرے پڑوس کو چھوڑ کر انہوں نے میرے پڑوس کو منتخب کیا ہے۔ اگر ان کا حال اسی قسم کا ہے جس طرح یہ بیان کرتے ہیں تو میں ان کو واپس کردوں گا اور اگر اس کے برعکس ہے تو میں ان کی حمایت کروں گا اور ان کے بڑوں کی بڑائی کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں ان کے حوالے نہیں کروں گا۔"

نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور سب کو اکٹھا کرلیا۔ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کے نزدیک اس سے زیادہ ناپسندیدہ بات اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی کہ نجاشی مسلمانوں کی بات سنے۔ جب نجاشی کا ایلچی مسلمانوں کے پاس پہنچا تو ان سب نے اجتماع کیا اور آپس میں مشورہ کیا کہ ہم کو کیا کہنا چاہئے! آخر سب نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ ہم وہی بات کہیں گے جو ہم جانتے ہیں اور جو ہمارا دین ہے اور جس کی تعلیم ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اس کا نتیجہ خواہ کچھ نکلے ہمیں اپنا موقف صاف صاف پیش کر دینا چاہئے۔

مسلمانوں کی طرف سے بات کرنے کے لیے حضرت جعفر بن ابی طالب کو نمائندہ مقرر کیا گیا۔ جب مسلمان نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے تو اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا: "یہ تمہارا دین کیا ہے؟ تم لوگوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑا اور یہودیت اور نصرانیت بھی اختیار نہیں کی، تمہارا یہ نیا دین ہے کیا؟" حضرت جعفرؓ نے فرمایا: "اے بادشاہ! ہم ایک مشرک قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، ہمیں ہمسائیگی کا پاس نہ تھا۔ ہم میں سے بعض بعض کی خوں ریزی کرتے تھے اور ہم نے حرمتوں کو حلال کر رکھا تھا اور ہمیں حلال و حرام کی کوئی تمیز

نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف خود ہم ہی میں سے ایک نبی برپا کیا جس کی وفاداری، صداقت اور امانت کو ہم جانتے ہیں، اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم ایک خدا کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں، اس نے ہمیں صلۂ رحمی، ہمسائگی کی پاسداری، نماز اور روزہ کی تعلیم دی اور حکم دیا کہ ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔"

نجاشی نے کہا: "جو کلام تمہارے نبی پر اترا ہے اس میں سے کوئی چیز تمہارے پاس ہے؟" حضرت جعفرؓ نے فرمایا: "جی ہاں!" نجاشی نے اپنے پادریوں کو بھی بُلا لیا تھا اور وہ اس کے حکم کے مطابق اپنے مصحف کھول کر اس کے گرد جمع تھے۔ نجاشی نے حضرت جعفرؓ کو کہا: "جو کلام تمہارے پیغمبر پر اترا ہے اس کو کہیں سے تلاوت کرو۔" حضرت جعفرؓ نے کٓھٰیٰعٓصٓ یعنی سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا۔ بخدا! نجاشی یہ کلام سنتا رہا اور روتا رہا یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اس کے پادری بھی روتے رہے اور ان کے مصحف بھی آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ پھر نجاشی نے کہا: "یقیناً یہ کلام اور جو کچھ موسیٰؑ لائے تھے دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں۔" پھر نجاشی نے مسلمانوں کو کہا: "جاؤ تم راہِ راست پر ہو۔" اور مشرکین کے سفیروں کو کہا: "بخدا! میں ان لوگوں کو تمہارے اور تمہارے بڑوں کے سپرد نہیں کروں گا۔" وہ دونوں وہاں سے چلے آئے۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ ہمارے معاملہ میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا۔ عمرو بن عاص نے اسے کہا: "کل میں نجاشی کے پاس ان لوگوں کے متعلق ایسی بات پیش کروں گا جس کے سبب ان کی جماعت کی جڑ اکھڑ جائے گی۔ میں اسے بتاؤں گا کہ اس کا معبود عیسیٰ بن مریمؑ جس کی پرستش کی جاتی ہے وہ ان لوگوں کے نزدیک ایک بندہ تھا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ جو ان دونوں میں سے زیادہ ڈرنے والا تھا اس نے عمرو بن عاص کو کہا: "ایسا نہ کرو، کیونکہ اگرچہ وہ ہمارے مخالف ہیں لیکن وہ ہمارے رشتہ دار ہیں اور ان کا یہ ہم پر حق ہے۔" عمرو بن عاص نے کہا: "بخدا! میں ایسا ضرور کروں گا۔"

اگلے دن عمرو بن عاص نجاشی کے دربار میں گیا اور اسے کہا: "اے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک بڑی بات کہتے ہیں آپ انھیں بلا کر پوچھ لیں۔" نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ ام المومنین ام سلمہؓ نے فرمایا کہ اس سے بڑی مصیبت ہم پر اس سے پہلے نازل نہیں ہوئی تھی۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر نجاشی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سوال کرے تو اس کو کیا جواب دینا چاہیے! چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ ہم وہی کچھ کہیں گے جو اللہ نے فرمایا ہے اور جس کا حکم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

مسلمان نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے اس کے پاس اس کے سردار تھے۔ نجاشی نے پوچھا: "عیسیٰ بن مریمؑ کے بارے میں تمہارا عقیدہ کیا ہے؟" حضرت جعفرؓ نے فرمایا: "ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں وہ اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریمؑ پر القا کیا تھا۔" نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین کی طرف بڑھایا اور اپنی دو انگلیوں کے ساتھ ایک تنکا اٹھایا اور کہا: "عیسیٰ علیہ السلام

اس بیان سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔" اس پر وہ سردار جو اس کے گرد بیٹھے ہوئے تھے پھنکارنے لگے۔ نجاشی نے کہا: "خواہ تم کتنا ہی پھنکارو، بخدا! بات یہی ہے۔" نجاشی نے مسلمانوں کو کہا: "جاؤ اور میری زمین میں امن سے رہو۔ جو تمہیں برا کہے گا سزا پائے گا۔" اور اس کلمہ کو نجاشی نے دوبارہ سہ بارہ دُہرایا اور کہا: "میں یہ بات پسند نہیں کروں گا کہ مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے اور اس کے عوض میں تم میں سے ایک آدمی کو ستاؤں۔ بخدا! اللہ تعالیٰ نے جب میرا ملک مجھے واپس کیا تو اس نے مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی کہ میں اس کے معاملہ میں رشوت لوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے میرے معاملہ میں لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہیں کی تھی کہ میں اس کے معاملہ میں لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلوں۔" نجاشی نے درباریوں سے کہا: "تم لوگ ان دونوں کے تحائف انہیں واپس کردو، ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔" اور دونوں سفیروں کو کہا کہ میرے ملک سے چلے جاؤ۔

ام المومنین ام سلمہؓ نے فرمایا: "وہ دونوں سفیر ناکام و ناراض واپس چلے گئے اور جو تحائف وہ لے کر آئے تھے انہیں واپس کردیئے گئے اور اس اچھے ملک میں ہمیں بہترین پڑوس میسر آگیا۔ کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ حبشہ کے ایک آدمی نے نجاشی کے خلاف علَم بغاوت بلند کردیا اور بادشاہت کے بارے میں جھگڑا پیدا کردیا۔ ہمارے لیے یہ سانحہ سخت کربناک تھا کیونکہ ہم یہ محسوس کر رہے تھے کہ اگر اس شخص نے نجاشی کو مغلوب کرلیا تو ایسی حکومت برسراقتدار آجائے گی جو ہمارے حقوق کی حفاظت اس طرح نہیں کرے گی جس طرح نجاشی کرتا ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگنی شروع کیں کہ اللہ تعالیٰ نجاشی کی تائید فرمائے۔ نجاشی اس کے مقابلے میں نکلا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے ایک دوسرے کو کہا کہ ہم میں سے کون شخص باہر جا کر واقعات و حالات کا مشاہدہ کرے اور ہمیں حقیقتِ حال سے آگاہ کرے۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا: "میں یہ فریضہ سرانجام دُوں گا۔" حضرت زبیرؓ اس وقت سب سے کم عمر تھے۔ چنانچہ صحابہؓ نے حضرت زبیرؓ کیلئے ایک مشک میں ہوا بھردی۔ حضرت زبیرؓ نے اسے اپنے سینے کے نیچے رکھ لیا اور دریائے نیل کو عبور کرکے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے جہاں مڈبھیڑ تھی۔ انہوں نے یہ معرکہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس حملہ آور بادشاہ کو شکست دی اور وہ قتل ہوگیا اور نجاشی غالب آگیا۔ حضرت زبیرؓ ہمارے پاس واپس آگئے انہوں نے اپنی چادر سے ہمیں اشارہ کیا اور بشارت دی کہ نجاشی کو اللہ تعالیٰ نے غالب کردیا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے: بخدا! ہمیں اتنی خوشی کبھی نصیب نہ ہوئی تھی جتنی خوشی نجاشی کی فتح سے حاصل ہوئی۔ پھر ہم نجاشی کے ہاں قیام پذیر رہے یہاں تک کہ ہم میں سے جس نے چاہا وہ مکہ کی طرف واپس آگیا اور جس نے چاہا وہ وہیں ٹھہرا رہا۔

(۲۸۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ زہری نے کہا: میں نے یہ حدیث عروہ بن زبیر سے ام المومنین ام سلمہؓ کی روایت سے بیان کی۔ عروہ نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ نجاشی کے اس قول کا مفہوم کیا ہے:

"جب اللہ تعالیٰ نے میری حکومت مجھے واپس دلوائی تو مجھ سے رشوت نہ لی کہ میں اللہ کے معاملہ میں

رشوت وصول کروں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے میرے معاملہ میں لوگوں کی خواہش کی پیروی اختیار کی کہ میں اس کے معاملہ میں لوگوں کی اطاعت کروں۔"

زہری نے کہا: "میں نہیں جانتا۔ ابوبکر بن عبدالرحمان بن حارث نے بروایت ام سلمہؓ مجھ سے یہ بات بیان نہیں کی۔" عروہ نے کہا: "حضرت عائشہؓ نے مجھے بتایا کہ نجاشی کا باپ اپنی قوم کا بادشاہ تھا اور اس کا ایک بھائی تھا جس کے بارہ صلبی بیٹے تھے۔ لیکن نجاشی کے باپ کے ہاں کوئی لڑکا نجاشی کے علاوہ نہ تھا۔ حبشہ والوں نے آپس میں سوچ کر یہ رائے قائم کی کہ اگر ہم نجاشی کے باپ کو قتل کر دیں اور اس کے بھائی کو بادشاہ بنا دیں تو یہ بہتر ہوگا کیونکہ اس کے بارہ بیٹے ہیں جو یکے بعد دیگرے حکومت کے وارث قرار پائیں گے اور ان کی حکومت مدتِ دراز تک حبشہ میں قائم رہے گی اور کوئی اختلاف رونما نہیں ہوگا۔

چنانچہ انہوں نے نجاشی کے باپ پر یلغار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کے بھائی کو بادشاہ بنا دیا۔ نجاشی نے اپنے چچا کے ہاں سکونت اختیار کر لی اور اپنے حسنِ اخلاق سے اسے اپنا گرویدہ بنا لیا یہاں تک کہ اس کا چچا اس کے مشورہ کے بغیر کوئی کارروائی نہیں کرتا تھا۔ نجاشی بڑا فہیم اور عقلمند تھا۔ جب اہلِ حبشہ نے چچا کے ہاں نجاشی کی قدر و منزلت دیکھی تو انہوں نے کہا: "اس لڑکے نے اپنے چچا کو رام کر لیا ہے اور ہمیں خدشہ ہے کہ اس کا چچا اسے ہم پر حاکم نہ بنا دے۔ اسے معلوم ہے کہ ہم نے اس کے باپ کو قتل کر کے بادشاہت اس کے چچا کے سپرد کی ہے اور ہمیں خطرہ ہے کہ اگر اسے ہم پر حکمران بنا دیا گیا تو وہ ہمیں قتل کر دے گا۔ وہ نجاشی کے چچا کے پاس گئے اور اسے کہا: یا تو اس لڑکے کو قتل کر دو یا اسے ہمارے ملک سے نکال دو۔" اس نے کہا: "تمہاری حالت قابلِ افسوس ہے۔ کل تم نے اس کے باپ کو قتل کر ڈالا اور آج مجھے کہتے ہو کہ میں اس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کروں! بہتر ہے کہ اسے ملک بدر کر دو۔" لوگ اسے لے کر بازار گئے اور اسے ایک تاجر کے پاس بیچ دیا۔ اس نے اسے چھ سو یا سات سو درہم کے عوض خرید کر ایک کشتی میں سوار کر لیا۔ شام کے وقت خریف کے بادلوں میں سے بادل کے ایک ٹکڑے میں ہیجان پیدا ہوا نجاشی کا چچا بارش کی امید میں باہر نکلا، یکایک اس پر بجلی گری اور وہ لقمۂ اجل بن گیا۔ لوگوں نے اس کے لڑکوں کی تلاش کی تو معلوم ہوا کہ وہ سب کے سب احمق ہیں اور کوئی بھی کاروبارِ سلطنت چلانے کا اہل نہیں ہے۔ ان حالات میں سرزمینِ حبشہ میں فتنہ و فساد کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہا: "بخدا! تمہارا بادشاہ جس کے بغیر تمہاری حکومت صحیح طرح نہیں چل سکتی وہی ہے جسے کل تم نے بیچ ڈالا ہے اور اگر تم حبشہ کی حکومت کو صحیح بنیادوں پر چلانا چاہتے ہو تو اس کو واپس لے لو قبل اس کے کہ وہ کہیں چلا جائے۔" وہ لوگ نجاشی کی تلاش میں نکلے اور اسے ڈھونڈ نکالا۔ اسے واپس لا کر اس کی تاجپوشی کی اور اسے تختِ سلطنت پر بٹھا کر اسے بادشاہ بنا دیا۔ تاجر نے کہا: "تم نے میرا غلام مجھ سے واپس لے لیا ہے اس لیے میری قیمت مجھے واپس کر دو۔" انہوں نے قیمت واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ تاجر نے کہا: "پھر میں اس سے بات کروں گا۔" لوگوں نے کہا: "جو چاہو کرو۔" چنانچہ وہ نجاشی کے پاس گیا

اور اسے کہا: "اے بادشاہ! میں نے ایک غلام خریدا، جن لوگوں نے میرے پاس وہ غلام بیچا تھا انہوں نے غلام کی قیمت مجھ سے وصول کر لی تھی۔ انہوں نے پھر مجھ پر دست درازی کر کے میرا غلام مجھ سے واپس لے لیا اور میری قیمت مجھے واپس نہ کی۔" یہ پہلا واقعہ ہے جس کا فیصلہ نجاشی نے پوری ہوشمندی اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق کیا اور اس آزمائش میں وہ پورا اترا۔ چنانچہ نجاشی نے حکم دیا: "اس تاجر کی رقم اسے واپس کر دی جائے ورنہ اس تاجر کا غلام اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے گا اور تاجر اسے جہاں چاہے لے جائے گا۔" لوگوں نے کہا: "ہم اس کی رقم اسے واپس کر دیتے ہیں۔" چنانچہ انہوں نے رقم اسے واپس کر دی۔ اسی لیے نجاشی نے کہا تھا:

"جب اللہ تعالیٰ نے میری حکومت مجھے واپس دلوائی تو مجھ سے رشوت نہ لی کہ میں اللہ کے معاملہ میں رشوت وصول کروں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے میرے معاملہ میں لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی کہ میں اس کے معاملہ میں لوگوں کی اطاعت کروں۔"

(۲۸۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق سے اور اس نے یزید ابن رومان کے حوالہ سے عروہ بن زبیر کی روایت نقل کی۔ عروہ نے کہا: "نجاشی نے ساری گفتگو حضرت عثمانؓ بن عفان سے کی تھی۔"[1]

(۲۸۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ واقعہ اس طرح نہیں ہوا بلکہ نجاشی نے ساری گفتگو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سے کی تھی۔

(۲۸۶) سیدہ رقیہؓ بنت النبیؐ حبشہ میں

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے بعض اہل علم نے بیان کیا کہ حبشہ کے کچھ نوجوانوں نے سیدہ رقیہؓ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جو اپنے شوہر حضرت عثمانؓ بن عفان کے ساتھ تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ سیدہ پیکرِ حسن و جمال تھیں۔ غنڈہ عناصر آپ کی طرف انگشت نمائی کرتے، انہیں گھورتے، اور جب انہیں دیکھتے تو ناچنا کودنا شروع کر دیتے یہاں تک کہ سیدہ کو ان کی ان کمینہ حرکات سے تکلیف پہنچی لیکن مسلمان اپنی غریب الوطنی اور ٹھکانا مل جانے کی وجہ سے ان میں سے کسی کے ساتھ الجھاؤ پیدا کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ جب نجاشی دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلا تو یہ غنڈے بھی اس کے ساتھ ہو لیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر ڈالا اور ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچ سکا۔

---

[1] نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کی نمائندگی حضرت جعفرؓ کی بجائے حضرت عثمانؓ نے کی تھی اور نجاشی حضرت عثمانؓ ہی سے ہم کلام ہوا تھا نہ کہ حضرت جعفرؓ سے۔ جیسا کہ سابقہ اور آئندہ روایت میں مذکور ہے۔

(۲۸۷) حبشہ کے نصاریٰ کا وفد

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: ہجرتِ حبشہ کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر حبشہ میں پھیلی تو وہاں کے نصاریٰ کا وفد جو تقریباً بیس آدمیوں پر مشتمل تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپؐ اس وقت مکہ میں تھے۔ یہ وفد آپؐ کو مسجدِ حرام میں ملا اور آپؐ کے پاس بیٹھ گیا۔ ان لوگوں نے آپؐ سے باتیں کیں اور کچھ سوالات دریافت کیے۔ قریش کے لوگ اس وقت کعبہ کے ارد گرد اپنی مجلسوں میں تھے۔ جب وفد کے لوگ سوالات سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکانِ وفد کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی۔ جب انہوں نے قرآن سُنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ انہوں نے آپؐ کی دعوت کو قبول کیا اور آپؐ پر ایمان لے آئے اور آپؐ کی تصدیق کی اور آپؐ کی ان صفات کو پہچان لیا جو آپؐ کے متعلق ان کی کتاب میں موجود تھیں۔ جب وہ آنحضرتؐ کے پاس سے اُٹھے تو ابوجہل قریش کے کچھ لوگوں کی معیت میں ان سے ملا۔ قریش نے نصاریٰ کے وفد کو کہا: "اللہ تمہیں نا امید کرے۔ تمہارے اہلِ دین نے تمہیں اس لئے بھیجا تھا کہ تم اس شخص کے حالات کی تحقیق کر کے آؤ اور انہیں خبر دو لیکن تم اس کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور جو کچھ اس نے کہا تم نے اس کی تصدیق کر دی۔ تم سے زیادہ احمق وفد تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔" ارکانِ وفد نے جواب دیا: "سلام ہے تم کو، ہم نادانی میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ ہم اپنے آپ کو بھلائی سے محروم نہیں رکھ سکتے۔" کہا جاتا ہے کہ یہ وفد اہلِ نجران کے نصاریٰ کا تھا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون سا وفد تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم:

الذین اٰتینٰھم الکتٰب من قبلہ ھم بہٖ یؤمنون ○ . . . .
الیٰ قولہ: لا نبتغی الجٰھلین ○
(القصص - ۵۲ - ۵۵)

جن لوگوں کو اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور جب یہ ان کو سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ "ہم اس پر ایمان لائے، یہ واقعی حق ہے ہمارے رب کی طرف سے، ہم تو پہلے ہی سے مسلم ہیں"۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دو بار دیا جائے گا اس ثابت قدمی کے بدلے جو انہوں نے دکھائی۔ وہ بُرائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب انہوں نے بیہودہ بات سُنی تو یہ کہہ کر اس سے کنارہ کش ہو گئے کہ "ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم کو سلام ہے، ہم جاہلوں کا سا طریقہ اختیار کرنا نہیں چاہتے۔"

(۲۸۸) یونس نے اسباط بن نصر ہمدانی کی وساطت سے اسماعیل بن عبدالرحمان کی روایت نقل کی۔ اسماعیل نے کہا:

نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارہ آدمیوں کا ایک وفد بھیجا تاکہ وہ آنحضرتؐ سے کچھ باتیں پوچھے اور تحقیقِ حال کے بعد اسے ٹھیک ٹھیک خبر دے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکانِ وفد کے سامنے قرآن کی تلاوت کی تو وہ رونے لگے۔ یہ وفد سات راہبوں اور پانچ پادریوں یا پانچ رہبان اور سات پادریوں پر مشتمل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا اٰمنا فاکتبنا مع الشّٰھدین ○ (المائدہ۔۸۳)

جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔ وہ بول اُٹھتے ہیں کہ پروردگارا! ہم ایمان لائے، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔"

(۲۸۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ میں نے مندرجہ ذیل آیات کے متعلق زہری سے پوچھا:

(ا) واذا سمعوا ما انزل الی الرسول ..... الی قولہ مع الشّٰھدین ○ (المائدہ - ۸۳)

جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں، وہ بول اُٹھتے ہیں کہ پروردگار! ہم ایمان لائے، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

(ب) واذا خاطبھم الجٰھلون قالوا سلاما ○ (الفرقان - ۶۳)

اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے کہ تم کو سلام۔

زہری نے جواب دیا کہ میں اپنے علماء سے یہ سنتا آیا ہوں کہ یہ آیتیں نجاشی اور اس کے رفقاء کے متعلق نازل ہوئیں۔

(۲۹۰) نجاشی کی نمازِ جنازہ

احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا، مجھ سے زہری نے سعید بن مسیّب کی وساطت سے ابوہریرہؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں باہر نماز پڑھنے کی جگہ لے گئے ہم نے آپؐ کی اقتداء میں صف بندی کر لی۔ آنحضرتؐ نے جنازہ کی نماز پڑھی اور چار تکبیریں کہیں۔ جب فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانے لگے تو ہم نے پوچھا: "یا رسول اللہ! آپؐ نے کس کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے بھائی نجاشیؒ کی، جو آج فوت ہوا ہے۔"

(۲۹۱) یونس نے عبداللہ بن عمر کے حوالہ سے ابنِ شہاب کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

(۲۹۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یزید بن رومان نے عروہ بن زبیر کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ زوجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت بیان کی کہ نجاشی کی قبر پر نور نظر آیا کرتا تھا۔

(۲۹۳) یونس نے ابن اسحاق سے یہ روایت نقل کی کہ نجاشی کا نام "مصحمہ" تھا۔ یہ لفظ عربی زبان میں لفظِ "عطیہ" کا ہم معنیٰ ہے۔ "نجاشی" شاہِ حبشہ کا لقب ہے جس طرح "کسریٰ" شاہِ ایران اور "ہرقل (یعنی قیصر)" شاہِ روم کے القاب ہیں۔

(۲۹۴) ابنِ عمرؓ کی آرزو

احمد نے یونس سے اور اس نے یونس ایلی کی وساطت سے زہری کی روایت نقل کی۔ زہری نے کہا: حضرت ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، آپ نے اس سے کہا: "تمہاری کیا خواہش ہے؟" اس نے کہا: "میری کوئی خواہش نہیں ہے۔" حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: "لیکن میں تو چاہتا ہوں کہ میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا ہو، میں اس کا وزن کروں اور اس کی زکوٰۃ ادا کروں۔"

(۲۹۵) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی۔ ام المومنینؓ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص خواہش کرے تو اسے چاہیے کہ بہت زیادہ مانگے کیونکہ وہ اپنے رب عزوجل سے مانگتا ہے۔"

(۲۹۶) نجاشی کے بیٹے کا اسلام لانا

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھے میرے والد اسحاق بن یسار نے بتایا کہ میں نے ابونیزر بن نجاشی کو دیکھا ہے۔ اس جیسا عظیم، قدآور اور خوب صورت جوان میں نے عرب و عجم میں نہیں دیکھا۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اسے مکہ کے ایک تاجر کے پاس پایا اور اسے خرید کر آزاد کر دیا۔ نجاشی نے جو حُسنِ سلوک حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے یہ اس کے بدلے کے طور پر کیا۔ ابنِ اسحاق نے کہا: میں نے اپنے باپ سے پُوچھا: کیا ابونیزر سیاہ رنگ کا تھا جس طرح کہ حبشہ کے دُوسرے لوگوں کی رنگت سیاہ ہوتی ہے؟" میرے باپ نے جواب دیا: "اگر تم اسے دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو عرب کا باشندہ ہے۔"

(۲۹۷) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے عبداللہ بن حسن نے بتایا کہ اس کی والدہ فاطمہ بنت حسین نے یہ روایت بیان کی کہ ابونیزر بن نجاشی کو حضرت علیؓ نے آزاد کرایا تھا۔ اس کے پاس حبشہ سے کچھ لوگ آئے جو ایک مہینہ تک اس کے ہاں اقامت پذیر رہے۔ حضرت علیؓ ان کی میزبانی

کرتے رہے اور انہیں کھانا کھلاتے رہے۔ حبشہ کے لوگوں نے نجاشی کے بیٹے کو کہا، "حبشہ کی حکومت میں بگاڑ اور فساد رونما ہو چکا ہے، تم ہمارے ساتھ چلو، ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنالیں گے، تم جانتے ہو کہ تم بادشاہ کے بیٹے ہو۔" نجاشی کے بیٹے نے جواب دیا: "اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام سے مشرف فرمایا ہے میں واپس نہیں جاؤں گا۔" جب وہ اس سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور واپس چلے گئے۔

(۲۹۸) ہجرتِ حبشہ کے متعلق اشعار

جب مسلمانوں کو سرزمینِ حبشہ میں امن و امان کی فضا میسر آگئی اور انہیں نجاشی کا اچھا پڑوس مل گیا تو وہ اس حال میں اللہ کی عبادت کرتے تھے کہ انہیں اپنے دین کے بارے میں کسی کا خوف دامنگیر نہ تھا۔ جب وہ نجاشی کے پاس گئے تو اس نے ان کے لیے اچھا ٹھکانا مہیا کر دیا۔ اس ضمن میں عبداللہ بن حارث بن قیس بن عدی بن سہم نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

یا راکبا ابلغاعنی مغلغلة من کان یرجوا بلاغ الله والدین	اے دو سوارو! میرا یہ پیغام ان لوگوں کو پہنچا دو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی تبلیغ کے خواہشمند ہیں۔
کل امریٔ من عباد الله مضطهد ببطن مکة مقهور و مفتون	اللہ کے بندوں میں سے ہر ایک کو میرا پیغام پہنچا دو جو مکہ کی نشیبی سرزمین میں مظلوم، مقہور اور ابتلاء کا شکار ہے۔
انا وجدنا بلاد الله واسعة تنجی من الذل والمخزاة والهون	کہ ہم نے اللہ کی زمین کو وسیع پایا ہے جہاں ذلت، رسوائی اور اہانت سے نجات حاصل ہوتی ہے۔
لاتقیموا علی ذل الحیاة ولا خزی الممات وعیب غیر مامون	اس لیے تم لوگ زندگی کی ذلت، موت کی رسوائی اور بدامنی کے فساد میں اپنے آپ کو مقید نہ کر لو۔
انا تبعنا رسول الله فاطرحوا قول النبی وغالوا فی الموازین	بیشک ہم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا۔ لیکن انہوں نے (یعنی کفار نے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو پسِ پشت ڈال دیا اور حقوق کو پامال کیا۔
فاجعل عذابك فی القوم الذین بغوا وعائذ بك ان یعلوا فیطغونی	(اے اللہ!) ان لوگوں پر اپنا عذاب نازل فرما جو تیرے باغی ہیں۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ وہ غالب آجائیں اور مجھے بھی سرکشی پر اکسائیں۔

قریش نے مسلمانوں کو بستیوں سے نکال دیا تو عبداللہ نے ان کے اس ظالمانہ اقدام پر عتاب کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

ابت کبدی لا اکذبنك قتالهم علی ویأباه علی انا ملی	میں تم سے ہرگز دروغ بیانی نہیں کروں گا کہ میرا جگر اور میری انگلیاں بھی ان کے ساتھ جنگ آزمائی سے انکار کرتی ہیں۔

وکیف قتالی معشرا یاد بونھم
علی الحق الا یا شبوہ بباطل

میری جنگ ان لوگوں کے ساتھ نہیں ہو سکتی جو انہیں حق کی تلقین کرتے ہیں اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرنے سے روکتے ہیں۔

نفتھم عباد اللہ من حر ارضھم
فاضحوا علیٰ امر کثیر البلابل

اللہ کے بندوں نے انہیں اپنی عمدہ سرزمین سے دُور ہانک دیا ہے اور اس وجہ سے وہ شدید رنج و غم اور تفکرات میں گرفتار ہیں۔

فان تک کانت فی عدی امانۃ
عدی بن سعد من تقی و تواصل

اگر عدی یعنی بنی عدی بن سعد میں خوفِ خدا اور باہمی میل ملاپ کی وجہ سے امانت و دیانت ہوتی۔

فقد کنت احسب ان ذالک فیکم
بحمد الذی لا یطبا بالجعائل

تو میں یہ گمان کرتا کہ یہ صفت تم میں بھی ہوگی اور میں اس ذات کا شکریہ ادا کرتا جسے اجرتوں کے لیے پکارا نہیں جاتا بلکہ وہ سب کی ضرورتیں خود بخود پُوری کرتا ہے۔

نبدلت شبلا شبل کل کتیبۃ
بذی فخرھا ماوی الضعاف والارامل

ہرگروہ کے جوانمردوں کی بجائے مجھے ایسے جوانمرد دئے گئے ہیں جو کمزوروں اور بیواؤں کا ملجاو ماویٰ ہیں۔

جب ابوطالب کو کفار کی اس رائے اور ان تحائف کا علم ہوا تو انہوں نے نجاشی کو مسلمانوں کے ساتھ حسنِ سلوک روا رکھنے اور ان کی حمایت و حفاظت پر آمادہ کرنے کے لیے یہ اشعار کہے:

الا لیت شعری کیف فی النای جعفر
وزید و اعداء العدو الاقارب

کاش! مجھے علم ہوتا کہ جعفر اور اس کے ساتھی وطن سے دور کس حال میں ہیں اور دشمن کے دشمن قرابتدار ہوتے ہیں۔

و ھل نال افعال النجاشی جعفرا
واصحابہ ام عاق ذٰلک شاغب

کیا نجاشی نے جعفر اور اس کے رفقاء کے ساتھ حُسنِ سلوک روا رکھا یا کسی فتنہ پرداز نے اس میں رکاوٹ ڈال دی۔

تعلم ابیت اللعن انک ماجد
کریم فلا یشقی لدیک المجانب

یاد رہے کہ اے بادشاہ! تُونے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس سے تو ملامت کا مستحق ہو۔ بیشک تُو عظمت و شرافت کا حامل ہے اور تیرا قرب حاصل کرنے والا حرماں نصیب نہیں ہوتا۔

تعلم بان اللہ زادک بسطۃ
واسباب الخیر کلھا بک لازب

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بڑی فراخی عطا کی ہے اور بھلائی کے جملہ اسباب و ذرائع تمہیں حاصل ہیں۔

فانک فیض ذو سجال غزیرۃ
ینال الاعادی نفعھا والاقارب

تم ایک ایسا دریا ہو جو کناروں تک بھرا ہوا ہے اور جس سے دشمن اور دوست دونوں نفع حاصل کرتے ہیں۔

جناب ابوطالب نے اس ضمن میں یہ اشعار بھی کہے:

تعلم خیار الناس ان محمدا
وزیر لموسٰی والمسیح بن مریم

اے پسندیدہ انسان! جان لے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے مصاحب ہیں۔

انا نهدى مثل الذى اتيا به
وكل بامر الله يهدى ويعصم
وانكم تتلونه فى كتابكم
بصدق حديث لا احديث الترجم
وانك ما ياتيك منا عصابة
لفضلك الا ارجعوا بالتكرم

ہم اسی ہدایت پر ہیں جو وہ دونوں حضرات لائے تھے۔ اور ہر نبی و رسول اللہ کے حکم سے راہِ راست کی ہدایت دیتا ہے اور گناہوں سے بچاتا ہے۔
تم حضرت محمدؐ کا ذکر اپنی کتاب میں پڑھتے ہو جو سچی حدیث ہے اور اٹکل پچو اور ظنی بات نہیں ہے۔
ہمارا ایک گروہ تمہارے پاس آ رہا ہے ہمیں تمہارے جُود و کرم سے امید ہے کہ وُہ واپس نہیں لوٹائے جائیں گے اور ان کے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا جائے گا۔

(۲۹۹) یونس سے زکریا بن ابی زائدہ سے اور اس نے عامر شعبی کے حوالہ سے حضرت اسماء بنت عمیسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ حضرت اسماءؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! مہاجرین میں سے کچھ لوگ ہم پر یہ فخر جتاتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ہم مہاجرین اوّلین میں سے نہیں ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ بات نہیں ہے بلکہ تمہاری دو ہجرتیں ہیں۔ تم نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی جبکہ ہم مکہ میں مظالم کا شکار رہتے اور بعد ازاں تم لوگوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔" یہ لوگ اس وقت حبشہ سے مدینہ تشریف لائے جب آنحضرتؐ خیبر سے واپس آ رہے تھے۔

(۳۰۰) یونس نے ابراہیم بن اسماعیل کے حوالہ سے زہری سے اور اس نے قبیصہ بن ذؤیب کی وساطت سے ابی سلمہؓ بن عبدالاسد کی روایت بیان کی۔ ابو سلمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے جنہوں نے سب سے پہلے اپنی بیوی کے ہمراہ سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ بھی ہجرت میں ان کے ہمراہ تھیں۔ جب ابو سلمہؓ فوت ہو گئے تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

(۳۰۱) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف نے اپنے باپ کی یہ روایت بیان کی کہ میں حضرت عثمانؓ بن عفان کے ساتھ مکہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا کہ حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف نے ہمیں دیکھا اور فرمایا: "کوئی شخص بھی دونوں ہجرتوں یعنی ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ کی فضیلت کے باب میں اس شیخ (حضرت عثمانؓ) کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

باب ۲۹

مہاجرینِ حبشہ کے اسمائے گرامی — دُوسرا مرحلہ

(۳۰۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے یہ ان لوگوں کے اسمائے گرامی ہیں جنہوں نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور جو ان میں سے غزوہ بدر میں شریک ہُوئے اور جو بدر میں شامل نہ ہوسکے بلکہ اس کے بعد حبشہ سے واپس آئے۔ اور جو لوگ اس کے بعد بھی حبشہ میں رہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف عمرو بن امیہ ضمری کو بھیجا اور وہ انھیں ایک کشتی میں سوار کر کے لے آیا اور یہ آخری گروہ ۶ھ میں (صلح حدیبیہ کے سال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ پہنچا۔

مہاجرینِ حبشہ میں سے درج ذیل حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ پہنچے اور جنگِ بدر میں شریک ہوئے:

بنی امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف میں سے

(۱) عثمانؓ بن عفان اور ان کے ہمراہ ان کی زوجہ۔

(۲) رقیہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حصہ مالِ غنیمت میں مقرر فرمایا حالانکہ یہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ ان کی زوجہ سیدہ رقیہؓ ان دنوں بیمار تھیں اور یہ ان کی تیمارداری کے لیے رُک گئے تھے۔ (انہوں نے حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت کی)

(۳) ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف اور ان کے ہمراہ ان کی زوجہ (۴) سہلہؓ بنت سہیل بن عمرو (برادر بنی عامر بن لوی)۔ ان کے ہاں سرزمینِ حبشہ میں محمد بن ابی حذیفہ پیدا ہوئے۔ ابوحذیفہؓ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔

بنی اسد بن عبد العزیٰ میں سے — (۵) زبیرؓ بن عوام

بنی عبد الدار بن قصی میں سے — (۶) مصعبؓ بن عمیر

بنی زہرہ میں سے — (۷) عبد الرحمانؓ بن عوف۔

بنی مخزوم میں سے — (۸) ابوسلمہؓ بن عبد الاسد بن ہلال بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم اور ان کے

ہمراہ ان کی زوجہ (۹) ام سلمہؓ بنت ابی امیہ

بنی جمح بن عمرو بن ہُصیص میں سے — (۱۰) عثمانؓ بن مظعون

بنی عدی بن کعب میں سے — (۱۱) عامرؓ بن ربیعہ (حلیف آل خطاب) اور ان کے ہمراہ ان کی زوجہ۔
(۱۲) لیلیٰؓ بنت ابی حثمہ

بنی عامر بن لوی میں سے — (۱۳) ابو سبرہؓ بن ابی رہم بن عبد العزّیٰ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ابو حاطب بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک تھے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی۔

بنی حارث بن فہر میں سے — (۱۴) سہیل بن بیضاؓ اور وہ سہیل بن ربیعہ بن ہلال بن اہیب ہیں۔

ابنِ اسحاق نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ دس مرد وہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی (ان میں سے چار کے ہمراہ ان کی ازواج بھی تھیں) ان کے بعد ہجرت کرنے والے یہ ہیں:

بنی ہاشم میں سے — (۱۵) جعفرؓ بن ابی طالب

حلفائے بنی نوفل بن عبد مناف بن قصی میں سے — (۱۶) عتبہؓ بن غزوان بن جابر بن وہب (یہ بنی قیس بن عیلان میں سے تھے)

بنی عبد الدار میں سے — (۱۷) سویبطؓ بن خزیمہ (۱۸) ان کی ماں حرملہؓ بنت اسود بن خزیمہ بن اقیش بن عامر بن بیاضہ بن سبیع بن خثعمہ (یہ بنی خزاعہ میں سے تھیں)

(۱۹) جہمؓ بن قیس اور ان کے دو بیٹے (۲۰) عمروؓ بن جہم اور (۲۱) خزیمہؓ بن جہم۔

(۲۲) ابو الرومؓ بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار (حضرت مصعبؓ کے بھائی)

(۲۳) فراسؓ بن نضر بن حارث بن کلدہ بن علقمہ بن عبد مناف بن عبد الدار۔

بنی عبد بن قصی میں سے — (۲۴) طلیبؓ بن عمرو بن وہب بن ابی کبیر بن عبد بن قصی۔

بنی زہرہ بن کرب میں سے — (۷) عبد الرحمان بن عوف (انہوں نے حبشہ کی طرف دو دفعہ ہجرت کی، ان کا نام مکرر لکھا گیا)
(۲۵) عامرؓ بن ابی وقاص

(۲۶) ابو وقاصؓ مالک بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ۔
(۲۷) مطلبؓ بن زہرہ بن عبد عوف بن عبد حارث بن زہرہ اور ان کی زوجہ۔
(۲۸) رملہؓ بنت ابی عوف بن صبیرہ۔ سرزمینِ حبشہ میں ان کے ہاں عبداللہ بن مطلب پیدا ہوئے۔

حلفائے بنی زہرہ میں سے

(۲۹) عبداللہؓ بن مسعود اور ان کے بھائی۔
(۳۰) عتبہؓ بن مسعود

بنی بہراء میں سے

(۳۱) مقدادؓ بن عمرو (انہیں مقدادؓ بن اسود بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسود بن عبد یغوث نے انہیں بیٹا بنا لیا تھا)۔

بنی مخزوم میں سے

(۳۲) شماسؓ بن عثمان بن شرید بن سوید بن ہرمی بن عامر بن مخزوم (شماس کا نام عثمان تھا)
(۳۳) ہبارؓ بن سفیان بن عبد الاسد بن ہلال اور ان کا بھائی۔
(۳۴) عبداللہؓ بن سفیان
(۳۵) ہشامؓ بن ابی حذیفہ۔

حلفائے بنی مخزوم میں سے

(۳۶) معتبؓ بن عوف بن عامر بن فضل بن عفیف (ان کو عیہمہ بن فلیت بن سلول بن کعب بن خزاعہ بھی کہا جاتا ہے)

بنی عامر بن لوئی میں سے

(۳۷) عبداللہؓ بن سہیل بن عمرو اور ابو سبرہ بن ابی رہم (ان کا ذکر ۱۳ پر گزر چکا ہے) ان کے ہمراہ ان کی زوجہ۔
(۳۸) ام کلثومؓ بنت سہیل بن عمرو۔
(۳۹) عبداللہؓ بن مخرمہ بن عبد العزیٰ بن ابی قیس بن عبدود۔
(۴۰) سلیطؓ بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود اور ان کا بھائی۔
(۴۱) سکرانؓ بن عمرو اور ان کی زوجہ (۴۲) سودہؓ بنت زمعہ۔
(۴۳) مالکؓ بن ربیعہ بن قیس عبد شمس بن لوئی اور ان کے ہمراہ ان کی زوجہ (۴۴) عمرہؓ بنت سعدی۔

حلفائے بنی عامر میں سے

(۴۵) سعدؓ بن خولہ (یہ یمنی تھے)

بنی جمح بن عمر بن ہصیص میں سے

عثمانؓ بن مظعون (ان کا ذکر نمبر شمار ۱۰ پر گزر چکا ہے) اور ان کا بیٹا

(۴۶) سائبؓ بن عثمان اور حضرت عثمانؓ کے بھائی (۴۷) قدامہؓ بن مظعون (۴۸) حاطبؓ بن حارث بن مغیرہ بن حبیب بن حذافہ اور ان کے ہمراہ ان کی زوجہ (۴۹) فاطمہؓ بنت مجلل بن عبداللہ اور ان کے دو بیٹے (۵۰) محمدؓ بن حاطب (۵۱) حارثؓ بن حاطب اور حارثؓ کے ہمراہ ان کی زوجہ (۵۲) فکیہہؓ بنت یسار (۵۳) سفیانؓ بن معمر بن حبیب۔ اور ان کے ہمراہ ان کے دو بیٹے (۵۴) جابرؓ بن سفیانؓ اور (۵۵) جنادہ بن سفیانؓ اور سفیانؓ کے ہمراہ ان کی زوجہ (۵۶) حسنہؓ (جابرؓ اور جنادہؓ کی والدہ) اور حسنہؓ کے دوسرے شوہر سے ان کا بیٹا

(۵۷) شرحبیلؓ بن حسنہؓ۔

(۵۸) عثمانؓ بن ربیعہ بن وہبان۔

بنی سہم بن عمرو بن ہصیص میں سے

(۵۹) خنیسؓ بن حذافہ۔ جنگِ بدر میں شہید ہوئے۔ یہ حضرت عمرؓ کے داماد اور حضرت حفصہؓ کے پہلے شوہر تھے۔ حضرت حفصہؓ کو بعد میں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

(۶۰) عبداللہؓ بن حارث بن قیس

(۶۱) ہشامؓ بن عاصی بن وائل۔

(۶۲) ابوقیسؓ بن حارث۔

(۶۳) حجاجؓ بن حارث۔

(۶۴) معمرؓ بن حارث اور ان کے ماں جائے بھائی (۶۵) سعیدؓ بن عمرو (یہ بنی تمیم میں سے تھے)

(۶۶) سعیدؓ بن حارث بن قیس۔

(۶۷) سائبؓ بن حارث بن قیس۔

(۶۸) عمرانؓ بن رئاب بن حذیفہ۔

حلفائے بنی سہم میں سے

(۶۹) محمیہؓ بن جزء (یہ بنی زبید میں سے تھے)

بنی حارث بن فہر میں سے

(۷۰) ابوعبیدہؓ (وہ عامر بن عبداللہ بن الجراح ہیں۔ وہ سرزمینِ شام میں حضرت عمرؓ بن خطاب کی طرف سے حاکم تھے اور طاعون عمواس میں فوت ہوئے)

(۱) سہیلؓ بن بیضاء (وہ سہیل بن بیضأ بن سہیل بن وہب) ہیں۔ بیضأ ان کی ماں ہیں اور وہ سہیل بن وہب بن ربیعہ ہیں۔لیکن ان کی ماں کا نام ان کے نسب پر غالب آگیا اور وہ ماں کی طرف منسوب ہو گئے۔ ان کی ماں کا نام دعد بنت جحدم بن امیہ بن ظرب ہے اور ان کا لقب بیضأ ہے۔حضرت سہیلؓ جنگِ بدر میں شہید ہوئے۔

(۲) عیاضؓ بن زہیر بن ابی شدید بن ربیعہ ۔کہا جاتا ہے کہ یہ ربیعہ بن ہلال بن مالک ہیں۔

(۳) حارثؓ بن عبد قیس بن عامر بن امیہ (۴) عمروؓ بن ابی سرح .بن ربیعہ بن ہلال (اس خاندان کے آٹھ افراد نے ہجرت کی)[1]

(۳۰۴) پھر مسلمان یکے بعد دیگرے ہجرت کر کے حبشہ میں اکٹھے ہو گئے اور وہاں رہنے لگے۔ ان میں سے کچھ وہ تھے جو اپنے ساتھ اپنی بیویوں کو بھی لے گئے تھے، ایسے حضرات یہ تھے ؛

بنی ہاشم میں سے ———— جعفرؓ بن ابی طالب۔آپ جنگِ موتہ میں شہید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امیرِ لشکر مقرر کیا تھا۔کہا جاتا ہے کہ آپ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنی سواری "عبد الحارث" کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں۔ دورانِ ہجرت آپ کی زوجہ اسماءؓ بنت عمیس بن کعب بن مالک بن قحافہ (خثعمی) بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سرزمینِ حبشہ میں ان کے ہاں عبد اللہ بن جعفر پیدا ہوئے۔

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یحییٰ بن عباد بن عبد اللہ بن زبیر نے اپنے باپ عباد کے حوالہ سے بنی مرہ بن رٹاب کے ایک شخص (ابن ذبیان) کی روایت بیان کی۔ راوی نے کہا، جب جنگ نے تباہی مچا دی تو میں نے دیکھا کہ حضرت جعفرؓ نے اپنے سرخی مائل سیاہ رنگ کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور بے جگری سے قتال کیا یہاں تک کہ آپ قتل ہو گئے۔

بنی امیہ بن عبد شمس میں سے خالدؓ بن سعید بن عاص نے ہجرت کی۔ ان کے ہمراہ ان کی بیوی امینہؓ بنت خلف بن اسعد بن عامر بن بیاضہ تھیں یہ بنی خزاعہ کی شاخ بنی سبیع بن خثعمہ سے تھیں۔ ان کے ہاں سرزمینِ حبشہ میں "سعید بن خالد" پیدا ہوئے اور ایک لڑکی "امۃ بنت خالد" تولد ہوئی۔ "امۃ" کا نکاح زبیر بن عوام سے ہوا اور ان کے ہاں عمرو بن زبیر اور خالد بن زبیر پیدا ہوئے۔شام کی سرزمین میں دمشق کے قریب مرج الصفر کے مقام پر جو جنگ مسلمانوں اور نصاریٰ کے درمیان ہوئی

---

[1] یہاں صرف پانچ اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابنِ ہشام کی روایت کے مطابق دیگر تین افراد یہ ہیں: عمرو بن حارث بن زہیر، عمر بن عبد غنم بن زہیر اور سعید بن عبد قیس۔

اس میں خالد بن زبیر قتل ہوئے۔

بنی امیہ بن عبد شمس میں سے عمرو بن سعید بن عاص نے بھی ہجرت کی۔ ان کے ہمراہ ان کی زوجہ فاطمہؓ بنت صفوان بن امیہ بن شقی بن محرب بن شقی کنانی تھیں۔ اطرافِ دمشق میں اجنادین ایک مقام ہے جہاں مسلمانوں اور نصاریٰ کے درمیان جنگ ہوئی تھی عمرو بن سعید بن عاص اس جنگ میں شہید ہوئے۔ ابو سعید نے عمرو کے متعلق یہ شعر کہے:

ليت شعري عنك يا عمرو سائلا اذا شب واشتد دماه تبلجا	اے عمرو! کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تُو نے کیا کیا؛ جب اس کا خون جوان ہُوا تو وہ انتہائی سُرخ ہو کر بہہ رہا تھا۔
ايترك امر القوم فيه بلابل ويكشف غيظا كان في الصدر موحجا	کیا اس قوم کی امارت کا معاملہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا جو غم کی شدت اور تفکرات میں گھری ہُوئی ہے اور وہ غیظ و غضب جو سینے میں بھڑک رہا ہے اسے زائل کر دیا جائے گا؟

——— اور بنی امیہ کے حلیفوں بنی اسد بن خزیمہ میں سے عبد اللہ بن جحش اور ان کے ہمراہ ان کی بیوی برکت بنت یسار اور معیقیب بن ابی فاطمہ نے ہجرت کی۔ یہ سب سعید بن عاص کے متعلقین تھے۔

——— اور بنی عبد الدار بن قصی میں سے جہم بن قیس بن عبد شرحبیل بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار اور عمرو بن جہم اور ابو الروم بن عمیر بن وہب نے ہجرت کی۔

——— اور بنی عبد بن قصی میں سے طلیب بن عمیر بن ابی کبیر نے ہجرت کی۔

——— اور بنی اسد بن عبد العزیٰ بن قصی میں سے اسود بن نوفل بن خویلد نے ہجرت کی۔

——— اور بنی زھرہ بن کلاب میں سے عامر بن ابی وقاص نے (جن کا نام مالک بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ ہے) اور عتبہ بن مسعود بن حارث نے ہجرت کی۔

——— اور بنی تیم بن مرہ میں سے حارث بن خالد بن صخر بن غامر بن کعب بن ربیعہ بن تیم بن مرہ نے اور ان کے ہمراہ ان کی زوجہ ریطہ بنت حارث نے ہجرت کی۔ سرزمینِ حبشہ میں ان کے ہاں موسیٰ بن حارث، عائشہ بنت حارث اور زینب بنت حارث پیدا ہُوئے۔ بنی تیم میں سے عمرو بن عثمان بن کعب بن سعد بن تیم نے بھی ہجرت کی۔

(۳۰۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: وہ مسلمان جنہوں نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں پہنچے (ان بچوں کے علاوہ جنہیں وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے یا جو وہاں پیدا ہوئے) ان سب کی تعداد تراسی تک پہنچتی ہے بشرطیکہ عمارؓ بن یاسر کو بھی ان میں شمار کیا جائے۔ لیکن عمار بن یاسرؓ کے متعلق شک ہے کہ وہ اس ہجرت میں شامل تھے یا نہیں۔

(۳۰۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ جب ابو حذیفہ نے اسلام قبول کیا تو ہند بنت عتبہ نے ان کی ہجو میں یہ اشعار کہے:

الاحوال الابلق المقلوب کلیتہ
ابوحذیفۃ شر الناس فی الدین
ماذا اجزیت ابا رباك من صغر
ثمت غذاك غذاء غیر محجون

ابوحذیفہ دین کے معاملہ میں سب لوگوں سے برا انسان ہے۔ مضطرب اور دگرگوں حالات نے اسے باؤلا بنا دیا ہے۔
تو نے اس باپ کو کیا بدلہ دیا جس نے بچپن سے تیری تربیت کی۔ پھر اس نے تیرے لیے خوراک مہیا کی۔ ایسی خوراک جس میں کسی قسم کا بخل نہیں کیا گیا۔

(۳۰۶) نبیؐ کا مکتوب گرامی بنام شاہِ حبش

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مکتوب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی طرف بھجوایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ھٰذا کتاب من محمد النبی الی النجاشی الاصحم عظیم الحبشہ۔ سلام علی من اتبع الھدٰی وآمن باللہ ورسولہ وشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریك لہ، لم یتخذ صاحبۃ ولا ولدا، وان محمدا عبدہٗ ورسولہ، وادعوك بدعایۃ اللہ فانی انا رسولہ، فاسلم تسلم ویا اھل الکتٰب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرك بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان ابیت فعلیك اثم النصارٰی قومك۔"

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔ یہ مکتوب اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہِ حبش کے نام ہے سلامتی ہے اس کے لیے جو راہِ راست کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد ہے اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں تمہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں بیشک میں اللہ کا رسول ہوں۔ تم اسلام قبول کر لو تمہیں سلامتی حاصل ہو جائے گی۔ اور اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔ اگر تم نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا تو تمہاری قوم نصاریٰ کا گناہ بھی تم پر ہو گا۔"

(۳۰۷) یونس نے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ جب قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا انکار کیا اور اسلامی تحریک کا راستہ روکنے کے لیے شر انگیز ہتھکنڈے استعمال کیے تو عبداللہ بن حارث سہمی نے قریش کے متعلق یہ اشعار کہے:

۔۔۔ت قریش تجحد اللہ حقہ
کما جحدت عاد ومدین والحجر

یہ قریش ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حق کا انکار کر رہے ہیں جس طرح قومِ عاد، اہلِ مدین اور اہلِ حجر نے انکار کیا تھا (جس کی پاداش میں وہ ہلاکت سے دوچار ہوئے)

فان انا لم ابرق فلا یسعنی
من الارض برذو فضاء و لا بحر

اگر میں آنے والے عذاب سے لوگوں کو خوف نہ دلاؤں تو خدشہ ہے کہ مجھے اس زمین کے کھلے اور پُر فضا میدانوں اور سمندروں میں کہیں بھی کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی۔

بارض بها عبد الاله محمد
ابین ما فی النفس اذ بلغ النقر

اس زمین میں جس میں اللہ تعالیٰ کے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں جب حق و باطل کی کش مکش کا آغاز ہو چکا ہے تو میں اپنے مافی الضمیر کو صاف صاف بیان کیے دیتا ہوں۔

باب ۳۰

قریش کی رسولؐ اللہ کو ایذا رسانی

(۳۰۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، مجھ سے یحییٰ بن عروہ نے اپنے باپ عروہ بن زبیر کی روایت بیان کی۔ عروہ نے کہا: میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے دریافت کیا کہ قریش عداوت کی بنا پر رسولؐ کو ایذا دیتے تھے اس ضمن میں سب سے زیادہ تکلیف جو انہوں نے آنحضرتؐ کو پہنچائی، وہ کیا تھی؟ عبداللہ نے کہا: ایک دن میں نے دیکھا کہ قریش کے سردار حجر میں جمع ہیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے آپس میں کہا، ہم نے جتنا صبر اس شخص کے معاملے میں کیا ہے اس کی نظیر کسی دوسرے معاملے میں نہیں ملتی۔ اس نے ہماری عقلوں کو بیوقوف بتایا، ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دیں، ہمارے دین کی عیب چینی کی، ہماری جمعیت میں انتشار پیدا کر دیا اور ہمارے معبودوں کو بُرا کہا۔ لیکن پھر بھی ہم نے ان بڑی بڑی باتوں کو برداشت کیا۔ انہوں نے یہی الفاظ یا اسی قسم کے الفاظ استعمال کیے۔ جب وہ ایسی باتیں کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے۔ آپؐ نے آگے بڑھ کر حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور خانہ کعبہ کا طواف شروع کیا۔ جب آپؐ ان کے پاس سے گزرے انہوں نے آپؐ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ باتیں کہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے ان باتوں کا اثر آنحضرتؐ کے چہرۂ مبارک پر محسوس کیا لیکن آپؐ طواف میں مشغول رہے۔ جب آپؐ دوسری دفعہ کفار کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پھر اشارۃً اسی طرح کی باتیں کیں جن کا اثر آپؐ کے رُوئے انور پر نمایاں تھا لیکن آپؐ مطاف میں چلتے گئے۔ پھر آپؐ تیسری مرتبہ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پھر اسی طرح کی حرکت کی۔ چنانچہ اس دفعہ آپؐ ٹھہر گئے اور فرمایا: "اے گروہِ قریش! کیا تم سنتے ہو؟ اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں تو تم لوگوں کے ذبح کرنے کے لیے آیا ہوں"۔

آنحضرتؐ کے اس کلمہ کی ہیبت ساری قوم پر طاری ہوگئی اور ان میں سے ہر شخص دم بخود ہوگیا کہ جیسے اس کے سر پر پرندہ ہو (کہ بولنے سے اُڑ جائے گا) وہ اس حد تک ہیبت زدہ تھے کہ ان میں سے سخت ترین افراد جو قبل ازیں لوگوں کو آپؐ کے خلاف اکساتے رہتے تھے آپؐ کے سامنے چکنی چپڑی باتیں کرنے لگے اور یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ اے ابوالقاسم! آپؐ بھلائی اور برکت کے ساتھ تشریف لے جائیے، بخدا! آپؐ نے کبھی ایسی سخت باتیں نہ کی تھیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے۔

دوسرے دن کفار پھر مقامِ حجر میں جمع ہوئے میں بھی ان کے ساتھ تھا ان میں سے بعض نے بعض سے کہا،

تمہیں یاد ہے کہ تم لوگوں نے اس سے کیا کہا تھا اور اس نے تمہیں کیا جواب دیا تھا یہاں تک کہ جب اس نے ہانکے پکارے تم سے وہ باتیں کہیں جو تمہیں ناپسند تھیں تو تم نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور یکایک آپ کی طرف جھپٹے اور آپ کا گھیراؤ کر کے کہنے لگے: "تم وہی ہو جو ایسا ایسا کہتے ہو۔ یعنی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم ہمارے معبودوں اور ہمارے دین کی عیب چینی کرتے ہو۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں میں وہی ہوں جس نے ایسا کہا ہے۔" راوی کا بیان ہے کہ میں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے آپ کو پوری چادر سمیت پکڑ لیا۔ ابوبکر صدیقؓ روتے ہوئے آپ کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: "تمہارا ستیاناس! کیا تم اس شخص کے قتل کے درپے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟" پھر لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ یہ واقعہ ان تمام ظالمانہ کارروائیوں سے زیادہ سخت ہے جو قریش نے آپ کے ساتھ روا رکھی تھیں۔ میں نے ایسی بدسلوکی اس سے قبل نہیں دیکھی تھی۔

(۳۰۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یہ روایت ام کلثوم بنت ابوبکرؓ کی اولاد میں سے ایک شخص نے بیان کی کہ ام کلثوم کہتی تھیں کہ اس روز جب حضرت ابوبکرؓ واپس تشریف لائے ان کا سر زخمی تھا کیونکہ کفار انہیں بالوں سے پکڑ کر کھینچتے رہے اور آپؓ کے سر کے بال گھنے تھے۔

(۳۱۰) یونس نے عیسیٰ بن عبداللہ تمیمی کے حوالہ سے ربیع بن انس بکری کی روایت نقل کی۔ ربیع نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آنحضرتؐ نے سجدہ کیا تو ابوجہل نے آکر آپؐ کی گردن کو پامال کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

أرأيت الذي ينهىٰ ۝ عبداً اذا صلّىٰ ۝ (العلق۔ ۹-۱۰)	تم نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جبکہ وہ نماز پڑھتا ہو۔ (یہ منع کرنے والا شخص ابوجہل تھا)
أرأيت ان كان على الهدىٰ ۝ (العلق - ۱۱)	تمہارا کیا خیال ہے اگر (وہ بندہ) راہِ راست پر ہو۔ (بندے سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)
أرأيت ان كذب وتولّىٰ ۝ (العلق۔ ۱۳)	تمہارا کیا خیال ہے اگر (یہ منع کرنے والا شخص حق کو) جھٹلاتا اور منہ موڑتا ہے (یہ شخص ابوجہل تھا)
لئن لم ينته ۝ (العلق۔ ۱۵) سندع الزبانية ۝	ہرگز نہیں، اگر وہ باز نہ آیا (یعنی ابوجہل) ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ کے انیس فرشتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: "اگر اس (یعنی ابوجہل) نے دوبارہ یہ حرکت کی تو عذاب کے فرشتے اسے پکڑ لیں گے۔ چنانچہ وہ باز آگیا اور اس نے پھر کبھی یہ حرکت نہ کی۔

(۲۱۱) یونس نے مبارک بن فضالہ کی وساطت سے حسن کی روایت نقل کی۔ حسن نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے کچھ جاہل لوگ ایک رات آپؐ سے جھگڑتے رہے اور وہ آپؐ کو کہتے تھے کہ تم اپنے آباؤ اجداد کی تکفیر کرتے ہو اور ان کے مذہب کو غلط ٹھہراتے ہو اور تم، یہ کام کرتے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

قل افغیر اللہ تامرونی اعبد ایھا الجٰھلون ۝ ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک ج لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخٰسرین ۝ بل اللہ فاعبد و کن من الشٰکرین ۝ (الزمر۔ ۶۴-۶۶)

(اے نبیؐ!) ان سے کہو " پھر کیا اے جاہلو! تم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کے لیے مجھ سے کہتے ہو؟" (یہ بات تمہیں ان سے صاف کہہ دینی چاہیے کیونکہ) تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے۔ لہٰذا (اے نبیؐ!) تم بس اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔

(۲۱۲) یونس نے ابی معشر کی وساطت سے محمد بن قیس کی روایت نقل کی۔ محمد بن قیس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپؐ کے پاس عتبہ بن ربیعہ اور ابن ام مکتومؓ (نابینا) بیٹھے ہوئے تھے۔ ابن ام مکتومؓ نے آپؐ سے عرض کیا: "یا رسول اللہ! مجھے قرآن کی تعلیم دیجئے۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چیں بجبیں ہوئے اور آپؐ نے اس سے بے رخی کا برتاؤ کیا اس خیال سے کہ اگر آپؐ نے اس کی طرف التفات کیا تو عتبہ اسلام سے بے رغبتی اختیار کرے گا اور اسلام کی طرف مائل نہیں ہو گا کیونکہ وہ تو کہتا تھا کہ یہ اندھے (معذور) اور مسکین لوگ ہی آپؐ کا اتباع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں یہ آیات نازل فرمائیں:

عبس وتولّٰی ۝ لا ان جاءہ الاعمٰی ۝ وما یدریک لعلہ یزکّٰی ۝ لا او یذکر فتنفعہ الذکرٰی ۝ اما من استغنٰی ۝ فانت لہ تصدّٰی ۝ (عبس۔ ۱-۶)

ترش رو ہوئے رُخی برتی اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آ گیا۔ تمہیں کیا خبر، شاید وہ سدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لیے نافع ہو؟ جو شخص بے پروائی برتتا ہے اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو۔ (بے پروائی برتنے والے سے مراد عتبہ ہے)

واما من جاءک یسعٰی ۝ لا وھو یخشٰی ۝ (عبس۔ ۸-۹)

اور جو خود تمہارے پاس دوڑا آتا ہے اور ڈر رہا ہوتا ہے (اس سے ابن ام مکتوم کی طرف اشارہ ہے)

(۲۱۳) یونس نے مسعر بن کدام سے اور اس نے اشعث بن ابی شعثاء کی وساطت سے بنی کنانہ کے ایک آدمی کی روایت نقل کی۔ راوی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا:

یا ایھا الناس، قولوا لا الٰہ الا اللہ، تفلحوا۔

اے لوگو! یہ کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

باب ۲۱

اہلِ عرب کو رسول اللہ کی تبلیغِ عام

(۳۱۴) قبائلِ عرب کو دعوت

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح قبائلِ عرب کو اللہ تعالیٰ اور اسلام کی طرف دعوت دینا شروع کی۔ آنحضرت مختلف قبائل کے پاس بنفسِ نفیس تشریف لے جاتے اور جو ہدایت اور رحمت اللہ کی طرف سے آپ کے پاس آتی اسے لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔

(۳۱۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے زہری نے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی کندہ کی فرود گاہوں میں کچھ لوگوں کے پاس تشریف لے گئے ان میں ان کا سردار فلیح نامی بھی تھا۔ آنحضرت نے انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کی دعوت دی۔ انہوں نے اسے بُرا جانا اور اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔

پھر آپ بنی کلب کے ایک خانوادہ کے پاس تشریف لے گئے جنہیں بنی عبداللہ کہا جاتا تھا۔ آنحضرت نے انہیں فرمایا: "اے بنی عبداللہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو اچھا نام دیا ہے۔" لیکن انہوں نے بھی اسلام کی دعوت کو قبول نہ کیا اور آپ سے روگردانی کی۔

(۳۱۶) طارق بن عبداللہ المحاربی کا واقعہ

یونس نے یزید بن زیاد کی وساطت سے ابو الجعدی سے اور اس نے سامع بن شداد کے حوالہ سے طارق کی روایت نقل کی۔ طارق نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دفعہ دیکھا، ایک دفعہ میں نے آپ کو ذی المجاز کے میلے میں دیکھا جبکہ میں خرید و فروخت کے سلسلہ میں وہاں گیا ہوا تھا، آنحضرت ہمارے پاس سے گزرے۔ آپ نے ایک سُرخ دوشالہ پہن رکھا تھا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: "اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، تم فلاح پاؤ گے۔" ایک دُوسرا شخص آپ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور آپ کو پتھر مارتا جاتا تھا، یہاں تک کہ آپ کی ایڑیاں خُون آلود ہوگئیں، وُہ کہتا جاتا تھا: "اے لوگو! اس کی بات نہ مانو، یہ جھُوٹا ہے۔" راوی کا

بیان ہے: میں نے لوگوں سے پُوچھا: یہ کون ہے؛ لوگوں نے کہا: "یہ عبدالمطلب کے خانوادہ سے ہے۔" میں نے پھر پُوچھا کہ یہ دُوسرا شخص جو اسے پتھر مار رہا ہے وہ کون ہے؛ لوگوں نے کہا: "یہ اس کا چچا عبدالعزیٰ ابولہب بن عبدالمطلب ہے۔"

راوی نے دُوسرا واقعہ یہ بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا تو ہم ربذہ سے نکلے۔ ہمارے ساتھ ایک پالکی بھی تھی۔ ہم نے مدینہ کے نواح میں پڑاؤ کیا اور رات ایک پرانے راستے پر گزاری۔ میرے پاس ایک آدمی آیا جس نے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس نے ہمیں سلام کیا اور پُوچھا: "تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟" میں نے جواب دیا "ربذہ سے۔ اور ہمارے پاس ایک سُرخ اونٹ بھی ہے۔" اس آدمی نے کہا: "کیا تم اونٹ بیچنا چاہتے ہو؟" ہم نے کہا: "ہاں۔" اس نے قیمت دریافت کی۔ ہم نے کہا: "اتنے صاع کھجور۔" اس شخص نے کوئی تقاضا نہ کیا بلکہ کہا کہ مجھے منظور ہے چنانچہ اس نے اونٹ کی مہار پکڑی اور اسے لے گیا اور مدینہ کی آبادی میں لے گیا۔ ہم میں سے بعض نے بعض سے پوچھا "کیا تم اس آدمی کو جانتے ہو؟" ہم میں سے کوئی بھی اس شخص کو پہچانتا نہ تھا۔ چنانچہ ہم نے ایک دوسرے کو ملامت کی کہ تم لوگوں نے ایسے شخص کو اونٹ دے دیا ہے جس سے تمہاری کوئی آشنائی نہیں ہے۔ لیکن ہماری ہودج نشین خاتون نے کہا: "ایک دوسرے کو ملامت نہ کرو۔ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا ہے وہ تم سے دھوکا نہیں کرے گا۔ میں نے چودھویں رات کے چاند سے مشابہ اس شخص کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا چہرہ نہیں دیکھا۔" سرِشام ایک شخص ہمارے پاس آیا اور "السلام علیکم و رحمۃ اللہ" کہنے کے بعد پُوچھا: "کیا تم لوگ ربذہ سے آئے ہو؟" ہم نے کہا: "ہاں۔" اس شخص نے کہا: "میں تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کی حیثیت سے آیا ہُوں آپؐ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ ان کھجوروں میں سے سیر ہو کر کھاؤ اور پھر ان کھجوروں میں سے ماپ کر اپنے اُونٹ کی پوری پُوری قیمت لے لو۔" چنانچہ ہم نے سیر ہو کر کھجوریں تناول کیں اور اس کے بعد ماپ کر اونٹ کی قیمت کی کھجوریں بھی وصول کر لیں۔ پھر اگلی صبح کو ہم مدینہ میں آئے اور ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے آپؐ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: "عطا کرنے والے کا ہاتھ اونچا ہوتا ہے، بخشش اور داد و دہش کی ابتدا اپنے رشتہ داروں سے کرو، یعنی ماں باپ، بہن بھائی اور ان کے بعد دیگر قرابت دار اور نزدیکی۔" وہاں انصار میں سے ایک آدمی تھا، اس نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! یہ بنو ثعلبہ بن یربوع ہیں جنھوں نے دورِ جاہلیت میں فلاں کو قتل کر دیا تھا۔ اس لیے ہمیں ان سے بدلہ دلوائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے یہاں تک کہ میں نے آپؐ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی اور آنحضرتؐ نے فرمایا: "ماں کے قصور کا مواخذہ بیٹے سے نہ ہوگا، ماں کے قصور کا مواخذہ بیٹے سے نہ ہوگا۔"

(۲۱۷) ابُوطالب کا مطالبہ اور ابوبکرؓ کا جواب

یونس نے یزید بن عمرو کے حوالہ سے سعید بن احمد ثوری کی روایت نقل کی۔ راوی نے کہا، جناب ابوطالب نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا اور مطالبہ کیا کہ مجھے اپنی جنّت کے انگوروں میں سے کھلائیے۔ ابوبکر صدیق رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا: "بے شک اللہ تعالیٰ نے جنّت کے پھل کافروں پر حرام کر دئے ہیں۔"

(۳۱۸) یونس نے ابنِ اسحاق کی یہ روایت بیان کی کہ جب ابُوسفیان نے خفاف بن ایماءؓ بن رحضہ کے اسلام کا سنا تو کہا: "آج رات بنی کنانہ کا سردار بے دین ہوگیا ہے۔"

(۳۱۹) کفّار کی زیادتیوں کے باوجود نبیؐ کا حلم

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے یعقوب بن عتبہ نے سالم بن عبداللہ بن عمر کی یہ روایت بیان کی کہ مکّہ میں قریش کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا "اے محمدؐ! کیا مجھے یہ خبر نہیں پہنچی کہ تم گالی گلوچ ——یعنی عربوں کو بُرا بھلا کہنے سے منع کرتے ہو؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں۔" اس شخص نے پہلو بدلا اور آپؐ کے مُنہ کے سامنے اپنی دُبر کو ننگا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت بھیجی اور اس کے لیے بددُعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں یہ آیت نازل فرمائی:

لیس لك من الامر شئ او یتوب علیھم او یعذ بھم فانھم ظالمون ہ (آل عمران - ۱۲۸)

(اے پیغمبر!) فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، اللہ کو اختیار ہے چاہے انھیں معاف کرے چاہے سزا دے، کیونکہ وُہ ظالم ہیں۔

چنانچہ اس شخص نے اسلام قبول کر لیا اور اسلام کے تقاضے بطریقِ احسن پُورے کیے۔

(۳۲۰) کفّار کی حضرت فاطمہؓ بنت النبیؐ کو ایذا رسانی

یونس نے یونس بن عمرو کے حوالہ سے اپنے باپ کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت فاطمہؓ دخترِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت باہر نکلیں تو ایک قریشی لڑکے نے آپؓ کو زخمی کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ نے آلِ عبدشمس کو پکارا۔ چنانچہ ابُوسفیان نکل آیا اور دُوسری جانب سے ابوجہل بھی آگیا۔ ابوجہل نے کہا: "اے اباسفیان! یہ میرا ہاتھ آپ کے اختیار میں ہے آپ مجھ سے بدلہ لے لیں۔" یہ سُن کر ابوسفیان واپس چلا گیا۔

(۳۲۱) یونس نے زکریا بن ابی زائدہ کے حوالہ سے شعبی کی یہ روایت بیان کی کہ اس سے "زنیم" کے متعلق سوال کیا گیا اس نے کہا: زنیم وُہ شخص ہے جو لوگوں میں اپنے شر کی وجہ سے مشہور و معروف ہو اور وہ اخنس بن شریق ثقفی ہے جس کے متعلق قرآن کی یہ آیت نازل ہُوئی:

عتلّ بعد ذالك زنیم ہ (القلم - ۱۳)

جفاکار ہے، اور ان سب عیوب کے ساتھ اپنے شر کی وجہ سے مشہور ہے۔

(۳۲۲) نبیؐ اور آپؐ کے رضاعی باپ

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے میرے والد اسحاق بن یسار نے بنی سعد بن بکر کے کچھ آدمیوں کی روایت بیان کی۔ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی باپ حارث بن عبدالعزیٰ آنحضرتؐ کی خدمت میں مکہ میں حاضر ہوا، قریش نے اس کے پاس جاکر اسے کہا: "اے حارث! کیا تُو نے نہیں سُنا کہ تیرا یہ بیٹا کیا کہتا ہے!" حارث نے پُوچھا: "وہ کیا کہتا ہے؟" قریش نے کہا: اس کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے گا اور اس جہان کے بعد ایک اور جہان بھی ہے جہاں اللہ تعالیٰ بدکرداروں کو عذاب دے گا اور فرمانبرداروں کو عزّت واکرام سے نوازے گا۔ اس کی وجہ سے ہم تشتت و افتراق کا شکار ہو گئے ہیں اور ہماری جمعیت پراگندہ ہوگئی ہے۔" حارث آپؐ کے پاس آیا اور کہا: "بیٹے! آپؐ کا اپنی قوم کے ساتھ کیا اختلاف ہے وہ لوگ آپؐ کی شکایت کرتے ہیں۔ وُہ گمان کرتے ہیں کہ آپؐ اس بات کے مدعی ہیں کہ لوگوں کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائے گا اور انہیں جنّت یا دوزخ میں بھیجا جائے گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں، میں اس بات کا مدعی ہُوں، اور اے میرے باپ! اس دن میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو آج کی یہ باتیں یاد دلاؤں گا۔" حارثؓ اس کے بعد مسلمان ہو گئے اور اسلام کے تقاضے احسن طریق سے پُورے کیے۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو وُہ یہ کہتے تھے: "اگر میرے بیٹے نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آج کی یہ باتیں یاد دلائیں تو ان شاء اللہ وُہ مجھے جنّت میں داخل کرا کر چھوڑیں گے۔"

(۳۲۳) مکّہ میں حضرت ابوبکرؓ کی اپنے گھر میں مسجد

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، مجھ سے زہری نے عروہ کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی۔ ام المومنینؓ نے فرمایا: "حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کے سامنے کھلے صحن میں ایک مسجد بنا رکھی تھی، جب آپ اس مسجد میں نماز ادا کرتے اور قرآن پڑھتے تو بہت زیادہ روتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی اس رقت کی وجہ سے عورتیں، بچّے اور غلام اکٹھے ہو جاتے تھے اور بہت زیادہ متاثر ہوتے تھے۔

جب مکّہ میں مسلمان کفار کی ایذا و تعدی کا شکار ہُوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ وہ مکّہ سے نکل کھڑے ہوئے اور دو دن کی راہ گئے تھے کہ ابن الدغنہ ان کو ملا۔ یہ شخص بنی حارث بن عبد مناۃ بن کنانہ سے تھا اور احابیش کا سردار تھا۔ اس نے آپ کو کہا: "اے ابوبکرؓ! کہاں کا ارادہ ہے؟" ابوبکرؓ نے فرمایا: "میری قوم نے مجھے اذیت پہنچائی ہے اور شہر بدر کر دیا ہے، میں کسی ایسی جگہ چلا جانا چاہتا ہُوں جہاں میں ان کی

ایذارسانی سے بچ جاؤں اور مجھے امن حاصل ہو جائے۔" اس نے کہا: "ایسا نہیں ہو سکتا۔ بخدا! تم تو قبیلے کی زینت ہو، تکالیف میں لوگوں کی اعانت کرتے ہو اور ان کے ساتھ نیکی کرتے ہو، ناداروں کو کما کر دیتے ہو، واپس چلو، میں تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔" ابوبکرؓ واپس چلے آئے۔ جب مکہ پہنچے تو ابن الدغنہ نے اعلان کیا کہ اے گروہِ قریش! میں نے ابو قحافہ کے بیٹے کو پناہ دی ہے اب کوئی شخص انہیں ایذا نہ پہنچائے۔ چونکہ احابیش کا اہلِ مکہ کے ساتھ حلیفانہ معاہدہ تھا اس لیے جب احابیش کے سردار نے حضرت ابوبکرؓ کو پناہ دے دی تو یہ پناہ بالواسطہ قریشِ مکہ کی طرف سے تھی۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ دست درازی کرنے سے باز آ گیا۔

ابوبکرؓ مکہ میں اپنے گھر کی مسجد میں نماز ادا کرتے تھے اور ان کی نماز میں تلاوتِ قرآن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اس لیے قریش کے لوگ ابن الدغنہ کے پاس گئے اور اسے کہا: "اے ابن الدغنہ! جس شخص کو تم نے پناہ دے رکھی ہے اس کا حال دوسروں سے مختلف ہے وہ جب اس کلام کی تلاوت کرتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں تو وہ رونے لگتا ہے اور اس میں ایسی کشش اور تاثیر ہے کہ ہمارے کمزور لوگ اور عورتیں اور خادم اس کے گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں، اس لیے تم اسے حکم دو کہ وہ اس طرح تلاوت کرنے سے ہمیں اذیت نہ پہنچائے اور اس جگہ کے علاوہ اپنے گھر کے اندر کسی دوسری جگہ نماز پڑھا کرے۔" ابن الدغنہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا اور انہیں کہا: "اے ابوبکرؓ! میں نے تمہیں اس لیے پناہ دی تھی کہ تم اپنی قوم کو ایذا پہنچاؤ؟ اس جگہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز پڑھا کرو۔" ابوبکرؓ نے فرمایا: "یا اس کے سوا کوئی اور متبادل تلاش کر لیا جائے؟" ابن الدغنہ نے کہا: "وہ متبادل تجویز کیا ہے؟" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "وہ تجویز یہ ہے کہ میں تمہارا ذمہ واپس کر دوں اور اللہ کے ذمے پر راضی ہو جاؤں۔" ابن الدغنہ نے کہا: "ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "اچھا، میں نے تمہاری پناہ تمہیں واپس کر دی۔" ابن الدغنہ نے کہا: "اے گروہِ قریش! ابوبکرؓ نے میری پناہ مجھے واپس کر دی ہے اب تم جانو اور تمہارا ساتھی (ابوبکرؓ) جانے۔"

باب ۳۲

سیّد ابُوطالب کی وفات

(۳۲۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عاصی بن سعید (حمید بن عاصی، عاصی بن وائل) اور امیہ بن خلف نے کہا: "اے گروہِ قریش! معاملہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ابوطالب صاحب الرائے، شریف اور سن رسیدہ بزرگ ہیں، وہ تمہارے دین پر ہیں اور آج شدید بیمار ہیں، چلو ان کے پاس چلیں اور ان سے برابری کی بنیاد پر بات کریں تاکہ وُہ اپنے بھتیجے سے ہمیں عہد لے دیں اور ان کے لیے ہم سے عہد لے لیں۔ بیشک عمرؓ بن خطاب اور حمزہؓ بن عبدالمطلب تم سے کٹ چکے ہیں اور تمہارے دین کے مخالف بن چکے ہیں۔ چنانچہ اب تمہاری لڑائی اپنی قوم کے ساتھ ہوگی۔"

چنانچہ یہ لوگ نکل کھڑے ہُوئے اور جناب ابوطالب کے پاس جاکر انہیں کہا: "آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان بیوقوفوں نے آپ کے بھتیجے کے ساتھ مل کر کیا کرتوت شروع کر رکھی ہے۔ انہوں نے ہمارے معبودوں کو چھوڑ دیا ہے، ہمارے دین میں طعنہ زنی کی ہے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے درمیان تفرقہ پیدا کر دیا ہے۔ ہمارے معبودوں کا انکار کیا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دی ہیں۔ آپ اپنے بھتیجے کو بلائیں اور ہمارے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیں۔" جناب ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا۔ آنحضرتؐ تشریف لے آئے۔ ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "یہ آپ کی قوم کے لوگ ہیں۔ عمر رسیدہ اور اشراف ہیں۔ وہ آپؐ سے ایک انصاف کی بات کرنا چاہتے ہیں، آپؐ انہیں بالکل ہی نظرانداز نہ کر دیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا: "آپ لوگ اپنا موقف پیش کریں میں آپ کی بات سُنوں گا۔" ابوجہل بن ہشام نے کہا: "ہم آپ کے متعلق کوئی بات نہیں کریں گے۔ آپؐ ہمیں اور ہمارے معبودوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور ہم آپؐ کو اور آپؐ کے رب کو چھوڑے دیتے ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہاری مشکل آسان کیے دیتا ہُوں اور تمہیں ایک ایسے کلمے کی طرف بلاتا ہُوں جس میں تمہارے لیے خیر و برکت ہے۔ اس کے ذریعہ سے تم عرب کے فرمانروا بن جاؤ گے اور عجم تمہارے زیرِ نگین آجائے گا۔" ابوجہل نے مذاق کے انداز میں کہا: "ہمیں نرالے آدمی سے پالا پڑ گیا ہے۔" اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یُوں مخاطب ہوا: "ہم نے آپؐ کے سامنے ایک تجویز پیش کی ہے اور ہم ایسی دس تجاویز پیش کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا : "اس بات کا اقرار کرو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ، وُہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے"
انھوں نے آپؐ کی بات کو ناپسند کیا اور یہ کہتے ہوئے نکل گئے :

امشوا واصبروا علیٰ الھتکم ۖ ان ھٰذا لشیٔ یراد ۖ ماسمعنا بھذا فی الملۃ الأخرۃ ۖ ان ھذا الا اختلاق ۖ ءانزل علیہ الذکر من بیننا ط بل ھم فی شك من ذکری ۚ بل لما یذوقوا عذاب ؕ (صٓ ۔ ۶ ۔ ۸)	"چلو اور ڈٹے رہو اپنے معبودوں کی عبادت پر ۔ یہ بات تو کسی اور ہی غرض سے کہی جا رہی ہے ۔ یہ بات ہم نے زمانہ قریب کی ملت میں کسی سے نہیں سُنی ۔ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک من گھڑت بات ۔ کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص رہ گیا تھا جس پر اللہ کا ذکر نازل کر دیا گیا ؟" اصل بات یہ ہے کہ یہ میرے "ذکر" پر شک کر رہے ہیں اور یہ ساری باتیں اس لیے کر رہے ہیں کہ انھوں نے میرے عذاب کا مزا چکھا نہیں ۔

سرداران قریش ابو طالب کے پاس اس وقت گئے تھے جب حضرت عمرؓ کے ایمان لانے پر وہ بوکھلا گئے تھے اور حضرت عمرؓ کی باتیں سن چکے تھے ۔

(۲۲۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف سے حق کی تکذیب دیکھی تو فرمایا : "میں نے اپنی قوم کو ایک بات کی دعوت دی اور میں نے بات کرنے میں حد سے تجاوز نہیں کیا ۔" آپؐ کے چچا نے کہا : "ہاں ، آپؐ نے زیادتی نہیں کی ۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا کی یہ بات بھلی معلوم ہوئی اور آپؐ نے فرمایا : "چچا جان ! آپ نے مجھ پر احسان کیے ہیں اور آپ میرے ساتھ ہمیشہ حُسنِ سلوک سے پیش آتے رہے ہیں ۔ آج میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے کہ میں آپ کے احسانات کا بدلہ چکا سکوں ما سوائے اس بات کے کہ میں آپ سے ایک کلمہ کا طالب ہوں جس کے ذریعہ سے مجھے اپنے رب کے ہاں آپ کی شفاعت کرنے کا جواز حاصل ہو جائے گا وہ کلمہ یہ ہے کہ آپ اس بات کا اقرار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وُہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کی وجہ سے آپ کو مرتے وقت بزرگی حاصل ہو جائے گی ، اب آپ دنیا سے رحلت فرما رہے ہیں اس کلمہ کی برکت سے آپ کو آخرت میں اعلیٰ مقام حاصل ہوگا ۔" آپؐ کے چچا نے کہا : "اگر مجھے اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ قریش کہیں گے کہ مجھ پر موت نے گھبراہٹ طاری کر دی تھی اور وہ اس بارے میں آپؐ پر اور آپؐ کے بھائیوں پر ذلت آمیز طعنہ زنی کریں گے تو میں وُہ کلمہ ضرور کہہ دیتا جس کی تلقین آپؐ مجھے کر رہے ہیں اور اس طرح میں آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈک مہیا کرتا کیونکہ میں آپؐ کی طرف سے خیر خواہی اور محبت بھرے جذبات کا مشاہدہ کر رہا ہُوں ۔"

پھر جناب ابو طالب نے بنی عبد المطلب کو بلایا اور وصیت کی کہ "تم ہمیشہ بخیریت رہو گے جب تک کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سُنتے رہو گے اور آپؐ کے حکم کا اتباع کرتے رہو گے ، لہٰذا آپؐ کی پیروی اختیار کرو اور آپؐ کی تصدیق کرو اور اس طرح تمھیں ہدایت نصیب ہوگی ۔" اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا سے فرمایا : "آپ ان لوگوں کو تو نصیحت فرما رہے ہیں لیکن خود اپنے آپ کو کیوں چھوڑے دے رہے ہیں ؟" چچا نے جواب دیا : "اگر آپؐ

اس کلمہ کا مطالبہ مجھ سے اس وقت کرتے جب میں صحت مند تھا تو میں آپؐ کی بات مان جاتا مگر میں اس بات کو مکروہ سمجھتا ہوں کہ موت کی گھبراہٹ سے اُکھڑ جانے والا قرار دیا جاؤں اور قریش میرے متعلق یہ رائے قائم کریں کہ میں نے موت کے وقت اس کلمہ کو اختیار کر لیا حالانکہ تندرستی کی حالت میں مَیں نے اسے رد کر دیا تھا۔" اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں یہ آیت نازل فرمائی :

انك لا تهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشآء وهو اعلم بالمهتدين ٥ (القصص - ۵۶)

(اے نبیؐ!) تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔

(۳۲۶) یونس نے یحییٰ بن ابی انیسہ کے حوالہ سے زہری سے اور اس نے سعید بن مسیّب کی وساطت سے اس کے باپ کی یہ روایت بیان کی کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی وہاں موجود تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے فرمایا: "چچا جان! کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ میں اللہ کے ہاں اس کلمہ کے بارے میں آپ کے حق میں گواہی دُوں گا۔" ابوجہل نے کہا: "بخدا! اے ابو طالب! کیا آپ عبدالمطلب کے طریقے سے انحراف کریں گے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اس کلمہ کو دُہراتے رہے اور ابوجہل اپنی بات دُہراتا رہا، یہاں تک کہ آخری بات جو ابو طالب نے آپؐ سے کہی وہ یہ تھی: "عَلٰی مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ۔ عبدالمطلب کے طریق پر۔" اور انہوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے انکار کر دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بخدا! مَیں آپ کے لیے معافی ضرور چاہوں گا جب تک کہ مجھے ایسی دعا کرنے سے روک نہ دیا جائے۔" اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

ماكان للنبى والذين اٰمنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا اولى قربٰى من بعد ما تبين لهم انهم اصحٰب الجحيم ٥ (التوبہ - ۱۱۳)

نبیؐ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دُعا کریں، چاہے وُہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وُہ جہنم کے مستحق ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

انك لا تهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشآء وهو اعلم بالمهتدين ٥ (القصص - ۵۶)

(اے نبیؐ!) تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔

---

[1] نبیؐ نے اپنے قرابتداروں کو کھانے پر بلا کر اس کلمہ کی دعوت دی تھی اور آنحضرتؐ مدت العمر اس کی دعوت دیتے رہے اس لیے جناب ابو طالب کے جواب کا یہ حصہ محلِ نظر ہے۔ مترجم

(۴۲۷) یونس نے قیس بن ربیع کے حوالہ سے حبیب بن ابی ثابت کی روایت نقل کی - حبیب نے کہا، مجھ سے اس شخص نے یہ روایت بیان کی جس نے اسے ابن عباسؓ سے سنا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول :

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ۔ — وہ اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دُور بھاگتے ہیں۔

(الانعام - ۲۶)

کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ یہ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ جناب ابوطالب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی سے لوگوں کو روکتے تھے اور خود بھی اس ہدایت سے دُور بھاگتے تھے جو آنحضرتؐ ان کے پاس لے کر آئے تھے۔

(۴۲۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، مجھ سے عباس بن عبداللہ بن معبد نے اپنے کسی اہلِ خانہ کے حوالہ سے ابنِ عباسؓ کی روایت بیان کی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابوطالب کی آخری بیماری میں ان کے پاس تشریف لائے تو فرمایا: "چچا جان! کہو لآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہُ۔ اس طرح مجھے قیامت کے دن آپ کی شفاعت کرنے کا جواز حاصل ہو جائے گا۔" ابوطالب نے کہا: "بخدا! اے بھتیجے! اگر تم پر اور تمہارے اہلِ بیت پر قریش کی طعنہ زنی اور اس زبان درازی کا خوف نہ ہوتا کہ میں نے موت سے گھبرا کر یہ کلمہ پڑھا ہے تو میں اس کلمے کا ضرور اقرار کرتا اور میں تم سے یہ بات بھی صرف تمہاری خوشنودی کے لیے کہہ رہا ہوں۔" جب ابوطالب کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو دیکھا گیا کہ ان کے ہونٹ متحرک ہیں۔ حضرت عباسؓ ان کی طرف جھکے تاکہ ان کی آواز کو سن سکیں۔ پھر حضرت عباسؓ نے اپنا سر اٹھایا اور کہا: "یا رسول اللہ! بخدا! انہوں نے وہ کلمہ کہا ہے جس کے کہنے کا آپؐ نے ان سے مطالبہ کیا تھا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَمْ اَسْمَعْ - میں نے نہیں سنا۔"

(۴۲۹) یونس نے سنان بن اسماعیل حنفی کے حوالہ سے یزید رقاشی کی روایت نقل کی۔ یزید رقاشی نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: "یا رسول اللہ! آپؐ کے چچا آپؐ پر مہربان تھے اور دشمنوں کے مقابلہ میں آپؐ کی حمایت و حفاظت کرتے تھے۔ آخرت میں ان کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ دوزخ کے پایاب حصے میں ہوں گے۔" آنحضرتؐ سے دریافت کیا گیا کہ کیا دوزخ میں پایاب اور گہرے ہر طرح کے درجات ہیں؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں، دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب جس شخص کو دیا جائے گا اس کو آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے لیکن یہ آگ بھی اس قدر بھڑکے گی کہ اس سے اس کا دماغ کھولنے لگے گا اور پگھل کر بازوؤں اور ٹانگوں تک بہنے لگے گا۔ سنان کے بقول اسے یہ خبر پہنچی کہ اس امر کی منادی کرا دی گئی تھی کہ کسی کو آگ کا عذاب نہ دیا جائے اور اس ہدایت کی پوری پابندی کی جائے کیونکہ آگ میں وہ شدت ہے جو ہے۔

(۴۳۰) یونس بن بکیر نے یونس بن عمرو کے حوالہ سے اپنے باپ سے اور اس نے ناجیہ بن کعب کی وساطت سے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی روایت نقل کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، جب ابوطالب فوت ہو گئے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: "بیشک آپؐ کے کافر چچا ابوطالب فوت ہو چکے ہیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم جاؤ اور انہیں دفن کرو۔" میں نے کہا: "بخدا! میں انہیں دفن نہیں کروں گا۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اگر تم یہ کام نہیں کرو گے تو کون کرے گا؛ جاؤ انہیں دفن کرو اور میرے پاس واپس آنے تک کوئی بات نہ کرو۔" چنانچہ میں چلا گیا اور انہیں دفن کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آ گیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "جاؤ اور غسل کر کے میرے پاس آؤ۔" میں نے تعمیلِ ارشاد کی اور پھر آنحضرتؐ کے پاس آ گیا جب میں حاضر ہوا تو آپؐ نے مجھے ایسی دعائیں دیں کہ میں ان کے بدلہ میں اس کائناتِ ارضی کی جملہ اشیا کو پرِکاہ کے برابر نہیں سمجھتا۔

(۳۳۱) یونس نے ہشام بن عروہ کی وساطت سے اپنے باپ کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب ابوطالب بسترِ مرگ پر تھے تو قریش میرے لیے مسلسل رکاوٹ بنے رہے تاکہ میں انہیں تلقین کر سکوں یہاں تک کہ ابوطالب فوت ہو گئے۔"

(۳۳۲) مرثیہ

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ جب ابوطالب فوت ہو گئے تو حضرت علیؓ بن ابی طالب نے ان کا یہ مرثیہ لکھا:

ارقت لنوح آخر اللیل عـرد ا اباطالب ماوی الصعالیك ذا الندی	میں نے آخرِ شب کا انتخاب کیا تاکہ شدت سے نوحہ کرتے ہوئے جناب ابوطالب پر آنسو بہاؤں جو فقیروں اور محتاجوں کا ملجا و ماویٰ اور سخی تھے۔
وذا الحلم لاجلفا ولم یك قعـددا لشیخی ینعی والرئیس المسـودا	وہ حلیم الطبع تھے اور اکھڑ مزاج نہ تھے اور میرے شیخ و رئیس جنہیں قوم نے سردار بنایا ہوا تھا ان کی موت کی خبر دینے والا بھی کمینہ نہ تھا۔
اخا الهلك خلا ثلمـه سیسـدها بنوهاشم اوتستباح وتضهد ا	وہ لقمۂ اجل ہو گئے لیکن ان کی موت سے قبیلہ میں کوئی کمزوری واقع نہیں ہوئی۔ بنی ہاشم اس خلا کو بھر دیں گے خواہ ان کے خلاف اقدام کیا جائے یا ان پر ظلم روا رکھا جائے۔
فامست قریش یفرحون لفقـده ولست اری حیا لشئ مخـلدا	قریش ان کی موت سے خوش و خرم ہیں حالانکہ میں دیکھتا ہوں کہ اس دنیا میں کسی جاندار کو بھی ہمیشگی حاصل نہیں ہے۔
ارادوا امورا زینتها حلومهم ستورد هم یوما من الغی موردا	انہوں نے ایسے منصوبے بنائے جنہیں ان کی عقلوں نے ان کے سامنے خوشنما کر کے پیش کیا اور یہ ہتھکنڈے انہیں ایک نہ ایک دن انتہائی گمراہی میں ڈال دیں گے
یرجون تکذیب النبی و قتـله وان یفتروا بهتا علیـه وجحدا	انہوں نے نبیؐ کے خلاف تکذیب و انکار اور افترا پردازی و بہتان طرازی کی روش اختیار کی اور وہ آنحضرتؐ کے قتل کے درپے ہیں۔

كذبتم و بيت الله حتى نذيقكم
صدور العوالي والصفيح المهندا

تم نے جھٹلایا۔ بیت اللہ کی قسم! ہم تمہیں نیزوں کی انیوں اور چوڑی اور تیز تلواروں کی مار کا مزہ چکھائیں گے۔

ويبدوا منظر ذو كريهة
اذا ما سربلنا الحديد المسردا

جب ہم لوہے کی زرہیں پہنیں گے تو ایسی معرکہ آرائی کریں گے کہ مکروہ مناظر دیکھنے میں آئیں گے۔

فاما تبيدونا و اما نبيدكم
و اما تروا سلم العشيرة ارشدا

پھر تم ہمیں ختم کر دو یا ہم تمہیں نیست و نابود کر دیں یا تم قبیلے کی بھلائی چاہو اور راہِ راست پر آ جاؤ۔

والا فان الحي دون محمد
بنو هاشم خير البرية محتدا

ورنہ قبیلہ بنی ہاشم جو بہترین خلائق ہے اور ایک جمع شدہ لشکر ہے اور وہ حضرت محمدؐ کی حمایت میں جنگ آزمائی کرتا رہے گا۔

وان له منكم من الله ناصرا
ولست ارى حيا لشئ مخلدا

بیشک تمہارے مقابلہ میں اللہ کی طرف سے آنحضرتؐ کی امداد کرنے والی ایک ہستی ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ اس دنیا میں کسی جاندار کو بھی ہمیشگی حاصل نہیں ہے۔

نبي اتانا بالوحي من كل حطة
فسماه ربي في الكتاب محمدا

وُہ نبی ہیں جو ہمارے پاس وحی لے کر آئے ہیں جس میں ہماری مغفرت کا سامان ہے۔ میرے پروردگار نے اپنی کتاب میں آپؐ کو محمدؐ کے نامِ نامی سے موسوم کیا ہے۔

اغر كضوء الشمس صورة وجهه
جلاء الغيم عنه ضوؤه فتعددا

آپؐ کے چہرے کی صورت سُورج کی روشنی کی مانند چمک دمک دکھا رہی ہے آپؐ کی روشنی ترقی پذیر ہے جس سے تاریکی کافور ہو رہی ہے۔

امين على ما استودع الله قلبه
وان قال قولا كان فيه مسددا

اللہ تعالیٰ نے جو پیغام آپؐ کے قلب مبارک کو ودیعت فرمایا آپؐ اس کے امین ہیں اور آنحضرتؐ کی ہر بات راستی و درستی اور سلامت روی پر مبنی ہے۔

حصّہ پنجم

باب ۳۴

وفاتِ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنتِ خویلد

(۲۲۹ ۔ الف) شیخ ابوالحسین احمد بن محمد بن نقور البزار نے ابوطاہر محمد بن عبدالرحمان المخلص کی وساطت سے ابوالحسین رضوان بن احمد کی روایت نقل کی ۔ ابوالحسین رضوان نے کہا کہ ابوعمر احمد بن عبدالجبار عطاردی نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت بیان کی ۔ ابن اسحاق نے کہا : پھر خدیجہؓ بنت خویلد اور جناب ابوطالب ایک ہی سال میں وفات پا گئے ۔ حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کے انتقال کے صدمے آنحضرتؐ کو بہت جلدی پے درپے برداشت کرنے پڑے ۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام کے معاملہ میں آپؐ کی حقیقی مددگار اور تکالیف میں آپؐ کی غمگسار تھیں ۔

(۲۳۰ ۔ الف) جنّت میں خدیجہؓ کا گھر

یونس نے فائد بن عبدالرحمان عبدی کے حوالہ سے عبداللہ بن ابی اوفی کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ؛ "میرے پاس اللہ کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور اس نے خدیجہؓ کے بارے میں یہ بشارت دی کہ ان کے لیے جنّت میں ایک جوفدار موتی کا محل ہوگا ۔ اس محل میں نہ توشور وشغب ہوگا اور نہ رنج وافسردگی ۔

(۲۳۱ ۔ الف) حضرت خدیجہؓ و عائشہؓ

یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی ۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے مجھ کو جس قدر رشک حضرت خدیجہؓ پہ ہوتا تھا اتنا کسی دوسری بیوی پر نہیں ہوتا تھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے ۔ ان کی وفات کے تین سال بعد آنحضرتؐ نے مجھ سے نکاح کیا ۔ آنحضرتؐ کے پروردگار نے آپؐ کو حکم دیا تھا کہ آپؐ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ بشارت دیں کہ ان کے لیے جنّت میں ایک جوفدار موتی کا محل ہوگا جس میں نہ توشور وغل ہوگا اور نہ رنج وافسردگی ۔

(۳۳۲-الف) حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کے ساتھ نبیؐ کا حُسنِ سلوک

یونس نے عبدالواحد بن ایمن مخزومی کے حوالہ سے ابونجیح ابوعبداللہ بن ابونجیح کی روایت نقل کی۔ ابونجیح نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مذبوحہ بکری یا گوشت بطور ہدیہ پیش کیا گیا آپؐ نے اس میں سے ایک ہڈی لے لی اور اس ہدیہ کو اپنے دستِ مبارک میں لے کر فرمایا کہ اسے فلاں عورت کے پاس لے جاؤ۔ حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے کہا "آپؐ نے اپنے ہاتھ میں گوشت کی بساند اور چکنائی کیوں لگالی ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس عورت کے بارے میں خدیجہؓ نے وصیت کی تھی۔ حضرت عائشہؓ کو اس پر غیرت آئی اور کہا: "گویا کہ رُوئے زمین پر خدیجہؓ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں ہے!" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں اُٹھ کر چلے گئے اور جب تک اللہ نے چاہا اسی حالت میں رہے پھر واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ ام رومانؓ (حضرت عائشہؓ کی والدہ) آئی ہوئی ہے۔ ام رومانؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپؐ کا اور عائشہؓ کا کیا معاملہ ہے؟ وہ ابھی کم سن ہے اور آپؐ اسے معاف فرمادینے کے زیادہ حقدار ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے جبڑے کو پکڑا اور کہا: "کیا تم نے یہ نہیں کہا کہ گویا خدیجہؓ کے سوا رُوئے زمین پر کوئی دیگر عورت ہی نہیں ہے؟ بخدا! وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی جب تمہاری قوم نے کفر کی روش اختیار کی اور اس کے بطن سے میرے ہاں اولاد ہوئی جو کسی دوسری بیوی سے نہیں ہوئی۔"

(۳۳۳) دُنیا و آخرت کی برگزیدہ عورتیں

یونس نے ہشام بن عروہ کی وساطت سے اس کے باپ عروہ سے اور عروہ نے عبداللہ بن جعفر کے حوالہ سے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی روایت نقل کی۔ حضرت علیؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ زمانۂ قدیم کی تمام عورتوں پر مریمؑ بنت عمران کو فضیلت حاصل ہے اور دورِ جدید کی تمام عورتوں سے افضل خدیجہؓ بنت خویلد ہیں۔

(۳۳۴) یونس نے حسن بن دینار کے حوالہ سے حسن کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان چار عورتوں کو دُنیا کی تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے:

(۱) مریمؑ بنتِ عمران

(۲) آسیہ زوجہ فرعون

(۳) خدیجہؓ بنتِ خویلد اور

(۴) فاطمہؓ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۳۳۵) یونس نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں جملہ معلومات حرف بحرف ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ہیں۔

(۲۳۶) حضرت خدیجہؓ کی اولاد

یونس نے ابنِ اسحاق سے یہ روایت نقل کی کہ سب سے پہلی خاتون جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا وہ خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح سے قبل جب حضرت خدیجہؓ باکرہ تھیں تو ان کا پہلا نکاح عتیق بن عائذ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم سے ہوا اور ان کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی پھر عتیق فوت ہو گیا۔ اس کے بعد بنی عمرو بن تمیم کے ایک شخص نے (جو بنی عبد الدار کا حلیف تھا) جس کا نام ابو ہالہ نباش بن زرارہ تھا حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا۔ اس کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر وہ بھی فوت ہو گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کو اپنی زوجیت سے نوازا۔ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آپؐ کے ہاں چار بیٹیاں ——— زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ پیدا ہوئیں، ان کے بعد یہ صاحبزادے ——— قاسم اور طاہر اور طیب پیدا ہوئے[1]۔ سب صاحبزادے شیر خوارگی میں فوت ہوئے۔

(۲۳۷) یونس نے ابراہیم بن عثمان بن حکم سے اور اس نے مقسم کی وساطت سے ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے دو صاحبزادے ——— قاسم اور عبد اللہ، اور چار صاحبزادیاں ——— فاطمہؓ، ام کلثومؓ، زینبؓ اور رقیہؓ پیدا ہوئیں۔

(۲۳۸) یونس نے ابی عبد اللہ جعفی سے اور اس نے جابر کے حوالہ سے محمد بن علی کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے "قاسم" چوپائے کی سواری اور اچھی نسل کی اونٹنی پر سیر کرنے کے قابل ہو چکے تھے جب وہ اللہ کو پیارے ہو گئے تو عمرو بن عاصی نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسل ختم ہو چکی ہے، اب وہ ابتر ہیں۔ اس پر اللہ عزّ وجل نے یہ آیات نازل فرمائیں:

انا اعطینٰك الكوثر ○ فصل لربك وانحر ○ ان شانئك هو الابتر ○

(اے نبیؐ!) ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا (یعنی قاسم کی وفات کی مصیبت کے عوض ہم نے تمہیں خیر اور بھلائی اور نعمتوں کی کثرت عطا کر دی ہے) پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔

(الکوثر - ۱ - ۳)

(۲۳۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت رقیہؓ سے نکاح کیا۔ جب حضرت رقیہؓ فوت ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کا نکاح حضرت ام کلثومؓ سے کر دیا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ہاں حضرت رقیہؓ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبد اللہ تھا۔ یہ لڑکا صغر سنی میں

---

[1] نبیؐ کے صاحبزادگان کا نام قاسمؓ اور عبد اللہؓ ہے۔ طاہر اور طیب حضرت عبد اللہؓ کے القاب ہیں۔

بر خوارگی کے عالم میں فوت ہو گیا اور عبداللہ ہی کے نام سے حضرت عثمانؓ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔

۴۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت زینبؓ کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے
ا۔ ان کے صلب سے حضرت زینبؓ کی دو اولادیں پیدا ہوئیں — ایک دختر "امامہ" اور ایک فرزند "علی"۔ علی لڑکپن
، فوت ہو گئے۔ امامہ باقی رہ گئیں۔ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ کا عقدِ ثانی حضرت امامہؓ سے ہوا۔ حضرت
ؓ کے قتل کے بعد یہ مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کی زوجیت میں آگئیں اور حضرت امامہؓ کا انتقال مغیرہ کے
، ہی ہوا۔

باب ۲۴

حضرت فاطمہؓ کا نکاح

(۱۴۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق سے روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے عبداللہ بن ابی نجیح نے مجاہد کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی روایت بیان کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہؓ سے عقد کرنے کی استدعا کی۔ میری ایک آزاد کردہ کنیز نے مجھے کہا: "کیا آپؓ کو معلوم ہے کہ حضرت فاطمہؓ سے عقد کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام آئے ہیں؟" میں نے کہا: "مجھے معلوم نہیں ہے۔" اس عورت نے پیغامات کے بارے میں توثیق کی اور حضرت علیؓ کو کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں، آنحضرتؐ آپؓ کے ساتھ فاطمہؓ کا نکاح کر دیں گے۔ لیکن مجھے اپنی بے سروسامانی پر تامل ہوا۔ اس عورت نے پھر کہا کہ اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں تو آنحضرتؐ آپ کا نکاح کر دیں گے۔ بخدا! وہ عورت مجھے اس کام کی امید دلاتی رہی یہاں تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ جلال و ہیبت تھے۔ جب میں آپؐ کے پاس جا کر بیٹھا تو میں ٹھٹھر کر رہ گیا اور کوئی بات نہ کر سکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "تم کیسے آئے ہو؟ کیا کوئی کام ہے؟" میں خاموش رہا۔ آنحضرتؐ نے دوبارہ مجھ سے دریافت کیا: "کیسے آئے ہو؟ کیا کوئی حاجت ہے؟" لیکن میں دم بخود تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا فاطمہؓ کے پیغام کے لیے آئے ہو؟" میں نے عرض کیا: "ہاں"۔ آنحضرتؐ نے پوچھا: "کیا تمہارے پاس فاطمہؓ کا حق مہر ادا کرنے کے لیے کوئی چیز ہے؟" میں نے کہا: "بخدا، یا رسولؐ اللہ! میرے پاس کچھ بھی نہیں۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "وہ زرِہ کہاں ہے جو میں نے تمہیں دی تھی؟" "اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں علیؓ کی جان ہے وہ زرہ حطمی یعنی شمشیر شکن ہے، اس زرہ کی قیمت چار درہم سے زاید نہیں" میں نے کہا "میرے پاس ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے تمہارا نکاح اس سے کر دیا وہی زرہ مہر میں دے دو۔" یہ حضرت فاطمہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر تھا۔

یونس نے عباد بن منصور کی وساطت سے عطاؒ بن ابی رباح کی روایت نقل کی۔ عطاؒ نے کہا: جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے عقد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی تو آنحضرتؐ نے فاطمہؓ سے فرمایا کہ علیؓ کا رجحانِ خاطر تمہاری طرف ہے۔ آپؓ خاموش ہو رہیں (یہ خاموشی ایک طرح کی رضامندی تھی) آنحضرتؐ باہر تشریف لائے اور ان کا نکاح کر دیا۔

(۴۴۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت بیان کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: حضرت علیؓ کے صلب سے حضرت فاطمہؓ کے ہاں تین صاحبزادے —— حسن، حسین اور محسن پیدا ہوئے۔ محسن صغر سنی ہی میں فوت ہو گئے، نیز ان کے بطن سے دو صاحبزادیاں —— ام کلثوم اور زینب پیدا ہوئیں۔

(۴۴۳) یونس بن بُکیر نے یونس بن عمرو کے حوالہ سے اس کے باپ عمرو سے اور عمرو نے ہانی بن ہانی کی وساطت سے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: جب حضرت حسنؓ پیدا ہوئے تو میں نے اس کا نام "حرب" رکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: "مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، تم لوگوں نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟" میں نے کہا: "میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں، اس کا نام حسن ہے۔" پھر جب حضرت حسینؓ پیدا ہوئے تو میں نے اس کا نام حرب رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: "میرا بیٹا مجھے دکھلاؤ، تم لوگوں نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟" میں نے کہا: "حرب"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں، اس کا نام حسین ہے۔" جب تیسرا لڑکا پیدا ہوا تو میں نے اس کا نام بھی حرب رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: "میرا بیٹا مجھے دکھلاؤ، تم لوگوں نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟" میں نے کہا: "ہم نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "نہیں، اس کا نام محسن ہے۔" آنحضرتؐ نے پھر فرمایا: "میں نے ان بچوں کے نام ہارون کے بیٹوں —— شبرؔ اور شبیر —— کے ناموں پر حسن اور حسین رکھے ہیں۔"

باب ۳۵

ام کلثومؓ بنت علیؓ کا نکاح

(۳۴۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت فاطمہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے بطن سے حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عمرؓ بن خطاب سے ہوا۔ سیدہ ام کلثومؓ کے
بطن سے حضرت عمر فاروقؓ کے ہاں زید بن عمرؓ اور ایک لڑکی (رقیہ) پیدا ہوئے۔ سیدہ ام کلثومؓ کی زندگی ہی میں
حضرت عمر فاروقؓ راہگرا ئے عالمِ بقا ہوئے۔

(۳۴۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے عاصم بن عمرو بن
قتادہ نے روایت بیان کی کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے ان کی بیٹی سیدہ ام کلثومؓ کے ساتھ
نکاح کی استدعا کی۔ سیدہ اُمِ کلثومؓ حضرت فاطمہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں۔ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ
کے سامنے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ وہ تو ابھی چھوٹی عمر کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "بخدا! میرا آپ کے ساتھ
یہ معاملہ نہیں ہے بلکہ مجھے تو آپ کے ساتھ تعلق جوڑ کر اپنی عزت افزائی مطلوب ہے۔ اگر آپ کی بات صحیح ہے تو آپ
اسے میرے پاس بھیجیں۔" حضرت علیؓ واپس تشریف لے گئے، بچی کو بلایا، اسے اچھا لباس پہنایا اور فرمایا کہ امیرالمومنین
کے پاس جاؤ اور انہیں کہو: "میرے والد نے پوچھا ہے کہ آپ کی اس لباس کے متعلق کیا رائے ہے؟" سیدہ
ام کلثومؓ نے امیرالمومنین کے پاس جا کر یہی سوال کیا۔ حضرت عمرؓ نے ان کا قمیص چھوا لیکن سیدہ نے کھینچ لیا اور فرمایا:
"اسے چھوڑ دو۔" حضرت عمرؓ نے چھوڑ دیا اور فرمایا: "کیسی پاکدامن اور شریف بچی ہے! تم اپنے والد صاحب کے پاس
جا کر کہو کہ یہ لباس بہت ہی حسین و جمیل ہے۔ بخدا! جیسا آپ نے فرمایا تھا ویسی بات نہیں ہے۔" چنانچہ
حضرت علیؓ نے سیدہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ کے ساتھ کر دیا۔

(۳۴۶) یونس نے خالد بن صالح سے اور اس نے واقد بن محمد بن عبداللہ بن عمر کے حوالہ سے ان کے کسی اہل خانہ
کی یہ روایت بیان کی کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی خدمت میں ان کی بیٹی سیدہ ام کلثومؓ کے
ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا۔ سیدہ ام کلثومؓ حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت
علیؓ نے فرمایا: "اس ضمن میں مجھے مشورہ مطلوب ہے اور میں کچھ لوگوں سے اجازت لینا چاہتا ہوں۔" حضرت علیؓ
نے حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے اس بات کا ذکر کیا، انہوں نے اجازت دے دی کہ نکاح کر دیا جائے۔ حضرت علیؓ

نے سیدہ ام کلثومؓ کو بلایا وہ اس وقت ابھی نوخیز لڑکی تھی اور اس کو فرمایا: "امیر المومنین کے پاس جاؤ اور کہو کہ میرے والد صاحب آپ کو سلام کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کی مطلوبہ حاجت پوری کر دی ہے۔

حضرت عمرؓ نے سیدہ ام کلثوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے اس کے بارے میں اس کے باپ کو پیغام بھیجا تھا، انہوں نے اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیا ہے۔ لوگوں نے کہا: "اے امیر المومنین! آپ کو اس لڑکی کی کیا حاجت ہے جبکہ یہ ابھی چھوٹی عمر کی ہے؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن جملہ تعلقات اور دوستیاں ماسوائے میری قرابت کے منقطع ہو جائیں گی۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرا دامادی کا رشتہ استوار ہو جائے۔"

(۴۴۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے ابو جعفر نے اپنے باپ کے حوالہ سے علی بن حسن کی یہ روایت بیان کی کہ جب حضرت عمرؓ بن خطاب نے حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ سے نکاح کیا تو آپ مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور منبر کے درمیان مہاجرین کی مجلس میں تشریف لائے۔ اس جگہ مہاجرین کے علاوہ دوسرے لوگ نہیں بیٹھتے تھے۔ مہاجرین نے حضرت عمرؓ کے لیے برکت کی دعا کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "میں یہ نکاح کرنے پر صرف اس لیے راغب ہوا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ قیامت کے دن میرے ساتھ تعلق اور قرابت کے علاوہ تمام دیگر دوستیاں اور نسبی رشتے منقطع ہو جائیں گے۔

(۴۴۸) یونس نے ہشام بن سعد قرشی سے اور اس نے عطا خراسانی کی وساطت سے حضرت عمرؓ بن خطاب کی روایت بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: عورتوں کے بھاری مہر نہ باندھو۔ اگر بھاری مہر باندھنا خدا کے نزدیک پرہیزگاری کا موجب اور دنیا میں بزرگی اور عظمت کا سبب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے لیکن آنحضرتؐ نے اپنی کسی بیوی اور صاحبزادی کا مہر بارہ (۱۲) اوقیہ یعنی چار سو اسی درہم سے زیادہ نہیں رکھا۔ پھر جب حضرت عمرؓ بن خطاب نے ام کلثوم دختر علیؓ بن ابی طالب کو نکاح کا پیغام بھجوایا تو اس کا مہر چالیس ہزار مقرر کیا۔

(۴۴۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ جب سیدہ ام کلثومؓ بنت علیؓ کے شوہر حضرت عمرؓ بن خطاب وفات پا گئے تو سیدہ ام کلثومؓ نے عون بن جعفر سے نکاح کر لیا۔ بعد ازاں حضرت عون بھی فوت ہو گئے۔ حضرت عون کے ہاں سیدہ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

باب ۳۶

سیدہ ام کلثومؓ بنتِ علیؓ کا عونؓ بن جعفر بن ابی طالب کے ساتھ نکاح

(۳۵۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے میرے والد اسحاق بن یسار نے حسن بن حسن کے حوالہ سے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی یہ روایت بیان کی کہ جب سیّدہ امّ کلثومؓ دخترِ علیؓ وزوجۂ عمرؓ بن خطاب بیوہ ہوگئیں تو ان کے دونوں بھائی حضرت حسنؓ اور حسینؓ ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے کہا: "تم سیّدۃ النساءؓ (حضرت فاطمہؓ) کی وجہ سے اور ان کی صاحبزادی ہونے کے ناطے سے معروف ہو۔ اگر حضرت علیؓ کے لیے ممکن ہوا تو وہ تمہارا نکاح اپنے کسی یتیم بھتیجے کے ساتھ کروادیں گے اور اگر تم مال ودولت کی کثرت کی خواہشمند ہو تو تم وہ بھی حاصل کرسکتی ہو۔" بخدا! وہ دونوں بھائی وہاں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ حضرت علیؓ اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے پہنچ گئے۔ بیٹھنے کے بعد آپؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمدوثنا بیان کی، بنی فاطمہؓ کی بزرگی وشرافت کا ذکر کیا اور فرمایا: "اے بنی فاطمہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابتداری کے طفیل جو موروثی قدرومنزلت تمہیں حاصل ہے اسے تم جانتے ہو اور اس کی وجہ سے تم لوگ میری دیگر اولاد پر برتری وفوقیت کے حامل ہو۔" صاحبزادوں نے جواب دیا: "آپ نے سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں اور ہماری طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔" پھر حضرت علیؓ نے فرمایا: "اے میری پیاری بیٹی! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے معاملہ کا اختیار دے رکھا ہے میں چاہتا ہوں کہ تم یہ اختیار مجھے سونپ دو۔" سیدہ ام کلثومؓ نے کہا: "بخدا! میں ایک عورت ہوں اور میری خواہشات بھی ویسی ہی ہیں جیسی کہ دیگر خواتین کی ہیں۔ جس طرح دوسری عورتیں دنیا چاہتی ہیں اسی طرح میں بھی چاہتی ہوں کہ مجھے بھی دنیا کی آسودگی میں سے کچھ حاصل ہو اور یہ ایک فطری خواہش ہے اس لیے میں اپنے معاملہ کو خود طے کرنا چاہتی ہوں۔" حضرت علیؓ نے فرمایا: "اے میری پیاری بیٹی! بخدا یہ تیری اپنی ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ ان دونوں کی رائے معلوم ہوتی ہے۔" پھر حضرت علیؓ اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: "بخدا! میں تم دونوں میں سے کسی کے ساتھ بات نہیں کروں گا تم جو چاہے کرو۔" دونوں صاحبزادگان نے حضرت علیؓ کا دامن پکڑلیا اور کہا: "اباجان! بخدا! آپ کی جدائی ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔" اور انہوں نے سیدہ ام کلثومؓ کو کہا: "اپنا اختیار والدصاحب کے سپرد کردو۔" سیدہ ام کلثومؓ نے تعمیل کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: "میں نے تمہارا نکاح عون بن جعفرؓ کے ساتھ کردیا۔ وہ ابھی لڑکا ہے۔" پھر حضرت علیؓ گھر تشریف لائے اور چار ہزار درہم بطورِ حق مہر ادا کیے اور اپنے بھتیجے عون بن جعفرؓ کو سیدہ ام کلثومؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا: "بخدا!

میں نے جتنی محبت اس جوڑے میں دیکھی اتنی مودت کہیں اور دیکھنے میں نہیں آئی۔" زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ حضرت عون فوت ہو گئے۔ پھر حضرت علیؓ تشریف لائے اور فرمایا: "اے میری پیاری بیٹی! اپنا معاملہ میرے سپرد کر دو۔" سیدہ نے تعمیلِ ارشاد کی۔ حضرت علیؓ نے ان کا نکاح محمد بن جعفرؓ کے ساتھ کر دیا اور چار ہزار درہم بطور حق مہر بھجوا کر رخصتی کروائی۔

(۳۵۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: پھر عون بن جعفر فوت ہو گئے اور سیدہ ام کلثومؓ بنتِ علیؓ بیوہ ہو گئیں۔ حضرت علیؓ نے ان کا نکاح محمد بن جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ کر دیا۔ پھر محمد بن جعفرؓ بھی وفات پا گئے اور ان کے ہاں سیدہ کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

باب ۳۷

زینب رضؓ بنتِ علیؓ کا نکاح اور ان کی والدہ حضرت فاطمہؓ بنتِ رسولؐ

(۳۵۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت بیان کی کہ سیدہ زینبؓ بنت علیؓ کو اپنے شوہر عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب سے بہت محبت تھی۔ ان کے بطن سے عبداللہ بن جعفر کے ہاں ایک لڑکا علی بن عبداللہ بن جعفرؓ اور ایک لڑکی ام ابیہا پیدا ہوئے۔ عبداللہ نے ام ابیہا کا نکاح عبدالملک بن مروان سے کر دیا جس نے اسے طلاق دے دی۔ اس کے بعد اس کا نکاح علی بن عبداللہ بن عباس کے ساتھ ہوا۔

(۳۵۳) یونس نے ثابت بن دینار کے حوالہ سے یحییٰ بن جعفرؒ کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی صاحبزادی زینبؓ کی بیٹی کے نکاح کے لیے زینبؓ کے شوہر عبداللہ بن جعفرؓ کو پیغام بھیجا اور کہا کہ میں تمہارا قرض ادا کر دوں گا اور اس کے لیے پختہ وعدہ کیا۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ "اس معاملہ میں مجھے مشورہ مطلوب ہے اور جب تک میں اپنے امیر سے اجازت نہ لے لوں میں اپنی لڑکی کا نکاح نہیں کر سکتا۔" حضرت معاویہؓ نے کہا: "اجازت حاصل کر لو۔" عبداللہ حضرت حسینؓ بن علیؓ کے پاس آیا اور کہا کہ معاویہؓ نے میری بیٹی کے لیے پیغام بھیجا ہے اور میرا قرض ادا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں اس کا والد ہوں اور آپ اس کے ماموں ہیں، آپ کی کیا رائے ہے؟" حضرت حسینؓ نے فرمایا: "میں چاہتا ہوں کہ لڑکی کے نکاح کا معاملہ میرے سپرد کر دیا جائے۔" عبداللہ نے کہا: "میں نے یہ معاملہ آپ کے سپرد کر دیا ہے۔" حضرت حسینؓ بن علیؓ لڑکی کے پاس تشریف لائے اور فرمایا، "تمہارے باپ نے تمہارے نکاح کا معاملہ مجھے سونپ دیا ہے تم بھی یہ معاملہ میرے سپرد کر دو۔" لڑکی نے تعمیلِ ارشاد کی۔ حضرت حسینؓ باہر نکلے اور دعا مانگی: "اے اللہ! اپنے علم کے مطابق اس لڑکی کے لیے بہترین رفیقِ حیات مقدر فرما۔" حضرت حسینؓ اپنی برادری کے ایک نوجوان سے ملے اور اسے کہا: "اپنے نکاح کا معاملہ میرے سپرد کر دو۔" اس نے تعمیل کی۔ حضرت معاویہؓ نے حاکمِ مدینہ مروان بن حکم کی طرف لکھا کہ "میں نے عبداللہ بن جعفر سے اس کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا تو اس نے حسینؓ کی رضامندی کی شرط عائد کی۔ تم حسینؓ کو بلا کر ان کی رضامندی حاصل کرو۔" مروان نے لوگوں کو اکٹھا کیا، وہ دف وغیرہ لے آئے۔ حضرت حسینؓ کو بھی بلایا گیا اور انہیں کہا گیا کہ "امیر المومنین نے لکھا ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن جعفر کو پیغام بھیجا تھا اور عبداللہ نے آپ کی رضامندی کی شرط لگائی تھی اس لیے آپ رضامندی دے دیں۔" حضرت حسینؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے اس لڑکی کا

نکاح فلاں نوجوان سے کر دیا ہے۔"

مروان نے کہا: "اے بنی ہاشم! تم لوگوں نے انکار کیا اور بدعہدی کی۔" حضرت حسینؓ نے کہا: "میں تمہیں اللہ کی قسم کھلاتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ حضرت حسن بن علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیٹی کو نکاح کا پیغام بھیجا اور لوگ اسی طرح اکٹھے ہوئے جس طرح اب اکٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت حسنؓ بھی تشریف لاتے۔ پھر تم آئے اور تم نے پیغام بھیجا اور دخترِ عثمانؓ کا نکاح کسی دوسرے سے کر دیا؟" مروان نے کہا: "ہاں، ایسا ہوا تھا۔" حضرت حسینؓ نے فرمایا: "پھر بدعہدی کا مرتکب کون ہے، ہم یا تم؟" پھر حضرت حسینؓ نے عبداللہ بن جعفر کو اپنی وہ زمین دی جس کو "بغیبغہ" کہتے تھے اور جو انہوں نے حضرت معاویہؓ سے بیس لاکھ میں خریدی تھی اور جس نوجوان کا نکاح کرایا تھا اسے ایک دیگر قطعہ ارضی دیا جس کی قیمت بیس لاکھ تھی اور اس طرح اپنے ٹھوس مال سے چالیس لاکھ ادا کیا۔

باب ۳۸

حضرت عثمانؓ بن عفان کا نکاح

(۳۵۴) یونس نے حسن بن دینار کی وساطت سے حسن کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کے ہاں تشریف لائے جو بڑے غمگین تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "تمہارا کیا حال ہے؟" حضرت عثمانؓ نے عرض کیا: "میں نے عمرؓ کو پیغام بھیجا تو انہوں نے رد کر دیا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تمہیں ایسے سسرال نہ بتاؤں جو تمہارے لیے عمرؓ سے بہتر ہوں، اور عمرؓ کو ایسا داماد نہ بتاؤں جو ان کے لیے تم سے بہتر ہو؟" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہؓ بنت عمرؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا اور عثمانؓ بن عفان کا نکاح اپنی بیٹی سے کر دیا۔

(۳۵۵) یونس نے ہشام بن شنبر سے اور اس نے یحییٰ بن ابی کثیر کی وساطت سے مہاجر بن عکرمہ مخزومی کی روایت بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹیوں میں سے کسی کا نکاح کرنا چاہتے تو اس کے پاس پردہ کی جگہ میں بیٹھ جاتے اور فرماتے: "اِنَّ فُلَانًا یَّذْکُرُ فُلَانَۃَ"۔ یعنی فلاں کا رجحانِ خاطر فلانہ کی طرف ہے۔"

(۳۵۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے ایک غیر جانبدار شخص نے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادیوں کے معاملے میں بڑے غیرت مند تھے اور ان کا نکاح سوکن کی موجودگی میں نہیں کرتے تھے۔

(۳۵۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے عمرو بن عبید نے حسن کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کی زوجہ سے فرمایا: "اے میری پیاری بیٹی! اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی خواہش کی تعمیل نہ کرے تو اس کے خاوند کا چہرہ غصّے سے لال پیلا ہو جائے گا خواہ خاوند نے اپنی بیوی کو کیسا ہی غیر معقول حکم دیا ہو کہ وہ سیاہ پہاڑ سے سُرخ پہاڑ تک جائے یا سرخ پہاڑ سے سیاہ پہاڑ کی طرف جائے۔ اس لیے تمہاری یہ خواہش اور کوشش ہونی چاہیے کہ تم اپنے حسنِ سلوک سے اپنے شوہر کو راضی اور خوش رکھو۔

(۳۵۸) یونس نے زکریا بن ابی زائدہ کے حوالہ سے عامر شعبی کی روایت بیان کی کہ حضرت علیؓ نے ابوجہل کی لڑکی کے ساتھ نکاح کے لیے اس کے چچا حارث کو پیغام بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس عورت کی کون سی خُوبی کی وجہ سے تم مجھ سے اجازت طلب کرتے ہو؟ کیا اس کے

حسب و نسب کے باعث تم اس کے گرویدہ ہو؟" حضرت علیؓ نے کہا: "ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن آپ مجھے اجازت مرحمت فرما دیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فاطمہؓ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اسے اذیت دی جائے۔" حضرت علیؓ نے کہا: "میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا جس سے اسے تکلیف پہنچے۔"

باب ۳۹

حضرت خدیجہؓ کے علاوہ رسولؐ اللہ کی دیگر ازواجِ مطہراتؓ

اُم المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ

(۳۵۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت خدیجہؓ بنتِ خویلد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے تین سال قبل وفات پا گئیں۔ ان کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دیگر خاتون سے نکاح نہیں کیا یہاں تک کہ وہ اور جناب ابو طالب فوت ہوگئے۔ پھر خدیجہؓ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح کیا۔ قبل ازیں وہ سکرانؓ بن عمرو برادر سہیل بن عمرو کے نکاح میں تھیں جو ان کا چچا زاد تھا۔ یہ نکاح اس وقت ہُوا جب وہ کنواری تھیں۔ ان دونوں میاں بیوی نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر وہ دونوں مکّہ واپس آگئے۔ حضرت سکرانؓ کا انتقال ہوگیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا۔

(۳۶۰) یونس نے نعمان بن ثابت کی وساطت سے ہیثم کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے فرمایا: "تم عدّت میں بیٹھو۔" حضرت سودہؓ راستہ میں آپؐ کے درپے ہوگئیں اور عرض کی: "میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دلاتی ہُوں کہ آپؐ مجھے طلاق نہ دیں بلکہ میں اپنی باری آپؐ کے سپرد کرتی ہوں آپؐ اپنی ازواج میں سے جس بیوی کو میری باری دینا چاہیں دے دیں، میں صرف یہ چاہتی ہُوں کہ قیامت کے دن میرا حشر اس حال میں ہو کہ میں آپؐ کی ازواج میں شمار کی جاؤں۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے نکاح میں رکھا۔

اُم المومنین حضرت عائشہؓ بنت ابی بکرؓ

(۳۶۱) یونس نے ہشام بن عروہ کی وساطت سے ان کے باپ عروہ بن زبیر کی یہ روایت بیان کی کہ جب حضرت سودہؓ بوڑھی ہوگئیں تو انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دن ان کو دے رکھا تھا۔

(۳۶۲) ابنِ اسحاق نے کہا کہ سودہؓ بنتِ زمعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عائشہؓ بنت ابی بکرؓ سے نکاح کیا۔ وہ اس وقت کنواری تھیں۔ ان کے علاوہ آنحضرتؐ نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا۔ آنحضرتؐ کے ہاں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی یہاں تک کہ آپؐ کا انتقال ہوگیا۔

(۳۶۳) یونس نے ہشام بن عروہ کے حوالہ سے اس کے باپ کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین سال بعد حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا۔ حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی رخصتی کرائی تو اس وقت ان کی عمر نو سال تھی اور جب رسول اللہؐ کا انتقال ہوا تو وہ اٹھارہ سال کی تھیں۔

(۳۶۴) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے خواب میں دو دفعہ تمہاری شکل اس طرح دکھائی گئی کہ ایک شخص تمہاری تصویر کو حریر کے پارچے میں اٹھائے ہوئے مجھے کہتا تھا کہ یہ تمہاری بیوی ہے۔ میں پردہ اٹھا کر دیکھتا تو وہ ہو بہو تمہاری شکل تھی۔ چنانچہ میں کہہ دیتا تھا کہ اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ خود ہی اسے پورا کر دے گا۔

(۳۶۵) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی کہ میری والدہ میرے لیے مشقت برداشت کرتی تھی وہ چاہتی تھی کہ میں ذرا تنومند ہو جاؤں تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا جائے۔ وہ اچھی طرح میری غور و پرداخت کرتی رہی۔ میں کھجور کو ککڑی اور کھیرے کے ساتھ کھاتی تھی یہاں تک کہ میرے بدن میں خاصی گرانی آگئی۔

(۳۶۶) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی کہ میں اپنی ہمسایہ انصاری ہمجولیوں کے ساتھ کھجور کے دو درختوں کے درمیان ایک جھولے میں کھیل رہی تھی۔ اتنے میں میری ماں آئی اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ میرے ساتھ کیا کرے گی، میں نے اپنے بچاؤ کے لیے اپنا ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھ لیا تاکہ میری ماں دیکھے کہ میرے پاس کیا ہے۔ میری ماں مجھے اپنے ساتھ لے گئی مجھے نہلایا دھلایا اور صاف ستھرا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔

(۳۶۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یحییٰ بن عباد نے اپنے باپ عباد بن عبداللہ بن زبیر کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: جب ہم ہجرت کے لیے روانہ ہوئے تو ہم ایک دشوار گزار پہاڑی سے گزرے۔ ہمارا اونٹ جو طاقتور اور سرکش تھا بھاگ نکلا۔ اس وقت میری والدہ واویلا کرنے لگی۔ بخدا! میری ماں کے یہ الفاظ "واعروساہ ——— ہائے میری دلہن!" مجھے نہیں بھولتے۔ اونٹ سرپٹ دوڑا۔ بخدا! میں نے ایک پکارنے والے کو سنا جو مجھے دکھائی نہ دیتا تھا اور پکار رہا تھا کہ اس اونٹ کی مہار چھوڑ دو۔ چنانچہ میں نے مہار چھوڑ دی، اونٹ کھڑا ہو کر اس طرح گھومنے لگا گویا کہ اس کے نیچے کوئی انسان بیٹھا ہے جو اسے روک رہا ہے۔

اُم المومنین حضرت حفصہؓ بنتِ عمرؓ

(۲۶۸) احمد نے یونس کی وساطت سے محمد بن اسحاق کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے بعد حضرت حفصہؓ بنتِ عمرؓ سے نکاح کیا۔ قبل ازیں وہ خنیس بن حذافہ (سہمی) کی زوجیت میں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا۔

(۲۶۹) یونس نے سلیمان اعمش سے اور اس نے ابی صالح کی وساطت سے ابن عمرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ میری بہن حضرت حفصہؓ کے ہاں تشریف لے گئے وہ رو رہی تھیں۔ آپ نے پوچھا: "تم کیوں رو رہی ہو؟ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔ آنحضرتؐ نے تمہیں ایک دفعہ طلاق دی تھی اور پھر رجوع فرمایا تھا۔ بخدا! اگر آنحضرتؐ نے دوبارہ تمہیں طلاق دی تو میں تم سے کبھی کوئی بات نہیں کروں گا۔"

اُمّ المومنین حضرت زینبؓ بنت خزیمہؓ

(۲۷۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے بعد ام المساکین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ ہلالیہ کے ساتھ نکاح کیا۔ قبل ازیں وہ حصین بن حارث یا ان کے بھائی طفیل بن حارث بن مطلب بن عبد مناف کے نکاح میں تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین زوجہ ہیں جن کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ آنحضرتؐ کے ہاں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

(۲۷۱) یونس نے زکریا بن ابی زائدہ کے حوالہ سے عامر شعبی کی روایت نقل کی۔ عامر شعبی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ ہم میں سے کون سی خاتون سب سے پہلے آپؐ سے ملے گی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "جو تم میں سے زیادہ بڑے ہاتھ والی ہوگی۔" چنانچہ آنحضرتؐ کی ازواج ایک دوسرے کے ہاتھ ناپا کرتی تھیں کہ کون لمبے ہاتھ والی ہے۔ جب حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو معلوم ہُوا کہ طولِ ید سے مراد صدقہ و خیرات تھی کیونکہ حضرت زینبؓ جملہ امہات المومنین سے زیادہ صدقہ دیا کرتی تھیں۔

اُم المومنین حضرت ام حبیبہؓ

(۲۷۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کے بعد حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان سے نکاح کیا۔ قبل ازیں وہ قبیلہ بنی اسد کے عبیداللہ بن جحش بن رئاب (برادرِ عبداللہ بن جحش) کے نکاح میں تھیں۔ عبیداللہ نے ان سے اس وقت نکاح کیا تھا جب وُہ کنواری تھیں۔ عبیداللہ کے ہاں ان کے بطن سے ایک لڑکی حبیبہ پیدا ہوئی۔ عبیداللہ سرزمینِ حبشہ میں

فوت ہو گیا۔ وُہ اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی ہو چکا تھا۔ حضرت ام حبیبہ نے اپنے پہلے شوہر کی معیت میں حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ام حبیبہؓ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

(۳۷۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، مجھ سے ابو جعفر نے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہِ حبش کے پاس بھیجا۔ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ام حبیبہؓ کے ساتھ پڑھایا اور آنحضرتؐ کی طرف سے چار سو دینار مہر کے ادا کیے۔

اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ

(۳۷۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہؓ کے بعد حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ سے نکاح کیا۔ قبل ازیں وہ ابی سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی زوجیت میں تھیں۔ ان دونوں نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ایک ساتھ ہجرت کی۔ پھر دونوں مدینہ منورہ واپس آئے ابو سلمہؓ جنگِ اُحد میں زخمی ہو گئے اور زخموں سے جانبر نہ ہو سکے اور شہادت کی موت پائی۔ ابو سلمہ نے ام سلمہؓ سے اس وقت نکاح کیا جب وُہ ابھی کنواری تھیں۔ ان کے ہاں ام سلمہؓ کے بطن سے سلمہؓ، عمرؓ، درّہؓ اور زینبؓ پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ام سلمہؓ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہُوئی۔

(۳۷۵) یونس نے یونس بن عمرو سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے ابی سلمہ بن عبدالرحمان بن عوف کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہؓ کو نصیحت فرما رہے تھے۔ آنحضرتؐ دروازے کی چوکھٹ پر تشریف فرما تھے، اپنا کپڑا اچھا کر اس پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے، اگر صرف تمہارے مہر کی زیادتی کا معاملہ ہوتا تو میں تمہارا مہر زیادہ کر دیتا لیکن اگر میں زیادہ بیویاں رکھنا چاہوں (تو پھر مہر میں اضافہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے)

(۳۷۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: میرے باپ اسحاق بن یسار نے مجھ سے بیان کیا کہ سعد بن عبادہؓ کے گھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانے کا ایک لگن ہر روز بھیجا جاتا تھا۔ آنحضرتؐ جس مکان میں ہوتے وہاں کھانا پیش کر دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی عورت کو نکاح کا پیغام دیتے تھے تو آنحضرتؐ جو چیز اس کے لیے نامزد یا متعین کرنا چاہتے تھے وہ اسے بتا دیتے تھے اور پھر فرماتے تھے کہ سعد بن عبادہ کا بڑا پیالہ تمہارے پاس ہر صبح کو آیا کرے گا۔

(۳۷۷) یونس نے ابی معشر مدینی کے حوالہ سے سعید مقبری کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کو نکاح کا پیغام بھجوایا۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! مجھ میں کچھ ایسی خصلتیں ہیں کہ میں اپنے آپ کو آپؐ کی زوجیت کے قابل نہیں سمجھتی، میری عمر زیادہ ہے، میں بہت غیرت مند عورت ہُوں اور مجھے

خوف لاحق ہے کہ میں کہیں آپؐ کے خلاف غیرت کا اظہار نہ کر بیٹھوں۔ میں اپنے حصّہ کے معاملہ میں حساس ہوں، نیز میرے بچے ہیں اور میں عیالدار ہوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جہاں تک تمہاری عمر کا تعلق ہے تمہارے لیے لازم ہے کہ تم اس مرد سے نکاح کرو جو تم سے عمر میں بڑا ہو اور میں تم سے زیادہ عمر کا ہوں۔ تمہاری غیرت کے متعلق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہیں شفا عطا کرے۔ جہاں تک تمہارے حصہ کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین حصہ عطا کرے۔ تم نے اپنی عیالداری کا ذکر کیا ہے تو جو شخص کوئی مال چھوڑ کر فوت ہو تو مال اس کے وارثوں کا حق ہے اگر کسی کے ذمہ قرض ہو یا وہ یتیم اولاد چھوڑ جائے تو ان کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ سے نکاح کر لیا۔

(۳۷۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن ابی بکر بن حزم اور عبدالرحمان بن حارث اور ایک معتبر شخص نے عبداللہ بن شداد بن ہاد کی یہ روایت بیان کی کہ حضرت ام سلمہؓ کے بیٹے سلمہ نے اپنی بیوہ ماں کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمہ کا نکاح حضرت حمزہؓ کی بیٹی امامہ کے ساتھ کر دیا۔ نکاح کے وقت سلمہ اور امامہ دونوں کم سن تھے اور جوانی سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں نے سلمہ کو اس بات کا بدلہ دے دیا کہ اس نے اپنی ماں کا نکاح مجھ سے کرایا تھا؟"

(۳۷۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے عبدالملک بن ابی بکر بن عبدالرحمان بن حارث بن ہشام نے اپنے باپ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے ماہِ شوال میں نکاح کیا اور ماہِ شوال ہی میں رخصتی ہوئی۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا: "آپؐ میرے پاس سات دن تک رہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم چاہتی ہو تو میں سات دن تک تمہارے پاس رہتا ہوں اور پھر باقی عورتوں کے پاس بھی سات سات دن رہوں گا۔ اور اگر تم تین دن پسند کرو (جو تمہارا حق ہے کیونکہ وہ شوہر دیدہ تھیں) تو میں تین دن تمہارے پاس رہ کر پھر سب عورتوں کا دورہ کروں گا (یعنی باری باری ایک ایک دن سب کے پاس رہوں گا)۔" اس پر حضرت ام سلمہؓ نے کہا: "نہیں، آپؐ تین دن ہی میرے ہاں قیام فرمائیں۔"

(۳۸۰) یونس نے نعمان بن ثابت کی وساطت سے ہیثم کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ کا ولیمہ کھجوروں اور ستوؤں سے کیا۔

اُم المومنین حضرت زینبؓ بنتِ جحش

(۳۸۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کے بعد زینبؓ بنت جحش سے نکاح کیا۔ حضرت زینبؓ عبداللہ بن جحش کی بہن اور بنی اسد بن خزیمہ سے تھیں۔

قبل ازیں وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ کے نکاح میں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس خاتون کا نکاح آپؐ سے کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت زینبؓ کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہُوئی یہاں تک کہ آپؐ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت زینبؓ کی کنیت ام الحکم تھی۔

(۳۸۲) یونس نے ابی سلمہ ہمدانی (مولیٰ شعبی) کے حوالہ سے شعبی کی یہ روایت بیان کی کہ زیدؓ بن حارثہ بیمار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت زیدؓ کی بیوی زینبؓ بنت جحش جو زیدؓ کے سرہانے بیٹھی ہُوئی تھیں کسی کام کے لیے اُٹھ کر چلی گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا اور اپنے سر کو جھکا لیا۔ پھر فرمایا: "نقص سے پاک تو اللہ ہی کی ذات ہے جو دلوں اور آنکھوں کو پھیرنے والا ہے۔" حضرت زیدؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں اس عورت کو طلاق دینا چاہتا ہُوں آپؐ اس سے نکاح کر لیں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسك علیك زوجك واتق اللہ وتخفی فی نفسك ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس ج واللہ احق ان تخشٰہ ط فلما قضٰی زیدٌ منہا وطرا زوجنٰکہا لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائہم اذا قضوا منہن وطراً ط وکان امر اللہ مفعولا ۝ (الاحزاب-۳۷)

(اے نبیؐ!) یاد کرو وُہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ "اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر۔" اس وقت تم اپنے دل میں وُہ بات چھپائے ہُوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا۔ تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پُوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے مُنہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وُہ ان سے اپنی حاجت پُوری کر چکے ہوں، اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیئے تھا۔

اُم المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارث

(۳۸۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ بنت جحش کے بعد حضرت جویریہؓ بنت حارث بن ابی صفوان سے نکاح کیا اس سے قبل وُہ اپنے عمزاد ابن ذی الشفر کی زوجیت میں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی یہاں تک کہ آپؐ نے انتقال فرمایا۔

(۳۸۴) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے محمد بن جعفر بن زبیر نے عروہ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق کے قیدیوں کو تقسیم فرمایا تو حضرت جویریہؓ بنتِ حارث حضرت ثابتؓ بن قیس یا ان کے کسی چچا زاد کے حصہ میں آئیں انہوں نے

اپنی آزادی کے لیے ثابتؓ سے مکاتبت کر لی حضرت جویریہؓ میں حلاوت و ملاحت دونوں وصف تھے، جو شخص انھیں دیکھتا تھا اپنے دل میں جگہ دیتا تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تاکہ آنحضورؐ سے زرِکتابت کی ادائیگی کے سلسلہ میں امداد حاصل کریں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "بخدا! ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے انہیں دیکھا ہو اور ناپسند کیا ہو" اور میں نے کہا کہ ان سے اسی طرح کا اظہار ہو گا جس طرح میں نے دیکھا ہے۔

جب حضرت جویریہؓ نبیؐ کے پاس آئیں تو عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں سردارِ قبیلہ حارث کی بیٹی جویریہ ہوں۔ مجھ پر جو مصیبت آئی ہے وہ آپؐ سے مخفی نہیں۔ میں نے اپنی آزادی کے لیے عہد کتابت کیا ہے آپؐ اس ضمن میں میری امداد فرمائیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تمھیں اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں کہ میں تمہارا زرِکتابت ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں؟" جویریہؓ اس پر رضامند ہو گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرِکتابت دے کر نکاح کر لیا جب لوگوں کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہؓ سے نکاح کر لیا ہے تو انہوں نے کہا کہ بنی مصطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال ہیں اس لیے انہوں نے سارے قیدی آزاد کر دئے۔ اس طرح بنی مصطلق کے سو خاندان دولتِ آزادی سے بہرہ یاب ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "میں نے کسی عورت کو جویریہؓ سے زیادہ اپنی قوم کے لیے موجبِ برکت نہیں دیکھا۔

(۳۸۵) یونس نے زکریا بن ابی زائدہ کی وساطت سے عامر شعبی کی یہ روایت بیان کی کہ جویریہؓ قیدی کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں تھیں آنحضرتؐ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کی آزادی ان کا مہر قرار پائی۔

اُم المومنین حضرت صفیہؓ بنت حُیَیّ

(۳۸۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہؓ کے بعد حضرت صفیہؓ بنت حُیَیّ سے نکاح کیا۔ قبل ازیں وہ کنانہ بن ربیع بن ابی حقیق کی زوجیت میں تھیں، رسول اللہ کے ہاں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی یہاں تک کہ آنحضرتؐ کا انتقال ہو گیا۔

(۳۸۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: میرے باپ اسحاق بن یسار نے مجھے بتایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی حقیق کا قلعہ فتح کیا تو حضرت بلالؓ، حضرت صفیہؓ اور ان کی ایک چچا زاد بہن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلے۔ راستہ میں ان کا گزر یہود کے مقتولین کی لاشوں پر ہوا۔ جب حضرت صفیہؓ کی ساتھ والی عورت نے لاشوں کو دیکھا تو اس نے اپنا منہ پیٹ لیا۔ وہ چیخ اٹھی اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا: "اس شیطان عورت کو مجھ سے دور ہٹا دو" اس عورت کے پیچھے حضرت صفیہؓ تھیں۔ آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل میں آپؐ کی چادر کے ساتھ حضرت صفیہؓ پر پردہ کر دیا گیا۔ اس طرح لوگوں کو

معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو اپنی زوجیت کے لیے منتخب فرما لیا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی عورت کا واویلا اور چیخ و پکار سنی تو حضرت بلالؓ سے فرمایا: "اے بلالؓ! جب تم ان دو عورتوں کو لے کر ان کے رشتہ دار یہودیوں کی لاشوں کے پاس سے گزر رہے تھے تو رحمت کو تم سے دُور کر دیا گیا"۔ قبل ازیں حضرت صفیہؓ نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک چاند ان کی گود میں آ گیا ہے۔ اس خواب کا ذکر انہوں نے اپنے والد سے کیا۔ اس نے حضرت صفیہؓ کے منہ پر ایک ضرب رسید کی جس کا نشان پڑ گیا اور والد نے صفیہؓ کو کہا: "تم اپنے گروہ سے نکل کر شاہِ عربؐ کے پاس چلی جاؤ گی"۔ اس ضرب کا نشان حضرت صفیہؓ کے چہرے پر موجود تھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لے آئے اور اس نشان کے متعلق ان سے پُوچھا تو حضرت صفیہؓ نے یہ واقعہ بیان کیا۔

(۳۸۸) یونس نے ہشام بن ابی عبداللہ سے اور اس نے شعیب بن حبحاب کے حوالہ سے انس بن مالک کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر دیا اور ان کی آزادی ان کا مہر قرار پائی۔

(۳۸۹) یونس نے عبداللہ بن عبید اللہ ازدی کی وساطت سے انس بن مالک کی یہ روایت بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ بنت حُیَیّ سے نکاح کیا تو لوگوں کو دعوتِ ولیمہ پر بُلایا۔ اس تقریب میں کھجور، گھی اور ستّو سے تیار کیے ہُوئے کھانوں اور خشک کھجوروں سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔

(۳۹۰) یونس نے سلیمان اعمش کی روایت نقل کی۔ سلیمان اعمش نے کہا، مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی کا ولیمہ حیس (یعنی کھجور، گھی اور ستّو سے تیار کردہ) کھانے سے کیا۔

ام المومنین حضرت میمونہؓ بنت حارث ہلالیہ

(۳۹۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کے بعد حضرت میمونہؓ بنت حارث ہلالیہ سے نکاح کیا۔ قبل ازیں وہ ابی رحم بن ابی قیس کے نکاح میں تھیں جو بنی عامر بن لوی کے قبیلہ بنی مالک بن حسل سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہُوئی یہاں تک کہ آنحضرتؐ کا انتقال ہو گیا۔

(۳۹۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: ایک ثقہ راوی نے مجھ سے سعید بن مسیب کی روایت بیان کی۔ سعید نے کہا، یہ عبداللہ بن عباسؓ ہیں جن کا گمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے احرام کی حالت میں نکاح کیا لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے پھر آپؐ احرام سے نکل آئے۔ جونہی آپؐ نے احرام کھولا تو نکاح کر لیا۔ اسی وجہ سے لوگوں کو یہ اشتباہ ہوا کہ آپؐ نے حالتِ احرام میں نکاح کیا۔

(۳۹۳) یونس نے جعفر بن برقان سے اور اس نے میمون بن مہران کی وساطت سے یزید بن اصم کی یہ روایت

بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے اس وقت نکاح کیا جب آپؐ احرام سے نکل آئے تھے۔ آنحضرتؐ نے فضل بن عباسؓ اور ایک دیگر شخص کو حضرت میمونہؓ کے پاس بھیجا اور حضرت فضل بن عباسؓ نے حضرت میمونہؓ کا نکاح آنحضرتؐ کے ساتھ کر دیا۔

(۳۹۴) یونس نے عبداللہ بن محرز کی وساطت سے یزید بن اصم کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے اس وقت نکاح کیا جب آپؐ نے احرام کھول دیا تھا۔ نکاح کی تقریب مقام سرف پر ہوئی (جو مدینہ کی راہ میں مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے) یہیں ایک قبہ میں حضرت میمونہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں اور (عجیب اتفاق ہے کہ بالآخر) یہی جگہ (۵۱ھ میں) حضرت میمونہؓ کا مدفن قرار پائی۔

(۳۹۵) یونس نے عبداللہ بن محرز سے اور اس نے عطاؒ بن ابی رباح کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے احرام کی حالت میں نکاح کیا۔

(۳۹۶) یونس نے زکریا بن ابی زائدہ کے حوالہ سے شعبی کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ کے ساتھ حالتِ احرام میں نکاح کیا۔

اسماء بنت کعب جونیہ اور عمرہ بنت یزید

(۳۹۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء بنت کعب جونیہ سے نکاح کیا تھا لیکن آپؐ نے اس کو اپنے گھر لانے سے قبل ہی طلاق دے دی۔

آنحضرتؐ نے بنی کلاب (اور پھر بنی وحید) کی ایک عورت عمرہ بنت یزید سے بھی نکاح کیا۔ یہ عورت قبل ازیں فضل بن عباس بن عبدالمطلب کی زوجیت میں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو بھی اپنے گھر میں لانے سے قبل ہی طلاق دے دی۔

قبیلہ غفار کی ایک خاتون

(۳۹۸) یونس نے ابویحییٰ سے اور اس نے جمیل بن زید طائی کے حوالہ سے سعد بن زید انصاری کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ غفار کی ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کو گھر میں لے آئے۔ آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل میں اس عورت نے اپنا کپڑا کھینچا تو آپؐ نے دیکھا کہ اس عورت کے سینہ پر برص کے سفید داغ تھے آنحضرتؐ اس سے جدا ہو گئے اور فرمایا کہ اپنے کپڑے لے کر اپنے کنبے میں چلی جاؤ۔" آنحضرتؐ نے اسے پورا مہر ادا کیا۔

(۳۹۹) یونس نے ابراہیم بن اسماعیل کی وساطت سے عثمان بن کعب قرظی کی یہ روایت بیان کی کہ تمیمہ بنت وہب کے بھائی نے اپنی بہن کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ اس عورت کے ماموں نے بھی آنحضرتؐ سے اس کا ذکر کیا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا: "اگر میں تمہارے ساتھ نکاح کر لوں تو تم میرے پاس آ جاؤ گی؟" اس عورت نے جواب دیا: "میں آپؐ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پناہ چاہنے والی کو اللہ تعالیٰ نے روک دیا۔"

(۴۰۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس نے عکرمہؓ کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم حبیب بن عباس کو دیکھا جو آپؐ کے سامنے اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر یہ بلوغ کو پہنچی اور میں اس وقت زندہ ہُوا تو میں ضرور اس سے نکاح کروں گا۔" لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بلوغ سے قبل ہی انتقال فرما گئے۔ چنانچہ اس لڑکی کے ساتھ ابو سلمہ کے بھائی اسود بن عبد الاسد نے نکاح کیا اور اسودؓ کے ہاں اس کے بطن سے رزق بن اسود اور لبابہ بنت اسود تولد ہوئے۔ اس نے اپنی بیٹی کا نام "لبابہ" اپنی والدہ "ام فضل لبابہ" کے نام پر رکھا۔

وُہ خواتین جنہوں نے اپنے آپ کو نبیؐ کے لیے ہبہ کیا

(۴۰۱) یونس نے زکریا بن ابی زائدہ کے حوالہ سے شعبی کی یہ روایت نقل کی کہ کچھ عورتوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کیا ان میں سے کسی کو آنحضرتؐ اپنے گھر میں لے آئے اور کسی کو اپنے سے الگ رکھا اور اس کے قریب نہ گئے یہاں تک کہ آپؐ کا انتقال ہو گیا لیکن انہوں نے آنحضرتؐ کے بعد کسی دیگر شخص سے نکاح نہ کیا۔ ایسی خواتین میں اُمِ شریکؓ ہیں۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے:

ترجی من تشآء منھن و تؤوی الیک من تشاء ط و من ابتغیت ممن عزلت فلا جناح علیک ط (الاحزاب۔۵۱)	تم کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اپنی بیویوں میں سے جس کو چاہو اپنے سے الگ رکھو، جسے چاہو اپنے ساتھ رکھو اور جسے چاہو الگ رکھنے کے بعد اپنے پاس بلا لو۔ اس معاملہ میں تم پر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۴۰۲) احمد نے ابی سے اور اس نے جریر بن عبد الحمید کے حوالہ سے منصور بن ابی زرین کی یہ روایت اللہ تعالیٰ کے درج ذیل حکم کے بارے میں بیان کی:

ترجی من تشآء منھن و تؤوی الیک من تشآء۔	تم اپنی بیویوں سے جس کو چاہو اپنے سے الگ رکھو اور جسے چاہو اپنے ساتھ رکھو۔

جن بیویوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سے الگ رکھا وہ سودہؓ، ام حبیبہؓ اور میمونہؓ ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان سے علیحدگی کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا: "آپؐ ہمیں علیحدہ نہ کریں بلکہ ہمیں اسی حال پر رہنے دیں اور آپؐ ہمارے لیے مال وغیرہ میں سے جو کچھ اپنی صوابدید کے مطابق پسند فرمائیں ہم اس پر راضی ہیں۔" راوی کا

بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا اور جو کچھ ان کے لیے پسند فرمایا وہ انہیں عطا کیا۔ راوی نے کہا کہ بیویوں کو آنحضرتؐ نے اپنے پاس رکھا وہ عائشہؓ، ام سلمہؓ، زینبؓ اور حفصہؓ ہیں۔ ان کے لیے مال اور باریوں کی تقسیم برابر برابر تھی۔

(۴۰۳) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی کہ مجھے غیرت آتی تھی۔ چنانچہ میں نے ایک عورت کو جس نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کیا تو یہ کہا کہ جو عورت اپنے آپ کو بغیر مہر کے ہبہ کرتی ہے وہ کسی چیز کی مستحق نہیں ہوتی۔ آنحضرتؐ نے ان میں سے بعض سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور میں پُرامید تھی۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی:

ترجی من تشاء منھن وتؤوی الیك من تشاء ط ومن ابتغیت ممن عزلت فلاجناح علیك ط (الاحزاب - ۵۱)

تم کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اپنی بیویوں میں سے جس کو چاہو اپنے سے الگ رکھو، جسے چاہو اپنے ساتھ رکھو اور جسے چاہو الگ رکھنے کے بعد اپنے پاس بلا لو۔ اس معاملہ میں تم پر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں اپنے موقف کی صحت سے مایوس ہوگئی اور میں نے اس واہبہ کو کہا "بیشک میں دیکھتی ہوں کہ تمہارا رب جلدی ہی تمہاری خواہش پوری کردے گا۔"

(۴۰۴) یونس نے عنبسہ بن ازھر کے حوالہ سے سماک بن حرب سے اور اس نے عکرمہ کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں اپنے آپ کو ہبہ کرنے والی کوئی بیوی نہ تھیں۔

(۴۰۵) یونس نے ابی سلمہ ہمدانی کے حوالہ سے شعبی کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تخییر کا یہ حکم نازل ہوا:

یٰایھا النبی قل لازواجك ان کنتن تردن الحیٰوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا ○ وان کنتن تردن اللّٰہ ورسولہ والدار الاٰخرۃ فان اللّٰہ اعد للمحسنٰت منکن اجراً عظیما ○ (الاحزاب - ۲۸ - ۲۹)

اے نبیؐ! اپنی بیویوں سے کہو اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور دارِ آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

(جملہ ازواجِ مطہرات نے جواب دیا کہ ہم اللہ اور اس کے رسولؐ اور دارِ آخرت کی طلبگار ہیں) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا:

لا یحل لك النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو

اس کے بعد تمہارے لیے دوسری عورتیں حلال نہیں، اور نہ اس کی اجازت ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں لے آؤ خواہ ان کا حسن تمہیں کتنا ہی

اعجبك حسنهن الا ماملكت يمينك ط — پسند ہو، البتہ لونڈیوں کی تمہیں اجازت ہے۔

(الاحزاب - ۵۲)

وُہ خواتین جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ملکِ یمین میں تھیں

(۴۰۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو ازواجِ مطہرات بقیدِ حیات تھیں۔ آنحضرتؐ سے قبل حضرت خدیجہؓ بنت خویلد اور حضرت زینبؓ ام المساکین نے انتقال کیا۔ امہات المومنین میں سے ان تین خواتین نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ اور فلانہ[1]۔ آنحضرتؐ کے ہاں صرف حضرت خدیجہؓ کے بطن سے اولاد ہوئی۔ ان کے علاوہ آنحضرتؐ کے ملکِ یمین میں ریحانہ بنت عمرو بن حذافہ اور حضرت ماریہ قبطیہ ام ابراہیمؑ تھیں۔ آنحضرتؐ کے ہاں ریحانہ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور حضرت ماریہ کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صلب سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں صرف حضرت خدیجہؓ اور حضرت ماریہؓ سے اولاد ہوئی۔

(۴۰۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے محمد بن طلحہ بن یزید بن رکانہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم ابھی اٹھارہ ماہ کے تھے کہ فوت ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔

(۴۰۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن ابی بکر نے عمرہ کے حوالے سے حضرت عائشہؓ کی اسی طرح کی روایت بیان کی۔

(۴۰۹) یونس نے ابراہیم بن عثمان کی وساطت سے حکم سے اور اس نے مقسم کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی ہے اگر وہ زندہ رہتا تو وہ ایک راستباز انسان اور نبی ہوتا اور سب قبطیوں کو آزاد کراتا۔"

---

[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے "فلانہ" پر یہ فٹ نوٹ دیا ہے کہ شاید یہ تیسری خاتون حفصہؓ بنت عمرؓ ہیں کیونکہ ان کے پہلے شوہر حضرت خنیسؓ مہاجرینِ حبشہ میں سے تھے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کا یہ خیال مبنی برحقیقت معلوم نہیں ہوتا۔ تیسری خاتون جنہوں نے سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کی اور جنہیں بعد میں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا وہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ ہیں جنہوں نے اپنے پہلے شوہر حضرت سکرانؓ بن عمرو کے ہمراہ ہجرت کی تھی۔ مترجم

(۴۱۰) یونس نے محمد بن عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ کی وساطت سے عطاؒ سے اور اس نے جابر کے حوالہ سے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اس قطعہ نخلستان کی طرف لے گئے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم اپنی دائی پلائی کے ہاں رہتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اسے پکڑ کر گود میں اٹھا لیا۔ آنحضرتؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور آپؐ نے فرمایا: "اے میرے پیارے بیٹے! میں حکمِ الٰہی کے مقابلہ میں تیرے کسی کام نہیں آسکتا۔" راوی کا بیان ہے میں نے آنحضرتؐ سے پُوچھا: "یارسولؐ اللہ! کیا آپؐ نے رونے سے منع نہیں فرمایا؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "میں نے دو قسم کی آوازوں سے منع کیا ہے جو احمقوں اور فاجروں کے معمولات میں سے ہیں۔ یعنی حصولِ نعمت کے موقع پر لہو ولعب کے آوازے کسنا اور مزامیر کا استعمال، یہ شیطانی کام ہے، اور اسی طرح مصیبت کے وقت چہرے نوچنا، گریبان پھاڑنا، سینہ کُوبی اور بَین کرنا بھی شیطانی فعل ہے۔ لیکن آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا تو مامتا کا تقاضا ہے۔ اور جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ اے ابراہیم! موت تو امرِ حق اور سچا وعدہ ہے اور یہ ایک ایسی گزرگاہ ہے جو سب کو درپیش ہے اور جس سے بچنا محال ہے یہاں تک کہ پیچھے آنے والے پہلے جانے والوں کے ساتھ جا ملیں گے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہاری وجہ سے ہمارا غم واندوہ اس سے بھی زیادہ ہوتا۔ ہمارا یہ حال ہے کہ ہم تمہاری وجہ سے غمزدہ ہیں۔ آنکھیں رو رہی ہیں اور دل غمناک ہے مگر ہم زبان پر کوئی ایسا کلمہ نہ لائیں گے جو ہمارے پروردگار کو ناپسند ہو۔"

(۴۱۱) یونس نے مبارک بن فضالہ کے حوالہ سے حسن کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "گزشتہ شب میرے ہاں ایک لڑکا تولد ہوا میں نے اس کا نام اپنے جدِ اعلیٰ کے نام پر ابراہیم رکھا۔

(۴۱۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے ابراہیم بن محمد بن علی بن ابی طالب نے اپنے باپ کے حوالہ سے اپنے دادا علیؓ بن ابی طالب کی روایت بیان کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور اُمّ ابراہیم حضرت ماریہؓ کو اپنے ایک عمزاد کے متعلق جو ان کے پاس آیا کرتا تھا یہ گراں گزرتا تھا کہ ایک قبطی ان کی گھات میں لگا رہے اور لوگوں کی نظریں بچا کر ان کے پاس آئے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو فرمایا: "یہ تلوار لے کر جاؤ اور اگر وہ وہاں موجود ہو تو اسے قتل کردو۔" حضرت علیؓ کا بیان ہے: میں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! میں آپؐ کے معاملہ میں ایک محفوظ کلھاڑی ہوں ورمیرے لیے کوئی امر مانع ہے کہ میں جاؤں اور آپؐ کے حکم کی تعمیل کروں۔ لیکن یہ فرمائیں کہ کیا حاضر و موجود وہ یکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یقیناً حاضر وہ دیکھتا ہے جو غائب نہیں یکھتا۔" چنانچہ میں نے تلوار اپنی گردن میں حمائل کی اور چلا گیا۔ میں نے اس قبطی کو وہاں موجود پایا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو ں نے اپنی تلوار سونتی اور اسے معلوم ہوگیا کہ میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ تیزی سے دوڑ کر ایک کھجور کے درخت پر ھ گیا۔ جب وہ کھجور کی نصف بلندی پر گیا اور میں اس کے قریب ہوگیا تو اس نے اپنے آپ کو پیٹھ کے بل نیچے گرا دیا اور

ہر اپنے دونوں پاؤں ہلائے۔ میں نے اس کے ستر کو ٹٹولا تو اس میں مردوں والی چھوٹی بڑی کوئی چیز ہی نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے نی تلوار کو میان میں کر لیا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا ماجرا آپؐ کو سنایا۔ نحضرتؐ نے فرمایا: "تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو ہم اہلِ بیت کی مدافعت کرتا ہے۔"

اولادِ نرینہ کے عوض کوثر کا عطیہ

۴۱۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یزید بن رومان نے ن کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہیں ذکر کیا جاتا تو عاصی بن وائل سہمی کہتا تھا: "اس شخص کو چھوڑو، وہ تو ایک تر آدمی ہے، اولادِ نرینہ سے محروم ہے، مرجائے گا تو اس کا تذکرہ ختم ہوجائے گا اور تمہیں اطمینان وسکون حاصل ہوجائے گا۔" ں پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکوثر نازل فرمائی:

اعطینٰك الكوثرؕ فصلّ لـربك — (اے نبیؐ!) ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا۔ پس تم اپنے رب ہی کے لیے
نحرؕ انّ شانئك هو الابترؕ — نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔

"الکوثر" دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے اور بے انتہا خیر و برکت اور بے شمار نعمتوں کو محیط ہے۔ انّ شانئك هو بتر — یعنی تمہارا دشمن عاصی بن وائل ہی ابتر ہے۔

۴۱۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری ے عبداللہ بن مسلم زہری کی روایت بیان کی۔ عبداللہ بن مسلم نے کہا: میں نے انس بن مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ یہ وسلم سے "کوثر" کے متعلق دریافت کیا گیا کہ یہ عطیہ جو آپؐ کو دیا گیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "کوثر ت میں ایک نہر ہے جس طرح (یمن کے) صنعاً سے سرزمینِ شام کے ایلہ تک نہر ہے۔ اس پر اتنے کوزے رکھے ہوں گے نے آسمان میں تارے ہیں۔ اس نہر کے کنارے پرندے ہوں گے جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی گردنوں کی طرح لمبی ہوں گی۔" حضرت ربن خطابؓ نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! بخدا! یہ پرندے تو بہت فربہ اور خوشحال ہوں گے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ م نے فرمایا: "ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ فربہ اور توانا ہوں گے۔"

۴۱۶) یونس نے عیسیٰ بن عبداللہ تمیمی سے اور اس نے عبداللہ بن ابی نجیح کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان —— اعطینٰك الكوثر" کے متعلق انس بن مالک کی روایت بیان کی۔ راوی نے کہا: کوثر جنت میں ایک نہر ہے! ابن ابی نجیح بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: یہ جنت میں ایک نہر ہے جس کے بہنے کی آواز (خرخراہٹ) کو ہر شخص سن سکے گا اہ اس نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونسی ہوں گی۔

۴۱۷) یونس نے یزید بن زیاد بن ابی جعد سے اور اس نے عاصم جحدری کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی روایت ن کی۔ راوی نے کہا کہ فرمانِ الٰہی —— فصلّ لربّك وانحر —— میں "نحر" سے مراد نماز میں بائیں ہاتھ پر

دایاں ہاتھ رکھ کر اسے سینے پر باندھنا ہے۔ (اس طرح آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور نماز میں بائیں پر دایاں ہاتھ رکھ کر اسے سینے سے باندھو)

(۱۷۴) یونس نے قطر بن خلیفہ کی روایت نقل کی۔ قطر نے کہا کہ میں نے عطاؒ سے "کوثر" کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواب دیا: "یہ جنت میں ایک نہر ہے۔" نیز میں نے آیت ــــ فصل لربك وانحر ــــ کے متعلق پوچھا تو عطاؒ نے جواب دیا: "اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم قربانی کے دن فجر کی نماز پڑھیں اور اس کے بعد قربانی کریں۔"

باب ۴۰

مذاق اُڑانے والوں کا المناک انجام

(۴۱۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کی طرف سے فتنہ پردازی، ایذا رسانی اور استہزأ کے باوجود ثواب حاصل کرنے اور اپنی قوم کی خیر خواہی کے جذبہ کے تحت اللہ تعالیٰ کے حکم کی تبلیغ کے لیے کمرِ ہمت باندھ لی۔ راوی نے کہا: مجھ سے یزید بن رومان نے عروہ وغیرہ علماؑ کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ مذاق اڑانے والے یہ پانچ اشخاص تھے:

اسود بن عبدیغوث بن وہب، اسود بن مطلب بن اسد، ولید بن مغیرہ، عاصی بن وائل اور حارث بن طلاطلہ خزاعی۔

یہ آپؐ کا مذاق اڑاتے تھے اور آپؐ پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور آنحضرتؐ کے ساتھ کعبہ کے دروازہ کے قریب کھڑے ہو گئے۔ یہ مذاق اڑانے والے اس وقت کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ اسود بن عبدیغوث آپؐ کے پاس سے گزرا، جبریلؑ نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اس کا پیٹ سُوج گیا اور وہ مر گیا۔

اسود بن مطلب آپؐ کے پاس سے گزرا، جبریلؑ نے اس کے چہرہ پر ایک سبز پتّہ پھینکا اور اس کی بینائی جاتی رہی۔

ولید بن مغیرہ آپؐ کے پاس سے گزرا، جبریلؑ نے اس کے پاؤں کے ٹخنے کے ایک زخم کی طرف اشارہ کیا، یہ زخم کچھ عرصہ قبل اسے لگا تھا، جبریلؑ کے اشارے سے یہ زخم دوبارہ خراب ہو گیا اور اسی سے اس کی موت واقع ہوئی۔

عاصی بن وائل آپؐ کے پاس سے گزرا، جبریلؑ نے اس کے پاؤں کے تلوے کے درمیانی حصّہ کی طرف اشارہ کیا وُہ ایک گدھے پر سوار ہو کر طائف گیا۔ گدھا ایک زہریلے خاردار پودے پر بیٹھ گیا۔ عاصی کے پاؤں کے تلوے کے وسطی حصّہ میں ایک کانٹا چُبھ گیا جو اس کی موت کا سبب بن گیا۔

پھر حارث بن طلاطلہ آپؐ کے پاس سے گزرا، جبریلؑ نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا وہ متورم ہو گیا اور پیپ سے بھر گیا اور یہی عارضہ اس کی موت کا سبب بن گیا۔ ان مذاق اڑانے والوں کے متعلق اللہ عزوجل نے فرمایا:

انا کفینٰک المستھزءین ۝ تمہاری طرف سے ہم ان مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کے لیے کافی ہیں۔

(الحجر۔ ۹۵)

(۴۱۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا : مجھ سے زبیر نے عکاشہ بن عبداللہ بن ابی احمد کی یہ روایت بیان کی کہ جب ہشام بن ولید کے بھائی ولید بن ولید نے اسلام قبول کیا تو بنی مخزوم کے کچھ آدمی ہشام بن ولید کے پاس گئے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ ان میں سے جن نوجوانوں ——— سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ ——— نے اسلام قبول کیا ہے انہیں پکڑ لیا جائے۔ لیکن وہ ہشام بن ولید کے شر سے خائف تھے اس لیے انہوں نے اسے کہا کہ ان نوجوانوں نے جو نیا دین ایجاد کر لیا ہے اس کی پاداش میں ہم انھیں سزا دینا چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے علاوہ دوسروں کو یہ دین قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوگی اور ہم محفوظ ہو جائیں گے ہشام نے کہا : "جس نے یہ کام کیا اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔ پس اگر تم اسے سزا دو گے تو میں اس کے نتائج سے تمہیں متنبہ کرتا ہوں۔ پھر اس نے یہ شعر کہا : ؎

الا لا یقتلن اخی غبیش — خبردار ! کوئی دھوکا باز ظالم میرے بھائی کو قتل نہ کرے۔ اگر کسی نے
فیبقی بیننا ابدا تلاح — ایسا کیا تو ہمارے درمیان ہمیشہ لڑائی جھگڑا برپا رہے گا۔

اس سے تعرض کرنے سے بچو۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر تم نے اسے قتل کیا تو میں تم میں سے ایسے آدمی کو قتل کروں گا جو سب سے زیادہ بزرگی کا حامل ہوگا۔" انہوں نے کہا : "اے اللہ ! اس پر لعنت بھیج۔ اس خبیث کے خلاف کون جرأت کر سکتا ہے ؛ بخدا ! اگر اسے ہماری وجہ سے مصیبت پہنچی تو یہ ہمارے بزرگ ترین آدمی کو قتل کر دے گا۔" انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور اپنے منصوبہ سے باز آ گئے۔ ہشام ان لوگوں میں سے ہو گیا جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے شر کو دفع کیا۔

(۴۲۰) یونس نے ابی معشر کے حوالہ سے محمد بن کعب کی یہ روایت بیان کی کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور کہا : "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ! آپؐ ہمیں بتاتے ہیں کہ موسیٰؑ کے پاس ایک عصا تھا جسے انہوں نے چٹان پر مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ آپؐ ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ عیسیٰؑ مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ آپؐ ہمیں یہ خبر بھی دیتے ہیں کہ قوم ثمود کے لیے ایک اُونٹنی تھی۔ اس قسم کی کوئی نشانی آپؐ بھی پیش کریں تاکہ ہم آپؐ کی تصدیق کریں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "تم لوگ مجھ سے کس چیز کا مطالبہ کرتے ہو ؟" انہوں نے کہا : "ہمارے لیے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیا جائے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا : "اگر میں ایسا کر دُوں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے ؟" انہوں نے کہا : "ہاں، اگر آپؐ نے ایسا کر دیا تو ہم سب آپؐ کا اتباع کریں گے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حضور دُعا کرنے لگے حضرت جبریلؑ آپؐ کے پاس تشریف لائے اور آپؐ سے کہا : "آپؐ کیا چاہتے ہیں ؛ اگر آپؐ چاہیں تو میں صفا کے پتھروں کو سونے میں تبدیل کر دوں لیکن جب کوئی فرمائشی معجزہ پیش کیا جائے اور لوگ اس کی تصدیق نہ کریں تو ایسی صورت میں وہ عذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اگر آپؐ چاہیں تو ان میں سے توبہ کرنے والے تائب ہو جائیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "میں ان کو چھوڑے دیتا ہوں تاکہ ان میں سے جو کوئی توبہ کرنا چاہے وہ تائب

جائے۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں :

اقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جاءتھم اٰیة لیؤمنن بھا . . . . .
. . . .
. . . . الیٰ قولہ
ما کانوا لیؤمنوا الا ان یشاء اللہ ۔
(الانعام - ۱۰۹ - ۱۱۱)

یہ لوگ کڑی کڑی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ہمارے سامنے آجائے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے ۔ اے نبیؐ ! ان سے کہو کہ "نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں۔" اور تمہیں کیسے سمجھایا جائے کہ اگر نشانیاں آ بھی جائیں تو یہ ایمان لانے والے نہیں ۔ ہم اسی طرح ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے ۔ ہم انہیں ان کی سرکشی ہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑے دیتے ہیں اگر ہم فرشتے بھی ان پر نازل کر دیتے اور مُردے ان سے باتیں کرتے اور دنیا بھر کی چیزوں کو ہم ان کی آنکھوں کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے الّا یہ کہ مشیتِ الٰہی یہی ہو کہ وہ ایمان لائیں ۔

۲۴) یونس نے عیسیٰ بن عبداللہ تمیمی کے حوالہ سے ربیع بن انس بکری کی یہ روایت بیان کی ۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے جس طرح حضرت صالحؑ اور دیگر انبیاء علیہم السلام لے کر آئے تھے ؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : " اگر تم چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ تمہارے لیے نشانی نازل کرے ۔ لیکن اس کے بعد اگر تم نے نافرمانی کی روش اختیار کی تو تم ہلاک ہو جاؤ گے کیونکہ تم پر عذاب نازل ہو جائے گا ۔ لوگوں نے کہا : " ہم نشانی نہیں چاہتے ۔"

۲۴) یونس نے ابی معشر مدینی کی وساطت سے محمد بن کعب قرظی کی یہ روایت بیان کی کہ قریشِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمکلام ہوئے اور انہوں نے کہا : " اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ! ہم ایک تنگ وادی میں ہیں ، جہاں پانی کی قلت ہے ۔ اپنے قرآن کے زور سے ان پہاڑوں کو چلا کر پیچھے ہٹا دو (تاکہ وادی کشادہ ہو جائے) ، اور ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ نکالو تاکہ ہم اس سے سیراب ہوں اور ہمارے آباؤ اجداد کو قبروں سے نکال لاؤ تاکہ ہم ان سے ہمکلام ہوں اور دریافت کریں کہ ان کا کیا حال ہے ۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

ولو ان قرانا سیرت بہ الجبال او قطعت بہ الارض او کلم بہ الموتی ط (الرعد - ۳۱)

اور کیا ہو جاتا اگر کوئی ایسا قرآن اتار دیا جاتا جس کے زور سے پہاڑ چلنے لگتے ، یا زمین شق ہو جاتی ، یا مُردے قبروں سے نکل کر بولنے لگتے ؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبیؐ ! اگر قرآن کے زور سے اس قسم کی نشانیاں دکھا دینے میں مصلحت ہوتی تو ہمارے اس قرآن کے ذریعہ سے ایسا ضرور کر دیتا ۔

(۴۲۳) یونس نے ہشام بن عروہ کی یہ روایت بیان کی کہ قرآن کے جملہ مضامین جن میں اُمم سابقہ اور قرونِ ماضیہ کا ذکر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت قدمی کی تلقین کی گئی ہے وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئے اور فرائض و سنن (یعنی شریعت و قانون) کے متعلق احکام مدینہ منورہ میں نازل ہوئے۔

(۴۲۴) یونس نے مبارک بن فضالہ کے حوالہ سے حسن کی یہ روایت نقل کی کہ عبداللہ کوفہ پہنچا تو وہاں اس نے "زط" لوگوں کو دیکھا اور ان سے خوفزدہ ہُوا۔ اس نے دریافت کیا: "یہ کون لوگ ہیں؟" جواب دیا گیا: "یہ "زط" ہیں۔ عبداللہ نے کہا: "یہ لوگ جنّوں سے مشابہ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سنایا تھا۔"

(۴۲۵) یونس نے اعمش کی روایت نقل کی۔ اعمش نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جنّوں سے خطاب کیا ان کی تعداد نو تھی۔

رکانہ بن عبد یزید کا واقعہ

(۴۲۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے میرے والد اسحاق بن یسار نے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ بن عبد یزید سے فرمایا: "اسلام قبول کرو۔" رکانہ نے کہا: "اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تمہاری باتیں سچی ہیں تو میں ضرور اسلام قبول کر لُوں۔" رکانہ جسمانی طاقت کے اعتبار سے قوی ترین لوگوں میں سے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے کہ اگر میں تمہیں کُشتی میں پچھاڑ دُوں تو تمہیں یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ میں جو کچھ کہتا ہُوں وُہ سچ ہے۔" رکانہ نے کہا: "ہاں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپؐ نے رکانہ کو پچھاڑ دیا۔ اس نے کہا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! دوبارہ کُشتی لڑو۔" آنحضرتؐ نے اس سے دوبارہ پنجہ آزمائی کی اور اسے پچھاڑ دیا۔ رکانہ یہ کہتے ہوئے چلا گیا: "یہ شخص تو جادوگر ہے میں نے کبھی اس جیسا جادو نہیں دیکھا۔ بخدا! میری طاقت سلب ہو گئی۔ یہاں تک کہ اس نے پہلو کے بل مجھے زمین پر گرا دیا۔"

باب ۱۴

علاماتِ نبوّت

(۴۲۷) یونس نے اعمش کے حوالہ سے منہال بن عمرو سے اور اس نے یعلی ابن مرہ کی وساطت سے اس کے باپ کی روایت نقل کی۔ مرہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر کیا اور عجیب و غریب چیز کا مشاہدہ کیا۔ ہم ایک منزل پر اترے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان دو درختوں کی طرف جاؤ اور انھیں کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں فرمایا ہے کہ تم دونوں مل جاؤ۔" میں ان درختوں کے پاس گیا اور انھیں آنحضرتؐ کا یہ پیغام دیا۔ ان میں سے ہر ایک درخت اپنی جڑ سے اکھڑ کر دوسرے کی طرف چلنے لگا اور وہ دونوں آپس میں مل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آڑ میں رفعِ حاجت کی اور پھر مجھے فرمایا کہ انہیں جاکر کہو کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے جائیں۔" میں گیا اور ان دونوں کو یہ پیغام دیا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک چل کر اپنی اپنی جگہ پر واپس آگیا۔

آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور اس نے کہا: "میرا یہ بیٹا سات سال سے کسی بلا کا شکار ہے اور ہر روز دو دفعہ اس بلا کا دورہ ہوتا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے میرے قریب لاؤ۔" عورت اس لڑکے کو آنحضرتؐ کے قریب لے گئی۔ آپؐ نے اس لڑکے کے منہ میں یہ بات کہی: "اے دشمنِ خدا! نکل جاؤ، میں خدا کا رسول ہوں۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا: "جب ہم واپس آئیں تو ہمیں اس بچے کا حال بتانا۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے لوٹے تو اس عورت نے آنحضرتؐ کا استقبال کیا اور وہ دو موٹے اور فربہ مینڈھے بطور ہدیہ ساتھ لائی۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: "یہ ایک مینڈھا لے لو۔" راوی نے ایک مینڈھا لے لیا۔ اس عورت نے کہا: "میرا والد آپؐ کو سلام عرض کرتا ہے۔ جب سے آپؐ تشریف لے گئے تھے بچے کے پاس وہ بلا نہیں آئی۔"

پھر آنحضرتؐ کے پاس ایک اونٹ آیا اور آپؐ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے دیکھا کہ اس اونٹ کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے صحابہؓ کو بلا بھیجا اور فرمایا: "تمہارے اس اونٹ کو کیا ہو گیا ہے، یہ تمہاری شکایت کرتا ہے۔" صحابہؓ نے کہا: "ہم اس سے کام لیتے تھے، یہ بوڑھا ہو چکا ہے اور کام کے قابل نہیں رہا اس لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ کل اسے ذبح کر دیا جائے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو ذبح نہ کرو بلکہ اسے اونٹوں کے اس گلّے میں بھیج دو جس میں وہ پہلے چرا کرتا تھا۔"

(۴۲۸) یونس نے اعمش سے اور اس نے شمر بن عطیہ کے حوالہ سے بعض اساتذہ کی یہ روایت بیان کی کہ ایک عورت اپنے ایک گونگے بچے کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! میرا یہ بچہ جب سے پیدا ہوا ہے بولتا نہیں ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے میرے قریب لاؤ۔" وہ عورت اسے آنحضرتؐ کے قریب لے گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے سے سوال کیا: "بتاؤ، میں کون ہوں؟" بچہ پکار اٹھا: "آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

(۴۲۹) یونس نے اسماعیل بن عبدالملک سے اور اس نے ابی زبیر کی وساطت سے جابر کی روایت نقل کی۔ جابرؓ نے کہا: میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپؐ قضائے حاجت کے لیے دُور نکل جاتے تھے جہاں آپؐ کو کوئی دیکھ نہ سکے۔ ہم ایک وسیع و فراخ صحرا میں اترے جس میں دُور دُور تک کوئی درخت یا اوٹ یا آڑ نہیں تھی۔ آنحضرتؐ نے مجھے فرمایا: "اے جابر! یہ برتن لے لو اور چلو۔" میں نے برتن پانی سے بھر لیا اور ہم دُور نکل گئے، وہاں دو درخت ایک دوسرے سے کچھ فاصلہ پر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: "اے جابر! جاؤ اور اس درخت کو کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اس دُوسرے درخت کے ساتھ جا کر مل جاؤ تاکہ میں تم دونوں کی اوٹ میں بیٹھ سکوں۔ چنانچہ وہ درخت چل کر دُوسرے درخت کے ساتھ مل گیا۔ آنحضرتؐ نے ان کی اوٹ میں بیٹھ کر فراغت حاصل کی۔ پھر ہم واپس آئے اور اپنی سواریوں پر سوار ہو کر چل دیے، اور ہم ایسا محسوس کر رہے تھے کہ پرندوں کے غول نے ہمارے سروں پر سایہ کیا ہوا ہے۔

ہم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک لڑکے کو اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئی اور عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! میرے اس بیٹے پر شیطان ہر روز تین بار دورہ کرتا ہے اور اسے چھوڑتا نہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے اور اس لڑکے کو اٹھا کر کجاوہ کے سامنے رکھا اور تین دفعہ فرمایا: "اے دشمنِ خدا! نکل جا، میں خدا کا رسول ہوں۔" آنحضرتؐ نے پھر اس لڑکے کو اس عورت کے حوالے کر دیا۔ جب ہم واپس آئے تو وہ عورت دو دُنبے لے کر اور بچے کو اٹھا کر پھر حاضر ہوئی اور عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! میرا ہدیہ قبول فرمائیے، اُس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے وہ بلا پھر اس بچے کے پاس نہیں آئی۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک دُنبہ لے لو اور دُوسرا ان کے پاس رہنے دو۔"

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں روانہ ہوئے ایک اونٹ بلبلاتا ہوا آگیا اور انجیر کے دو درختوں کے درمیان آنحضرتؐ کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس اونٹ کا مالک کون ہے؟" انصاری نوجوانوں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! یہ ہمارا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "اس کا کیا حال ہے؟" انہوں نے کہا: "ہم بیس سال تک اس سے پانی کھینچنے کا کام لیتے رہے ہیں جب یہ عمر رسیدہ ہو گیا اور اس پر چربی آگئی تو ہم نے اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا ہے تاکہ ہم اسے لڑکوں بالوں میں تقسیم کر دیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: "یہ میرے پاس فروخت کر دو۔" انہوں نے کہا: "یا رسول اللہؐ! یہ آپؐ ہی کا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کی خاطر و مدارات کرو یہاں تک کہ اس کی اجل آ جائے۔" انہوں نے کہا: "یا رسول اللہؐ! ہم چوپایوں کی نسبت اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپؐ کو سجدہ کریں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی بشر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے بشر کو سجدہ کرے۔ اگر اس کا جواز ہوتا تو عورتیں اپنے مردوں کو سجدہ کرتیں۔"

(۴۳۰) یونس نے مبارک بن فضالہ کی وساطت سے حسن کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی کسی گھاٹی میں تھے۔ آپؐ کی قوم نے آپؐ کو جھٹلایا تھا اور آپؐ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق قوم کی اس بدسلوکی سے سخت غمگین تھے۔ آنحضرتؐ نے دعا کی: "اے میرے پروردگار! مجھے کوئی ایسی نشانی دکھلا جس سے میرے دل کو سکون و اطمینان حاصل ہو اور میرا یہ غم غلط ہو جائے۔" اللہ عزّ وجل نے آپؐ کی طرف وحی بھیجی کہ اشجار کی جس ٹہنی کو تم بلانا چاہو بلاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹہنی کو بلایا وہ اپنی جگہ سے اُکھڑ کر زمین کے ساتھ مل گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ اپنی جگہ پر واپس چلی جاؤ۔ چنانچہ وہ شاخ زمین کے ساتھ ساتھ جا کر اپنی سابقہ حالت پر قائم ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عز وجل کی حمد بیان کی اور آپؐ کا جی خوش ہو گیا۔

مشرکین نے آنحضرتؐ کو کہا تھا: "اے محمدؐ! کیا تم اپنے آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دیتے ہو؟" اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل افغیر اللّٰہ تامرونی اعبد ایھا الجاھلون ۝ ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخسرین ۝ بل اللّٰہ فاعبد وکن من الشکرین ۝

(الزمر - ۶۴ - ۶۶)

(اے نبیؐ!) ان سے کہو "پھر کیا اے جاہلو! تم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کے لیے مجھ سے کہتے ہو؟" (یہ بات تمہیں ان سے صاف کہہ دینی چاہیے کیونکہ) تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے۔ لہٰذا (اے نبیؐ!) تم بس اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکرگزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔

(۴۳۱) یونس نے مالک بن مغول سے اور اس نے طلحہ کی وساطت سے ابو صالح کی یہ روایت بیان کی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے۔ صحابہ کرامؓ کا زادِ راہ ختم ہو گیا اور آنحضرتؐ نے قصد کر لیا کہ سواری کے بعض اونٹوں کو ذبح کر لیا جائے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! اگر آپؐ حکم دیں تو تمام لوگوں کے باقی ماندہ زادِ راہ آپؐ جمع کر لیں اور اس میں اللہ تعالیٰ سے برکت کی دُعا کریں۔" جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجوریں لے آیا اور جس کے پاس کھانے کے دانے تھے وہ لے آیا۔ مجاہد نے کہا: "جس کے پاس چھوہارے کی گٹھلی تھی وہ گٹھلی ہی لے آیا۔ میں نے کہا: "وہ گٹھلیوں کو کیا کرتے تھے؟" اس نے کہا: "وہ گٹھلی کو چوستے تھے اور اوپر سے پانی پی لیتے تھے۔"

جب بچا کھچا زادِ راہ جمع ہوگیا تو آنحضرتؐ نے اس میں اللہ تعالیٰ سے برکت کی دُعا کی۔ سب لوگوں نے اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ۔ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا اور اسے توحید و رسالت کے بارے میں شک نہیں ہوگا اسے قیامت کے دن جنت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔“

(۴۳۴) یونس نے قاسم بن فضل سے روایت نقل کی۔ قاسم نے کہا: مجھ سے ابو نضرہ عبدی نے ابو سعید خدریؓ کی یہ روایت بیان کی کہ ایک گڈریا سنگستان میں اپنا ریوڑ چرا رہا تھا۔ ایک بھیڑیا ریوڑ میں سے ایک بکری اٹھانے کے لیے آگیا گڈریا بھیڑیے کے آڑے آیا اور اس نے بکری کو اس کی دست بُرد سے بچا لیا۔ بھیڑیا اپنی دم دبا کر بیٹھ گیا اور اس نے گڈریے سے کہا ”تو خدا سے نہیں ڈرتا، تو میرے اور اس رزق کے درمیان حائل ہوگیا جو خدا نے مجھے دیا ہے۔“ گڈریے نے کہا ”یہ عجیب بات ہے کہ ایک بھیڑیا اپنی دم پر بیٹھ کر مجھ سے آدمیوں کی طرح باتیں کرتا ہے۔“ بھیڑیے نے کہا ”کیا میں تمہیں اس سے عجیب تر بات نہ بتاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ان باتوں کی خبر دیتے ہیں جو پہلے گزر چکی ہیں۔“ گڈریا اپنا ریوڑ ہانک کر مدینے آیا اور اسے مدینے کے گوشوں میں سے ایک گوشے میں چھوڑ دیا۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آنحضرتؐ کو بھیڑیے کی گفتگو سنائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس تشریف لائے اور اس گڈریے کو فرمایا کہ بھیڑیے کی باتیں ان لوگوں کو بھی بتاؤ۔ گڈریے نے تعمیل ارشاد کی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: ”اس گڈریے نے سچ کہا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ درندے انسانوں کے ساتھ کلام کریں گے اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ یہ علامت ظاہر نہ ہو اور انسان سے اس کے جوتے کا تسمہ کلام نہ کرے اور اس کا کوڑا اور اس کی ران اس سے وہ تمام باتیں بیان نہ کرے جو اس کی عدم موجودگی میں اس کے اہلِ خانہ نے کی ہوں گی۔“

(۴۳۵) یونس نے عبدالحمید بن بہرام فزاری کی روایت بیان کی۔ عبدالحمید نے کہا: مجھ سے شہر بن حوشب نے ابو سعید کی یہ روایت نقل کی کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص ذوالحلیفہ کے ریگستان میں اپنی بکریوں کا ریوڑ چرا رہا تھا، اچانک ایک بھیڑیا ایک بکری پر جھپٹا اور اسے پکڑ لیا۔ گڈریا زور سے چلایا اور اس نے بھیڑیے کو پتھر مارے اور بکری کو بھیڑیے سے بچا لیا۔ بھیڑیا اپنی دم زمین پر ٹیک کر گڈریے کے بالمقابل بیٹھ گیا اور اسے کہا ”تو اللہ سے کیوں نہیں ڈرتا؟ تو میرے اور بکری کے درمیان حائل ہوگیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی تھی۔“ گڈریے نے کہا ”بخدا! میں نے ایسی بات کبھی نہیں سنی تھی جو آج سنی ہے۔“ بھیڑیے نے کہا ”تو متعجب کیوں ہے؟“ گڈریے نے کہا ”تیری گفتگو نے مجھے تعجب میں ڈال دیا ہے۔“ بھیڑیے نے کہا ”اس سے زیادہ عجیب معاملہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو کھجور کے درختوں کے درمیان اپنی جماعت کے لوگوں کو ان باتوں کی خبر دیتے ہیں جو پہلے گزر چکی ہیں اور جو آئندہ وقوع پذیر ہونے والی ہیں اور تم یہاں اپنے ریوڑ کے پاس ہو۔“ جب گڈریے نے بھیڑیے کی باتیں سنیں تو اس نے اپنے ریوڑ کو ہنکایا اور انہیں انصار کے محلہ میں ایک قبہ میں داخل کر دیا۔ پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

ملاقات کی اور آنحضرتؐ کو بھیڑیے کی باتیں بتلائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اطلاع کو درست تسلیم کیا اور فرمایا کہ دن کے آخری حصہ میں آؤ اور جب دیکھو کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں تو انھیں اس واقعہ کی خبر دو۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا کی اور لوگ اکٹھے ہوئے تو قبیلہ اسلم کے اس شخص نے لوگوں کو بھیڑیے کا واقعہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ فرمایا کہ اس شخص نے سچ کہا ہے۔ یہ ان عجائبات سے ہے جو قیامت کے قریب وقوع پذیر ہوں گے۔" اس فقرہ کو بھی آنحضرتؐ نے تین دفعہ دُہرایا، اور پھر فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ وہ وقت قریب ہے کہ آدمی صبح یا شام کو گھر سے باہر جائے اور جب واپس آئے تو اس کا کوڑا یا اس کا جوتا وہ تمام باتیں اسے بتلا دے جو اس کی عدم حاضری میں اس کے اہل خانہ نے کی ہوں۔"

(۴۴۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: "مجھ سے عبدالرحمان اعرج نے ابی سلمہ بن عبدالرحمان بن عوف کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کا واقعہ بیان فرمایا جو ایک گائے پر سوار ہو گیا اس نے گائے کو چھیڑ کر دوڑانا چاہا اور اس کو مارا۔ گائے نے کہا: "اے اللہ کے بندے! میں اس کام کے لیے پیدا نہیں کی گئی ہوں۔" صحابہؓ نے کہا: "اللہ پاک ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اس واقعہ کو عجیب سمجھا ہے؟" صحابہؓ نے عرض کی "ہاں، یا رسولؐ اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اس واقعہ کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں۔" یاد رہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اس وقت وہاں موجود نہ تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک بھیڑیا ایک آدمی کے ریوڑ پر جھپٹا اور اس میں سے ایک بکری کو اٹھا لیا۔ اس آدمی نے بھیڑیے کا تعاقب کیا اور بکری بھیڑیے کے منہ سے چھین لی۔ تب بھیڑیے نے کہا: آج تُو نے اس بکری کو مجھ سے چھڑا لیا بھلا جس دن درندہ اس کا نگہبان ہوگا اس دن اس کو کون بچائے گا۔ اس وقت میرے سوا اس کا کوئی نگہبان نہ ہوگا!" صحابہؓ نے اللہ کی تسبیح کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم اس واقعہ کو عجیب سمجھتے ہو؟" صحابہؓ نے عرض کی: "ہاں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اس واقعہ کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں۔" یاد رہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اس وقت وہاں موجود نہ تھے۔

(۴۴۵) یونس نے یحییٰ بن ابی انیسہ کے حوالے سے زہری سے اور اس نے سعید بن مسیّب کی وساطت سے ابوہریرہؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک چرواہا بکریوں کا ریوڑ چرا رہا تھا اور ایک بھیڑیا ایک بکری کو گلّہ سے اُچک لے گیا۔ گڈریے نے بھیڑیے کا تعاقب کیا اور بکری اس سے چھین لی۔ بھیڑیا گڈریے کی طرف متوجہ ہُوا اور بولا: "جس دن درندہ اس کا نگہبان ہوگا اس دن اس کو کون بچائے گا ——————: اس دن بکریوں کا کوئی گڈریا نہیں ہوگا۔" صحابہؓ نے کہا: "سبحان اللہ!" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اس واقعہ کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں۔"

(۴۴۶) یونس نے ابن ابی انیسہ کے حوالہ سے زہری سے اور اس نے سعید بن مسیّب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمان کی

وساطت سے ابو ہریرہؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک شخص اپنی گائے کو ہانک رہا تھا اور اس پر اس نے بوجھ لادا ہوا تھا۔ گائے اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگی: "میں اس کام کے لیے پیدا نہیں کی گئی ہوں، بلکہ مجھے تو کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔" صحابہؓ نے تعجب سے کہا: "اللہ پاک ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میںؐ اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اس واقعہ کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں۔"

(۴۳۷) یونس نے سری بن اسماعیل کی وساطت سے شعبی کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں تھے آپؐ نے ایک جگہ ڈیرہ ڈالا۔ صحابہؓ پانی کا ایک برتن لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! ہمارے پاس صرف یہی پانی ہے۔" آنحضرتؐ نے اس پانی کو ایک ڈول میں انڈیل دیا اور اپنی انگلی کو ڈول کے درمیان رکھ کر پانی میں ڈبو دیا۔ لوگ آتے رہے اور وضو کر کے واپس جاتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا کہ بعض کی ایڑیاں پانی سے تر نہ ہوئی تھیں۔ آنحضرتؐ نے دعا فرمائی: "اے اللہ! ان کی اس کوتاہی کو معاف فرما۔"

(۴۳۸) یونس نے مالک بن مغول سے اور اس نے طلحہ کے حوالہ سے ابو صالح کی یہ روایت بیان کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں اپنے بھائیوں سے کب ملوں گا؟" صحابہؓ نے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! کیا ہم آپؐ کے بھائی نہیں ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میرے اصحاب ہو۔ میرے بھائی میری اُمّت کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا لیکن وہ مجھ پر ایمان لائے اور انہوں نے میری تصدیق کی۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کون سے لوگوں کا ایمان سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟" صحابہؓ نے کہا: "اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ کیونکر ایمان نہ لائیں گے جبکہ وہ ہر وقت اللہ کے دربار میں حاضر ہیں۔" صحابہؓ نے پھر کہا: "انبیاء علیہم السلام کا ایمان پسندیدہ ترین ہے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ان کے لیے ایمان لائے بغیر چارہ نہیں کیونکہ ان کی طرف وحی آتی ہے۔" صحابہؓ نے پھر کہا: "انبیاء علیہم السلام کے صحابہؓ کا ایمان سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ کیوں نہ ایمان لائیں جبکہ اللہ عزّ وجل کے پیغمبر اُن میں موجود ہوں؟ لیکن میری اُمّت کے وہ لوگ جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا وہ اپنے پروردگار پر اور اس کی کتاب پر ایمان لائیں اور اس کی تصدیق کریں تو ان کا ایمان پسندیدہ ترین ہے۔"

(۴۳۹) یونس نے اعمش سے اور اس نے عمارہ بن عمیر کے حوالہ سے عبدالرحمان بن یزید کی یہ روایت بیان کی کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی فضیلت کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ عبداللہؓ نے کہا: ماکان ... فضلہ لمن راٰہ[1] اور قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کی فضیلت کامل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بن دیکھے ایمان لانے والے سے زیادہ کوئی مومن افضل نہیں ہے۔ پھر عبداللہؓ نے یہ آیات تلاوت کیں:

الٓمّٓ ذٰلك الكتٰب لا ريبَ فيه ۛ	الف، لام، میم۔ یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔
. . . .	ہدایت ہے ان پرہیزگار لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں،
. . . . . . الیٰ قوله	نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ

---

[1] جملہ نامکمل ہونے کے سبب اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔

واولٰئك هم المفلحون ۵
(البقرہ - ۱ - ۵)

کرتے ہیں، جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہِ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

(۴۰) یونس نے اسماعیل بن عبدالملک کی وساطت سے عطاؒ کی یہ روایت بیان کی کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ آپؐ کے گرد جمع تھے آپؐ نے ان سے فرمایا: یہ امر پسندیدہ تو ہے لیکن عجیب نہیں ہے کہ تم میں سے ایک شخص تمہاری طرف مبعوث کیا گیا اور تم اس پر ایمان لائے اور تم نے اس کی تصدیق کی۔ تمہارا یہ عمل یقیناً پسندیدہ ہے لیکن انوکھا نہیں ہے۔ پسندیدہ ترین اور عجیب ترین ایمان تو ان لوگوں کا ہے جو بن دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے۔

(۴۱) یونس نے اسماعیل سے روایت نقل کی۔ اسماعیل نے کہا کہ مجھ سے یزید بن ابی حبیب نے مرثد بن عبداللہ کے حوالہ سے ابی عبدالرحمان جہنی کی یہ روایت بیان کی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اتنے میں اہلِ یمن میں سے دو سوار آگئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا: "دو مذحجی کندی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بیعت کرنے آئے ہیں۔" جب ان میں سے ایک شخص نے آنحضرتؐ کا ہاتھ بیعت کی غرض سے پکڑا تو عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! وہ شخص جو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ پر ایمان لایا، آپؐ کی تصدیق کی اور اس بات کی شہادت دی کہ آپؐ جو پیغام لائے ہیں وہ برحق ہے اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اس کا یہ طرزِ عمل پسندیدہ و مقبول ہے۔" اس شخص نے آنحضرتؐ کی بیعت کی اور چلا گیا۔ پھر دوسرا شخص آگے بڑھا اور اس نے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! جس شخص نے آپؐ کو نہیں دیکھا لیکن اس نے آپؐ کی تصدیق کی اور اس بات کی شہادت دی کہ آپؐ جو پیغام لائے ہیں وہ برحق ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟" آپؐ نے فرمایا: اس کا یہ طرزِ عمل بھی پسندیدہ و مقبول ہے۔" اس شخص نے بھی آنحضرتؐ کی بیعت کی اور پھر وہ چلا گیا۔

(۴۲) یونس نے فائد بن عبدالرحمان عبدی کے حوالہ سے عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اپنے بھائیوں کا مشتاق ہوں۔" حضرت عمرؓ نے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! کیا ہم آپؐ کے بھائی نہیں ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "نہیں، تم میرے اصحابؓ ہو، میرے بھائی وہ ہیں جو بن دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے۔" جب حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بات بتائی جو آنحضرتؐ نے فرمائی تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوبکرؓ! کیا تمہیں ان لوگوں سے پیار اور محبت نہیں ہے جنہیں یہ بات پہنچے گی کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو اور اس بنا پر وہ تم سے محبت کریں گے؟ تمہیں چاہیے کہ تم ان سے محبت کرو، اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت کرے گا۔"

باب ۴۲

اُمِ شریکؓ دوسیہ کا اسلام لانا

(۳۴۴) یونس نے عبدالاعلیٰ بن مساور قرشی کے حوالہ سے محمد بن عمرو سے اور اس نے عطاء کی وساطت سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نقل کی۔ ابوہریرہؓ نے کہا: قبیلہ دوس کی ایک عورت کو امّ شریک کہا جاتا تھا۔ وہ رمضان کے مہینہ میں ایمان لے آئی۔ وہ اس تلاش میں تھی کہ کوئی شخص اسے اپنے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جائے۔ اس کی ملاقات ایک یہودی سے ہوئی۔ یہودی نے پوچھا: "ام شریکؓ! تُو کیا چاہتی ہے؟" ام شریکؓ نے کہا: "میں کسی ایسے مرد کی تلاش میں ہوں جو مجھے اپنے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جائے۔" یہودی نے کہا: "آؤ میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔" ام شریکؓ نے کہا: "ذرا انتظار کرو تاکہ میں اپنی مشک میں پانی بھر لوں۔" یہودی نے کہا: "میرے پاس کافی پانی موجود ہے۔ تمہیں پانی ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" ام شریکؓ یہودی کے قافلہ کے ساتھ روانہ ہوگئی۔ قافلہ دن بھر سفر کرتا رہا اور شام کو یہودی نے ایک جگہ ڈیرہ ڈال دیا۔ اس نے دسترخوان بچھایا اور اس پر کھانا چُن دیا اور کہا: "ام شریکؓ! آؤ تم بھی کھاؤ۔" ام شریکؓ نے کہا: "میں پیاسی ہوں، مجھے پانی پلاؤ۔ میں جب تک پانی نہ پیوں گی پیاس کی وجہ سے کچھ کھانے کے قابل نہیں ہوں۔" یہودی نے کہا: "میں تمہیں اس وقت تک پانی نہیں دوں گا جب تک تم یہودیت اختیار نہ کرو۔" ام شریکؓ نے کہا: "اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر سے محروم رکھے۔ تم نے مجھے دھوکا دیا اور اپنے ساتھ پانی لانے سے روک رکھا۔" یہودی نے کہا: "بخدا! میں تمہیں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پلاؤں گا جب تک کہ تم یہودیت اختیار نہ کرو۔" ام شریکؓ نے کہا: "بخدا! میں ہرگز یہودیت اختیار نہیں کروں گی جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت سے نوازا ہے۔" وہ اپنے اونٹ کے پاس گئی، اس کا گھٹنا باندھا اور اونٹ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئی۔ ام شریکؓ نے کہا: "میری پیشانی پر ایک ڈول رکھ دیا گیا، اس کی ٹھنڈک محسوس کر کے میں بیدار ہوگئی۔ میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ وہ مشروب دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ میں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ پھر اپنی مشک کو خوب صاف کر کے اس میں وہ مشروب بھر لیا۔ پھر اس ڈول کو میرے پاس سے اٹھا لیا گیا اور میری نظروں کے سامنے آسمان میں غائب ہوگیا۔ جب صبح ہوئی تو وہ یہودی آیا اور اس نے مجھے پکارا۔ میں نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے پانی پلایا ہے۔" یہودی نے کہا: "کہاں سے؟ کیا آسمان سے تمہارے لیے مشروب نازل کیا گیا؟" میں نے کہا: "ہاں، بخدا! اللہ تعالیٰ نے وہ مشروب میرے لیے آسمان سے نازل فرمایا اور پھر میری نظروں کے سامنے اسے

اٹھا لیا گیا یہاں تک کہ وُہ آسمان میں غائب ہو گیا۔"

پھر ام شریکؓ نے اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئی اور آنحضرتؐ کو اپنا ماجرا سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نکاح کا پیغام دیا۔ ام شریکؓ نے کہا: "یا رسول اللہؐ! میں اپنے آپ کو آپؐ کی زوجیت کے قابل نہیں سمجھتی اس لیے اپنی ذات کو آپؐ کے لیے ہبہ کرنے پر رضامند نہیں ہوں ۔ لیکن آپؐ جس شخص کے ساتھ چاہیں میرا نکاح کر دیں اور میرا مہر آپؐ ہی کے لیے ہے۔" آنحضرتؐ نے ام شریکؓ کا نکاح زیاد کے ساتھ کر دیا اور فرمایا کہ ام شریک کو تیس صاع غلّہ دیا جائے۔ اور مزید فرمایا کہ یہ غلّہ کھاؤ لیکن اسے پیمانے سے نہ ناپو ۔ ام شریکؓ کے پاس گھی سے بھرا ہوا ایک برتن تھا وہ یہ گھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور ہدیہ دینا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنی ایک لونڈی کو کہا کہ یہ برتن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ اور سلام عرض کرنے کے بعد کہو کہ ام شریک اور اس کے خاوند نے یہ آپؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا ہے۔ لونڈی وہ برتن لے گئی۔ آنحضرتؐ کے اہلِ خانہ نے وُہ برتن لے لیا اور اسے خالی کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی سے کہا: "اس برتن (مشک) کو جا کر لٹکا دو اور اس کو بندھن سے نہ باندھو۔" اس نے برتن کو اس کی مقررہ جگہ پر لٹکا دیا۔ ام شریکؓ نے آکر دیکھا تو وہ برتن اسی طرح گھی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے لونڈی کو کہا: "کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ اس برتن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ۔" لونڈی نے جواب دیا: "تمہارے حکم کے مطابق اس برتن کو لے گئی تھی اور پھر اس حال میں واپس لے آئی کہ اس میں ایک قطرہ بھر کوئی چیز نہ تھی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو جا کر وہیں لٹکا دو اور اس کے اوپر بندھن نہ باندھو۔ چنانچہ میں نے اسے اس کی مقررہ جگہ پر لٹکا دیا۔" لیکن جب ام شریکؓ نے برتن کو گھی سے بھرا ہوا دیکھا تو اس کو بندھن سے باندھ دیا۔ وہ اس گھی کو استعمال کرتے رہے، کچھ عرصہ کے بعد وہ ختم ہو گیا۔ پھر انہوں نے وہ غلّہ پیمانے سے ناپا تو دیکھا کہ وہ تیس صاع (جَو) تھے اور ان میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی حالانکہ وُہ ان میں سے کھاتے رہتے تھے۔

باب ۴۳

قبیلہ دوس کے حضرت ابُوہریرہؓ کا اسلام لانا

(۴۴۴) یونس نے ابی جاریہ خالد بن دینار کی وساطت سے ابو العالیہ کی یہ روایت بیان کی کہ جب حضرت ابو ہریرہؓ نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پُوچھا "تم کس قبیلہ سے ہو؟" ابو ہریرہؓ نے عرض کیا: "میں قبیلہ دوس سے ہوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھا اور پھر اس کو جھاڑا اور فرمایا: "میرا خیال تھا کہ قبیلہ دوس کا کوئی شخص بھی بھلائی کا حامل ہوگا۔"

(۴۴۵) یونس نے ابن اسحاق سے روایت بیان کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے میرے ایک رفیق نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بیان کی۔ ابو ہریرہؓ نے کہا: زمانہ جاہلیت میں میرا نام عبدشمس بن صخر تھا۔ اسلام میں میرا نام عبدالرحمان رکھا گیا اور میرے آقا یا میرے والد نے میری کنیت ابو ہریرہ رکھی۔ میں ان کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ میں نے بلّی کے چھوٹے بچّے دیکھے اور انھیں اپنے تھیلے میں اٹھا لیا۔ جب شام کے وقت میں ریوڑ کو باڑہ میں لایا تو انہوں نے میرے تھیلے میں بلّی کے بچّوں کی آوازیں سُنیں اور مجھ سے پُوچھا: "اے عبدِشمس! یہ کیا ہے؟" میں نے کہا: یہ بلّی کے بچّے ہیں جو مجھے ملے ہیں۔" انہوں نے کہا: "پھر تم تو ابُوہریرہ (بلّیوں کے باپ) ہو۔" بعدازاں یہ کنیت مجھ پر چسپاں ہوگئی۔

(۴۴۶) موسیٰ نے ابن اسحاق سے یہ روایت بیان کی کہ وُہ اپنے حسب ونسب کے اعتبار سے قبیلۂ دوس میں قدر ومنزلت کے حامل تھے اور جہاں کہیں اس بات کی ضرورت پیش آئی انہوں نے اپنے آپ کو قبیلہ کی سرداری کا اہل ثابت کیا۔

(۴۴۷) یونس نے عبدالرحمان بن عبداللہ کے حوالہ سے ہزاز بن سعید کی روایت نقل کی۔ ہزاز نے کہا: میں بیت المقدس گیا وہاں میری ملاقات علی بن عبداللہ بن عباس سے ہوئی۔ میں نے سلام کیا۔ اُس نے مجھ سے پُوچھا: "تم کون ہو؟" میں نے کہا: "میں قبیلہ "رہا" کا ایک فرد ہُوں۔" اس نے کہا: "میں اس قوم کے فرد کو مرحبا کہتا ہُوں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیّت فرمائی تھی۔" اس نے پھر کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں تمھیں "رہا"، "دوس" اور "دار" کے متعلق بھلائی کی وصیت کرتا ہُوں۔" عبدالرحمان نے گمان کیا کہ یہ تینوں قبائلِ عرب کے نام ہیں۔

باب ۴۴

عدیؓ بن حاتم اور دیگر چیدہ چیدہ اشخاص کا اسلام لانا

(۴۴۸) یونس نے عبدالاعلیٰ بن ابی مساور قرشی سے اور اس نے عامر شعبی کی وساطت سے عدی بن حاتم کی روایت نقل کی عدیؓ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصبِ نبوت پر سرفراز فرمایا گیا اور میری معلومات کی حد تک پورے عرب میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو مجھ سے زیادہ آپؐ کے ساتھ بغض رکھتا ہو اور آپؐ کو ناپسند کرتا ہو، یہاں تک کہ میں رومیوں سے جا ملا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ اخلاقِ حسنہ کی دعوت دیتے ہیں اور لوگ آپؐ کے گرد اکٹھے ہو گئے ہیں تو میں نے روم کو خیرباد کہا اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کے پاس چپ چاپ کھڑا ہو گیا اس وقت صہیبؓ، سلمانؓ اور بلالؓ آپؐ کے پاس موجود تھے۔ رسولؐ اللہ نے اپنا سر مبارک اوپر اٹھایا اور میری طرف دیکھا اور فرمایا: "اے عدیؓ بن حاتم! اسلام قبول کر لو تمہیں سلامتی حاصل ہو جائے گی۔" میں نے اچھا اچھا کہا۔ میرا اعتماد بحال ہوا۔ میں آگے بڑھا اور آپؐ کے برابر بیٹھ کر میں نے اپنے گھٹنے آپؐ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیے۔ آنحضرتؐ نے میری ران پر تھپکی دی اور فرمایا "اے عدیؓ بن حاتم! حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاؤ تمہیں سلامتی حاصل ہو جائے گی۔" میں نے پوچھا "اسلام کیا ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور اس حقیقت پر ایمان لاؤ کہ بھلائی اور برائی اور نرمی و سختی کا پورا انظامِ تقدیر اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اے عدی بن حاتم! قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے فتح نہ ہو جائیں۔ اے عدی بن حاتم! قیامت برپا نہیں ہو گی یہاں تک کہ حیرہ سے ایک ہودج نشین عورت کسی کی پناہ کے بغیر آ کر اس کعبہ کا طواف کرے۔ اس دن کو فہ نہیں ہو گا۔ اے عدی بن حاتم! قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ ایک شخص مال و دولت کی تھیلی اٹھائے ادھر اُدھر گھومے گا اور اس مال کو قبول کرنے والا کوئی آدمی اسے نہیں ملے گا اور وہ اسے زمین پر دے مارے گا اور کہے گا:

"کاش! یہ مال میرے پاس نہ ہوتا، اے کاش! میں مٹی ہوتا۔"

(۴۴۹) یونس نے سعید بن عبدالرحمان کے حوالہ سے محمد بن سیرین کی روایت نقل کی اور محمد بن سیرین نے ابی عبیدہ بن حذیفہ بن یمان کی روایت بیان کی اور کہا کہ جس دن میں نے اسے دیکھا اس کی عمر چالیس سال تھی اور اس کی عمر اس سے زیادہ نہیں ہوئی۔ ابو عبیدہ بن حذیفہ نے بیین نامی ایک شخص کی یہ روایت بیان کی کہ وہ عدی بن حاتم کے پاس گیا اور اسے کہا کہ تمہارے متعلق میں نے ایک حدیث سنی ہے میں چاہتا ہوں کہ تمہاری اپنی زبان سے سُنوں۔ اس نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا تو مجھ سے زیادہ آپؐ سے نفرت کرنے والا کوئی نہ تھا یا میں آپؐ سے سخت نفرت کرنے والے

لوگوں میں سے تھا۔ میں سرزمینِ عرب کی آخری سرحد پر جو سلطنتِ روم کے بالمقابل تھی چلا گیا اور میرا وہاں رہنا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بھی زیادہ ناپسندیدہ معلوم ہوا۔ چنانچہ میں نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی کہ میں اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ضرور جاؤں گا اگر وہ سچے ہیں تو ان کی صداقت مجھ پر عیاں ہو جائے گی اور اگران کا دعوائے نبوت جھوٹا ہے تو ان کا جھوٹ بھی مخفی نہیں رہ سکتا یا مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا (راوی محمد بن سیرین کو یہاں شک لاحق ہو)

چنانچہ میں مدینہ پہنچا۔ لوگوں نے مجھے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا اور کہا کہ یہ عدی بن حاتم ہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "اے عدی بن حاتم! اسلام قبول کرلو، تمہیں سلامتی حاصل ہو جائے گی۔" میں نے کہا: "بے شک میں بھی ایک دین کا ماننے والا ہوں۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "میں تمہاری نسبت تمہارے دین کو زیادہ جانتا ہوں۔" میں نے کہا: "آپ مجھ سے زیادہ میرے دین کو جاننے والے کیونکر ہو سکتے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا: "میں تمہارے دین کو تم سے زیادہ جاننے والا ہوں۔" میں نے کہا: "آپ کس طرح میرے دین کو مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "کیا تو اپنی قوم کا سردار نہیں ہے اور کیا تو لوٹ کھسوٹ سے اموال میں سے لوٹنے والوں سے چوتھائی حصہ وصول نہیں کرتا۔" میں نے کہا: "ہاں۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "بلاشک تمہارے دین میں تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے۔" میرے نزدیک یہ ہلکی بات تھی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "کیا تمہیں اسلام قبول کرنے سے یہ چیز روک رہی ہے کہ تم ہمارے ہاں محتاجی و ناداری دیکھتے ہو؟ یقیناً تم دیکھو گے کہ لوگ قبیلہ قبیلہ کرکے یکے بعد دیگرے یا بالاتفاق ہماری اطاعت قبول کریں گے (یہاں راوی کو شک ہے)۔" میں نے کہا: "ہاں۔" پھر آپؐ نے فرمایا: "کیا تم نے حیرہ کا سفر کیا ہے؟" میں نے کہا: "نہیں، لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں واقع ہے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "قریب ہے کہ ایک ہودج نشین عورت حیرہ سے تنِ تنہا نکلے گی یہاں تک کہ بیت اللہ کا طواف کرے گی اور قریب ہے کہ کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کر لیے جائیں۔" میں نے کہا: "کیا کسریٰ بن ہرمز کے خزانے؟" آنحضرتؐ نے دو مرتبہ فرمایا: "کسریٰ بن ہرمز کے خزانے۔" آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا: "وہ وقت بھی دور نہیں جب ایک آدمی اپنے مال میں سے صدقہ لے کر نکلے گا لیکن صدقہ قبول کرنے والا اسے نہیں ملے گا۔" عدیؓ بن حاتم نے کہا: "میں نے دیکھا کہ ایک ہودج نشین عورت حیرہ سے نکلی اور اس نے تنِ تنہا آکر بیت اللہ کا طواف کیا اور میں اس پہلے لشکر میں شامل تھا جس نے مدائن پر حملہ کیا اور مالِ غنیمت حاصل کیا (اس طرح دو پیش گوئیاں پوری ہو گئیں)۔ بخدا! تیسری پیشگوئی بھی ضرور پوری ہو گی کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔"

(۴۵۰) یونس نے ابراہیم بن عبدالرحمان شیبانی سے اور اس نے محمد بن سیرین کے حوالہ سے عدیؓ بن حاتم کی روایت نقل کی۔ عدیؓ نے کہا: "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ قیامت قائم نہ ہو گی جب تک کہ مدائن کا قصرِ ابیض فتح نہ ہو جائے، اور قیامت برپا نہ ہو گی یہاں تک کہ ایک ہودج نشین عورت حجاز سے عراق تک سفر امن و سلامتی کے ساتھ کرے گی اور اسے کوئی خوف لاحق نہ ہو گا۔ یہ دونوں باتیں میں مشاہدہ کر چکا ہوں۔

آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہو گی یہاں تک کہ لوگوں کا ایک ایسا امام ہو گا جو مُٹھی یا چُلّو بھر بھر کر لوگوں کو مال دے گا (کیونکہ بے شمار مال دستیاب ہو گا)۔

(۴۵۱) یونس نے عنبسہ بن ازہر کے حوالہ سے سعید بن مسروق کی یہ روایت نقل کی کہ عدی بن حاتم کسی معاملہ میں حضرت عمرؓ سے گفتگو کر رہے تھے۔ عدی نے کہا: "اے امیر المومنین! کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے ہیں؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ہاں، میں پہچانتا ہوں۔ تم ایمان لائے جبکہ لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی۔ تم نے تصدیق کی جبکہ دُوسروں نے جھٹلایا اور تم نے مال عطا کیا جبکہ دوسروں نے مال کو روکا۔"

نمر بن تولبؓ کا اسلام لانا

(۴۵۲) یونس نے قرہ بن خالد کے حوالہ سے یزید بن عبد اللہ بن شخیر کی یہ روایت بیان کی کہ جب ہم اس تھان یا کھلیان[1] میں تھے تو ہمارے پاس ایک اعرابی آیا جس کے سر کے بال پریشان تھے اور جس کے پاس چمڑے کا ایک ٹکڑا یا چمڑے کے تھیلے وغیرہ کا ایک ٹکڑا تھا۔ ہم نے کہا: "یہ شخص شہر کا رہنے والا نہیں ہے۔" اس نے کہا: "ہاں، میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مکتوب ہے جو آنحضرتؐ نے میری طرف لکھا تھا"۔ لوگوں نے وہ مکتوب اس شخص سے لے کر پڑھا، اس میں لکھا تھا:

> "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ مکتوب اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے بنی زہیر بن اقیش کے نام ہے۔ (ابو العلاءؒ نے کہا: بنی زہیر قبیلہ عُکل کی ایک شاخ ہے) اگر تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور نماز قایم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور مشرکین سے علیحدگی اختیار کر لو اور اموالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حصہ اور صفی یا صفیہ امیرِ لشکر کا منتخب حصہ ادا کرو تو تمہیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے امان حاصل ہے۔"

لوگوں نے اس اعرابی کو کہا: "اللہ تعالیٰ تمہارا معاملہ درست کرے ہمیں کوئی حدیث سنائیں جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔" اس نے کہا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ماہِ رمضان کے روزے اور ہر مہینہ کے تین روزے سینے کی جلن یا وسوسے کو یا غصے کو یا عداوت کو یا حسد اور کینے کو دُور کر دیتے ہیں۔" لوگوں نے کہا: "کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے؟" اعرابی نے کہا: "کیا تمہیں یہ خوف

---

[1] اس شخص کا نام نمرؓ بن تولب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کے لیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی "کتاب الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ" ملاحظہ فرمائی جائے۔

لاحق ہوگیا ہے کہ میں رسولؐ اللہ کے بارے میں دروغ بیانی کروں گا، بخدا! ایسا نہیں ہے۔ میں آج تم سے کوئی غلط بیان نہیں کروں گا۔" پھر اس نے اس دستاویز کی طرف ہاتھ بڑھائے، اسے لے لیا اور جلدی سے مڑ کر واپس چلا گیا۔

ایک اعرابی کا اسلام لانا

(۴۵۳) یونس نے یونس بن عمرو سے اور اس نے اپنے باپ کے حوالہ سے ابی تمیمہ ہجیمی کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا۔ اس نے کہا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپؐ کا پیغام کیا ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "میں تجھے اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں تجھے اس ذات کی طرف بلاتا ہوں کہ اگر تجھے کوئی مصیبت لاحق ہو اور تو اسے پکارے تو وہ تیری تکلیف کو تجھ سے دُور کر دے، اور میں تجھے اس ہستی کی طرف بلاتا ہوں کہ اگر تو کسی بیابان میں ہو جہاں تیری سواری گم ہو جائے اور تو اس بیچارگی کے عالم میں اسے پکارے تو وہ تیری سواری تجھے لوٹا دے اور میں تجھے اس ذاتِ والاصفات کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ اگر تو قحط سالی کا شکار ہو جائے یہاں تک کہ زمین خشک و بے نبات ہو جائے تو وہ تیرے لیے نباتات اُگا دے۔" اعرابی نے کہا: "یہ دعوت تو بہت اچھی ہے۔ مجھے وصیت فرمائیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تُو لوگوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور تُو نیکی کے کاموں سے بے رغبتی اختیار نہ کرے اور تُو اپنے بھائیوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرے۔ اور اگر تیرے پاس صرف ایک ڈول ہو اور تیرا بھائی تجھ سے وہ مانگے تو تجھے چاہیے کہ تُو ایثار کرے اور ڈول اپنے بھائی کو دے دے۔ اور تجھے چاہیئے کہ تو اپنی ازار زمین پر نہ لٹکائے کیونکہ یہ فخر و تکبّر کی چال ہے اللہ تعالیٰ کو تکبّر و غرور پسند نہیں ہے۔"

ایک صحرائی رئیس کا اسلام لانا

(۴۵۴) یونس نے یوسف بن میمون کی وساطت سے حسن کی یہ روایت بیان کی کہ اہلِ بادیہ کے رؤسا میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کی دعوت کیا ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "میں تمہیں اس ذات کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ اگر تم قحط کا شکار ہو جاؤ۔ اور تم اسے پکارو تو وہ تمہارے لیے نباتات اگائے۔ اور اگر تمہاری سواری گم ہو جائے اور تم دعا مانگو تو وہ تمہاری سواری واپس لے آئے۔ اور اگر تمہیں کوئی مصیبت اور فکر و غم لاحق ہو اور تم اسے پکارو تو وہ تمہاری مصیبت اور فکر و غم دُور کر دے۔" اس شخص نے اسلام قبول کر لیا اور جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور رہا آنحضرتؐ کے پاس ٹھہرا رہا۔ پھر اس نے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! میں اپنے اہل و عیال کے پاس واپس جانا چاہتا

آپ مجھے وصیت فرمائیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اور یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم صدقہ ادا کرو۔" اس نے پوچھا: "کس چیز کا صدقہ ادا کروں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اپنے اونٹوں میں سے صدقہ ادا کرو۔" اس نے کہا: "ہم میں سے ہر ایک کے پاس اونٹ ہیں۔" آنحضرتؐ نے پھر فرمایا: "اپنی بکریوں میں سے صدقہ ادا کرو۔" اس نے کہا: "ہم میں سے ہر ایک کے پاس بکریوں کے ریوڑ ہیں۔" آنحضرتؐ نے پھر فرمایا: "اپنے مال میں سے صدقہ ادا کرو۔" اس نے کہا: "ہم میں سے ہر ایک کے پاس مال ہے۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے مخاطب! اپنی زبان کو لوگوں کے خلاف استعمال کرنے سے باز رکھو۔ یقیناً یہ تمہاری طرف سے بہترین صدقہ ہے۔"

جریرؓ بن عبداللہ کا اسلام لانا

(۴۵۵) یونس نے داؤد بن زید سے اور اس نے عامر شعبی کی وساطت سے جریر بن عبداللہ کی روایت نقل کی۔ جریر نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے جریر! اپنا ہاتھ بڑھاؤ۔" میں نے عرض کیا: "کس چیز پر بیعت مطلوب ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "تم اس چیز پر بیعت کرو کہ تم اللہ کی فرمانبرداری کرو گے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کا دم بھرو گے۔" جریرؓ نے ہاتھ بڑھا کر بیعت کر لی۔ وہ ایک ذہین آدمی تھا اس نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! جہاں تک مجھ میں طاقت ہوگی میں اس بیعت کی پابندی کروں گا۔" جریرؓ کے ساتھ لوگوں کے تعلقات کشیدہ تھے۔

جریرؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے:

(۱) اس امر کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
(۲) نماز قائم کرنا۔
(۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔
(۴) بیت اللہ کا حج کرنا۔
(۵) رمضان کے روزے رکھنا۔

سرزمینِ ایران کی فتح کی بشارت

(۴۵۶) یونس نے قیس بن ربیع کے حوالے سے سماک بن حرب سے اور اس نے عبداللہ بن عمر کی وساطت سے جابر بن سمرہ کی روایت نقل کی۔ جابرؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ کسریٰ کی سرزمین کو یقیناً فتح کرے گا۔

عبدالقیس کے ایک شخص کا اسلام لانا

(۴۵۷) یونس نے قیس بن ربیع سے اور اس نے جبلہ بن سحیم کے حوالہ سے موثر بن عفارہ عبدی کی روایت نقل کی۔ موثر نے کہا: میں عبدالقیس کے ایک قافلہ میں ابن الجصاصیہ کے ہاں اترا۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان پانچ چیزوں کی بیعت سے متعلق فرمایا:

(۱) نماز پنجگانہ۔

(۲) رمضان کے روزے۔

(۳) بیت اللہ کا حج۔

(۴) بطیب خاطر زکوٰۃ کی ادائیگی اور

(۵) جہاد فی سبیل اللہ۔

میں نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! مجھے ان میں سے کسی کی بھی استطاعت نہیں۔ جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے میرے پاس صرف اتنا ہی مال ہے جس پر میری اور میرے اہل کی گزر بسر ہو سکے۔ جہاں تک جہاد کا تعلق ہے تو مجھے اپنے متعلق خوف ہے کہ میں کہیں جی چرا کر بھاگ جاؤں اور اللہ کے غضب میں گھر جاؤں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور فرمایا: "نہ جہاد ہے اور نہ صدقہ ہے تو پھر تمہیں جنت کا داخلہ کس طرح ملے گا؟" میں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! اپنا دستِ مبارک پھیلائیں، میں ان سب امور پر آپؐ سے بیعت کروں گا۔" چنانچہ آپؐ نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور میں نے آپؐ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

ایک شخص جو اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد فوت ہو گیا

(۴۵۸) یونس نے یحییٰ بن ابی حیہ کلبی سے اور اس نے زادان کے حوالہ سے جریرؓ بن عبداللہ کی یہ روایت نقل کی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نکلے۔ ہم چھوہاروں کی گٹھلیاں کھانے والے اونٹوں پر سوار تھے۔ جب ہم صحرا تک پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سوار اپنے اونٹ کو تیز چلاتا ہوا ہماری طرف آ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ شخص جو تمہاری طرف آ رہا ہے اس کا خیال رکھو۔" جب وہ قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: "تم کہاں سے آئے ہو؟" اس نے جواب دیا: "میں اپنے مال و اولاد اور قبیلے سے آیا ہوں۔" آنحضورؐ نے اس سے پھر پوچھا: "کہاں کا ارادہ ہے؟" اس نے جواب دیا: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا چاہتا ہوں۔" آپؐ نے فرمایا: "تو پھر تمہاری ملاقات ہو گئی ہے۔" اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ مجھے اسلام کی تعلیم دی جائے۔ جب ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آ گئے ہیں تو ہم نے اس کے اونٹ کو

گھیرے میں لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا "تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔" اس نے کہا: "میں اس کا اقرار کرتا ہوں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہیں چاہیے کہ تم فرض نمازیں ادا کرو۔" اس نے کہا: "میں اس حکم کو بھی تسلیم کرتا ہوں۔" آنحضرتؐ نے پھر فرمایا: "تم فرض زکوٰۃ ادا کیا کرو۔" اس نے اقرار کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "تم بیت اللہ کا حج کرو۔" اس نے کہا: "میں اس حکم کو بھی مانتا ہوں۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "رمضان کے روزے رکھا کرو۔" اس نے کہا: "بسروچشم"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام یہی ہے۔" وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلتا رہا۔ اچانک اس کے اونٹ کا پاؤں کھجور کے گڑھے میں گر پڑا اور اونٹ پھسل کر اوندھا ہو گیا۔ وہ شخص سر کے بل گر پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے بھائی کی امداد کرو۔" حضرت حذیفہؓ اور عمارؓ اس کی طرف لپکے اور اسے دیکھ کر اوسان باختہ ہو گئے اور انہوں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! یہ شخص فوت ہو گیا ہے۔" جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے رُوگردانی کی اور پھر اس کی طرف رُخ پھیر کر فرمایا: "کیا تم نے میری رُوگردانی کو نہیں دیکھا؟ بے شک میں نے دیکھا کہ دو فرشتے جنت کے پھل اس کے مُنہ میں ڈال رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ شخص بھُوکا تھا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: "اس نے عمل تو تھوڑا کیا ہے لیکن اسے اجر بہت زیادہ دیا گیا۔ بخدا! یہ ان لوگوں میں سے ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔ انہی کے لیے امن ہے اور وہی راہِ راست پر ہیں۔ تم اپنے بھائی کو اٹھاؤ۔" ہم نے اس کو اٹھا لیا اور جب ہم اسے لے کر وہاں گئے جہاں پانی دستیاب تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو غسل دو، کفن پہناؤ اور خوشبو لگاؤ۔" ہم نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پھر آنحضرتؐ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپؐ اس کی قبر کے کنارے پر بیٹھے اور فرمایا: اس کے لیے لحد کھودو۔ کیونکہ میّت کے لیے لحد کھودنا مسلمانوں کا طریقہ ہے اور گڑھا کھودنا غیر مسلموں کا معمول ہے۔"

آنحضرتؐ کی بردباری اور ایک یہودی کا اسلام لانا

(۴۵۹) یونس نے عبدالرحمان بن ابین کنانی کی روایت نقل کی۔ عبدالرحمان نے کہا: مجھ سے محمد بن علی بن حسینؓ بن علی بن ابی طالب اور زہری نے بیان کیا۔ دونوں نے کہا کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: "میری قوم نے اسلام قبول کیا ہے اور اب ان کی تنگدستی اور محتاجی زیادہ ہو گئی ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خوراک وغیرہ کا سامان دے رکھا تھا چنانچہ آپؐ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس نے عرض کیا: "جو کچھ میرے پاس تھا وہ میں خرچ کر چکا ہوں۔" ایک یہودی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا اس نے کہا: "میں آپؐ کو چاندی کا سکّہ دُوں گا اور آپؐ کے لیے فلاں فلاں باغ کی کھجوروں کی بیع سلم کروں گا۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: ہم تمہارے لیے باغوں کو نامزد نہیں کرتے بلکہ ہم تم سے فلاں قسم کی اتنے وزن کی کھجور کے متعلق مخصوص مدت کے لیے

بیع سلم کرتے ہیں۔ یہودی نے بیع کا یہ معاہدہ تسلیم کر لیا اور چاندی کا جو سکّہ اس کے پاس تھا وہ کھولا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ اعرابی کو دے دو۔" اور اعرابی سے فرمایا: "جاؤ اور اپنی قوم کی فاقہ کشی کو دُور کرنے کے لیے سامان مہیا کرو۔"

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ کے ساتھ باہر تشریف لے گئے۔ جب میّت قبر میں رکھ دی گئی اور اس پر مٹی ڈال دی گئی تو یہودی اُٹھا اور اس نے کہا: "اے محمدؐ! کیا تم میری کھجور مجھے ادا نہیں کرو گے؟ بخدا! اے بنی عبد المطلب! مجھے تمہارے متعلق معلومات نہیں تھیں۔ تم لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں ٹال مٹول کیوں کرتے ہو؟" حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا: "بخدا! اگر آنحضرتؐ یہاں تشریف فرما نہ ہوتے تو میں تمہیں مار مار کر تمہاری ناک یا تھوتھنی توڑ دیتا۔ (زہری نے خطم یعنی ناک کی نوک یا تھوتھنی کا لفظ استعمال کیا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عمرؓ! مجھے تمہاری طرف سے اس کے برعکس اس بات کی ضرورت تھی کہ تم اسے احسن طریقے پر مطالبہ کرنے کی ہدایت کرتے اور مجھے کہتے کہ میں اس کا حق اچھی طرح ادا کر دوں۔ اب تم اسے لے کر فلاں فلاں باغ کی طرف جاؤ۔" یہ وہی باغ تھا جس کے متعلق اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا تھا اور آنحضرتؐ نے اس باغ کو اس کے لیے نامزد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ اسے اس باغ کے اندر لے جاؤ وہ اسے اچھی طرح دیکھ لے اور اگر وہ ان کھجوروں پر راضی ہو جائے تو اسے اس کا پورا مال دے دیا جائے۔ اس کے علاوہ اسے اتنے صاع کھجور اس سختی کے بدلے میں زیادہ دی جائے جو تم نے اس کے ساتھ کی ہے۔" حضرت عمرؓ اسے ساتھ لے گئے اور اس کو وُہ باغ دکھایا، وہ راضی ہو گیا اور اسے پورا وزن دیا جس قدر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یہودی نے حضرت عمرؓ کو کہا: "حضرت موسیٰؑ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف ہماری کتاب میں بیان فرمائے ہیں وہ سب ہم نے دیکھ لیے تھے ماسوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم کے جس کا تجربہ ہم نے اب کر لیا ہے ـــــــ[1] میں تمہیں اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور میں تمہیں اس بات کا بھی گواہ بناتا ہوں کہ میری آدھی جائداد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کے لیے صدقہ ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اب تمہاری خیر خواہی مجھ پر لازم ہے اس لیے تم اپنے اس صدقہ کو جملہ مومنوں پر نہ پھیلاؤ بلکہ اسے ان مومنین تک محدود کر دو جو آنحضرتؐ کے ساتھ ہیں۔" اس نے اس نصیحت کو تسلیم کیا۔ پھر وہ نومسلم یہودی فوت ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازہ کے ساتھ نکلے اور آپؐ نے اس کے جنازہ کو اپنے دائیں کندھے اور بعد ازاں بائیں کندھے پر اٹھایا۔

---

[1] مسودہ میں یہاں عبارت مٹی ہُوئی ہے۔

عبداللہؓ ذوالبجادین کا اسلام لانا

(۴۶۰) یونس نے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے محمد بن ابراہیم بن حرث تیمی نے روایت بیان کی کہ عبداللہ بن مزینہ ذوالبجادین اپنے چچا کے زیرِ کفالت تھے وہی ان کو سب کچھ دیتا اور ان پر احسان کرتا تھا۔ ان کے چچا کو یہ خبر پہنچی کہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر لیا ہے تو اس نے انہیں کہا: "اگر تم نے دینِ اسلام کو قبول کر لیا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کیا تو میں وُہ سب کچھ تم سے چھین لُوں گا جو میں نے تمہیں دیا ہے۔" عبداللہ نے کہا: "میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔" ان کے چچا نے سب کچھ ان سے چھین لیا۔ یہاں تک کہ بدن کے کپڑے بھی اتار لیے۔ وُہ اپنی والدہ کے پاس آئے۔ والدہ نے ایک کمبل دیا جس کے دو ٹکڑے کیے، ایک کا تہ بند بنا لیا اور ایک کو چادر کے طور پر اوپر لے لیا اور مدینہ کی راہ لی، پھر صبح کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کے حالات دریافت کرتے تھے اور باہر سے آنے والوں کی خبر گیری کی جاتی تھی۔ رسولؐ اللہ نے عبداللہؓ کو دیکھا تو پُوچھا: "تم کون ہو؟" انہوں نے کہا: "میرا نام عبدالعزّٰی ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "نہیں، بلکہ تمہارا نام عبداللہ ذوالبجادین (دو کمبلوں والا) ہے۔ تم یہاں ہمارے قریب ہی ٹھہرو۔" وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت کے قریب ہی (اصحابِ صُفّہ کے ساتھ) رہتے تھے اور بآوازِ بلند قرآن اور تکبیر اور تسبیح پڑھتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! اس کے پڑھنے سے دُوسروں کی قرأت میں مزاحمت ہوتی ہے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "تم اسے کچھ نہ کہو وہ تو خدا اور رسول کے لیے ہر چیز کو چھوڑ چھاڑ کر آنے والوں میں سے ہے۔"

باب ۴۵

واقعۂ اسراء ــــ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک حضورؐ کا لے جایا جانا

(۴۶۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ مجھے جو باتیں معلوم ہوئیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے لوگوں سے گفتگو کی اور ان تک اللہ کا پیغام پہنچایا۔ زمعہ نے کہا، اگر تمہارے ساتھ فرشتہ لگا دیا جاتا جس کو لوگ دیکھتے تو وہ تمہارے ساتھ لوگوں سے کلام کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ - یعنی اس نبیؐ پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔

راوی نے کہا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریلؑ کے ہمراہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جایا گیا جس کا نام بیت المقدس ہے اور جو "ایلیا" یعنی یروشلم میں واقع ہے۔ اس وقت مکہ میں اور تمام قبائل میں اسلام پھیل چکا تھا۔ آپؐ کے اس سفر میں اور اس سے متعلق مذکورہ روایات میں لوگوں کا امتحان اور آزمائش مقصود تھی۔ اور یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و سلطنت کا ایک اعجاز ہے جس میں اہلِ دانش و بینش کے لیے سامانِ عبرت و ہدایت موجود ہے۔ یہ رحمتِ خداوندی کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی ہے اور ایمان لانے والوں، تصدیق کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر یقین رکھنے والوں کے لیے یہ صاف اور صریح تنبیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت و ارادہ کے مطابق جس طرح چاہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر کرایا تاکہ آپؐ کو اپنی نشانیوں میں سے جس قدر نشانیوں کا مشاہدہ کرانا چاہے وہ آپؐ کو مشاہدہ کرائے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عز و جل کے کارخانہ، اس کی عظیم سلطنت اور اس کی قدرت کا معائنہ کیا جس کے ذریعہ سے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ آپؐ نے اس واقعہ کا ذکر لوگوں سے کیا تاکہ وہ اس کی تصدیق کریں۔

(۴۶۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا، مجھ سے آلِ ابی بکرؓ کے بعض لوگوں (یا کسی شخص) نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ یہ فرمایا کرتی تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مفقود نہیں ہوا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی روح کو سیر کرائی تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اپنی ملاقات کا ذکر صحابہؓ سے کیا۔ اس سفر میں آپؐ کے سامنے تین پیالے پیش کیے گئے جن میں سے ایک میں پانی، دوسرے میں شراب اور تیسرے میں دودھ تھا (اس کے بعد اصل مسودہ

مثا ہوا ہے شاید یہاں یہ مضمون ہو کہ آپؐ نے دودھ کا برتن اٹھا لیا اور جبریلؑ اور حضرت عیسٰیؑ نے مبارکباد پیش کی کہ آپؐ نے ان تینوں میں سے فطری غذا کا انتخاب فرمایا)۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا اور عالمِ بالا میں مجھے یہ یہ چیزیں دکھائی گئیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مجھ پر نماز فرض کی گئی۔

(۴۶۳) یونس نے ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع انصاری سے اور اس نے ابنِ شہاب زہری کے حوالہ سے سعید بن مسیب کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیت المقدس میں میری ملاقات حضرات ابراہیم، موسٰی اور عیسٰی اور موسٰی علیہم السلام سے ہوئی۔ عیسٰیؑ کی رنگت سرخ تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی بند مکان یا سرنگ یا حمام سے نکل کر آئے ہیں۔ حضرت موسٰیؑ دبلے پتلے کم گوشت چھریرے بدن کے آدمی تھے گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ کے افراد میں سے ہیں۔ اور ابراہیمؑ سے میں خود بہت زیادہ مشابہ ہوں۔ پھر میرے سامنے ایک پیالہ دودھ کا اور ایک پیالہ شراب کا پیش کیا گیا۔ میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ جبریلؑ نے کہا: "آپؐ فطرت کی راہ پا گئے اگر آپؐ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپؐ کی اُمّت گمراہ ہو جاتی۔" پھر نماز کا وقت آ گیا اور میںؐ سب کا امام بنا اور نماز پڑھائی۔ ابنِ شہاب نے کہا: عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسٰیؑ بن مریمؑ کے متعلق فرمایا کہ وُہ سُرخ رنگ کے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی حمام سے نکل کر آتے ہیں۔ بلکہ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ بیت اللہ کا طواف کر رہا ہُوں، وہاں مجھے ایک سُرخ رنگ کا وجیہ شخص نظر آیا جو دو آدمیوں کے درمیان طواف کر رہا تھا۔ اس کا سر صاف ستھرا تھا اور سر کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں نے پوچھا: "یہ کون شخص ہے؟" لوگوں نے کہا: "یہ مسیح ابنِ مریمؑ ہیں۔" پھر میں نے مڑ کر دیکھا تو مجھے ایک سُرخ رنگ کا آدمی نظر آیا جس کی داہنی آنکھ کانی تھی گویا کہ وُہ انگور کا پھولا ہوا دانہ ہے۔ میں نے پُوچھا: "یہ کون ہے؟" لوگوں نے کہا: "یہ دجّال ہے۔"

(۴۶۴) یونس نے خالد بن دینار بصری کی وساطت سے فضیل اعور کی یہ روایت بیان کی کہ میں ایک جنازہ میں حاضر ہوا جس میں انسؓ بن مالک بھی تھے ابوالعالیہ بھی آ گئے انہوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ لوگ چلے گئے تو وہ انسؓ بن مالک کے پاس پہنچ گئے۔ ابوالعالیہ نے حضرت انسؓ کو کہا: "اے ابوحمزہ! تم نے ایک لمبی ٹوپی پہن رکھی ہے یا دو ٹوپیاں؟ میں نے گزشتہ شب تمہیں اسی جگہ دیکھا تھا کہ تم نے دو ٹوپیاں پہنی ہُوئی تھیں۔" حضرت انسؓ نے کہا: "تمہارا خواب سچا ہے۔ میری ایک ٹوپی تو وہ ہے جو تم میرے سر پر دیکھ رہے ہو اور میری دُوسری ٹوپی اسلام کی ٹوپی ہے۔" انہوں نے خوابوں کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ حضرت انسؓ نے کہا: "میں مدینہ میں تھا اور اس قدر بیمار ہوا کہ موت کے قریب پہنچ گیا۔ میرے پاس حضرت ابراہیم اور موسٰی علیہما السلام تشریف لائے۔ حضرت ابراہیمؑ میرے سرہانے بیٹھ گئے اور حضرت موسٰیؑ نچلی طرف تشریف فرما ہو گئے۔ میں جاگ اُٹھا اور میں صحت مند تھا۔ ابوالعالیہ نے کہا: "میں خراسان میں تھا، سخت بیمار ہو گیا یہاں تک کہ موت کے قریب پہنچ گیا۔ میرے پاس حضرت ابراہیم اور موسٰی علیہما السلام تشریف لائے۔ ان میں ایک

بزرگ میرے سرہانے اور دُوسرے نچلی جانب بیٹھ گئے۔ میں نیند سے بیدار ہُوا تو صحت مند تھا۔" انسؓ بن مالک نے کہا : "تمہارا خواب تو ہُو بہو میرا خواب ہی ہے ان دونوں بزرگوں کا حلیہ بیان کرو۔" ابو العالیہ نے کہا : "حضرت ابراہیمؑ کا رنگ سفید تھا ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال بھی سفید تھے وہ دبلے پتلے تھے اور ان کی ناک اونچی تھی۔ جہاں تک حضرت موسیٰؑ کا تعلق ہے ان کے بال گھنے اور لمبے تھے، ان کی جلد سخت تھی اور ان کے دونوں شانوں کا درمیانی حصہ چوڑا چکلا تھا اور ان کے بال شانوں تک پہنچتے تھے۔" حضرت انسؓ نے کہا : "میں نے بھی انہیں خواب میں اسی طرح دیکھا۔"

(۴۶۵) یونس نے زکریا کی وساطت سے شعبی کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے بعض لوگوں کو تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ دحیہ کلبی جبریلؑ کے مشابہ ہیں اور عروہ بن مسعود ثقفی کو عیسیٰ بن مریمؑ سے مشابہت ہے اور عبد العزیٰ دجّال کے مشابہ ہے۔

(۴۶۶) یونس نے عنبسہ بن ازہر سے اور اس نے سماک بن حرب کے حوالہ سے عکرمہؓ کی یہ روایت نقل کی کہ (جنگِ احزاب کے موقع پر) جب یہودِ بنی قریظہ نے بدعہدی کی تو ان کی سرکوبی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بھیجا۔ اس وقت جبریلؑ ایک سیاہ و سفید چتکبرے گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا : "مجھے ایسا دکھائی دیتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبریلؑ کے چہرہ سے گرد و غبار پونچھتے تھے۔ میں نے کہا : "یا رسولؐ اللہ! کیا یہ دحیہ کلبی ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا : "یہ جبریلؑ ہیں۔"

(۴۶۷) یونس نے مبارک بن فضالہ کے حوالہ سے حسن کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "میں موسیٰؑ کے پاس سے گزرا، وُہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ ان کا رنگ گندم گوں تھا اور بال گھنگھریالے تھے۔ وُہ بہت مضبوط آدمی تھے اور قبیلہ شنوءہ کے مردوں کے مشابہ تھے۔ میں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے بھی گزرا، وہ ایک جوان آدمی تھے، انہوں نے مجھے سلام کیا۔ وہ دراز قد اور مضبوط تھے اور ان کی رنگت پر سرخی غالب تھی۔

(۴۶۸) یونس نے اسباط بن نصر کی وساطت سے اسماعیل سدی کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے سولہ ماہ قبل آنحضرتؐ پر پانچ وقت کی نمازیں بیت المقدس میں اس رات کو فرض کی گئیں جب آپؐ کو سیر کرائی گئی۔

(۴۶۹) یونس نے عبد الرحمان بن عبد اللہ بن عتبہ کے حوالہ سے عمرو بن مرہ سے اور اس نے عبد الرحمان بن ابی لیلیٰ کی وساطت سے معاذ بن جبل کی یہ روایت بیان کی کہ نماز تین مرحلوں سے گزری اور روزہ کو بھی تین احوال پیش آئے۔ جہاں تک نماز کا تعلق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو آنحضرتؐ نے سترہ ماہ تک بیت المقدس کی جانب منہ کر کے نماز پڑھی پھر اللہ عزّ و جلّ نے آپؐ کا رخ قبلہ کی طرف پھیر دیا۔ یہ ایک مرحلہ ہے۔ قریب تھا کہ مسلمان نماز میں حاضری کے معاملہ میں ہٹ جاتے۔ لیکن عبد اللہ بن زید انصاریؓ نے آ کر کہا : "یا رسولؐ اللہ! اگر میں آپؐ سے یہ عرض کروں کہ میں سویا ہوا نہیں تھا تو ان شاء اللہ میں یہ کہنے میں سچا ہوں۔ میں نیم خوابی اور نیم بیداری کی حالت میں تھا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو سبز کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس نے قبلہ رو ہو کر کہا : اللہ اکبر اللہ اکبر (دو مرتبہ)، اشھد ان لاّ الٰہ الاّ اللہ (دو مرتبہ)،

اشھد ان محمداً رسول اللہ (دو مرتبہ)، حیّ علی الصّلوٰۃ (دو مرتبہ)، حیّ علی الفلاح (دو دفعہ)، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ۔" پھر اس نے کچھ وقت کے لیے توقف کیا۔ بعدازاں اُٹھ کر وہی کلمات کہے جو ماسوائے اس تبدیلی کے کہ جب وہ " حی علی الفلاح "سے فارغ ہوا تو اس نے کہا " قد قامت الصّلوٰۃ، اللہ اکبر اللہ اکبر لآ اِلٰہ الا اللہ۔ اذان اور اقامت دونوں میں دوہرے کلمات ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلالؓ کو یہ سکھاؤ۔" پس بلالؓ کو حکم دیا گیا۔ انہوں نے اس طرح اذان کہی۔ حضرت عمرؓ بن خطابؓ بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! میں نے بھی خواب میں اسی طرح دیکھا ہے جس طرح میرے انصاری بھائی نے دیکھا ہے۔ لیکن آپؐ کے سامنے خواب بیان کرنے کے معاملہ میں وہ مجھ سے سبقت لے گیا۔ یہ دُوسرا مرحلہ ہے۔ جب لوگ نماز پڑھ رہے ہوتے تو کوئی شخص آتا وہ ان سے پُوچھتا تھا کہ تم نے کتنی نماز پڑھی ہے؟ نماز کی حالت میں لوگ اشارہ سے ایک یا دو رکعت بتلاتے تھے یعنی جتنی رکعتیں پڑھی جا چکی ہوتیں۔ چنانچہ بعد میں آنے والے پہلے فوت شدہ رکعتیں پڑھ کر پھر جماعت کے ساتھ بقایا نماز میں شامل ہوتے۔ ایک دفعہ حضرت معاذؓ بعد میں آئے انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا کچھ حصہ پڑھ چکے ہیں چنانچہ انہوں نے جماعت کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھی۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت معاذؓ نے اُٹھ کر فوت شدہ رکعتیں ادا کیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "معاذؓ نے تمہارے لیے صحیح طریق واضح کر دیا ہے تمہیں چاہیے کہ اس طرح کیا کرو۔" یہ تیسرا مرحلہ ہے۔

جہاں تک روزوں کا تعلق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ آنحضرتؐ یوم عاشورہ اور ہر مہینہ میں تین دن کے روزے رکھتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان کے روزے فرض کیے اور یہ حکم نازل فرمایا:

یٰایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام . . . . الیٰ قولہٖ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃٌ طعام مسکین ○ (البقرۃ - ۱۸۳-۱۸۴)	اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دئے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیأ کے پیرؤوں پر فرض کئے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔ چند مقرر دنوں کے روزے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دیں ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

چنانچہ جو شخص چاہتا وہ روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا وہ افطار کر لیتا تھا اور روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرتا تھا۔ پھر اللہ عزوجل نے تندرست مقیم کے لیے روزے کو واجب کر دیا لیکن ایسے بُوڑھے آدمی کے لیے جس میں روزے کی طاقت نہ ہو مسکین کو کھانا کھلا دینے کی رعایت کو بدستور باقی رہنے دیا۔ اللہ عزوجل نے یہ حکم نازل فرمایا:

فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ط	لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے، اس کو لازم ہے کہ اس پُورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے

. . . . . . الیٰ اٰخر الاٰیۃ۔
(البقرۃ - ۱۸۵)

دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا، اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جارہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔

ابتداً میں لوگ رات کے وقت سونے سے قبل کھاتے پیتے اور بی بیوں کے پاس جاتے تھے اور نیند آجانے سے آنکھ کھلنے کے بعد کھانا پینا اور بی بی کے پاس جانا حرام ہو جاتا تھا۔ ایک انصاری جس کا نام صرمہ تھا وہ اپنے کھیت میں کام کرتا تھا افطار کے وقت وہ سو گیا اور ساری رات سو کر صبح کے وقت بیدار ہوا اور اس نے دوسرا روزہ بغیر کچھ کھائے پیئے رکھ لیا۔ اس نے سخت تکلیف محسوس کی اور لاغر ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور ہو گئے ہو" اس نے اپنی روداد آنحضرتؐ کو سنائی۔ (اس کے بعد مسودہ میں کچھ خلا ہے۔ شاید یہاں یہ مضمون ہو کہ ایک دوسرے شخص نے بی بی کے پاس جانے کے متعلق معذرت پیش کی) اس پر اللہ عزوجل نے یہ حکم نازل فرمایا:

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الیٰ نسآئکم . . . . . .
. . . .
. . . . الیٰ اٰخر الاٰیۃ۔
(البقرہ - ۱۸۷)

تمہارے لیے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے۔ اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے مگر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگزر فرمایا۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمہارے لیے جائز کر دیا ہے اسے حاصل کرو نیز راتوں کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدۂ صبح کی دھاری نمایاں نظر آئے تب یہ سب کام چھوڑ کر رات تک اپنا روزہ پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں ان کے قریب نہ پھٹکنا اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لیے بصراحت بیان کرتا ہے۔ توقع ہے کہ وہ غلط رویے سے بچیں گے۔

(۴۷۰) یونس نے عبدالرحمان بن عبداللہ کے حوالہ سے قاسم کی یہ روایت بیان کی کہ سب سے پہلے جس شخص نے اذان دی وہ حضرت بلالؓ تھے۔

(۴۷۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے زہری نے یہ بیان کیا کہ حضرت عثمانؓ بن مظعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے سلام عرض کیا اور آنحضرتؐ نے حالتِ نماز ہی میں سلام کا جواب دیا۔

(۴۷۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے ابوزناد نے عامر شعبی کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت بیان کی۔ (عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا:) ———— [1] میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا جبکہ آنحضرتؐ نماز پڑھ رہے تھے آپؐ نے اشارہ کیا اور سلام کا جواب نہ دیا۔ ———— [2] میں نے دوبارہ سلام کیا ———— [3] مجھے جواب نہیں دیا گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل ———— [4] رات اور دن کو پھیرتا ہے جس طرح چاہتا ہے ———— [5] بلالؓ نے کہا: ———— [6] نمازیں۔

(۴۷۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے محمد بن ابی محمد مولیٰ زید بن ثابت نے روایت بیان کی؛ اس نے کہا: ———— [7] یا عکرمہؓ نے ابنِ عباسؓ سے روایت نقل کی (محمد بن ابی محمد کو شک ہے)، ابنِ عباسؓ نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے سترھویں مہینے — ماہِ رجب — کے اوائل میں سمتِ قبلہ (بیت المقدس) شام سے کعبے کی طرف پھیر دی گئی ———— [8] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ———— [9] عمرو اور کعب بن اشرف ———— [10] بن ابی ———— [11] کعب بن اشرف اور ربیع بن ربیع ———— [12]

---

[1] و [2] و [3] و [4] و [5] و [6] و [7] و [8] و [9] و [10] و [11] و [12] مسودہ میں یہاں عبارت مٹی ہوئی ہے۔

نوٹ: ابنِ اسحاق کی کتاب المغازی کے یہ اجزا مغربی مخطوطات سے دستیاب ہوئے والحمدللہ علیٰ کل حال والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین۔

قطعۂ ثانیہ

(از مجموعہ مخطوطاتِ ظاہریہ دمشق۔ روایت محمد بن سلمہ)

باب ۴۶

غزوۂ بدر

(۴۷۴) ۵۵۴ھ کے ماہِ رمضان کا واقعہ ہے کہ شیخ امام حافظ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی نے بمقام دمشق ہمیں بتایا کہ اس سے ابونعیم حافظ نے ابو علی محمد بن احمد بن حسن صواف کے حوالہ سے ابوشعیب حرانی کی روایت نقل کی اور ابوشعیب نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کی وساطت سے محمد بن اسحاق کی یہ روایت بیان کی کہ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا :

واذ زین لھم الشیطٰن اعمالھم وقال لاغالب لکم الیوم من الناس وانی جار لکم ۔ (الانفال - ۴۸)

ذرا خیال کرو اس وقت کا جبکہ شیطان نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور یہ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

راوی نے یہ بھی ذکر کیا کہ ابلیس نے قریش کے ساتھ فریب کاری کی ۔ ابلیس ان کے سامنے سراقہ بن جعشم کی شکل میں نمودار ہوا اور ان کے ساتھ بنی بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کی جنگ کا ذکر بھی کیا جو قریش اور بنی بکر کے درمیان ہوئی تھی ۔ جب دشمنِ خدا (ابلیس) نے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کے لشکروں کو دیکھا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی امداد کے لیے بھیجا تھا تو اس موقع پر اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی :

فلما تراءت الفئتٰن نکص علیٰ عقبیہ وقال انی بریٓء منکم انی اریٰ ما لا ترون انی اخاف اللّٰہ واللّٰہ شدید العقاب ۔ (الانفال - ۴۸)

مگر جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ (شیطان) اُلٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے ، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے ۔ مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے اور خدا بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔

پھر شیطان انہیں آگے لے گیا اور موت کے منہ میں دھکیل دیا ۔ (راوی نے کہا) مجھ سے بیان کیا گیا کہ وہ شیطان کو ہر پڑاؤ پہ سراقہ کی شکل میں دیکھتے رہے اور پہچانتے رہے یہاں تک کہ معرکۂ بدر میں دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے جب شیطان اُلٹے پاؤں پھر گیا تو اسے حارث بن ہشام اور عمیر بن وہب جمحی نے دیکھا اور ان میں سے ایک نے اس کا ذکر کیا اور کہا : "اے سراقہ ! کدھر جا رہے ہو ؟" لیکن اُس دشمنِ خدا نے اپنی ہیئت تبدیل کر لی اور چلا گیا۔

پھر سورۃ انفال میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کفر اور ان کی موت کا ذکر کیا اور ان کے حالات بیان کیے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق خبر دے کر فرمایا :

فاما تثقفنهم فی الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم یذکرون ٥
(الانفال - ۵۷)

پس اگر یہ لوگ تمہیں لڑائی میں مل جائیں تو ان کی ایسی خبر لو کہ ان کے بعد جو دوسرے لوگ ایسی روش اختیار کرنے والے ہوں وہ سمجھ جائیں۔

یعنی ان کو ایسی سزا دو کہ ان کی عقل ٹھکانے آجائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخیل ترهبون به عدو الله وعدوکم واٰخرین من دونهم ج لا تعلمونهم ج الله یعلمهم ط وما تنفقوا من شیء فی سبیل الله یوف الیکم وانتم لا تظلمون ٥
(الانفال - ۶۰)

اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا (یعنی آخرت میں اور فوری طور پر اس دنیا میں اللہ تعالیٰ تمہارا اجر ضائع نہیں کرے گا)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وان جنحوا للسلم فاجنح لها

اور اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے جھک جاؤ (یعنی اگر وہ تمہیں سلامتی کی دعوت دیں تو تم ان سے مصالحت کر لو)

وتوکل علی الله ط انه هو السمیع العلیم ٥ وان یریدوا ان یخدعوك فان حسبك الله ط هو الذی ایدك بنصره وبالمؤمنین لا والف بین قلوبهم ط لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبهم ولکن الله الف بینهم ط انه عزیز حکیم ٥
(انفال - ۶۱-۶۳)

اور اللہ پر بھروسا کرو (بے شک اللہ تمہارے لیے کافی ہے)۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمہارے لیے اللہ کافی ہے (یعنی اللہ ان کے دھوکے کے پیچھے لگا ہوا ہے) وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے تمہاری تائید کی (کمزوری کے بعد) اور مومنوں کے ذریعہ سے بھی تمہاری مدد کی اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیے (اس ہدایت سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی) تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے (اپنے دین کے ذریعہ سے جس پر ان سب کو اکٹھا کر دیا) یقیناً وہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

یاایها النبی حسبك الله ومن اتبعك من المؤمنین ۞ یاایها النبی حرض المؤمنین علی القتال ط ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین ج وان یکن منکم مائة یغلبوا الفاً من الذین کفروا بانهم قوم لا یفقهون ٥
(انفال - ۶۴ - ۶۵)

اے نبیؐ ! تمہارے لیے اور تمہارے پیرو اہلِ ایمان کے لیے تو بس اللہ کافی ہے۔ اے نبیؐ ! مومنوں کو جنگ پر ابھارو اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سَو آدمی ایسے ہوں تو منکرینِ حق میں سے ایک ہزار آدمیوں پر بھاری رہیں گے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔

یعنی کافر ایسے لوگ ہیں جو کسی نیک مقصد اور حق کے لیے قتال نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں خیر و شر کی معرفت حاصل ہے۔

(۴۷۵) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا ، مجھ سے ابو جعفر محمد بن علی نے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مجھے رعب کے ذریعہ سے فتح و نصرت عطا کی گئی۔ ساری روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزہ قرار دی گئی۔ مجھے جوامع الکلم (یعنی مختصر ترین کلمات جو زیادہ سے زیادہ معانی کے حامل ہوں) عطا کیے گئے۔ میرے لیے مالِ غنیمت حلال قرار دیا گیا' جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہ تھا اور مجھے شفاعت کا مرتبہ دیا گیا۔ یہ وُہ پانچ امتیازی خصوصیات ہیں جو مجھ سے قبل کسی پیغمبر کو نہ دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

ماکان لنبی
ان یکون لهٗ اسریٰ
حتی یثخن فی الارض ط

کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں تھا (آپؐ سے قبل)
کہ اس کے پاس قیدی ہوں (دشمنوں میں سے)
جب تک کہ وُہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے (یہاں تک کہ انہیں نیست و نابود کر دے)

تریدون عرض الدنیا ق صلے
والله یرید الأخرة ط
(الانفال - ۶۷)

تم دنیا کے فائدے چاہتے ہو (یعنی قیدیوں کے بدلے فدیہ چاہتے ہو) حالانکہ اللہ کے پیشِ نظر آخرت ہے (یعنی کفار کو کچل کر دینِ اسلام کو غالب کیا جائے اور آخرت کی کامیابی حاصل کی جائے)

لولا کتٰب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم ٥
(الانفال - ۶۸)

اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے کیا ہے (یعنی قیدی اور غنیمت حاصل کی ہے) اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔

اگر پہلے سے یہ طے شدہ نہ ہوتا کہ منع کرنے سے قبل تمہیں عذاب نہیں دُوں گا جو کچھ تم نے کیا ہے اس پر تمہیں عذاب دیا جاتا۔ لیکن اس بارے میں ایسا کوئی مانع حکم نہ تھا۔ پھر رحمان و رحیم خدا نے اپنی رحمت اور انعام و بخشش کے طور پر تمہارے لیے غنائم کو حلال کر دیا۔ اور فرمایا:

فکلوا مما غنمتم حلالاً طیباً و اتقوا اللہ ان اللہ غفور رحیم ۝

پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

یٰایھا النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسرٰی ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیراً یؤتکم خیراً مما اخذ منکم ویغفر لکم واللہ غفور رحیم ۝

اے نبیؐ! تم لوگوں کے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے کہو اگر اللہ کو معلوم ہوا کہ تمہارے دلوں میں کچھ خیر ہے تو وہ تمہیں اس سے بڑھ چڑھ کر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہاری خطائیں معاف کرے گا۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

(الانفال - ۶۹ - ۷۰)

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اسلام کا ذکر کیا اور مطالبہ کیا کہ بیس اوقیہ جو مجھ سے لیے گئے تھے وہ مجھے واپس کیے جائیں لیکن آنحضرتؐ نے انکار فرمایا۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بیس غلام عطا کیے جو سب کے سب تاجر تھے اور میرے مال سے میرے لیے تجارت کرتے تھے۔ مزید برآں میں اللہ تعالیٰ سے رحمت و مغفرت کا امیدوار ہوں۔" پھر مسلمانوں کو باہمی ملاپ کی ترغیب دی گئی اور دُوسروں کو چھوڑ کر مہاجرین و انصار کے درمیان دینی ولایت قائم کر دی اور کافر کو ایک دوسرے کا ولی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر ۝ (الانفال - ۷۳)

اگر تم (اہلِ ایمان ایک دُوسرے کی حمایت) نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔

یعنی مومن مومن کا ولی ہوگا اور کافر کو مومن کی ولایت حاصل نہ ہوگی خواہ وہ کافر اس مومن کے ذوی الارحام میں سے کیوں نہ ہو (تکن فتنۃ - فتنہ برپا ہوگا) یعنی حق و باطل میں اشتباہ و التباس واقع ہوگا اور مومن اور کافر میں باہم ولایت قائم کرنے سے زمین میں فساد رُونما ہوگا۔ مہاجرین و انصار کے درمیان ولایت قائم کرنے کے بعد جب کفار میں سے لوگ مسلمان ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے باہمد گر خون کے رشتہ دار مسلمانوں میں وراثت لوٹا دی اور فرمایا:

والذین اٰمنوا من بعد وھاجروا و جٰھدوا معکم فاولٰئک منکم واولوا الارحام بعضھم اولٰی ببعض فی کتٰب

اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کرکے آگئے اور تمہارے ساتھ مل کر جدّوجہد کرنے لگے وہ بھی تم ہی میں شامل ہیں مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے (وراثت میں) زیادہ حقدار ہیں

اللہ ط ان اللہ بکل شیءٍ علیم ٥ یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

(الانفال - ۷۵)

(۴۷۶) غزوۂ بدر میں جو مسلمان مہاجرین اور اوس و خزرج کے انصار شامل ہوئے اور جنھیں مالِ غنیمت میں سے حصّہ اور معاوضہ دیا گیا ان سب کی تعداد ۳۱۴ مرد بنتی ہے۔ ان میں، مہاجرین ۸۳ تھے، قبیلہ اوس کے انصار ۶۱ تھے اور قبیلہ خزرج کے انصار ۱۷۰ تھے۔

(۴۷۷ تا ۴۸۶) شہدائے بدر

جنگِ بدر میں جو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے ان میں سے شہداء کی تفصیل درج ذیل ہے:

— قریش کی شاخ: بنی المطلب بن عبد مناف میں سے (۱) عبیدہؓ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف۔ (ان کا پاؤں عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس نے کاٹ دیا تھا اور وہ مقام صفراء میں فوت ہوئے)

بنی زھرہ بن کلاب میں سے (۲) عمیر بن ابی وقاص بن اھیب بن عبد مناف بن زہرہ

حلفائے بنی زہرہ میں سے (۳) ذوالشمالینؓ عبد عمرو بن نضلہ (بنی غبشان میں سے)

(۴) عاقلؓ بن بکیر (بنی سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ میں سے بنی عدی کا حلیف)

(۵) مھجعؓ (حضرت عمرؓ بن خطاب کا آزاد کردہ غلام)

بنی حارث بن فہر میں سے (۶) صفوانؓ بن بیضاء۔

— انصار کی شاخ: بنی عمرو بن عوف میں سے (۷) سعدؓ بن خیثمہ۔

(۸) مبشرؓ بن عبد المنذر بن دینار۔

بنی حارث بن خزرج میں سے (۹) یزیدؓ بن حارث (یہ فسحم کہلاتے تھے)

بنی سلمہ (یعنی بنی حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ) میں سے (۱۰) عمیر بن حمام

بنی غبیب (یا خبیب) بن عبد حارثہ بن مالک میں سے (۱۱) رافع بن معلی۔

بنی نجار (یعنی بنی عدی بن نجار) میں سے (۱۲) حارثہ بن سراقہ بن حارث۔

بنی غنم بن مالک بن نجار میں سے (۱۳) عوف بن حارث بن سواد } ان دونوں کی والدہ کا نام
(۱۴) معوذ بن حارث بن سواد } عفراؔ ہے۔

(۴۸۷) کچھ نوجوان ایسے تھے جو جنگِ بدر میں قریش کے ساتھ قتل کیے گئے۔ ہمیں بتایا گیا کہ ان کے متعلق قرآن میں یہ آیت نازل کی گئی:

ان الذین توفّٰهم الملٰئکة ظالمی انفسهم قالوا فیم کنتم ط قالوا کنا مستضعفین فی الارض ط قالوا الم تکن ارض الله واسعةً فتهاجروا فیها ط فاولٰئک مأوٰهم جهنم ط و ساءت مصیرا o (النساء - ۹۷)

جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی رُوحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پُوچھا کہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا: کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان نوجوانوں کے آباؤ اجداد اور خاندان والوں نے انھیں مکہ ہی میں روک لیا اور فتنہ میں مبتلا کیا۔ یہ خود بھی فتنہ میں گرفتار ہو گئے اور اپنی قوم کے ساتھ میدانِ بدر میں آئے اور سب کے سب وہاں مارے گئے۔ ان نوجوانوں کے نام یہ ہیں:

— بنی اسد بن عبد العزّٰی بن قصی میں سے (۱) حارث بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد
بنی مخزوم ابو قیس بن فاکہ بن مغیرہ میں سے (۲) قیس بن ولید بن مغیرہ
بنی جمح میں سے (۳) علی بن امیہ بن خلف
بنی سہم میں سے (۴) عاص بن منبہ بن حجاج

غزوۂ کُدر

(۴۸۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان کے اواخر یا ماہِ شوال کے اوائل میں جنگِ بدر سے فارغ ہوئے۔ جب آنحضرتؐ بدر سے مدینہ تشریف لائے تو وہاں آپؐ نے صرف سات دن قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپؐ بنفسِ نفیس بنی سلیم کے ساتھ غزوہ کے ارادہ سے نکلے اور ان کے چشموں میں سے ایک چشمے پر پہنچے جسے کُدر کہا جاتا تھا وہاں آپؐ نے تین دن تک قیام فرمایا۔ اس دوران میں مقابلہ کی نوبت نہ آئی پھر آنحضرتؐ واپس مدینہ تشریف لے آئے اور بقیہ شوال اور ذوالقعدہ مدینہ میں گزارا۔ اس عرصہ میں آپؐ نے قریش کے اکثر قیدی فدیہ لے کر رہا کر دیئے۔

باب ۴۷

غزوۂ سویق

(۴۸۹) پھر ابوسفیان بن حرب نے ماہِ ذی الحجہ میں سویق کی جنگ لڑی۔ اس سال حج مشرکین ہی کی نگرانی میں ہوا۔

(۴۹۰) عبداللہ بن حسین حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے محمد جعفر بن زبیر اور یزید بن رومان اور دیگر قابلِ اعتماد لوگوں نے انصار کے بڑے علماً میں سے عبداللہ بن کعب بن مالک کی یہ روایت بیان کی کہ ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ آزمائی نہ کرے گا اس وقت تک جنابت کے سبب سے بھی اپنے سر پر پانی نہ ڈالے گا (یعنی غسلِ جنابت بھی نہ کرے گا)۔ وہ قریش کے دو سو سوار لے کر نکلا تاکہ اپنی قسم کو پورا کرے۔ اس نے نجدی راستہ اختیار کیا یہاں تک کہ وہ نہر کے بالائی حصہ میں ثیب نامی ایک پہاڑ کے پاس جا اُترا جو مدینہ سے تقریباً ایک بریدؔ[1] کی مسافت پر تھا۔ پھر وہ راتوں رات چل کر قبیلہ بنی نضیر میں حُیی بن اخطب کے مکان پر پہنچا، اس کا دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن اس نے خوف محسوس کیا اور دروازہ نہ کھولا۔ پھر وہ سلاّم بن مشکم کے پاس گیا جو اس وقت بنی نضیر کا سردار اور خزانچی تھا۔ ابوسفیان نے اس سے اجازت طلب کی۔ سلام نے اجازت دے دی اور کھانے اور شراب سے اس کی تواضع کی اور لوگوں کے متعلق اسے راز کی باتیں بتائیں۔ پھر وہ رات کے آخری حصے میں چل کر اپنے رفقا کے پاس چلا گیا۔ اس نے قریش کے کچھ آدمی مدینہ کی طرف بھیجے۔ وہ نواحِ مدینہ میں عریض نامی جگہ پہنچے۔ وہاں نخلستان میں سے نکلے۔ ایک انصاری اور اس کا ایک حلیف وہاں اپنے کھیت میں موجود تھے قریش نے ان دونوں کو قتل کر دیا اور واپسی کی راہ لی۔ لوگوں کو ان کی اطلاع ہُوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تلاش میں نکلے اور قرقرۃ الکدر تک ان کا تعاقب کیا اور وہاں سے واپس تشریف لے آئے کیونکہ ابوسفیان اور اس کے ہمراہی بھاگ کر چلے گئے تھے اور جاتی دفعہ اپنی خوراک کا کچھ سامان اپنا بوجھ ہلکا کر کے بھاگنے کی غرض سے وہاں کھیتوں میں چھوڑ گئے۔ آنحضرتؐ کے صحابہؓ نے یہ سامان دیکھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مراجعت اختیار کی تو مسلمانوں

---

[1] اَلْبَرِیْدُ مَا بَیْنَ ظِلِّ عِیْرٍ اِلٰی وَعِیْرٍ۔ یعنی برید "ظلِّ عیر" سے لے کر "وعیر" تک کا ہوتا ہے۔ ان دونوں مقاموں کے درمیان ۱۲ میل کا فاصلہ ہے جبکہ میل پندرہ سو ہاتھ کا ہو، اور یہ فاصلہ ہمارے ہاں کے تقریباً ۶ میل کے برابر ہے۔ مترجم

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی "کیا آپؐ کو امید ہے کہ جنگ ہمارے لیے نفع بخش ہوگی؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں۔"

(۴۹۱) جب ابوسفیان مکہ میں مدینہ پر معرکہ آرائی کے ضروری سامانِ جنگ مہیا کر رہا تھا تو اس وقت اس نے یہ اشعار کہے:

کروا علیٰ یثرب و جمعهم فان ما جمعوا لكم نفل	یثرب اور ان کی جمعیت پر بار بار حملہ کرو، کیونکہ انہوں نے جو کچھ اکٹھا کر رکھا ہے وہ تمہارے لیے مالِ غنیمت ہے۔
ان يك يوم القليب كان لهم فان ما بعده لكم دول	اگر جنگ میں ہمارے ساتھیوں کی لاشیں بدر کے پرانے کنوئیں میں ڈال دی گئی تھیں اور مسلمانوں کو فتح ہوئی تو کیا ہوا اس کے بعد آئندہ تمہیں ان پر غلبہ حاصل ہوگا۔
والات لا اقرب النساء و لا يمس راسي وجلدي الغسل	لات کی قسم! میں اس وقت تک عورتوں کے قریب نہ جاؤں گا اور اپنے سر اور جسم پر پانی نہ ڈالوں گا۔
حتی تبيد واقبائل الاوس وا لخزرج ان الفؤاد مشتعل	جب تک کہ اوس اور خزرج کے قبائل کا استیصال نہ ہو جائے بیشک ہمارے دل جلے ہوئے ہیں۔

دربارِ رسالت کے شاعر حضرت کعبؓ بن مالک نے اس کے جواب میں یہ اشعار کہے:

يا لهف ام المشجعين على جيش ابن حرب في الحرة الفسل	ابوسفیان بن حرب کا رذیل لشکر مدینہ کی کالی پتھریلی زمین میں ہے۔ اس میں ایسے لشکری ہیں جن کے دل مضبوط کیے گئے ہیں اور ان بہادری کا دم بھرنے والے لشکریوں کی ماؤں کی حالت افسوسناک ہے۔
اذا يطرحون الرحال مرتسم الطير ترقوا بقيبة الجبل	انہوں نے اپنے کجاوے ان پرندوں کے بوسیدہ گھونسلوں پر ڈالے ہیں جو پہاڑ کے پُرفضا حصہ پر چڑھ گئے ہیں۔
جاؤوا بجمع لو قيس منزله لم يك الا كمعوس الدؤل	وہ صرف اتنی سی جمعیت لے کر آئے ہیں کہ اگر اس لشکر کے پڑاؤ کی پیمائش کی جائے تو وہ اسی قدر رہوگی جتنی جگہ میں ایک بھیڑیا یا گیدڑ رات گزارتا ہے۔

(۴۹۲) جب ابوسفیان بن حرب نے مدینہ سے مکہ کی جانب کوچ کیا تو اس نے یہ اشعار کہے:

انی تخيرت المدينة واحدا لحلف فلم اندم ولم اتلوم	میں نے پورے مدینہ میں سے صرف ایک آدمی کو اپنے حلیف کے طور پر چنا اور اس چناؤ میں مجھے ندامت و پشیمانی کا احساس ہے اور نہ میں نے کوئی قابلِ ملامت کام کیا ہے۔
سقانی فسوانی كميتا مدامة على عجل منی سلام بن مشكم	میں اگرچہ عجلت میں تھا اس کے باوجود سلام بن مشکم نے مجھے سرخ و سیاہ شراب پلائی اور سیراب کیا۔

فلما تولی الجیش قلت و لم اکن
لا فرحة البشر بغزو و مغنم

جب اس نے لشکر کی سرپرستی کا ذمہ لے لیا تو میں نے اسے کہا کہ جنگ اور غنیمت کی بشارت سے خوش ہو جاؤ اور اس پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

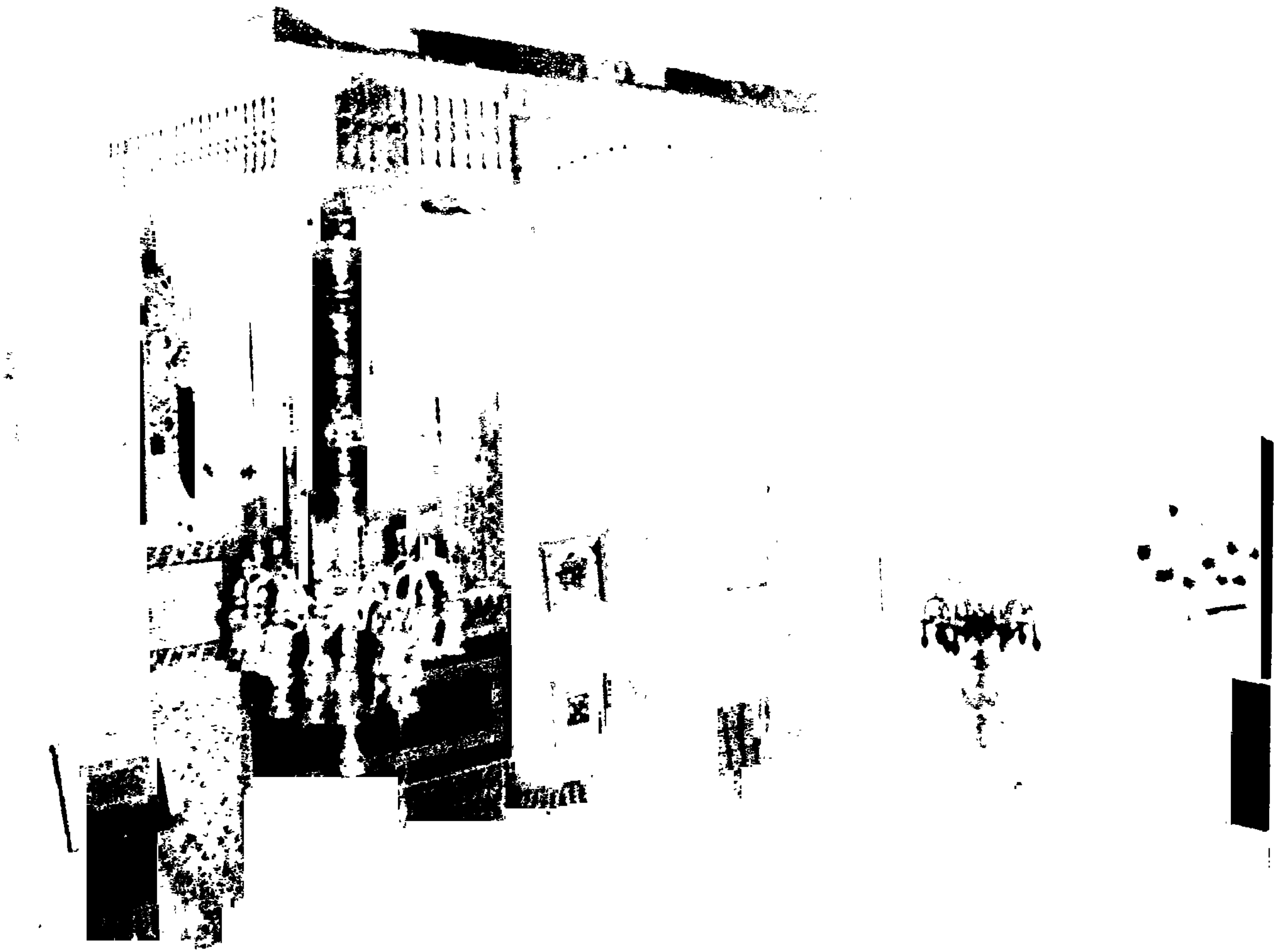
تامل فان القوم فی سرواتهم
صریح لؤی لا شماطیط جرهم

یہ چیز قابلِ غور ہے کہ قومِ قریش اپنی سیادت کے لحاظ سے خالص ہے اور خاص لؤی کی اولاد سے ہے اور بنی جرہم کی طرح مخلوط نسل نہیں ہے۔

وما کان الا بعض لیلة راکب
اتی ساعیا من غیر خلة معدم

سلام ابن مشکم کے پاس میرا آنا ایسا تھا جیسے کوئی سوار رات کے کسی حصّہ میں ناداری کی احتیاج کے بغیر سعی کرتا ہوا آئے۔

سینہ الخیر و زرا ممبر ا بیجیر



باب ۴۸

غزوۂ ذی امر ۳ھ

(بجانب نجد)

(۴۹۳) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ سویق سے واپس تشریف لائے تو ذی الحجہ اور محرم کے مہینوں میں یا اس کے لگ بھگ مدینہ ہی میں قیام فرمایا پھر بنی غطفان کی سرکوبی کے لیے آپؐ نے نجد کا رُخ کیا۔ یہ غزوۂ ذی امر ہے۔ آنحضرتؐ صفر کا تقریباً پورا مہینہ نجد ہی میں ٹھہرے رہے اور پھر واپس مدینہ تشریف لائے۔ اس دوران میں کوئی جھڑپ نہ ہوئی۔

(۴۹۴) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے اہلِ شام کے ایک آدمی ابومنظور نامی نے اپنے چچا کی وساطت سے عامر رامی (برادرِ نضر) کی یہ روایت بیان کی۔ عامر نے کہا: میں اپنے علاقے میں تھا کیا دیکھتا ہوں کہ جھنڈے اور پرچم میرے قریب آرہے ہیں۔ میں نے پوچھا: "یہ کیا ہے؟" لوگوں نے کہا: "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم ہے"۔ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔ درخت کے نیچے آنحضرتؐ کے لیے ایک کپڑا بچھایا ہوا تھا اور آپؐ اس پر بیٹھے تھے اور صحابہؓ آپؐ کے گرداگرد جمع تھے میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ایک مومن کو جب کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے اور اس کے بعد وہ صحت یاب ہوجاتا ہے تو یہ بیماری اس کے حق میں پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور مستقبل میں اس کے لیے عبرت کا سامان مہیا کرتی ہے۔ اور منافق جب بیمار ہوتا ہے اور پھر شفایاب ہوتا ہے تو وہ ایک ایسے اُونٹ کی مانند ہے جسے اس کے گھر والے رسّی سے باندھ دیتے ہیں اور پھر کھول دیتے ہیں، وہ نہیں جانتا کہ اسے باندھا کیوں گیا تھا اور کھولا کیوں گیا ہے"۔ حاضرین میں سے ایک آدمی نے پُوچھا: "بیماریاں کیا ہوتی ہیں؟ بخدا! میں تو کبھی بیمار نہیں ہُوا"۔ آنحضرتؐ نے اسے فرمایا: "تم اٹھ کر چلے جاؤ۔ تم ہم سے نہیں ہو"۔

راوی نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہی میں تھے کہ ایک شخص آیا جس کے اوپر ایک کپڑا اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جسے اس نے کپڑے میں لپیٹا ہوا تھا۔ اس نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! جب ہم نے آپؐ کو دیکھا تو میں آگے بڑھا اور درختوں کے ایک جُھنڈ کے پاس سے گزرا وہاں میں نے ایک پرندے کے چُوزوں کی آواز سُنی، میں نے انہیں پکڑ کر اپنے کپڑے میں رکھ لیا ان کی ماں میرے سر کے گرد منڈلانے لگی میں نے کپڑا کھولا تو وُہ بھی چوزوں کے ساتھ کپڑے پر بیٹھ گئی، میں نے ان سب کو کپڑے میں لپیٹ لیا اور اب وہ میرے پاس ہیں"۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "ان کو چھوڑ دو۔" میں نے کپڑا کھول دیا لیکن بچوں کی ماں ان سے جُدا نہ ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم لوگ بچوں کے لیے ان کی ماں کی مامتا سے متعجب ہو؟" حاضرین نے کہا: "ہاں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ایک ماں اپنے بچوں کے ساتھ جس قدر شفیق ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحیم ہیں، تم ان کو لے کر واپس جاؤ اور جہاں سے انھیں اٹھایا تھا ان کو اور ان کی ماں کو وہیں رکھ دو۔" راوی نے کہا، وہ شخص انھیں لے کر واپس چلا گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ اس دوران میں کوئی جھڑپ نہ ہوئی۔ آنحضرتؐ ربیع الاول کا پورا مہینہ یا اس سے کچھ کم عرصہ تک وہاں ٹھہرے رہے۔

غزوۂ بحران

(۴۹۵) پھر آنحضرتؐ قریش اور بنی سلیم کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکلے یہاں تک کہ بحران پہنچے۔ بحران نواحِ فرع میں علاقہ حجاز میں ایک کان ہے جو حجاج بن علاط بہزی کے قبضہ میں تھی۔ آپؐ وہاں دو مہینے ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ تک ٹھہرے رہے۔ پھر وہاں سے واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اس دوران میں کوئی جھڑپ نہ ہوئی۔

غزوۂ بنی قینقاع

(۴۹۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا غزوہ کے دوران میں بنی قینقاع کا واقعہ بھی پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنی قینقاع کے بازار میں اکٹھا کیا اور فرمایا: "اے گروہِ یہود! خدا سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی قریش کی طرح سزا دی جائے۔ اسلام قبول کرو کیونکہ تم مجھے پہچانتے ہو کہ میں نبی مرسل ہوں، اس کی صراحت تمہاری کتاب میں اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں جو تمہاری طرف آیا موجود ہے۔" انہوں نے جواب دیا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم ہمیں اپنی قوم کی طرح خیال کر رہے ہو۔ تمہارا مقابلہ اس قوم سے ہُوا جو فنِ حرب سے ناآشنا تھی اور اسی چیز نے تمہیں مغرور کر دیا ہے وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ بخدا! اگر ہمیں تمہارے ساتھ لڑنا پڑا تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم مردِ میدان ہیں۔"

(۴۹۷) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے آلِ زید بن ثابت کے آزاد کردہ غلام نے سعید بن جبیر یا عکرمہ کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ مندرجہ ذیل آیات یہودِ بنی قینقاع ہی کے متعلق نازل ہوئیں:

قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الیٰ جہنم ط و بئس المھاد ۵

پس اے نبی! جن لوگوں نے تمہاری دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے ان سے کہہ دو کہ قریب ہے وہ وقت جب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور جہنم بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔

قد کان لکم اٰیۃ فی فئتین التقتا ط — تمہارے لیے ان دو گروہوں میں ایک نشانِ عبرت تھا جو ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے (بدر میں ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ تھے اور دوسری جانب قریشِ مکہ)

فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ و اخرٰی کافرۃ یرونھم مثلیھم رأی العین ط واللہ یؤید بنصرہٖ من یشآء ط ان فی ذٰلک لعبرۃ لاولی الابصار ○ (آل عمران - ۱۲-۱۳) — ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا۔ دیکھنے والے بچشمِ سر دیکھ رہے تھے کہ کافر گروہ مومن سے دوچند ہے مگر (نتیجے نے ثابت کر دیا کہ) اللہ اپنی فتح و نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے اس میں بڑا سبق پوشیدہ ہے۔

(۴۹۸) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا کہ بنو قینقاع پہلے یہود تھے جنہوں نے اس معاہدے کو توڑ دیا جو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہو چکا تھا اور بدر اور اُحد کے درمیانی عرصہ میں انہوں نے جنگ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا یہاں تک کہ وہ آپؐ کے حکم پر اتر آئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان پر بالادستی عطا کی تو عبداللہ بن ابی آڑے آیا۔ اس نے کہا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، وہ قبیلہ خزرج کے حلیف تھے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کو کوئی وزن نہ دیا۔ اس نے دوبارہ کہا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! نیک سلوک کرو۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جانب سے رخ پھیر لیا اس نے اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ کی جیب میں ڈالا۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضبناک ہو کر اس سے فرمایا: "افسوس ہے تجھ پر، مجھے چھوڑ دے۔" اس نے کہا: "بخدا! میں آپؐ کو نہیں چھوڑوں گا جب تک آپؐ میرے ساتھیوں سے نیک سلوک نہ کریں گے۔ یہ چار سو بے زرہ سپاہی اور تین سو زرہ پوش اسود و احمر کے خلاف میری حفاظت کرنے والے ہیں اور آپؐ ایک ہی دن میں ان کے سر قلم کر دیں گے۔ بخدا! میں گردشِ روزگار سے ڈرنے والا آدمی ہوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ تیرے ساتھی ہیں!"

(۴۹۹) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے میرے والد اسحاق بن یسار نے عبادہ بن ولید بن عبادہ بن صامت کی یہ روایت بیان کی کہ جب بنو قینقاع نے محاربہ کیا تو ان کے معاملہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول نے چنگل مارا اور وہ ان کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ عبادہؓ بن صامت بھی بنی عوف بن خزرج میں سے تھا اور اس کے ساتھ بھی بنی قینقاع کے اسی طرح کے حلیفانہ تعلقات تھے جس طرح بنی قینقاع کے تعلقات عبداللہ بن ابی کے ساتھ تھے۔ عبادہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بنی قینقاع کے ساتھ حلیفانہ تعلقات سے اظہارِ بیزاری اور اعلانِ برأت کرتے ہوئے

کہا: "میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کا ساتھی ہوں اور ان کفار اور ان کی ولایت سے بری ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طرفدار ہوں۔" راوی نے کہا کہ عبادہ بن صامت اور عبداللہ بن ابی کے متعلق سورہ مائدہ کی یہ آیات نازل ہوئیں:

یٰایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود والنصارٰی اولیآء بعضھم اولیآء بعضؕ ومن یتولھم منکم فانہ منھمؕ ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین ○ فتری الذین فی قلوبھم مرض یسارعون فیھم یقولون نخشٰی ان تصیبنا دآئرۃ فعسی اللہ ان یاتی بالفتح اَو اَمر من عندہٖ . . . .

. . . .

الیٰ قولہٖ . . . وھم راکعون ○

اے ایمان لانے والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہی میں ہے۔ یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ انہی میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں (روئے سخن عبداللہ بن ابی کی طرف ہے جو کہتا ہے کہ مصائب روزگار سے ڈرتا ہوں)

کہتے ہیں: "ہمیں ڈر لگتا ہے کہ ہم کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں۔" مگر بعید نہیں کہ اللہ جب تمہیں فیصلہ کن فتح بخشے گا یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے گا تو یہ لوگ اپنے اس نفاق پر جسے یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں نادم ہوں گے۔ اور اس وقت اہلِ ایمان کہیں گے "کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟" ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور آخر کار یہ ناکام و نامراد ہو کر رہے۔ اے ایمان لانے والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے۔ جو اللہ کی راہ میں جد و جہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ تمہارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ اور اللہ کا رسولؐ اور وہ اہلِ ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے والے ہیں۔ (یہاں عبادہ بن صامت کے بیان کی طرف اشارہ ہے جس نے کہا تھا کہ میں بنی قینقاع کے ساتھ حلیفانہ معاہدہ اور ان کی ولایت سے بری الذمہ

ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی ہوں)

ومن یتولی اللہ ورسولہ والذین آمنوا فان حزب اللہ ھم الغلبون ۵ (المائدہ ۵۱-۵۶- رکوع ۸)

اور جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنا لے اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔

باب ۴۹

سریۂ زیدؓ بن حارثہ

(۵۰۰) اس سریہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ بن حارثہ کو بھیجا تھا جنہوں نے قریش کے ایک قافلے کو جس میں ابوسفیان بن حرب بھی تھا "قردہ" پر جالیا۔ "قردہ" نجد کے چشموں میں سے ایک چشمہ تھا۔ یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ جنگ بدر میں کفار کو جس عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا اس کے پیش نظر قریش نے محسوس کیا کہ ان کا شام کا راستہ پُرخطر ہے اس لیے انہوں نے عراق کا راستہ اختیار کیا۔ چنانچہ قریش کے کچھ تاجر نکلے جن میں ابوسفیان بن حرب بھی تھا ان کے پاس کثیر مقدار میں چاندی تھی اور ان لوگوں کی تجارت کا زیادہ تر انحصار چاندی پر تھا۔ انہوں نے بنی بکر بن وائل کا ایک آدمی جس کا نام فرات بن حیان تھا بطور بدرقہ ساتھ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ بن حارثہ کو اسی راستہ کی طرف بھیجا۔ وہ مذکورہ چشمہ قردہ پر قافلہ والوں سے جا ملے اور قافلے کا سارا سامان ہتھیا لیا لیکن قافلہ والے بچ کر نکل گئے۔ زیدؓ سامان لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے۔ حسانؓ بن ثابت نے قریش کو یہ راستہ اختیار کرنے پر جنگ احد کے بعد غزوۂ بدر اخریٰ کے موقع پر ملامت کی۔ ابوسفیان اُحد سے واپس جاتے ہوئے دوبارہ حملہ کرنے کی دھمکی دے گیا تھا اس لیے آنحضرتؐ نے مدینہ سے نکل کر بدر میں پڑاؤ کیا اور وہاں آٹھ دن تک قیام فرمایا لیکن ابوسفیان نے مقابلہ کی جسارت نہ کی۔ اس موقع پر حضرت حسانؓ نے یہ اشعار کہے:

دعوا فلجات الشام قد حال دونها
جلاد کافواہ المخاض الاوارك

شام کے ندی نالوں کو اب چھوڑ دو کیونکہ ان کے ورے تلواروں کی جنگ حائل ہے جو پیلو کے درخت کھانے والی حاملہ اونٹنیوں کے مونہوں کی طرح ہولناک ہے۔

بایدی رجال ھاجروا نحو ربھم
وانصارہ حقا وایدی الملائك

یہ جنگ کرنے والے ان مردوں کے ہاتھ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار اور اس کے سچے مددگاروں کی طرف ہجرت کی اور ان کی حمایت میں فرشتوں کے ہاتھ بھی جنگ آزما ہیں۔

اذا سلکت للغور من رمل عالج
فقولا لھا لیس الطریق ھنالك

عالج کے ریگستانی نشیبی علاقے کی طرف اگر کوئی قافلہ کوچ کرے تو اسے میرے دونوں ساتھیو! اس کو کہو کہ ادھر راستہ نہیں ہے۔

اقمنا علی الرس النزوع ثمانیا
بارعن جرار عریض المبارك

ہم آٹھ دن تک وہاں بدر کے کم گہرے کنوئیں پر ٹھہرے رہے۔ ہمارے ساتھ ایک لشکر جرار تھا جس نے وسیع و عریض جگہ کو گھیرا ہوا تھا۔

بکل کمیت جونرہ نصف خلقہ
وقب طوال مشرفات الحوارك
تری العرفج العادی تذری اصوله
مناسم اخفاف المعطی الرواتك
فان تلق فی تطوافنا والتماسنا
فرات بن حیان یکن رهن هالك

اور سُرخ وسیاہ رنگ کے گھوڑے بھی تھے جو چھریرے بدن، دراز قد اور اونچے شانوں والے تھے۔
تم دیکھتے ہو کہ ان تیز رفتار اونٹوں کے سُموں سے پُرانی عرفج گھاس کی جڑیں تک اڑ گئیں۔
اگر ہماری نقل و حرکت اور تلاش و جستجو کے دوران میں فرات بن حیان کے ساتھ ہماری ملاقات ہو گئی تو وہ اپنی بزدلی اور کمزوری کے سبب خود ہی مر جائے گا۔

وان تلق قیس بن امرئ القیس بعدہ
یزد فی سواد لونه لون حالك
فابلغ ابا سفیان عنی رسالة
فانك من غر الرجال الصعالك

اور اگر اس کے بعد ہماری ملاقات قیس بن امرا القیس سے ہو گئی تو اس کے سیاہ رنگ میں مزید سیاہ رنگ کا اضافہ کر دیا جائے گا۔
(اے پیغام لے جانے والے!) ابو سفیان کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دے کہ تو چمکدار اور خوشنما چہروں والے محتاج لوگوں میں ایک ہے۔

باب ۵۰

کعب بن اشرف کا قتل

(۵۰۱) کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ اس طرح ہوا کہ جب اہلِ بدر پر مصیبت ٹوٹی اور زیدؓ بن حارثہ اور عبداللہؓ بن رواحہ علی الترتیب مدینہ کے نشیبی علاقوں اور بالائی علاقوں کے رہنے والوں کے پاس خوشخبری لے کر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو مسلمانانِ مدینہ کے پاس بھیجا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی ہے اور مشرکین میں سے فلاں فلاں افراد قتل ہو گئے ہیں۔ یہ بات مجھے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور عاصم بن عمر بن قتادہ اور صالح بن ابی امامہ بن سہل نے بتائی۔ ان میں سے ہر ایک نے بعض واقعات مجھ سے روایت کیے۔

کعب بن اشرف قبیلہ طے کی شاخ بنی نبہان کا ایک فرد تھا اس کی ماں بنی نضیر میں سے تھی۔ جب اس کو یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا: "تم پر افسوس ہے۔ کیا یہ خبر صحیح ہے اور کیا تم لوگ خیال کرتے ہو کہ ان دو آدمیوں یعنی زید اور عبداللہ نے جن لوگوں کا نام لیا ہے انہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قتل کر دیا ہے؟ یہ لوگ تو عرب کے سردار اور لوگوں کے بادشاہ ہیں بخدا! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں اس قوم پر یہ مصیبت ٹوٹی ہے تو اب سطحِ زمین سے شکمِ زمین بہتر ہے۔" جب اس دشمنِ خدا کو اس خبر کی صحت کا یقین ہو گیا تو وہ نکل کھڑا ہوا اور مکہ پہنچا اور مطلب بن ابی وداعہ بن صبرہ سہمی کے ہاں ٹھہرا۔ اس کی بیوی عاتکہ دختر ابو العاص بن امیہ بن عبد شمس نے اس کی خاطر و مدارات کی۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو اشعار سنا سنا کر بھڑکانا شروع کر دیا اور قریش کے جن لوگوں کی لاشیں بدر کے کنوئیں میں ڈالی گئی تھیں ان کے مرثیے کہنے لگا۔

اس کے بعد کعب بن اشرف واپس مدینہ آگیا۔ اس نے ام الفضل بنت حارث کے متعلق عشقیہ اشعار کہے اور اسی طرح مسلمانوں کی دیگر خواتین کا تذکرہ بھی اس نے عاشقانہ شعروں میں کیا۔ چنانچہ عبداللہ بن مغیث کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کون ہے جو میری طرف سے ابنِ اشرف کی خبر لے گا؟" بنی عبدالاشہل میں سے محمد بن مسلمہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں آپؐ کی خاطر اس کام کے لیے حاضر ہوں اور میں اس کا کام تمام کروں گا۔" آپؐ نے فرمایا: "اگر تمہارا بس چلے تو یہ کام ضرور کرو۔" محمد بن مسلمہ واپس آگئے اور تین دن تک بقدرِ سدِ رمق کے علاوہ نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "تم نے کھانا پینا کیوں چھوڑ دیا ہے؟" اس نے جواب دیا: "یا رسول اللہ! میں نے آپؐ سے ایک وعدہ کیا ہے نہ معلوم میں اس وعدے کو پورا کرنے میں کامیاب ہوتا ہوں یا نہیں۔" آنحضرتؐ نے

فرمایا: "تمہارے ذمہ صرف کوشش ہے۔" اس نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! ہم کچھ ضروری باتیں کہنا چاہتے ہیں۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "جو تم کہنا چاہو کہو، تمہارے لیے اس کی اجازت ہے۔"

محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ سلکان بن سلامہ بن وقش (دیکھئے از بنی عبدالاشہل) اور حارث بن اوس بن معاذ (دیکھئے از بنی عبدالاشہل) نے بالاتفاق کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور ابو نائلہ سلکان بن سلامہ کو کعب کے پاس بھیجا۔ وہ کعب کے پاس آکر ایک گھڑی تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ ابو نائلہ شاعر تھا۔ چنانچہ وہ اور کعب بن اشرف ایک دوسرے کو شعر سناتے رہے۔ اس کے بعد ابو نائلہ نے کعب کو کہا: "اے ابنِ اشرف! تم پر افسوس ہے۔ میں تمہارے ایک کام کیلئے آیا ہوں اور اس کا ذکر تم سے کرنا چاہتا ہوں لیکن میری بات پوشیدہ رہنی چاہیے۔" کعب نے کہا: "میں پوشیدہ رکھوں گا۔" ابو نائلہ نے کہا: "اس شخص (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہاں آکر ہمیں مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ عرب ہمارے دشمن ہو گئے ہیں اور متحد ہو کر ہماری مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہماری ناکہ بندی کر دی ہے، یہاں تک کہ ہمارے بال بچے ہلاک ہو رہے ہیں اور ہم مشقت میں گھرے ہوئے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ ہم خود اور ہمارے اہل و عیال مصیبت کا شکار ہیں۔" کعب نے کہا: "میں ابنِ اشرف ہوں۔ بخدا! میں تمہیں بار بار یہ جتاتا رہا ہوں کہ حالات ایسے ہو جائیں گے جیسے اب تم بتلا رہے ہو۔" اس کے بعد سلکان نے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ سامانِ خوراک ہمارے ہاتھ فروخت کرو ہم تمہارے پاس کچھ نہ کچھ رہن رکھ دیں گے اور تمہارے لیے پورا اعتماد مہیا کریں گے۔ امید ہے تم احسان بھی کرو گے۔" کعب نے کہا: "اپنے بیٹے میرے پاس رہن رکھو گے؟" سلکان نے کہا: "کیا تم ہمیں ذلیل کرنا چاہتے ہو؟ میرے ساتھ میرے دیگر رفقا بھی ہیں جو میری جیسی رائے رکھتے ہیں۔ میں انھیں بھی تمہارے پاس لانا چاہتا ہوں تاکہ تم ان کے ہاتھ بھی غلّہ فروخت کرو اور احسان کا معاملہ کرو۔ ہم تمہارے پاس اس قدر زرہیں اور دیگر اسلحہ گروی رکھ دیں گے جن سے تمہارے غلّہ کی قیمت پوری ہو سکے گی۔" سلکان نے یہ بات اس لیے کی کہ جب اس کے ساتھی ہتھیار بند ہو کر آئیں تو وہ خطرہ محسوس نہ کرے۔ کعب نے کہا: "ہتھیار اس قدر ہوں کہ ان سے غلّہ کی قیمت پوری ہو جائے۔" سلکان اپنے ساتھیوں کے پاس واپس چلا گیا اور ان کو سارا ماجرا سنایا اور انہیں کہا کہ وہ اپنے ہتھیار لے لیں اور اس کے پاس اکٹھے چلیں۔ پھر وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔

(۵۰۲) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ اس نے کہا: مجھ سے ثور نے عکرمہ مولی ابن عباسؓ کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہمراہ بقیع الغرقد تک گئے پھر انہیں مہم پر بھیجا اور فرمایا: "اللہ کا نام لے کر جاؤ۔ اے اللہ! ان کی امداد فرما۔" پھر آپؐ چاندنی رات میں واپس گھر آ گئے۔ وہ تینوں کعب کے قلعے تک پہنچ گئے۔ ابو نائلہ نے اسے آواز دی۔ کعب کی شادی ہوئے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا وہ اپنے لحاف سے نکل کھڑا ہوا۔ اس کی بیوی نے اس کا پلّو پکڑ لیا اور کہا: "تم جنگجو آدمی ہو اور مردانِ جنگ ایسے وقت میں نیچے نہیں اُترتے۔" کعب نے کہا: "وہ ابو نائلہ ہے اگر اسے معلوم ہو جاتا

کہ میں سوچکا ہُوں تو وہ مجھے ہرگز نہ جگاتا۔" اس کی بیوی نے کہا: "مجھے تو اس کی آواز میں شرارت کی بُو آتی ہے۔"

ابو شعیب نے کہا کہ مجھ سے ابو محمد توزی نے اصمعی کی یہ بات بیان کی کہ دورِ جاہلیت میں یا اسلام میں جس شخص نے بھی یہ کلمہ کہا: "لو وجدنی نائمًا ما ایقظنی ــــ اگر اسے معلوم ہوتا کہ میں سویا ہوا ہُوں تو وہ مجھے نہ جگاتا۔" وہ قتل کر دیا گیا۔

راوی نے کہا: کعب نے اپنی بیوی کو جواب دیا: "اگر کسی جوان کو نیزہ بازی کے لیے بھی بلایا جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس دعوت کو قبول کرے۔" راوی نے کہا: وہ نیچے اتر آیا اور ان کے ساتھ کچھ دیر تک باتیں کرتا رہا اور وہ بھی اس سے باتیں کرتے رہے۔ پھر سلکان نے اس سے کہا: "اے ابنِ اشرف! کیا تم بڑھیا کی گھاٹی تک چلو گے تاکہ رات کا باقی حصہ ہاں باہم گفتگو کریں؟" کعب نے کہا: "اگر تم چاہو۔" چنانچہ وہ تھوڑی دیر تک چلتے رہے۔ پھر ابو نائلہ نے کعب کے سر کی چوٹی کے بالوں میں ہاتھ ڈال کر اسے سُونگھا اور کہا: "آج سے زیادہ معطر اور خوشبو میں بسی ہوئی رات میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ وہ کچھ آگے چلے تو اس نے اسی عمل کو دہرایا، یہاں تک کہ کعب کو پورا اطمینان حاصل ہو گیا۔ پھر وہ کچھ دیر چلے تو ابو نائلہ نے پھر وہی عمل کرتے ہوئے اس کے سر کے بالوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور کہا: "خدا کے اس دشمن کو مارو۔" انہوں نے اسے مارنا شروع کر دیا۔ تلواریں ایک دوسری پر پڑنے لگیں مگر کارگر ثابت نہ ہُوئیں۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: جب میں نے دیکھا کہ ہماری تلواروں کی کوئی کاری ضرب اسے نہیں لگی تو مجھے اپنی چھری یاد آئی۔ جب میں نے وہ پکڑی تو اس دشمنِ خدا نے ایسی چیخ ماری کہ ہمارے ارد گرد کی تمام گڑھیوں میں آگ روشن ہو گئی۔ میں نے چھری اس کی ناف پہ رکھ کر اس زور سے چلائی کہ پیڑو تک پہنچ گئی اور وہ دشمنِ خدا گر پڑا۔ حارث بن اوس بن معاذ بھی مضروب ہوا اس کے سر یا پاؤں پر زخم آئے، اسے ہماری تلواریں لگیں۔ پھر ہم نکلے اور بنی امیہ بن زید، بنی قریظہ اور بعاث کی آبادیوں سے گزرتے ہوئے حرۃ العریض تک پہنچ گئے۔ ہمارا ساتھی حارث بن اوس پیچھے رہ گیا وہ خون کے زیادہ خارج ہونے کی وجہ سے کمزور ہو گیا۔ ہم نے اس کے لیے تھوڑی دیر توقف کیا۔ وہ ہمارے قدموں کے نشانات کا اتباع کرتا ہوا ہمیں آ ملا۔ ہم نے اسے اٹھا لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے ہم نے آپؐ کو سلام کیا۔ آپؐ باہر تشریف لے آئے ہم نے آپؐ کو دشمنِ خدا کے قتل کی اطلاع دی آنحضرتؐ نے ہمارے ساتھی کے زخم پر لعابِ دہن لگا دیا اور ہم اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ صبح ہُوئی تو معلوم ہُوا کہ ہمارے رات کے حملہ سے یہود خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ اور کوئی یہودی بھی ایسا نہ تھا جسے اپنی جان کا کھٹکا نہ لگا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم جس یہودی پر قابو پاؤ اسے قتل کر دو۔" چنانچہ محیصہ نے ابنِ سنینہ پر ہلہ بول دیا اور اسے قتل کر دیا۔ ابنِ سنینہ یہودی تاجروں میں سے تھا اور ان سے میل ملاقات اور خرید و فروخت کے راہ و رسم تھے۔ حویصہ بن مسعود نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ محیصہ کا بڑا بھائی تھا۔ جب محیصہ نے ابن سنینہ کو قتل کیا تو حویصہ نے محیصہ کو مارا اور کہا: "اے دشمنِ خدا! تو نے اسے قتل کر دیا ہے۔ بخدا! اس کے مال کی چربی کا کچھ حصہ تیرے پیٹ میں بھی ہے۔" محیصہ نے کہا: "خدا کی قسم! مجھے اس کے قتل کا حکم اس ہستی نے دیا ہے کہ وہ مجھے تیرے قتل کا حکم بھی دیں تو میں تیری گردن بھی مار دوں۔" حویصہ نے کہا: "خدا کی قسم! جس دین نے

تجھے یہاں تک پہنچا دیا ہے اس دین کی شان عجیب معلوم ہوتی ہے۔ مجھے اپنے آقا کے پاس لے چلو تاکہ میں ان کی باتیں سُنوں۔ حویصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس طرح وہ پہلی دفعہ اسلام سے متاثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کیا۔ اس موقع پر محیصہ نے یہ اشعار کہے:

یلوم ابن ام لو امرت بقتله	میری ماں جایا بھائی مجھے (ابن سنینہ کے قتل پر) ملامت کرتا ہے حالانکہ
لطبقت ذفراه بابیض قاضب	اگر مجھے اس کے قتل کا بھی حکم دیا جائے تو میں کاٹنے والی تلوار سے اس کے کانوں کے پیچھے کی دونوں ہڈیاں کاٹ دوں۔
حسام کلون الملح اخلص صقله	ایسی تلوار کے ساتھ جس کا رنگ نمک کا سا ہے اور جس کی صیقل خالص ہے
متی ما اصوبه فلیس بکاذب	جب میں اس کی ضرب لگاؤں تو نشانہ خطا نہ کرے۔
وما سرنی انی قتلتک طائعا	لیکن اگر میں تعمیلِ ارشاد میں تمہیں قتل کردوں اور میرے اور تمہارے درمیان
وان لنا ما بین بصری فمارب	بُصریٰ اور مارب کی درمیانی مسافت جتنی دوری ہو جائے تو مجھے اس سے خوشی نہ ہوگی۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب نے ابنِ اشرف کے قتل پر یہ اشعار کہے:

عرفت و من یعتدل یعرف	میں نے حق کو پہچان لیا ہے اور جو بھی اعتدال پسند ہوگا اسے معرفت حاصل
وایقنت حقا فلم اصدف	ہوجائے گی اور میں حق پر یقین رکھتا ہوں اور میں اعراض نہیں کروں گا۔
عن الکلم المحکمات التی	ان محکم کلمات سے جو رؤف و رحیم خدا کی طرف
من اللہ ذی الرأفة الارأف	سے ہیں۔
رسائل تدرس فی المومنی	یہ محکم کلمات ایسے پیغامات ہیں جو مومنین میں پڑھے اور سیکھے جاتے ہیں
ن بهن اصطفی احمد المصطفی	ان پیغامات کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو چن لیا۔
فاصبح احمد فینا عزیزا	پس حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں صاحبِ عزت قرار پائے،
عزیز المقامة و الموقف	ان کا مقام اور موقف بھی عزیز ہیں۔
فیایها الموعدوه سفاها	اے وہ لوگو جو آنحضرتؐ کو اپنی بیوقوفی کی وجہ سے دھمکیاں دیتے ہو
ولم یات حوبا ولم یعنف	حالانکہ آپؐ زیادتی اور تشدد کرنے والے نہیں ہیں۔
الستم تخافون ادنی العذاب	کیا تم قریب ترین عذاب سے نہیں ڈرتے اور جسے اللہ تعالیٰ کی
وما آمن اللہ کالاخوف	حفاظت اور امان حاصل ہو وہ اس شخص کی طرح نہیں ہوسکتا جو خوفزدہ ہو۔

وان تصرعوا تحت اسیافہم
کمصرع کعب بن الاشرف

اور کیا تم کو اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ تمہیں بھی آنحضرتؐ کی تلواروں کے نیچے پچھاڑ دیا جائے گا جس طرح کعب بن اشرف کو پچھاڑ کر مارا گیا۔

غداۃ رأی اللہ طغیانہ
فاعرضَ کالجَمَلِ الاجْنَفِ

اللہ تعالیٰ نے اس کی سرکشی دیکھی جس کے پیچھے دشمنی کارفرما تھی اور کعب نے ایک طرف بھاگنے والے اونٹ کی طرح اعراض کیا۔

فانزل جبریل فی قتلہ
بوحی الی عبدہ ملطف

اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو وحی دے کر اپنے لطف و کرم والے بندے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا کہ وہ کعب بن اشرف کو قتل کر دیں۔

فدس الرسول رسولا الیہ
بابیض ذی ہیبۃ مرہف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک نمائندہ کو جسے آپؐ نے اس مہم پر بھیجا چکے سے ایک ہیبت ناک اور کاٹنے والی تلوار دی۔

فباتت عیون لہ معولات
ومن دمع کعب لہا تذرف

کعب پر نوحہ و ماتم کرنے والی عورتوں کی آنکھیں راتوں کو آنسو بہاتی رہتی ہیں۔

فقلن لاحمد ذرنا قلیلا
فانا من النوح لم نشتف

اور حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتی ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو ابھی نوحہ کرنے سے ہمیں پوری طرح تسلی نہیں ہوئی۔

فاجلاہم ثم قال اظعنوا
دحوراً علی رغم الآنف

آنحضرتؐ نے انہیں جلاوطن کر دیا اور فرمایا یہاں سے کوچ کر جاؤ اور ذلت و خواری کے ساتھ ناک رگڑتے جاؤ۔

فاجلی النضیر الیٰ غربۃ
وکانوا بدار ذوی زخرف

آنحضرتؐ نے بنی نضیر کو بھی جلاوطن کر دیا اور وہ غریب الدیار ہو گئے حالانکہ وہ اپنے مزین و آراستہ گھروں میں شان و شوکت کے ساتھ رہ رہے تھے۔

الی اذرعات ردا فاوہم
علی کل ذی دبر اعجف

ان کی جلاوطنی مقام اذرعات کی جانب تھی (جو سرزمین شام میں ایک موضع ہے) ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے اونٹ (سفر کی کوفت سے) زخمی اور کمزور ہو گئے اور وہ انہی پر ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھ کر گئے۔

باب ۵۱

غزوۂ اُحُد

(۵۰۳) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔
ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے اُحد کے واقعات محمد بن مسلم بن عبید اللہ زہری اور محمد بن یحیٰی ابن حبان اور عاصم بن عمر بن قتادہ اور حصین بن عبدالرحمان بن عمرو بن سعد بن معاذ وغیرہم علماء نے بیان کئے۔ ان میں سے ہر ایک نے اُحد کے کچھ نہ کچھ واقعات مجھے بتائے۔ جو واقعات یہاں ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں وہ سب کے سب انہی روایات سے ماخوذ ہیں۔
ابن اسحاق نے کہا: یا ان راویوں میں سے کسی نے کہا: جب بدر میں کفارِ قریش نے منہ کی کھائی اور ان کے مقتولین کی لاشیں کنوئیں میں ڈال دی گئیں تو یہ شکست خوردہ جماعت مکہ کو واپس چلی گئی۔ ابو سفیان بن حرب بھی لوٹ گیا اور عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ قریش کے ان لوگوں کے پاس پہنچے جن کے باپ، بیٹے اور بھائی جنگِ بدر میں قتل ہوئے اور انہوں نے ابوسفیان بن حرب اور دوسرے لوگوں سے بھی باتیں کیں جو تجارتی قافلے میں شریک تھے اور انہیں کہا: "اے قریش کے لوگو! بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہارا تیا پانچا کر دیا ہے اور تمہارے چیدہ چیدہ لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔ تم اس مال کے ذریعہ سے ہماری مدد کرو تاکہ ہم اس سے جنگ کریں اور اپنے نقصانات کا بدلہ لیں۔"

راوی نے کہا: بعض اہلِ علم نے مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل کی:

ان الذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ ط فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون ۵ و الذین کفروا الی جھنم یحشرون ۵ (الانفال - ۳۶)	جن لوگوں نے حق کو ماننے سے انکار کیا وہ اپنے مال خدا کے راستے میں روکنے کے لیے صرف کر رہے ہیں اور ابھی اور خرچ کرتے رہیں گے مگر آخر کار یہی کوششیں ان کے لیے پچھتاوے کا سبب بنیں گی، پھر وہ مغلوب ہوں گے، پھر جہنم کی طرف گھیر لائے جائیں گے۔

جب ابُوسفیان اور دیگر قافلہ والوں نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا تو قریش نے بالاتفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ آزمائی کا فیصلہ کر لیا اور ان کے ساتھ احابیش اور بنی کنانہ اور بنی تہامہ کے حلیف قبیلے بھی شامل ہو گئے ان سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معرکہ آرائی کی گمراہ کن روش اختیار کی۔ ابو عزہ بن عبداللہ جمحی ایک ایسا شخص تھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے احسان کیا ہوا تھا اور اس نے آنحضرتؐ کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ آپؐ کے مقابلہ میں کسی کی امداد نہ کرے گا۔
قریش نے اُحد کی طرف نکلنے کا فیصلہ کیا تو صفوان بن امیہ نے ابو عزہ کو کہا: "تم شاعر ہو، اپنی شعر گوئی کے ذریعہ ہماری امداد کرو اور ہمارے ساتھ میدانِ جنگ میں چلو۔" اس نے کہا: "یہ حقیقت ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ پر احسان کیا ہوا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ان کے مقابلہ میں کسی کی امداد کروں۔" صفوان نے کہا: اچھا، تم اپنی ذات کی حد تک تو ہماری مدد کر سکتے ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں اگر تم واپس آ گئے تو میں مال سے تمہاری امداد کروں گا اور اگر تم جنگ میں مارے گئے تو تمہاری بیٹیاں میری بیٹیوں کے ساتھ رہیں گی اور فقر و غنا ہر دو حالتوں میں میری بیٹیوں کی طرح گزر بسر کریں گی۔ ابو عزہ نکل کھڑا ہوا اور اس نے تہامہ کا دورہ کیا اور بنو کنانہ کو جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دی اور یہ شعر پڑھے:

یا بنی عبد مناۃ الرزام	اے بنی عبد مناۃ! تم جنگ میں پامردی و ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے والے ہو
انتم بنو حرب ضروا بوالهام	تم ایسے مردانِ جنگ آزما ہو کہ تم مخالفوں کے سروں پر ضربیں لگانے والے ہو۔
انتم حماۃ و ابوکم حام	تم حمایت کرنے والے ہو اور تمہارے باپ دادا بھی حمایت کرنے والے تھے
لا یعدونی نصرکم بعد العام	اس سال کے بعد تمہاری امداد مجھے ہرگز نہ چھوڑ دے۔ تم مجھے دشمن کے سپرد کرو
لا تسلمونی لا یحل اسلام	کیونکہ تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ تم مجھے دشمن کے حوالے کر دو۔

پھر جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف نے اپنے ایک غلام کو بلایا جس کا نام وحشی تھا۔ وہ حبشی تھا اور حبشیوں کی طرح دُور سے حربہ پھینکتا تھا اور شاذ و نادر ہی خطا کرتا تھا۔ اس نے اسے کہا: تم بھی لوگوں کے ساتھ جنگ میں چلو۔ اگر تم نے میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دیا تو تم آزاد ہو۔ طعیمہ جنگِ بدر کے مقتولین میں سے تھا۔

چنانچہ قریش اور احابیش اور ان کے حلیف بنی کنانہ اور اہل تہامہ اپنے ہتھیاروں اور جنگی ساز و سامان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے انہوں نے اپنی عورتوں کو بھی ہودجوں میں سوار کر لیا تاکہ کوئی جنگ سے مُنہ پھیر کر بھاگ نہ جائے۔ ابو سفیان قریش کا سردار تھا وُہ اپنی بیوی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ کو بھی ساتھ لے گیا۔ صفوان بن امیہ بن خلف اپنی بیوی برزہ بنت مسعود بن عمرو بن عمر ثقفیہ کو ہمراہ لے گیا۔ برزہ عبد اللہ بن صفوان کی والدہ تھی۔ اور اسی طرح عمرو بن عاص نے اپنی اہلیہ ریطہ بنت منبہ بن حجاج کو ساتھ لے لیا۔ ریطہ عبد اللہ بن عمرو کی والدہ تھی۔ ہند بنت عتبہ جب بھی وحشی کے پاس سے گزرتی یا وحشی کا گزر اس کے پاس سے ہوتا تو وہ وحشی کو کہتی تھی: "اے ابو دسمہ! ہمارے دل کو ٹھنڈا کرو اور آزادی حاصل کر کے اپنے تئیں بھی راحت پہنچاؤ۔" وحشی کی کنیت ابو دسمہ تھی۔

قریش آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ وُہ شورہ زار یعنی کھاری زمین میں اترے جو وادیٔ قناۃ کے کنارے مدینہ سے ملحق تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق سنا کہ انہوں نے ڈیرہ ڈال دیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بتلایا: "میں نے خواب میں گائے دیکھی ہے اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میری تلوار کی نوک میں ایک

دندانہ پڑ گیا ہے۔ نیز میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں داخل کیا اور میں اس کی یہ تعبیر کرتا ہوں کہ اس سے مراد مدینہ ہے۔ اگر تمہاری یہ رائے ہو کہ تم مدینہ ہی میں قیام کرو اور ان کو وہیں رہنے دو جہاں انہوں نے ڈیرہ ڈالا ہے تو وہ وہاں ٹھہرے رہیں۔ ان کی قیام گاہ اچھی نہیں ہے۔ اگر وہ ہم پر چڑھائی کریں گے تو ہم مدینہ میں رہ کر ان کے ساتھ قتال کریں گے۔
قریش نے چہارشنبہ کے روز اُحد میں ڈیرہ ڈالا اور اس کے بعد پنجشنبہ اور جمعہ کو انہوں نے وہیں قیام کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد مدینہ سے نکلے اور اُحد کی گھاٹی میں پہنچ گئے۔ نصف شوال ۳ھ بروز ہفتہ مقابلہ ہوا۔

عبداللہ بن ابی بن سلول کی رائے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رائے کے موافق تھی کہ باہر نکل کر جنگ نہ کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر جا کر جنگ کرنے کو ناپسند کرتے تھے لیکن وہ نوجوان جن کو اللہ تعالیٰ نے جنگِ اُحد میں شہادت سے سرفراز فرمایا اور وہ صحابہؓ جو جنگ میں شریک نہ ہو سکے تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کریں تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم میں بزدلی یا کمزوری راہ پا گئی ہے۔

عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا "یا رسول اللہ! آپ مدینہ ہی میں قیام فرمائیں۔ اگر وہ اپنے پڑاؤ پر ٹھہرے رہے تو وہ جگہ ان کے لیے ایک بُرا قید خانہ بن جائے گی اور اگر وہ واپس چلے گئے تو خائب و خاسر واپس جائیں گے۔ اگر انہوں نے مدینہ میں داخل ہونے کی جرأت کی تو مرد ان کے مقابلہ میں لڑیں گے اور لڑکے بالے اور عورتیں ان پر پتھروں کی بارش کریں گے۔ جن صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی محبت تھی وہ باہر نکل کر لڑنے پر لگاتار اصرار کرتے رہے یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور اپنی زرہ پہنی۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور آپؐ نمازِ جمعہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ بنی نجار کے انصار میں سے ایک آدمی جس کا نام مالک بن عمرو تھا وہ اسی دن فوت ہو چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ پھر آپؐ نکل کھڑے ہوئے لوگوں نے ندامت محسوس کی اور کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کی خلافِ مرضی مجبور کیا اس لیے عرض کی "یا رسول اللہ ہم نے آپ کو خواہ مخواہ مجبور کیا، ہمارے لیے ایسا کرنا جائز نہ تھا آپؐ یہیں ٹھہریں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب وہ اپنی زرہ پہن لے تو پھر بغیر قتال کیے اسے اتار دے۔"

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کے ہمراہ نکلے۔ جب آپؐ مدینہ اور اُحد کے درمیان مقامِ شوط پر تھے تو عبداللہ بن ابی بن سلول ایک تہائی آدمیوں کو لے کر کھسک گیا اور اس نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو تسلیم کر لیا لیکن میری تجویز کو رد کر دیا۔ بخدا! اے لوگو! ہم نہیں جانتے کہ ہم کیوں اپنی جانوں کو یہاں ہلاکت میں ڈالیں!" پھر وہ اپنی قوم کے منافقین اور شک و شبہ میں مبتلا لوگوں کو لے کر لوٹ گیا۔ بنی سلمہ میں سے عبداللہ بن عمرو بن حرام نے ان کا تعاقب کیا اور انہیں کہا "اے میری قوم! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم یاد دلاتا ہوں کہ تمہیں اپنی قوم کو اپنے نبی کو دشمنوں سے مقابلہ کے وقت چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔" انہوں نے جواب دیا "اگر ہمیں علم ہوتا کہ تم قتال کرو گے تو ہم تمہاری اطاعت نہ کرتے۔ ہم تو یہ نہیں سمجھتے تھے کہ قتال کی نوبت آئے گی۔ جب انہوں نے عبداللہ کے

ساتھ سختی کی اور اس کی بات ماننے سے انکار کیا اور واپس چلے جانے پر اصرار کرتے رہے تو عبداللہ نے ان سے کہا: "اے دشمنانِ خدا! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دُور کرے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب ہمیں تم سے بے نیاز کر دے گا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے گئے یہاں تک کہ آپؐ بنی حارثہ کی پتھریلی زمین تک پہنچ گئے وہاں پر ایک گھوڑے نے زور کے ساتھ اپنی دُم کو حرکت دی وہ تلوار کے دستہ کو لگی اور تلوار نیام سے باہر نکل آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال لینا پسند کرتے تھے اور بدفالی کو ناپسند کرتے تھے۔ آپؐ نے تلوار والے کو فرمایا: "اپنی تلوار نیام میں کر لو، میرا خیال ہے کہ آج تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں گی۔"

(۴۰۵) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو فرمایا: "کون شخص ہمیں دشمن کی طرف ایسے قریب ترین راستہ سے لے چلے گا جو دشمن کے بالمقابل نہ ہو؟" ابوخیثمہ برادر بنی حارثہ بن حارث نے عرض کیا "یارسولؐ اللہ! میں یہ خدمت سرانجام دوں گا" وہ آنحضرتؐ کو بنی حارثہ کی پتھریلی زمین اور ان کے اموال کے درمیان لے کر چلا، یہاں تک کہ وہ ربعی بن قیظی کے باغ کے پاس سے گزرا وہ ایک نابینا منافق آدمی تھا۔ جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کی آمد محسوس کی تو اس نے اٹھ کر ان کے چہروں پر مٹی پھینکنا شروع کر دی اور اس کے ساتھ ہی وہ یہ کہتا جاتا تھا کہ اگر تم اللہ کے رسول ہو تو تمہارے لیے میرے باغ میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ راوی نے کہا: مجھ سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے مٹھی بھر مٹی اپنے ہاتھ میں لی اور پھر کہا: "بخدا! اگر مجھے علم ہوتا کہ یہ مٹی تمہارے سوا کسی دوسرے کو نہ لگے گی تو میں تمہارے چہرے پر یہ دے مارتا۔" صحابہؓ اس کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ لیکن آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا: "یہ اندھا ہے، دل کا اندھا بھی آنکھوں کا اندھا بھی۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روکنے سے قبل ہی سعد برادر بنی عبدالاشہل اس کی طرف جھپٹ چکا تھا۔ اس نے اس پر کمان دے ماری اور اسے زخمی کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے گئے اور آپؐ نے اُحد کی گھاٹی میں ڈیرہ ڈال دیا۔ یہ جگہ وادی میں پہاڑ کی جانب تھی۔ آنحضرتؐ نے اُحد پہاڑ اپنی اور لشکر کی پشت کی جانب رکھا اور فرمایا: "کوئی شخص اس وقت تک قتال نہ کرے جب تک کہ ہم اسے قتال کا حکم نہ دیں۔" قریش نے اپنے اونٹ اور گھوڑے وادی قناۃ کی زمینوں پر چرنے کے لیے چھوڑے ہوئے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال سے منع فرمایا تو ایک انصاری نے کہا: بنی قیلہ یعنی قبیلہ اوس کے کھیتوں کو چرایا جا رہا ہے اور ہم نے ابھی تک قتال نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت سات سو جانباز صحابہؓ تھے۔ آپؐ نے لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ قریش نے بھی تیاری شروع کر دی ان کی افرادی قوت تین ہزار تھی ان کے ساتھ دو سو اسپ سوار تھے ان کو انہوں نے دوُر رکھا۔ رسالہ کے میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو متعین کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر برادر بنی عمرو بن عوف کو تیر اندازوں کا امیر مقرر فرمایا۔ تیر اندازوں کی تعداد پچاس تھی۔ عبداللہ بن جبیر سفید لباس پہنے ہوئے تھے اور نمایاں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ تیروں کے ذریعہ سے دشمن کے رسالہ کو روکے رکھنا تاکہ وہ ہمارے پیچھے سے نہ آسکیں۔ جنگ کا نتیجہ کچھ بھی ہو ـــــ ہمارے

مخالف ہو یا موافق ——— تم کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا۔ تمہاری طرف سے ہم پر حملہ نہیں ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہیں اوپر نیچے پہنیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار کے بارے میں فرمایا کہ کون یہ تلوار لے کر اس کا حق ادا کرے گا؟ کئی آدمی تلوار حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھے لیکن آپ نے انہیں وہ تلوار نہ دی اس دوران میں ابو دجانہؓ سماک بن خرشہ برادر بنی ساعدہ نے کھڑے ہو کر پوچھا "یا رسولؐ اللہ! اس کا حق کیا ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: اس کا حق یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ دشمنوں کو اس قدر مارو کہ یہ دوہری ہو جائے" ابو دجانہؓ نے کہا "یا رسولؐ اللہ! میں یہ تلوار لوں گا اور اس کا حق ادا کروں گا" آنحضرتؐ نے تلوار ابو دجانہؓ کو دے دی۔ ابو دجانہؓ بڑے بہادر اور مرد میدان تھے اور لڑائی کے دوران میں اکڑ کر چلتے تھے۔ وہ اپنے سر پر سرخ پگڑی باندھ لیتے تھے جو نمایاں ہوتی تھی اور لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ اب وہ جنگ کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ جب انہوں نے رسول اللہ علیہ السلام کے دست مبارک سے تلوار حاصل کی تو انہوں نے اپنی پگڑی نکالی اور اسے سر پر باندھ لیا اور فریقین کی صفوں کے درمیان اکڑ کر چلنا شروع کر دیا۔

(۵۰۵) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے جعفر بن عبداللہ بن اسلم مولیٰ عمر بن خطاب نے بنی سلمہ کے انصاری مرد کی یہ روایت بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو دجانہؓ کو ناز و ادا کے ساتھ اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: یہ چال ڈھال اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے لیکن ایسے موقع پر یہ مبغوض و ناپسند نہیں ہے۔

(۵۰۶) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے ابن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے یہ روایت بیان کی کہ بنی ضبیعہ کے ابو عامر صیفی بن مالک بن نعمان بن امیہ نے جب مکہ سے رسول اللہ علیہ السلام کی جانب کوچ کیا تو اس کے ساتھ قبیلہ اوس کے پچاس غلام بشمول عثمان بن حنیف اور ایک روایت کے مطابق پندرہ غلام تھے۔ ابو عامر نے قریش سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس کا اپنی قوم سے آمنا سامنا ہوا تو ان میں سے دو آدمی بھی پیچھے نہیں رہیں گے سب سے پہلے جو شخص میدانِ جنگ میں اترا وہ ابو عامر ہی تھا جس کے ہمراہ احابیش اور مکہ کے غلام تھے۔ جب لوگوں سے اس کا آمنا سامنا ہوا تو اس نے آواز دی: "اے گروہِ اوس! میں ابو عامر ہوں" لوگوں نے جواب دیا "او فاسق! اللہ تعالیٰ تجھے بینائی سے محروم کر دے" دورِ جاہلیت میں ابو عامر کو "راہب" کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "فاسق" کا نام دیا۔ جب اس نے قوم کی طرف سے الٹا جواب سنا تو کہا "میرے پیچھے میری قوم شرارت کا شکار ہو چکی ہے" پھر اس نے زور شور کے ساتھ قتال کیا اور لوگوں پر پتھر برسائے۔ جب دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو ہند بنت عتبہ اپنی ساتھی خواتین کو لے کر اٹھی انہوں نے مردوں کی صفوں کے پیچھے دفیں بجا کر ان کو جنگ پر ابھارا اور یہ اشعار پڑھے:

نحن بنات طارق	ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں
ان تقبلوا نعانق	اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تم سے معانقہ کریں گی

و نفرش النمارق	اور تمہارے لیے قالین بچھائیں گی
وان تدبروا نفارق	اور اگر تم پسپائی اختیار کرو گے تو ہم تم سے جُدائی اختیار کریں گی
فراق غیر وامق	اور یہ جدائی معاندانہ نہ ہوگی۔

لوگوں نے قتال کیا اور گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمانوں میں سے حضرت ابُو دجانہؓ سماک بن خرشہ اور حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ صفوں کے اندر دُور تک گھس گئے اور انہوں نے دشمن کی صفیں صاف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی امداد نازل فرمائی اور مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے وعدہ کو پُورا کر دیا۔ مسلمانوں نے انہیں تلواروں سے موت کے گھاٹ اتارا اور شکست سے دوچار کیا یہاں تک کہ ان کی شکست میں کوئی شک و شبہ نہ رہا۔

(۵۰۷) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا؛ مجھ سے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے باپ سے اور اس نے عبداللہ بن زبیر سے حضرت زبیرؓ کی یہ روایت بیان کی کہ میں نے ہند بنت عتبہ کے غلاموں اور اس کی ساتھی عورتوں کو تیزی سے بھاگتے ہوئے دیکھا ماسوائے ان عورتوں کے جن کو گرفتار کیا گیا تھا جو تعداد میں قلیل تھیں۔

جب ہم نے قریش کو شکست دے دی تو تیر اندازوں نے بھی لشکر کا رُخ کیا اور غنیمت جمع کرنے میں شامل ہو گئے اور اس طرح رسالہ کے مقابلہ میں انہوں نے ہماری پشت پناہی چھوڑ دی اور ہم پر پچھلی جانب سے حملہ کر دیا گیا۔ اس دوران میں ایک پکارنے والے نے کہا: "آگاہ رہو، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا گیا ہے۔" اس پر ہم لوٹ آئے اور دشمن بھی واپس آ گئے حالانکہ قبل ازیں ہم نے ان کے علمبرداروں کو تہِ تیغ کر دیا تھا اور ان کا کوئی آدمی جھنڈے کے قریب پھٹکنے کی جسارت نہ کرتا تھا۔ مسلمان منتشر ہو چکے تھے۔ دشمن ان کو مصیبت میں مبتلا کر رہا تھا۔ یہ بڑی ابتلاؤ آزمائش کا دن تھا۔ جن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے چاہا انہیں شہادت سے سرفراز فرمایا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو جو سختی اور مصیبت برداشت کرنا پڑی اس سے مسلمان تین حصّوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک تہائی افراد شہید ہو گئے۔ ایک تہائی زخمی ہو گئے اور ایک تہائی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا' اور کچھ سمجھ نہ آتی تھی کہ وہ کیا کریں۔ یہاں تک کہ دشمن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہلّہ بول دیا اور پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ آنحضرتؐ ایک پہلو کے بل گر پڑے۔ آپؐ کا وہ دانت ٹوٹ گیا جو سامنے کے دو دانتوں اور کچلی کے درمیان میں ہوتا ہے (اس دانت کا ایک ٹکڑا اس میں سے ٹوٹ کر گر پڑا سارا دانت جڑ سے نہیں ٹوٹا) آپؐ کے رخسار مبارک پر بھی زخم آیا اور آپؐ کے دونوں لب مبارک زخمی ہو گئے۔

آنحضرتؐ کو عتبہ بن ابی وقاص نے زخمی کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قریش کا ہجوم ہوا تو حصین بن عبدالرحمان بن سعد بن معاذ کے حوالے سے محمد بن عمرو بن یزید بن سکن کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ "کون ہم پر اپنی جان قربان کرتا ہے؟" اس پر حضرت زیاد بن سکن پانچ انصاری صحابہ کو لے کر اُٹھے۔ بعض لوگوں نے روایت کیا کہ وہ عمارہ بن زیاد بن سکن تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں قتال کیا اور ایک ایک

فدا کار نے لڑ کر جان قربان کر دی۔ آخر میں زیادؓ بن سکن یا عمارہؓ بن زیاد تھے، وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ زخموں سے نڈھال ہو گئے۔ اتنے میں مسلمانوں کی ایک جماعت لوٹ آئی اور اس نے کفار کو دُور دھکیل دیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "زخمی زیادؓ کو میرے قریب لاؤ۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قدم مبارک زیادؓ کے لیے تکیہ بنا دیا اور زیادؓ نے اس حالت میں جان دی کہ ان کا رخسار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر تھا۔

حضرت ابو دجانہؓ نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنا دیا تھا، وہ آنحضرتؐ پر جھکے ہوئے تھے اور جو تیر آتے تھے وہ ان کی پُشت پر لگتے تھے اس طرح بہت زیادہ تیر انھوں نے اپنی پیٹھ پر روکے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں تیر چلائے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تیر دیتے جاتے تھے اور فرماتے تھے: "میرے ماں باپ تم پر قربان، تیر مارتے جاؤ۔" یہاں تک کہ آپؐ نے مجھے ایک ایسا تیر دیا جس کا پھل نہ تھا، لیکن آپؐ نے فرمایا: "اس کو بھی چلاؤ۔"

(۵۰۸) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔

محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمان سے تیر چلاتے رہے یہاں تک کہ کمان کا ایک حصہ شکستہ ہو گیا۔ یہ کمان قتادہؓ بن نعمان نے لے لی اور ان ہی کے پاس تھی کہ ان کی آنکھ اس دن مضروب ہو گئی اور وہ رخسار کے بل گر پڑے۔

محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زخمی آنکھ پر اپنا دستِ مبارک پھیرا تو وہ دوسری آنکھ سے بھی بہتر ہو گئی اور اس کی بینائی زیادہ ہو گئی۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں قتال کیا، ان کے پاس عَلم تھا اور وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ انھیں ابن قمئہ لیثی نے شہید کیا اس کا گمان تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ وہ قریش کے پاس لوٹ کر آیا اور بلند بانگ دعویٰ کیا کہ اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے۔ جب حضرت مصعب بن عمیرؓ شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت علیؓ کے سپرد کیا۔ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب نے بھی قتال کا حق ادا کیا یہاں تک کہ انھوں نے قریش کے علمبرداروں میں سے ارطاۃ بن شرحبیل بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر حضرت حمزہؓ کے پاس سے سباع بن عبدالعزیٰ غبشانی کا گزر ہوا۔ اس کی کنیت ابو نیار تھی۔ حضرت حمزہؓ نے اسے فرمایا: "او ختنہ کرنے والی کے بیٹے! میری طرف آ۔" حضرت حمزہؓ نے اسے تیز ضرب لگائی شاید وہ خطا ہو گئی۔ ام نیار شریق بن عمرو بن وہب ثقفی کی آزاد کردہ لونڈی تھی اور مکہ میں عورتوں کا ختنہ کیا کرتی تھی۔ جب حضرت حمزہؓ اور سباع کا آمنا سامنا ہوا تو حضرت حمزہؓ نے اس پر وار کر کے اسے قتل کر دیا۔

جبیر بن مطعم کے غلام وحشی نے کہا: بخدا! میں نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ اپنی تلوار سے لوگوں کو قتل کرتے چلے جاتے ہیں اور بھورے اونٹ کی طرح ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی۔ اتنے میں دیکھا کہ سباع بن عبدالعزیٰ مجھ سے

آگے حضرت حمزہؓ کی طرف بڑھا۔ حضرت حمزہؓ نے اسے کہا: "او ختنہ کرنے والی کے بیٹے! میری طرف آ"۔ حضرت حمزہؓ نے اس پر ایک وار کیا اور ایسا معلوم ہوا کہ اس کے سر سے چوک گیا۔ اس دوران میں میں نے اپنے حربہ کو حرکت دی اور جب میں اس کی حرکت سے مطمئن ہو گیا تو میں نے اسے حضرت حمزہؓ پر دے مارا، وہ ان کی ناف کے نیچے پڑو پر جا لگا اور ان کے دونوں پاؤں کے درمیان سے نکل گیا۔ وہ میری جانب بڑھے لیکن ان پر بیہوشی آ گئی میں نے انہیں اسی حالت میں چھوڑ دیا یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔ اس کے بعد میں ان کے پاس آیا اور اپنا حربہ لے لیا۔ پھر میں لشکر کی طرف چلا گیا کیونکہ مجھے اب کسی دوسرے پر حملہ آور ہونے کی حاجت نہ تھی۔

حضرت عاصمؓ بن ثابت (برادر بنو عمرو بن عوف) نے مسافع بن طلحہ اور اس کے بھائی کلاب کے ساتھ قتال کیا اور ان دونوں پر یکے بعد دیگرے تیر چلائے جو ان کے جسم میں پیوست ہو گئے اور ان کے زخموں سے خون کے فوارے پھوٹ نکلے۔ ان کی ماں سلافہ ان کے پاس آئی اور ان کے سروں کو اپنی گود میں رکھ لیا اور پوچھا: "میرے پیارے بیٹو! تمہیں کس نے زخمی کیا ہے؟" دونوں نے باری باری یہ جواب دیا: "ایک شخص ہم پر تیر چلاتا تھا اور کہتا تھا: "یہ لے، میں ابن الاقلح ہوں"۔ اس کی ماں نے کہا: "کیا وہ اقلحی ہے؟" ماں نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے اسے عاصم کو قتل کرنے کی توفیق دی تو وہ عاصم کے کاسۂ سر میں شراب پیئے گی۔ عاصمؓ نے بھی اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ کسی مشرک کو نہ چھوئے گا اور نہ کوئی مشرک اس کو چھو سکے گا۔

(۵۰۹) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے قاسم بن عبدالرحمان بن رافع (برادر بنی عدی بن نجار) نے یہ روایت بیان کی کہ حضرت انسؓ بن مالک کا نام ان کے چچا انسؓ بن نضر کے نام پر انسؓ رکھا گیا۔ حضرت انسؓ بن نضر لڑتے لڑتے دور تک چلے گئے۔ وہاں انہیں مہاجرینؓ و انصار کے درمیان حضرت عمرؓ بن خطاب اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ سے ملے جنہوں نے ہتھیار پھینک دئے تھے۔ حضرت ابن نضر نے پوچھا: "یہاں کیوں بیٹھے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ ابن نضر نے کہا: آپؐ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ اٹھو، جس مشن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہے ہم بھی اسی مقصد پہ اپنی زندگی نچھاور کر دیں"۔ پھر ابن نضر قریش کے مقابلہ پر نکل کھڑے ہوئے اور قتال کرتے کرتے شہید ہو گئے۔

(۵۱۰) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا، مجھ سے حمید طویل نے انس بن مالک کی یہ روایت بیان کی کہ ہم نے اس جنگ میں حضرت انسؓ بن نضر کے جسم پر ستر زخم دیکھے۔ کوئی شخص ان کو پہچان نہ سکا۔ ان کی بہن نے ان کے انگلی کے نشان سے انہیں پہچانا۔

(۵۱۱) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، مجھ سے ابن شہاب زہری نے عبداللہ بن کعب برادر بنی سلمہ کی یہ روایت بیان کی کہ جب مسلمانوں کی ابتدائی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی اور یہ خبر اڑ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو اس کے بعد سب سے

پہلے جس صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا وہ حضرت کعبؓ بن مالک تھے۔ حضرت کعبؓ نے کہا: "میں نے آپؐ کی آنکھوں کو پہچانا جو مغفر کے نیچے روشن تھیں۔ میں نے بلند ترین آواز سے پکارا: "اے گروہِ مسلمانان! تمہیں خوشخبری ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے فرمایا: "خاموش رہو۔" جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تو وہ آنحضرتؐ کے ساتھ ہو لئے اور باہم مل کر ایک گھاٹی کی طرف گئے۔ اس وقت آپؐ کے ہمراہ ابوبکرؓ بن قحافہ، عمرؓ بن خطاب، علیؓ بن ابی طالب، طلحہؓ بن عبیداللہ، زبیرؓ بن عوام اور دیگر مسلمانوں کا ایک گروہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات صحابہ سے راضی ہو۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھاٹی کا سہارا لیا تو اُبی ابن خلف وہاں پہنچ گیا اور اس نے کہا: "اے محمد! تم کہاں ہو؟ اگر تم بچ نکلے تو میں زندہ نہیں رہوں گا۔" صحابہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی شخص اس کے مقابلے میں آجائے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو۔" جب وہ قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن صمہ سے حربہ لے لیا۔

راوی نے کہا: مجھ سے بیان کیا گیا کہ بعض صحابہؓ کے بقول جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حربہ لے لیا اور اسے اس طرح ہلایا کہ وہ اڑ کر بھاگ نکلا جیسا کہ سرخ و سیاہ کاٹنے والی مکھی اونٹ کی پیٹھ سے اس وقت بھاگتی ہے جب وہ اپنی حرکت سے اسے اڑاتا ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے اس کا رُخ کیا اور اسے ایسی ضرب رسید کی کہ وہ اپنے گھوڑے پر کئی دفعہ لڑکھڑایا۔

(۵۱۲) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف نے بیان کیا کہ اُبی بن خلف مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتا تو کہتا تھا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس یہ سدھایا ہوا آزمودہ کار گھوڑا ہے میں اسے تین صاع دانہ روز کھلاتا ہوں، اس پر سوار ہو کر میں تمہیں قتل کروں گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں فرماتے تھے: "ان شاء اللہ میں ہی تجھے قتل کروں گا۔"

جب ابی بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرب سے مجروح ہو کر قریش کے پاس واپس گیا تو اگرچہ اس کی گردن پر کوئی بڑا زخم نہ تھا بلکہ خون رُک کر جمع ہو گیا تھا تاہم اس نے کہا: "بخدا! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قتل کر دیا ہے۔" لوگوں نے کہا: "واللہ! تم بزدلی کا مظاہرہ کر رہے ہو حالانکہ تم میں طاقت موجود ہے۔" ابی نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے مکہ میں کہا تھا کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ بخدا! اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔" جب وہ قریش کے قافلہ کے ہمراہ مکہ آ رہا تھا تو مقامِ سرف میں مرگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابی کو قتل کرنے اور آپؐ نے جو کچھ اُبی کو فرمایا تھا اس کے متعلق حسانؓ بن ثابت نے کہا:

لقد ورث الضلالة عن ابیه	اُبی کو اپنے باپ خلف سے ورثہ میں گمراہی ملی تھی اور وہ اُس وقت
ابی حین بارزه الرسول	بھی اس گمراہی پر قائم تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے آئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی کے دہانہ پر پہنچ گئے تو حضرت علیؓ بن ابی طالب اپنی ڈھال لے کر نکلے اور ایک کنوئیں کے حوض پر گئے۔ وہاں سے ڈھال میں پانی بھر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آنحضرتؐ نے اس پانی میں بدبو محسوس کی اور وہ نہ پیا بلکہ اس سے اپنے چہرہ کے خون کو دھویا۔ پانی آپؐ کے سر پر بھی ڈالا گیا۔ اس وقت آپؐ فرماتے جاتے تھے: "وہ شخص اللہ کے شدید غضب کا مستحق ہو گیا جس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چہرہ خون آلود کیا۔"

(۵۱۳) عبداللہ بن حسن نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے صالح بن کیسان نے کسی راوی کی وساطت سے سعد بن ابی وقاص کی یہ روایت بیان کی۔ حضرت سعدؓ فرمایا کرتے تھے کہ میرے جی میں کسی شخص کو قتل کرنے کی ایسی خواہش کبھی پیدا نہ ہوئی جیسی کہ اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کو قتل کرنے کے لیے پیدا ہوتی۔ اگرچہ مجھے معلوم تھا کہ ایسا کرنے پر قوم مجھے بداخلاق قرار دے گی اور میں قوم کا مبغوض ہو جاؤں گا لیکن میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کافی تھا: "وہ شخص اللہ تعالیٰ کے شدید غضب کا مستحق قرار پایا جس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چہرہ خون آلود کیا۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی میں تھے اور آپؐ کے پاس مذکورہ بالا صحابہ کرامؓ تھے۔ اسی دوران میں قریش کی ایک جماعت بھی پہاڑ پر چڑھ آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انہیں ہم سے بالاتر نہیں ہونا چاہیے۔" حضرت عمرؓ بن خطاب اور ان کے ساتھ مہاجرین کے گروہ نے ان سے قتال کیا یہاں تک کہ انہیں نیچے اتار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی ایک چٹان پر چڑھنے کے لیے اٹھے۔ لیکن آنحضرتؐ سن رسیدہ تھے اور آپؐ نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں اس لیے آپؐ چٹان پر نہ چڑھ سکے۔ حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ نیچے بیٹھ گئے اور ان کے سہارے آنحضرتؐ چٹان پر چڑھے اور وہاں پر ٹک گئے۔

(۵۱۴) عبداللہ بن حسن نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی یہ روایت بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جب طلحہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ خدمت انجام دی تو انہوں نے اپنے لیے جنت کو لازم کر لیا۔" حالانکہ اس وقت بعض صحابہ کرامؓ منتشر ہو چکے تھے اور مقام "منقا" تک پہنچ گئے تھے جو "اعوص" کے قریب ہے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان اور بنی زریق کے دو انصاری جوان عقبہ بن عثمان اور سعد بن عثمان بھاگ کر نواح مدینہ میں جلعب پہاڑ تک پہنچ گئے اور تین دن تک وہاں ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "تم اس میں جو کشادہ تھی چل دئے۔"

(۵۱۵) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے محمود بن لبید کی وساطت سے حنظلہ بن ابی عامر برادر بنی عمرو

بن عوف کی یہ روایت بیان کی کہ ان کا اور ابوسفیان بن حرب کا جنگ میں آمنا سامنا ہو گیا۔ حضرت حنظلہؓ کو ابوسفیان پر برتری حاصل تھی۔ شداد بن اسود جسے ابن شعوب کہا جاتا تھا اس نے دیکھا کہ حضرت حنظلہؓ نے ابوسفیان کو مغلوب کر لیا ہے تو اس نے بڑھ کر حضرت حنظلہؓ پر وار کیا اور انہیں شہید کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے ساتھی — حنظلہؓ — کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ ان کے گھر والوں سے پوچھو کہ حنظلہؓ کس حالت میں تھے؟" ان کی اہلیہ سے پوچھا گیا تو اس نے کہا: "جب انہوں نے جنگ کی ہل چل سُنی تو وہ فوراً نکل کر مجاہدین میں شامل ہو گئے وہ اس وقت جنابت کی حالت میں تھے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی لیے فرشتوں نے حنظلہ کو غسل دیا۔

(۵۱۶) عبداللہ بن حسن حرانی نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا، مجھ سے صالح بن کیسان نے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے جو حضرات شہید ہوئے ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھی عورتیں ان شہداء کا مثلہ کر رہی تھیں یعنی ان کے کان اور ناک کاٹ رہی تھیں یہاں تک کہ ہند نے اپنے پازیب، گلے کے ہار اور کانوں کے آویزے اتار کر جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کو دے دیے اور خود شہداء کے ناک اور کان کاٹ کر ان کے پازیب اور ہار بنا لیے۔ اس نے حضرت حمزہؓ کا جگر چیرا اور اسے منہ سے چبایا لیکن نگل نہ سکی۔ جب کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ پر غالب آ گئے تو ہند بنت عتبہ نے ایک اونچی چٹان پر چڑھ کر بلند ترین آواز کے ساتھ چیختے ہوئے شعر پڑھے جن کا ایک مصرع یہ ہے:

نحن جزیناکم بیوم بدر — آج ہم نے جنگِ بدر کا بدلہ چکا دیا ہے۔

اس کے جواب میں ہند بنت اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبد مناف نے اشعار کہے جن کا ایک مصرع یہ ہے:

خزیت فی بدر و بعد بدر — تو جنگِ بدر میں بھی ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئی اور جنگِ بدر کے بعد بھی۔

پھر جب ابوسفیان نے کوچ کا ارادہ کیا تو وہ پہاڑ پر چڑھ گیا اور بلند ترین آواز سے چیخ چیخ کر کہنے لگا:

اَنْعَمَتْ فَعَالِ، اِنَّ الْحَرْبَ سِجَالٌ — ہبل نے اچھا کیا نَعَمْ کہا اور اپنا قول پورا کیا (یعنی ہمیں فتح دلائی) اب اس کا ذکر نہ کرو بیشک لڑائی ڈولوں کی طرح ہوتی ہے (یعنی کبھی ہم غالب ہوتے ہیں اور کبھی وہ)

یَوْمٌ بِیَوْمِ بَدْرٍ، اُعْلُ هُبَل۔ — آج کی جنگ یعنی اُحد جنگِ بدر کا بدلہ ہے ہبل! اب تو اونچا ہو جا (یعنی ہبل کی جے ہو)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو فرمایا: "اٹھو اور اس کا جواب ان الفاظ میں دو:

اَللّٰهُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ لَا سَوَاءَ۔ — اللہ بہت بلند اور بڑے مرتبے والا ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں یا ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی برابری نہیں،

قَتْلَانَا فِی الْجَنَّةِ وَ قَتْلَاکُمْ فِی النَّارِ۔ — ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول دوزخ میں جائیں گے۔

جب حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کو جواب دیا تو ابوسفیان نے کہا: "اے عمرؓ! میرے پاس آؤ۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کے پاس چلے جاؤ اور دیکھو کہ وہ کس حال میں ہے۔" ابوسفیان نے حضرت عمرؓ سے کہا: "اے عمرؓ! میں تمہیں اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "بخدا! نہیں، وہ تو اب بھی تمہاری باتیں سن رہے ہیں۔" ابوسفیان نے کہا: "میں تمہیں ابن قمئہ سے زیادہ سچا سمجھتا ہوں جس نے کہا تھا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے۔" پھر ابوسفیان نے بآوازِ بلند کہا: "تمہارے مقتولین میں سے بعض کا مثلہ کیا گیا ہے۔ بخدا! میں اس پر نہ راضی تھا اور نہ ناراض ہوں۔ نہ میں نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ میں نے اس سے منع کیا۔" جب ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے کوچ کیا تو اس نے زور سے کہا: "آئندہ سال بدر میں ہماری تمہاری دوبارہ جنگ ہوگی۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ میں سے ایک آدمی کو فرمایا کہ ابوسفیان سے کہو: "ہاں، ہم تمہارے اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا اور فرمایا: "ان کے تعاقب میں جاؤ اور دیکھو کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں اور ان کا ارادہ کیا ہے؟ اگر وہ گھوڑوں کو دور لے جا رہے ہیں اور اونٹوں پر سوار ہیں تو پھر وہ مکہ واپس جا رہے ہیں اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہیں اور اونٹوں کو ہانک رہے ہیں تو پھر وہ مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر انہوں نے مدینہ پر یلغار کی تو میں خود ان کے مقابلہ کے لیے پیش کروں گا اور ہم ان کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیں گے۔ جب وہ گھوڑوں کو دور لے گئے اور انہوں نے اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کا رخ کیا تو میں نے نعرہ بلند کیا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو مخفی نہ رکھ سکا کیونکہ جب میں نے انہیں مدینہ سے کوچ کرتے ہوئے دیکھا تو مجھے انتہائی فرحت حاصل ہوئی۔

(۵۱۷) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمان بن صعصعہ مازنی برادر بنی نجار نے یہ روایت بیان کی کہ اب مسلمانوں کو فراغت حاصل ہوئی کہ وہ اپنے مقتولین کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کون آدمی ایسا ہے جو دیکھ کر مجھے بتائے کہ سعد بن ربیع برادر بنی حارث بن خزرج کا کیا حال ہے؟ آیا وہ زندہ ہے یا شہید ہو چکا ہے؟" ایک انصاری نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! میں دیکھ کر آتا ہوں کہ وہ کس حال میں ہیں۔" چنانچہ اس نے جا کر دیکھا کہ حضرت سعدؓ زخمی حالت میں مقتولین کے درمیان پڑے ہیں اور ابھی کچھ جان باقی ہے۔" اس انصاری جوان نے حضرت سعدؓ کو کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ میں دیکھ کر آنحضرتؐ کو بتاؤں کہ تم زندہ ہو یا مرنے والوں میں شامل ہو چکے ہو!" حضرت سعدؓ نے فرمایا: "بس اب مجھے مرنے والوں ہی میں سمجھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کرنے کے بعد گزارش کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپؐ کو وہ بہترین جزا عطا فرمائے جو اللہ تعالیٰ نے کسی بھی نبی کو ان کی امت کی طرف سے عطا کی۔ اپنی قوم کو بھی میری طرف سے سلام

پہنچانا اور کہہ دینا کہ سعد بن ربیع تم لوگوں سے کہتا ہے کہ جب تک تم میں سے ایک آدمی بھی موجود رہے جس کی آنکھ میں جھپکنے کی سکت ہو اس وقت تک اگر دشمن تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچ گئے تو تم اللہ کے حضور میں کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے۔" اس انصاری کا بیان ہے کہ" میں ابھی وہیں تھا کہ حضرت سعدؓ وفات پا گئے، اللہ کی رحمت ہو ان پر۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کو حضرت سعدؓ کے متعلق اطلاع بہم پہنچائی۔" راوی کا بیان ہے: مجھے یہ خبر پہنچی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی تلاش میں نکلے اور ان کی لاش کو بطنِ وادی میں اس حالت میں پایا کہ ان کا پیٹ جگر تک چیرا ہوا تھا اور ان کا مثلہ کیا ہوا تھا۔ ان کے ناک کان کاٹے ہوئے تھے۔

(۵۱۸) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے محمد بن جعفر بن زبیر نے یہ روایت بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا: " اگر مجھے یہ خیال دامن گیر نہ ہوتا کہ ایسا کرنے سے صفیہؓ کو صدمہ پہنچے گا اور میرے بعد یہ سنّت بن جائے گی، تو میں حضرت حمزہؓ کو دفن نہ کرتا اور ان کی لاش کے ٹکڑوں کو یونہی چھوڑ دیتا کہ انہیں درندے کھا جائیں یا حواصل پرندے اُچک کر لے جائیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے کسی موقع پر مجھے قریش کے مقابلہ میں غلبہ عطا فرمایا تو میں ان میں کے تیس آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمِ محترم کی لاش کے ساتھ کفّار نے جو سلوک کیا تھا اس پر آنحضرتؐ کے رنج و اندوہ اور غیظ و غضب کو دیکھ کر مسلمانوں نے کہا اگر ہمیں اللہ تعالیٰ نے کفار پر غلبہ عطا فرمایا تو ہم ان کا مثلہ اس طرح کریں گے جس طرح عرب میں کبھی کسی کا مثلہ نہ کیا گیا ہو۔

(۵۱۹) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے بریدہ بن سفیان بن فروہ اسلمی نے محمد بن کعب قرظی اور دیگر قابلِ اعتماد راوی کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ کے مذکورہ بالا اقوال کے بارے میں درجِ ذیل آیات نازل فرمائیں:

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ط ولئن صبرتم لھو خیر للصّٰبرین ۵ . . . . الیٰ آخر القضیہ۔

(النحل - ۱۲۶ - ۱۲۸)

اور اگر تم بدلہ لو تو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے۔ اے نبیؐ! صبر سے کام کیے جاؤ۔ اور تمہارا یہ صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ ان لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ ان کی چالبازیوں پر دل تنگ ہو۔ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درگزر کیا اور صبر اختیار کیا اور مثلہ کرنے سے منع فرما دیا۔

(۵۲۰) عبداللہ بن حسن نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے حمید طویل نے حسن کی وساطت سے سمرہ بن جندب کی یہ روایت بیان کی کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرماتے تھے تو اجتماع برخاست کرنے سے قبل ہمیں صدقے کا حکم دیتے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے۔

تمت بالخیر والحمد للہ رب العٰلمین وصلواتہ علیٰ سیدنا محمد وآلہٖ وسلم تسلیماً کثیراً وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

نوٹ: یہ قطعۂ ثانیہ اس مخطوطہ سے لیا گیا ہے جسے طاہر بن برکات خشوعی نے ماہِ رمضان ۵۴۵ھ میں قلمبند کیا۔ واللہ المعین علیٰ کل حال اِن شاء اللہ۔

محاکمہ

سیرت ابنِ اسحٰق

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

اہلِ علم حضرات کی خدمت میں ہم یہ نادر تحفہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ یہ تحفہ کیا ہے؟ سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مولفہ محمد بن اسحاق مطلبی کا ایک حصّہ ہے۔ مولف موصوف نے راجح ترین قول کے مطابق ۱۵۱ھ میں وفات پائی اور سیرت کے موضوع پر یہ قدیم ترین تالیف ہے۔ محمد بن اسحاق کی کتاب "المبعث والمغازی" کو چار دانگِ عالم میں اور ہر دور میں شہرۂ آفاق حیثیت حاصل رہی ہے لیکن علمی دنیا کے ہر دور میں اسلوبِ تحریر بدلتے رہتے ہیں اور نقشِ ثانی نقشِ اوّل کی بہ نسبت اپنے دور کے اسلوب سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے جب ابن ہشام نے اس کتاب کی نوک پلک سنواری اور اس کا نام سیرتِ رسول اللہ رکھا تو اس کی کتاب شائستہ تر اور فائق تر قرار پائی اور لوگوں نے اسی دوسری تالیف کو درخورِ اعتنا سمجھا اور ابنِ اسحاق کی کتاب کی حیثیت ثانوی ہوگئی۔ چنانچہ اس کی نقول کی تیاری کا اہتمام نہ کیا گیا۔ آہستہ آہستہ یہ کتاب ناپید ہوتی گئی یہاں تک کہ اس کا ایک بھی مکمل نسخہ دنیا میں موجود نہ رہا۔ بہرحال تلاشِ بسیار کے بعد ابنِ اسحاق کی اصل کتاب کے کچھ اجزا دستیاب ہوئے ہیں اور بقول مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ جُلُّهُ یہ اجزا ہدیۂ ناظرین ہیں۔ نیز ابنِ ہشام کی تالیف کے باوجود دو اہم ترین درجِ ذیل وجوہ کی بنا پر ابنِ اسحاق کی اصل کتاب سے غفلت برتنا اہلِ علم کے شایانِ شان نہیں ہے:

اوّل یہ کہ ابنِ ہشام نے اپنی وسعتِ علم اور دقّتِ نظر کے باوجود ابنِ اسحاق کی کتاب کے کچھ مضامین کو حذف کر دیا حالانکہ حذف کردہ مضامین کی اہمیت ان مضامین سے کچھ کم نہ تھی جن کو ابنِ ہشام نے اخذ کیا اور برقرار رکھا۔ مثال کے طور پر کتاب ہذا کا پیرا نمبر ۱۹۲ ملاحظہ فرمایا جائے جس میں درج ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوتا تھا تو آنحضرتؐ پہلے اسے مردوں کے سامنے تلاوت فرماتے تھے اور بعد ازاں عورتوں کے سامنے۔

دوم یہ کہ اصل کتاب میں کثیر التعداد ایسے اشعار تھے جنہیں ابنِ ہشام نے اس بنا پر حذف کر دیا ہے کہ جن لوگوں کی طرف انتساب کیا گیا ہے ان کی طرف یہ اشعار صحت کے ساتھ منسوب نہیں کیے جا سکتے۔ ہم ابنِ ہشام کی عالمانہ نقد و نظر کے مخالف نہیں ہیں لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر یہ اشعار عہدِ نبوت سے متعلق نہیں ہیں تو اس امر میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ اشعار ابنِ اسحاق کے زمانہ یا اموی دور کے اواخر یا عباسی دور کے اوائل کے بعد کے نہیں ہیں اور جو طالب علم اس زمانہ کی ادبیات کا شائق ہو وہ ابنِ ہشام کے ان اشعار کو حذف کر دینے پر ضرور افسوس کرے گا۔ جو اجزا اب شائع

کئے جا رہے ہیں ان سے کسی حد تک تلافیِ مافات ہو جاتی ہے اور جو شخص لغوی یا ادبی یا تاریخی یا اجتماعی زاویہ ہائے نظر سے عربی اشعار کا دلدادہ ہو اور ان سے شغف رکھتا ہو اس کے ذوق کی تسکین کا سامان ان اجزا میں موجود ہے۔

جو شخص ابنِ اسحاق کی کتاب کے علمی پایہ کو پرکھنے کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ ذیلی مقدمات کو پیشِ نظر رکھے :

یہ تاریخ کی کتاب ہے۔ ظاہر ہے کہ تاریخ دوسروں کے حالات و واقعات کے علم سے عبارت ہے۔ اگر انسان کو تاریخ سے شغف ہے تو یہ اس کی جبلت کا تقاضا ہے۔ چنانچہ لڑکے بالے اور بڑے بوڑھے سب تاریخ کے مشتاق ہوتے ہیں۔ کسی قصہ یا واقعہ کی اہمیت جس قدر زیادہ ہوگی اور اس کے کردار عوامی سطح سے جس قدر بلند و برتر ہوں گے اس عظیم واقعہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے لوگوں کے اشتیاق میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا جائے گا۔ محیر العقول واقعات اور وہ حالات جو ہمارے لیے نمونہ اور اسوہ ہوں ہم انہیں پسند کرتے ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی مشکل مسئلہ یا واقعہ ہم سے بیان کیا جاتا ہے اور اسے سمجھنے کے لیے ہمیں اس مشکل کو حل کرنے کے ذرائع کی احتیاج لاحق ہوتی ہے اس معاملہ میں مسلمان اور ان کے دیگر ہم جنس انسان ایک ہی سطح پر ہیں۔

پیغمبرِ اسلام

یہ کتاب پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کی سیرت کے متعلق ہے۔ آنحضرت رسولِ خدا لوگوں کے لیے احکامِ الٰہی کے حامل ہیں اور مسلمان اسی حیثیت سے آپؐ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں مسلمانوں کے لیے قرآن میں فرمایا گیا ہے :

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاٰخر وذکر اللہ کثیراً ط	درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یومِ آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔

(الاحزاب - ۲۱)

پس آنحضرتؐ کے قول و فعل و تقریر کی معرفت حاصل کرنا ایک مومن کے اوّلین واجبات میں سے ہے تاکہ وہ اپنی روحانی و مادی زندگی میں آنحضرتؐ کے بہترین نمونہ کی پیروی کر سکے۔

جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے اگر ان میں سے کوئی شخص بے لاگ ہو اور اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہ باندھے تو وہ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آنحضرتؐ کی عبقریت کا انکار نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر فرانسیسی وزیر، شاعر اور مورخ الفونس دی لامارٹین کی کتاب "تاریخِ ترکی" کا مقدمہ ملاحظہ فرمایا جائے جس کے اقتباسات کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔

یہ حسنِ اتفاق ہے کہ میں پیرس میں اسی عمارت میں سکونت پذیر ہوں جہاں گزشتہ دور میں لامارٹین رہا کرتا تھا اور میں نے اسی مکان میں اپنی کتاب "السیرۃ النبویہ" (بزبانِ فرانسیسی) مدون کی۔ یہ سیرت میں نے بلاذری کی انساب الاشراف کے

قلمی نسخہ سے اسی طرح تیار کی جس طرح میں نے یہ کتاب (سیرتِ ابنِ اسحاق) مہیا کی ہے۔ لامارٹین "تاریخِ ترکی" کے مقدمہ میں رقم طراز ہے:

"ایسا کبھی نہیں ہُوا کہ کسی انسان نے اپنے لیے باختیارِ خود یا بدون اختیار اس سے اعلیٰ و ارفع ہدف مقرر کیا ہو۔ کیونکہ یہ ہدف ——— یعنی ان خرافات کو ملیا میٹ کرنا جو خالق و مالک کے درمیان حائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کا تعلق انسان کے ساتھ اور انسان کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوبارہ استوار کرنا اور شرک و بُت پرستی کے مسخ شدہ مادی خداؤں کی بجائے الوہیت کے متعلق صحیح اور معقول تصوّر کو اجاگر کرنا ——— ایک ایسا ہدف ہے جو انسانی طاقت کے بس سے باہر ہے۔"

"کبھی ایسا نہیں ہُوا کہ کسی انسان نے اس قدر کمزور ذرائع و وسائل کے ساتھ اپنے مشن کی ابتدا کی ہو کیونکہ آنحضرتؐ کے پاس اس مقصود کے حصول اور اس کی تنفیذ کے لیے کوئی چیز ما سوائے اپنی اکلوتی جان کے نہ تھی اور نہ ہی چند بدوی صحرانشینوں کے علاوہ آنحضرتؐ کا کوئی مددگار و معاون تھا۔"

"اور اسی طرح کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی انسان کو اتنے قلیل عرصہ میں اس قدر کامیابی حاصل ہوئی ہو جس قدر کامیابی سے آنحضرتؐ ہمکنار ہُوئے۔ آنحضرتؐ نے ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ آنحضرتؐ کے قیامِ دعوت کو بیس[1] سال بھی نہ گزرے تھے اور آنحضرتؐ نے ہتھیار اٹھائے ہی تھے کہ بلادِ عرب کے تین اطراف ——— حجر[2]، بادیہ اور یمن ——— تک آپؐ کی حکومت قائم ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ کی خالص وحدانیت کے لیے فارس، خراسان، ماوراء النہر، غرب الہند، شام، مصر، سوڈان اور غال (فرانس) کی ارواح کو مسخر کر لیا۔"

جب کوئی مطلوب و مقصود عظیم ہو اور اس کے حصول کے ذرائع قلیل ہوں لیکن نتائج وسیع بر آمد ہوں تو یہ تین پیمانے انسان کی عبقریت کو ثابت کرتے ہیں۔ دورِ حاضر کی عظیم ترین تاریخی شخصیات میں سے کون سی ایسی شخصیت ہے جسے انسانی نقطۂ نظر سے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہم پلہ قرار دیا جا سکے؟ کیونکہ مشاہیر میں سے مشہور ترین شخصیتوں نے صرف افواج کو حرکت دی، قوانین میں ردّ و بدل کیا اور حدودِ مملکت کی توسیع کی تحریکیں چلائیں۔ اور انہوں نے کوئی ایسی

---

[1] اصل کتاب میں دو سو سال درج ہے۔ لیکن حسب بیان طبری و بلاذری مسلمان سیدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ۲۶ھ میں اندلس میں داخل ہوئے نیز چینی مقبوضات میں سے ماوراء النہر حسب روایت بلاذری اسی زمانہ میں فتح ہوا۔ اہلِ چین کی تواریخ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ مقریزی کے بیان کے مطابق سوڈان بھی اسی دور میں فتح ہوا۔ اور بلاذری کے مطابق غرب الہند کی فتح کی ابتدا سیدنا عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ہوئی اور یہ ساری فتوحات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پندرہ سال بعد ہوئیں۔ اس وقت مسلمانوں کی حکومت اندلس سے لے کر چین تک تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی اور ان کا دار الخلافہ مدینہ منورہ تھا۔

[2] فلسطین کے جنوبی علاقہ کو فرنگی پیٹرا (PETRA) کہتے ہیں اور قدیم عربوں کے ہاں اس کا نام "الحجر" ہے۔

تحریک نہیں چلائی جس کی بنیاد مادی اقتدار کے حصول کے علاوہ کسی بالاتر اخلاقی و انسانی اقتدار پر ہو اور اکثر اوقات یہ تحریکیں ان کی اپنی زندگی میں ہی زوال پذیر ہوگئیں۔ ان کے برعکس آنحضرتؐ نے افواج، قوانین، ممالک، اقوام، ملکی پیداوار اور تین عدد آباد کرۂ ارضی کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کی اصلاح کی تحریک چلائی۔ علاوہ ازیں آنحضرتؐ نے اپنی تحریک سے بادشاہوں کے مصاحبین، جھوٹے خداؤں، ادیانِ باطلہ، افکار و معتقدات اور ارواح کو متاثر کیا۔ پھر ایک کتاب کی اساس پر ــــ جس کے ہر حرف کو قانون کا درجہ حاصل ہے ــــ ایسی روحانی قومیت کی بنیاد رکھی جس کے آگے جملہ لسانی و نسلی قومیتوں کی چکا چوند ماند پڑ گئی اور آلہۂ باطلہ کے خلاف بغض اور غیر مادی اکلوتے خدا کی محبت اس اسلامی قومیت کی ایک لافانی خصوصیت قرار پائی۔ اس قومیت نے ان لوگوں سے انتقام لیا جنہوں نے احکامِ سماوی کے ذریعہ حرام کی ہوئی باتوں کا ارتکاب کیا۔ اسی طرح وطن کی محبت حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحابؓ کی نظروں میں پسندیدہ خصائل میں شمار ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ کے معجزات کے ذریعہ سے آپؐ کے صالح دین کے لیے ایک تہائی دنیا فتح ہوگئی۔ یا ہم کہیں گے کہ یہ کسی انسان کا معجزہ نہ تھا بلکہ دین کا معجزہ تھا۔ متعدد خداؤں کے بارے میں احمقانہ اور فاسد تصورات کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے تصور میں ایسی متحدہ قوت ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اپنے مبارک لبوں سے اس تصور کا پرچار کیا تو بتوں کے عبادت خانے جل گئے اور اس نظریہ کے نور سے ایک تہائی عالم جگمگا اٹھا۔

"کیا یہ شخص فریب کار اور جھوٹ کا مدعی تھا۔ ان کی زندگی اور تاریخی کردار کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم انہیں ایسا گمان نہیں کرتے۔ اصلی و برحق معتقدات کے مقابلہ میں جھوٹا دعویٰ ریا و نفاق سے عبارت ہے۔ منافقت میں ایسی قوت نہیں ہوتی کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے اور نہ ہی اس میں دوسروں کو طمانیت و آرام پہنچانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جس طرح جھوٹی بات میں ایسی قوت نہیں ہوتی جو حق و صداقت کا مقابلہ کر سکے۔"

"جس طرح علمِ کشش ثقل (میکانکی) میں قوتِ ارتفاع کا انحصار قوتِ دفع و توقیع پر ہوتا ہے (یعنی کسی چیز کے بلندی پر جانے کی قوت ثقلی مزاحمت کی موجودگی میں اس قوت کے بقدر رہوتی ہے جس قوت کے ساتھ اس چیز کو اوپر پھینکا جائے) اسی طرح کسی تاریخی کارنامہ کی اہمیت و قوت کا انحصار قوتِ وحی و انقاء پر ہوتا ہے۔ یعنی جتنی قوت اس کارنامے میں ہوتی ہے اور جس قوت کے ساتھ اس کارنامہ کو سرانجام دیا جائے اسی قدر اس کا اثر و نفوذ ہوتا ہے۔ چنانچہ جس نظریہ کو اس قدر عروج حاصل ہو جائے اور وہ کرۂ ارضی کے اس قدر وسیع علاقہ کو مسخر کر لے اور اتنے طویل زمانہ تک اس کا عمل دخل رہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ نظریہ عظیم قوت کا حامل ہے اور اگر اسے اتنی عظیم قوت حاصل ہوئی ہے تو اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ قوت انتہائی مخلصانہ اور یقینی ہے۔"

"اگر ہم آنحضرتؐ کی زندگی اور آپؐ کے خشوع کا مطالعہ کریں اور یہ دیکھیں کہ جو خرافات اور بیہودگیاں آپؐ کے ملک میں موجود تھیں آپؐ نے ان پر کس طرح دلیرانہ حملہ کیا اور بت پرست مشرکین کے مقابلہ میں آپؐ نے کس قدر مضبوط موقف اختیار کیا اور ہجرت سے قبل مکہ میں تیرہ سال تک مشرکین کی ایذا رسانیوں پر آپؐ نے صبر و ثبات کی روش اختیار کی۔

لوگ آنحضرتؐ کو عمومی رسوائی و بدنامی کا سبب سمجھتے تھے اور آپؐ کے اہلِ وطن آپؐ کو دھوکہ سے قتل کرنے کے منصوبے بناتے رہے۔ پھر آنحضرتؐ نے ہجرت کی۔ آنحضرتؐ مسلسل و پیہم وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ آپؐ نے جنگیں بھی لڑیں اور بڑے بڑے لشکروں کے مقابلہ میں آپؐ کی سپاہ قلیل ہوتی تھی لیکن اس کے باوجود آپؐ کو اپنی کامیابی کا پختہ یقین ہوتا تھا۔ تکالیف کے اوقات میں آپؐ کو ماوق البشر یقین حاصل ہوتا تھا اور فتح و کامرانی کے وقت آپؐ وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کو اپنے افکار و نظریات کی توسیع پیش نظر تھی اور مملکت کی توسیع اور لوگوں کو غلام بنانے کی خواہش دامنگیر نہ تھی۔ آپؐ اللہ تعالیٰ کے ساتھ روحانی سرگوشیوں میں مشغول رہتے تھے۔ آپؐ کی وفات کے احوال بھی قابلِ دید ہیں اور اس دنیاوی زندگی کے دوران اور قبر میں چلے جانے کے بعد آپؐ کی کامیابی قابلِ ملاحظہ ہے۔ یہ سب چیزیں دلالت کرتی ہیں کہ آپؐ جھوٹ کے مدعی نہ تھے بلکہ ایمانِ صادق کے حامل تھے اور یہ ایمان و یقین آپؐ کو قدرت نے اس نظریہ کے احیاء کے لیے عطا کیا تھا۔ اس نظریہ کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عدم مادیت کے باہمی ملاپ پر ہے۔ اگر اللہ کی وحدانیت اثباتی طور پر یہ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے تو اس کی عدم مادیت یہ ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت تلوار کے ذریعہ سے جھوٹے خداؤں کا قلع قمع کرتی ہے اور اس کی عدم مادیت سے یہ نظریہ و عقیدہ قولی طور پر ثابت کیا جاتا ہے۔

"آنحضرتؐ ایک فلسفی، خطیب، رسول، شارع، مجاہد، افکار و نظریات کو فتح کرنے والے، معقول عقائد اور اللہ تعالیٰ کی خالص و بے لاگ عبادت کے علمبردار اور بیسیوں دنیوی مملکتوں اور ایک روحانی مملکت کے بانی تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔"

"انسانی عظمت کو جانچنے اور پرکھنے کے جو معیار اور میزان بھی ہوں کیا اس دنیا میں کوئی شخص ایسا ہے جو آنحضرتؐ سے زیادہ عظیم ہے!"

(الفونس لامارٹین)۔ تاریخِ ترکی (بزبانِ فرانسیسی) ۲۷۶/۱-۲۸۰۔

اسلام سے قبل عربوں کے ہاں تاریخ کا علم

اس کتاب کے ممدوح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آنحضرتؐ اہلِ مکہ میں سے تھے۔ وہاں آپؐ کی ولادت باسعادت ۵۶۹ عیسوی میں ہوئی۔ مکہ ام القریٰ کے نام سے معروف تھا جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے (حوالہ کے لیے دیکھو سورۃ الانعام، آیت ۹۲۔ اور سورۃ الشوریٰ، آیت ۷)۔ یہ امر لازمی ہے کہ ام القریٰ میں ایسی خصوصیات ہوں جن کی وجہ سے اسے دیگر شہروں پر فضیلت حاصل ہے۔ لیکن ہم اس بات سے صرفِ نظر کریں گے کہ وہ ام القریٰ یعنی مکہ اس روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا دار السلطنت ہے اور یہ کہ وہاں اللہ کا گھر ہے اور مومن اس گھر کا حج کرتے ہیں اور اکنافِ عالم کے ہر دور دراز مقام سے وہاں آتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی بزرگی و عظمت کے

آگے جھکتے ہیں۔ یہ ان کا قبلہ ہے۔ بلکہ ہم اس بات پر اکتفا کریں گے کہ قدیم اہلِ مکّہ کو کس حد تک تاریخ کا علم حاصل تھا تاکہ ہم موازنہ کر سکیں کہ دورِ اسلام میں اس میں کیا تبدیلی واقع ہوئی!

جو شخص اپنی علمی وراثت سے ناواقف ہے اگر اسے یہ بتایا جائے کہ دَورِ جاہلیت میں مکّہ میں تاریخی مسائل کے لیے ایک خاص وزارت قائم تھی تو وہ ششدر رہ جائے گا۔ یہ وزارت منظم تھی اور وزارتِ خارجہ کے ساتھ اس کا الحاق تھا۔ اس بات کا ذکر ابن عبدالبر نے (عقد الفرید ۲/ ۴۵-۴۶ میں) کیا ہے۔ پھر مقریزی نے (الخبر عن البشر، باب رتب الریاست میں) کلبی کے حوالہ سے لکھا ہے:

"اور بنی عدی میں سے عمرؓ بن خطاب تھے۔ یہ جاہلیت میں سفیر تھے۔ جب عربوں اور غیر عربوں میں جنگ ہوتی تو اہلِ عرب ان کو بطور سفیر بھیجتے تھے، نیز اگر کوئی قبیلہ اپنے حسب و نسب پر مفاخرت کا مدعی ہوتا تو وہ فیصلہ کے لیے حضرت عمرؓ کو حکم مقرر کرتے تھے اور آپؓ کے فیصلہ کو تسلیم کرتے تھے۔"

یہ امر معلوم ہے کہ منافرت یا بالفاظِ دیگر مفاخرت کا ہدف اپنے قبیلہ کے فضائل بیان کرنا اور اپنے حسب و نسب کے بارے میں دوسروں کے فضائل و معائب سے مقابلہ کرنا تھا۔ ایسا کرنے کے لیے سلطنتوں کی تاریخ کی واقفیت کا ہونا لازمی تھا اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس دَور میں قبائلی نظام تھا اور ہر قبیلہ اپنے حدود کے اندر ایک مستقل سلطنت کی حیثیت کا حامل تھا۔ قبائلِ عرب باہمی فخر و مباہات میں اُلجھے ہُوئے تھے اور کبھی کبھی عرب کے گرد و نواح میں ایران، حبشہ اور روم کے بادشاہوں سے بھی عربوں کی بلند بانگ مفاخراتی چپقلشیں ہوتی تھیں۔

اہلِ مکّہ کی مجلسیں ہوتی تھیں، ہر مجلس میں لوگ شام کو اکٹھے ہو کر باہم قصہ کہانی کہتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک عربوں کی جنگوں کے واقعات بیان کرتا تھا۔ مختلف سفروں کے دوران میں جو عجیب و غریب تجربات و مشاہدات حاصل ہوتے تھے ان کا تذکرہ ہوتا تھا۔ مختلف قصّے اور مزاحیہ فکاہات بیان ہوتے تھے۔ نیز سنجیدہ اور ہنسی مذاق ہر طرح کی باتیں ہوتی تھیں یہاں تک کہ فحش کاری اور بیہودہ لہو و لعب کی باتیں بھی ہوتی تھیں جس طرح آج کل تھئیٹروں اور کلبوں میں ہوتی ہیں اور کبھی کبھی حسبِ موقع بعض معاملات پر غور و فکر بھی ہوتا تھا اس طرح لوگ اپنے اور دوسروں کے احوال کے متعلق معلومات حاصل کرتے تھے اور اپنے اپنے حالات و واقعات اور ضرورتوں کے مطابق ان تجربات سے استفادہ کرتے تھے۔

مکّہ کتابوں میں مدوّن علم سے یکسر خالی نہ تھا۔ ابنِ ہشام نے سیرت کے صفحہ ۱۹۱ پر تحریر کیا ہے:

"نضر بن حارث حیرہ گیا تھا، وہاں اس نے شاہانِ ایران اور رستم و اسفندیار کے واقعات کی تعلیم حاصل کی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں تشریف فرما کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور اممِ سابقہ کی تعذیب کے حالات بیان کر کے اپنی قوم کو ڈراتے تو آنحضرتؐ کے چلے جانے کے بعد نضر آپؐ کی جگہ بیٹھ جاتا اور کہتا تھا: "اے معشرِ قریش! بخدا! میں اس سے بہتر قصہ گو ہوں، پس میرے نزدیک آجاؤ، میں اس کی باتوں سے بہتر باتیں تمہیں سناؤں گا۔" پھر وہ انہیں شاہانِ ایران اور رستم و اسفندیار کے قصے سناتا تھا اور کہتا تھا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کون سی

بات مجھ سے بہتر بیان کی ہے ؟" ابن ہشام نے دوسری روایت میں صفحہ ۲۳۰ پر یہ اضافہ کیا ہے :" ... محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے مقابلہ میں کیونکر بہتر قصہ گو ہیں ؟ اس کی باتیں پچھلے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں ہیں جو منقول ہوتی چلی آتی ہیں، اسی طرح کی لکھی ہوئی کہانیاں میں تمہیں سناتا ہوں ۔" اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں فرمایا :

وقالوا اساطیر الاولین اکتتبها فهی تملیٰ علیه بکرة واصیلا ۝ قل انزله الذی یعلم السر فی السمٰوٰت والارض ط انهٗ کان غفورًا رحیما ۝ (الفرقان - ۵ - ۶)	کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنھیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہیں ۔ اے نبیؐ ! ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے اس نے جو زمین اور آسمانوں کا بھید جانتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور رحیم ہے ۔

مذکورہ اقتباس سے یہ امر صراحت کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے کہ نضر بن حارث کے پاس تاریخ ایران وغیرہ کے متعلق کتاب تھی جسے وہ نقل کرتا تھا ۔ اسی طرح صلح و جنگ کے متعلق شعر العرب کے بارے میں تاریخی شہادتیں موجود ہیں اور شعر تو عربوں کا دیوان یعنی ان کی کتابوں کا مجموعہ ہے ۔

عہدِ نبوت

اس طرح کے اجتماعی حالات میں دعوتِ اسلام اور عہدِ نبوت کا آغاز ہوا ۔ دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جاہلیت کے مقابلہ میں بغاوت اور ہمہ پہلو اور ہمہ گیر انقلاب کا دور ہے اور کون نہیں جانتا کہ سب سے پہلی وحی جو نبی امی نبی اسلام پر کی گئی وہ قرأت کے حکم اور قلم کی تعریف پر مشتمل ہے ۔ (سورہ العلق، آیات ۱ - ۵ ملاحظہ فرمائی جائیں) ۔ قرآن کریم پوری نوعِ انسانی کی تاریخ سے بالعموم استدلال کرتا ہے اور صرف عربوں کے حالات تک محدود نہیں ہے ۔ اس میں مخلوقات اور انبیاءؑ و ملوک و ادیان کے قصص اور دیگر تاریخی مسائل کے متعلق امور کا ذکر ہے اور ان کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات بھی بیان کی گئی ہیں ۔ یہ ایک ایسی تحریک ہے جسے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری نوعِ انسانی کی اصلاح کے لیے برپا کیا ۔ پس لازمی ہے کہ مسلمانوں کی سوچ عالمگیر ہو ۔ چنانچہ قرآن نے تخلیقِ کائنات اور مختلف ممالک میں برسرِکار انسانی انجمنوں اور سوسائٹیوں کے حالات کا بغور مطالعہ کرنے کی ترغیب دی اور بالتکرار اس کا حکم دیا ۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائی جائیں :

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدأ الخلق ثم اللہ ینشئ النشأة الاٰخرة ط ان اللہ علیٰ کل شئ قدیر ۝ (العنکبوت - ۲۰)	ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلق کی ابتدا کی ہے ، پھر اللہ بارِ دگر بھی زندگی بخشے گا یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبل ط کان اکثرھم مشرکین ٥ — (اے نبیؐ !) ان سے کہو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہو چکا ہے ، ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے۔

(الروم - ۴۲)

قرآن کے پیشِ نظر یہ نہیں ہے کہ صرف پہلے آدمیوں کو دعوت دینے پر اکتفا کیا جائے بلکہ اس کی دعوت تو عام ہے اور اس نے بُرے لوگوں کو بھی تبلیغ کی تاکہ وہ معرفت حاصل کر کے مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ فرمایا گیا :

قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین ٥ — (اے نبیؐ !) ان سے کہو ، ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔

(الانعام - ۱۱)

اسلام کی ابتدا، جزیرہ عرب کے لوگوں میں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس وقت ان کے پاس پُوری نوعِ انسانی کے حالات معلوم کرنے کے کثیر ذرائع و وسائل نہ تھے۔ مزید برآں ان اولین مسلمانوں نے علمِ تاریخ میں دو زاویوں سے جو قابلِ قدر کام کیا اس کی مثال ان سے قبل کی دنیا میں موجود نہ تھی۔

اوّل یہ کہ انھوں نے زندگی کے تمام شعبوں میں معاصر تاریخ کا مواد اکٹھا کیا اور ان سے قبل عظیم لوگوں مثلاً انبیاء یا شاہانِ قدیم کے حالات میں سے جو کچھ ہمیں معلوم ہے اگر اس کے ذکر کے لیے قلیل صفحات کافی ہوتے تو ہم ان کے حالات ضرور قلمبند کرتے۔ لیکن سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تفاصیل اور ان کی متنوع حیثیت کا بیان ہی ضخیم مجلدات کا محتاج ہے جو تحقیق و مطالعہ کرنے والوں کے لیے حیرانی کا موجب ہے۔

دوم یہ کہ اسلام سے قبل اصولِ شہادت کی تطبیق عدالتی طریق کار پر منحصر تھی۔ حاکم عینی گواہ طلب کرتا ہے اور مدعی بھی اسی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اولین مسلمان آئے تو انھوں نے سب سے پہلے بیانِ شہادت کو وسعت دی اور اسے تاریخی مسائل پر منطبق کیا۔ مسلمان کوئی ایسی خبر یا قول تسلیم نہ کرتے تھے خواہ وہ ایک دو جملوں پر مشتمل ہو مگر اس صورت میں کہ اسے وہ شخص روایت کرے جو اس واقعہ میں موجود ہو اور پھر اس شخص کی روایت قبول کی جاتی تھی جس نے اوپر تک طبقہ بہ طبقہ موقع کے گواہ سے وہ روایت سُنی ہو۔ شاید مسلمانوں کو حسبِ عادت اس میں زیادہ اہمیت و معنویت محسوس نہ ہو لیکن جرمن مستشرق شپرینگر تو اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا اس کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ مشرق یا مغرب کی سابقہ ترقی یافتہ مہذب اقوام میں سے کسی قوم نے بھی مسلمانوں سے قبل تاریخ کی اہمیت کو نہ پہچانا اور اسے فکاہات و خرافات اور قصے کہانیوں میں تبدیل کر دیا اور سننے والوں کو ان ہی میں مشغول و مگن رکھا۔ تاریخی مسائل کے بارے میں مسلمانوں نے جو طریقِ کار اختیار کیا اس کی وجہ سے تاریخ کو ایک علم کا درجہ حاصل ہو گیا اور وہ قابلِ اعتماد حقائق کا ماخذ و مصدر قرار پائی کیونکہ مسلمانوں نے صرف بلند ترین ماخذ بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مولف سے لے کر واقعہ مذکورہ کے

زمانہ تک اوپر کے تمام مصادر یکے بعد دیگرے بیان کیے۔

مسلمانوں کی تاریخ کو لازمی طور پر تاریخ عالم کی حیثیت حاصل ہو گئی کیونکہ ان کا رب صرف اہلِ بیت کا رب نہیں ہے بلکہ تمام کائنات کا رب ہے۔ اسی طرح ان کا دین جملہ انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے اور امرِ واقع نے بھی اسی کی تائید کر دی کیونکہ مسلمانوں کی مملکت مشرق و مغرب میں حیران کن سرعت کے ساتھ پھیل گئی۔ نیز مسلمانوں کے افکار و نظریات بھی عالمگیر ہیں اور ان کی حیثیت قبائلی و علاقائی نہیں ہے۔

مسلمانوں نے عہدِ رسالتمآبؐ کی ابتداً ہی سے ان وسیع معنوں میں تاریخ کی طرف توجہ دی۔ ان کا یہ شغف پہلے طبقہ میں راسخ ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ نے آنحضرتؐ کے جملہ احوال یعنی آپؐ کے اقوال، افعال اور تقاریر کو جمع کیا۔ بعض صحابہؓ نے ان معارف کی تدوین آنحضرتؐ کی زندگی ہی میں شروع کر دی اور بعض نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد یہ کام کیا۔ ہر ایک نے اپنی مخصوص معلومات کو ایک صحیفہ میں قلمبند کیا اور اپنے شاگردوں کو ان کی تعلیم دی۔ طبقہ تابعین کے ان تلامذہ صحابہؓ میں سے کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے ایک سے زیادہ اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ اس طرح پہلے مرحلہ پر یہ معلومات اکٹھی ہو گئیں اور بعد ازاں ان کی تصنیف و ترتیب عمل میں آئی۔

ہاں، یہ تو حدیثِ نبویؐ کا مذکور ہے۔ لیکن حدیثِ نبویؐ آنحضرتؐ کے عہدِ نبوت کی اسلامی تاریخ ہے۔ اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے جنہوں نے اپنی کتاب کا نام "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ و ایامہ" رکھا۔ اس میں آنحضرتؐ کے حالات از قسم قول و فعل و تقریر درج ہیں۔ صحابہؓ کے کسی کام پر آنحضرتؐ کا سکوت تقریر کہلاتا ہے۔ اس کتاب میں آنحضرتؐ کی جنگوں کا ذکر ہے اور وہ حالات درج ہیں جو نہ صرف مسلمانوں یا عربوں کے بارے میں ہیں بلکہ پڑوسی ممالک — مثلاً حبشہ، روم اور ایران وغیرہ — کے متعلق معلومات بھی مذکور ہیں۔ اس ضمن میں سورہ روم ملاحظہ فرمائی جائے جس میں روم و ایران کی جنگ کا قصہ درج ہے، نیز سمندری سفروں کے حالات بھی ملاحظہ فرمائے جائیں۔ جیسے تمیم داری وغیرہ کے سفر کا ذکر جسے صحیح مسلم میں روایت کیا گیا ہے۔

عہدِ صحابہؓ

خلفائے راشدین نے اپنی تمام تر توجہ حفظِ حدیث — یعنی تاریخ اسلامی کے مصادر — کی طرف مبذول کی اور انہیں عالمی تاریخ کے لیے فراغت نہ ملی۔ پھر خلیفہ معاویہؓ[1] نے عالمی تاریخ کو درخورِ اعتنا سمجھتے ہوئے یمن سے اپنے

---

[1] حضرت معاویہؓ نے تواریخ کو عربی زبان میں منتقل کرنے کے لیے ایک مخصوص ادارہ قائم کیا۔ مسعودی نے مروج الذہب (۵/۷۳-۷۸) (طبع یورپ) میں ذکر کیا ہے: "حضرت معاویہؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ دن رات پانچ مرتبہ اجلاس کرتے تھے فجر کی نماز کے بعد قصے کہانیوں کا اجلاس ہوتا تھا۔ اس سے فراغت کے بعد اندر چلے جاتے اور مصحف (باقی بر صفحہ ۳۶۶)

زمانہ کے سب سے بڑے مورخ عبید بن شریہ جرہمی کو طلب کیا جس نے آپ کے لیے قدیم تاریخ عرب کے معارف جمع کیے جن میں اجنبیوں کے ساتھ جنگوں کا ذکر ہے۔ مثلاً یہ کہ یمن کے شاہانِ کندہ نے بہت سے علاقوں کو فتح کیا یہاں تک کہ وہ شام اور عراق تک پہنچ گئے۔ اسی طرح مسلمانوں کی فتوحات بھی روز بروز زیادہ ہوتی گئیں۔ ہمارا موضوعِ بحث مسلمانوں کے ہاں علمِ تاریخ کی تاریخ بیان کرنا نہیں ہے کہ ہم اس کے مختلف شعبوں اور گوشوں پر گفتگو کریں بلکہ ہم سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی تاریخ دَورِ نبوت پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ ہماری کتاب صرف اسی موضوع سے متعلق ہے۔

ہم ابھی ابھی ذکر کر آئے ہیں کہ صحابہؓ کو احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تھا ان میں سے اکثر صحابہؓ نے اپنی معلومات کو کتابت میں مدون کیا۔ ہمارے فاضل دوست مصطفیٰ اعظمی نے تحقیق کی ہے کہ وُہ صحابہؓ جن کی طرف کتابتِ حدیث صراحت کے ساتھ منسوب کی ہے ان کی تعداد پچاس سے کم نہیں ہے۔ ہم ان میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کرتے ہیں :

(۱) بلاذری نے انساب الاشراف (۱/ ۵۰۶) میں ذکر کیا ہے ؛ "حضرت انسؓ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میری ماں ام سلیم میرا ہاتھ پکڑ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لے گئی اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! یہ میرا بیٹا ہے لڑکپن میں لکھنا جانتا ہے اس کی عمر دس سال ہے میں اسے آپؐ کی خدمت کے لیے پیش کرتی ہوں۔" چنانچہ حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم کی حیثیت سے آپؐ کے دولتکدہ پر رہے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے ان اقوال و افعال کو دیکھا جن کے دیکھنے کا موقع دوسرے صحابہؓ کو میسر نہ تھا۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے روایت کیا کہ علم کو کتابت کے ذریعہ سے مقید کرو۔ اور محدثین کی ایک جماعت مثلاً رامهرمزی، حاکم اور خطیب بغدادی نے سعید بن ہلال کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۵) آپ کو دیا جاتا۔ آپ اس کا کچھ حصہ تلاوت کرتے تھے۔ جب عشاء کی اذان ہوتی تو آپ باہر نکل کر نماز ادا کرتے۔ پھر خواص اور خواص الخواص اور وزراء اور بالخصوص اپنے لوگوں کو بلایا جاتا اور ان سے مشورے کیے جاتے۔ رات کے ابتدائی حصہ میں یہ کام کیا جاتا۔ رات کا ایک تہائی حصہ عربوں کے اخبار اور ان کی جنگوں اور بادشاہوں اور سیاست کے احوال اور دیگر اقوامِ عالم کے بادشاہان، ان کی جنگوں اور چالوں اور رعیت کے نظم ونسق وغیرہ اور قدیم اقوام کے حالات بیان ہوتے تھے۔ پھر حرم سے آپ کے پاس حلوہ اور دیگر لطیف ولذیذ کھانے آجاتے جو تناول کیے جاتے۔ پھر آپ اندر چلے جاتے اور ایک تہائی رات تک سوتے تھے۔ نیند سے بیدار ہو کر بیٹھ جاتے تو آپ کے سامنے دفاتر پیش کیے جاتے جن میں بادشاہوں کے حالات و اخبار اور ان کی جنگوں اور چالوں کا مذکور ہوتا۔ نوجوان یہ آپ کو پڑھ کر سناتے تھے۔ نوجوانوں کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ ان کو یاد کریں اور پڑھیں۔ آپ کے ہاں ہر رات کو جملہ اخبار و حالات و آثار اور سیاست کے انواع پر تبصرہ ہوتا تھا جسے آپ سنتے تھے۔ پھر باہر نکل کر نمازِ فجر ادا کرتے اور اس کے بعد ہر روز کے بیان کردہ معمول کے مطابق عمل کرتے تھے۔"

یہ روایت بیان کی ہے کہ ہم نے کثیر تعداد میں حضرت انس بن مالک کے ہاں ہجوم کیا تو وہ اپنے پاس سے مجلّے یعنی پمفلٹوں کی شکل میں رجسٹر نکال لائے اور فرمایا: "یہ احادیث میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں اور انھیں لکھ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔" حضرت انسؓ نے آپؐ کی احادیث کو صرف لکھنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آنحضرتؐ کی فرصت کے اوقات میں انہیں آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا تاکہ ان کی تصحیح ہو جائے۔ تاریخ میں یہ حدیث کی سب سے سچی کتاب ہے۔

(۲) ترمذی، ابوداؤد، دارمی اور ابن سعد وغیرہ متعدد مصادر میں عبداللہ بن عمرو بن عاص کی یہ روایت بیان کی گئی ہے انہوں نے کہا: میں نے نبی علیہ السلام سے اس بات کی اجازت طلب کی کہ جو کچھ میں نے آپؐ سے سنا ہے اس کو لکھ لوں۔ آنحضرتؐ نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی اور میں نے احادیث کو لکھ لیا۔ حضرت عبداللہؓ نے اپنے اس صحیفہ کا نام "الصادقہ" رکھا۔ نیز حضرت عبداللہؓ سے یہ بھی روایت کی گئی ہے: میں جو کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا اور جسے میں محفوظ کرنا چاہتا تھا اسے لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا: کیا تم آنحضرتؐ کی سب باتیں لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں اور ناراضی و خوشی دونوں حالتوں میں باتیں کرتے ہیں؛ میں لکھنے سے باز آگیا اور میں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آنحضرتؐ نے انگلی سے اپنے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: "تم لکھتے جاؤ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے ماسوا کوئی بات نہیں نکلتی۔" یہ کتاب ہم نے حضرت عبداللہ کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس دیکھی وہ اسے اپنے شاگردوں کو املا کراتے تھے۔

(۳) ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم (۱/ ۷۰) میں حسن بن عمرو بن امیہ ضمری کی یہ روایت بیان کی، جس نے کہا: میں نے ایک حدیث کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ سے گفتگو کی۔ انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا (غالباً حضرت ابوہریرہؓ اس وقت بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کا حافظہ کمزور ہو چکا تھا) میں نے کہا کہ یہ حدیث میں نے آپ ہی سے سنی ہے۔ انہوں نے کہا: "اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی موجود ہوگی۔" انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے گھر لے جا کر بہت سی کتابیں دکھائیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھی ہوئی تھیں، یہ حدیث بھی ان میں مل گئی۔ چنانچہ انہوں نے کہا: "میں نے تمہیں کہا تھا کہ اگر میں نے یہ حدیث سنائی ہے تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی موجود ہوگی۔" یہ روایت اس بارے میں صریح نص ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے حدیث کی بہت سی کتابیں مدوّن کی ہوئی تھیں۔

عمرو بن حزم انصاریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن کی طرف گورنر بنا کر بھیجا اور ان کے لیے ایک دستاویز تیار کی جس میں نصیحتیں اور احکام درج تھے۔ عمرو بن حزم نے اس دستاویز کو از بر کر لیا پھر انہوں نے اکیس مکاتیب جمع کیے جو نبی علیہ السلام نے مختلف قبائل کی طرف بھیجے تھے اور ان سب کو ایک تالیف میں یکجا کر دیا۔ عہد نبویؐ کی اسلامی سیاسی دستاویزات کا یہ اوّلین مجموعہ ہے ابن طولون نے اپنی کتاب "اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین" کے آخر میں اس تالیف کو بطور ضمیمہ شامل کر کے ہمارے لیے

محفوظ کردیا ہے۔ یہ کتاب دمشق میں طبع ہوئی ہے۔

اغلب یہ ہے کہ صحابہؓ نے جو حدیثیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں یا بعدازاں مدون کیں وہ ابواب میں منقسم نہ تھیں اور نہ ہی ان میں سالوں کے لحاظ سے زمانی ترتیب ملحوظ رکھی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں حدیث کس سال اور کس وقت بیان فرمائی۔ المختصر یہی حال ابو ہریرہؓ کے اس صحیفہ کا ہے جو ان کے شاگرد ہمام نے روایت کیا اور یہی حال انس بن مالکؓ وغیرہ کے صحیفوں کا ہے جو ہم تک پہنچے لیکن یہ سب صحیفے عہدِ نبوت کی تاریخ سے متعلق معلومات پر مشتمل ہیں اور جو صحابہؓ ان واقعات کے شاہد ہیں انہوں نے ہی ان کی تعلیم دی۔

یہ حقیقت ہے کہ سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابہؓ قرنِ ثانی کے اوائل یعنی ۱۱۰ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے لیکن تاریخی تالیفات کی تحریک کا آغاز اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا جیسا کہ درج ذیل مضمون سے ظاہر ہو گا۔

مسلمانوں کے ہاں کتب تاریخ کی تالیف

حقیقت یہ ہے کہ احادیث کا جمع کرنا بالفعل تاریخ کے لیے ابتدائی مواد جمع کرنے کے مترادف ہے کیونکہ کتب حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ایک مربوط قصہ کے طور پر پیش نہیں کرتیں بلکہ ان کتابوں میں دورِ اسلام سے متعلق مختلف واقعات کے بارے میں چھوٹی چھوٹی متعدد حکایات بیان کی گئی ہیں۔ جہاں تک معروف اور متداول معنی کے لحاظ سے کتبِ تاریخ کا تعلق ہے وہ اس بات کی متقاضی ہیں کہ اس منتشر مواد کو ان میں سمیٹ دیا جائے اور روایات کا خلاصہ بیان کیا جائے۔ چنانچہ پہلی صدی ہجری کے نصف اول سے مسلمانوں نے اسے اس طرح شروع کیا۔

جب وسٹنفیلڈ نے اپنی جرمن کتاب "مورخینِ عرب" گوٹنگن سے ۱۸۸۲ء میں شائع کی تو اس نے ناموں کو سالہائے وفات کے حساب سے مرتب کیا۔ ہماری کتاب کے مؤلف کا نام اٹھائیسویں نمبر پر تھا۔ اس نے ستائیس مورخ ابن اسحاق سے پہلے دریافت کئے ہیں۔ بلاشبہ آج ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ ہم اس فہرست میں بعض ناموں کا اضافہ کر سکیں چونکہ ہمارا مضمون مورخینِ اسلام کے حالات کی تالیف سے متعلق نہیں ہے اس لیے ہم وسٹنفیلڈ کی مرتب کردہ سلسلہ وار فہرست کے اسمأ پر اکتفا کرتے ہیں جو یہ ہیں:

(۱) عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(۲) زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
(۳) مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ
(۴) دغفل بن حنظلہ ذہلی سدوسی
(۵) عبید بن شریہ جرہمی
(۶) ابو کلاب وقاع لسان الحمرہ
(۷) حلیف بن زید بن جعونہ
(۸) زید بن کیاس نمری
(۹) ابن الکوا یشکری
(۱۰) یزید بن بکر اور اس کے دو بیٹے عیسیٰ اور یحیٰی۔
(۱۱) علاقہ بن کریم کلابی
(۱۲) صحار بن عیاش (یا عباس) کلابی

(۱۳) عروہ بن زبیر	(۱۴) صالح بن عمران صعدی
(۱۵) عامر شعبی	(۱۶) وہب بن منبہ
(۱۷) قتادہ بن دعامہ سدوسی	(۱۸) ابن شہاب زہری
(۱۹) ابو مخنف لوط	(۲۰) شبیل بن عروہ
(۲۱) موسیٰ بن عقبہ	(۲۲) ابو عمیر مجاھر بن سعید ہمدانی
(۲۳) شرقی بن قطامی	(۲۴) طریف بن طارق مدنی
(۲۵) عبداللہ بن عباس بن ابی ربیعہ المتنوف	(۲۶) محمد بن سائب کلبی
(۲۷) عوانہ بن حکم	

اس فہرست میں کچھ دُوسرے ناموں کا اضافہ کرنے سے قبل ہم ان میں سے بعض مورخین کے حالات کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو غیر مفید نہیں ہے۔

نووی نے (تہذیب الاسمأ کے صفحہ ۴۲۶، ۴۲۷ پر) یہ کہا: "عقیل بن ابی طالب قریش کے سب سے بڑے نسابوں میں سے تھے اور ان کے آبا و اجداد اور ان کی جنگوں کے حالات کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ان کے لیے غالیچہ بچھایا جاتا تھا۔ انساب اور عرب کی جنگوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے لوگ ان کے گرد اکٹھے ہو جاتے تھے۔ وہ معاویہؓ کی خلافت میں فوت ہوئے۔" یعنی ۵۰ھ میں۔

جہاں تک زیاد بن ابی سفیان کا ذکر ہے اس کے متعلق ابن الندیم نے (الفہرست صفحہ ۸۹ پر) تحریر کیا ہے: "سب سے پہلے جس شخص نے مثالب و معائب کے متعلق تصنیف کی وہ زیاد تھا..... جب اسے اور اس کے نسب کو مطعون کیا گیا تو اس نے محنت کے ساتھ نسب دانی سیکھی اور اپنے نسب کو اپنی اولاد تک پہنچایا اور کہا: "اس کے ذریعہ سے عربوں کو اپنی طرف مائل کرو کیونکہ وُہ تم سے نسب روک رہے ہیں۔" زیاد ۵۳ھ میں فوت ہوا۔"

جہاں تک ابو صفوان مخرمہ بن نوفل متوفی ۵۴ھ کا تعلق ہے اس کی عمر اس وقت ایک سو پندرہ سال تھی۔ اس نے حضرت عمرؓ کے لیے انساب کا دیوان مدون کیا۔ اس کام میں عقیل بن ابی طالب اور جبیر بن مطعم نے بھی اس کے ساتھ اشتراک کیا۔ فتح مکہ کے دن اس نے اسلام قبول کیا۔ وہ سن رسیدہ تھا اور لوگوں کی جنگوں اور بالخصوص قریش کی جنگوں کے بارے میں اسے معلومات حاصل تھیں۔ لوگ حصولِ نسب کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے تھے (بحوالہ تہذیب الاسمار از نووی، ص ۳۴۵) ابن اسحاق اس خاندان کا آزاد کردہ تھا۔ یہیں اس کی پرورش ہوئی۔ وُہ اپنی اس کتاب میں اس خاندان کے افراد سے بکثرت روایت کرتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ سدوسی نساب دغفل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا لیکن آنحضرتؐ سے کچھ نہیں سُنا۔ اسی طرح عبید بن شریہ جرہمی نے آنحضرتؐ کو پایا لیکن آپؐ سے کچھ نہیں سنا۔ وہ قاصد بن کر حضرت معاویہؓ کے پاس

آیا۔ انہوں نے اس سے پرانی خبروں، شاہانِ یمن، زبانوں کے اختلاط اور بگاڑ اور ملکوں میں لوگوں کے افتراق کے بارے میں سوالات کیے، اس نے طویل عمر پائی (بحوالہ المعارف از ابن قتیبہ صفحہ ۲۶۵ طبع یورپ)۔ ابن ندیم نے الفہرست صفحہ ۸۹ پر عبید بن شریہ کے متعلق لکھا کہ اس نے دو کتابیں "کتاب الامثال" اور "کتاب الملوک و اخبار الماضیین" تالیف کیں۔

بلاشبہ ابو عبداللہ عروہ بن زبیر بن عوام (۲۳ھ - ۹۳ھ - مختلف فیہ) مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہا میں سے ہیں۔ ان کی کتابیں جنگِ حرہ کے زمانہ میں مدینہ میں ضائع ہوگئیں۔ وہ مغازی کے متعلق سب سے پہلے لکھنے والے ہیں ان کی تحریروں کے اقتباسات متاخرین کے ہاں پائے جاتے ہیں۔ ابن سعد (طبقات: ۵/۱۵۶) نے ان کے متعلق لکھا ہے: "ان کے پاس مغازی کے علاوہ کوئی حدیث لکھی ہوئی نہ تھی اور مغازی کا مواد انہوں نے ابان بن عثمانؓ بن عفان سے حاصل کیا تھا۔" یوحان فوک نے اپنے ایک رسالہ میں (جو فرینکفرٹ سے ۱۹۲۵ء میں طبع ہوا اور جسے میں نے استاذہ انماری شمل سے شکریہ کے ساتھ مستعار لیا ہے) محمد بن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے کہ عبدالملک نے اپنے کسی بیٹے کے پاس حدیث المغازی دیکھی تو اسے اس کے حکم سے جلا دیا گیا اور اس نے کہا: "تمہیں چاہیئے کہ کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑو، میں بھی اسی کو پڑھتا ہوں اور سنت کو میں پہچانتا ہوں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔" لیکن یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس کے برخلاف تاریخِ طبری سے متعدد حوالے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً:

"عروہ ..... نے عبدالملک کی طرف تحریر کیا: اما بعد ..... (ص ۱۱۸۰ از طبع یورپ)

"عروہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عبدالملک بن مروان کی طرف لکھا: اما بعد آپ نے مجھے ابوسفیان اور اس کے خروج کے متعلق لکھا ہے اور پوچھا ہے کہ اس کی حالت کیا تھی؟" (ص ۱۲۸۴)

"عروہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عبدالملک کی طرف لکھا: اما بعد آپ نے مجھ سے لوٹ مار کرنے والوں کے متعلق پوچھا ہے اور یہ سوال کیا ہے کہ آیا خالدؓ بن ولید نے فتح مکہ کے دن لوٹ مار کی تھی ....." (ص ۱۶۳۴)

"عروہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عبدالملک کی طرف تحریر کیا: اما بعد آپ نے مجھ سے لکھ کر پوچھا ہے کہ خدیجہؓ بنت خویلد کب فوت ہوئی تھیں ....." (ص ۱۷۷۰)

اسی طرح کی دیگر روایات مسند احمد بن حنبل میں بھی موجود ہیں (مثلاً جلد ۴، ص ۲۱۳):

"عروہ سے روایت ہے کہ عبدالملک نے کچھ چیزوں کے متعلق ان سے لکھ کر دریافت کیا۔ اس کے جواب میں عروہ نے عبدالملک کی طرف لکھا: تم پر سلامتی ہو میں تمہارے سامنے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اما بعد آپ نے مجھ سے کچھ چیزوں کے بارے میں سوال کیا ہے۔ پھر عروہ نے حدیث بیان کی اور کہا: مجھ سے حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ جب ہم دوپہر کے وقت اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے پاس ان کی دو بیٹیوں عائشہؓ اور اسماءؓ کے سوا اور کوئی نہ تھی کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف

لے آئے۔"

ہمیں معلوم ہے کہ عبدالملک نے خلافت کے معاملہ میں عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا تھا لیکن یہ بات اسے اس چیز سے نہیں روکتی تھی کہ وُہ ان کے بھائی عروہ بن زبیر سے استفادہ کرے۔ جو کچھ استاذ فوک نے نقل کیا ہے اگر وہ صحیح ہے تو لازمی طور پر وہ ان مغازی کے متعلق ہوگا جن کی کوئی اصل نہیں ہے اور جنہیں قصہ خوانوں نے محض خوش طبعی اور دل بہلانے کے لیے گھڑ لیا تھا۔

جہاں تک وہب بن منبہ (متوفی ۱۱۰ھ یا ۱۱۴ھ) کا تعلق ہے وہ جید علماء میں سے تھا۔ اس کا بھائی ہمام بن منبہ محدث غازی تھا اور اپنے بھائی وہب کے لیے کتابیں خریدا کرتا تھا (جیسا کہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب ۲/ ۶۷ میں ذکر کیا ہے) وہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کے بارے میں ایک کتاب تالیف کی جس کا ایک قطعہ بردی چھال پر لکھا ہوا ہیڈلبرگ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے اور اس کے اقتباسات طبرانی وغیرہ میں ہیں اس کی دیگر کتابیں بھی قصص الانبیاءؑ اور اخبار الملوک وغیرہ کے متعلق ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ محمد بن شہاب زہری (۵۲ھ - ۱۲۴ھ) اپنے زمانے کے جید علماء میں سے تھے۔ علم حدیث و سیرت میں انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ ابن ندیم نے (الفہرست ص ۹۵) خالد بن ولید کی فتوحات کی کتاب بھی ان کی طرف منسوب کی ہے۔ وہ ہمارے مولف ابن اسحاق کے استاد ہیں زہری کی سیرت کے متعلق کتاب کے اقتباسات جامع ابن وہب (۱/ ۹۶-۹۸) میں موجود ہیں۔ وہاں ایک واقعہ درج ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاہل اہلِ سیاست بھی علمِ تاریخ اور سیرت النبیؐ کو درخورِ اعتنا سمجھتے تھے۔ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی (۱۹/ ۵۹) میں ذکر کیا۔ مدائنی نے کہا اور نیز ابنِ شہاب نے کہا کہ مجھ سے خالد بن عبداللہ قسری نے کہا: "میرے لیے نسب لکھو۔" ابن شہاب نے کہا: میں نے مضر کے نسب سے ابتداء کی اور ابھی اس کو پورا نہ کیا تھا کہ خالد نے کہا: "اس کو کاٹ دو اللہ تعالیٰ اس کی جڑوں سمیت اسے کاٹے۔ میرے لیے سیرت قلمبند کرو۔" میں نے اسے کہا: "میرے پاس حضرت علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہ کی سیرت میں سے کچھ چیزیں ہیں۔ کیا میں ان کا ذکر کروں؟" اس نے کہا: نہیں، مگر یہ کہ تو اسے جہنم کی گہرائی میں دیکھے۔" اللہ تعالیٰ خالد پر اور جس نے اسے والی بنایا اس پر لعنت بھیجے اور ان کو خیر سے دور کرے۔ اور حضرت علی امیر المومنین پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔"

اس قصہ میں اہلِ ہوا و ہوس کے طبعی میلانات کی ملاوٹ ہے اور اگر یہ صحیح ہو تو ہمارا گمان نہیں ہے کہ زہری نے قسری کے مطالبہ کے مطابق کچھ لکھا ہو کیونکہ صاحب الاغانی نے (۴/ ۱۰۶) تاکید کی کہ زہری کے تعلقات ولی عہد ولید ثانی کے ساتھ اس حد تک کشیدہ ہو گئے تھے کہ اگر ولید والیِ خلافت ہو جاتا تو زہری بلادِ اسلام کو چھوڑ کر بلادِ روم میں پناہ حاصل کرتے کیونکہ ولید زہری کو قتل کرنا چاہتا تھا لیکن ولید کی خلافت سے قبل ہی زہری کی وفات ہو گئی۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ (مادہ زہری) میں ہے کہ ایک دوسرے خلیفہ نے حضرت علیؓ کے

خلاف ایک دوسری بات کا مطالبہ کیا۔ زہری نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور زہری کے اس طرزِ عمل میں ہمیں تعجب محسوس نہیں ہوتا۔
زہری کے تلامذہ میں سے موسیٰ بن عقبہ (متوفی ۱۴۱ھ) بہت مشہور آدمی ہے اس نے کتاب المغازی تالیف کی، جسے اس موضوع پر صحیح ترین کتاب کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب ہمیں نہیں ملی مگر اس کے کچھ اقتباسات اور ملخصات اس مخطوطہ میں ہیں جسے جرمن مستشرق سخاو نے برلن سے شائع کیا۔

جن کا ذکر وستنفیلڈ نے نہیں کیا ان میں سے:

ابان بن عثمان بن عفان صاحبِ مغازی ہیں، ان کی ایک کتاب جس میں انہوں نے مبدأ، مبعث، مغازی، وفات، سقیفہ اور ارتداد کا ذکر کیا۔ ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔ اسی طرح عاصم بن عمر بن قتادہ (متوفی ۱۱۹ھ باختلافِ اقوال) اور شرحبیل بن سعد (متوفی ۱۲۳ھ) ہیں۔ ان کا ذکر احمد امین نے ضحی الاسلام (۲/۳۲۰) میں کیا۔ یوحان فوک نے اپنے رسالہ میں ابوالاسود یتیم عروہ (متوفی ۱۳۱ھ باختلافِ روایات) اور سلیمان بن طرخان تیمی (متوفی ۱۴۳ھ باختلافِ روایات) اور ابو محمد ولید بن کثیر مولیٰ مخزومی (متوفی ۱۵۱ھ) کے ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ ابو محمد ولید کا ذکر وستنفیلڈ نے ابنِ اسحاق کے بعد کیا ہے حالانکہ وہ دونوں معاصر ہیں۔
ضروری ہے کہ ہم یزید بن ابی حبیب (متوفی ۱۲۸ھ) کا ذکر کریں وہ ابن اسحاق کے مصری اساتذہ میں سے ہیں ان کے تذکرہ میں ایک دُوسرے غیر معروف مولف نے یہ ذکر کیا جسے سیرت نبویہ کے نقطۂ نظر سے اہمیت حاصل ہے:
مجھے ابنِ اسحاق نے بتایا۔ اس نے کہا، مجھ سے یزید بن ابی حبیب مصری نے یہ روایت بیان کی کہ اسے ایک کتاب دستیاب ہوئی جس میں ان لوگوں کے نام تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف علاقوں اور شاہانِ عرب و عجم کی طرف بھیجا اور اس کتاب میں وہ ہدایات بھی درج تھیں جو آنحضرتؐ نے اپنے اصحابؓ کو بھیجتے وقت دیں۔ راوی نے کہا کہ اس نے یہ کتاب محمد بن شہاب زہری کے پاس ارسال کی۔ زہری نے اس کتاب کو پہچانا اور اس کا بدلہ دیا۔
(سیرت ابنِ ہشام صفحہ ۹۸۲ اور تاریخ طبری سلسلہ اولیٰ صفحہ ۱۵۶۰۔ ہر دو مطبوعہ یورپ)۔
اخیر میں معمر بن راشد (متوفی ۱۵۳ھ) ہے جو ابنِ اسحاق کے معاصرین میں سے ہے۔ ابن ندیم نے (الفہرست ۹۴) اس کی طرف کتاب المغازی منسوب کی ہے جو ہمیں نہیں ملی۔ اس کی ایک کتاب 'الجامع فی الحدیث' بھی ہے جس کے دو قلمی نسخے ترکی میں ہیں۔ اگر ہمیں پہلے مولفین کی سیرت کی کتابیں دستیاب ہو جاتیں اور اسی طرح ابنِ اسحاق کی مکمل کتاب بھی ہمیں مل جاتی تو ہمارے لیے یہ دیکھنا ممکن تھا کہ اسلوبِ تالیف میں کیا تبدیلی واقع ہوئی اور بالخصوص ابنِ اسحاق میں مقابلۃً کیا فضائل و خصوصیات ہیں۔ اب ہم اس نکتہ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنے مولف کے دوسرے حالات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ابنِ اسحاق :

وہ محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ ابن یسار بن کوتان ہیں۔ ان کی موالات مطلبی ہے یعنی وہ آل قیس بن مخرمہ بن مطلب بن عبد مناف کے آزاد کردہ ہیں۔

ابنِ سعد نے (الطبقات ۷/۲ صفحہ ۶۲ میں) یہ کہا: "ان کا دادا یسار جنگ عین التمر کے قیدیوں میں تھا"۔ ابنِ قتیبہ نے (المعارف صفحہ ۲۴۷ میں) یہ اضافہ کیا ہے: "وہ عین التمر کے ان قیدیوں میں تھا جو خالدؓ بن ولید نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف مدینہ بھیجے"۔ اور خطیب بغدادی نے (تاریخ بغداد ۱/۲۱۶) کہا: "یسار نہیں بلکہ اس کے باپ کا نام خیار تھا جو ابن مخرمہ کا آزاد کردہ تھا۔ اس نے یہ روایت ہیثم بن عدی اور مدائنی سے نقل کی۔ شاید یہ زیادہ صحیح ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کوفان نے اسلام قبول کر لیا ہو اور اس کے مالک نے اس کا نام خیار رکھ دیا ہو۔ عین التمر کی جنگ بصرہ کے قریب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں ۱۲ھ میں ہوئی۔ ممکن ہے خیار اس وقت لڑکا ہو اور اس کے ہاں یسار ۲۰ھ کے لگ بھگ اور اس کا پوتا اسحاق ۵۰ھ میں اور ہمارا مولف محمد ۸۵ھ میں پیدا ہوا ہو۔ امام بخاری نے (تاریخِ کبیر میں) کہا کہ ابنِ اسحاق کی کنیت ابوبکر ہے۔ اور ابنِ سعد نے (طبقات میں) کہا کہ وہ ابوعبداللہ ہے۔ ان دونوں اقوال میں یہ اختلاف باقی ہے۔ خطیب بغدادی نے (۱/۲۱۶-۲۱۷) اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

خطیب بغدادی نے (۱/۲۱۵) عبداللہ بن جعفر بن درستویہ کی وساطت سے یعقوب بن سفیان کی یہ روایت نقل کی کہ ابن اسحاق فارسی ہے، لیکن بکری (اس ڈکشنری میں جو عجمیوں میں گھل مل کر عجمی بن جانے والوں سے متعلق ہے۔ مادہ عین التمر کے ذیل میں) صراحت کرتا ہے: "عین التمر کے ایک گرجے میں خالدؓ نے عرب لڑکے دیکھے جو کسریٰ کے پاس گروی تھے اور وہ شام و عراق میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان ہی میں کلبی عالمِ نسابت کا دادا اور محمد بن اسحاق صاحب المغازی کا دادا تھا۔ شاید اسی وجہ سے بعض مستشرقین گمان کرتے ہیں کہ ابن اسحاق کا دادا نصرانی تھا۔ عربوں کے وہ بچے جو ایران میں گروی تھے ان کی تصدیق کیے بغیر ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم وثوق سے کہہ سکیں کہ ابن اسحاق انجیل کے جید عالم تھے اور انہوں نے یہ علم اپنے دَور کے علماً سے حاصل کیا تھا نہ کہ اپنے اجداد سے۔ مثال کے طور پر انہوں نے انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا ذکر کیا (بحوالہ سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۴۹-۱۵۰) اور کہا کہ مُنْحَمَنَّا کے معنی سریانی میں محمد اور یونانی میں برقلیطس ہیں۔ اور یہ مکاشفاتِ یوحنا (عہدِ جدید ۱۴/۱۲/۱۷) میں مذکور ہے (نیز بنی موعود کے ذکر میں یہاں ۱۵/۲۶-۱۹/۷ - ۳۰ کی طرف رجوع کیا جائے)۔ اسی طرح ذہبی نے میزان الاعتدال (۳/۲۳) میں یہ نقل کیا ہے، یونس بن بکیر نے ابنِ اسحاق کے حوالہ سے عبدالرحمان بن حارث سے اور اس نے ابی سلمہ کی وساطت سے ابن عمر کی یہ روایت بیان کی کہ انہوں نے حضرت ابن عباس کے پاس کسی شخص کو

بھیج کر دریافت کیا: "کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟" حضرت ابن عباسؓ نے کہلا بھیجا: "ہاں، آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کو ایک سرسبز سنہری فرش والے باغ میں سونے کی کرسی پر دیکھا جسے چار فرشتے اٹھائے ہوئے تھے ایک فرشتہ کی شکل مرد کی، دوسرے کی شیر کی اور تیسرے کی بیل کی تھی اور چوتھا فرشتہ عقابی شکل کا تھا"۔ یہ بھی مکاشفاتِ یوحنا (۴/۱-۷) میں سے ہے اسی طرح کا ذکر امیہ بن ابی صلت نے اپنے قبلِ اسلام کے اشعار میں کیا ہے۔ یہ اسرائیلی روایات میں سے نہیں ہے بلکہ نصرانیات میں سے ہے اور یہ روایات اسلامی ادب میں داخل ہوگئیں۔ اسی طرح ابن اسحاق نے توراۃ سے ہابیل کا قصہ نقل کیا (تاریخ طبری ۱/۱۴۱ = توراۃ کتاب التکوین ۴/۹-۱۶) اور یوسف علیہ السلام کی عمر نقل کی (تاریخ طبری ۱/۴۱۳ = کتاب التکوین ۵۰/۲۲) اور نوح علیہ السلام کی کشتی کا ذکر کیا (الطبری ۱/۱۸۹-۲۱۲ = کتاب التکوین ۶/۴۴)۔

ان کے دو چچا تھے۔ طبری نے (ذیل تاریخ طبری سلسلہ ۳، ص ۲۵۱۲-۲۵۱۳ میں) یہ ذکر کیا ہے: "ان کے باپ اسحاق بن یسار اور دو چچاؤں موسیٰ اور عبدالرحمان پسران یسار سے مروی ہے کہ ابنِ اسحاق مغازی یعنی مغازیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عربوں کی جنگوں اور ان کے اخبار و انساب کے علمأ میں سے تھا، نیز عربوں کے اشعار کا راوی، کثیر الحدیث، وسیع العلم، بہت زیادہ علم حاصل کرنے والا اور علم میں پیشرو تھا اور ان سب حیثیتوں میں ثقہ تھا۔"

ان کے باپ اسحاق نے صبیح مولیٰ حویطب بن عبدالعزیٰ کی بیٹی سے نکاح کیا جیسا کہ قسطلانی (۴/۳۲۸) نے ذکر کیا۔

خطیب بغدادی (۱/۲۱۴) نے کہا کہ ابن اسحاق کے دو بھائی ابوبکر اور عمر تھے۔ اور جاعیلی نے اپنی کتاب "الکمال فی معرفۃ الرجال" (مخطوطہ برلن) میں یہ اضافہ کیا کہ محمد بن اسحاق ان سب سے بڑے تھے اور یہ کہ ان کا بھائی عمر ان کے ایک سال یا دو سال بعد فوت ہوا۔ (اس مخطوطہ کو وسٹنفیلڈ نے سیرت ابن ہشام کے مقدمہ میں نقل کیا ہے)۔

ابن ندیم نے فہرست میں (ص ۹۲) اور یاقوت نے معجم الادبأ میں واقدی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ابن اسحاق خوبرو تھے۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ان کے حالاتِ زندگی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ بھینگے تھے۔ اور خطیب (۱/۲۲۶) نے کہا کہ وہ سیاہ خضاب لگایا کرتے تھے۔

تذکرۃ الحفاظ (۱/۱۶۴) اور میزان الاعتدال (۳/۲۲) میں ابن عدی کے حوالہ سے ذہبی کی یہ روایت انہیں مطعون کرتی ہے کہ ابن اسحاق مرغوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔

اس سے زیادہ ہتک آمیز وہ روایت ہے جسے ابن ندیم نے "حُکِیَ — یعنی حکایت کی گئی" کے کلمہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور جسے یاقوت نے اپنے الفاظ میں واقدی کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ روایت یہ ہے: "محمد بن اسحاق مجلس کے آخر میں خواتین کے قریب بیٹھا کرتے تھے۔" یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ وہ خواتین سے باہم

قصہ کہانی کہتے تھے۔ اور ابن ندیم نے کہا کہ وہ خواتین کے ساتھ عشق و محبت کی بات چیت کیا کرتے تھے۔ انہیں ہشام[1] کے پاس لے جایا گیا جو اس وقت مدینہ کا امیر تھا۔ ابن اسحاق کے بال بہت خوب صورت تھے۔ ہشام نے ان کے بالوں کو پتلا کر دیا اور انھیں دُرے لگائے اور انہیں وہاں بیٹھنے سے منع کر دیا۔ وہ نہایت خوب رُو تھے۔" شاید یہ بے جا بات ہے یا اس کا سبب معاصرین کی منافرت ہے کہ خطیب بغدادی (۱/۲۲۵) نے ابن ابی حازم اور عبدالعزیز بن محمد دراوردی کے حوالہ سے یہ روایتیں بیان کیں: "ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ محمد بن اسحاق بھی تھے۔" دُوسری روایت میں یہ ہے: "ہم ابن اسحاق کی مجلس میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔" راوی نے کہا: "والی کی آمد تھی اور والی سے قبل عون آیا اور اس نے پوچھا: تمہارے ساتھ یہ کون بیٹھا ہوا ہے؟ ہم نے کہا: یہ محمد بن اسحاق ہیں۔ بقول راوی عون نے انہیں گرفتار کر لیا، پھر ہم نے دیکھا کہ ان کی گردن میں ایک رسّی تھی اور وہ دارِ مروان (یعنی دار الامارت) سے ہمارے پاس سے گزرے یہاں تک کہ انہیں مسجد میں داخل کیا گیا اور دوسرے دروازے سے نکالا گیا۔" خطیب نے ابن ابی زنبر کے حوالہ سے اس میں اضافہ کیا کہ یہ ان پر قدریہ ہونے کا اتہام تھا حالانکہ قدری عقیدہ سے ان کا دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ذہبی نے میزان الاعتدال (۳/۲۱) میں یہ روایت نقل کی کہ ابو داؤد نے کہا: محمد بن اسحاق قدری معتزلی تھے۔" خطیب بغدادی (۱/۲۲۴) نے کہا: "بہت سے علمأ نے منجملہ دیگر اسباب کے ابن اسحاق کی روایات سے استدلال کرنے سے اس بنا پر گریز کیا کہ وہ شیعہ تھے۔" یاقوت نے (معجم الادبأ میں) کہا: "یحییٰ بن سعید بن قطان سے روایت ہے کہ محمد بن اسحاق، حسن بن ضمرہ اور ابراہیم بن محمد یہ سب اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتے تھے اور حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر ترجیح دیتے تھے۔" اس کے جواب میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ابنِ اسحاق سے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا۔

ان کی تاریخ وفات کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے جو ۱۵۰ھ سے ۱۵۴ھ تک پھیلا ہُوا ہے۔ شمس الدین ذہبی نے عبر میں ۱۵۱ھ کو ترجیح دی اور کہا کہ یہی قول صحیح ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی یہی کہا۔ اس بحث میں مذکور مختلف روایات میں یہ ہے کہ طبری نے (اپنی تاریخ کے ذیل میں سلسلہ ۳، ص ۲۵۱۳ پر) یہ روایت نقل کی: "ابنِ سعد نے کہا: مجھے محمد بن اسحاق کے بیٹے نے بتایا کہ میرے والد ۱۵۰ھ میں بغداد کے مقام پر فوت ہُوئے اور خیزران کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔" جہاں تک ابنِ سعد کا تعلق ہے اس نے طبقات (جلد ۷/۲، صفحہ ۶۷) میں کہا کہ وُہ (یعنی ابن اسحاق) ۱۵۱ھ میں فوت ہُوئے۔ اور خطیب بغدادی نے یہ دونوں تاریخیں روایت کی ہیں اور علی مدینی وغیرہ کی روایت سے ۱۵۲ھ اور خلیفہ بن خیاط کے حوالہ سے ۱۵۳ھ کا اضافہ کیا ہے۔ ابن خلکان نے کہا: "کہا گیا کہ تاریخ وفات ۱۵۴ھ ہے۔" یاقوت

---

[1] ہشام ۸۲ھ سے ۸۶ھ تک مدینہ منوّرہ کا والی رہا حالانکہ ابن اسحاق ۸۵ھ میں پیدا ہوئے، اس لیے یہ قصہ صحیح نہیں ہے الّا یہ کہ ہشام سے مراد اسماعیل بن ہشام ہو جو ۱۰۲ھ تا ۱۰۴ھ مدینہ منورہ کا والی تھا۔ محمد حمید اللہ

نے (معجم الادباءمیں) کہا: "وہ خیزران کے قبرستان میں ابوحنیفہؒ کی قبر کے پاس دفن کیے گئے۔" حالانکہ ابوحنیفہؒ کی قبر کے متعلق اب تک مشہور ہے کہ وہ اعظمیہ میں ہے۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں بالتفصیل لکھا کہ انہیں خیزران کے قبرستان کے مشرقی جانب دفن کیا گیا اور یہ قبرستان ہارون الرشید کی والدہ خیزران اور ہارون کے بھائی ہادی کی طرف منسوب ہے۔ یہ قبرستان خیزران کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا کہ خیزران وہاں مدفون ہے۔ یہ قبرستان دجلہ کی مشرقی جانب واقع تمام قبرستانوں میں سب سے مقدم ہے۔

درس و تدریس

محمد بن اسحاق مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور تقریباً تیس سال تک وہاں رہے۔ خطیب بغدادی (۱/۲۱۵) نے کہا:
"یہ حقیقت ہے کہ محمد بن اسحاق نے انس بن مالکؓ، سعیدؒ بن مسیّبؒ کو دیکھا۔ اور قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ صدیق، ابان بن عثمانؓ بن عفان، محمد بن علی بن حسین بن علیؓ بن ابی طالب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؓ بن عوف، عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج، نافع مولیٰ عبداللہؓ بن عمر اور محمد بن مسلم بن شہاب وغیرہم سے علم حاصل کیا۔ اور یوحان فوک نے اپنے رسالہ (ص ۶۷ - ۸۳) میں کہا کہ انہوں نے عاصم بن قتادہ اور عبداللہ بن ابی بکر (متوفی ۱۳۰ھ یا ۱۳۵ھ) سے بھی تعلیم حاصل کی۔ اور یزید بن رومان (تلمیذ عروہ بن زبیر) کے حلقۂ درس میں بھی رہے۔ اور تفسیر کا درس محمد بن ابی احمد اور مغیرہ بن لبید سے لیا اور اسرائیلیات کے بارے میں معلومات وہب بن منبہ سے حاصل کیں۔ سیرت ابن ہشام میں غیر معروف اساتذہ کو حذف کر کے ابن اسحاق کے ایک سو شیوخ کا ذکر موجود ہے۔

جماعیلی (مخطوطہ برلین) نے یہ کہا: "وہ ۱۱۵ھ میں اسکندریہ آئے۔ اہل مصر کی ایک جماعت نے ان سے روایت کی..... اہل مصر میں سے جنہوں نے ان سے روایت کی ان میں سے اکابر یزید بن ابی حبیب اور قیس بن ابی یزید ہیں۔" (جہاں تک ابن حجر کا تعلق ہے اس نے تہذیب التہذیب ۹/۴۴ میں کہا کہ اسکندریہ میں ان کی آمد ۱۱۹ھ میں تھی)۔ اس بات کا احتمال ہے کہ جب ان کے حاسدوں نے ان پر قدری ہونے کا بہتان باندھا اور مدینہ کے والی نے انہیں کوڑے لگائے تو انہوں نے اس وقت مدینہ کو خیرباد کہا۔ یہ بھی لازمی ہے کہ وہ شہرت کے حامل ہوں گے۔ اسی وجہ سے علماء مصر نے ان کا استقبال کیا یہاں تک کہ زہری جو ان کے استاذ ہیں وہ بھی ان کے بہت بڑے مداح ہیں۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں یہ ذکر کیا ہے کہ "ابن شہاب زہری نے کہا: جو مغازی کا علم حاصل کرنا چاہتا ہو اسے ابن اسحاق کے پاس جانا چاہیے..... اور زہری کے بارے میں حکایت کی گئی ہے کہ "وہ اپنے ایک گاؤں کی طرف گیا۔ حدیث کے طالب علم بھی ان کے پیچھے وہاں چلے گئے تو زہری نے ان سے کہا کہ تم نے اس بھینگے لڑکے کی طرف کیوں رجوع نہیں کیا؛ یا یہ کہا کہ میں تمہارے لیے اس بھینگے لڑکے کو یعنی ابن اسحاق کو پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اور ساجی نے ذکر کیا ہے کہ زہری کے اصحاب کو جب زہری کی کسی حدیث کے بارے میں شک لاحق ہوتا تو وہ ابن اسحاق کی رہنمائی

حاصل کرتے تھے جو حفظِ حدیث میں ان سب سے زیادہ ثقہ تھا۔" اور خطیب بغدادی (۱/ ۲۱۹ - ۲۲۰) نے کہا: "سفیان بن عُیینہ سے روایت ہے کہ میں نے زہری کو دیکھا ان کے پاس محمد بن اسحاق آئے۔ زہری نے ان کو دیر کے بعد پایا اور پُوچھا: "تم کہاں رہے؟" محمد بن اسحاق نے جواب دیا: "کیا آپ کے دربان کی موجودگی میں آپ کے پاس کوئی پہنچ سکتا ہے؟" راوی نے کہا: زہری نے دربان کو بلایا اور اسے کہا کہ جب محمد بن اسحاق آئیں تو انہیں روکا نہ کرو۔ ابنِ عیینہ نے کہا: ابوبکر ہذلی کا بیان ہے کہ میں نے زہری کو یہ کہتے ہوئے سنا: مدینہ منورہ میں اس وقت تک بہت زیادہ علم رہے گا جب تک اہلِ مدینہ میں ابنِ اسحاق موجود ہیں .... سفیان بن عیینہ نے کہا: زہری کا بیان ہے کہ مدینہ منورہ میں اس وقت تک بچے کھچے لوگوں کا علم رہے گا جب تک وہاں ابنِ اسحاق موجود ہیں۔ سفیان نے کہا: ابن شہاب سے مغازی کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا: یہ یعنی ابنِ اسحاق مغازی کا سب سے بڑا عالم ہے۔ شافعیؒ نے کہا: جو شخص مغازی میں تبحر حاصل کرنا چاہتا ہے اسے ابن اسحاق کی طرف رجوع کیے بغیر چارہ نہیں ..... میں نے یحییٰ بن معین سے محمد بن اسحاق کے متعلق سوال کیا۔ اس نے کہا: "عاصم بن قتادہ کا بیان ہے کہ لوگوں میں اس وقت تک علم موجود رہے گا جب تک محمد بن اسحاق زندہ ہے .... میں نے ابو معاویہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ محمد بن اسحاق سب لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والا تھا۔ جب کسی شخص کے پاس پانچ یا اس سے زیادہ احادیث ہوتی تھیں تو وہ انہیں محمد بن اسحاق کے سپرد کر دیتا تھا اور انہیں کہتا تھا کہ ان کو محفوظ رکھیں، کیونکہ اگر میں بھول گیا تو آپ انہیں یاد رکھیں گے ..... عبداللہ بن فائد نے کہا: جب ہم محمد بن اسحاق کی مجلس میں ہوتے اور وہ علم کے کسی شعبہ کو شروع کرتے تو وہ سارا اجلاس اسی بحث کی نذر ہو جاتا۔ جماعیلی نے (برلن کے مخطوطہ میں) یہ اضافہ کیا ہے کہ فلیح بن سلیمان نے کہا: "میں اکثر دیکھتا تھا کہ ابنِ شہاب مغازی سے متعلقہ مسائل کے بارے میں ابنِ اسحاق سے پوچھا کرتے تھے۔" اور ابن حجر (تہذیب التہذیب ۹/ ۴۰) نے کہا: علی المدینی کا بیان ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا مدار چھ باتوں پر ہے جن کا اس نے ذکر کیا اور پھر کہا کہ ان چھ باتوں کا علم بارہ علماً کے پاس ہے جن میں اس نے محمد بن اسحاق کا ذکر بھی کیا۔ مدینہ میں محمد بن اسحاق کے تلامذہ میں ابراہیم بن سعد محدث بھی تھے۔ ابنِ حجر نے (تہذیب التہذیب ۹/ ۴۱ - ۴۲) میں کہا: "امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ مجھے ابراہیم بن حمزہ نے بتایا: ابراہیم بن سعد محدّث کے پاس محمد بن اسحاق کی احکام سے متعلق مرویات (ماسوائے مغازی کے) تقریباً سترہ ہزار تھیں۔ اور ابراہیم بن سعد کے پاس اہلِ مدینہ میں سے حدیث کا سب سے زیادہ ذخیرہ تھا ...... اور امام بخاریؒ نے یہ بھی کہا کہ محمد بن اسحاق کے پاس ایک ہزار ایسی احادیث تھیں جو کسی دوسرے کے پاس نہ تھیں۔

جب ابن اسحاق مصر کی طرف چلے گئے تو یہ متاخرین بنی امیہ کا دَور تھا اور فتنہ و مظالم کا پُر آشوب زمانہ تھا۔ جب ۱۳۲ھ میں ان کی حکومت جاتی رہی تو ہم ابن اسحاق کو دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس دیکھتے ہیں (جس کا دورِ حکومت ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ ہے)۔ ابنِ سعد (جلد ۷/ ۲، صفحہ ۶۲) نے کہا: وہ ابتدا میں مدینے سے

چلے گئے اور پھر کوفہ، جزیرہ، رے اور بغداد آئے اور زندگی کے آخری ایام تک وہیں قیام کیا۔ اس بات کا احتمال[1] کہ وہ مدینہ واپس نہیں آئے بلکہ مصر سے عراق اور ایران کی طرف چلے گئے لیکن ہمارے لیے یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ علاقوں میں سب سے پہلے انہوں نے کس جگہ کا سفر کیا۔

خطیب بغدادی (۱/۲۲۶) نے مکی بن ابراہیم کی یہ روایت بیان کی کہ اس نے محمد بن اسحاق سے رے بیس لیکچر سُنے (پھر اس نے انہیں چھوڑ دیا کیونکہ انہوں نے اللہ کی صفات کے متعلق ایسی احادیث بیان کیں جن سے اس کا دل مطمئن نہ ہوا)۔ ابن سید الناس (۱/۱۲) نے بارہ مجلسوں کا ذکر کیا ہے۔

یاقوت (معجم الادبا) نے کہا: "محمد بن اسحاق جزیرہ میں عباس بن محمد کے پاس تھے اور ابوجعفر منصور کے پاس جانا چاہتے تھے پھر اس کے لیے انہوں نے کتاب المغازی لکھی۔" عباس منصور کا بھائی تھا اور ۱۴۲ھ میں جزیرہ کا والی تھا۔

ابن قتیبہ (المعارف، ۲۴۷) نے کہا: "محمد بن اسحاق ابوجعفر منصور کے پاس حیرہ میں آئے اور اس کے لیے کتاب المغازی لکھی۔ اسی سبب سے اہلِ کوفہ نے ان سے یہ کتاب سنی۔ خطیب بغدادی (۱/۲۲۱-۲۲۲) نے اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی: میں نے عمار کو یہ کہتے ہوئے سنا محمد بن اسحاق مہدی کے ہاں گئے اس وقت مہدی کے پاس اس کا بیٹا تھا، اس نے ابنِ اسحاق سے کہا: "اے ابنِ اسحاق! کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟ ابنِ اسحاق نے کہا: ہاں، یہ امیر المومنین کا فرزند ہے۔ مہدی نے کہا: آپ جائیں تو اس کے لیے ایک ایسی کتاب تصنیف کریں جس میں اللہ تعالیٰ کے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے لے کر اب تک کے حالات درج ہوں۔ راوی نے کہا: انہوں نے جاکر یہ کتاب تصنیف کی۔ مہدی نے کہا: اے ابنِ اسحاق! آپ نے بڑی طویل کتاب لکھی ہے آپ جاکر اسے مختصر کریں۔ چنانچہ یہ مختصر کتاب ہے اور بڑی کتاب[2] امیر المومنین کے خزانہ میں رکھ دی گئی۔ حسن بن محمد مودب نے کہا: میں نے ابوالہ... کو یہ کہتے ہوئے سُنا: محمد بن اسحاق نے یہ کتاب مصر کی کاغذی چادروں پر لکھی۔ پھر یہ کاغذی چادریں سلمہ یعنی ابن الفضل کو منتقل ہوگئیں اور ان کاغذی چادروں کی وجہ سے ابن اسحاق کی کتاب کے بارے میں سلمہ کی روایت کو دوسروں کی روایت پر فضیلت حاصل ہے۔ شیخ ابوبکر (خطیب بغدادی) نے اس راوی کے حوالہ سے یہ کہا: "ابن اسحاق

---

[1] ہوروفتس کا گمان ہے کہ وہ کبھی کبھی مدینہ واپس آیا کرتے تھے اور اس دوران میں زہری سے ۱۲۵ھ میں اور سفیان بن عیینہ سے ۱۳۲ھ میں مدینہ میں ان کی ملاقات ہوئی (میں نے تاریخ بخاری اور ابن خلکان ۱/۶۱۲ سے رجوع کیا لیکن مجھے اس کا ثبوت نہیں ملا) ہوروفتس کا مقالہ مجلہ اسلامک کلچر (۲/۱۹۶-۱۸۲) میں ہے۔

[2] ابن اسحاق کی بڑی کتاب (الکتاب الکبیر) امام سہیلی کے پاس موجود تھی وہ گاہے گاہے اس کتاب سے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر الروض الانف ۱/۱۰ ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

مہدی کے ہاں گئے اور اس وقت اس کے پاس اس کا لڑکا تھا۔ میرے نزدیک یہ روایت محلِ نظر ہے۔ شاید اس کے بیان کا منشا یہ ہو کہ ابن اسحاق منصور کے ہاں گئے اور اس کے پاس اس کا لڑکا مہدی تھا۔ کیونکہ یہ بات صحت کے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔" اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ ابن اسحاق ولیعہد خلافت مہدی کے پاس رے میں گئے ہوں جو ابن اسحاق کی وفات سے قبل رے میں سکونت پذیر تھا۔

کوفہ شہر حیرہ ہی کی تعمیر جدید ہے۔ اس وقت بغداد کی تاسیس نہیں ہوئی تھی۔ جب منصور نے ۱۴۶ھ میں بغداد کی بنیاد رکھی تو ابن اسحاق نے بھی یہاں سکونت اختیار کی اور وہ وہیں دفن ہوئے۔ وہ بغداد کے ابتدائی ساکنان میں سے ہیں۔ جب خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد لکھی تو اس نے مشاہیر کے حالاتِ زندگی کی پہلی قسم (۱/۲۱۴) میں لکھا: "شیخ ابوبکر خطیب کا بیان ہے کہ مدینۃ السلام کے رہنے والوں اور وہاں آنے والوں میں سے جو اشخاص اسم محمد سے موسوم ہیں ان میں محمد بن اسحاق سے زیادہ عمر رسیدہ، اعلیٰ مسلمان اور سب سے پہلے فوت ہونے والا میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ ان ہی اسباب کی وجہ سے جو محمد بن اسحاق کی ذات میں مجتمع تھے میں نے اپنی کتاب کا افتتاح ان کے نام سے کیا ہے ان کے بعد ان لوگوں کے نام لکھے ہیں جو ان کے حالاتِ زندگی سے متعلق ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی اور ان کے علاوہ دوسری باتوں کا لحاظ کیا جاتا تو محمد بن احمد اس بات کے سب سے زیادہ مستحق تھے کہ ان کے نام سے ابتدا کی جاتی کیونکہ انہوں نے ہمارے لیے ہمارے ان شیوخ کے نشاناتِ قدم کو باقی رکھا جو امام ہیں۔ اور اللہ ہی ہمیں غلطیوں سے بچانے والا اور نیکیوں کی توفیق دینے والا ہے۔

ابن اسحاق اور امام مالکؒ و ہشام بن عروہ کی منافرت

ابن سید الناس (۱/۱۶-۱۷) اور ابن حجر (۹/۴۵) نے ابی حاتم بن حبان کے حوالہ سے کتاب الثقات میں ابن اسحاق کے متعلق یہ روایت نقل کی: "دو آدمیوں ——— امام مالکؒ اور ہشام نے ابن ہشام کے بارے میں کلام کیا ہے۔ ہشام نے فاطمہ (زوجہ ہشام) سے ابن ہشام کی سماعت کا انکار کیا۔ جہاں تک امام مالک کا تعلق ہے ابن اسحاق نے ایک دفعہ ان کی تذلیل کی اور پھر اسے دہراتے رہے اور ان کے حق کا انکار کرتے رہے۔ وہ اس طرح کہ مدینہ منورہ میں لوگوں کے انساب اور ان کی لڑائیوں کے متعلق ابن اسحاق سے زیادہ جاننے والا اور کوئی نہ تھا۔ ابن اسحاق کا گمان تھا کہ امام مالکؒ ذی اصبح کے آزاد کردہ غلاموں میں سے ہیں اور امام مالکؒ اپنے آپ کو (حمیر کی شاخ) اصبح میں سے سمجھتے تھے۔ اس معاملہ میں ان دونوں کا ایک دفعہ مناظرہ بھی ہوا۔ جب امام مالکؒ نے (حدیث کی کتاب) مؤطا تصنیف کی تو ابن اسحاق نے کہا:

"ایتونی بہٖ فانا بیطارہٗ۔" یہ کتاب میرے پاس لاؤ اس کا ناقد تو میں ہوں۔

یہ بات امام مالکؒ کو پہنچی تو انہوں نے کہا:

هذا دجال من الدجاجلۃ یروی عن الیہود۔	یہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے ، یہودیوں کی روایات نقل کرتا ہے۔

ان دونوں حضرات میں ایسی چپقلش تھی جو معاصرت کی وجہ سے لوگوں کے درمیان ہوا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ محمد بن اسحاق نے عراق کی طرف کوچ کا ارادہ کر لیا اس وقت دونوں باہم راضی ہو گئے۔ ابن اسحاق نے جب کوچ کیا تو امام مالکؒ نے انہیں پچاس دینار دئے اور مزید برآں اس سال کی اپنے پھلوں میں سے نصف پیداوار عطا کی۔ امام مالکؒ حدیث کی وجہ سے ابن اسحاق پر عیب نہیں لگاتے تھے بلکہ وہ اس لیے ان کا انکار کرتے تھے کہ وہ غزوات نبوی سے متعلق یہودیوں کی ان اولادوں کی روایات نقل کرتے تھے جو مسلمان ہو چکے تھے اور جنہیں خیبر، قریظہ اور نضیر کی جنگوں کے حالات اور اپنے آباء و اجداد کے متعلق اسی طرح کے عجیب و غریب واقعات یاد تھے۔ ابن اسحاق یہ روایات معلوم کرنے کے لیے ان کا تتبع کرتے تھے اور اس بات کا التزام نہ کرتے تھے کہ وہ قابل اعتماد بھی ہیں۔ لیکن امام مالکؒ صرف ثقہ اور پختہ لوگوں کی روایات نقل کرتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ امام مالکؒ کے نسب کے بارے میں ابن اسحاق نے کبھی معذرت پیش نہیں کی۔ اس ضمن میں زہری وغیرہ سے بھی کچھ نہ کچھ بیان کیا گیا ہے۔"

خطیب (۱/۲۲۳) نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے: "جب ابن ادریس (اودی) نے امام مالکؒ سے ابن اسحاق کے قول کا ذکر کیا کہ میں ان کتابوں کا ناقد ہوں تو امام مالکؒ نے کہا: "کیا اس نے تمہیں یہ کہا ہے کہ میں ان کتابوں کا ناقد ہوں؟ ہم نے تو اسے مدینہ منورہ سے نکال دیا ہے۔" اور خطیب (۱/۲۲۴) نے یہ بھی کہا: "ابن ابی ذئب، عبدالعزیز بن ماجشون، ابن ابی حازم اور محمد بن اسحاق حضرت امام مالکؒ بن انسؒ کے بارے میں کلام کیا کرتے تھے اور اس بارے میں سب سے زیادہ متشدد محمد بن اسحاق تھے وہ کہا کرتے تھے:

ایتونی ببعض کتبہ حتی ابین عیوبہ انا بیطار کتبہ۔	مالکؒ کی کوئی کتاب میرے پاس لاؤ تاکہ میں ان کے عیوب واضح کروں، ان کی کتابوں کا ناقد تو میں ہوں۔

اس قصہ میں تواریخ کا مذکور نہیں ہے۔ ابن سیدالناس نے ان دونوں حضرات کی مصالحت کے متعلق ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابن اسحاق کی مدینہ سے روانگی سے قبل کا واقعہ ہے۔ اور خطیب نے امام مالکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم نے اسے مدینہ منورہ سے نکال دیا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ابن اسحاق کے چلے جانے کے بعد پیش آیا۔ یا ہو سکتا ہے کہ ابن اسحاق نے امام مالکؒ کی کتابوں کے متعلق یہ تبصرہ مدینہ میں رہتے ہوئے اور مدینہ سے چلے جانے کے بعد دوبار کیا ہو اور ظاہر کہ یہ سب کچھ معاصرین کی منافرت کا نتیجہ ہے۔

ابن ہشام نے جب سیرت ابن اسحاق کی نوک پلک درست کی تو اس نے بھی کچھ چیزیں حذف کر دیں اور کہا (سیرۃ ابن ہشام ص ۴) کہ کچھ مضامین جو ابن اسحاق نے بیان کیے ہیں لیکن ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں ہے اور بعض ایسی چیزیں جن کا بیان کرنا نازیبا تھا اور بعض مضامین جن کے بیان سے کچھ لوگ غمگین ہوں انہیں ترک کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح ابنِ اسحاق اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان منافرت کا ذکر کیا گیا ہے:

"امام ابوحنیفہؒ اور محمد ابن اسحاق ابوجعفر منصور کے ہاں اکٹھے ہوئے۔ اہلِ کوفہ، مدینہ اور دیگر شہروں کے علماء اور فقہاء کو منصور نے ایک مشکل مسئلہ کے حل کے لیے بلایا ہوا تھا۔ اس نے امام ابوحنیفہؒ کو بھی بلا بھیجا تھا، اور انہیں ڈاک کی سواری پر بغداد لایا گیا تھا۔ منصور کو جو مشکل مسئلہ درپیش تھا اس کا حل صرف امام ابوحنیفہؒ ہی نے بتایا۔ جب قضیہ حل ہو گیا تو منصور نے امام کو اس غرض کے لیے روک لیا تاکہ عدالتی اور حکومتی امور ان کے سپرد کرے اور ان ہی کی وساطت سے احکام صادر ہوں اور ان کا نفاذ عمل میں آئے۔ منصور نے محمد بن اسحاق کو اس لیے روک لیا کہ وہ اس کے بیٹے مہدی کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں اور غزوات کے واقعات کو قلمبند کرے۔ راوی کا بیان ہے کہ ایک دن امام ابوحنیفہؒ اور محمد بن اسحاق دربار میں اکٹھے ہو گئے۔ محمد بن اسحاق اس وجہ سے امام موصوف سے حسد کرتے تھے کہ منصور امام صاحب کی عزّت و تکریم کرتا تھا اور انہیں اپنے ذاتی معاملات اور رعیت اور قاضیوں اور حکام کے معاملات میں اپنا مشیر مقرر کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ابن اسحاق نے امام ابوحنیفہؒ سے ایک مسئلہ دریافت کیا، ان کی غرض یہ تھی کہ اس ذریعہ سے امام صاحب کے بارے میں منصور کی رائے کو تبدیل کیا جائے۔ ابن اسحاق نے کہا: "اے ابوحنیفہ! اس شخص کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جس نے قسم کھائی کہ وہ فلاں کام کرے گا یا نہ کرے گا اور قسم کے ساتھ اِن شاء اللہ نہ کہا بلکہ قسم سے فارغ ہو جانے اور خاموشی اختیار کر لینے کے بعد اس نے اِن شاء اللہ کہا۔" امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا کہ ایسا استثناء جو قسم کھا لینے کے بعد ہو وہ مفید نہیں ہے اور صرف وہی استثناء قسم میں داخل سمجھا جائے گا جو قسم کے ساتھ ہو۔" ابن اسحاق نے کہا: "کیوں مفید نہ ہو گا جبکہ امیر المومنینؓ کے جدِ اکبر ابوالعباس عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ استثناء اگر قسم کے ایک سال بعد بھی ہو پھر بھی جائز ہے، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے:

واذکر ربك اذا نسیت ۔ یعنی جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کا ذکر کیا کیجئے۔

(الکھف ۔ ۲۴)

منصور نے محمد بن اسحاق سے پوچھا: "کیا ابوالعباسؓ نے اسی طرح فرمایا ہے؟" ابنِ اسحاق نے کہا: "ہاں۔" راوی کا بیان ہے کہ منصور غضبناک ہو کر امام ابوحنیفہؒ کی جانب متوجہ ہوا اور کہا: "کیا تم ابوالعباسؓ کی مخالفت کرتے ہو؟" امام ابوحنیفہؒ نے کہا: "میں ابوالعباسؓ کا مخالف نہیں ہوں بلکہ ابوالعباسؓ کے قول کی میرے پاس ایک صحیح تاویل ہے۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پہنچا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھائے اور استثناء کرے تو اس پر حدث نہیں ہے اور ہم اس سے وہ استثناء مراد لیتے ہیں جو قسم کے ساتھ موصول ہو اور یہ لوگ (یعنی ابنِ اسحاق وغیرہ) آپ کی خلافت کو برحق نہیں سمجھتے اور ابوالعباسؓ کے قول سے استدلال کرتے ہیں۔ منصور نے پوچھا: "یہ کیونکر؟" امام نے جواب دیا: "جب یہ لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں تو قسم کھاتے ہیں۔ ان کی یہ بیعت

تقیہ کے طور پر ہوتی ہے اور اس کے بعد وہ ان شاء اللہ کہہ لیا کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی قسم بے اثر ہو جاتی ہے اور وہ جب چاہیں آپ کی بیعت کا قلادہ گردن سے اتار پھینکتے ہیں اور ان پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں رہتا۔" منصور نے کہا: "کیا ایسا ہوتا ہے؟" امام نے کہا "ہاں۔" منصور نے کہا: "پکڑو اس کو یعنی محمد بن اسحاق کو۔" چنانچہ درباریوں نے محمد بن اسحاق کو گرفتار کر لیا اور ان کی چادر ان کے گلے میں ڈال کر انہیں لے گئے اور قید کر دیا (مناقب الامام الاعظم۔ موفق بن احمد مکی متوفی ۵۶۸ھ، ج ۱، ص ۱۴۲-۱۴۴ اور مناقب الامام الاعظم۔ کردری، ۱/۱۸۳-۱۸۴)۔ لیکن ابن فضل اللہ عمری نے (اپنی کتاب مسالک الابصار میں) اس قصہ کو ابن اسحاق کی بجائے حمید طوسی کی طرف منسوب کیا ہے شاید وہ زیادہ صحیح ہو۔

اور اسی طرح ابن اسحاق اور شرحبیل کے درمیان بھی منافرت تھی۔ ذہبی (میزان الاعتدال ۲/۲۱-۲۲) نے یہ ذکر کیا ہے: "ابن اسحاق نے ایک شخص سے پوچھا: شرحبیل بن سعد کی حدیث کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ابن اسحاق نے جواب دیا، کیا کوئی شخص اس سے بھی روایت کرتا ہے! یحییٰ نے کہا: ابن اسحاق پر تعجب ہے وہ اہل کتاب سے روایات اخذ کرتے ہیں لیکن شرحبیل سے نفرت کرتے ہیں۔"

جہاں تک ہشام بن عروہ کے قصہ کا تعلق ہے تو وہ بلاخلاف ساقط الاعتبار ہے۔ ہشام نے ابن اسحاق (کی فاطمہ زوجہ ہشام سے سماعت) کا جو انکار کیا ہے وہ مبالغہ غیرت کے سبب سے ہے۔ ہشام ۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۶ھ میں (باختلاف روایات) فوت ہوئے۔ اور ابن قتیبہ (المعارف ص ۱۱۵) نے کہا: "بیشک ہشام کی والدہ سارہ کنیز تھیں۔ وہ ابو جعفر منصور کے عہد خلافت میں کوفہ آئے۔ اہل کوفہ ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ ہشام نے وہیں وفات پائی۔" ابن قتیبہ (ص ۲۴۷) نے پھر کہا: "بے شک ابن اسحاق فاطمہ بنت منذر بن زبیر (زوجہ ہشام بن عروہ) سے روایت کرتے تھے۔ ہشام کو اس کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے ابن اسحاق کی سماعت کا انکار کیا اور کہا: کیا وہ میری عورت کے پاس آیا کرتا تھا؟" ابن ندیم (الفہرست۔ ۹۲) کی روایت میں ہے کہ ہشام نے کہا: یہ شخص کب آیا اور اس نے کب سماعت کی؟" خطیب بغدادی (۱/۲۲۲) کی روایت ہے: "سعید بن قطان کا قول ہے کہ میں نے ہشام بن عروہ کو محمد بن اسحاق کے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا: یہ دشمن خدا جھوٹا ہے، میری بیوی سے روایت کرتا ہے، اس نے اسے کب دیکھا؟" خطیب اور ابن سید الناس (ص ۱۰) سے یہ بھی روایت ہے کہ ہشام نے کہا: جب میں نے اس سے نکاح کیا تو اس کی عمر نو سال تھی اور اسے کسی مخلوق نے نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ اللہ عزّ وجل کو پیاری ہو گئی۔"

اور یہ غلط ہے عمر رضا کحالہ (اعلام النساء ۴/۱۴۶) نے آخرین کے باب میں تاکید کے ساتھ لکھا ہے کہ فاطمہ بنت منذر ۴۸ھ میں پیدا ہوئیں وہ ہشام بن عروہ کی چچا زاد تھیں۔ ہشام ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ فاطمہ کی عمر اپنے خاوند ہشام سے تیرہ سال زیادہ تھی اور ابن اسحاق سے سینتیس سال زیادہ تھی۔ ہشام بجائے اس کے کہ ابن اسحاق کے دعوائے سماعت حدیث کے متعلق اپنی زوجہ سے دریافت کرتے وہ غضبناک ہو کر ابن اسحاق کو برا بھلا

کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ابن اسحاق نے اس کے علاوہ کوئی قصور نہیں کیا کہ انہوں نے ہشام کی زوجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی۔ ممکن ہے ابن اسحاق نے فاطمہ زوجہ ہشام سے یہ حدیث اپنی ماں یا اپنی بہن یا اپنی بیوی کے لیے دریافت کی ہو۔ ابن سید الناس (۱/۱۳) نے یہ ذکر کیا ہے: " ابوالحسن قطان نے کہا: وُہ حدیث جس کی وجہ سے ابن اسحاق کی فاطمہ سے روایت کے بارے میں یہاں تک کلام ہوا ہے کہ ہشام نے ابن اسحاق کو کذاب کہا اور اس میں امام مالکؒ اور یحییٰ بن سعید نے بھی ہشام کی پیروی کی اور دُوسروں نے بھی ان کی تقلید میں ایسا ہی کیا وہ حدیث یہ ہے:

فلتقرصه ولتنضح مالو (اگر کسی عورت کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو اسے چاہیے کہ) تر، لتصل فیه۔[۱] اس کو انگلیوں سے رگڑ کر پانی بہا کر اچھی طرح دھو ڈالے کہ وہ دکھائی نہ دے پھر اس کپڑے میں نماز پڑھ لے۔

اس حدیث کے علاوہ ابن اسحاق کی اور حدیث بھی فاطمہ سے مروی ہے۔

اس بارے میں پہلے لوگوں کی رائے بھی یہی ہے۔ خطیب بغدادی (۱/۲۲۲-۲۲۳) اور ابن حجر (تہذیب التہذیب ۹/۴۱) نے یہ ذکر کیا ہے: عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا میں نے اپنے باپ سے ابن اسحاق کی حدیث بیان کی۔ تو انہوں نے کہا: ہشام نے اس کا انکار کیوں کیا؟ ہو سکتا ہے کہ ابن اسحاق نے اگر ہشام کی زوجہ سے اجازت حاصل کی ہو اور انہوں نے اجازت دے دی ہو اور (عبداللہ کا گمان ہے کہ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ) اس واقعہ کا علم ہشام کو نہ ہو۔ خطیب (ص ۲۲۹) نے اس پر یہ اضافہ کیا: اور علی مدینی نے کہا جو کچھ ہشام نے کہا وہ حجت نہیں ہے۔ شاید ابن اسحاق ہشام کی زوجہ کے پاس لڑکپن میں گیا ہو اور اس نے وہ حدیث سُنی ہو۔" اسی طرح ذہبی نے (میزان الاعتدال ۳/۲۲) میں کہا: " احمد بن حنبل نے اس کے جواب میں کہا: ہشام بن عروہ کو کیا معلوم کہ ابن اسحاق نے مسجد میں یہ حدیث فاطمہ سے سنی ہو یا لڑکپن کی عمر میں سنی ہو یا وہ ان کے ہاں گیا ہو اور پس پردہ یہ حدیث سنی ہو۔ اس میں کون سی ایسی بات ہے! وہ بڑھیا اور عمر رسیدہ عورت تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ابو داؤد نے مجھے بتایا کہ یحییٰ بن قطان نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحاق کذاب ہے۔ میں نے اس سے پُوچھا: "تجھے کیونکر معلوم ہوا؟" اس نے کہا: "مجھے وہیب نے بتایا۔" میں نے وہیب سے دریافت کیا: "تمہیں کس طرح معلوم ہوا؟" اس نے کہا: "مجھے مالک بن انس نے اس کی خبر دی۔" میں نے

---

[۱] اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح (کتاب الحیض، باب ۹ اور کتاب الوضوٗ، باب ۶۳) میں روایت کیا اور کہا: "عن مالک، عن ہشام بن عروہ، عن فاطمہ بنت المنذر۔" نیز اس حدیث کو ابو داؤد نے اپنی سنن (کتاب الطہارۃ، باب ۱۳) میں ایک دفعہ اسی اسناد کے ساتھ اور ایک دفعہ اس طرح "عن ابن اسحاق، عن فاطمہ، عن اسماءؓ" روایت کیا۔ چنانچہ حدیث کے مضمون میں کوئی خلاف نہیں ہے بلکہ مخالفت اس بارے میں ہے کہ ابن اسحاق نے یہ حدیث کس سے سُنی، آیا براہِ راست فاطمہ سے سنی یا ہشام بن عروہ وغیرہ کی وساطت سے۔ محمد حمید اللہ

مالک سے پوچھا: "آپ کو کیسے معلوم ہُوا؟" انہوں نے کہا: "مجھے ہشام بن عروہ نے بتایا۔" میں نے ہشام کو کہا: آپ کو کیسے معلوم ہُوا؟" انہوں نے کہا: "اس نے میری زوجہ فاطمہ بنت منذر سے حدیث بیان کی حالانکہ جب میرے ساتھ اس کا نکاح ہوا تو اس کی عمر نو سال تھی اور ایسے کسی آدمی نے نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیاری ہوگئی۔۔۔" ذہبی نے اس میں یہ اضافہ کیا: ہم نے اس کا یہ جواب دیا اور اس شخص نے یہ نہیں کہا کہ اس نے اسے دیکھا تھا۔ کیا اس طرح کی قیاس آرائی کی بنا پر اہل علم میں سے کسی شخص کی تکذیب کے بارے میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یہ قیاس آرائی مردود ہے۔ پھر محمد بن سوقہ نے فاطمہ سے روایت کی ہے اور فاطمہ کی ایک روایت ام سلمہ اور فاطمہ کی جدہ اسماء (زوجہ زبیر) سے بھی ہے۔ پھر ہشام کا یہ قول کہ فاطمہ جب اس کے ہاں آئی تو اس کی عمر نو سال تھی بظاہر غلط ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کسی راوی سے یہ بیان پایۂ ثبوت کو پہنچا ہو۔ یقیناً ہشام کی بیوی اس سے تیرہ سال بڑی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اسے بیس یا تیس سال سے زیادہ کی عمر میں ہشام کے پاس بھیجا گیا ہو اور ابن اسحاق نے یہ حدیث اس وقت سنی ہو جب اس کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی۔ نیز ذہبی (ص ۲۴) نے یہ اضافہ بھی کیا ہے: یعقوب بن شیبہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن المدینی سے ابن اسحاق کے متعلق سوال کیا۔ اس نے جواب دیا: ان کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ میں نے کہا: لیکن مالکؒ نے اس میں کلام کیا ہے؟ اس نے کہا: مالکؒ ان کے ہم نشین رہے اور وہ انہیں اور مدینہ میں رونما ہونے والے واقعہ کے متعلق نہیں جانتے۔ میں نے کہا: ہشام بن عروہ نے بھی ابن اسحاق کے بارے میں کلام کیا ہے۔ اس نے کہا: ہشام کا قول حجت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ابن اسحاق ہشام کی زوجہ کے پاس اس وقت گیا ہو جب وُہ ابھی لڑکا تھا اور اس نے حدیث سُنی ہو۔ بلاشبہ اس کی حدیث میں سچائی نمایاں ہے۔ ابن حجر عسقلانی (تہذیب التہذیب ۹/۴۲) نے یہ روایت نقل کی ہے: "امام بخاریؒ نے مجھے بتایا اور علی بن عبداللہ مدینی نے مجھے کہا میں نے ابن اسحاق کی کتابوں میں غور کیا اور اس کی دو حدیثوں پر اپنی برہمی کے بارے میں تامل کیا۔ ممکن ہے کہ وہ دونوں حدیثیں صحیح ہوں۔ راوی نے کہا: مجھے اہلِ مدینہ میں سے کسی نے بتایا کہ ہشام بن عروہ کا یہ قول کہ ابن اسحاق میری زوجہ کے پاس (سماعت کے لیے) کیونکر جا سکتا ہے؟ اگر صحیح ہو تو اس بات کا جواز موجود ہے کہ ان کی بیوی نے ابنِ اسحاق کو وُہ حدیث لکھ کر بھیج دی ہو کیونکہ اہلِ مدینہ لکھ کر روایت کرنے کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ اور اس بات کا امکان بھی ہے کہ ابنِ اسحاق نے یہ حدیث سنی ہو اور ان دونوں کے درمیان پردہ حائل ہو۔ یہ روایت بخاریؒ کی ہے۔" پھر ابن حجر (ص ۴۵) نے یہ اضافہ کیا: اور سلیمان تیمی اور یحییٰ قطان اور وہیب بن خالد نے بھی ابنِ اسحاق کی تکذیب کی۔ وہیب اور قطان نے تو اس بارے میں ہشام بن عروہ اور مالکؒ کی تقلید میں ایسا کیا۔ سلیمان تیمی کے متعلق معلوم نہیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ ظاہر ہے کہ سلیمان نے حدیث کے علاوہ کسی دوسرے معاملہ میں تکذیب کی ہوگی کیونکہ سلیمان اہلِ جرح و تعدیل میں سے نہیں ہے اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا تیمیہ تھیں اور حضرت زبیرؓ بن عوام کی زوجیت میں تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ ابن اسحاق نے سلیمان تیمی سے ہشام بن عروہ بن زبیر کے

رشتہ داروں کے متعلق بات کی ہو اور اسے بھی ہشام کی طرح غیرت آ گئی ہو اور اس نے بھی وہی کچھ کہہ دیا جو ہشام نے کہا۔ لیکن باوجود اس بات کے جو ہشام بن عروہ نے ابن اسحاق کے متعلق کہی ابن اسحاق نے اپنی کتاب میں متعدد مرتبہ ہشام اور اسی طرح آلِ عروہ بن زبیر کے دُوسرے لوگوں سے روایت کی اور یہ چیز علم کے معاملہ میں ابن اسحاق کی عالی ظرفی کی دلیل ہے۔

ابنِ اسحاق کا طریقِ کار

محدثین نے ابن اسحاق پر سب سے بڑی طعنہ زنی جو کی ہے وہ یہ ہے کہ احادیث میں تدلیس کرتے ہیں۔ یعنی حدیث روایت کرتے وقت اسناد میں اپنے اصلی شیخ کو بیان نہیں کرتے۔ چنانچہ خطیب (ص ۲۲۹ - ۲۳۰) اور ابن سید الناس (ص ۱۱) اور ابن حجر (ص ۴۳) نے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام احمد بن حنبل نے محمد بن اسحاق کا ذکر کرتے ہوئے کہا: وہ ایسا شخص تھا جسے حدیث کی بہت اشتہا تھی وہ لوگوں کی کتابیں حاصل کر کے اپنی کتابوں میں شامل کر لیتا تھا...... میں نے احمد بن حنبل سے پوچھا: "اے ابوعبداللہ! جب ابن اسحاق کسی حدیث کے بارے میں منفرد ہو تو تم اس کی حدیث کو قبول کرو گے؟" امام نے جواب دیا: بخدا! نہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ وُہ ایک ہی حدیث میں متعدد لوگوں کی روایات شامل کر دیتا ہے اور ایک کے بیان کو دوسرے کے بیان سے علیحدہ نہیں کرتا۔ اور اسی طرح ابن سید الناس (ص ۱۰) نے ذکر کیا کہ ابن اسحاق کبھی مکمل اسناد بیان کرتا ہے اور کبھی متوسط راویوں کو حذف کر کے اوپر والے راوی کا ذکر کر دیتا ہے۔

لیکن یہ اسلوب اس فرق سے متعلق ہے جو حدیث اور تاریخ کے درمیان موجود ہے۔ حدیث میں مربوط قصہ مطلوب نہیں ہوتا بلکہ بیان کردہ واقعہ کی معرفت کے بارے میں ہر گواہ کی گواہی مطلوب ہوتی ہے۔ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اس کا انحصار تو حدیث پر ہے لیکن اس کی غرض یہ ہے کہ تاریخی حکایت کے متعلق ایک مکمل اور مربوط قصہ کے طور پر خبر بہم پہنچائی جائے بغیر اس چیز کے کہ کلام کو اسانید اور بیانات کے تکرار سے بوجھل کیا جائے۔ یہی اسلوب زہری کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔ تاریخ طبری (احوال ۶ھ، سلسلہ اولیٰ ص ۱۵۱۸ مطبوعہ یورپ) میں ہم یہ روایت پڑھتے ہیں: "ابن حمید نے سلمہ سے اور اس نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے زہری سے اور اس نے علقمہ بن وقاص لیثی سے اور اس نے سعید بن مسیب سے اور اس نے عروہ بن زبیر کی وساطت سے عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ کی روایت نقل کی۔ زہری کا بیان ہے کہ ہر راوی نے اس حدیث کو جستہ جستہ مجھ سے بیان کیا اور بعض راوی

لہ مثال کے طور پر سیرت ابن ہشام (مطبوعہ یورپ) صفحات ۱۴۴، ۲۰۵، ۲۷۷، ۴۱۳ اور ۶۵۰ ملاحظہ فرمائے جائیں۔ محمد حمید اللہ

دوسروں سے زیادہ یاد رکھنے والے اور سمجھدار تھے۔ چنانچہ جو کچھ مختلف لوگوں نے مجھ سے بیان کیا میں نے اس سارے مضمون کو یکجا کر دیا۔" اور ابن اسحاق زہری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور انہوں نے زہری کے اس منطقی اسلوب کی پیروی اختیار کی۔ زہری کے اس طریق کار پر کسی نے بھی اسے مطعون نہیں کیا بلکہ ان دونوں سے قبل یہ اسلوب عروہ بن زبیر نے اپنایا تھا۔ ہم مسند احمد بن حنبل میں یہ پڑھتے ہیں: "...... زہری نے عروہ بن زبیر سے اور اس نے مروان اور مسور بن مخرمہ سے روایت کی۔ ان میں سے ایک اپنے دوسرے ساتھی کی روایت پر اضافہ کرتا ہے ...." (۴/ ۳۲۳)۔ "...... عروہ بن زبیر نے مسور بن مخرمہ اور مروان سے روایت کی۔ ان میں سے ایک دوسرے ساتھی کی روایت پر اضافہ کرتا ہے ....." (۴/ ۳۲۸)۔ "...... زہری نے کہا: مجھ سے عروہ بن زبیر نے مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایت بیان کی۔ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی حدیث کی تصدیق کرتا ہے ....." (۴/ ۳۲۸)

اس ضمن میں اور مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں اور یہ چیز قابلِ التفات اور غور طلب ہے کہ مذکورہ جملہ مثالیں مسند احمد بن حنبل سے پیش کی گئی ہیں اور یہ وہ محترم امام ہیں جنہوں نے ابن اسحاق کے خلاف جو کچھ کہا اس وجہ سے کہا کہ ابن اسحاق ایک ہی حدیث میں متعدد لوگوں کی روایات شامل کر دیتے ہیں اور ایک کے بیان کو دوسرے کے بیان سے علیحدہ نہیں کرتے۔ حالانکہ امام احمد بن حنبل بذاتِ خود عروہ کی حدیث جب وہ تدلیس کے ساتھ روایت کی جائے تو قبول کر لیتے ہیں۔ شاید ابنِ اسحاق کو اس منہج کی وجہ سے مطعون نہ کیا جاتا اگر امام مالک اور ہشام بن عروہ کے ساتھ ان کی منافرت نہ ہوتی۔

مزید برآں بلند پایہ محدثین نے ابن اسحاق کی تعریف کی ہے۔ امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر جلد اول باب المحدین میں لکھا ہے: "مجھے ایسا کوئی شخص نہیں ملا جس نے ابنِ اسحاق پر اتہام لگایا ہو..... شعبہ کہتے ہیں، محمد بن اسحاق حفظِ حدیث کی وجہ سے امیر المحدثین ہیں۔ خلیب (ص ۲۲۸) سے منقول ہے کہ ابنِ اسحاق کو "امیر المومنین فی الحدیث" اور "سید المحدثین" کے القاب دئے گئے ہیں۔ اور جماعیلی (الکمال فی معرفۃ الرجال، مخطوطہ برلین) نے کہا: "ابو احمد بن علی نے کہا: محمد بن اسحاق کے پاس احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ ان سے لوگوں کے امام — شعبہ، ثوری، ابنِ عیینہ اور حماد بن سلمہ وغیرہم نے حدیث روایت کی ہے۔" ابن عدی نے کہا: اگر ابنِ اسحاق میں کوئی اور خوبی نہ ہوتی تو ان کی یہی فضیلت اس قدر گراں مایہ تھی کہ انہوں نے ان بادشاہوں کو جو فضول اور لاحاصل کتابوں کا مطالعہ کرنے میں منہمک رہتے تھے رسولؐ اللہ کے مغازی، مبعث اور تخلیقِ کائنات کی ابتدا کے بارے میں ایک ایسی کتاب کا گرویدہ بنا دیا جو انہوں نے سب سے پہلے اس مضمون پر لکھی۔ پھر ان کے بعد دوسرے لوگوں نے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں لیکن وہ ابنِ اسحاق کی کتاب کے معیار کو نہ پہنچ سکیں۔ میں نے ان کی کثیر احادیث کی تفتیش کی ہے لیکن ان میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جس کی قطع و برید ممکن ہو۔ گاہے گاہے ان سے غلطی کا صدور بھی ہوا ہے اور کسی نہ کسی چیز کو انہوں نے مشکوک بھی سمجھا ہے لیکن یہ ایسی غلطیاں ہیں جس طرح کی غلطیاں دوسرے بھی کرتے ہیں اور

اس میں کوئی حرج نہیں۔ ان سے روایت کرنے میں ثقہ لوگ اور ائمہ پیچھے نہیں رہے۔ امام مسلمؒ نے متابعات کے ضمن میں ان سے روایات لی ہیں امام بخاریؒ نے بھی کچھ نہ کچھ ان سے استشہاد کیا ہے۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔" ذہبی (میزان الاعتدال، ۳/۲۴) نے کہا: امام مسلم نے ابن اسحاق کی پانچ احادیث سے استشہاد کیا جن کا ذکر انہوں نے اپنی صحیح میں کیا ہے۔"

خطیب بغدادی اور سیرت ابن سید الناس کے مقدمہ میں ابن اسحاق کے حالات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ بلاشبہ ابن اسحاق کی کتابیں علوم اسلامی کے نہایت قیمتی ورثہ میں سے ہیں۔

تالیفاتِ ابنِ اسحاق

ابنِ ندیم (الفہرست ص ۹۲) نے کہا: "ان کی کتابوں میں سے "کتاب الخلفاء" اور "کتاب السیرۃ و المبتدا والمغازی" ہیں۔ "کتاب الخلفاء" کو اموی نے ان سے روایت کیا اور "کتاب السیرۃ ....." کو ابراہیم بن سعد اور نفیلی نے ان سے روایت کیا۔" یاقوت وغیرہ نے اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا۔

ان دونوں کتابوں کے اقتباسات متاخرین کے ہاں پائے جاتے ہیں اور ان کتابوں کے قطعات قلمی نسخوں کی شکل میں بھی موجود ہیں فواد سزگین نے (اپنی جرمن کتاب) میں اس کا ذکر کیا ہے یہ کتاب بروکلمان کی کتاب — عربی زبان میں تصنیف و تالیف کی تاریخ — کا ضمیمہ ہے۔

ایک قطعہ ابتدائے آفرینش سے متعلق آسٹریا میں وی آنا کے کتب خانہ میں موجود ہے جسے نابیہ عبود (NABIA ABBOT) نے اپنی کتاب نصوص علی البردی (STUDIES IN ARABIC LITERARY PAPYRI) میں شائع کیا۔

اسی طرح ایک قطعہ تاریخ الخلفاء سے متعلق ہے جس میں سیدنا عمرؓ کے قتل اور ان کے بعد شوریٰ کا ذکر ہے۔ یہ بھی اسی کتاب نصوص علی البردی کے صفحات ۸۰-۸۱ پر مشتمل ہے اور "حدیثِ اسراء و معراج" بھی اسی کی طرف منسوب ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ طلعت کے کتب خانہ میں ہے جس کے کل اعداد ۲۹۳ اور اوراق ۳۸ تا ۶۵ ہیں اور اس کی تاریخ کتابت ۱۳۰۹ھ ہے۔ اسی طرح مکتبہ مسکاۃ، ۹/۶۷۷، میں جنگوں کی ایک کتاب ہے۔ مثلاً جنگِ بسوس جو وائل بن قاسط کے دو بیٹوں — بکر اور تغلب — کے درمیان ہوئی۔ اور بغداد میں کتب خانہ آل سید عیسیٰ عطاری میں ایک اور کتاب ہے جس کا نام "اخبار کلیب وجساس" ہے۔ جہاں تک اقتباسات کا تعلق ہے وہ بے انتہا ہیں اور دوسری کتابوں کے علاوہ وہ تاریخ طبری، تفسیر طبری، اصفہانی کی کتاب الاغانی، ابن عبدالبر کی الاستیعاب، ابونعیم کی دلائل النبوۃ، واقدی کی فتوح مصر اور ایک غیر معروف مصنف کی کتاب بکر و تغلب میں ہیں (یہ آخری کتاب برٹش میوزیم میں ہے رقم ۶۴۹۹ یا ۸۰۷ اور رقم) نیز ابنِ حجر کی تہذیب التہذیب، یافعی کی مرآۃ الجنان اور سہیلی کی الروض الانف میں بھی اقتباسات ہیں۔

ہم نے خطیب بغدادی سے نقل کیا ہے کہ سیرت ابن اسحاق کے متعلق سلمہ بن فضل کی روایت دوسری روایتوں سے افضل ہے۔ ذہبی نے "العبر فی خبر من غبر" (اشاریہ ج ۱) میں ذکر کیا ہے کہ دوسرے متعدد علمأ نے بھی ابن اسحاق کی کتاب کو روایت کیا ہے۔ اور دوسری باتوں کے علاوہ اس نے یہ بھی کہا: (ص ۳۱۵) "حافظ یحییٰ بن سعید کوفی الملقب بجمل نے ابن اسحاق سے مغازی کی روایت کی۔ ان کا پورا پورا اہتمام کیا اور کچھ چیزوں کا ان میں اضافہ بھی کیا۔"

یوحان فوک نے (اپنے رسالہ ص ۴۴ میں) ابنِ اسحاق کی کتاب کے راویان کے بارے میں مندرجہ ذیل استنباط کیا ہے:

محل سماع	نام راوی	راوی کی ولادت	وفات
مدینہ	(۱) ابراہیم بن سعد	سنہ ۱۱۰ھ	سنہ ۱۸۴ھ
کوفہ	(۲) زیاد بن عبداللہ بکائی	۔	سنہ ۱۸۳ھ
	(۳) عبداللہ بن ادریس اودی	سنہ ۱۱۵ھ	سنہ ۱۹۲ھ
	(۴) یونس بن بکیر	۔	سنہ ۱۹۹ھ
	(۵) عبدۃ بن سلیمان		سنہ ۱۸۷ھ
	(۶) عبداللہ بن نمیر	سنہ ۱۱۵ھ	سنہ ۱۹۹ھ
بغداد	(۷) یحییٰ بن سعید اموی	سنہ ۱۱۴ھ	سنہ ۱۹۴ھ
بصرہ	(۸) جریر بن حازم	سنہ ۸۵ھ	سنہ ۱۷۰ھ
	(۹) کریم بن ابی عیسیٰ	۔	۔
	(۱۰) سلمہ بن فضل ابرش	۔	سنہ ۱۹۱ھ
رَے	(۱۱) علی بن مجاہد	۔	حوالی سنہ ۱۸۹ھ
	(۱۲) ابراہیم بن مختار	۔	۔
	(۱۳) سعید بن بزیع (جماعیلی کے ہاں: یربع)	۔	۔
	(۱۴) عثمان بن ساج	۔	۔
	(۱۵) محمد بن سلمہ حرانی	۔	سنہ ۱۹۱ھ

ہمیں معلوم ہے کہ ابنِ ہشام اپنی کتاب میں زیاد بن عبداللہ بکائی کی وساطت سے ابن اسحاق کی کتاب روایت کرتا ہے۔ لیکن مکتبہ قرویین میں ابن اسحاق کی کتاب کے دو قطعے یونس بن بکیر سے مروی ہیں اور ان میں کثیر مواد وہ ہے جو سہیلی نے الروض الأنف میں نقل کیا ہے اور دمشقی قطعہ ابنِ اسحاق سے محمد بن سلمہ کا روایت کردہ ہے۔

اگر کوئی شخص فاسی اور دمشقی قطعات کا مقابلہ سیرت ابن ہشام کے ساتھ کرے تو وہ تفاصیل یا کلمات یا تقدیم

یا تاخیر کے اختلافات پاتے گا۔

اس ضمن میں ہم یہاں ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ امام مالکؒ کی معاصر کتاب موطا جو اس وقت موجود اور متداول ہے وہ اتنی ضخیم کتاب نہیں ہے لیکن یہی کتاب بروایت محمد بن حسن شیبانی اگر ملاحظہ کی جائے تو اس کی ضخامت متداول موطا سے دگنی یا اس سے بھی زیادہ ہوگی، نیز یہ کتاب دیگر راویان سے بھی مروی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام مالکؒ کا معمول یہ تھا کہ وہ اپنی کتاب اوّل سے آخر تک طالب علموں کے رُوبرو قرأت کرتے تھے۔ جب کتاب کی قرأت ختم ہو جاتی تو امام موصوف نئے طالب علموں کے سامنے از سرِ نو کتاب کی قرأت شروع کرتے۔ یہ ان کا دائمی معمول تھا۔ اس طرح مولّف اپنی کتاب میں اضافہ یا حذف کرتا ہے اور ہر سماع اور قرأت کے دوران میں اپنی کتاب میں تبدیلیاں کرتا ہے۔ نفسِ کتاب میں اسی قسم کے اختلافات کی وجہ سے مختلف طالب علموں کے نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال ایسی ہے جیسا کہ دورِ حاضر میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مصنف کی کتاب کے متعدد ایڈیشنوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر مصنف نئے ایڈیشن کی اشاعت کے موقع پر اپنی کتاب میں کچھ نہ کچھ تصحیح کرنا چاہے اور عبارت کی نوک پلک درست کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو ایسا ہونا لازمی ہے۔

اور یہی صورتِ حال ابنِ اسحاق کے ساتھ بھی پیش آئی ہے۔

جامعہ رباط کے فاضل استاذ ابراہیم کتانی نے قرویین کے دو قطعوں کی فلم از راہِ کرم مجھے ارسال فرمائی، پھر یہ مہربانی بھی فرمائی کہ میرے مبیضہ کو اور بالخصوص ان مقامات کو جہاں شمسی عکوس کی وجہ سے متن واضح نہ تھا اصل نسخہ کے ساتھ مقابلہ کیا اور پیراگراف ۵۳ تا ۴۶۴ کی نظرِ ثانی کی۔ لیکن بعد ازاں باقی کتاب کے مقابلہ کے لیے انہیں فراغت میسر نہ آئی۔

فاس سے موصولہ قطعہ کا ابتدائی حصّہ ناقص تھا یعنی اس کا پہلا ورق معدوم تھا اور اس کے آخر میں یہ عبارت تھی:

"یہ ابن اسحاق کی کتاب المغازی کے پہلے حصّے کا آخر ہے اور دوسرا اس کے ساتھ ملحق ہے جس کی ابتداء إن شاءاللہ بحیرا راہب کے قصّہ سے ہوگی۔"

دوسرا قطعہ پہلے حصّہ سے مختلف ہے لیکن اس کی ابتداء بحیرا کے قصّہ سے ہوتی ہے۔ یہ قطعہ پہلے قطعہ کی تکمیل کرتا ہے اور اس میں صفحات ۹۳ تا ۹۴ کی بعض سماعات کی تاریخ ۵۰۶ھ ہے۔ دوسرا قطعہ حدیث معراج و اسراء پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ مجھ سے ذکر کیا گیا کہ قطعہ ثالثہ مغرب میں دریافت ہوا ہے اور اس کی اطلاع مجھے آنریبل منسٹر محمد فاسی نے اس طرح دی:

"ابنِ اسحاق کی کتاب کا وہ قطعہ جو قرویین سے دریافت ہوا ہے اس کا مقابلہ قدیم متن سے کیا گیا تو اس میں کوئی زیادتی نہ پائی گئی۔"

یہ اطلاع مجھے اس وقت پہنچی جب جملہ آہنی حروف کمپوز کیے جا چکے تھے اس لیے کتاب کے متن کی تحقیق کے لیے میں اس قطعہ سے استفادہ نہ کر سکا۔

دمشقی قطعہ کی ابتداء غزوۂ بدر کے واقعات سے ہوتی ہے اور یہ قطعہ غزوۂ اُحد کے واقعات پر منتہی ہوتا ہے۔ مخطوطہ کے عنوان پر یہ عبارت بھی ہے: "اس کے ساتھ غزوۂ سویق اور غزوۂ ذی امر بجانب نجد (۳ھ) کے حالات بھی شامل ہیں۔" اس قطعہ کے آخر میں یہ عبارت ہے: "اسے طاہر بن برکات خشوعی نے ماہِ رمضان ۵۴۲ھ میں قلمبند کیا۔" پھر اس طرح خطیب بغدادی سے سماع ثابت ہو جاتا ہے جس نے لکھا کہ: "یہ دمشق کی جامع مسجد میں ۴۵۶ھ میں ماہِ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں ہوا۔"

دیگر نسخے

شیخ قدرت رحیم مکتبہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ملازم تھے انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ اس مکتبہ میں ایک مجموعہ تھا جس میں مغازی ابن اسحاق کا ایک حصّہ تھا لیکن ریاست پر ہندوستان کے قبضہ کے بعد نہ معلوم وہ مخطوطہ کہاں گم ہو گیا اور تلاش کے باوجود دستیاب نہیں ہوا۔ اور اسی طرح جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے بعض اساتذہ نے مجھے لکھا کہ وہاں مکتبہ سعیدیہ جو اب تک موجود ہے اس میں بہت سے نادر مخطوطات ہیں۔ ایک دفعہ مجھے یہ اطلاع بھی ملی کہ وہاں مغازی ابن اسحاق بھی ہے۔ لیکن جب انہوں نے نئے سرے سے میرے لیے تلاش کی تو انہوں نے ایک مخطوطہ دریافت کیا لیکن تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ مغازی ابن اسحاق نہیں ہے بلکہ متاخرین میں سے کسی غیر معروف مصنف کی کتاب ہے۔

پس اللہ ہی سے فریاد ہے، شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی صورت پیدا کرے۔

شروح و تراجمِ کتاب

ابنِ اسحاق کی کتاب کا ایک فارسی ترجمہ پایا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ ساتویں صدی ہجری میں ابو بکر بن سعد زنگی کے حکم سے کیا گیا جو اس وقت ایران میں حاکم شیراز اور عظیم شاعر شیخ سعدی کا ہم عصر تھا۔ اس ترجمہ کے متعدد قلمی نسخے دنیا میں —— پیرس اور لندن وغیرہ میں —— موجود ہیں۔ یہ ترجمہ سیرت ابنِ اسحاق کا خلاصہ معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی ہے جیسا کہ تاریخ طبری اور تفسیر طبری کا فارسی ترجمہ ہے۔ کیونکہ جب میں نے ترجمہ ابنِ اسحاق اور سیرتِ ابنِ ہشام کا مقابلہ کیا تو ان دونوں میں مجھے زیادہ مشابہت معلوم نہ ہوئی۔

پروفیسر گلیوم (GUILLAUME) نے قرویین کے قلمی نسخہ کی تلخیص کی اور کچھ سال قبل اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

محمد بن اسحاق کی کتاب کو جسے ابن ہشام نے زیادہ منقح شکل میں مرتب کیا۔ بڑی شہرت نصیب ہوئی اور بڑے بڑے علماٗ نے اسے درخورِ اعتنا سمجھا۔ ان علماٗ میں الروض الانف کے مصنف امام سہیلی ہیں جو شہر مراکش میں دفن ہوئے اور ان میں سے ابوذر بھی ہیں۔ سہیلی اور ابوذر دونوں کی شرحیں طبع شدہ موجود ہیں۔ ابن ہشام کی کتاب کو پروفیسر گلیوم نے حذف و اضافہ کے ساتھ ملخص کیا اور دیگر مصادر مثلاً طبری وغیرہ سے بھی استفادہ کیا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ جو مواد ابن اسحاق کی طرف منسوب کیا گیا ہے اسے یکجا کیا جائے اور جو کچھ ابن ہشام میں اضافہ ہے اسے حذف کر دیا جائے لیکن قلتِ معرفت کے سبب سے اسے اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ابن ہشام کی کتاب کا ایک اُردو ترجمہ بھی ہے جسے جامعہ عثمانیہ حیدر آباد نے برہمن ہندوؤں کے تسلط سے قبل شائع کیا۔ یہ ترجمہ استاد شطاری نے کیا جو ہندو تسلط کے بعد ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے۔

اظہارِ تشکر

سب سے پہلے مغرب کی وزارت دینی امور نے مجھے بلا کر میری عزت افزائی فرمائی کہ میں اس کتاب کو طباعت کے لیے مرتب کروں۔ پھر رباط یونیورسٹی نے خیال ظاہر کیا کہ وہ اس کتاب کو کلیۃ الآداب کی مطبوعات کے سلسلہ میں شائع کرے۔ اور بالآخر ہم اسے قارئین کی خدمت میں موجودہ شکل میں پیش کر رہے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت میں مغرب کے بہت سے اہلِ علم و فضل کے احسانات شامل ہیں۔ میں سب سے پہلے استاد ابراہیم کتانی کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اداراتی مسائل اور مخطوطات کی تصاویر کے سلسلہ میں کافی جانفشانی سے کام کیا۔ اس ضمن میں سابق سربراہ جامعہ رباط، حال وزیر الدولت، علم و کرامت کے علمبردار برادرِ محترم استاذ محمد فاسی خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں تادیر سلامت رکھے اور ہمیں ان سے

لہ بے شک ابنِ ہشام نے من وعن کتاب کی روایت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے کتاب کو منقح کیا۔ جن اسباب کے باعث اس نے ایسا کیا ان میں سے بعض ہم ان قطعات میں دیکھتے ہیں جو ہم نے شائع کیے ہیں۔ مثلاً یہاں مہاجرینِ حبشہ کے اسمائے گرامی ہیں۔ ابنِ اسحاق نے ان کا ذکر دو دفعہ دو مختلف بابوں میں کیا ہے یہاں تک کہ ایک ہی باب میں یہ دو مرتبہ مذکور ہیں۔ اسی طرح دوسرے ابواب میں بھی تکرار ہے جسے اس کتاب کی فہرست کے ملاحظہ سے قاری خود ہی معلوم کر سکتا ہے۔

ابن ہشام نے کچھ ایسی چیزیں اضافہ کی ہیں جو ابنِ اسحاق کی اصل کتاب میں نہ تھیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یونس بن بکیر نے بھی ہماری اس اشاعت میں متعدد جگہ ایسا کیا ہے۔ اس طرح یہ مولفین کتاب کی تکمیل اور حفاظت و صیانت وغیرہ چاہتے تھے اور انہوں نے اس امر کی صراحت بھی کر دی کہ یہ اضافے ان کی طرف سے ہیں اور ابنِ اسحاق کی اصل کتاب میں موجود نہیں ہیں وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ○ (سورہ یوسف۔ ۷۶۔ اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحبِ علم سے بالاتر ہے)۔ محمد حمید اللہ

مستفید فرمائے۔ یہ سارا علمی کام ایک جواں سال بادشاہ کے دورِ حکومت میں کیا گیا جو علم اور دین کے مؤید و محب ہیں۔ اللہ کرے ان جیسے علم دوست اور دین پسند بادشاہ ہم میں بکثرت ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کی زندگی دراز کرے۔

مجھ پر اُن کا شکریہ بھی واجب ہے جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے حالانکہ اُس عظیم کتاب کی اشاعت اور اسے گمنامی و پوشیدگی کے گوشوں سے نکالنے میں ان کا حصہ کچھ کم نہیں ہے۔ اور اوّل و آخر تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔

محمد حمید اللہ

پیرس

مصادر

۱) ابنِ سعد (متوفی سنہ ۲۳۰ھ) کتاب الطبقات (طبع یورپ) ج ۷، ق ۲، ص ۶۷۔ (نیز کتاب ہذا کا جرمن مقدمہ ج ۳ ق ۱)

۲) امام بخاریؒ (متوفی سنہ ۲۵۶ھ) التاریخ الکبیر (طبع حیدر آباد دکن) ج ۱، باب المحمدین۔

۳) ابنِ قتیبہ (متوفی سنہ ۲۷۶ھ) کتاب المعارف (طبع یورپ) ص ۲۴۷-۳۰۱۔

۴) الطبری (متوفی سنہ ۳۱۰ھ) التاریخ (طبع یورپ) سلسلہ ثالثہ ج ۴، ص ۲۵۱۲ من الذیل۔ احوال سنہ ۱۵۱ھ

۵) ابن الندیم (متوفی حوالی سنہ ۳۷۷ھ) الفہرست (طبع یورپ) ص ۹۲-۹۳۔

۶) خطیب بغدادی (متوفی سنہ ۴۶۳ھ) تاریخ بغداد (طبع مصر) ج ۱، ص ۲۱۴-۲۳۳۔

۷) البکری (متوفی سنہ ۴۸۷ھ) معجم ما استعجم، مادہ عین التمر۔

۸) سہیلی (متوفی سنہ ۵۸۱ھ) الروض الانف (طبع مصر) ص ۴-۵۔

۹) جماعیلی (متوفی سنہ ۶۰۰ھ) الکمال فی معرفۃ الرجال (مخطوطہ برلین۔ وسٹنفیلڈ نے سیرت ابن ہشام کے اپنے جرمن مقدمہ میں اس سے روایت کی۔ طبع یورپ۔ ص ۵ تا ۸)

۱۰) یاقوت (متوفی سنہ ۶۲۶ھ) معجم الادباء (اس کا نام ارشاد الاریب بھی ہے)۔ مادہ محمد بن اسحٰق۔

۱۱) ابنِ خلکان (متوفی سنہ ۶۸۱ھ) وفیات الاعیان۔ مادہ محمد بن اسحاق (نمبر ۶۲۳ طبع یورپ اور نمبر ۵۸۴ طبع مصر)

۱۲) ابن سید الناس (متوفی سنہ ۷۳۴ھ) عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر (طبع مصر) ج ۱، ص ۸-۱۷۔

۱۳) ذہبی (متوفی سنہ ۷۴۸ھ) العبر فی خبر من غبر (طبع کویت) ج ۱، ص ۲۱۶، ۲۴۱، ۲۶۴، ۲۸۷، ۳۰۷، ۳۱۵، ۳۵۳، ۳۶۶، ۳۷۴۔

۱۳-الف) ذہبی (متوفی سنہ ۷۴۸ھ) تذکرۃ الحفاظ (طبع حیدر آباد دکن) ج ۱، ص ۱۶۳-۱۶۴۔

۱۳-ب) ذہبی (متوفی سنہ ۷۴۸ھ) میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۲۱-۲۴۔

۱۴) ابنِ حجر عسقلانی (متوفی سنہ ۸۵۲ھ) تہذیب التہذیب (طبع حیدر آباد دکن) ج ۹، ص ۳۸-۴۶۔

۱۵) احمد امین (رحمہ اللہ) ضحی الاسلام (طبع مصر) ج ۲، ص ۳۲۰، ۳۲۸، ۳۳۳ -

۱۶) خیر الدین زرکلی (حفظہ اللہ) قاموس الاعلام (طبع ثانی مصر) ج ۶، ص ۲۵۲ - (انہوں نے ذیل المذیل اور غربال الزمان اور روض المناظر اور طبقات المدلسین میں بھی ابن اسحاق کے حالات کی طرف جستہ جستہ اشارات کئے)

۱۷) دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مادہ ابن اسحاق (یہ بروکلمان کی انگریزی تالیف کا عربی ترجمہ ہے

۱۸) الدوری: علم التاریخ، ص ۲۷ - ۳۰ -

۱۹) شمس الدین: اسلامدہ تاریخ و مورخلر، استنبول سنہ ۱۳۴۰-۱۳۴۲ھ -

۲۰) کحالہ - ۹/۴۴ -

21) Ayad, Kamil, **Die Anfaenge der arabischen Geschichtschreibung in Geist-und Gesellschaftswissenschaft,** (Festschrift K Breysing, Breslau, 1928, vol. III) .

22) Arafat, W. , **Some Aspects of the Art of Forger in the Poetry of the Sira,** dans Cts. Rendus 24 th Int. Congress of Orientalists, 1957, p 310 - 311 (le même) , **Early Critics of the Authenticity of the Poetry of the Sira,** dans : BSOAS, London 1958, XXI , 453 - 463 .

23) Brockelmann, **Geschichte der arabischen Litteratur,** und Supplementbaende, ed. Leyden, t. I, cf Index, s.v. Muhammad ibn Ishaq.

24) Broenle, P. , **Die Commentaren des Ibn Ishaq und ihre Scholien,** Halle, Dissertation, 1895 .

24/a) (le même) , **Die Kommentare des Sohaili in der Sira des Ib Hisham,** Leipzig, Dissertation, 1908.

24/b) (le même) , **Commentary of Ibn Hisham's Biography of Muhammad,** Le Caire, 1911.

25) Fischer, A. , **Die Biographien von Gewaehrsmaennern des Ibn Ishaq,** Leyden, 1890 + ZDMG, Berlin, XLVI, 148 et suiv.

26) Fueck, Johann, **Muhammad ibn Ishaq. Litterarhistorische Untersuchung,** Frankfurt-am-Main, Disseration, 1925.

27) Guillaume, A. , **The Biography of the Prophet in Recent Reseach,** dans : Islamic Quarterly, London, 1954, I , 5-11.

27/a) (le même) , **The Version of the Gospel used in Medina circa 700 A. D.** , dans Andalus, Madrid, 1950 XV, 287-296.

28) Hamidullah, Muhammad, **Muhammad ibn Ishaq the Biographer of the Prophet,** (dans : Journal of Pakistan Historical Society, Karachi, t. 15/2, avril 1967, p. 77-100.

29) Hammer - Purgstall, **Litteraturgeschichte der Araber**, Wien 1852, t. 111, 398-399.

30) Hartmann, M. , **Die angebliche Sira des Ibn Ishaq,** dans : Der Islamische Orient, 1,32-34.

31) Horovitz, Josef, **The Earliest Biographies of the Prophet and their authors.** dans : Islamic Culture, Hyderabad-Deccan, t. I, 535-559, t. II, 22-50, 164-182, 495,-526 ; cf t. II, 169-182.

32) Jones, J. M. B. , **Ibn Ishaq and Waqidi, the Dream of Atika and the *Raid to* Nakhla *in relation* to the charge of Plagiarism,** dans : BSOAS, London, 1959, XXII, 41-51.

33) Margoliouth, D.S. , **Lectures on Arabic Historians,** Calcutta 1930, cf. p. 84-85.

34) Noeldeke-Schwally, **Geschichte des Qorans,** t. II, 129-130

35) Ranke, **Weltgeschichte,** t. V/2, p. 252.

36) Robson, J. , **Ibn Ishaq's use of the Isnad,** dans : Bulletin of John Reylands Library, 1955-1956, t. 38, p. 449-465.

37) Sachau, E. , Introduction aux Tabaqât Ibn Sad, t. III/1,

37/a) (le même) , **Studien zur aeltesten Geschitsfuehrung der Araber,** dans : MSOS, Berlin, t. VII/2, p. 154-196.

38) Schacht, Joseph, **Une Citation de l'Evangile de St Jean dans la Sira d'Ibn Ishaq,** dans : Andalus, Madrid 1951, XVI, 489-90 cf aussi BSOAS, 1956, XVIII, 1-4 par Guillaume, sur la meme discussion.

39) Sezgin, FUAD, GESCHTE DES ARABISCHEN SCHRIFTTUMS, LEIDEN, I, 288-289.'

40) Sprenger, Alois, **Ibn Ishaq ist kein redlicher Geschtsschreiber,** dans : ZDMG, Berlin, 1860, XIV, 289-290.

41) Watt, W.M. , **The Materials used by Ibn Ishaq,** dans « Hisrorians of the Middle East, London, 1962.

42) Wellhausen, J. , **Das arabische Reich und sein Sturz,** p. V.

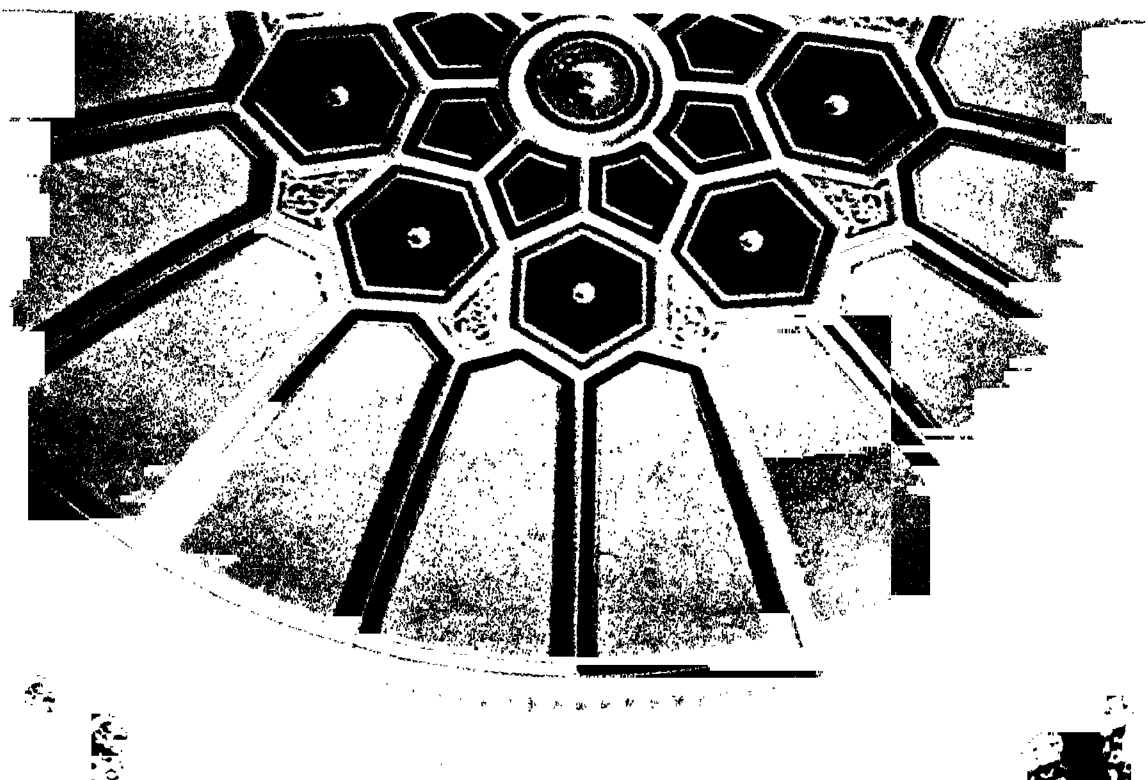
43) Wuestenfeld, Ferdinand, **Die Geschichtschreiber der Araber,** p. 8.

مَا اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی (الحشر ۷)

جو کچھ اللہ اپنے رسول کو (دوسری) بستیوں والوں سے بطور فے دِلوا دے۔

عہدِ نبویؐ میں

غزوات وسرایا کی اِقتصادی اہمیّت



نبوی غزوات و سرایا
کی
اقتصادی اہمیّت

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

نبوی غزوات وسرایا کی اقتصادی اہمیت

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ میمنت لزوم کے غزوات وسرایا کی اقتصادی اہمیت پر علمائے تاریخ خصوصاً مستشرقین نے کافی زور دیا ہے۔ مدنی حیاتِ طیبہ کے دہ سالہ دور کی مہماتِ نبوی کے اقتصادی محرکات وعوامل اور معاشی نتائج ومحاصل پر یہ زور اکثر وبیشتر ضرورت سے زیادہ دیا جاتا ہے اور کبھی کبھی مذہبی عصبیت اور قومی تعصب کی بھی کارفرمائی اس کے پس پردہ نظر آتی ہے۔ درحقیقت یہی منطقی نتیجہ نکلتا ہے اگر پہلے سے یہ فرض کر لیا جائے کہ ابتدائی اسلامی مہمات کے پسِ پشت معاشی محرکات اور مالی مقاصد کارفرما تھے اور پوری نبوی مہم جوئی کا مقصد اعلائے کلمۃ الحق اور اسلامی ریاست کا قیام و توسیع نہیں بلکہ عربوں کی لوٹ مار کی جاہلی جبلت اور قبائلی "رزیہ گری" تھی۔ جیسا کہ تقریباً تمام مستشرقین اور متعدد جدید مورخینِ وقت نے فرض کر لیا ہے۔ غزواتِ نبویؐ کے بارے میں ان کا اقتصادی تصوّر دراصل ان کے اس مفروضہ پر منحصر اور اس کا زائیدہ ہے کہ ننگے بھوکے مہاجرینِ مکہ کی معتدبہ تعداد کی معاشی خستگی نے اقتصادی طور سے کمزور انصارِ مدینہ پر ضرورت سے زیادہ معاشی بوجھ ڈال دیا جس کو شہر نو کی کمزور معیشت نہ صرف یہ کہ سہار نہیں سکی بلکہ وہ مہاجرینِ عرب کے لگاتار نئے دستوں کی آمد سے اور خراب وخستہ ہوتی گئی تا آنکہ مسلمانانِ مدینہ کے سارے وسائل اور ذرائع سوکھ گئے اور نوبت بھکمری کی آگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مہاجرین کی آبادکاری کے بعد سب سے بڑا مسئلہ ان کی اقتصادی ضروریات کی فراہمی کا درپیش تھا۔ حالات کا دباؤ سخت تھا، ضرورت فوری تھی اور پُرامن روایتی معاشی وسائل کی فراہمی وقت طلب تھی۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ عربوں کے قدیم طریق رزیہ کو اپنایا جائے جس کو معاصر قبائلی روایات کی تائید حاصل تھی۔

چنانچہ آپ نے یہی کیا اور مدینہ میں مسلم مہاجرین کی آبادکاری اور ابتدائی تنظیمی کارروائیوں کے بعد آپ نے نہ صرف یہ کہ اپنے صحابہ کرام کی سرکردگی میں مغربی ساحل پر واقع بین الاقوامی شاہراہِ تجارت پر گزرنے والے قریشی کاروانوں پر تاخت کرنے کے لیے چھوٹے بڑے دستے بھیجے بلکہ بہ نفسِ نفیس اپنی کمان میں بھی اسی خاص مقصد کے لیے چھوٹی بڑی مہمیں لے کر گئے۔[1] مشہور روایاتِ سیرت کے مطابق ان مہموں کی تعداد سات تھی اور محمد بن حبیب بغدادی کے کم معروف بیان کے مطابق ان کی تعداد نو تھی۔[2] بہرحال ان تمام غزوات وسرایا میں اگرچہ مسلم غازیوں کے ہاتھ کوئی معاشی فائدہ نہیں آیا تاہم قریشی کاروانوں پر مدنی تاخت کی یہ سوچی سمجھی پالیسی برابر جاری رہی اور مسلسل ایک برس کی سخت مہم جوئی کے بعد آٹھویں یا دسویں مہم نے جو مکہ کے قریب واقع نخلہ کے مقام کو بھیجی گئی تھی بالآخر طائف سے مکہ واپس ہونے والے ایک قریشی کارواں پر کامیاب

چھاپہ مارا اور بقول کارل بروکلمن اس "بہت زیادہ مالدار مکی کارواں" سے چھاپہ ماروں کو "بہت زیادہ مالِ غنیمت" ہاتھ لگا۔[۳] منٹگمری واٹ کا خیال ہے کہ اس کامیابی نے مکی کاروانوں پر تاخت کرنے کی پالیسی کو مزید تقویت پہنچائی[۴] چنانچہ مزعومہ یہ ہے کہ لوٹ مار کی اسی مدنی پالیسی نے مکہ کی تاجر اشرافیہ کو دانستہ طور سے اشتعال دلایا اور جس کے نتیجے میں قریش سے متعدد خونریز معرکے ہوئے۔ منٹگمری واٹ کا بیان ہے کہ ہم کو اس میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مکیوں کو اشتعال دلانے کی دانستہ اور سوچی سمجھی پالیسی نظر آتی ہے ..... اگرچہ قریش کو (ان ابتدائی مہموں میں) کوئی نقصان نہیں اٹھانا پڑا تاہم ان کو اپنی تجارت کے لیے خطرہ نظر آنے لگا تھا اور وہ اس پر سنجیدگی سے مضطرب تھے۔ ان کی تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود اس کے خدشات بہرحال تھے کہ مسلمانوں کو وہ موقع بالآخر مل ہی جائے گا جس کی تاک میں وہ تھے۔ اور اس کا نتیجہ قریش کے خاصے بڑے نقصان کی صورت میں نکلے گا۔ اگرچہ فوری طور پر قریش نے کوئی کارروائی نہیں کی لیکن بدر کے میدانِ جنگ میں مسلمانوں سے معرکہ آرائی کی ان کی شدید خواہش ان کے غم و غصہ کی ایک بڑی شہادت ہے۔"[۵] ..... بہرحال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو للکارا تھا اور قریش کے لئے یہ اب آن کی بات ہوگئی تھی کہ وہ اس کو قبول کریں[۶] کیونکہ اس کے بغیر وہ شام سے اپنی تجارت کو جاری نہیں رکھ سکتے تھے اور ان کی شامی تجارت در اصل ان کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی اور ان کی مادی خوشحالی کی ضمانت تھی۔[۷] دوسری طرف اگرچہ مسلمانوں کو ان میں سے بعض مہموں میں کبھی کبھی سخت جانی اور مالی نقصانات اٹھانے پڑے تاہم وہ ان اموالِ غنیمت اور مالی فوائد سے کہیں زیادہ فروتر تھے جو ان کو ان معرکوں میں حاصل ہوئے۔ مزید برآں ان فوجی کامیابیوں کے نتیجے میں ان کو سیاسی اقتدار اور سماجی وقار بھی حاصل ہوا۔[۸]

ان مستشرقین اور مورخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگرچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر اپنے جانی دشمن یعنی قریشِ مکہ سے نبرد آزما رہے تاہم مسلمان دستوں نے عرب کے بدوی قبائل کی بستیوں، چراگاہوں اور علاقوں پر بھی تاخت کا سلسلہ دراز کیا اور اکثر و بیشتر کثیر اموالِ غنیمت کے حصول سے بھی بہرہ ور ہوئے۔[۹] اسی اقتصادی محرک کے ساتھ انہوں نے مدینہ منورہ کے مالدار یہودی قبیلوں کی طرف توجہ مبذول کی اور معمولی معمولی اسباب بلکہ بہانوں سے ان پر حملہ آور ہوئے اور ان کو تہس نہس کر کے چھوڑا اور ان کے خزانوں خاص کر ان کی قیمتی جائدادوں سے اپنی بگڑی ہوئی معیشت سنواری۔[۱۰] مسلم معیشت کی یہی زبوں حالی اور خستگی تھی جس نے بعد کے زمانے میں شمال اور مشرق کی یہودی، عیسائی اور بدوی عرب بستیوں پر تاخت کے لیے ابھارا تھا چنانچہ اس طرح یہ دلیل دی جاتی ہے کہ مالی فوائد کی خواہش اور اقتصادی وسائل کی فراہمی کی ضرورت نے یا تو ابتدائی اسلامی مہمات کو تحریک دی یا مہمیز کیا تھا ——————— یا کم از کم ان فوجی اقدامات کے زمانے یا وقت کو متعین کیا تھا۔[۱۱] مستشرقین کے درمیان یہ اتفاق معلوم ہوتا ہے کہ نبوی مہمات و سرایا نے مدنی مسلمانوں کو نہ صرف مالدار و متمول بنانے میں حصہ لیا تھا بلکہ تباہ و نزار مسلم معیشت کو مضبوط و مستحکم بنیادوں پر استوار بھی کیا تھا۔[۱۲]

دوسری طرف عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا کے بارے میں روایتی مسلم نقطۂ نظر متضاد آراء و خیالات کا عجیب و غریب آمیزہ ہے۔ ایک تو قدیم مورخین اور سیرت نگارانِ رسول کا زیادہ روایت پسند مکتبِ فکر ہے جو ان مہموں، جنگوں اور معرکوں کی

اقتصادی اہمیت کا یکسر منکر ہے[۱۳] جبکہ علمائے تاریخ کے دوسرے مسلم مکتبِ خیال کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دہ سالہ مہم جوئی نے مسلمانانِ مدینہ کو بہت معمولی طریقے سے مالی فائدہ پہنچایا تھا[۱۴] اور ان کے بعد تیسرا مکتبِ نگاہ ان متعدد جدید مورخین وقت کا ہے جو مستشرقینِ مغرب کے دلائل اور نتائج کی پیروی پوری طرح سے کرتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جو ان کے مغربی فکری آقاؤں نے ان کے ذہنوں پر مرتسم کر دیا ہے۔[۱۵]

بہرکیف مورخینِ اسلام اور سیرت نگارانِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم تقریباً یہ اتفاق رائے نظر آتا ہے کہ اسلامی فوجی مہموں نے مسلمانانِ مدینہ کی مالداری و تمول میں حصہ لیا تھا خواہ یہ مالداری بڑے پیمانے پر ہوتی ہو یا نسبتاً چھوٹے پیمانے پر۔ ابھی تک اسلامی تقویم کے پہلے دس سال کے دوران لڑی جانے والی مہمات و غزواتِ نبوی میں حاصل ہونے والے اموالِ غنیمت کا نہ تو مجموعہ میزان مرتب کیا گیا ہے اور نہ ہی معاصر اسلامی امت کی معیشت میں اموالِ غنیمت کے تناسب، مقام اور کردار کارکردگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس مضمون میں اس اہم موضوع پر سیر حاصل بحث کی جا رہی ہے اور تمام ضروری اعداد و شمار کا تجزیہ کر کے ان سوالوں کے جوابات ڈھونڈنے کی جامع کوشش کی گئی ہے جو اس ضمن میں اکثر و بیشتر اٹھائے جاتے رہے ہیں۔

کلاسیکی عصرِ اسلامی کے عظیم ترین مغازی نگار واقدی کے شمار و تحقیق کے مطابق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مہماتِ غزوات و سرایا کی تعداد چوہتر تھی[۱۶] ان میں بڑی مہمیں اور چھوٹے دستے ہی نہیں بلکہ اہم اور غیر اہم مہمیں بھی شامل ہیں۔ متاخرین نے عموماً اور جامعیت و کمال کے متلاشی و حامی مورخین نے خصوصاً غزوات و سرایا کی مکمل تعداد کی تلاش و تحقیق کی اور اس کو نوّے تک پہنچا دیا۔[۱۷] امکان ہے اور قوی امکان کہ مزید تفحص و جستجو سے مہماتِ نبوی کی تعداد میں ابھی اور اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال تعداد خواہ کچھ بھی ہو جائے یہ نکتہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ مہماتِ نبوی خواہ وہ غزوات ہوں یا سرایا سب کی سب فوجی مہمیں نہ تھیں۔ ان میں سے متعدد سیاسی مشن تھے یا مذہبی اور تہذیبی اسفار تھے۔ متعدد جدید مصنفین نے تمام غزوات و سرایا کو فوجی مہم گردانا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اصل نوعیت و ماہیت کے بارے میں سخت غلطی راہ پا گئی ہے۔ ایک سبب اس غلطی کا یہ ہے کہ ہمارے ابتدائی ماخذ مہماتِ نبوی کے لیے خواہ وہ کسی نوعیت کی ہوں دو اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں: مہماتِ نبوی کے لیے جو براہِ راست رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمان میں بھیجی گئیں غزوہ/غزوات کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے جبکہ صحابہ کرام کی قیادت و سرکردگی میں جانے والی مہم کے لیے سریہ/سرایہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ بعد کے مورخین نے ان دونوں اصطلاحوں کو مہم بالخصوص فوجی مہم کا مترادف سمجھ لیا ہے[۱۸] اور اس کا لازمی نتیجہ یہی خیال نکلا کہ ان نام نہاد فوجی مہمات کے ذریعے مسلمانانِ مدینہ نے اپنے روز افزوں اقتصادی مسائل کو حل کرنے اور دن بہ دن گھٹتے ہوئے مالی وسائل کو بڑھانے کے لیے لوٹ مار اور رہزنی کا سہارا لیا اور بلا استثناء تمام غزوات و سرایائے نبوی کا منشاء و مقصد اقتصادی وسائل کی فراہمی قرار پایا۔[۱۹] اس نقطۂ نظر کی غلطی اور بے بنیادی کی طرف کم از کم عہدِ نبوی کی ابتدائی مہموں کی حد تک مدلل اشارہ کہیں اور کیا جا چکا ہے۔[۲۰]

بہرحال موجودہ مزعومہ کے مطابق عہدِ نبوی کے پہلے سات غزوات و سرایا اقتصادی لحاظ سے بے برگ و بار و بے ثمر رہے۔[۲۱] البتہ آٹھویں مہم جو سریہ نخلہ کے نام سے مشہور ہے اور جو رجب ۲ھ / جنوری ۶۲۴ء یا اس کے لگ بھگ زمانے کے قریب ہجرتِ نبوی کے تقریباً سولہ ماہ کے بعد صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن جحش اسدی حلیفِ بنو امیہ کی کمان میں مکہ اور طائف کے درمیان واقع مقامی شاہراہ تجارت پر ایک مخصوص مقام نخلہ کے لیے بعض سیاسی وجوہ سے بھیجی گئی تھی اتفاقی طور سے مسلمانانِ مدینہ کی ایک چھوٹی سی جماعت کے لیے کچھ مالِ غنیمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اور یہ پہلا مسلم مالِ غنیمت تھا۔ ہمارے مآخذ کے بیانات کے مطابق اتفاقی طور پر ملنے والا یہ مالِ غنیمت کچھ شراب ناب (خمر)، سوکھی کھجوروں (زبیب) اور کھالوں (ادم) کی غیر متعینہ مقدار کے علاوہ قریشِ مکہ کے کچھ روایتی سامانِ تجارت (تجارۃ من تجارات قریش) پر مشتمل تھا۔ اس مال کے علاوہ دو قیدی بھی مسلم غازیوں کے ہاتھ لگے تھے جن میں سے ایک نے چالیس اوقیہ چاندی (جو ۱ اوقیہ = ۴۰ درہم کی شرحِ تبادلہ کے مطابق سولہ سو درہم کے برابر تھی) بطور زرِ فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی تھی، جبکہ دوسرے قیدی نے اپنے مشرف بہ اسلام ہو جانے کے سبب نہ صرف آزادی پائی تھی بلکہ وہ امتِ مسلمہ کا فرد بن گیا تھا۔[۲۲]

اگرچہ نخلہ میں حاصل شدہ غنیمت کی صحیح مالیت کا پکا تخمینہ لگانا مشکل ہے تاہم یہ حتمی ہے کہ وہ اتنی بڑی مقدار میں اور اتنی بڑی مالیت کی نہ تھی کہ وہ مکی یا دوسرے عرب کاروانوں پر تاخت کی پالیسی کو مہمیز کرتی۔ ہمارے مآخذ بصراحت مذکورہ متعدد حقائق و شواہد نیز ضمناً بیان کردہ اشارات و کنایات بہت صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں[۲۳] کہ مالِ غنیمت نہ تو کثیر تھا نہ وقیع۔ وہ کافی حقیر تھا یا زیادہ سے زیادہ اس کو معمولی مالیت کا کہا جا سکتا ہے۔ بتیس ہزار درہم کی رقم اس کی اصل مالیت کا قریب قریب صحیح تخمینہ ہو سکتا ہے۔ عہدِ نبوی کے اموالِ غنیمت کی یہ واحد مثال ہے یا زیادہ سے زیادہ چند گنی چنی مثالوں میں سے ایک ہے جہاں مقبوضہ مال کی مقدار یا مالیت کا کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے ورنہ ابتدائی مسلم مصنفین و مورخین خصوصاً مغازی نگار اس امر کا التزام رکھتے ہیں کہ وہ حاصل شدہ اموالِ غنیمت کے بارے میں تمام اعداد و شمار فراہم کریں یا ان کی مالیت کے بارے میں اشارے مہیا کریں۔ بہرحال سریہ نخلہ کے ضمن میں یہ نکتہ دلچسپی سے خالی نہیں کہ محض چھ سے تیرہ[۲۴] مسلمان کسی حد تک "مالدار" بن گئے تھے۔ اگر دو تین ہزار درہم کی رقم کو "مال" کہا جا سکتا ہے۔ مدینہ کی امتِ مسلمہ کو اس مال کا پانچواں حصہ (خُمس) بطور حصۂ ریاست ملا تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور غریب و نادار مسلمانوں کی ضروریات کی کفالت کے لیے تھا جبکہ مال کے چار حصے (اربعۃ اخماس) مسلمان غازیانِ مہم میں تقسیم ہو گئے تھے۔ غزوات و سرایائے نبوی کو حصولِ دولت کا ذریعۂ عاجلہ مستقلہ قرار دینے والے مستشرقین و جدید مورخین سے یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ اتنی معمولی رقم سے کتنے غریب و نادار مسلمانوں کی پرورش ہو سکی ہو گی؟ پھر اس سے زیادہ اہم سوال اور دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ ہجرت کے بعد پہلے سولہ مہینوں میں مسلمانوں کو تمام مہم جوئی کے باوجود کوئی غنیمت نہیں ملی تھی جبکہ ان کو جسم و روح کا رشتہ و تعلق قائم رکھنے کے لیے مال و دولت کی زیادہ اور شدید ضرورت تھی۔ اس زمانۂ ابتلاء و کرب میں ان کی جسمانی پرورش کی کیا صورت تھی اور مدینہ کی غالب

مسلم اکثریت نے جسم و جان کا علاقہ کیونکر برقرار رکھا تھا؟

غزوۂ بدر پہلا غزوہ تھا جس میں مسلمانوں کو پہلا مالِ غنیمت ملا ٹھیک اسی طرح کہ سرایا میں مہمِ نخلہ پہلا سریہ تھا جو مالِ غنیمت کے نقطۂ نظر سے پہلی کامیابی تھی۔ مآخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ غزوہ ہجرتِ نبوی کے اٹھارہ[18] ماہ کے بعد ۱۷ رمضان ۲ھ / ۱۴ مارچ ۶۲۴ء[24] کو قریشِ مکہ کی گرانبار فوج کے ساتھ میدانِ بدر میں پیش آیا تھا۔ مسلمانوں کی کمزور، بے اسلحہ اور سامانِ حرب سے عاری فوج نے اپنے سے تین گنا زیادہ بڑی، طاقتور اور ہر طرح سے لیس مکّی لشکر کو چند گھنٹوں میں شکستِ فاش سے ہمکنار کر دیا اور اس فتح عظیم کے نتیجے میں فاتح غازیوں کو کافی مالِ غنیمت ہاتھ لگا تھا۔ یہ مالِ غنیمت ہتھیاروں، مویشیوں، گھوڑوں، سامانِ رسد کے علاوہ قریشی تجارتی مال پر بھی مشتمل تھا جو تاجرانِ مکہ اپنے ساتھ تجارتی اغراض سے لائے تھے اور بازارِ بدر میں اس سے کثیر نفع کمانے کی آرزو رکھتے تھے۔ اسلحہ (سلاح) تلواروں (سیوف) زرہ بکتروں (درع) چرمی یا سوتی خودوں (مغافر) آہنی خودوں (بیض) نیزوں (رماح) چھوٹے نیزوں (عنز) کی ایک غیر متعینہ مگر حتمی طور سے قلیل مقدار پر مشتمل تھے۔ عام طور سے اسلحے اور ہتھیار بطور اسلاب (سلب) حاصل ہوتے تھے جو مفتوح / مقتول دشمن کا ذاتی اسلحہ ہوتے تھے۔ بدر کے میدان میں قریش کے کچھ فرار ہونے والے سپاہیوں کے اسلحے بھی اس میں شامل تھے جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری کے ایک واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔[25] بہرحال ان دو حقیقتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مقبوضہ ہتھیاروں کی تعداد کافی کم تھی کیونکہ سب سے زیادہ مشہور اور قابلِ اعتماد روایت کے مطابق مقتولینِ بدر کی تعداد ستر تھی اور اتنی ہی تعداد اسیرانِ قریش کی تھی۔[26] دوسری جانب یہ روایات بھی مدِ نظر رکھنی چاہئیں جن میں مقتولین و اسیرانِ بدر دونوں کی تعداد سَو سے بھی متجاوز نہیں ہوتی[27] اور متعدد جدید مورخین کا رجحان ان کو قبول کرنے کی جانب نظر آتا ہے۔[28] اس صورت میں مقبوضہ ہتھیاروں کی تعداد اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ مسلم شہداء کی تعداد چودہ[14] تھی[29] اور غالباً ان کے ہتھیار اور دوسری چیزیں قریشی فاتحوں کو بطور اسلاب ملی تھیں۔ ان تمام امکانات کو مدِ نظر رکھ کر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ہتھیاروں کی غنیمت میں کل ایک ہزار اسلحے ملے تھے اور ہر جنس و قسم کے لگ بھگ ڈیڑھ[150] سو حربے تھے۔ جہاں تک مویشیوں کی غنیمت کا تعلق ہے تو اونٹوں (بعیر) کی کل تعداد ایک سو پچاس[150] تھی اور گھوڑے (فرس) صرف دس[10] ہاتھ لگے تھے۔ دوسرا سامان (متاع) زیادہ تر استعمال کے کپڑوں (ثیاب) اور چٹائیوں (انطاع) پر مشتمل تھا۔ اگرچہ ان کی مقدار و تعداد کا علم نہیں ہو سکا تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ بہت زیادہ نہیں رہی ہوگی۔ لیکن بہرحال سامانِ تجارت جو کھالوں (ادم) پر مشتمل تھا خاصی بڑی تعداد میں تھا[30] اور وہ غالباً سب کا سب شکست خوردہ فوج کے لشکرگاہ میں فاتحوں کے ہاتھ لگا تھا۔

اموالِ غنیمت کی تقسیم سے قبل روایات کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی قوانینِ حرب میں کسی پسندیدہ و چنیدہ چیز کو لے لینے کا حق تھا جسے "صفی" کہا جاتا ہے۔ غزوات میں یہ حق آپ بہ نفسِ نفیس استعمال فرماتے تھے[31] اور سرایا میں قائدین و سپہ سالارانِ نبوی کبھی اپنی صوابدید کے مطابق اور کبھی آپ کی پسند کے موافق "حق نبوی" کے تحفظ کا التزام کرتے تھے۔[32] یہ دوسری بات ہے کہ رحمتِ عالم و سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی یہ "صفی" عام طور سے کسی صحابی کو

بخش دیتے تھے ۔ چنانچہ بدر کے مالِ غنیمت میں آپ نے مشہور تلوار ذو الفقار نامی بطور "صفی" اپنے لیے پسند فرمائی تھی جو معتمد علیہ روایت کے مطابق میدانِ بدر میں کھیت رہنے والے ایک بڑے مکی سردار منبہ بن حجاج سہمی کی تھی[۴۳] مگر پھر آپ نے وہ تلوار بعض روایات کے مطابق حضرت علی کو عطا کر دی تھی[۴۴]

بدر کے اموالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں مآخذ کی بیان کردہ شرکاءِ بدر کی بے اطمینانی اور شکایات اور ہمارے جدید مورخین و مصنفین کے تبصروں اور نکتہ چینیوں کے باوجود[۴۶] اس حقیقت کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ وہ منصفانہ طور سے برابر برابر تمام شرکاءِ جنگ میں تقسیم کئے گئے تھے[۴۷] رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک سپاہی کا حصّہ (سہم) ملا تھا اور اتفاق سے اس حصّہ میں قریشی لشکر کے مقتول سالارِ اعلیٰ ابو جہل مخزومی کا اُونٹ (جمل) پڑا تھا[۴۸] جہاں تک اسلاب/سلب کا تعلق ہے وہ اسی مسلم فاتح کو ملا تھا جس نے اس کو حاصل کیا تھا کیونکہ قانونی اور روایتی طور سے وہ اسی کا حصہ ہوتا ہے[۴۹] اسی طرح اسیرانِ قریش کو قید کرنے والوں کو زرِ فدیہ کی رقم دی گئی تھی اور ان دونوں میں عام غازیوں کا حصّہ نہیں تھا[۵۰] اموالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ (خمس) اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور غریب و نادار مسلمانوں کا حصّہ تھا اور وہ تقسیم سے قبل الگ کر لیا جاتا تھا[۵۱] اس طرح بقیہ چار حصے (ارباع اخماس) جنگ کے شرکاء میں برابر برابر تقسیم کر دئے گئے تھے[۵۲] ہمارے مستند مورخین کا بیان ہے کہ غازیانِ بدر میں سے کسی کے حصہ میں ایک اونٹ (بعیر) اور کچھ سامانِ ضرورت (رثّة) فی کس آیا تھا جبکہ بعض دوسروں کو فی کس دو اونٹ (بعیران) ملے تھے۔ اور باقی ماندہ دوسرے سپاہیوں کو کچھ کھالیں بطور حصۂ مالِ غنیمت ملی تھیں[۵۳] گویا کہ غانمین کے غنیمت کے اعتبار سے تین طبقات تھے مگر ان تینوں کو جو حصۂ غنیمت (سہم) ملا تھا وہ قیمت کے اعتبار سے بالکل مساوی تھا معمولی فرق ممکن تھا مگر تمام حصص (سہمان) اوسط قیمت کے لحاظ سے برابر تھے کہ یہی عدل کا تقاضا تھا۔ کل حصوں کی تعداد تین سو پچیس[۳۲۵] تھی: تین سو تیرہ[۳۱۳] غازیانِ بدر کے لیے جو میدانِ جنگ میں لڑے تھے، چار دو گھوڑوں کے لیے جو دو مسلم شہسواروں کے پاس تھے اور باقی آٹھ ان اصحاب نبوی کے لیے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات مبارکہ کی تعمیل میں دوسرے فوجی سیاسی کاموں میں مشغول تھے یا مدینہ منورہ میں بعض اہم خدمات پر مامور تھے۔ اور ان کے سبب غزوۂ بدر میں بذاتِ خود شریک نہیں ہو سکے تھے۔ چونکہ ان کی میدانِ جنگ سے غیر حاضری ان کی اپنی مرضی سے نہیں بلکہ منشائے نبوی سے تھی لہٰذا ان کو نہ صرف غنائم بدر میں حصّہ کا مستحق قرار دیا گیا بلکہ ان کو "بدری" ہونے کی سعادت و میمنت سے بھی سرفراز کیا گیا[۵۴]

اگرچہ بدر کی غنیمت کی صحیح قیمت متعین کرنا خاصا مشکل ہے تاہم وہ ناممکن نہیں ہے۔ ہمارے مآخذ میں بعض ایسے حقائق، اشارات اور کنایات ہیں جن سے کم از کم اس کا ایک موٹا سا تخمینہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے جو اصل قیمت سے بہت زیادہ مختلف نہ ہوگا۔ اس ضمن میں یہ نکتہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ غزوۂ بدر کا مالِ غنیمت مسلم جانبازوں کی توقعات سے کہیں کم تھا جس پر ان کو بروایت واقدی کافی مایوسی و اضمحلال ہوا تھا[۵۵] اس عام تبصرہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فی کس حصۂ غنیمت بہت کم تھا۔ بہرحال فی کس حصّہ ہی کے بارے میں جو بیانات ہمارے مآخذ میں ملتے ہیں انھیں کی بنیاد پر کل

غنیمت کی قیمت آنکی جا سکتی ہے۔ جہاں تک غانمین کے دو طبقات کا تعلق ہے یعنی پہلے اور تیسرے طبقہ کا تو ان کے حصہ کی قیمت کا تخمینہ لگانا تقریباً ناممکن ہے کیونکہ ان دونوں کے حصوں میں یا تو "کچھ سامانِ ضرورت" بھی شامل ہے یا محض کھالیں اور ان دونوں کی نہ تو مقدار و تعداد معلوم ہے اور نہ ہی ان میں سے کسی کی قیمت۔ خوش قسمتی سے دوسرے حصہ کی بنیاد پر قیمت کا تخمینہ لگایا جا سکتا ہے اور اسی کی بنیاد پر کل غنیمت کا۔ یہ بھی ایک اہم نکتہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اونٹ بطور حصۂ غنیمت ملا تھا وہ عام مسلم غانمین کے دو اونٹوں پر مشتمل ایک حصہ کے برابر تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اچھی قیمت کا ایک اونٹ عام قسم کے دو اونٹوں کے برابر قرار دیا گیا تھا۔ بہرحال واقدی کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ معیاری حصۂ غنیمت فی کس عام قسم کے دو اونٹ تھے اور اسی مغازی نگار کے ایک اور بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ایک معمولی اونٹ تیس سے چالیس درہم میں مل جاتا تھا۔[۴۶] اب اگر اس شرح کی آخری حد بھی فرض کر لی جائے تو ایک حصۂ غنیمت (سہم) کی قیمت اسّی درہم بنتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کل منقولہ سامانِ غنیمت جو مسلمانوں کے حصوں پر مشتمل تھا صرف پچیس ہزار درہم کی قیمت کا تھا (۸۰ × ۳۲۵)۔ اس میں اگر خمس کی قیمت جوڑ دی جائے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور غریب مسلموں یعنی ریاستِ اسلامی کے حصہ میں آیا تھا تو میزان ۶,۲۵۰ (چھ ہزار دو سو پچاس) درھم بن جاتا ہے۔ صفیِ رسول کی قیمت کا اندازہ زیادہ سے زیادہ دو سو پچاس درہم رہا ہوگا اور اس طرح بدر کے غزوہ میں حاصل ہونے والے تمام اموالِ غنیمت کا ایک موٹا سا تخمینہ اکتیس ہزار پانچ سو درہم آتا ہے۔ مجموعی اعتبار سے یہ رقم کافی متاثر کن معلوم ہوتی ہے مگر فی کس حصہ کے لحاظ سے دیکھی جائے تو یقیناً وہ بہت حقیر رقم تھی اور اس سے واقدی کے مذکورہ بالا بیان کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

نسبتاً اس مالِ غنیمت سے کہیں زیادہ وقیع وہ زرِ فدیہ تھا جو اسیرانِ بدر نے یا ان کے اعزہ و متعلقین و اہلِ قبیلہ نے ان کی رہائی کے لیے مسلمانوں کو ادا کیا تھا اور جو ہمارے مآخذ کے مطابق چار ہزار سے ایک ہزار درہم فی کس مقرر کیا گیا تھا۔[۴۷] زرِ فدیہ کی مختلف شرحوں کے بارے میں یہ حقیقت ذہن نشین رہنی چاہیے کہ متعدد شرحیں اسیرانِ قریش کے اقتصادی اور سماجی پس منظر کو مدِنظر رکھ کر مقرر کی گئی تھیں۔ ہمارے مآخذ میں اسیروں کی تعداد پر مختلف بیانات ملتے ہیں جس کا ہلکا سا اشارہ اوپر گزر چکا ہے۔ بہرحال ان کی تعداد پر اختلافِ روایات کے باوجود بیشتر مورخین کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کی کل تعداد ستر تھی اور یہ سب سے زیادہ تعداد ہے۔ ہمارے مآخذ ان کی تعداد تو بتاتے ہیں لیکن یہ ذکر نہیں کرتے کہ ان میں سے کتنوں نے زرِ فدیہ ادا کر کے رہائی پائی تھی۔ بہرحال اس پر ان کا اتفاق ہے کہ سب اسیرانِ بدر نے زرِ فدیہ نہیں ادا کیا تھا۔ ایک استثناء یعقوبی کا ہے جو صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ اڑسٹھ قیدیوں نے زرِ فدیہ ادا کیا تھا۔[۴۸] لیکن وہ ان کے زرِ فدیہ کی شرحیں نہیں بیان کرتا ہے۔ یعقوبی کا بیان قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ وہ بعض دوسرے زیادہ قابلِ اعتماد بیانات، ثقہ روایات اور مشہور مسلمات سے متصادم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کئی قیدی غالباً جن کی تعداد دس تھی اس شرط پر رہا کر دئے گئے تھے کہ وہ فی کس دس مدنی بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔[۴۹] ان نادار مگر اہلِ علم کی قیدیوں کے علاوہ بھی

متعدد ایسے تھے جن کو بلا کسی زرِ فدیہ کے رہا کر دیا گیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ناداری، سماجی ذمہ داری، قومی خدمات یا محض جذبۂ احسان کی بنا پر آزادی بخشی تھی۔[50] اس کے علاوہ دو یا تین قیدیوں کے بارے میں ہم کو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بعض جرائم کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تھا۔[51] بہرحال مآخذِ سیرت کے تمام بیانات کے ایک گہرے تجزیے سے یہ حقیقت ابھرتی ہے کہ تقریباً تینتس قیدیوں نے زرِ فدیہ کی مختلف شرحیں ادا کر کے رہائی حاصل کی تھی۔ ان میں سے اٹھارہ کے بارے میں ہمیں قطعی علم ہے کہ انہوں نے زرِ فدیہ کی سب سے بڑی شرح یعنی چار ہزار درہم یا ایک سو اوقیہ چاندی ادا کی تھی۔[52] عہدِ نبوی کے عرب میں نہ صرف یہ گراں ترین شرحِ فدیہ تھی بلکہ سماجی آن کا پیمانہ بھی تھی۔[53] دو اور قیدیوں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بالترتیب دو ہزار اور ایک ہزار درہم کی رقم ادا کی تھی۔[54] مزید دس قیدیوں کے بارے میں مآخذ کا بیان ہے کہ انہوں نے زرِ فدیہ ادا کیا تھا مگر اس کی شرح کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔[55] البتہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عمزاد بھائی نوفل بن حارث بن عبد المطلب ہاشمی کے بارے میں یہ بیان ملتا ہے کہ ان سے بطور فدیہ ایک ہزار چھوٹے نیزے (رماح) ادا کرنے کو کہا گیا تھا۔[56] دلچسپ بات یہ ہے کہ قیدی مذکور قریش کے ایک بڑے تاجرِ اسلحہ تھے۔[57] بہرکیف یہ فرض کرنا قرینِ قیاس ہی نہیں بلکہ قرینِ حقیقت بھی ہوگا کہ ہاشمی اسیرِ بدر سے جتنے اسلحہ کا مطالبہ کیا گیا تھا ان کی قیمت گراں ترین شرحِ فدیہ سے کسی طور زیادہ نہ رہی ہوگی۔ اگر بقیہ دوسرے قیدیوں کے بارے میں یہ مان بھی لیا جائے کہ ان سب نے زرِ فدیہ کی سب سے زیادہ شرح ادا کی تھی جس کا امکان کافی کم ہے تو تمام اسیرانِ بدر سے وصول ہونے والے فدیہ کی کل قیمت ایک لاکھ پندرہ ہزار درہم کے برابر رہی ہوگی۔

اسلاب کی صورت میں ملنے والے اسلحوں اور دوسرے سامانِ حرب کی تعداد و مقدار کے علاوہ ان کی قیمت کا تخمینہ لگانا کافی مشکل ہے۔ لیکن اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی کے بارے میں ہمارا اندازہ و تخمینہ صحیح ہے اور جس کی صحت کے بیّن ثبوت ہیں تو چار پانچ ہزار درہم کی رقم کافی موزوں تخمینہ رہے گا۔ اس طرح تمام اموالِ بدر کی مجموعی قیمت جو مسلمانوں کے عام حصص، صفیِ رسول اکرم، خمس ریاست، اسلاب اور زرِ فدیہ پر محیط ہے ایک لاکھ اکیاون ہزار پانچ سو درہم کے لگ بھگ آتی ہے۔ تمام دوسرے امکاناتِ سہو و نسیان کو مدِ نظر رکھا جائے تو مجموعی قیمت بہرکیف ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم سے کسی طور متجاوز نہیں تھی۔ یہ رقم خاصی متاثر و مرعوب کن ہے۔ لیکن جب ہم غازیانِ بدر میں سے فی کس حصہ کو متعین کرتے ہیں تو قیمت اتنی اہم نہیں رہ جاتی بلکہ وہ خاصی حقیر معلوم ہوتی ہے۔ اب اگر اس مجموعی رقم کو بدری صحابہ میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے تو ہر ایک کے حصے میں تقریباً ۴۹۵۶۳۹ درہم یا مکمل اعداد میں پانچ سو درہم پڑیں گے۔ بہرکیف یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ تمام غازیانِ بدر اتنے مالدار نہیں ہوئے تھے کیونکہ حقائق سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ زرِ فدیہ کا فائدہ صرف قیدیوں کو گرفتار کرنے والوں کو پہنچا تھا[58] جبکہ عام غازیوں کو کافی کم مالِ غنیمت ہاتھ لگا تھا[59] اور یہی بقولِ واقدی ان کی رنجش کا سبب تھا۔

مدینہ منورہ کے قبائلِ یہود میں سے بنو قینقاع ایک اہم قبیلہ تھا اور اس نے جنگِ بدر کے معاً بعد مسلمانوں سے

تصادم مول لیا جس کے نتیجے میں ان کے خلاف فوجی کارروائی کی گئی جو غزوۂ بنی قینقاع کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ۲ھ کی تیسری مہم تھی جس میں فاتحین کو کچھ مالِ غنیمت ملا تھا۔(۶۰) مشہور عام روایات کے مطابق وہ سب کا سب ہتھیاروں اور زرگری کے اوزاروں یا ہتھیار سازی کے اوزاروں پر مشتمل تھا جیسا کہ ایک جدید مورخ کا خیال ہے۔(۶۱) کیونکہ بنو قینقاع نہ صرف ماہر سنار تھے(۶۲) بلکہ ہتھیار سازی میں بھی غالباً کمال رکھتے تھے اور وہ روایتی اسلحہ اور زرہ بکتر وغیرہ بنانے کے لیے کچھ اوزاروں کا استعمال کرتے تھے۔ بہرحال یہ ممکن ہے کہ وہ اسلحہ ساز رہے ہوں اور ممکن ہے کہ نہ رہے ہوں کیونکہ ان کی ہتھیار سازی کے بارے میں ہمارے مآخذ خاموش ہیں اور نہ ہی ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلحہ سازی کے ان یہودی اوزاروں کے قبضہ میں آجانے کے بعد شہرِ رسول میں صنعت وحرفتِ اسلحہ سازی میں کسی نمایاں قسم کی پیش رفت ہوئی ہو۔ اس کے علاوہ ہمارے مآخذ بطور غنیمت ملنے والے اسلحوں اور اوزاروں کی تعداد کا بھی کوئی ذکر نہیں کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مالِ غنیمت کی مقدار اور مسلم غازیوں میں اس کی تقسیم کے سوال پر سکوت اختیار کیے ہوئے ہیں۔(۶۳) البتہ صرف صفی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک حوالہ ملتا ہے کہ وہ تین کمانوں، تین نیزوں اور تین تلواروں کے علاوہ دو زرہ بکتروں پر مشتمل تھی۔(۶۴) صفی رسول کے علاوہ مالِ غنیمت کے بارے میں محض اشارات وکنایات ہی ملتے ہیں جن کی بنیاد پر ان کی قیمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تقریباً تمام مآخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ ہجرت نبوی سے قبل جنگ بعاث کے موقع پر بنو قینقاع کے جانبازوں کی تعداد سات سو تھی جن میں سے چار سو مکمل طور سے زرہ بکتر پوش (دارع) تھے جبکہ تین سو بغیر زرہ بکتر کے (حاسر) تھے۔(۶۵) جدید مورخین کا رجحان یہ ہے کہ یہی تعداد اس غزوہ میں بھی رہی ہوگی۔(۶۶) اور یہ قیاس کرنا عین حقیقت ہوگا کہ تمام یہودی سپاہی روایتی اسلحہ جیسے تلوار، تیر کمان، نیزے، حربے وغیرہ سے لیس رہے ہوں گے۔ ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ زرہ بکتروں کے سوا اور دوسرے تمام اسلحے یہودی سپاہیوں کی تعداد کے مطابق تو مناسب رہے ہوں گے۔ اور اس مفروضہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے تمام اسلحے مسلم فاتحوں کے قبضہ میں آئے ہوں گے کہ یہی معاہدۂ خود سپردگی کی شرط تھی۔(۶۷) لیکن مآخذ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودی قبیلہ کے لوگوں نے مسلم سپاہ کی سادگی اور لاعلمی سے فائدہ اٹھایا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کو نہ تو ان کی سپاہ کی کل تعداد کا کوئی حتمی علم تھا اور نہ ہی ان کے ہتھیاروں کی تعداد کا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ بنو قینقاع نے کھلے میدانِ جنگ میں مقابلے سے پہلو تہی کی تھی اور قلعوں (آطام) کی دیواروں میں محصور ہو کر اپنا دفاع کیا تھا۔ چنانچہ خود سپردگی کے بعد بنو قینقاع کے چالاک یہودیوں نے اپنے بیشتر ہتھیار اور اوزار اپنے کجاووں میں چھپا لیے تھے اور جلاوطنی کے وقت اپنے ساتھ لے گئے تھے جیسا کہ ایک سال کے بعد ان کے ہم مذہب وہم وطن بنو نضیر نے کیا تھا۔(۶۸) لہٰذا یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مسلم فاتحین کو اس موقع پر ان کے بیشتر اسلحہ سے محرومی ہوئی تھی۔ بہرحال ان تمام امکانات وحقائق کے بعد اگر ہم اس غزوہ میں حاصل ہونے والی صفی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور غزوۂ بدر میں مکی قیدی نوفل بن حارث ہاشمی کے ادا کردہ زرِ فدیہ کو بنیاد بنائیں تو بنو قینقاع سے حاصل ہونے والا منقولہ مالِ غنیمت کسی طور سے پچاس ہزار درہم سے

زیادہ قیمت کا نہیں تھا۔ یہ امر بہرحال ذہن نشین رہنا چاہیے کہ اس منقولہ مال میں صرف اسلحہ اور اوزارِ زرگری/اسلحہ سازی شامل تھے اور ان کے علاوہ نقد و جنس میں سے کوئی شے مسلمانوں کے ہاتھ نہیں آئی تھی۔[۶۹] اس سے زیادہ اہم ترین امر یہ ہے کہ بنو قینقاع کے جلاوطن ہونے والے مہاجنوں کو مدینہ کے مسلمانوں سے وہ ادھار اور قرضے بھی وصول کر کے ساتھ لے جانے کی اجازت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرما دی تھی جو انھوں نے کبھی دئے تھے۔[۷۰]

منقولہ مالِ غنیمت سے کہیں زیادہ قیمتی وہ جائدادیں تھیں جو ان کی جلاوطنی کے سبب مسلمانوں یا اسلامی ریاست کے قبضہ میں آگئی تھیں۔ مشہور و عام روایات یہی ہیں کہ بنو قینقاع کی مدینہ سے جلاوطنی کے بعد ان کے قلعوں، گڑھیوں (آطام)، رہائشی مکانات اور بازار (سُوق) اور اُس کی دکانوں پر اسلامی ریاست کا قبضہ ہو گیا تھا[۷۱] مگر مآخذ میں اس جائداد غیر منقولہ پر اسلامی قبضہ کے حوالے کمتر ہیں اور ان کی تقسیم کے باب میں بیانات قطعی طور پر مفقود۔[۷۲] البتہ مآخذ اس پر شدت سے اصرار کرتے ہیں کہ یہود بنی قینقاع تجارت پیشہ تھے، زرگر و سنار تھے، مدینہ منورہ میں ایک اہم تجارتی مرکز کے مالک تھے مگر وہ زراعت پیشہ نہیں تھے اس لیے ان کے پاس زرعی زمینیں نہیں تھیں۔[۷۳] ہمارے مستند مورخین کے اتفاق کے باوجود بہرحال اس امکان سے قطعی طور پر انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہود بنو قینقاع یا کم از کم ان کے بعض افراد کے پاس زرعی زمینیں اور جائدادیں رہی تھیں اگرچہ وہ اتنی زیادہ اور اہم نہیں تھیں کہ ان کا ذکر مآخذ کے بیانات میں راہ پا سکتا۔ مآخذ میں کلیہ بیان کیا گیا ہے اور منطق کا یہ اصول عملی زندگی میں بھی صحیح ہے کہ ہر کلیے اور قاعدے کے مستثنیات بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں جو کہ بنو قینقاع کے ایک جیّد عالم تھے اور جمالِ نبوی کو دیکھ کر صداقت نبوی پر ایمان لے آئے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس کھجور کا ایک باغ یا کچھ زرعی زمین ضرور تھی۔[۷۴] بہرحال بنو قینقاع کی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ کی بحث سے قطع نظر اور مسلم غازیوں میں ان کی تقسیم ہونے یا نہ ہونے یا اسلامی ریاست کے قبضہ و تصرف میں اس کے باقی رہنے کی قانونی موشگافی سے بھی قطع نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو قینقاع کی مفتوحہ اراضی سے بعض غریب مسلمانوں کی آبادکاری ہوئی تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کے قرآنی قاعدے کے مطابق اپنی صوابدید سے جس کو چاہتے تھے عطا کرتے تھے۔

لیکن ایک جدید ہندوستانی مورخ نے یہ تصور پیش کیا ہے کہ بنو قینقاع کو خود سپردگی کے بعد مدینہ منورہ سے جلاوطن نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان کو ہتھیاروں اور اسلحہ سازی کے اوزاروں سے محروم کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی اور وہ بدستور سابق اپنی اراضی/جائدادوں پر قابض رہے تھے اور اپنا پرانا کاروبار زرگری اور مہاجنی کرتے رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان کے زرگری کے اوزار بھی انھیں کے قبضہ میں رہے تھے۔ محقق موصوف نے اپنے نظریہ کی حمایت و ثبوت میں کافی وزنی اور قطعی دلائل دیے ہیں۔[۷۵] جن سے سرِ دست ہمیں سروکار نہیں۔ بہرحال اگر ان کی یہ تحقیق صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہود بنی قینقاع کے "اموال" یا "ضیاع" اموال غنیمت میں شامل نہ تھے اور اس طرح مجموعی مالِ غنیمت کی مالیت کافی کم رہ جاتی ہے۔ عام روایات کو قبول کرنے کی

صورت میں ان سے حاصل شدہ اموال کی قیمت دوگنی یعنی ایک لاکھ درہم کے قریب پہنچ جاتی ہے کیونکہ ان کی جائداد کی قیمت پچاس ہزار درہم کے لگ بھگ ضرور ہوگی۔ بنو قینقاع کی جائداد پیداواری کمتر تھی اور رہائشی زیادہ۔ صرف ایک بازار اور اس کی دکانیں پیداواری جائداد میں شامل تھیں جبکہ ان کے قلعے، گڑھیاں اور رہائشی مکانات غیر پیداواری جائداد میں شامل تھے۔ اس لحاظ سے ان کی مالیت پیداواری جائداد کے مقابلے میں کافی کم تھی۔ مدینہ منورہ کے یہودیوں کے اموال/جائدادوں کی قیمت کے بارے میں نہ تو کوئی صریح بیان ملتا ہے اور نہ ہی کوئی اشارہ۔ البتہ فدک کی زرعی جائدادوں کے بارے میں ایک بیان ضرور ملتا ہے اور اسی کی بنیاد پر قیاس کرکے مدنی یہودیوں کی جائدادوں کا تخمینہ لگانا قرین قیاس ہے۔ فدک کے بارے میں ہم کچھ دیر بعد بحث کریں گے۔ یہاں اتنا کہنا کافی ہے کہ مدینہ کے یہودی اموال کے بارے میں یہ تخمینہ محض خالی قیاس آرائی نہیں ہے بلکہ وہ اصل قیمت کے کافی قریں معلوم ہوتا ہے۔ بہرکیف اس غزوہ میں حاصل شدہ غنیمت کا کل تخمینہ تقریباً دو لاکھ پچاس ہزار درہم بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔

اس برس کا آخری غزوہ جس میں مسلمانوں کو کچھ مالِ غنیمت نصیب ہوا غزوہ سویق تھا۔ روایات کے مطابق قریش مکہ کے ایک لشکر نے مدینہ منورہ کی چراگاہوں اور کھیتوں پر حملہ کیا اور جب مسلمانوں نے اس کا تعاقب کیا تو وہ بھاگ نکلے اور فرار ہونے وقت قائدِ قریش ابوسفیان بن حرب اور ان کے سپاہیوں نے اپنے جانوروں کا بار ہلکا کرنے کے لیے ستو (سویق) کے وہ تھیلے پھینک دئے جو وہ اپنے خور و نوش کے لیے ساتھ لائے تھے۔ اس مہم کا کل مالِ غنیمت یہی چند تھیلے ستو کے تھے[٦٦] اور ظاہر ہے کہ ان کی قیمت بہت زیادہ نہیں تھی۔ حد سے حد ان کی قیمت دو ہزار [۲۰۰۰] درہم رہی ہوگی اور مسلم سپاہ میں سے فی کس حصہ محض دس [۱۰] سے پچاس [۵۰] درہم کے درمیان رہی ہوگی کیونکہ ان کی تعداد دو سو [۲۰۰] اور چار سو [۴۰۰] کے درمیان بتائی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا شواہد و حقائق سے جن کا ہم نے اوپر جائزہ لیا ہے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہجرت نبوی کے بعد کے دو [۲] برسوں کے دوران یعنی ۱-۲ھ/۶۲۲-۲۴ء کے زمانہ میں کل بارہ مہمیں مسلمان جانبازوں نے سرانجام دیں۔ ان میں صرف چار [۴] میں کچھ مالِ غنیمت حاصل ہوا اور ان چاروں میں سے بھی صرف ایک میں مالِ غنیمت کو معتدبہ یا وافر کہا جاسکتا ہے اور وہ غزوۂ بدر تھا۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو کسی حد تک وقیع مالی فوائد حاصل ہوئے تھے اور اگر مشہور عام روایات تسلیم کرلی جائیں تو دوسرا اہم غزوہ بنو قینقاع کا تھا جس میں منقولہ مال نہ سہی تاہم غیر منقولہ جائداد کی شکل میں خاصا وقیع مالِ غنیمت ملا تھا۔ ورنہ جدید تحقیقات کے مطابق یہ غزوہ اموال کے لحاظ سے اتنا اہم نہیں رہ جاتا۔ بقیہ دو مہمات جن میں مالِ غنیمت ملا معمولی مہمیں تھیں اور وہ مسلمانوں کی مالداری میں کوئی خاص کردار نہیں ادا کرسکیں۔

۳ھ/۶۲۴-۲۵ء میں مسلم جانبازوں نے کل سات مہمیں سرانجام دیں جن میں سے صرف تین مہموں میں ان کو مالی یا اقتصادی فوائد حاصل ہوئے۔ اس برس کا پہلا مالِ غنیمت غزوہ الکدر میں حاصل ہوا جو ایک روایت کے مطابق پانچ سو اونٹوں پر مشتمل تھا اور دوسری روایت کے مطابق سولہ سو اسی [۱۶۸۰] اونٹوں (بعید) پر۔ اس میں دو سو [۲۰۰] مسلم غازیوں کے

حصص، صفی رسول اکرم اور خمس ریاست اسلامی سبھی شامل تھے۔[۷۷] واقدی نے پہلی روایت کو زیادہ قابلِ اعتماد مان کر ترجیح دی ہے۔[۷۸] بہرکیف بنو سلیم سے حاصل ہونے والے اس مالِ غنیمت کی مالیت بیس ہزار اور ستر ہزار درہم تک زیادہ سے زیادہ رہی تھی اور ایک معیاری مسلم حصہ ایک سو اور تین سو درہم کے درمیان پڑا ہوگا۔ زیادہ تر مورخین کا اتفاق پہلی روایت پر ہے اس لیے اسی کو زیادہ قابلِ قبول سمجھنا چاہیے یہاں تک کہ اس کے خلاف دوسرے شواہد یا اشارات مل جائیں۔

توقیتی ترتیب کے مطابق پانچویں مہم اور مالِ غنیمت کے نقطۂ نظر سے اس برس کی دوسری مہم سریۂ زید بن حارثہ تھا جو القردہ نامی مقام کی جانب بھیجا گیا تھا اور جس میں ایک سو مسلم غازیوں نے حصہ لیا تھا۔ اس مہم نے مشرقی شاہراہِ تجارت پر سفر کرنے والے ایک قریشی کارواں پر کامیاب تاخت کی اور اس کے تمام مالِ تجارت پر قبضہ کر لیا جس میں زیادہ تر خام چاندی (فضۃ) تھی۔ کارواں کے محافظ غازیوں سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ہمارے مآخذ بصراحت بیان کرتے ہیں کہ مالِ غنیمت ایک لاکھ درہم کی مالیت کا تھا کیونکہ صرف خمس بیس ہزار درہم پر مشتمل تھا۔[۷۹] اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک معیاری مسلم حصۂ غنیمت (سہم) آٹھ سو درہم کی مالیت کا تھا۔

اس برس کی ایک اہم مہم غزوۂ اُحد تھا جو اگرچہ فوجی اور سیاسی اعتبار سے کافی دور رس نتائج کا حامل تھا مگر مالی اور اقتصادی لحاظ سے خاص کر مالِ غنیمت کے لحاظ سے ناقابلِ ذکر مہمات کے زمرہ میں آتا ہے۔ جیسا کہ معروف و مشہور ہے کہ ابتداء میں مسلمانوں کو اگرچہ اس مہم میں خاصی فوجی کامیابی ملی تھی تاہم آخر میں یہ کامیابی مسلم تیر اندازوں کی غفلت اور حکم عدولی کے سبب ناکامی اور شکست میں تبدیل ہو گئی۔ بہرحال یہ بات خاصی دلچسپ ہے کہ مسلم تیر اندازوں کی یہ غفلت شعاری مالِ غنیمت کے حصول میں ہوئی تھی۔[۸۰] یہ حقیقت عموماً کم معروف ہے کہ ابتدائی لمحاتِ فتح میں بعض مسلمانوں کو خاصا مالِ غنیمت ملا تھا۔ یہ مسلم غازیوں نے دشمن کے لشکرگاہ سے حاصل کیا تھا یا اسلاب کی شکل میں پایا تھا جیسا کہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے۔[۸۱] لیکن یہ مالِ غنیمت فاتحین کے قبضہ میں باقی نہیں رہ سکا اور اس کا بیشتر حصہ شکست و افراتفری کے عالم میں ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔[۸۲] بایں ہمہ بعض مسلمان سپاہی اپنے مال پر قابض رہنے میں کامیاب رہے تھے۔ دو مجاہدوں کے بارے میں روایات بتاتی ہیں کہ ان میں سے ایک کو ایک چھوٹی تھیلی ملی تھی جس میں پچاس دینار (چھ سو درہم) تھے جبکہ دوسرے کو ۱۳ مثقال چاندی (لگ بھگ سولہ درہم) ملے تھے اور دونوں اپنا اپنا مال خدمتِ نبوی میں لے کر حاضر ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر سی غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کرنا مناسب نہیں سمجھا اور انھیں دونوں کو بخش دیا۔[۸۳]

ہجرت کے چوتھے برس یعنی ۴ھ/۶۲۵-۲۶ء نے مسلم مجاہدین کو سات مہموں میں نبرد آزمائی کرتے دیکھا مگر ان میں سے صرف دو کسی حد تک مالِ غنیمت کے لحاظ سے ثمرہ آور رہیں۔ مالی منفعت والی پہلی مہم سریۂ قطن تھا جو حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی کی قیادت میں قبیلہ بنو اسد کے ایک چشمے قطن نامی کی جانب محرم/جون میں بھیجا گیا تھا۔ واقدی کی ایک روایت کے مطابق ڈیڑھ سو مجاہدین پر مشتمل لشکر کے ہر سپاہی کو سات اونٹوں کا حصۂ غنیمت پڑا تھا۔[۸۴] اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلم حصص، صفی رسول اور خمس ریاست کو ملا کر کل غنیمت تیرہ سو دس (۱۳۱۰) اونٹوں پر مشتمل تھی۔ ان کے علاوہ

فاتحین نے اس چراگاہ کے تین چرواہوں (رَاعی) کو بھی پکڑ لیا تھا جو کہ سب کے سب غلام (ممالیک) تھے۔[۸۵] اس طور سے حاصل شدہ کل مالِ غنیمت کی نقد قیمت باون ہزار چار سو درہم تھی اور ایک مسلم حصہ لگ بھگ دو سو اسّی درہم کا پڑا تھا۔ جہاں تک غلام چرواہوں کا تعلق ہے ان کے بارے میں مآخذ خاموش ہیں۔ قرینِ قیاس ہے کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو کر آزادی پا گئے ہوں گے اور مسلم مزدوروں کے طبقہ میں شامل ہو گئے ہوں گے۔ بہر حال دوسرا امکان یہ بھی ہے کہ وُہ مسلمان نہ ہُوئے ہوں اور مسلم مجاہدین یا ریاست اسلامی کے غلام و اجیر بنے ہوں۔ اس صورت میں مالِ غنیمت کی مالیت میں دو تین ہزار درہم کا اضافہ ہو گیا ہو گا۔

اس برس کی آخری نفع بخش مہم مدینہ منورہ کے ایک اور یہودی قبیلہ بنو نضیر کے خلاف غزوۂ نبوی تھا۔ خود سپردگی کے معاہدے کے مطابق مفتوح و شکست خوردہ یہودِ مدینہ کو اپنے تمام ہتھیار اسلامی حکومت کے حوالے کرنے تھے۔ مگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف پچاس زرہ بکتر، پچاس آہنی خُود اور تین سو چالیس تلواریں مسلمانوں کے حوالے کی گئی تھیں۔ غالباً کیا یقیناً اس میں یہودانِ بنو نضیر کے بیشتر ہتھیار شامل نہ تھے اور جیسا کہ روایات شاہد ہیں کہ چالاک دشمنوں نے اپنے بیشتر ہتھیار اپنے کجاووں (رحال) میں چھپا لیے تھے اور شہر سے جلاوطنی کے وقت ان کو اپنے ساتھ خیبر لے گئے تھے۔[۸۶] بہر کیف مسلمانوں کو اس واحد نقد مالِ غنیمت سے محرومی کے بعد محض گنتی کے ہتھیاروں پر قناعت کرنی پڑی تھی۔ اس معمولی غنیمت کی زیادہ سے زیادہ قیمت دس ہزار درہم رہی ہوگی۔ اس کے علاوہ نقد و جنس میں اور کوئی مالِ غنیمت نہیں ملا تھا۔ ہمارے مآخذ صراحت کرتے ہیں کہ یہودی جلاوطنوں کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی تھی کہ وُہ اپنی جائداد منقولہ میں سے جو کچھ اپنے ساتھ لے جانا چاہیں بلا خوف و خطر لے جا سکتے ہیں اور انہوں نے اس اجازتِ نبوی اور مرحمت رسالت سے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ نہ صرف سامان و اسباب، نقد و جنس اور اشیائے رسد و ضرورت اپنے ساتھ لے گئے تھے بلکہ گھروں کی چوکھٹیں اور دروازے تک اکھاڑ کر لے گئے[۸۷] حالانکہ یہ معاہدہ کے صریحاً خلاف تھا۔ عدل و انصاف و رحمتِ نبوی کا اس سے بڑھ کر یہ مظاہرہ و ثبوت تھا کہ یہود بنی نضیر کے مہاجنوں کو بھی اپنے مسلمان قرضداروں سے قرضے وصول کرنے کی تین دن کی مزید مہلت دی گئی تھی اور مسلم قرضداروں نے لیت و لعل سے کام لے کر مدت گزرنے کا فائدہ نہیں اٹھایا تھا بلکہ حکمِ نبوی کے مطابق جلد سے جلد ان کے قرضے ادا کر دئے تھے۔ البتہ باہمی اتفاق سے یہودی مہاجنوں نے نہ صرف اصل مال (رأس المال) پر قناعت کر لی تھی اور سود (ربا) کی رقم چھوڑ دی تھی جیسا کہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔[۸۸] اس معاہدۂ باہمی کا ایک قانونی سبب یہ تھا کہ سود کی ادائیگی سال گزرنے پر واجب ہوتی تھی اور ابھی پُورا سال نہ گزرا تھا۔

بہر کیف بنو نضیر کی جلاوطنی کے سبب ان کی زرعی زمینیں اور دوسری جائدادیں جو کھجور کے باغات (النخل) اور اناج و سبزی وغیرہ کے کھیتوں (الزرع) کے علاوہ ان کے رہائشی مکانات پر مشتمل تھیں اور جو ان کے اپنے محلے میں گڑھیوں (آطام) میں واقع تھیں مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی تھیں۔[۸۹] ہمارے مآخذ اس یہودی قبیلہ کی اراضی پر

مشتمل جائدادوں کے متعلق نہ تو تفصیلات فراہم کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی اصل یا تخمینی قیمت کے بارے میں کوئی اشارہ دیتے ہیں۔ البتہ وہ بعض جائدادوں کے ناموں کا ذکر ضرور کرتے ہیں جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں تقسیم کی تھیں۔ مثال کے طور پر حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بالترتیب "بئر حجر" اور "بئر جرم" نامی جائدادیں ملی تھیں[۹۰]۔ ان کے ناموں سے یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ محض دو کنوئیں تھے جو ان کو عطا ہوئے تھے مگر قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافی رقبہ پر مشتمل جائدادیں تھیں جن میں مذکورہ بالا ناموں کے کنوئیں بھی شامل تھے اور پوری اراضی اپنے کنوئیں کے ناموں سے مشہور ہوگئی تھی۔ عرب میں یہ رواج رہا ہے کہ علاقوں، خطوں اور اراضی کے نام کنوؤں اور چشموں کے ناموں سے موسوم و مشہور ہوتے رہے ہیں۔ جیسے بئر معونہ، مریسیع، رجیع وغیرہ[۹۱]۔ اس کے علاوہ واقدی وغیرہ کی روایات میں متعدد ایسے علاقوں کا ذکر ملتا ہے[۹۲]۔ مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ کو سعالہ نامی ایک جائداد ملی تھی جو ایک مشہور مشرقی قبیلہ کے نام سے مال سُلیم کہی جاتی تھی اور شاید اسی نام سے زیادہ معروف ہوگئی تھی[۹۳]۔ حضرت صہیب بن سنان نمری قاسطی کو ضرطہ نامی پوری جائداد ملی تھی جبکہ حضرت زبیر بن عوام اسدی قریشی اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہما کو البویلہ نامی جائداد برابر برابر ملی تھی[۹۴]۔ ایک حوالہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو غریب انصاریوں حضرات سہل بن حُنیف اور ابودجانہ کو ایک جائداد مشترکہ طور پر دی گئی تھی اور اس کا نام "مال ابن خرشہ" تھا[۹۵]۔ ظاہر ہے کہ یہ جائداد ابن خرشہ نامی یہودی کی تھی جو اس کی جلاوطنی کے بعد ان دونوں صحابیوں کے حصہ میں آئی تھی۔ ابن سعد کے ایک بیان سے یہ مزید علم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری کے قبضہ و تصرف میں ایک جائداد اُلکَیْدَمَہ نامی بھی تھی جس کا تعلق "اموال بنی النضیر" سے رہا تھا[۹۶]۔ کیا یہ وہی جائداد تھی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی موصوف کو بطور قطیعہ عطا فرمائی تھی یا کوئی دُوسری تھی فی الوقت کہنا مشکل ہے۔ تقریباً اتنا ہی مشکل یہ جاننا بھی ہے کہ یہ جائداد انھوں نے خریدی تھی یا بطور قطیعہ پائی تھی۔ لیکن غالب امکان یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسری جائداد تھی جو صحابی موصوف نے بعد میں کسی وقت خریدی تھی کیونکہ صحابی موصوف اس وقت تک ایک مالدار تاجر بن چکے تھے اور اپنی تجارتی سُوجھ بوجھ اور مہارت و دُوراندیشی کے سبب پیداواری جائدادوں کی خرید و فروخت کا کام بھی کرتے تھے۔ چنانچہ روایات مظہر ہیں کہ عہدِ عثمانی میں اُنھوں نے یہ جائداد خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چالیس ہزار دینار میں فروخت کر دی تھی[۹۷]۔ اس زمین کی قیمت فروخت بھی اس پر دلیل ہے کہ یہ کوئی اور جائداد تھی۔ خلافت عثمانی میں بلکہ اس سے دس برس قبل فتوحات عراق و شام کے زمانے سے ہی فتوحات میں اموالِ غنائم کی کثرت کے سبب افراطِ زر کا رجحان پیدا ہو چکا تھا اور اس کے نتیجے میں قیمتوں میں کافی فرق آ گیا تھا۔ پھر بھی عہدِ نبوی اور عہدِ عثمانی کی قیمتوں میں اتنا فرق نہیں پیدا ہوا تھا جتنا کہ اس خرید و فروخت کی قیمت سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس رقم کو دراہم میں تبدیل کر دیا جائے تو کل قیمت تقریباً پانچ لاکھ درہم (بالکل صحیح چار لاکھ اسّی ہزار درہم) آتی ہے۔ اتنی قیمت عہدِ نبوی میں تو غالباً پورے قبیلہ کی اراضی کی بھی نہ رہی ہوگی۔

اموالِ بنی نضیر کی قیمت کا کچھ اندازہ ان عطایائے جنس سے بھی ہوتا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفایائے رسولؐ یا فے اراضی سے خاندانِ بنو ہاشم اور عبد المطلب کے بعض افراد کو عطا فرمائے تھے۔ یہ عطایا دراصل مستقل "طعم" تھے جو ان زمینوں کی پیداواروں مثلاً کھجور، اناج، شہد، سبزی وغیرہ کی شکل میں دئے جاتے تھے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عطایا پانے والوں کی سالانہ ضروریات کے لیے کافی ہوتے تھے[۹۸] مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عطایا سے دس بارہ مختصر خاندانوں کی معمولی درجے میں کفالت ہو جاتی تھی اگرچہ ہمارے پاس ایسے اور اتنے ثبوت وشواہد نہیں ہیں کہ ہم تمام اموال بنی نضیر کی قیمت کے بارے میں کوئی حتمی اندازہ کر سکیں۔ بایں ہمہ اتنے قرائن ہیں جو بتاتے ہیں کہ اس یہودی اراضی کی قیمت ہم زیادہ سے زیادہ تین لاکھ درہم بھی فرض کرلیں تو عین تقاضائے انصاف ہوگا اس مفروضہ کے قرائن یہ ہیں کہ اموالِ خیبر جو رقبہ وقیمت میں اس سے یقیناً بڑے اور وسیع تھے اس سے کچھ ہی زیادہ قیمت کے تھے۔[۹۹]

ہجرت کے پانچویں سال یعنی ۶۲۶-۲۷ء میں کل پانچ مہیں پیش آئیں جن میں صرف تین میں مسلمانوں کو غنیمت حاصل ہوئی۔ ربیع الاول / اگست میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ دومۃ الجندل دراصل کسی قبیلہ یا طبقہ کے خلاف فوجی کارروائی نہیں تھی بلکہ وہ کچھ شمالی قبیلوں کے ڈاکوؤں اور رہزنوں (قطاع الطریق[۱۰۰]) کی گوشمالی کی انتظامی کوشش تھی جنہوں نے اس علاقہ کے بازار اور شاہراہ تجارت کو پرخطر بنا دیا تھا اور کاروانوں کی آمد و رفت میں رخنہ ڈالا تھا۔[۱۰۱] اس کارروائی کے نتیجہ میں کچھ مویشی بطور غنیمت ملے تھے[۱۰۲] اور ظاہر ہے کہ ان کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی کیونکہ ان مویشیوں کا تعلق رہزنوں سے تھا۔ بہرکیف ان مویشیوں کی قیمت کا تخمینہ لگانا ناممکن ہے کیونکہ مآخذ میں نہ تو ان کی تعداد کا کوئی ذکر ملتا ہے اور نہ ہی مسلم حصص کا۔ ظاہر ہے کہ ان کی قیمت کا تخمینہ ناممکن ہے۔ البتہ اس حقیقت سے کہ یہ کوئی فوجی کارروائی کسی قبیلہ یا قبیلوں کے مجموعہ کے خلاف نہ تھی جیسا کہ کیتانی اور مونٹگمری واٹ کو بھی اعتراف ہے[۱۰۳] اس لیے اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مال بہت زیادہ نہ تھا اور اس کی زیادہ سے زیادہ مالیت دس ہزار درہم لگائی جاسکتی ہے۔

تقریباً چھ ماہ بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور غزوہ کی قیادت فرمائی۔ اس موقع پر مزل قبیلہ خزاعہ کی ایک اہم شاخ جو خود قبیلہ بن چکی تھی یعنی بنو مصطلق کا چشمہ وچراگاہ مریسیع تھی۔ ہمارے مآخذ سے واضح ہوتا ہے کہ بنو مصطلق کا اجتماع مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوا تھا جس کی دمبدم خبریں مدینہ منورہ پہنچ رہی تھیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس کی تصدیق بھی فرما چکے تھے۔[۱۰۴] بہرحال مسلم فوج نے اُن کو اچانک آلیا[۱۰۵] اور اس موقع پر ان کو کافی مالِ غنیمت ہاتھ لگا اس میں دو ہزار اونٹوں، پانچ ہزار بھیڑ بکریوں کے علاوہ خاصی تعداد میں جو اگرچہ غیر متعینہ ہے ہتھیار (سلاح) بھی ملے۔ اسی طرح شکست خوردہ دشمن کے کجاووں میں دوسرا مال واسباب (رثۃ، متاع) بھی مسلم مجاہدین کے قبضہ میں آگیا۔ اگرچہ نقد وجنس کی اس غنیمت کے علاوہ تقریباً دو سو خاندان (حی) بھی بطور قیدی ہاتھ لگے تھے مگر پھر سردارِ قبیلہ حارث بن ابی ضرار کی خوش نصیب ومبارک دختر حضرت جویریہ کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے سبب

ان میں سے نصف کو بلا زرِ فدیہ وصول کیے رہا کر دیا گیا۔[۱۰۶] اور باقی سَو خاندانوں نے زرِ فدیہ ادا کر کے رہائی پائی۔[۱۰۷] اگرچہ مآخذ میں زرِ فدیہ کی کل مالیت یا اس کی کسی شرح کا واضح ذکر نہیں ملتا۔ تاہم دو ایسے قرائن ملتے ہیں جو کم از کم زرِ فدیہ کی مالیت کا تخمینہ لگانے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ خود حضرت جویریہ بنت حارث خزاعی یعنی زوجِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ دلچسپ اور اہم روایت ملتی ہے کہ تقسیم غنائم کے وقت وہ دو مسلم مجاہدوں حضرات ثابت بن قیس بن شماس خزرجی اور ان کے ایک نامعلوم عم زاد بھائی کے مشترکہ حصہ میں آئی تھیں۔ حضرت ثابت نے اپنے شریکِ سہیم بھائی کا حصہ مدینہ میں واقع ایک چھوٹے سے کھجور کے باغ (نخلۃ) کے بدلے میں خرید لیا تھا اور حضرت جویریہ کے مالکِ کل بن گئے تھے۔[۱۰۸] پھر حضرت جویریہ نے حضرت ثابت خزرجی سے اپنی آزادی کا سودا جس کو فقہی اصطلاح میں مکاتبت کہتے ہیں نو اوقیہ سونے (ذھب) یا تقریباً چار ہزار درہم میں کر لیا۔[۱۰۹] قرائن و شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی میں یہ زرِ فدیہ کی گراں ترین شرح تھی جو عام طور سے مالدار قیدیوں سے وصول کی جاتی تھی جیسا کہ غزوہ بدر کے اسیرانِ قریش کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ زرِ مکاتبت / فدیہ کی ادائیگی میں مدد حاصل کرنے کے لیے حضرت جویریہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اور آپ نے اس کے عوض شادی کی تجویز رکھی جس کو حضرت جویریہ نے بخوشی قبول کر لیا اور آپ نے وہ رقم حضرت ثابت کو ادا کر دی۔[۱۱۰] دوسرے واقعہ میں ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ چھ چھوٹے بچوں کی ماں نے اپنی اور اپنے بچوں (ذریۃ) کی آزادی چھ فرائض (وہ اونٹ جو صدقہ یا زکوٰۃ میں دئے جاتے ہیں) بطور زرِ فدیہ ادا کر کے حاصل کر لی تھی۔[۱۱۱] یہ عام قیدیوں کے زرِ فدیہ کی معیاری شرح معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم اگر یہ فرض کر لیں کہ بنو مصطلق کے زرِ فدیہ ادا کرنے والے قیدیوں نے چھ سو عام قسم کے اونٹ یا نقد و جنس میں ان کی قیمت ادا کی تھی تو زیادہ حقیقت سے دُور نہ ہوں گے اور اس صورت میں زرِ فدیہ کی کل مالیت چوبیس ہزار درہم ہو گی۔ اسی شرح پر مویشیوں پر مشتمل کل غنیمت کی مالیت ایک لاکھ درہم بنے گی۔ مالِ غنیمت کی دوسری چیزوں مثلاً اسلحہ اور سامان وغیرہ کی مالیت کو بھی اگر جوڑ لیا جائے تو کل مالیت دو لاکھ درہم سے کسی طرح سے زیادہ نہ ہو گی۔ پھر اگر واقدی اور ابنِ سعد کا یہ بیان تسلیم کر لیا جائے جو بعض دوسری روایات سے معارض ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ سے شادی کے بعد بقیہ اسیرانِ مصطلق کو بھی بلا زرِ فدیہ رہا کر دیا تھا[۱۱۲] تو کل مالیت میں خاصی کمی ہو جائے گی۔ بہرحال یہاں بھی ہم سب سے زیادہ تخمینہ کو قبول کر کے اس غزوہ میں حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی زیادہ سے زیادہ مالیت کو شامل کر رہے ہیں تاکہ کسی قسم کی کمی کا احتمال نہ رہے، جیسا کہ ہم نے غنائم کی مالیت کے سلسلہ میں اور دوسری مہمات کے ذیل میں کیا ہے۔

اگرچہ غزوۂ احزاب یا جنگِ خندق سیاسی اور فوجی اعتبار سے بہت اہم ہے تاہم غنیمت کے لحاظ سے اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کو نقد و جنس میں کوئی مال نہیں ملا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض مسلم مجاہدین کو انفرادی معرکوں یا مبارزت کے مظاہروں میں اپنے مفتوح یا مقتول حریف کا

سازو سامان بطور سلب مل گیا تھا۔[113] اور ظاہر ہے کہ ان تمام اسلاب کی مالیت دو تین ہزار درہم سے زیادہ نہ رہی ہوگی اور اس کا مالی فائدہ بھی چند مسلمانوں تک محدود رہا تھا کیونکہ تین ہزار مسلم مجاہدین میں سے وُہ فاتح نبرد آزماؤں کا ہی حصہ قرار پایا تھا۔

اُس سنہ ہجری کا آخری معرکہ غزوۂ بنی قریظہ ہے جو مدینہ کے آخری مسلم و ریاست دشمن یہودی قبیلہ کے خلاف پیش آیا تھا۔ مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ غزوۂ احزاب کے معاً بعد وقوع پذیر ہوا تھا۔ دوسرے یہودی قبیلوں کی مانند بنو قریظہ کا بھی محاصرہ کر لیا گیا اور کچھ مدت بعد جب محصورین نے ہتھیار ڈال دیے تو ان کا تمام نقد و جنس مال اور جائدادیں ضبط کر لی گئی تھیں۔ عام روایات کے مطابق غنائم میں اسلحہ، اونٹ، مویشی، گھریلو سامانِ ضرورت جیسے برتن، کپڑے اور متعدد دوسری چیزیں شامل تھیں۔ جہاں تک ہتھیاروں کا تعلق ہے تو ان میں پندرہ سو تلواریں، تین سو زرہ بکتر، دو ہزار نیزے اور پندرہ سو آہنی اور پارچہ جاتی ڈھالیں (ترس و حجفۃ) شامل تھیں۔[114] دوسرے اسباب کی مقدار و تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ابھی تک مشہور عام اور سندِ قبولیت رکھنے والی روایات کا اصرار ہے کہ بنو قریظہ کے اسیرانِ بلا میں سے بہت سے عورتوں اور بچوں کو عرب اور شام کے مختلف بازاروں میں فروخت کر دیا گیا تھا اور اس کی رقوم بھی اموالِ غنیمت میں شامل تھیں۔[115] لیکن دورِ جدید کی دو مدلل، مفصل و مسکت تحقیقات نے جو ڈبلو، این عرفات[116] اور برکات احمد[117] نے حال میں کی ہیں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ نہ تو شکست خوردہ یہودی قبیلہ کے مردوں کو بلا امتیاز قتل کیا گیا تھا اور نہ ہی ان کے بچوں اور عورتوں کو لونڈی غلام بنا کر بازاروں میں بیچا گیا تھا۔ اور نہ ہی ان کے اسباب و اموال منقولہ کو اسلامی ریاست نے ضبط کیا تھا۔ ان کو بالکل اسی طرح مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا گیا تھا جس طرح دو برس قبل بنو نضیر کے قبیلہ کو کیا گیا تھا۔ اگر یہ تحقیقات تسلیم کر لی جائیں اور ان کے تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تو اموال منقولہ میں صرف ہتھیار ہی ایسے تھے جو مسلم مجاہدین کے قبضہ میں آئے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی زرعی زمینیں بھی فے رسول میں شامل ہو گئی تھیں۔ اگر عام و مشہور روایات تسلیم کر لی جائیں تو اموالِ غنیمت کی مالیت ایک خزانے سے کم نہ تھی۔

حُسنِ اتفاق اور خوش قسمتی سے ایک اہم روایت اس ضمن میں ملتی ہے جو مشہور صحابی رسول حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کی سند پر بیان ہوئی ہے۔ صحابی موصوف اس معرکہ کے نہ صرف عینی شاہد اور جسمانی شریک تھے بلکہ انہوں نے خاصا اہم کردار ادا کیا تھا۔ ان کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہسوار مسلم مجاہد کی قسمت میں پینتالیس دینار کی رقم بطور حصۂ غنیمت (سہم) کے آئی تھی اور اس رقم میں اسباب نقد و جنس، مویشی اور اراضی کے حصہ کی رقم شامل تھی۔[118] اس معیاری حصۂ غنیمت کی بنیاد پر بنو قریظہ کے غزوہ کی کل مالیت عام روایات کے مطابق تقریباً ستاون ہزار چھ سو دینار (چھ لاکھ اکیانوے ہزار دو سو درہم) بنتی ہے جس میں تین ہزار پیادہ سپاہ اور چھتیس گھوڑوں کے حصص کے علاوہ ریاستِ اسلامی کا خمس بھی شامل ہے۔[119] اس رقم میں ہتھیاروں اور صفی رسول کی قیمت شامل نہیں ہے۔ ایک منصفانہ تخمینہ یہ ہے کہ اس غزوہ میں حاصل شدہ کل غنائم کی مالیت تقریباً سات لاکھ

بیس ہزار درہم تھی اور یہ خاصی قابلِ اعتماد رقم اور محتاط تخمینہ ہے۔

ہجرت کے چھٹے سال (جون ۶۲۶ء تا مئی ۶۲۷ء) کو ہم سرایا کا سال کہہ سکتے ہیں کہ اس برس صرف سرایا ہی میں غنائم حاصل ہوئے تھے۔ اگرچہ اس برس تین غزوات بھی پیش آئے مگر وہ سب کے سب خالی گئے اٹھارہ سرایا میں سے صرف سات میں مسلمانوں کو مالی فائدے حاصل ہوئے تھے۔ اس سال کا پہلا ہی سریہ جو سریۂ قرطاء کہلاتا ہے اور جو حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کی کمان میں محرم/جون میں بھیجا گیا تھا ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بھیڑ بکریوں کی غنیمت تیس آدمیوں پر مشتمل مجاہد دستہ کے لیے لایا تھا(۱۲۰)۔ تین ماہ بعد چالیس مجاہدین پر مشتمل ایک مہم جو حضرت عکاشہ بن محصن کی قیادت میں الغمر نامی مقام تک گئی تھی دو سو اونٹ بطور غنیمت حاصل کر کے لائی تھی(۱۲۱)۔ اسی ماہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح فہری کے سریہ ذوالقصہ نے مویشیوں اور سامان پر مشتمل کچھ غنیمت حاصل کی تھی مگر اس کی تعداد و مقدار کا ذکر مآخذ میں نہیں ملتا(۱۲۲)۔ بہرحال روایات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بہت حقیر مال تھا(۱۲۳)۔ اسی طرح حضرت زید بن حارثہ کلبی مولائے رسول کا سریہ جموم بھی کچھ مویشی اور قیدی لایا تھا اور اس کی مالیت بھی بہت زیادہ نہ تھی(۱۲۴)۔ اس کے دو ماہ بعد حضرت زید نے اپنے سریہ العیص میں ایک مالدار مکی کارواں پر تاخت کر کے دوسرے سامانِ تجارت کے علاوہ کافی بڑی مقدار میں خام چاندی حاصل کی تھی مگر پھر یہ سارا مال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر نیک اختر حضرت زینب کی سفارش پر ان کے کافر شوہر ابو العاص بن ربیع اموی کو واپس کر دیا گیا تھا(۱۲۵)۔ غالباً اس مہم کا واحد مال وہ زرِفدیہ تھا جو ایک کاروانی نے ادا کیا تھا۔ مگر اس کے بارے میں تفصیلات نا معلوم ہیں۔ دوسرے ماہ حضرت زید کی سرکردگی میں ایک اور سریہ الطرف نامی علاقے کی جانب گیا اور اس میں بیس اونٹ بطور غنیمت ہاتھ لگے(۱۲۶)۔ صحابی موصوف نے اسی ماہ حسمٰی نامی مقام تک ایک اور مہم کی کمان کی جو اگرچہ کافی مالِ غنیمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی مگر وہ سب کا سب ان کے مالکوں کو واپس کر دیا گیا کیونکہ انھوں نے قبول اسلام کا دعویٰ کیا تھا جو قبول کر لیا گیا(۱۲۷)۔ دو ماہ بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے سریہ فدک میں پانچ سو اونٹوں اور دو ہزار بھیڑ بکریوں پر مشتمل غنیمت حاصل کی جو خاصی وقیع تھی(۱۲۸)۔ اس برس کا آخری نفع بخش و پُر غنیمت سریہ حضرت زید بن حارثہ کلبی کی کمان میں بنو فزارہ کے ایک سرکش و متمرد گروہ کی سرکوبی کے لیے گیا تھا اور صرف ایک باندی کو گرفتار کر کے لایا تھا۔ اس مہم کی یہی کل غنیمت تھی مگر اس سے کوئی مالی فائدہ نہیں ہوا کہ باندی کو ایک صحابی کی زوجیت میں دے دیا گیا تھا(۱۲۹)۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ۶ھ کے دوران غنیمت میں حاصل شدہ مویشیوں اور جانوروں کی معلوم تعداد لگ بھگ ایک ہزار پچاس اونٹوں اور پانچ ہزار بھیڑ بکریوں پر مشتمل تھی۔ اس میں ان مویشیوں کی تعداد بھی جوڑنی چاہیے جن کا ذکر مآخذ میں نہیں ملتا اور ساتھ ہی متاع و اموال اسباب و ضروری سامان کی مالیت کا بھی اضافہ کرنا چاہیے جو بعض سرایا میں مسلمانوں کو حاصل ہوئے تھے۔ تمام امکانات، قرائن اور اشارات کو مدِنظر رکھ کر یہ فرض کرنا قرینِ قیاس اور قریبِ انصاف ہوگا کہ اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی تعداد بالترتیب بارہ سو اور پانچ ہزار دو سو پچاس متعین کی جا سکتی ہے۔ اگر اس تعداد کی نقد

میں مالیت نکالی جائے تو اس شرح پر جو ہم نے اب تک اختیار کی ہے مویشیوں پر مشتمل غنیمت کی مالیت تقریباً انہتر ہزار درہم ہوگی اور اگر اس میں بعض قیدیوں کے فدیہ کی رقم اور غلاموں کی قیمت کے علاوہ اسباب مقبوضہ کی مالیت بھی شامل کر لی جائے تو پورے ۶ھ میں حاصل شدہ اموال غنیمت کی مجموعی مالیت ستر ہزار درہم کا تخمینہ لگایا جا سکتا ہے۔ خمس کی رقم کو منہا کر کے جو چودہ ہزار درہم تھی بقیہ چار سو مجاہدین میں برابر برابر تقسیم کر دی گئی تھی جنھوں نے اس برس کی متعدد مہموں میں حصہ لیا تھا۔ چنانچہ اس اعتبار و تعداد مجاہدین کے لحاظ سے ایک معیاری مسلم حصۂ غنیمت کی مالیت صرف ایک سو چالیس درہم تھی۔

۷ھ / مئی ۶۲۸ء تا اپریل ۶۲۹ء میں کل چودہ[141] مہمات وقوع پذیر ہوئیں، ان میں سے چھ غزوات تھے اور آٹھ سرایا۔ ان غزوات میں ایک خالصتاً مذہبی نوعیت کا اور پُرامن مقاصد کے لیے تھا اور وہ غزوہ عمرۃ القضا کے نام سے مشہور ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں کسی غنیمت کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ بہرحال اس برس کی بیشتر مہمات میں اموالِ غنیمت تھوڑے یا زیادہ منقولہ اور غیر منقولہ جائدادوں کی شکل میں ضرور حاصل ہوئے۔ اس سال کے پہلے ہی غزوہ یعنی غزوۂ خیبر میں مویشیوں، اسبابِ روزمرہ، زیوروں اور نقد رقوم کی صورت میں کثیر مال ملا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کو ایک مستقل ذریعۂ آمدنی کی ضمانت بھی فراہم ہوگئی۔ یہودانِ خیبر سے کافی بڑی تعداد میں ہتھیار بھی بطور غنیمت حاصل کیے گئے۔ واقدی کے بیان کے مطابق صرف قلعہ (حصن) النطاۃ سے مسلمان فاتحین کو روایتی ہتھیاروں جیسے زرہ بکتر، تلوار، نیزے، آہنی خود وغیرہ کی بڑی تعداد کے علاوہ ایک ٹوٹی ہوئی منجنیق ملی تھی جس کی فوری طور پر مرمت کر کے نہ صرف قابلِ استعمال بنا لیا گیا بلکہ اس کو استعمال کے لیے ایک مفتوحہ قلعہ کی دیوار پر نصب کر دیا گیا تاکہ دوسرے غیر مفتوحہ قلعوں پر خود سپردگی کے لیے دباؤ ڈالا جا سکے اور روایت کے مطابق اس سے ایک سنگ بھی نہ پھینکا گیا تھا کہ مرعوب دشمن نے ہتھیار ڈال دئے۔ منجنیق کے علاوہ محاصرہ کو توڑنے اور محصورین کی قوت کو منتشر کرنے والے دو آلے بھی جن کا اصطلاحی نام دبابہ ہے مسلمان مجاہدین کے قبضہ میں آ گئے[130]۔ برسبیل تذکرہ یہاں یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ منجنیق سنگ انداز آلہ کا نام تھا جس سے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے جو قلعہ کی دیواروں میں شگاف ڈال دیتے تھے جبکہ دبابہ ایک منزلہ، دو منزلہ یا کئی منزلہ پہیہ دار مینا رسا ہوتا تھا۔ اس کے اوپر عموماً کھالوں کی چھت ہوتی تھی اور سب سے اوپری منزل میں تیر انداز ہوتے تھے جو دبابہ کے نقابون (نقب لگانے والوں) کی حفاظت کرتے تھے اور قلعہ کے دشمن سپاہیوں کے حملوں سے مدافعت کرتے تھے۔ نقابون کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ دیواروں میں چھینی ہتھوڑے وغیرہ اوزاروں کی مدد سے دراڑ یا سوراخ بناتے تھے اور بعد میں کسی آتش گیر مادے سے ان کو بڑے شگافوں میں تبدیل کر دیا جاتا تھا[131]۔ بہرحال ان قلعہ شکن آلات کی تعداد کے علاوہ روایتی ہتھیاروں کی تعداد کا ذکر کم از کم قلعہ نطاۃ کی حد تک ہمارے ماخذ میں نہیں ملتا ہے۔

مگر دوسری جانب خوش قسمتی سے خیبر کے مشہور قلعۂ قموص سے جو ہتھیار و اسلحہ مسلم فاتحوں کو ملا تھا اس کا مفصل ذکر ماخذ سے دستیاب ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ غنیمت ایک سو زرہ بکتروں، چار سو تلواروں، ایک ہزار نیزوں اور پانچ سو عربی کمانوں مع ان کے ترکشوں (جعاب) پر مشتمل تھی[132]۔ قلعہ الصعب بن معاذ سے بھی ہتھیاروں پر مشتمل کافی

بڑا ذخیرہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا۔ اس میں ایک منجنیق، متعدد دبابات کے علاوہ خاصا بڑا ذخیرہ حربی (عُدّۃ) تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مویشیوں میں گائیں، بھیڑ بکریاں اور گدھے شامل تھے۔ سامانِ رسد کی خاصی بڑی مقدار بھی ہاتھ لگی تھی دوسری اشیائے ضرورت میں روزمرہ کے برتن اور شراب کے مٹکے (خوابی) بھی شامل تھے۔ مٹکے توڑ دئے گئے تھے اور شراب بہا دی گئی تھی، صرف ضرورت کے برتن رکھے گئے تھے۔[۱۴۳] ان دو قلعوں کے علاوہ ماخذ قلعہ الکتیبہ سے بھی ہتھیاروں کی برآمد اور غنیمت کا ذکر کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کی تعداد نہیں بتاتے۔[۱۴۴] جہاں تک خیبر کے دوسرے قلعوں کا ذکر ہے ماخذ عام طور سے ان سے ہتھیاروں کی غنیمت ملنے کا ہی ذکر نہیں کرتے[۱۴۵] تو ان کی تعداد اور مالیت کا کیا ذکر۔ لیکن بہرحال وُہ یہ ضرور بیان کرتے ہیں کہ یہودی افواج کی تعداد دس ہزار کیل کانٹے سے لیس اور ہر طرح سے تربیت یافتہ سپاہ پر مشتمل تھی۔[۱۴۶] یہ واضح ہے کہ ان کے تمام ہتھیار مسلمانوں کے قبضہ وتصرف میں نہیں آئے تھے[۱۴۷] کیونکہ ماخذ سے ہمیں بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کے یہودیوں نے اپنے چند قلعوں کی فتح و تسخیر کے بعد نہ صرف ہتھیار ڈال دئے تھے بلکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک معاہدۂ صلح بھی کر لیا تھا۔[۱۴۸] بایں ہمہ یہ حقیقت ہے کہ یہودِ خیبر سے جو ہتھیار مسلمانوں کو بطورِ غنیمت ملے تھے وہ ایک چھوٹی موٹی فوج کو مناسب وموزوں انداز سے لیس کرنے کے لیے کافی تھے۔[۱۴۹]

اسلحہ اور دوسرے آلاتِ حرب کے علاوہ خیبر سے ملنے والا مالِ غنیمت سامانِ رسد کے ایک بڑے ذخیرہ پر مشتمل تھا۔ اس میں جَو (شعیر)، گھی (سمن)، شہد (عسل)، تیل (زیت) اور مکھن (ودک) اور غالباً دوسری متعدد اشیاٗ شامل تھیں۔[۱۴۰] روایات عام طور سے یہ تاثر دیتی ہیں کہ خیبر کے یہودیوں نے ہتھیاروں اور سامانِ رسد کا اتنا بڑا ذخیرہ کر لیا تھا جو ایک طویل محاصرہ اور برسوں کی ضروریات کے لیے کافی ہوتا۔[۱۴۱] لیکن یہ تمام ذخیرہ آب ورسد مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں آیا تھا۔[۱۴۲] مسلمانوں نے اس کے علاوہ روزمرہ کی اشیاٗ صرف (اثاث، متاع)، پکا ہُوا کھانا (طعام) اور مویشی (غنم) ایک اور قلعہ حصن اُبی نامی سے بھی حاصل کیا تھا مگر ان کی مقدار اور تعداد کا علم نہیں ہو سکا۔[۱۴۳] بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت زیادہ نہیں تھا کیونکہ مذکورہ قلعہ میں نہ تو یہودی سپاہ زیادہ تھی اور نہ ہی یہودی آبادی۔ فوجی لحاظ سے بھی وہ غیر اہم قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہاں صرف محافظ فوج اور اس کی معمولی ضروریات کا سامان اور ہتھیار رکھے۔ زیادہ تر آلاتِ حرب اور اشیائے ضرورت فوجی لحاظ سے اہم قلعوں میں منتقل کر دئے گئے تھے۔

گھریلو استعمال کی متعدد چیزوں (اثاث) اور چمڑے کی چٹائیوں (ادم) کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ خیبر کا مالِ غنیمت سونے، چاندی، تانبے اور مٹی کے برتنوں (انفحاد) پر بھی مشتمل تھا۔[۱۴۴] قلعہ الصعب بن معاذ سے بیس تھان (عکو) یمنی زردوزی کے کام ریشمی کپڑے (بز) اور پندرہ سو چادریں (قطیفہ) بھی ملی تھیں۔ ان کے علاوہ بھی کچھ اشیائے ضرورت ہاتھ لگی تھیں۔[۱۴۵] غالباً کپڑے (ثیاب)، ہتھیار (الحلقہ) اور دوسرے قیمتی سامان (الاموال) دوسرے قلعوں میں پائے گئے تھے جیسا کہ قلعہ الکتیبہ میں ملے تھے۔[۱۴۶] موخر الذکر کے بارے میں ماخذ بصراحت بیان کرتے ہیں جبکہ دوسروں کے بارے میں صراحت نہیں ملتی ہے۔

مزید برآں اموالِ غنیمت میں سکے، طلائی اور نقرئی دونوں، زیورات اور مدفون دفینے بھی شامل تھے۔ خاندان ابی الحقیق کا ایک دفینہ قلعۂ سلالم میں پایا گیا تھا اور اس میں کنگن (اسورۃ)، کڑے (دمالف)، پازیبیں (خلاخل)، چھوٹی انگوٹھیاں (خواتم)، بڑی انگوٹھیاں / بچھوے (فتخ)، سونے کی بالیاں (قراطہ)، موتیوں کے ہار (نظم) اور دینار و دراہم پر مشتمل ایک بڑا خزانہ بھی شامل تھا۔[147] ایک بڑی تعداد میں مویشیوں، اونٹوں اور ان کے لیے چارہ (علف) کے ذخائر نے اموالِ غنیمت میں اور اضافہ کیا تھا۔[148] اس کا قوی امکان ہے کہ خیبر کے مالِ غنیمت میں بعض اور چیزیں بھی شامل تھیں جو ہمارے ابتدائی مصنفین کی نگاہ سے چُوک گئیں اور ان سب پر مستزاد یہ کہ قیدیوں کی ایک بڑی تعداد بھی مختلف مفتوحہ قلعوں میں پکڑی گئی تھی۔[149]

ہمارے مآخذ صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ہتھیار، غذائی اجناس، چارہ اور چمڑے کی چٹائیاں مسلم مجاہدین میں تقسیم نہیں کی گئی تھیں۔ ان کو دورانِ جنگ جس قدر ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی تھی صاحب المغانم (اموالِ غنیمت کے افسرِ اعلیٰ) سے مستعار لے لیتے تھے اور ضرورت ختم ہونے پر ان کو واپس ذخیرۂ حربی میں جمع کر دیتے تھے۔[150] اس ضمن میں یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ انتظام وقتی تھا یا مستقل۔ آیا ہتھیاروں کو دوسرے اموالِ غنیمت کی مانند مسلم مجاہدین اور شرکائے مہم میں تقسیم کر دیا جاتا تھا یا وہ اسلامی حکومت کی ملکیت قرار پاتے تھے۔ اندازہ یہ ہے اور بعض قرائن و اشارات سے اس کی تصدیق بھی ہوتی ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ہتھیاروں کی تقسیم بھی عمل میں آ جاتی تھی۔ مآخذ میں ابھی تک ایسا کوئی قرینہ اور حوالہ نہیں مل سکا ہے جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ ریاست اسلامی کا اپنا کوئی سرکاری ذخیرۂ حربی تھا جو وقتِ ضرورت مسلم مجاہدین کی ضروریاتِ آلاتِ حرب کی کفالت کرتا ہو۔

اگرچہ خیبر کے منقولہ اموالِ غنیمت کی مالیت کا صحیح تخمینہ لگانا قدرے مشکل ہے تاہم ناممکن نہیں۔ خوش قسمتی سے مآخذ میں کچھ ایسے حقائق و قرائن ہیں جو ہم کو ایک موٹے سے اندازے پر پہنچنے میں معاون بنتے ہیں۔ واقدی کی ایک روایت سے یہ وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہسوار (الفارس) مسلم مجاہد کا حصۂ غنیمت (سہم) ساڑھے گیارہ دینار (یا ۱۳۸ درہم) تھا اور ایک پیادہ فوجی کا اس کا ایک تہائی یعنی تقریباً ۴۵ ½ درہم۔[151] ابنِ اسحاق کے حساب "عرض" کے مطابق "صحابہ کرام کی وہ تعداد جن میں خیبر (کی اراضی) تقسیم کی گئی تھی پیادہ و سوار دونوں پر مشتمل اٹھارہ سو تھی: ان میں چودہ سو پیادہ تھے اور دو سو سوار۔"[152] اس بنیاد پر منقسم اموالِ غنیمت کے کل حصص کی مالیت تقریباً سات ہزار نو سو دینار آتی ہے، یعنی کل چورانوے ہزار آٹھ سو درہم۔ اور کل منقولہ اموال غنیمت جن میں خمس ریاست اور صفی رسول بھی شامل ہو کی مالیت دس ہزار دینار (ایک لاکھ بیس ہزار درہم) بنتی ہے۔ اس رقم میں ہتھیاروں، غذائی اجناس، چارے اور غالباً چمڑے کی چٹائیوں کی قیمت شامل نہیں ہے۔ اگرچہ ان کی قیمت کا تخمینہ آسان نہیں ہے تاہم پانچ ہزار دینار (ساٹھ ہزار درہم) کی رقم کافی مناسب اندازہ ہے کہ یہی یا اس سے کچھ کم ہی اس "اجتماعی غنیمت" کی مالیت رہی ہوگی۔ ان اعداد و شمار کی بنیاد پر ہم کسی قدر قطعیت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ دوسری مہمات میں حاصل شدہ منقولہ

اموالِ غنیمت کے مقابلے میں خیبر کی غنیمت کافی کثیر و بڑی تھی۔ یہ سوال دوسرا ہے کہ مسلم مجاہدین کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مقابلے میں وُہ کثیر و وقیع تھی یا نہیں۔

اگرچہ خیبر کے بارے میں روایاتِ غنیمت یہی ہیں تاہم ایک اہم روایت یا اختلافِ مورخین کو اس ضمن میں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ اختلافی مسئلہ ہے شہسوار اور پیادہ فوجی کے حصۂ غنیمت (سہم) کے درمیان تناسب و توازن کا۔ خیبر کے ضمن میں جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ دونوں کے حصص میں ایک اور تین کا فرق ملحوظ رکھا گیا ہے[۱۵۳] لیکن بعض روایات جن کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے اس پر اصرار کرتی ہیں کہ ان دونوں کے درمیان ایک اور دو کا تناسب تھا یعنی شہسوار کو پیادہ کا صرف دوگنا ملتا تھا،[۱۵۴] یعنی ایک حصہ سوار کا اور دُوسرا اس کے گھوڑے کا، جبکہ پہلے نظریہ کے مطابق گھوڑے کے لیے دو حصّے مقرر تھے۔ اگر اس اصول کی روشنی میں خیبر سے متعلق تناسبِ حصص سوار و پیادہ کو نظرانداز کر دیا جائے تو منقسم اموالِ غنیمت کی مالیت میں تقریباً سولہ ہزار درہم کا اضافہ ہو جائے گا اور کل مالیتِ منقسم اموالِ منقولہ ڈیڑھ لاکھ درہم کے قریب جا پہنچے گی جبکہ مجموعی مالیت منقولہ کا میزان دو لاکھ درہم سے متجاوز ہو جائے گا۔ مگر یہاں دو اشکالوں کا سامنا ہے؛ اوّل یہ کہ اس تخمینہ کا سارا دارومدار محض ظن و تخمین پر ہے جبکہ اول حساب کی بنیاد ایک روایت پر قائم ہے۔ دوم یہ کہ سوارو پیادہ کے حصوں میں ایک اور تین کے فرق کے حامیوں کی یہ دلیل بھی بن سکتی ہے کہ بعض غزوات میں خصوصاً ابتدائی مہمات میں یہی فرق ملحوظ رکھا گیا تاکہ سوار فوج (الخیل) کی ترقی کی ضمانت اور گھوڑوں کی خریداری کی مجاہدین کو ترغیب دی جا سکے اور جب اس "حوصلہ افزائی" سے کافی تعداد سواروں کی ہو گئی تو تناسب کو ایک اور تین سے گھٹا کر ایک اور دو کر دیا گیا۔

خیبر کی فے اراضی جو کھجور کے باغوں اور اناج و سبزی کے کھیتوں پر مشتمل تھی اور جس کو اصطلاح میں اموال کہا جاتا ہے مالیت اور مستقل نفع کے اعتبار سے بلاشبہ غنیمت کا سب سے زیادہ قیمتی جزو تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے جو معاہدۂ صلح کیا تھا اس کے مطابق تمام اراضی انھیں کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی تھی گرچہ ملکیت اسلامی ریاست اور مسلم مجاہدین کی تھی اور ان پر شرط یہ عائد کی گئی تھی کہ وہ ایمانداری کے ساتھ کاشت کرتے رہیں گے اور پیداوار نصف نصف یہودی کاشتکاروں اور مسلم مجاہدین یا اسلامی ریاست کے درمیان تقسیم کر دی جایا کرے گی۔[۱۵۵] یعنی بٹائی یا شراکت کا اصول قائم کر دیا گیا تھا اور یہودیوں کو ان کی محنت اور بیج وغیرہ کا صلہ نصف پیداوار کی شکل میں ملتا تھا جبکہ مسلم مجاہدین یا اسلامی ریاست کو بقیہ نصف پیداوار حق ملکیت کے سبب ملتی تھی۔ سالانہ پیداوار خیبر جس کا ذکر مآخذ میں ملتا ہے عام طور سے یُوں بیان کی جاتی ہے:

کھجور (تمر)	=	چالیس ہزار وسق
جَو (شعیر)	=	پندرہ ہزار صاع
نوی (گٹھلی)	=	پانچ ہزار صاع

اور اس میں سے مسلمانوں کا حصہ نصف تھا۔[۱۵۶]

ایک بار پھر ہم کو زمینی پیداوار کی قیمت اور زمین کی مالیت متعین کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں مگر خوش قسمتی سے یہاں بھی ہم کو مآخذ میں کچھ ایسے قرینے اور اشارے مل جاتے ہیں جو غیر منقولہ اراضی کے حصص کی قیمت اور اس کی بنیاد پر کل مالیت متعین کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غفار کے ایک مجاہد کا حصۂ غنیمت جو اموال منقولہ اور غیر منقولہ دونوں پر مشتمل تھا دو اونٹوں (بعیرین) کے عوض خرید لیا تھا۔[157] دلچسپ اور اہم روایت یہ ہے کہ خیبر کے خمس کا ایک اونٹ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سنان کو جو بنو اسلم کی ایک ماہر طبیب اور جراح تھیں بطور تحفہ عطا فرمایا تھا اور صحابیہ موصوفہ نے خیبر سے واپسی پر اس کو سات دینار یعنی چوراسی درہم میں فروخت کر دیا تھا۔[158] ایک اور شریک مہم خیبر حضرت فضالہ بن عبید کو بطور حصۂ غنیمت (سھم) ایک ہار (قلادۃ) ملا تھا جس کو انھوں نے آٹھ دینار یا چھیانوے درہم میں فروخت کیا تھا۔[159] ان سب سے زیادہ دلچسپ اور اہم واقعہ حضرت عزیہ بن عمرو انصاری کا ہے جنھوں نے خلافتِ عثمانی میں قلعۂ الشق میں واقع تین حصے صرف تیس دینار یعنی تین سو ساٹھ درہم میں خرید لیے تھے۔[160] گویا ایک حصّہ کی قیمت دس دینار یا ایک سو بیس درہم اس عہد میں ہو گئی تھی۔ ان تمام مثالوں اور روایتوں اور بیانوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک معیاری مسلم حصۂ غنیمتِ اراضی کی قیمت دس دینار یا ایک سو بیس درہم زیادہ سے زیادہ تھی۔ اموالِ خیبر کے شرکائے غنیمت مسلمانوں کی تعداد یا ان کے حصص اگر اٹھارہ سو تھے تو کل مالیت اراضی اٹھارہ ہزار دینار یا دو لاکھ سولہ ہزار درہم تھی۔ اس میں خمس کی قیمت یعنی چار ہزار پانچ سو دینار یا چوّن ہزار درہم جوڑ دئے جائیں تو غنیمت میں حاصل ہونے والے تمام حصص کی قیمت یا مجموعی مالیت بائیس ہزار پانچ سو دینار یا دو لاکھ ستر ہزار درہم بنتی ہے۔ بعض دوسرے فوائد جیسے صفی وغیرہ اور ہمارے حساب میں کسی قسم کی کمی و نقصان کے احتمالات کو اگر مدِ نظر رکھ لیا جائے تو مجموعی مالیت اس طرح کل پچیس ہزار دینار یا تین لاکھ درہم بہ اطمینان متعین اور تخمینہ کی جا سکتی ہے۔ یہ رقم عام طور سے اس معاوضہ سے لگا کھاتی ہے جو یہودِ خیبر کو حجاز سے ان کی جلا وطنی کے وقت ان کے نصف حصۂ اراضی کے عوض دی گئی تھی۔ اس طرح کل غنیمتِ خیبر چالیس ہزار دینار یا چار لاکھ اسّی ہزار درہم مالیت کی بنتی ہے۔

خیبر کی فتح کے بعد اس سے متعلق اور پڑوسی تین یہودی بستیاں فدک، تیماء اور وادی القریٰ نے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بالادستی اور اسلامی ریاست کی رکنیت اپنے اپنے علاقوں کی نصف پیداوار (نصف الارض) کی شرط پر قبول کر لی جیسا کہ خیبر نے کیا تھا۔ فدک اور تیماء نے بلا کسی حیل و حجت یا زور آوری کے بالادستیٔ رسول قبول کی تھی۔ مگر وادی القریٰ نے تھوڑی سی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈالے اور صلح کی تھی۔[163] چنانچہ پہلی دو بستیوں سے کچھ بھی غنیمت منقولہ اموال کی صورت میں نہ ملی جبکہ وادی القریٰ سے منقولہ اسباب اور مویشیوں کی صورت میں بھی کچھ نہ کچھ مال ملا تھا۔ مگر اس مال مفتوحہ و مقبوضہ کی مقدار و مالیت کا ہمارے مآخذ میں کوئی سراغ نہیں ملتا اور نہ ہی ان بستیوں کی مفتوحہ اراضی کی مالیت یا ان کی پیداواری صلاحیت اور اس میں مسلم اور یہودی حصص کی جانب کوئی اشارہ ملتا ہے۔ بہرکیف بعد کے زمانے سے متعلق ایک روایت ملتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حجاز سے جلا وطنی کے

وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود حجاز میں سے یہودِ فدک کو ان کے نصف پیداواری حصہ کا معاوضہ پچاس ہزار درہم ادا کیا تھا۔[۱۶۴] اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ فدک کی کل اراضی کی قیمت کی مالیت ایک لاکھ درہم تخمینہ کی گئی تھی۔ اس کی بنیاد پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ باقی دو بستیوں کی اراضی کی مالیت بھی اتنی ہی کم و بیش تھی۔ اس طرح سے ان تینوں بستیوں کی کل مالیت عہد نبوی میں تین لاکھ درہم تھی اور اس کا نصف ڈیڑھ لاکھ درہم مسلمانوں کو بطور خراج ملتا تھا۔ اس طرح یہود خیبر، فدک، تیماء اور وادی القریٰ سے حاصل ہونے والے کل مال غنیمت کی مالیت لگ بھگ ساڑھے چھ لاکھ درہم متعین کی جا سکتی ہے۔

اس سال کی دوسری مہموں کی مال غنیمت کے لحاظ سے کچھ زیادہ اہمیت نہ تھی، کیونکہ ان میں کچھ زیادہ مال نہ ملا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمان میں جانے والا سریہ نجد جو بنو کلاب کے ایک باغی و سرکش حصہ کی گوشمالی کے لیے گیا تھا۔ "کچھ مالِ غنیمت" لانے میں کامیاب ہوا مگر اس کی مقدار کا ذکر ہمارے مآخذ میں نہیں پایا جاتا۔ البتہ ایک یا دو قیدی پکڑ کر مدینہ لائے گئے تھے۔ اور مورخین کے بیانات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان قیدیوں سے کوئی مالی منفعت مسلمانوں کو نہیں ہوئی تھی۔ اس ماہ حضرت غالب بن عبداللہ لیثی کے سریہ فدک/میفعہ نے جو بنو عوال اور بنو عبد بن ثعلبہ سے ایک مسلم جماعت پر ان کے حملہ کرنے کا انتقام لینے کے لیے گیا تھا دشمنوں کے مویشی (النعم والشاء) پکڑنے میں کامیابی حاصل کی۔ ان کے کچھ بچے اور عورتیں (النساء والذریۃ) بھی بطور قیدی پکڑ کر لائے گئے تھے۔ دو سو مجاہدین پر مشتمل اس مہم کے ہر سپاہی کو سات اونٹوں (العبرۃ) یا ان کے مساوی بھیڑ بکریوں (الغنم) کی غنیمت ملی تھی۔[۱۶۶] اس کا مطلب یہ ہوا کہ مویشیوں اور قیدیوں اور سامانِ ضرورت پر مشتمل کل غنیمت کی مالیت ایک ہزار سات سو پچاس اونٹوں کی قیمت کے مساوی تھی۔ حضرت غالب بن عبداللہ لیثی کی قیادت میں اس علاقہ میں جانے والی دو اور مہموں نیز حضرت بشیر بن سعد انصاری کی قیادت میں الجناب کے علاقہ میں جانے والی مہم نے بھی مسلمانوں کے لیے مویشیوں (النعم والشاء) کی صورت میں اموال غنیمت حاصل کیا تھا۔ لیکن اس مالِ غنیمت کی مقدار یا اس کے اونٹوں کی تعداد کا ذکر نہیں ملتا ہے۔[۱۶۷] غالباً اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مال کی مقدار زیادہ نہ تھی۔ ان تمام سرایا میں حاصل ہونے والے اموال غنیمت کی مالیت کا ایک منصفانہ تخمینہ دو لاکھ درہم بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ اور سنہ ۷ھ کے دوران پورے سال کی کل غنیمت تقریباً ساڑھے آٹھ لاکھ درہم کے قریب بنتی ہے۔

اگرچہ سنہ ۸ھ (سنہ ۶۲۹-۳۰ء) میں تقریباً بیس مہمیں ترتیب دی گئیں مگر ان میں سے صرف چھ میں مال غنیمت حاصل ہوا۔ اس برس کے پہلے سریہ کی قیادت حضرت غالب بن عبداللہ لیثی نے کی تھی اور صفر/جون میں علاقہ الکدید میں جانے والے اس سریہ نے جو بہ اختلاف روایات دس سے پندرہ مجاہدین پر مشتمل تھا، مویشیوں اور کچھ قیدیوں کی غنیمت حاصل کی تھی۔[۱۶۸] دوسرے ماہ حضرت شجاع بن وہب کی قیادت میں چوبیس اشخاص پر مشتمل مہم نے علاقہ السی پر تاخت کی اور جو مال غنیمت حاصل کیا اس میں ہر شریک مہم کو پندرہ اونٹ حصۂ غنیمت ملا یا اس کے برابر بھیڑ بکری ہاتھ لگے۔[۱۶۹] اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس مہم کی کل مال غنیمت چار سو پچاس اونٹ یا ان کے مساوی بھیڑ بکریاں تھیں اور اس کی کل مالیت مع خمس و صفی کے اٹھارہ ہزار درہم تھی۔ یہ دلچسپ نیز اہم حقیقت ہے کہ تمام قیدیوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک پر

رہا کر دیا گیا تھا کیونکہ ان کے دوسرے اعزہ خود مسلمان ہو گئے تھے اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے مدینہ منورہ پہنچے تھے۔ [۱۴۰] سریہ موتہ میں جو عام طور سے مسلمانوں کی ایک شکست فاش سے تعبیر کی جاتی ہے۔ بعض مجاہدوں کو تھوڑا بہت مال ملا تھا جس کا ذکر مآخذ میں آتا ہے۔ کچھ تو اسلاب کی شکل میں تھا۔ اور ایک سپاہی کو غالباً ایک طلائی انگوٹھی ملی تھی [۱۴۱] جبکہ دوسرے سپاہی کو اپنے دشمن سپاہی کے خود میں ایک یاقوت (یاقوتۃ) لگا ہوا ملا تھا۔ [۱۴۲] ان دونوں نے اپنا اپنا مال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا مگر آپ نے از راہِ عنایت انھیں کو بخش دیا تھا۔ [۱۴۳] امکان یہ ہے اور مذکورہ بالا دو روایتوں سے اس کو مزید تقویت پہنچتی ہے کہ اس اہم سریہ میں ہتھیاروں اور دوسرے اسباب کی شکل میں بھی کچھ مالِ غنیمت ملا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص سہمی رضی اللہ عنہ کی مہم نے جو سریہ ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے کچھ مویشی حاصل کئے تھے جن کو بھوکے سپاہیوں کی لذتِ کام و دہن کے لیے قربان کیا گیا تھا۔ [۱۴۴] روایات میں ان مویشیوں کی تعداد کا ذکر اگرچہ نہیں ہے تاہم ان کی تعداد بخوبی متعین کی جاسکتی ہے۔ اس مہم میں کل سپاہ پانچ سو تھی: تین سو مجاہدین حضرت عمرو بن عاص سہمی کے زیر کمان ابتداءً بھیجے گئے تھے اور بعد میں دو سو سپاہیوں پر مشتمل کمک حضرت ابو عبیدہ بن جراح فہری لے کر گئے تھے۔ [۱۴۵] بہرحال پہلی صورت میں تین اور دوسری صورت میں پانچ اونٹ پوری فوج کے ایک دن کے کھانے کے لیے کافی تھے۔ [۱۴۶] اس لحاظ سے یہ غنیمت بہت ہی حقیر تھی۔ البتہ جو اموالِ غنیمت حضرت ابو قتادہ بن ربعی کے سریہ خضرہ میں حاصل ہوئے تھے وہ کافی تھے۔ کچھ قیدیوں کے علاوہ وہ دو سو اونٹوں اور ایک ہزار بھیڑ بکریوں پر مشتمل تھے۔ سولہ نفری مہم کے ہر شریک جہاد کو بارہ اونٹ فی کس یا ان کے مساوی بھیڑ بکریوں کا حصۂ غنیمت ملا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض قیدیوں نے زرِ فدیہ بھی ادا کیا تھا جس کا نفع بھی مجاہدین اور ریاست اسلامی کو بالترتیب حصص اور خمس کی صورت میں ہوا تھا۔ [۱۴۷] اس طرح اس برس کی مذکورہ بالا پانچ مہموں میں جو مالِ غنیمت ملا تھا اس کا موٹا سا تخمینہ پچاس ہزار درہم تک متعین کیا جاسکتا ہے۔

اس عظیم و کبیر مہم کے نتیجہ میں جو فتح مکہ کی صورت میں رونما ہوئی مسلم مجاہدین کو کوئی مال نہیں ملا تھا غالباً اس سلب کے سوا جو حضرت خالد بن ولید مخزومی کے لشکر سے قبیلہ ہذیل اور قریش کے بعض جوشیلے نبرد آزماؤں سے تصادم کے بعد حاصل ہوا تھا۔ [۱۴۸] یہ سلب ہتھیاروں پر مشتمل رہا ہوگا اور اس کی قیمت کچھ زیادہ نہ تھی کیونکہ تصادم معمولی اور کشتوں کی تعداد بہت کم تھی۔ فتح مکہ کے بعد جو سرایا مختلف سمتوں میں جھوٹے خداؤں کے گھروں کو ڈھانے کے لیے بھیجے گئے تھے غنیمت کے لحاظ سے خالی تھے اور اگر ان میں کسی میں کچھ ملا بھی تھا تو اس کی مالیت بہت کم تھی۔ [۱۴۹] البتہ اس برس کی سب سے بڑی غنیمت غزوۂ حنین میں جو ہوازن کے عظیم و طاقتور قبیلہ کے خلاف ہوا تھا حاصل ہوئی تھی: چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار یا اس سے زیادہ بھیڑ بکریاں [۱۵۰] اور چار ہزار اوقیہ چاندی [۱۵۱] (لگ بھگ ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم) اس مالِ غنیمت میں شامل تھے۔ اس کے علاوہ چھ ہزار قیدی بھی ہاتھ لگے تھے۔ بہرحال جہاں تک قیدیوں کا تعلق ہے ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی قبیلہ بنو سعد بن بکر کے رشتہ داروں اور مسلمانوں کی دلدوز درخواستوں کے نتیجے میں بلا فدیہ رہا کر دیا گیا تھا۔ [۱۵۲] بقیہ مالِ غنیمت مسلم مجاہدوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اور یہ تقسیمِ اموال ظاہر ہے کہ

خمسِ ریاست اور صفیِ رسول کے نکالنے کے بعد عمل میں آئی تھی۔ اس مہم کے بلکہ ریاست اسلامی کے افسرِ عرض اور مسلم مجاہدین کے حصوں کا حساب لگانے والے عامل حضرت زید بن ثابت خزرجی کے حساب کے مطابق شریک مہم مجاہدین میں سے ہر ایک پیادہ کو چار اونٹ یا چالیس بھیڑ بکریاں یا اس کی مساوی قیمت یا سامان ملا تھا جبکہ ہر سوار کو اس کا تین گنا حصہ یعنی بارہ اونٹ یا ایک سو بیس بکریاں ملی تھیں۔[183] اس مہم میں کل بارہ ہزار سپاہ نے حصہ لیا تھا جن میں سے شہسواروں کی تعداد کا صراحتاً ذکر نہیں ملتا۔

غزوہ حنین میں ملنے والے مالِ غنیمت کی مقدار خاص کر بھیڑ بکریوں کی تعداد کے بارے میں ہمارے مآخذ واقدی، ابنِ سعد اور ابن کثیر کی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابنِ اسحاق وغیرہ نے تو ان کی تعداد سرے سے دی ہی نہیں[184] لیکن مذکورہ بالا تین مورخین کے یہاں تعداد غنم میں کافی اختلاف ہے۔[185] اس کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں کے حصہ میں پڑنے والے مویشیوں کی تعداد میں بھی اختلاف کا اظہار کرتے ہیں۔[186] ظاہر ہے کہ یہ اختلاف پیادہ اور سوار کے حصوں اور ان دونوں کے تناسب باہمی میں بھی پایا جاتا ہے۔ بایں ہمہ اگر ہم واقدی کا بیان تسلیم کر لیں جو مورخین کے نزدیک زیادہ صحیح اور مستند سمجھا جاتا ہے[187] تو مویشیوں کی تعداد مآخذ میں مذکورہ تعداد مویشیانِ غنیمت سے کہیں زیادہ ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ ایک مشکل اور بھی یہاں پیش آتی ہے۔ مسلم سپاہ کی تعداد متفقہ طور سے بارہ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ مگر ان میں سے شہسوار کتنے تھے ان کا ذکر نہیں ملتا۔ عہدِ نبوی میں مسلم شہسوار فوج کے ارتقا' کا ایک مطالعہ[188] یہ ثابت کرتا ہے کہ اس موقعہ پر کم ازکم دو ہزار شہسوار مسلم فوج کا حصہ تھے اس بنیاد پر مسلم حصص کی کل تعداد سولہ ہزار بنتی ہے۔ اگر اونٹوں کی تعداد صرف چوبیس ہزار تھی۔ جیسا کہ واقدی صراحت کے ساتھ حتمی انداز میں کہتے ہیں تو وہ صرف مسلم شہسواروں کے حصہ کے لیے ہی کافی رہے ہوں گے۔ بقیہ مسلم مجاہدین کو ان کے حصے بھیڑ بکریوں (غنم / شاء) سے دیے گئے ہوں گے یا نقد و سامان سے۔ اگرچہ اموالِ غنیمت میں دوسرے سامان و اسباب (اثاث / متاع) کا ذکر ہمارے مآخذ میں صراحتاً یا ضمناً نہیں ملتا ہے تاہم یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ مختلف قسم کا سامان بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا ہوگا۔ ان کی قیمت یا مالیت کیا تھی، یہ کہنا اس وقت بالکل ناممکن ہے بہرکیف اگر چار اونٹ فی پیادہ مجاہد معیاری حصۂ غنیمت مان لیے جائیں جیسا کہ وہ تھے تو کل مالِ غنیمت بشمول خمس و صفی رسول اسی ہزار اونٹوں کی مالیت کا رہا ہوگا۔ اگر اونٹوں کی اس تعداد کی مالیت ہم نقد میں اس شرح پر نکالیں جو ہم نے اس مضمون میں اختیار کی ہے تو وہ ٹھیک بتیس لاکھ درہم آئے گی لیکن اگر مآخذ میں مذکورہ اعداد و شمار اموال پر بھروسا کیا جائے تو چوبیس ہزار اونٹوں اور چالیس ہزار بھیڑ بکریوں کی کل مالیت اس شرح کے مطابق محض گیارہ لاکھ بیس ہزار درہم بنتی ہے۔ اس میں چار ہزار اوقیہ چاندی کی قیمت جوڑنے سے مجموعی مالیت بارہ لاکھ اسی ہزار درہم کی رقم ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ غزوۂ حنین میں ملنے والے کل مالِ غنیمت کی مالیت تین ملین درہم نہیں تھی۔ غالباً تمام محتاط اندازہ اور تخمینہ کے باوجود اس کو اس کثیر رقم کا نصف ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

نویں ہجری سال (۹ھ/۶۳۰-۳۱ء) کی زیادہ تر مہموں میں کچھ نہ کچھ مالِ غنیمت ضرور ملا تھا۔ بعض میں مالِ غنیمت کی

مقدار وقیع تھی اور بعض میں محض نام بھر کی۔ اس برس کی پہلی مہم حضرت عُیَینہ بن حصن فزاری کا سریہ انتقامی کارروائی کے لیے بنو تمیم کے ایک متمرد سرکش طبقہ کے لیے گیا تھا جنھوں نے نہ صرف یہ خود اسلامی ریاست کی اطاعت و فرمانبرداری سے روگردانی کی تھی بلکہ اپنے پڑوسیوں بنو خزاعہ کے مسلم و مطیع لوگوں کو بھی بزور و زبردستی صدقات ادا کرنے سے روک دیا تھا۔ صفر/اپریل، مئی میں جانے والے اس سریہ نے کچھ قیدی پکڑے تھے اور غالباً کچھ مویشی بھی پکڑ کر مدینہ لائے تھے مگر یہ سارا مال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس وفد کی سفارش پر واپس کر دیا تھا جنھوں نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اپنے قبیلہ والوں کی حرکت شنیعہ کی مذمت و معذرت کی تھی اور آئندہ کے لیے فرمانبرداری و اسلام کا دم بھرا تھا۔[۱۸۹] دُوسرے ماہ حضرت قطبہ بن عامر کی قیادت میں ایک سریہ قبیلہ خثعم کے ایک منحرف طبقہ کے خلاف بیشہ نامی علاقے میں بھیجا گیا اور اس نے مویشیوں کی غنیمت حاصل کی۔ بیس نفری مسلم دستہ کے ہر ایک فرد کو چار اونٹ (البعرۃ) کا حصّہ غنیمت ملا۔[۱۹۰] اس کا مطلب یہ ہوا کہ خمس و صفی سمیت کل مالِ غنیمت سَو یا ایک سو ایک اونٹوں پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد واقع ہونے والی دو مہموں میں کوئی مال نہیں ملا، مگر پانچویں مہم میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کمان میں قبیلہ بنو طے کے بت الفلس کو ڈھانے کے لیے گئی تھی قیدیوں، مویشیوں، اسباب ضرورت کے علاوہ تین تلواروں اور تین زرہ بکتروں کو صنمکدے سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔[۱۹۱] ہمارے مآخذ میں اس امر کا کوئی اشارہ اور قرینہ نہیں ملتا کہ اس مالِ غنیمت کی مجموعی قیمت کیا تھی یا اس میں مسلم حصہ کتنا تھا۔ چنانچہ اس کی صحیح مالیت کا تخمینہ لگانا مشکل ہے۔ مگر چونکہ مآخذ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ فوجی کارروائی نہیں تھی بلکہ بنیادی طور سے ایک مذہبی مہم تھی اور جو کچھ مالِ غنیمت ملا تھا وہ اتفاقی طور سے ہاتھ آیا تھا اس لیے اس کی مقدار بہت زیادہ یقیناً نہیں تھی۔ پھر اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر قبیلہ والے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر مع مال و اسباب کے یا تو فرار ہو گئے تھے یا پہاڑوں میں جا چھپے تھے[۱۹۲] اور جو چند قیدی ہاتھ بھی آئے تھے ان میں سے کئی کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہِ عنایت بلا فدیہ رہا کر دیا تھا جیسا کہ حضرت عدی بن حاتم طائی کی ایک بہن کی گرفتاری اور رہائی کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔[۱۹۳] ان قرائن کی بنیاد پر یہ نتیجہ حقیقت کے قریب ہوگا کہ مالِ غنیمت بہت وقیع یا کثیر ہرگز نہیں تھا۔ یہ مشہور و معروف حقیقت ہے کہ عظیم غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کو کوئی مالِ غنیمت نہیں ملا تھا اس لیے کہ دشمن مقابل ہی نہیں آیا تھا۔[۱۹۴] البتہ بعض سرایا میں جو دورانِ قیامِ تبوک مختلف علاقوں میں بھیجی گئی تھیں کچھ نہ کچھ مالی فوائد حاصل ہوئے تھے۔ ان میں سے غالباً سب سے نفع بخش وُہ مہم تھی جو حضرت خالد بن ولید مخزومی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دومۃ الجندل کے عیسائی بادشاہ اکیدر بن عبدالملک کندی کے خلاف بھیجی گئی تھی۔ یہ غنیمت دو ہزار اونٹوں (بعیر)، آٹھ سو بھیڑ بکریوں (شاۃ)، چار سو زرہ بکتروں (درع) اور چار ہی سو نیزوں (رماح) پر مشتمل تھی۔ مہم کے عظیم سالار نے خمسِ ریاست اور صفیِ رسول نکال کر بقیہ غنیمت مسلم مجاہدین میں تقسیم کر دی تھی اور چار سو بچاس جانبازوں کے اس لشکر کے ہر سپاہی کو پانچ اونٹوں (فرائض) یا ان کے مساوی رقم کا حصہ پڑا تھا۔[۱۹۵] اس کے معنی یہ ہوئے کہ کل غنیمت صفیِ رسول کو

نکال کر دو ہزار چھ سو پچیس اونٹوں کی مالیت کی تھی۔ ہمارے حساب کے مطابق مجموعی مالیت ایک لاکھ پانچ ہزار پچاس درہم یا اس سے کچھ ہی زیادہ تھی۔

ہجرت کے دسویں برس (۱۰ھ/۶۳۱-۳۲ء) کل ایک مہم یعنی سریہ حضرت علی بن ابی طالب یمن کی جانب بھیجا گیا جس نے مویشیوں، قیدیوں اور کپڑوں پر مشتمل کچھ غنیمت حاصل کی۔ مآخذ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں کو تو بلا زر فدیہ کے رہا کر دیا گیا تھا کیونکہ وہ سب اسلام لے آئے تھے مگر چونکہ ان کا مال ان کے قبول اسلام سے قبل مجاہدین میں تقسیم کیا جا چکا تھا اس لیے وہ مسلمانوں کے قبضہ ہی میں رہا۔[۱۹۶] گیارھویں سال ہجری میں اپنی وفات حسرت آیات سے کچھ قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مہم یعنی سریہ اسامہ بن زید ترتیب دیا تھا مگر اس کی روانگی سے قبل ہی آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے[۱۹۷] اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نبوی کے آخری دو برسوں کی کل مہموں میں صرف چار سرایا نے کچھ مال حاصل کیا تھا اور ان میں سے بیشتر میں وہ بہت حقیر و کم مایہ تھا صرف ایک کو کسی حد تک وقیع کہا جا سکتا ہے۔ بہرکیف یہ با اطمینان فرض کیا جا سکتا ہے کہ ان آخری دو برسوں کی مہمات میں حاصل شدہ کل غنیمت کی مالیت زیادہ سے زیادہ دو لاکھ پچاس ہزار درہم سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔

عہد نبوی کے دہ سالہ مدنی زمانے کی یہی کل مہمیں تھیں جن میں مالِ غنیمت ملا تھا۔ تمام غزوات و سرایا کا ایک تجزیہ واضح کرتا ہے کہ ان میں سے صرف نصف میں مالی فوائد حاصل ہوئے تھے اور ان میں سے بیشتر میں بہت ہی حقیر مالی منفعت ہوئی تھی۔ ان میں مالی فوائد اور مستقل آمدنی کے اعتبار سے سب سے زیادہ وہ غزوات نبوی تھے جو مدینہ منورہ اور شمالی علاقوں خیبر، فدک، تیما اور وادی القریٰ کے یہودیوں کے خلاف پیش آئے تھے۔[۱۹۸] بایں ہمہ سب سے زیادہ مالِ غنیمت جو عام روایات اور معمول کے اندازے کے مطابق عہد نبوی کے کل اموال غنائم کے نصف اور کم سے کم ایک چوتھائی تو ضرور ہی بنتا ایک عرب قبیلہ بنو ہوازن سے[۱۹۹] حاصل ہوا تھا۔ یہ عجیب و غریب حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو اپنے جانی دشمن قریش مکہ سے بہت کم مال غنیمت حاصل ہوا تھا حالانکہ ان کے کاروانوں پر تاخت کے افسانے تمام ابتدائی مؤلفین سیرت اور ان سے زیادہ جدید مورخینِ اسلام اور مستشرقینِ مغرب بہ بانگِ دہل سناتے ہیں۔ ذیل میں ان تمام مہماتِ عہد نبوی کی ایک جدول دی جا رہی ہے جو مختلف قبائلِ عرب سے حصولِ اموالِ غنیمت کی حقیقت کا ایک علمی تجزیہ پیش کرتی ہے:

سنہ	نمبر شمار	مہم سریہ یا غزوہ	مالِ غنیمت کا تخمینہ
۲ھ/۶۲۴ء	۱	سریہ نخلہ	بیس ہزار درہم
"	۲	غزوۂ بدر اکبر	ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم
"	۳	غزوہ بنی قینقاع	دو لاکھ پچاس ہزار درہم
"	۴	غزوۃ السویق	دو ہزار درہم

۳ھ/۶۲۴ء	۵	غزوہ الکدر	بیس ہزار درہم
〃	۶	سریہ قردہ	ایک لاکھ درہم
〃	۷	غزوہ احد	چھ سو سولہ درہم
۴ھ/۶۲۵-۶ء	۸	سریہ قطن	باون ہزار چار سو درہم
〃	۹	غزوہ بنی النضیر	تین لاکھ درہم
۵ھ/۶۲۶-۷ء	۱۰	غزوہ دومۃ الجندل	دس ہزار درہم
〃	۱۱	غزوہ مریسیع	دو لاکھ درہم
〃	۱۲	غزوۂ خندق	دو ہزار درہم
〃	۱۳	غزوۂ بنی قریظہ	سات لاکھ بیس ہزار درہم
۶ھ/۶۲۷-۸ء	۱۴	سریہ القرطاء	
〃	۱۵	سریہ الغمر	
〃	۱۶	سریہ ذوالقصہ	
〃	۱۷	سریہ الجموم	ستر ہزار درہم
〃	۱۸	سریہ الطرف	
〃	۱۹	سریہ فدک	
〃	۲۰	سریہ بنی فزارہ	
۷ھ/۶۲۸-۹ء	۲۱	غزوہ خیبر	
〃	۲۲	غزوہ فدک	
〃	۲۳	غزوۂ تیماء	چھ لاکھ پچاس ہزار درہم
〃	۲۴	غزوۂ وادی القریٰ	
〃	۲۵	سریہ نجد	
〃	۲۶	سریہ فدک	
〃	۲۷	سریہ میفعہ	دو لاکھ درہم
〃	۲۸	سریہ الجناب	

۸ھ/۳۰-۶۲۹ء	۲۹	سریہ الکدید	پچاس ہزار درہم
"	۳۰	سریہ السی	
"	۳۱	سریہ موتہ	
"	۳۲	سریہ الخضرۃ	
"	۳۳	غزوہ فتح مکہ	
"	۳۴	غزوہ حنین	بتیس لاکھ درہم
۹ھ/۳۱-۶۳۰ء	۳۵	سریہ بیشہ	دو لاکھ پچاس ہزار درہم
"	۳۶	سریہ الفلس	
"	۳۷	سریہ دومۃ الجندل	
۱۰ھ/۳۲-۶۳۱ء	۳۸	سریہ الیمن	
میزان دس برس	۳۸ مہمات نبوی		اکسٹھ لاکھ ستاون ہزار سولہ درہم

یہ میزان ہر مہم نبوی میں حاصل شدہ مال غنیمت کی زیادہ سے زیادہ مالیت تخمینہ کرنے کی صورت میں آتا ہے۔ اور اگرچہ بھول چوک یا شمار و ذکر میں نہ آسکنے والے مال غنیمت کی قیمت بھی از خود نہ صرف اس میزان میں آجاتی ہے بلکہ غزوہ حنین کی مالیتِ غنیمت کے تخمینہ میں بوجوہ معلوم شمار ہوتی ہے تاہم مزید احتیاط کو مدِّ نظر رکھ کر[۲۰۰] ہم مجموعی تخمینہ کو باسٹھ لاکھ درہم پر بہ آسانی متعین کر سکتے ہیں۔ ورنہ متعدد حقائق اور عوامل و قرائن ایسے ہیں جو حاصل شدہ غنائم کی مالیت کو کافی کم قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلا قرینہ تو یہ ہے کہ اونٹوں کی قیمت کو نقد میں تبدیل کرنے کی جو شرح ہم نے اس پورے مضمون و مقالہ میں اختیار کی ہے یقیناً اتنی زیادہ حقیقت میں نہ تھی۔ یہ وہ قیمت یا شرح ہے جو اوسط درجہ کے اونٹوں کی ہوتی تھی۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ کے واقعہ سے واضح ہوتا ہے[۲۰۱] ورنہ عام قسم کے اونٹ بار برداری کے پیسے صرف چار درہم میں بھی مل جانے کی شہادت ملتی ہے۔ غزوۂ تبوک میں ایک صحابی نے اسی معمولی قیمت پر ایک اونٹ خرید اتھا[۲۰۲]۔ اس ضمن میں یہ حقیقت بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ اموالِ غنیمت میں جو اونٹ یا دوسرے بھیڑ بکری وغیرہ پکڑ کر آتے تھے ان میں ہر قسم کے اور ہر سن و سال کے ہوتے تھے۔ ریوڑوں میں عموماً کم قیمت کے ہی مویشی ہوتے تھے، اعلیٰ قسم کے اونٹ اور دوسرے مویشی کم ہی ہوتے تھے اور ریوڑوں میں عموماً شامل بھی نہیں ہوتے تھے۔ پھر ایک منفی شہادت یہ بھی اس سلسلہ میں ملتی ہے کہ عموماً ہمارے مورخین اور سیرت نگارانِ رسول اموالِ غنیمت میں حاصل شدہ چیزوں اور مویشیوں میں سے ممتاز چیزوں یا جانوروں کی قیمت یا اہمیت کا ذکر ضرور کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں ابو جہل مخزومی کے اونٹ کا کیا ہے[۲۰۳]۔ اگر ان اونٹوں یا دوسرے جانوروں میں سے کوئی غیر معمولی ہوتا تو اس کا ذکر یا حوالہ اگر سب جگہ نہ بھی تو کسی نہ کسی مقام پر ضرور مآخذ میں مل جاتا۔ دوسرے یہ کہ اس میزان میں بنو قینقاع کی اراضی بلکہ دکانوں مکانوں پر مشتمل جائداد کی

قیمت بھی شامل ہے ۔ اگر برکات احمد کی تحقیق تسلیم کر لی جائے[۲۰۴] جس کے نہ ماننے کی کوئی وجہ اب سمجھ میں نہیں آتی تو کم از کم دو لاکھ درہم کو اس میزان سے منہا کرنا چاہیے ۔ تیسرے جیسا کہ ہم اوپر کہہ بھی چکے ہیں کہ غزوۂ حنین میں حاصل شدہ غنائم کی مالیت زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ ملین درہم رہی ہوگی اور اگر اس سے فاضل مالیت کو میزان سے منہا کر دیا جائے تو کل مالیت کی تقریباً ایک چوتھائی رقم کم ہو جائے گی ۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ان تمام قرائن و شواہد کو مدِ نظر رکھ کر کل غنائم کا تخمینہ تیار کیا جائے تو موجودہ میزان کا صرف آدھا رہ جائے گا ۔ بایں ہمہ ہم نے عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا میں حاصل شدہ غنائم کا سب سے زیادہ شرح پر تخمینہ لگایا ہے تاکہ مستشرقینِ و ناقدینِ مغرب و مشرق کم قیمتی کا الزام اور تخمینہ میں جانبداری، کوتاہ نظری یا کم حسابی کا بہتان نہ لگا سکیں ۔ اس کے علاوہ اس مسئلۂ زیرِ بحث کی اہمیت بھی اسی کی متقاضی ہے کہ تخمینہ زیادہ سے زیادہ شرح کی بنیاد پر لگایا جائے ۔

اس پوری تفصیل کو جان لینے کے بعد یہ سوال اور کانٹے کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تمام اموالِ غنیمت کس حد تک مسلم معیشتِ مدینہ کی مالداری کا سبب اور غریب مسلمانوں کی ناداری و مفلسی دور کرنے کا وسیلہ بنے تھے ؟ یہ عام مفروضہ ہے جیسا کہ ہم نے اس بحث کے شروع ہی میں دیکھا ہے کہ غنائم نے مسلمانوں بالخصوص مہاجرینِ مدینہ کی مالداری میں کافی حصہ لیا تھا[۲۰۵] اور بظاہر اس بحث کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقینِ مغرب اور ناقدینِ مشرق کے خیالات و تصورات بلکہ الزامات اور دعاوی صحیح ہیں ۔ لیکن اس ضمن میں کچھ اور عوامل و عناصر ہیں جن کا دھیان رکھنا اور شمار کرنا ضروری ہے مگر عام طور سے ان کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے ۔ مسلم معیشت کی بہتری میں غنائم کے حصہ و کردار اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سرایا کی اقتصادی اہمیت متعین کرنے میں ان اسباب، عوامل اور عناصر کا لحاظ کرنا از بس ضروری ہے ورنہ ان سے عاری ہر مطالعہ ناقص، غیر علمی اور یک طرفہ ہوگا ۔

سب سے پہلے اور غالباً سب سے اہم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غنائم عہدِ نبوی کی مالیت کا مجموعی تخمینہ کتنے افرادِ امتِ مسلمہ کی خور و نوش اور دوسری ضروریاتِ زندگی کی کفالت کے لیے کافی ہے ؟ ہمارے مآخذ میں کچھ ایسی شہادتیں اور روایتیں ملتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک اوسط درجہ کا بلکہ مختصر خاندان جو تین چار افراد پر مشتمل ہوا اپنی ضروریاتِ زندگی کے لیے کم از کم سالانہ تین ہزار درہم کی رقم کا محتاج تھا ۔[۲۰۶] اور اتنی رقم میں بھی گزر بسر بہت معمولی درجہ میں بلکہ بز رسی کے ساتھ ہی ممکن تھی ۔[۲۰۷] اگر اسی رقم کو معمول کا اشاریہ صرف تسلیم کر لیا جائے تو غنائم کے تخمینہ کی کل رقم یعنی باسٹھ لاکھ درہم محض دو ہزار چھیاسٹھ خاندانوں یا بارہ ہزار تین سو چھیانوے سے لے کر چودہ ہزار دو سو اکتیس افراد کے صرف ایک سال کے اخراجات کے لیے کافی ہوگی ۔ ظاہر ہے کہ عہدِ نبوی میں مدینہ منورہ کی مسلم آبادی کجا کہ جزیرہ نمائے عرب کی کل مسلم آبادی اس سے کہیں زیادہ تھی ۔ ابھی تک عہدِ نبوی کے مدینہ منورہ کی مسلم آبادی کے اعداد و شمار نہیں مل سکے اور نہ ہی ابھی تک شہرِ رسول کی آبادی کا کوئی اہم منظم مطالعۂ علمی سامنے آیا ہے ۔ چنانچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ شہرِ رسول کی کل مسلم و غیر مسلم آبادی کتنی تھی اور اس میں مسلم آبادی کا کتنا تناسب تھا ۔ بایں ہمہ ہمارے مآخذ میں کچھ ایسے قرائن و آثار ملتے ہیں جو

شہرِ مدینہ کی آبادی خصوصاً مسلم عناصر کے اعداد و شمار کا تخمینہ لگانے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ برکات احمد نے شہرِ مدینہ کی یہودی آبادی کے بارے میں یہ خیال علمی پیش کیا ہے کہ بوقتِ ہجرتِ نبوی وہ تیس ہزار سے بیالیس ہزار افراد یا پانچ چھ ہزار خاندانوں پر مشتمل تھی(۲۰۸)۔ بلاشبہ مسلم آبادی اس سے کم کسی طور پر نہ تھی کیونکہ انصار و مہاجرین کے علاوہ ان کے بہت سے حلیف طبقات عرب بھی مدینہ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ ہجرتِ نبوی کے وقت صرف انصارِ مدینہ کی آبادی یہودی آبادی سے کسی طرح کم نہ تھی بلکہ قرائن ایسے ہیں کہ وہ ان سے کہیں زیادہ تھی۔ مہاجرین کی آمد سے مسلم عناصر میں اور اضافہ ہوا تھا پھر مہاجرین کی مختلف جہات سے تازہ بتازہ کاروانوں کی آمد سے اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا تھا۔ اس کے علاوہ تبدیلی مذہب اور شرح پیدائش دو ایسے عوامل تھے جو مسلم آبادیِ شہر میں روز افزوں اضافہ کا باعث بنے تھے۔ ابن اسحاق اور واقدی کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کی عظیم و جلیل مہم میں شریک دس ہزار مجاہدین میں سے کم از کم نصف یعنی پانچ ہزار کا تعلق وطنی و سکونت شہرِ رسول کے انصار و مہاجرین کے طبقات سے تھا(۲۰۹)۔ آبادکاری کے اعداد و شمار کے مطابق اس بنیاد پر کل آبادیِ مسلمانانِ مدینہ کی تعداد تیس پینتیس ہزار تک جا پہنچتی ہے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تمام مسلمانانِ مدینہ بالخصوص مردوں نے اس فتح میں حصہ نہیں لیا تھا۔ ان میں سے کافی تعداد شہر کے دفاع کی غرض سے اور بعض دوسری وجوہات سے بھی پیچھے رہ گئی تھی(۲۱۰)۔ یہاں اگر یہ دلیل بھی تسلیم کر لی جائے کہ مسلم مجاہدین فتح مکہ میں ایک ہی خاندان کے کئی افراد شامل تھے اور یقیناً شامل تھے تو ان کو منہا کرنے کے بعد کل آبادیِ شہر کی تعداد کم ہو جائے گی تب بھی یہ حقیقت اپنی جگہ رہتی ہے کہ مدینہ کی مسلم آبادی اُوپر کی تعداد سے کسی طرح کم نہ تھی کیونکہ اوّل تو یہ کہ مسلم مجاہدین میں سب مدینہ باسی شریک نہ تھے۔ اور دوم یہ کہ مسلم آبادی کسی طرح یہودی آبادی سے کم نہ تھی۔ پھر تمام ماخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ فتح مکہ کے بعد مدینہ کی مسلم آبادی میں اضافہ چند در چند ہو گیا تھا اور تقریباً دو برس کے بعد جب غزوۂ تبوک کے لیے مہم گئی تھی تو اس میں مدنی مجاہدین کی تعداد کم از کم دس ہزار باسانی متعین کی جا سکتی ہے(۲۱۱)۔ اور برکات احمد کی دلیل کے مطابق کل مدنی مسلم آبادی پچاس ساٹھ ہزار نفوس کے درمیان ٹھہرتی ہے۔ اگر اس میں سے ایک خاندان کے کئی افراد کی شمولیت والی دلیل کی بنا پر نصف کی بھی کمی کر دی جائے تو پچیس تیس ہزار آبادی پھر بھی ٹھہرتی ہے۔ اس مفروضہ کی تائید ابن کثیر کی بیان کردہ ایک روایت سے بھی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی کل آبادی عہدِ نبوی میں تیس ہزار تھی(۲۱۲)۔ اگرچہ اس روایت میں کل مسلم آبادی کا ذکر ہے تاہم اس سے مراد عہدِ نبوی کے شہرِ رسول کا ہی ہے ورنہ اہلِ علم پر یہ مخفی نہیں کہ پورے عرب کی مسلم آبادی اس سے کہیں زیادہ تھی۔

یہ پوری تاریخی شہادت اور منطقی بحث ثابت کرتی ہے کہ عہدِ نبوی کے دہ سالہ مدنی دور میں حاصل شدہ اموالِ غنیمت کی مالیت مدینہ منورہ کی مسلم آبادی کی زیادہ سے زیادہ ایک تہائی آبادی کی صرف ایک سال کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت کر سکتی تھی۔ اس اوسط پر پوری مسلم مدنی آبادی کے سالانہ اخراجات کی کفالت کے لیے کم از کم اٹھارہ سے بیس ملین درہم کی رقم درکار تھی۔ مزید یہ حقیقت بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ مسلم آبادی محض شہرِ مدینہ کی حدود تک محصور نہیں تھی

بلکہ وُہ اس کے قرب وجوار کے علاقے میں بھی پھیلی ہوئی تھی۔ صدر مقام اور اس کے اطراف کے علاوہ دوسرے شہروں، قصبوں اور قریوں میں مسلم آبادی موجود تھی اور اس کے ساتھ پُورے جزیرہ نمائے عرب کے مختلف مقامات پر بدوی قبائل میں بھی اچھی خاصی تعداد میں مسلمان موجود تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیق وتفتیش کے مطابق کم سے کم ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کے موقعہ پر میدانِ عرفات میں قیام کیا اور آپ کا کلام مبارک سنا تھا۔(۲۱۳) عہد نبوی کے آخری زمانے میں مسلمانانِ عرب کی تعداد محقق موصوف کے مطابق پانچ سے دس لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔(۲۱۴) اگر ہم اس آبادی کی کم سے کم تعداد بھی تسلیم کر لیں تو صرف ایک سال میں مسلم اخراجات ومصارف کا تخمینہ کم سے کم شرح زندگی کے اوسط کی بنیاد پر تقریباً تین سو ملین آئے گا اور پُورے دس سالہ مدنی دور کے کل مصارف کا تخمینہ تین ہزار ملین ہوگا۔ اس حساب سے صرف مدنی آبادی کے ایک سال کے مصارف کے مقابلے میں دس سال کی مالِ غنیمت کی تخمینی رقم لگ بھگ ۴۳ فیصد بنتی ہے۔ اور پُورے دس سال کے مدنی مصارف کے مقابلے میں وہ گھٹ کر تین اعشاریہ چار فیصد ہی رہ جاتی ہے۔ ان اعداد وشمار کی روشنی میں اگر پُورے جزیرہ نمائے عرب کی مسلم آبادی کے صرف ایک سال کے مصارف کے مقابلے میں یا پورے عہد نبوی کے مصارف کے مقابلے میں تو اس کی حیثیت سچ مچ صفر ہی بن جائے گی۔ مدینہ منورہ کے باہر بالخصوص دور دراز مقامات کی مسلم آبادی کے ضمن میں یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ مسلمانوں کا کوئی فردِ واحد یا گروہ اپنے معاشی واقتصادی ضروریات کی تکمیل کے لیے اموالِ غنیمت کا سہارا نہیں لے سکتا تھا اور ان کی پوری معیشت پُرامن ذرائع آمدنی پر ہی منحصر تھی۔ ظاہر ہے کہ مدنی آبادی کے مقابلے میں جزیرہ نمائے عرب کی مسلم آبادی کہیں زیادہ بلکہ چند در چند زیادہ تھی اور مدینہ منورہ کی مسلم آبادی کے مصارف کے مقابلے میں جزیرہ نمائے عرب کی کل آبادی کے مصارف اسی لحاظ سے چند در چند تھے۔

دوسرا اہم اقتصادی عامل جس کو تقریباً تمام مورخین مشرقی ومستشرقین مغربی دانستہ یا نادانستہ نظر انداز کر دیتے ہیں یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی ان تمام فوجی، نیم فوجی، مذہبی اور سیاسی مہمات کی تنظیم وترتیب پر کافی مصارف برداشت کئے تھے۔ اس نکتہ پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں کہ اسلامی ریاست نے ان مہمات کو آلاتِ حرب، ذرائع نقل وحمل، اسباب، کپڑوں، غذا، چارے اور متعدد دوسری چیزوں سے لیس ومسلح کرنے میں بڑی رقمیں خرچ کی تھیں۔ اگرچہ ان مصارفِ جنگی اور اخراجاتِ مہم جوئی کا کوئی حتمی یا تخمینی اندازہ یا اس سے متعلق اعداد وشمار کی تفصیلات ہمارے مآخذ میں صراحتاً یا ضمناً مذکور نہیں ہیں تاہم خوش قسمتی سے ایسے متعدد قرائن اور اشارے ملتے ہیں جن کی بنیاد پر ہم ایک موٹا سا تخمینہ ان مصارف کا لگا سکتے ہیں جو مسلمانوں نے اپنی مہمات پر برداشت کیا تھا۔ اقتصادی نقطۂ نظر سے یہ مصارف "رقم لگانے" "سرمایہ کاری" (INVESTMENT) کی ضمن میں آتے ہیں کیونکہ انھیں کی بنیاد پر اموالِ غنیمت کی شکل میں "منافع" کمایا گیا تھا۔ اور جب تک سرمایہ کاری اور منافع کے درمیان تناسب نہ معلوم ہو اس وقت تک صحیح مالیت غنائم کی نہیں معلوم ہو سکتی۔

اس عامل کے مطالعہ کے ضمن میں سب سے پہلا قرینہ مکہ کے قریشیوں کے بارے میں ملتا ہے اور ان کے

بارے میں یہ روایت ہے کہ انہوں نے اپنی مہم اُحد پر جس میں تین ہزار جنگجو شریک تھے تقریباً پچاس ہزار دینار (چھ لاکھ درہم) کی رقم خرچ کی تھی۔[۲۱۵] انھیں جنگجویانِ قریش کے بارے میں دوسری روایت یہ ملتی ہے کہ خندق/احزاب کے لشکر عظیم کے لیے جس میں متفقہ روایات کے مطابق دس ہزار فوجی شامل تھے مکہ مکرمہ کے ہر شخص نے کم از کم ایک اوقیہ چاندی (چالیس درہم) خرچ کیے تھے اور اس طرح انہوں نے "اموال عظام" جمع کر لیے تھے۔[۲۱۶] مشہور روایت ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے ارادے سے کوچ فرمایا تو مکہ کے تین مالدار قریشیوں سے مجموعی طور سے ایک لاکھ تیس ہزار درہم (لگ بھگ دس ہزار آٹھ سو دینار) اور کافی بڑی تعداد میں ہتھیار اُدھار لیے تھے اور یہ سارا سامان مستعار ان دو ہزار نومسلم مکی جانبازوں کو لیس کرنے کے لیے تھا جو مکہ سے اسلامی لشکر کے ساتھ ہو لیے تھے۔[۲۱۷] اگر اس رقم کو اتنی ہی تعداد کے مصارف کی بنیاد بنا لیا جائے تو فتح مکہ اور حنین کے مجاہدین کو اپنے اصل لشکر پر ایک ملین درہم خرچ کرنے پڑے ہوں گے۔ غزوۂ تبوک کے تیس ہزار کے لشکرِ عظیم کے بارے میں مسلمان عطیات کے ضمن میں سب سے بڑی شہادت یہ ملتی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سب سے بڑا عطیہ یعنی ستر ہزار درہم یا اس سے کچھ زیادہ دیا تھا مگر اس سے زیادہ اہم ماخذ کا یہ تبصرہ ہے کہ اس رقم سے ایک تہائی مسلم لشکر (ثلث الجیش) کی ضروریات و مصارف پورے کئے گئے تھے۔[۲۱۸] اس بیان یا تبصرہ سے بظاہر یہ مراد معلوم ہوتا ہے کہ کل مسلم فوج کی ایک تہائی کا یہ خرچ تھا حالانکہ حقیقت میں یہ مراد نہیں ہے کیونکہ یہی ظاہری معنی مراد لے لیے جائیں تو لازم آئے گا کہ کل تیس ہزاری فوج پر محض ایک چوتھائی ملین درہم کی رقم خرچ ہوئی تھی جو کسی طور سے صحیح نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم اس شرح قیمتِ جمل کی بنیاد پر جو ہم نے اس مقالے میں اختیار کی ہے لشکرِ تبوک کے صرف بیس ہزار اونٹوں اور دس ہزار گھوڑوں کی قیمت بالترتیب چالیس اور تین سو درہم فی راس نکالیں تو مجموعی میزان تین ملین درہم کے قریب آئے گا۔ ہتھیاروں، کپڑوں، غذا، چارے اور دوسرے اسبابِ ضرورت پر مصارف اس کے علاوہ ہوں گے۔ بہرحال اس سے واضح ہوتا ہے کہ عثمانی عطیۂ عظیم صرف ان نادار و مفلس مسلم مجاہدین کی ایک تہائی کی ضروریات کے لیے تھا جو اپنی گرہ سے فوجی مصارف برداشت کرنے کے قابل نہ تھے۔

بہرکیف فوجی مصارف کے ان قرینوں اور اشاروں کے ملاحظہ کے بعد یہ حقیقت و شہادت پر مبنی مطالعہ دلچسپی اور اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ دس سالہ مدنی عہدِ مزاحمت و مدافعت کے دوران کل مسلم مجاہدین کی تعداد جو مختلف مہمات میں شامل رہی ایک لاکھ نفوس کے قریب پہنچ جاتی ہے۔[۲۱۹] اگر جنگِ اُحد پر کی مصارف کو بنیاد بنا لیا جائے تو عہدِ نبوی کے کل مہماتِ غزوات و سرایا پر جو مصارف ہوئے تھے ان کا مجموعی میزان پندرہ ملین دینار یا ایک سو اسّی ملین درہم سے زیادہ ہی آئے گا۔ لیکن اگر مسلمانوں کی قریش مکہ کے مقابلے میں کمزور معیشت کو مدِّنظر رکھ کر ایک تہائی بھی گھٹا دیا جائے تو مصارف کا میزان پانچ ملین دینار یا ۶۰،۲۳ ملین درہم کے قریب رہ جاتا ہے۔ اور اس میں یہ دلچسپ حقیقت نظر آتی ہے کہ میزان مصارف عہدِ نبوی کے تمام اموالِ غنیمت کے تخمینی

میزان کی رقم کے دسویں حصے کے قریب قریب مساوی ہے۔ اور اگر بالفرض مسلم مہمات کے مصارف کو قریشی مصارف کا چوتھائی تسلیم کر لیا جائے جو غالباً سب سے کم تخمینہ ہو سکتا ہے تو مصارف کا کل میزان ۵٫۶۲۵ ملین درہم بنے گا اور اس صورت میں بھی وہ منافعِ غنیمت کا لگ بھگ سات گنا بنے گا۔ آمد و صرف کا توازن برابر کرنے اور منافع کو صفر کرنے کی صرف ایک صورت رہ جاتی ہے کہ صرف کے میزان کو تیس گنا سے بھی زیادہ کم کر دیا جائے اور غالباً یہ انصاف کا تقاضا اور قرینِ حقیقت ہرگز نہ ہوگا۔

فوجی یا دُوسرے الفاظ میں مالی فوائد سے پُر مہماتِ نبوی کے اپنے حربی مصارف کے علاوہ مسلمانوں کو اس جنگجوئی یا حالتِ جنگ کے نتیجہ میں بہت سے خسارے بھی برداشت کرنے پڑے تھے اور ان کو بھی مصارف کی میزان میں تولنا چاہیے اور ان کو محسوب کرنے کی صُورت میں فوائد کا میزان مزید گھٹ جاتا ہے۔ اس قسم کے مصارف یا خساروں میں سب سے پہلے تو مختلف مہمات کے دوران پکڑے گئے قیدیوں کے کھانے پینے اور رہائش وغیرہ کے اخراجات آتے ہیں۔ یہ بڑی مشہور بات ہے کہ غزوہ بدر میں گرفتار شدہ اسیرانِ قریش کی دیکھ بھال مسلمانوں نے بڑے بے مثال اور تعریفی انداز سے کی تھی۔ مسلمانوں نے نہ صرف ان کو بہتر کھانا کھلایا اور خود بھوکے رہ رہ گئے بلکہ ان کو کپڑے وغیرہ بھی فراہم کیے۔[۲۲۰] یہی حسنِ سلوک تھا جس نے ان میں سے کئی کے دل جیت لیے تھے۔ ہوازن کے گرفتارانِ بلا کے بارے میں آتا ہے کہ جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ کرم ان کے پھٹے پرانے چیتھڑوں پر پڑی تو رحمت و شفقت جوش میں آئی اور ان "دشمنوں" کے لیے آپ نے باقاعدہ ایک صحابی کو مکہ مکرمہ بھیج کر بہتر کپڑے خرید منگوائے۔[۲۲۱] ظاہر ہے کہ ان کی خرید پر کافی رقم خرچ ہوئی ہوگی۔ اس قسم کے مصارف کی مثالیں صرف بھی دو ایک نہیں ہیں۔ حکم بن کیسان، ثمامہ بن اثال، حاتم طائی کی دختر اُمِّ قرفہ، یہودِ بنی قریظہ اور نہ جانے کتنی اور اسی قسم کی مثالیں حیاتِ رحمتِ عالم سے مل سکتی ہیں۔[۲۲۲] ظاہر ہے کہ ان ناگزیر مصارف کو بھی میزان میں رکھنے کے بعد آمدنی کی میزان میں مزید کمی آجاتی ہے۔

ایک اور اقتصادی عامل جس نے پُر منافع و پُر غنائم مہماتِ نبوی کے مالی یا اقتصادی فوائد کی شرح میں کمی پیدا کی تھی کچھ اور مادی نقصانات پر جو کبھی کبھی بہت زیادہ بھاری ہوتے تھے مشتمل تھا۔ یہ نقصانات بھی دشمن کی فوجی اور معاندانہ کارروائیوں کا نتیجہ تھے۔ اور اس اعتبار سے مصارفِ جنگ کے ضمن میں آتے ہیں۔ مکّہ اور مدینہ کے درمیان میں جنگ بھڑکنے سے قبل قریشِ مکّہ کے ایک اہم سردار کرز بن جابر فہری نے جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے، مدینہ منورہ کے قریب واقع مسلمانوں کی ایک چراگاہ جمّاء نامی پر حملہ کر کے چراگاہ (حمیٰ) کے نگران کو قتل کر دیا تھا اور مسلمانوں کے بہت سے اُونٹ خاص کر دودھاری اُونٹنیاں ہنکا لے گئے تھے۔[۲۲۳] میدانِ بدر میں اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کی شکست کا انتقام لینے کی خاطر اور اپنی قسم پُوری کرنے کے لیے مکّہ کے قریشی سپہ سالارِ اعظم ابوسفیان بن حرب اُموی نے کچھ مدت کے بعد اسلامی ریاست کے صدر مقام کے قرب و جوار کے علاقہ پر جس کو مآخذ میں "العریض" کہا گیا ہے، حملہ کیا مسلمانوں کے کھجور کے درختوں کو اور اناج کے بعض کھیتوں کو آگ لگا دی اور ایک انصاری کاشتکار اور اس کے ایک مددگار کو

قتل کر کے مکّہ لوٹ گئے۔[۲۲۴] غزوۂ اُحد سے قبل جب مکّی فوج نے جبلِ اُحد کے قریب پڑاؤ ڈالا تو انھوں نے انصارِ مدینہ اور غالباً کچھ مہاجرین مکّہ کے کھیتوں میں اپنے جانور چرنے کے لیے انتقاماً چھوڑ دیے اور مآخذ کے مطابق پُوری کھڑی فصلیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیں۔ اناج اور چارے کے لحاظ سے نقصانات بہت زیادہ بھاری تھے۔ اتنے بھاری کہ انھوں نے ایک طرف تو مدینہ والوں کو بھکمری کے قریب پہنچا دیا تھا تو دوسری طرف مدنی کاشتکاروں کو اتنا برہم و خوف زدہ کر دیا تھا کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں اس پر احتجاج و اعتراض سے کام لیا تھا بلکہ ان میں سے پُرجوش و پُرحوصلہ اصحاب نے اتنی جرأت و جسارت سے کام لیا تھا کہ فیصلہ نبوی اور مرضیٔ رسول کے خلاف کھلے میدانِ جنگ میں دشمن سے مقابلہ کرنے پر اصرار کیا تھا۔[۲۲۵] ابھی تک عام طور سے مورخین نے جنگِ اُحد کے اس پہلو پر غور نہیں کیا ہے اور وہ کھلے میدان میں مدینہ منورہ سے باہر جنگ کرنے کی خواہش و اصرار کو بعض نوجوان جوشیلے اور شہر کی آن پر مر مٹنے والے یا زیادہ سے زیادہ بدر کے غزوہ میں ثواب حاصل کرنے سے محروم رہ جانے والے گروہ اصحاب ہی کی خواہش و اصرار سمجھتے ہیں[۲۲۶] حالانکہ مآخذ کی بعض روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مدینہ کی کھڑی فصلوں کی دشمن کے ہاتھوں تباہی و بربادی کی خبر اس اصرار و درخواست کی محرک اول بنی تھی۔ بہرکیف اسی طرح جنگِ خندق کے زمانے میں ایک ماہ کے محاصرۂ شہر کے دوران احزاب کے لشکریوں نے مدینہ منورہ کے اطراف و اکناف میں تباہی و بربادی، لوٹ مار اور تہس نہس کرنے کا بازار گرم کر دیا تھا اگرچہ اس بار مسلم کاشت کاروں نے قبل از وقت اپنی فصلوں کو کاٹ کر اپنا اناج کا ذخیرہ ان کی دست بُرد سے بچا لیا تھا۔ پھر بھی دشمنوں نے کافی نقصانات پہنچائے تھے۔[۲۲۷] دوسرے برس ایک مسلم تجارتی کارواں جو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مدینہ سے شام مسلمانوں کا کافی سامانِ تجارت لے جا رہا تھا شمال کے بعض متمرد و سرکش قبائل کے ہاتھوں لوٹا گیا اور مسلمانوں کو کافی مالی خسارہ برداشت کرنا پڑا۔[۲۲۸] اگرچہ بئر معونہ اور رجیع کی مہمیں خالصتاً مذہبی نوعیت کی تھیں اور ان میں سیاسی اور فوجی عناصر کی بہت کم آمیزش تھی تاہم بعض جدید مورخین کا اصرار ہے کہ وہ بھی فوجی اور سیاسی کردار رکھتی تھیں۔[۲۲۹] اس اعتبار سے ان دو المیہ مہموں کو بھی اس ضمن میں محسوب کرنا چاہیے کیونکہ ان میں انسانی جانوں، ہتھیاروں اور دُوسرے ساز و سامان کا بھاری نقصان ہوا تھا۔[۲۳۰]

مذکورہ بالا مہموں کے علاوہ مسلمانوں نے متعدد مہموں اور غزوات و سرایا میں انسانی جانوں اور اسباب مادی کا بھاری نقصان متعدد دوسری مہمات میں اٹھایا تھا۔ ان میں حسب ذیل مہمات کافی اہم تھیں: غزوۂ اُحد[۲۳۱]، حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کا سریۂ ذوالقصہ[۲۳۲]، حضرت زید بن حارثہ کا سریۂ وادی القریٰ[۲۳۳]، حضرت بشیر بن سعد انصاری کا سریۂ فدک[۲۳۴]، حضرت ابن ابی العوجا سلمی کا سریۂ بنی سلیم[۲۳۵]، حضرت کعب غفاری کا سریۂ ذات اطلاح[۲۳۶] اور مشہور عام المیہ موتہ۔[۲۳۷] غالباً اس کے علاوہ بھی بعض اور سرایا تھے جن میں صرف نقصان ہی سے واسطہ پڑا تھا۔ ان تمام شکستوں، ناکامیوں اور محرومیوں میں نقد و جان، اسباب و سامان، مویشی اور جائداد کا نقصان اور کبھی کبھی بہت بھاری مسلمانوں کو اٹھانا پڑا تھا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ نقصانات ان ناگزیر نقصانات کے علاوہ تھے جو مسلمانوں کو اپنی

کامیاب مہموں اور جنگوں میں انسانی جانوں اور مادی اسباب کے خساروں کی صورت میں اٹھانا پڑے تھے۔[۲۳۸] ظاہر ہے کہ آمد و صرف اور لاگت و نفع کا توازن و تناسب نکالنے کی صورت میں ان ناگزیر نقصانات جنگ کو بھی مدِ نظر رکھ کر "آمدنی" سے ان کے "خرچ" کو منہا کرنا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ منافع کی اصل شکل دھوکا دینے والی ہوگی۔ اور اگر ان دوسرے قسم کے نقصانات کو بھی محسوب کر لیا جائے تو خسارہ کا پلہ کافی بھاری ہو جائے گا۔ یہ صحیح ہے کہ دونوں قسم کے نقصانات و خسارے فوائد و منافع کے مقابلے میں کم اور بعض بعض صورتوں میں کافی کم تھے تاہم اموالِ غنیمت کی مالیت طے کرتے وقت اور مسلم معیشت میں ان کے کردار و عمل متعین کرتے وقت ان کو نہ صرف مدِ نظر رکھا جائے بلکہ "منافع و آمدنی" کے میزان سے ان کو منہا بھی کیا جائے تبھی اموالِ غنیمت کا صحیح میزانیہ حاصل ہوگا۔

آخر میں ہم کو مسلم معیشت کے بنیادی عناصر و معالم پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا کی اقتصادی اہمیت کا ایک پہلو نظر سے اوجھل رہ جاتا ہے۔ دَہ سالہ مدنی دورِ نبوی میں عرب جزیرہ نما کے مسلمانوں یا دوسرے الفاظ میں اسلامی ریاست کی معیشت کے بنیادی عناصر چار تھے، تجارت و کاروبار، زراعت، صنعت و حرفت اور محنت مزدوری۔ ان چاروں عناصر معیشت مسلمہ پر مفصل بحث[۲۳۹] کا یہ موزوں مقام نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں ہم اپنے زیرِ بحث موضوع سے دور جا پڑیں گے تاہم ایک مختصر تبصرہ کی صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بنیادی طور سے پہلے دو عناصر یعنی تجارت و زراعت مسلم معیشت کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ بہر حال باقی دو کی اہمیت بھی کسی طرح کم نہ تھی یا اس کو کسی طرح سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ صحابہ کرام میں سے بیشتر حضرات بوقتِ ہجرت اتنے نادار و مفلس نہ تھے جیسا کہ عام طور سے جدید مورخین نے ان کے بارے میں فرض کر لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر خوشحال تھے جبکہ کافی معتدبہ تعداد میں متمول و مالدار طبقہ کے زمرہ میں آتے تھے۔ کیونکہ چند مستثنیات کے سوا جن کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے بقیہ صحابہ کرام اپنے "اموالِ منقولہ" کو مکہ سے مدینہ لانے میں کامیاب ہو گئے تھے اور ان اموال میں نقد رقوم اور اسبابِ ضرورت دونوں شامل تھے۔ میں اس پر کہیں اور تفصیل کے ساتھ بحث کر چکا ہوں۔[۲۴۰] مہاجرینِ مکہ کی مانند انصارِ مدینہ بھی اپنی روزی روٹی نہ صرف بہ سہولت و فراغت کما لیتے تھے بلکہ ان میں سے متعدد دولت میں کھیل رہے تھے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے معاً بعد بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانانِ شہر یعنی مہاجرین و انصار دونوں طبقات نے اپنے تجارتی اور زراعتی کاروبار اور میدانِ عمل کو آہستہ آہستہ مگر پورے استحکام و مضبوطی کے ساتھ وسعت و ترقی دینا شروع کر دیا اور تھوڑی ہی مدت میں ان میں سے متعدد نے دولت جمع کر لی اور خزانے بھر لیے۔[۲۴۱] جدید مورخین کا یہ نظریہ کہ صحابہ کرام بالخصوص مہاجرینِ عظام نے اپنی کثیر دولت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہدِ خلافتِ راشدہ میں فتوحاتِ عراق و شام و مصر وغیرہ کے نتیجہ کے طور پر جمع کی تھی[۲۴۲] نہ صرف غلط ہے بلکہ گمراہ کن ہے اور واقعات و حقائق مسلمہ سے متصادم نظر آتا ہے۔ مآخذ سے ہمیں یہ وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین صحابہ کرام میں سے حضرات عثمان بن عفان اموی، عبدالرحمن بن عوف زہری، عمر بن خطاب عدوی، ابوبکر صدیق تیمی، طلحہ بن عبید اللہ تیمی اور زبیر بن عوام اسدی قریشی اور دوسرے متعدد حضرات نے عہدِ نبوی ہی میں تجارت و زراعت کے ذریعہ "دولتمندی

مالداری" حاصل کر لی تھی جبکہ انصارِ مدینہ میں سے حضرات سعد بن عبادہ خزرجی، سعد بن معاذ اوسی، قیس بن سعد بن عبادہ خزرجی، سعد بن ربیع، قتادہ بن نعمان اور ابو ایوب انصاری وغیرہ متعدد حضرات متمول طبقہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد یہودی نومسلم حضرات بھی کافی دولتمند تھے اور ان تمام حضرات نے اپنی ساری دولتمندی تجارت وزراعت کے پُر امن ذرائع و وسائل کے سبب حاصل کی تھی"[۲۴۳] صدر مقام ریاست کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب کے مختلف مقامات پر بھی بہت سے مسلمان دولتمند طبقہ میں شمار کیے جا سکتے تھے اور درحقیقت شمار کیے جاتے تھے۔"[۲۴۴] ظاہر ہے کہ ان تمام مسلم دولتمندوں نے اپنی دولت زراعت، تجارت، محنت مزدوری اور صنعت وحرفت کے ذرائع ہی سے حاصل کی تھی خاص کر مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد کیونکہ اس کے بعد عربوں کا لوٹ مار کا طریقہ جو قبل از اسلام دولت حاصل کرنے کا روایتی طریقہ تھا قطعی طور سے بند ہو گیا تھا۔ بہرکیف مختصر طور سے آخری تجزیہ کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان بنیادی عناصرِ معیشت کے ذریعہ سے پیدا کردہ اور حاصل شدہ دولت مسلم معیشت کے اٹھانوے فیصد حصّہ کے لیے ذمہ دار تھی۔ جبکہ اس میں اموالِ غنیمت کا حصّہ زیادہ سے زیادہ دو فیصد رہا تھا۔

مگر مذکورہ بالا اعداد وشمار اور حسابی جوڑ توڑ سے جو کسی طور سے خالص ریاضی یا حساب کے اصولوں پر مبنی نہیں ہیں یہ غلط فہمی ہرگز نہ ہونی چاہیے کہ اموالِ غنیمت نے مسلمانوں بالخصوص باشندگانِ شہرِ رسول کی معیشت میں کوئی حصہ و کردار نہیں ادا کیا تھا یا یہ کہ غزوات وسرایائے نبوی کی کوئی اقتصادی اہمیت نہیں تھی بالکل اسی طرح اور اسی قسم کی غلطی یہ سوچ بھی ہوگی کہ معاصر مسلمانوں کو ان مہموں کی اقتصادی اہمیت سے بے خبری تھی اور حاصل شدہ مالی فوائد سے بے نیازی تھی۔ اسلام نے مالِ غنیمت کو نہ صرف حلال رکھا ہے بلکہ مسلمانوں کو اس سے متمتع ہونے کا پورا پورا حق دیا ہے[۲۴۵] البتہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع پر اس پر اصرار کیا اور کبھی کبھی قدغن بھی لگائی کہ غزوات وسرایا کا مقصود اوّلین محض مالِ غنیمت کا حصول بن کر نہ رہ جائے چنانچہ متعدد مواقع سے متعلق احادیثِ نبوی ملتی ہیں کہ آپ نے محض اموال کے جویا حضرات کو شرکتِ جہاد سے روک دیا۔[۲۴۶] مقصد اس کا یہ تھا کہ غزوات وسرایا کا اصلی مطمحِ نظر یعنی اعلائے کلمۃ اللہ اور اللہ کے دین کی سرفرازی وسربلندی ہی پیشِ نظر رہے اور اموالِ غنیمت کو اس کا انعام ونتیجہ سمجھا جائے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمات اور دوسرے دُنیاوی حکمرانوں، سالاروں اور شہنشاہوں کی جنگوں میں یہی بنیادی فرق ہے کہ شہنشاہِ کونین کے یہاں اللہ کی سربلندی مقصود ہے اور دنیاوی شہنشاہوں کے یہاں محض دولت وحکومت کے وسائل کی مادی خواہش کی تکمیل وتسکین۔ بہرکیف مسلم مجاہدینِ عہدِ نبوی کو نہ صرف ان مہمات کی اقتصادی اہمیت کا اندازہ تھا بلکہ ان سے حاصل شدہ اموال نے ان کی سقیم مالی حالت کو بہتر کرنے میں بھی خاصا اہم کردار ادا کیا تھا، خاص طور پر ابتدائی برسوں میں جب مسلمانوں کو مادی وسائل کی سخت ضرورت تھی۔ یہاں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مدینہ منورہ کے یہودی قبیلوں سے حاصل شدہ اموالِ غیر منقولہ خصوصاً ان کی پیداواری زمینیں مسلمانانِ شہر کی اقتصادی حالت کو سدھارنے میں کافی معاون ثابت ہوئے تھے۔ یہاں اس نکتہ پر پھر زور دیا جا رہا ہے اگرچہ اس میں تکرار کا عیب پایا جاتا ہے کہ یہودی قبیلوں کے

خلاف فوجی کارروائی کسی مالی فائدہ کی غرض سے نہیں کی گئی تھی۔ کارروائی کا مقصود تو ریاستِ اسلامی کا ارتقا اور اسلام کا دفاع تھا اور مالی فوائد اس کارروائی کا انعام و نتیجہ تھے۔"[۲۴۷] اس سلسلہ میں یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ابتدائی مدنی زمانے میں مسلمانانِ مدینہ خاص کر اور دوسرے مقامات کے مسلمان عام طور سے امن و سلامتی کے چھوٹے چھوٹے جزیروں میں رہ رہے تھے جن کو چاروں طرف معاند و دشمن طاقتیں گھیرے ہوئے تھیں۔ اس کا ایک ناگزیر نتیجہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں کی زرعی، تجارتی اور صنعتی کوششیں بڑی حد تک نہ صرف یہ کہ محدود تھیں بلکہ متعدد موانع ان کی محدود ترقی کی راہ میں بھی حائل تھے اور یہ سب صرف اس وجہ سے تھا کہ ان کے دشمنوں نے ان کو جنگوں، جھگڑوں اور تصادموں میں الجھا رکھا تھا۔ کبھی خود ان پر چڑھ آتے، کبھی ان کے شہر کو محصور کر لیتے، کبھی ان کے تجارتی کاروانوں کو لُوٹ لیتے، کبھی ان کی مذہبی جماعتوں پر تاخت کرتے اور کبھی ان کے خلاف سازشیں کر کے ان کو تادیبی کارروائی کرنے پر مجبور کر دیتے۔ ان اسباب سے مسلم معیشت ابتدا میں کافی کمزور رہی گو وہ آہستہ آہستہ ترقی و استحکام کے راستہ پر گامزن ہو رہی تھی۔ اس پر آشوب دور اور پُرخطر زمانے میں اموالِ غنیمت نے یقیناً ان کی مالی حالت سنبھالنے اور ان کی معیشت کو بنانے میں بڑا حصہ لیا تھا۔[۲۴۸]

یہ بڑی دلچسپ اور اہم حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اموالِ غنیمت کی شکل میں ملنے والے زر کو پیداواری زر میں تبدیل کر دیا تھا۔ شرکائے مہماتِ نبوی میں سے کسی کے بارے میں یہ رجحان نظر آتا ہے کہ وہ اپنے اپنے حصۂ غنیمت کو پیداواری جائدادوں بالخصوص کھجور کے باغوں اور اناج کے کھیتوں یعنی زرعی زمینوں میں لگا دیتے تھے[۲۴۹] اور کچھ لوگوں نے یقیناً ان کو تجارتی کاروبار اور دُکانوں میں لگایا ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی قرینِ قیاس ہے کہ بعض حضرات نے ان کی بنیاد پر رہائشی مکانات تعمیر کرائے ہوں گے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ پیداواری سرمایہ خواہ انھوں نے پیداواری کاروبار میں لگایا ہو یا غیر پیداواری چیزوں میں بہرکیف اس سے مسلم معیشت کو ترقی ملی تھی۔ سرمایہ کاری کی اس شکل میں محض سرمایہ کاروں کو فائدہ نہیں ہوا تھا بلکہ جیسا کہ سرمایہ کاری کا اصول ہے کہ اس سے بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی براہِ راست یا بالواسطہ فائدہ پہنچا تھا۔ بہرحال کوئی مسلمان جو انصاف و عدلِ اجتماعی کا شعور رکھتا ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ اموالِ غنیمت نے عہدِ نبوی کی مسلم معیشت میں خاصا اہم کردار ادا کیا تھا۔ مگر ان کا یہ کردار ثانوی تھا کیونکہ خود غزوات و سرایا کا مادی مقصد بھی ثانوی تھا۔ آخری تجزیہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اموالِ غنیمت کے امکانات نے نہ تو غزوات و سرایا کی ترغیب و تحریک دی تھی، نہ ان کے لیے برانگیختہ کیا تھا اور نہ ہی ان کے وقت و زمانہ کی تعیین میں کوئی حصہ لیا تھا۔ اموالِ غنیمت صرف غزوات و سرایا کے نتائج تھے مقاصد و اغراض نہیں۔ جہاں تک مسلم معیشت میں ان کے حصہ و کردار کا تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے مسلم معیشت کے ارتقاء و استحکام میں ہراول دستہ کا کردار ادا کیا تھا۔ چھوٹی سی تحریک دی تھی اور مختصر سا حصہ لیا تھا۔ ورنہ بنیادی طور سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت تجارت و زراعت، صنعت و حرفت اور محنت و مزدوری کی پائدار، مستقل اور مستحکم بنیادوں پر قائم تھی۔[۲۵۰]

اموالِ غنیمت کی شکل میں ملنے والے دینار و درہم کو سرمایہ کاری کے مقصد سے پیداواری جائدادوں میں لگا دینے کے

مسلمان غانمین کے رجحان کی بنیاد پر یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ مسلمانانِ مدینہ کی اصل معیشت کو سہارا انھیں اموالِ غنیمت نے دیا تھا اور انھیں کی بنیاد پر بنیادی سرمایہ فراہم ہوا تھا جو بعد میں زراعت و تجارت اور کاریگری کی ترقی کا سبب ہوا۔ کسی حد تک یہ دلیل صحیح ہے اور اوپر ذکر آچکا ہے کہ بعض مسلمانوں نے اس مال سے سرمایہ کاری کی تھی اور یا تو اپنے لیے تجارت کے ذریعہ نفع کما کر مزید سرمایہ حاصل کیا تھا یا زرعی جائدادوں میں لگا کر سرمایۂ مزید پایا تھا اور اس طرح مستقل ذریعۂ آمدنی پالیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت پر بھی نظر رہنی چاہیے کہ ایسی سرمایہ کاری کتنے مجاہدین نے امکانی طور سے کی تھی۔ اور اس سے کتنے لوگوں کو فائدہ پہنچا تھا۔ اس کے علاوہ دوسری حقیقت یہ بھی نظر سے نہ اوجھل ہونی چاہیے کہ بہت سے باشندگانِ مدینہ نے بنیادی مستقل عناصرِ معیشت کی بنیاد پر اموالِ غنیمت کے حصول سے قبل ہی دولت جمع کر لی تھی یا کم از کم وُہ ہر لحاظ سے خوشحال تھے۔ ان میں مدینہ منورہ کے مہاجرین اور انصار دونوں طبقات کے متمول افراد شامل تھے جن میں سے متعدد کا ذکر اوپر آچکا ہے[۲۵۱] اور مدینہ کے مسلمانوں کی دولتمندی اور خوشحالی کا مفصل ذکر کہیں اور کیا جا چکا ہے[۲۵۲]۔ ایک دلچسپ نکتہ اس ضمن میں یہ بھی ہے کہ ماخذ کی روایات کے اصرار و زور کے مطابق یہودِ مدینہ کی غیر منقولہ جائدادیں جو مستقل سرمایہ کاری کا ایک بڑا ذریعہ تھیں صرف طبقاتِ مہاجرین کے افراد کو ہی تقسیم کی گئی تھیں سوائے دو انصاری بزرگوں کے[۲۵۳]۔ اس سے بالواسطہ طور پر اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے کہ اموالِ بنی قینقاع، اراضی بنی النضیر اور جائداد بنی قریظہ صرف مہاجرین میں سے ناداروں کے لیے ہی کافی ہُوئی تھیں اور طبقاتِ انصار اتنے مالدار یا خوشحال نہ تھے کہ ان کو ان میں سے کچھ بھی دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ نہ صرف یہ کہ بلکہ انصار نے اپنے باغات اور دوسری جائدادوں میں اپنے مہاجر بھائیوں کی شراکت و شمولیت پر بھی اصرار جاری رکھا۔[۲۵۴] یہاں پھر اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ یہود مدینہ کی جائدادوں کی اتنی مالی اہمیت نہ تھی جتنی کہ ان کے زرعی، تجارتی اور صنعتی کاروبار کی۔ ان کا سب سے نفع بخش کاروبار سُودی لین دین تھا۔ جہاں تک زرعی پیداوار کا تعلق ہے یہ واضح ہوتا ہے کہ وُہ ان کی اپنی آبادی کے لیے کفالت نہیں کر سکتی تھی چہ جائیکہ کل باشندگانِ مدینہ کی ضروریاتِ زندگی کی بقدر کفاف ہی کفالت کر سکتی۔ جدید تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ وغیرہ بلادِ حجاز کو غلہ و اناج کی بیشتر فراہمی یمامہ، شام و فلسطین اور مصر وغیرہ سے ہوتی تھی۔ گویا کہ غذائی اجناس کا بیشتر حصہ مدینہ والوں کو تجارت کے ذریعہ حاصل ہوتا تھا۔[۲۵۵]

اس سلسلہ میں بہت دلچسپ اور اہم یہ حقیقت ہے کہ تاجرانِ عرب کیا مسلمان اور کیا غیر مسلم اپنی تمام مہموں کے دوران اپنا اپنا سامانِ تجارت بھی ساتھ لے جاتے تھے کہ جنگ و جدال سے فرصت ملی تو تجارتی کاروبار کریں گے۔ اس ماہرانہ تجارتی ذہنیت کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ اُوپر اشارتاً ذکر آچکا ہے کہ جنگِ بدر کے موقعہ پر تاجرانِ قریش اپنا تجارت کا سامان بھی جو زیادہ تر کھالوں (ادم) پر مشتمل تھا ساتھ لائے تھے کہ بدر کے بازار میں جو ذی قعدہ کے پہلے آٹھ دن لگتا تھا ان کا کاروبار کریں گے۔[۲۵۶] غیر متوقع شکست نے ان کو اس کی مہلت نہ دی اور وہ سامان تجارت مسلم فاتحوں کے ہاتھ لگا۔[۲۵۷] مدینہ کے تاجر اس عرب روایت سے نابلد نہ تھے بلکہ کہنا چاہیے کہ انھیں کے ذریعہ اس کو اور تقویت ملی۔ مسلمانوں

نے بھی شروع ہی سے اپنا سامانِ تجارت اپنی مہموں میں ساتھ لے جانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کی پہلی واضح مثال ۴ھ / ۶۲۶ء میں ملتی ہے جب غزوۂ بدر الموعد کے موقعہ پر تاجرانِ مدینہ اپنا سامانِ تجارت (بضائع ونفقات) بدر کے مقامی بازار میں لے گئے تھے۔ ان پندرہ سو مسلمانوں نے وہاں آٹھ دن قیام کیا اور ان کے تاجروں نے خوب خوب نفع کمایا کیونکہ دشمن مقابلے پر نہیں آیا تھا۔ حضرت عثمان بن عفان اموی جو کہ ایک ماہر تاجر تھے کے بارے میں یہ ذکرِ خیر بھی آتا ہے کہ انھوں نے ایک دینار کے عوض ایک دینار یعنی صد فیصد نفع کمایا تھا۔[258] افسوس کہ ان کے نفع کی شرح کے بعد بھی ان کے کل سرمایۂ تجارت یا کل نفع کا ذکر نہیں ملتا۔ اسی زمانے میں تاجرانِ مدینہ نے انمار و ثعلبہ کے علاقے میں اپنی مہم کے دوران دشمن کے بازارِ نجد میں تجارت کی تھی۔[259] اوپر ذکر آچکا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذات الرقاع کے دوران حضرت جابر بن عبداللہ سے ایک اونٹ کا سودا چالیس درہم (ایک اوقیہ چاندی) میں کیا تھا۔[260] غزوہ مریسیع کے دوران حضرت ابو سعید خدری نے جو باندی پائی تھی وہ اسی وقت بازار میں بیچ دی تھی۔[261] غزوۂ خیبر کے دوران مسلمانوں نے صلح ہو جانے کے بعد یہودیوں سے خوب تجارتی لین دین کیا تھا۔[262] ان دونوں غزوات سے بالخصوص اور دوسرے غزوات سے بالعموم یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلم مجاہدین عموماً اپنے حصۂ غنیمت کا فوری طور سے سودا کر لیتے تھے اور اپنی پسندیدہ یا ضرورت کی شے خرید لیتے تھے۔ خیبر کے غزوہ کے دوران ایسے لین دین کا کافی ذکر ملتا ہے۔ مسلمانوں نے اس موقعہ پر آپس میں بھی کافی بڑے پیمانے پر خرید و فروخت کی تھی۔[263] ذکر آتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے سفر کے دوران بعض مسلمانوں نے بنو نہد کے تاجروں سے لین دین کیا تھا۔[264] اور پھر اس کے ایک سال بعد اسی قسم کے مذہبی سفر اور مہم عمرۃ القضا کے دوران خرید و فروخت کی تھی۔[265]

غزوۂ حنین سے متعلق ایک دلچسپ روایت یہ ملتی ہے کہ ایک صحابی حضرت ابو قتادہ انصاری نے غزوہ میں حاصل ہونے والے سلب کو ایک مہاجر بھائی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمی کے ساتھ سات اوقیہ چاندی (دو سو اسّی درہم) میں بیچ دیا تھا اور پھر اسی قیمت سے مدینہ میں ایک کھجور کا باغ (مخرف) خرید لیا تھا۔[266] اسی طرح غزوۂ تبوک کے دوران بھی مسلمانوں کے تجارتی کاروبار کا ذکر ملتا ہے[267] اور سب سے بڑھ کر خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صراحت ملتی ہے کہ آپ نے متعدد مہموں کے دوران خریداری کے سودے کیے تھے۔ کسی میں گھوڑا خریدا تھا تو کسی میں اونٹ یا دوسرا اسبابِ ضرورت۔[268] بہر حال قرونِ وسطیٰ میں یہ عالمی روایت تھی کہ مہمات کے دوران خرید و فروخت کے سودے کیے جاتے تھے[269] اور اس لحاظ سے غزوات و سرایائے نبوی کی زبردست اقتصادی اہمیت تھی۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ اقتصادی اہمیت مثبت تھی اور تجارت کے پُرامن ذریعہ پر مبنی تھی۔ اس کے بالمقابل اموالِ غنیمت سے حاصل شدہ سرمایہ کی اہمیت منفی تھی اور اس کا دائرہ کار بھی محدود تھا۔

مذکورہ بالا طویل بحث سے یہ حقیقت اب روشن ہو جاتی ہے کہ اموالِ غنیمت کی یقیناً اقتصادی اہمیت تھی اور ان کی وجہ سے مسلم معیشت کو خاص کر مدینہ منوّرہ کی معیشت کو ایک بنیاد فراہم ہوئی تھی مگر یہ بنیاد پختہ نہ تھی۔ اس سے کہیں زیادہ پختہ و پائدار دوسری بنیادیں تھیں۔ اور ان موخر الذکر عناصرِ معیشت سے جو سرمایہ مسلمانوں کو حاصل ہوا تھا وہ اموالِ غنیمت کے مقابلے میں کئی گنا تھا۔ بلکہ اگر اموالِ غنیمت سے آمدنی اور مہمات پر مصارف کا

ایک توازن و تناسب نکالا جائے تو منافع کا گوشوارہ نہ صرف خالی رہ جاتا ہے بلکہ خسارہ کے گوشوارہ میں کئی گنا رقم بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت اب بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سرایا کا اصلی و بنیادی مقصد دینی لحاظ سے اللہ کے دین کی سرفرازی اور دنیاوی اعتبار سے ریاست اسلامی کی توسیع و تنظیم تھی اور اس کارِ خیر کے نتیجہ میں اموالِ غنیمت بطور انعام ملے تھے جن سے مسلم معیشت کو اپنی دگرگوں حالت میں کسی قدر تقویت ملی تھی اور بس۔

تعلیقات و حواشی

(۱) یہ بڑا دلچسپ، اہم اور عجیب اتفاق ہے کہ یہ غلط تصور ہر زمانے اور قرن کے مستشرقین کی تحریروں میں خواہ وہ ابتدائی زمانے کی مناظرانہ، معاندانہ اور مخالفانہ انداز کی ہوں یا قرونِ وسطیٰ کی صُلح جویانہ، ہمدردانہ اور عاقلانہ نوعیت کی ہوں یا جدید سائنسی دور کی عالمانہ، غیر جانبدارانہ اور خالص محققانہ طریقہ کی ہوں کبھی بالکل صاف اور واضح طور سے جھلکتا ہے اور کبھی پس پردہ اس کی کارفرمائی جاری رہتی ہے۔ ان تینوں زمانوں میں محض فرق زبان وبیان کا ہے۔ ابتدائی زمانے کی تحریروں میں سوقیانہ اندازِ بیان اور فاحش زبان کا استعمال روا رکھا جاتا رہا ہے جبکہ قرونِ وسطیٰ میں خاص کر بعد کی صدیوں میں جب اسلام وعیسائیت کی جارحانہ کشمکش میں کسی حد تک کمی آئی تو زبان وبیان میں کچھ اصلاح نظر آئی تاہم جارحیت کا عنصر بڑی حد تک موجود رہا۔ البتہ جدید دور میں زبان وبیان بڑی حد تک شریفانہ ہو گئے مگر زہر ہلاہل کی ٹکیہ پر شکر چڑھا دی گئی۔ اب وہی بات اور وہی نظریہ کچھ ایسے متاثر کن اور رعب دار علمی انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ قاری کی نگاہ انداز بیان و زبان اور استدلال کی بھول بھلیوں میں کچھ اس طرح گم ہو جاتی ہے کہ وہ بقول شخصے علمی غلام گردشوں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور قصرِ علم کے اندرون تک اس کی رسائی نہیں ہوتی۔ ان تینوں زمانوں کی نمائندہ مثالوں کے لیے ملاحظہ فرمائیے:

سنسلاٹ ایڈیسن (SANCELOT ADDISON)، THE FIRST STATE OF MAHUMED-IFM: OR AN ACCOUNT OF THE AUTHOR AND DOCTRINES OF THE IMPOSTURE. لندن ۱۶۷۹ء، ص ۶۲-۷۰ وغیرہ؛ واشنگٹن اروِنگ (WASHINGTON IRVING)، LIFE OF MAHOMET، لندن ۱۸۶۰ء، ص ۵-۹۴ وغیرہ؛ سر ولیم میور (SIR WILLIAM MUIR)، LIFE OF MAHOMET ایڈنبرا ۱۹۲۳ء، ص ۶-۲۰۴ وغیرہ؛ ایچ لامنس (H. LAMMENS)، ISLAM, BELIEFS AND INSTITUTIONS انگریزی ترجمہ ای ڈینیسن راس (E. DENISON-ROSS) - لندن ۱۹۶۸ء، ص ۹-۲۸ وغیرہ؛ ڈی، ایس، مارگولیتھ (D.S. MARGOLIOUTH)، MOHAMMAD AND THE RISE OF ISLAM، لندن ۱۹۰۵ء، ص ۲۳۸ وغیرہ؛ ٹور انڈرے (TOR ANDRE)، MOHAMMAD THE MAN & HIS FAITH

لندن ۱۹۵۶ء، ص ۵۴-۱۴۰ وغیرہ؛ کارل بروکلمن (CARL BROCKELMANN)، HISTORY OF ISLAMIC PEOPLES، لندن ۱۹۵۲ء، ص ۲۵-۲۳ وغیرہ؛ آر، وی، سی، بوڈلے (R.V.C. BODLEY)، THE MESSENGER، لاہور ۱۹۵۴ء، ص ۵-۱۳۴ وغیرہ؛ میکسم روڈنسن (MAXIME RODINSON)، MOHAMMAD، انگریزی ترجمہ این کارٹر (ANNE CARTER)، لندن ۱۹۷۱ء، ص ۱۵۱ اور ص ۱۶۱ وغیرہ؛ جی، ای، گرونی بام (G.E. GRUNEBAUM)، CLASSICAL ISLAM، انگریزی ترجمہ کیتھرائن واٹسن (CATHERINE WATSON)، لندن ۱۹۷۰ء، ص ۶-۵۳ وغیرہ؛ فلپ، کے، ہٹی (PHILIP K. HITTI)، HISTORY OF THE ARABS، لندن ۱۹۵۸ء، ص ۲۲-۱۱۶ اور ISLAM A WAY OF LIFE، لندن ۱۹۷۰ء، ص ۱۶-۱۵؛ جان بگٹ گلب (JOHN BAGOT GLUBB)، THE LIFE & TIMES OF MUHAMMAD لندن ۱۹۷۰ء، ص ۷۳ وغیرہ؛ ڈبلیو مونٹگمری واٹ (W. MONTGOMERY-WATT)، MUHAMMAD AT MADINA، آکسفورڈ ۱۹۶۲ء، ص ۱۰-۱ وغیرہ اور دوسرے متعدد مستشرقین۔ نیز ان ادوار کی مختلف انگریزی تحریروں کے لیے ملاحظہ فرمائیے محمد یٰسین مظہر صدیقی کا مضمون "سیرت نبوی پر مغربی مصنفین کی انگریزی نگارشات"، تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ، جلد ۳، شمارہ ۳، ص ۴۷-۱۴۔

(۲) اس موضوع پر بحث کے لیے ملاحظہ کیجیے: خاکسار کا مضمون "عہدِ نبوی کی ابتدائی مہمیں: محرکات، مسائل اور مقاصد" نقوش، لاہور، رسولؐ نمبر   نیز برہان دہلی، دسمبر ۱۹۸۲ء تا ستمبر ۱۹۸۳ء۔

(۳) کارل بروکلمن، مذکورہ بالا، ص ۲۳۔

(۴) مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۱۰۔

(۵) ایضاً، ص ۴۔

(۶) ایضاً، ص ۱۴۔

(۷) ملاحظہ کیجیے کارل بروکلمن، مذکورہ بالا، ص ۲۵-۲۳؛ ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۱۱۔ موخر الذکر کا بیان ہے کہ "شام کو ان (کاروانوں) کی مستقل، مسلسل اور بلا روک ٹوک آمد و رفت پر ہی مکہ کی خوشحالی کا دار و مدار تھا کیونکہ یمن اور حبشہ سے ان کی تجارت کہیں زیادہ غیر اہم تھی۔"

(۸) مکی کاروانوں سے تصادم و ملاقات کی صورت میں مسلمانوں کو کافی مالِ غنیمت ملتا۔ یہ تصور مستشرقین بلکہ تمام جدید مورخین کی تحریروں میں ہر جگہ مضمر ہے اور اس تصور کی بنیاد یہ ذہن میں جما ہوا خیال ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی مہموں کا واحد مقصد قریشی کاروانوں کو لوٹنا تھا تاکہ غریب و مجبور کے مہاجرین کا پیٹ بھرا جا سکے۔ ماخذ کا ایک تنقیدی مطالعہ ثابت کرتا ہے جیسا کہ ہم نے ابتدائی مہموں والے اپنے مضمون میں واضح کیا ہے کہ وہ سرے سے

لوٹ مار کی مہمیں تھیں ہی نہیں۔ دوسرا تصور کہ ان مہموں کی لوٹ مار سے حاصل شدہ دولت نے مسلم معیشت کو قوت بخشی اور غریب مسلمانوں کو مالدار بنا دیا اس موجودہ مقالے کی بحث کی روشنی میں غلط ٹھہرتا ہے۔

(۹) مثلاً ملاحظہ کیجئے کارل بروکلمن، مذکورہ بالا، ص ۲۹؛ ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۴۳ وغیرہ؛ مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۳۵-۲۹، ۴۶-۴۰ - وغیرہ۔

(۱۰) ولیم میور، مذکورہ بالا ص ۳۲۲؛ کارل بروکلمن، مذکورہ بالا، ص ۲۶-۲۴؛ جی، ای، گرونی بام، مذکورہ بالا، ص ۴۰-۳۶؛ ہٹی، ہسٹری آف دی عربس، ص ۱۷-۱۱۶؛ اسلام اے وے آف لائف، ص ۱۸-۱۷۔

(۱۱) مذکورہ بالا مستشرقین اور دوسرے غیر مذکورہ مورخین نے عام طور سے یہی تصور دیا ہے۔ ان میں نمایاں طور سے ولیم میور، مارگولیتھ، بروکلمن، ہٹی وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ صرف مونٹگمری واٹ، (مذکورہ بالا، ص ۲۲۰) نے کسی حد تک متوازن نظریہ اپنایا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ "یہ کہنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہودیوں کی دولت کا علم نہیں تھا آپ کی فہم و فراست کا انتہائی اور خطرناک حد تک غلط اندازہ ہوگا۔ یہودیوں پر آپ کے حملوں کا اسی کو (دولت کو) واحد سبب قرار دینا بھی نا واجب طور سے مادی ہوگا۔ یہودیوں کی دولت یقیناً آپ کے لیے کافی افادیت کی حامل تھی اور اس نے بڑی حد تک آپ کی مالی دشواری کو آسان بنا دیا۔ یہ ممکن ہے کہ مالی فوائد کے امکانات نے یہودیوں پر آپ کے حملوں کا وقت معین کرنے میں مدد کی ہو یا موثر کردار ادا کیا ہو..... لیکن ان سے تصادم محض مذہبی بنیادوں پر ہوا تھا۔" مونٹگمری واٹ کو آج کل سیرتِ نبوی کا ایک بڑا عالم اور ہمدردانہ اور علمی نقطۂ نظر رکھنے والا مستشرق سمجھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نکتہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ان جیسے معروضی و علمی نظر رکھنے والے سیرت نگار نے بھی یہود مدینہ پر حملۂ نبوی کا ایک سبب —— کم از کم ایک سبب —— مسلمانوں کی مالی حالت کی بہتری کے امکانات کو قرار دیا ہے۔ یہاں بھی بات ایک علمی انداز میں وہی کہی گئی ہے جو دوسروں کے یہاں ذرا مضمر انداز میں ملتی ہے۔ اگر یہودیوں پر حملہ/حملوں کا وقت اس طور سے طے کیا گیا تھا کہ مالی فوائد کے امکانات پیش نظر تھے تو کیا یہ زیادہ بہتر نہ ہوتا کہ کم از کم یہود مدینہ کے تین قبیلوں پر ایک ایک سال کے وقفے سے حملہ کی بجائے یکے بعد دیگرے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے حملے کیے جاتے۔ اس طور "وقتِ ضرورت" بلکہ سخت خراب مالی حالت کے زمانے میں زیادہ سے زیادہ دولت کا حصول ممکن ہو جاتا۔

(۱۲) ملاحظہ ہوں مندرجہ بالا مستشرقین کی نگارشات، نیز خاکسار کا مضمون، تحقیقاتِ اسلامی، جلد ۲، شمارہ ۲۔

(۱۳) ملاحظہ ہو مثال کے لیے شاہ سلیمان منصورپوری، رحمۃ للعالمین، لاہور ۱۹۷۱ء، دوم، ص ۴۰-۳۱۹؛ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، محمد رسول اللہ، انگریزی ترجمہ محی الدین احمد، لکھنؤ ۱۹۷۹ء، ص ۶۴-۳۶۱؛ اطہر حسین، PROPHET MUHAMMAD AND HIS MISSION، بمبئی ۱۹۶۷ء، ص ۶۴-۲۹؛ سید امیر علی، A SHORT HISTORY OF THE SARACENS، نئی دہلی ۱۹۷۷ء، ص ۱۴-۱۲۔

(۱۴) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، اعظم گڈھ ۱۹۷۱ء، اول، ص ۴۸-۴۷۴ اور ص ۱۷-۶۱۲؛ محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ (انگریزی)، حیدر آباد دکن ۱۹۷۴ء، ص ۶۶-۱۵۰؛ سید امیر علی، دی اسپرٹ آف اسلام، لندن ۱۹۶۵ء، ص ۶۱ وغیرہ؛ ابو الکلام آزاد و مہر، رسولِ رحمت، مرتبہ غلام رسول مہر، دہلی ۱۹۸۲ء، ص ۲۷۰ وغیرہ؛ محمد حسین ہیکل، THE LIFE OF MUHAMMAD، انگریزی ترجمہ اسمٰعیل راجی اے الفاروقی، ریاستہائے متحدہ امریکہ، ۱۹۷۶ء، ص ۲۰۶ وغیرہ۔

(۱۵) مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ایم اے شعبان، اسلامک ہسٹری (۶۰۰ء-۷۵۰ء)، کیمبرج ۱۹۷۱ء، ص ۱۳-۱۲؛ ظہیر احمد، محمد، دہلی ۱۹۸۰ء، ص ۸۱-۱۶۴۔

(۱۶) واقدی، کتاب المغازی، مرتبہ مارسدن جونس، آکسفورڈ ۱۹۶۵ء، تین جلدیں اول تا آخر۔ نیز ملاحظہ ہو ابنِ ہشام، السیرۃ النبویہ، مرتبہ محمد محی الدین عبدالحمید، طبع قاہرہ (غیر مورخہ)، جلد دوم، ص ۴-۲۲۳؛ سوم ص ۴۷-۳؛ چہارم ص ۳۱۹-۳؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء، جلد دوم، ص ۱۸۹-۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۴-۲۸۷ وغیرہ؛ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، دار صادر بیروت ۱۹۶۰ء، دوم، ص ۸۰-۴۵؛ طبری، تاریخ الرسل والملوک، دار المعارف، قاہرہ ۱۹۶۱ء، دوم، ص ۶۵-۴۰۲؛ سوم ص ۱۵۸-۹؛ ابنِ اثیر، الکامل فی التاریخ، بیروت ۱۹۶۵ء، دوم ص ۴۰-۱۱۱؛ ابنِ خلدون، تاریخ ابن خلدون، بیروت ۱۹۵۶ء، دوم، ص ۸۵۵-۴۴۷؛ ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ، مطبعہ السعادہ ۱۹۳۲ء، سوم، ص ۳۵۷-۲۳۴، چہارم ص ۳۷۵-۲؛ پنجم ص ۲۲۲-۲؛ مزید ملاحظہ ہو محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، حیدر آباد دکن ۱۹۴۲ء، ص ۲۵-۱۱۰؛ بلاذری، فتوح البلدان، دار النشر للجامعین، بیروت ۱۹۵۸ء، ص ۱۳۰-۸۔

ہر مورخ و سیرت نگار کے یہاں غزوات نبوی و سرایائے صحابہ کی تعداد میں اختلاف و فرق ہے۔ بہرکیف واقدی، ابن سعد اور ان کے متبعین کے معیاری عدد کے مطابق غزواتِ نبوی کی تعداد ۲۷ ہے جبکہ سرایائے صحابہ کی ۴۷ ہے یعنی کل ۷۴۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۶-۵۔ دوسری طرف ابنِ اسحاق، ابن ہشام اور طبری کا ایک دوسرا مکتبِ فکر ہے اور ان کے تعداد غزوات و سرایا میں اختلاف ہے۔ جبکہ اول الذکر دو مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ غزواتِ نبوی کی تعداد ۲۷ ہی تھی موخر الذکر کے نزدیک وہ ۲۶ تھی یا ۲۷۔ ان مورخین میں سرایا کی تعداد پر کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن اسحاق اور ان کے جامع کے خیال میں ان کی تعداد ۳۸ تھی (ابن ہشام، ج ۴، ص ۸۱-۲۸۰) مگر طبری صرف ۳۵ کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ اختلاف مورخین بابت سرایائے صحابہ کا ذکر بہت کرتے ہیں (ملاحظہ ہو جلد سوم، ص ۱۵۸)۔ ابن اثیر (جلد دوم، ص ۴-۳۰۳) کے یہاں غزوات کی تعداد ۱۹، ۲۶ یا ۲۷ ملتی ہے اور

سرایا کی ۳۵ یا ۳۸ - ابن کثیر نے اس ضمن میں ساری روایات جمع کر دی ہیں اور ان کے مطابق غزوات کی تعداد ۱۶، ۱۸، ۱۹، ۲۱، ۲۴، ۲۶ یا ۲۷ تھی جبکہ سرایا کی تعداد ۲۴، ۳۷، ۳۸ یا ۳۹ تھی۔ یہ دلچسپی اور اہمیت کی بات ہے کہ وہ ابن اسحاق کی مذکور کردہ فہرست سرایا کو ایک کم بتاتے ہیں۔ یعنی وہ تعداد تو اڑتیس کی دیتے ہیں مگر گنتے انتالیس ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے یہاں ایک عجیب و غریب روایت ملتی ہے جس کے مطابق کل غزوات و سرایا کی تعداد صرف ۴۳ تھی (جلد پنجم، ص ۲۲-۲۱۵)۔ اگرچہ محمد بن حبیب بغدادی نے غزوات و سرایا کی کل تعداد نہیں دی ہے مگر ان کے یہاں بالترتیب بتیس[۳۲] اور باون[۵۲] کی تعداد ملتی ہے اور اسطور سے کل تعداد چوراسی[۸۴] بنتی ہے۔ عموماً جدید مورخین اور قدماء بھی بغدادی کے ان بیانات کو نظر انداز کر دیتے ہیں یہ کہہ کر کہ وہ زیادہ مسلم اور ثابتہ حقائق و روایات سے متصادم ہیں تاہم ان کی اپنی جگہ اہمیت ہے جس سے اختلاف تو ممکن ہے مگر ان کو نظر انداز کرنا علمی رویہ نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ بغدادی کا بیان غزوات و سرایا ایک تیسرے مکتب فکر تاریخ کی نمائندگی کرتا ہے کیونکہ وہ ابن اسحاق اور واقدی کے دو مسلمہ مکاتب فکر سے قطعی آزاد ہے اور اپنے بیان کے اختصار کے باوجود بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ وہ ایسی کئی مہمیں بیان کرتا ہے جن کا ہماری مقبول عام روایات میں حوالہ تک نہیں ہے۔ ابھی تک غزوات و سرایا کی تعداد اور ان کی نوعیت و کردار پر کوئی بڑا علمی مطالعہ سامنے نہیں آیا ہے۔ تاہم اپنے خاص انداز میں لیون کیتانی ANNALI DELL ISLAM ملان ۱۹۰۵ء اور اسی کی بنیاد پر مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ضمیمہ ب، ص ۳۳۹-۴۳ لائق مطالعہ ہے۔ اس کے ساتھ مطالعہ کیجئے جے ایم بی جونس "THE CHRONOLOGY OF THE MAGHAZI - A TEXTUAL SURVEY"، بلیٹن آف دی اورینٹل اینڈ افریکی اسٹڈیز (BSOAS) جلد ۱۹، ص ۱۹۵۷؛ اور ڈاکٹر رؤفہ اقبال، عہد نبوی کے غزوات و سرایا، ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ ۱۹۸۴ء۔

(۱۷) مثال کے طور پر لیون کیتانی، مونٹگمری واٹ، اور جے ایم بی جونس کے مذکورہ بالا مطالعات غزوات ملاحظہ کیجئے۔ نیز ملاحظہ ہو محمد یسین مظہر صدیقی، عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، کا ضمیمہ اول-۱ اور بحث بر فوجی تنظیم۔ نقوش لاہور، رسول نمبر، جلد پنجم اور جلد دوازدہم۔

(۱۸) غزوات و سرایا کی اصطلاحی و معنوی حقیقت سمجھنے کے لیے یہاں دو تین مثالیں کافی ہوں گی کیونکہ مفصل بحث کا یہ موقع نہیں ہے۔ ہمارے مغازی نگار بئر معونہ، رجیع، ذات اطلاح اور فتح مکہ کے ذیل میں مختلف صنم کدوں کو منہدم کرنے کی غرض سے بھیجی گئی خالص مذہبی کوششوں اور مہموں کو بھی "سرایا" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اسفار برائے عمرۂ بیت اللہ یعنی صلح حدیبیہ اور عمرۃ القضیہ اور حج اسلام/حجۃ الوداع کو غزوات نبوی میں شمار کرتے ہیں۔ غزوہ اور سریہ یعنی سفر شہر سے کسی خاص مقصد سے

روانگی کے تھے جس کو بعد کے مورخین نے فوجی مہم بنا دیا۔ بظاہر اس تضاد نے بعض جدید مورخین کو اس کی طرف اشارہ کرنے پر مجبور کیا ہے جیسے مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۲ کے یہاں نظر آتا ہے تاہم ابھی تک کسی نے بشمول واٹ غزوات و سرایا کا صحیح معنوں میں مقصدی مطالعہ نہیں کیا ہے۔

(۱۹) ملاحظہ ہو ڈی، ایس، مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۸ - ۲۲۵؛ ای رالیسٹن پایک (E.ROYSTON PIKE) محمد، لندن ۱۹۶۸ء، ص ۴۰۔ اور متعدد مستشرقین مذکورہ بالا۔

(۲۰) مفصل بحث اور دلائل کے لیے دیکھیے میرا مضمون "عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں، محرکات، مسائل اور مقاصد" مذکورہ بالا۔

(۲۱) ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۳ - ۲ اور دوسرے تمام مذکورہ بالا جدید مورخین اور قدیم سیرت نگار۔

(۲۲) ابن اسحاق، سیرت رسول اللہ، انگریزی ترجمہ الفریڈ گلیوم (ALFERD GIULLUME) لندن ۱۹۵۵ء، ص ۲۸۸؛ ابن ہشام، مذکورہ بالا، دوم، ص ۲۴۰؛ واقدی، مذکورہ بالا، ص ۱۶ - ۱۵؛ ابن سعد، مذکورہ بالا، دوم ص ۱۱؛ لیعقوبی، مذکورہ بالا، دوم ص ۷۰؛ طبری، مذکورہ بالا، دوم، ص ۴۱۱؛ ابن خلدون، مذکورہ بالا، دوم، ص ۷۴۷؛ ابن اثیر، مذکورہ بالا، دوم ص ۱۱۴، ابن کثیر، مذکورہ بالا، سوم، ص ۲۴۹۔

یہاں یہ حقیقت بہت اہمیت کی حامل ہے کہ مذکورہ بالا مورخین و مؤلفین سیرت مکی کاروان کے مال تجارت کے بارے میں جو بیانات دیتے ہیں ان میں ابہام کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ ابن اسحاق، ابن ہشام، لیعقوبی اور طبری کے مطابق اس میں صرف کھجور (زبیب) کھالیں (ادم) اور کچھ مال تجارت (تجارۃ) تھا جبکہ واقدی اور ابن سعد کے یہاں شراب (خمر)، کھالوں (ادم) اور کھجور (زبیب) کا ذکر ہے۔ یعنی ان کے یہاں کچھ مال تجارت والا ابہام نہیں ہے کہ وہ کیا تھا اور کتنا تھا۔ ابن خلدون نے صرف تجارہ کا ذکر کیا ہے جبکہ ابن اثیر نے زبیب وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ بلاذری اور ابن کثیر نے کاروان (عیر) کا تو حوالہ دیا ہے مگر اشیائے تجارت کا کوئی اشارہ نہیں دیا ہے۔ غالباً واقدی اور ان کے شاگرد رشید کا بیان سب سے زیادہ مستند اور قابل اعتماد ہے۔ اس کے مطابق قریشی کاروان صرف تین اشیائے تجارت سوکھی کھجوریں، چمڑے کی کھالیں اور شراب لے جا رہا تھا۔ مقامی تجارت خاص کر مکہ اور طائف کے درمیان کی تجارت کی یہی عام اشیائے تجارت تھیں۔ دوسرے ابتدائی یا متاخر مؤلفین سیرت اور مورخین کے یہاں "تجارۃ" (کچھ مال تجارت) سے مراد شراب ہی ہے مگر انھوں نے اس کو نکرۂ عام رکھ کر غلط فہمی کا دروازہ کھول دیا اور اسی سبب سے بعد کے مورخین خصوصاً جدید علمائے تاریخ خوب گمراہ ہوئے۔ شراب ناب کا نام لینے سے یہ احتراز تقویٰ و تقدس کے اظہار کی بنا پر معلوم ہوتا ہے۔

بہرحال واقدی اور ان کے شاگرد کے بیان سے نہ صرف اشیائے تجارت کے صریح ناموں کا علم ہوتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قریشی کارواں طائف سے مکہ آ رہا تھا۔ اس تصریح سے دو باتیں صاف طور پر معلوم ہوتی ہیں کہ یہ مقامی تجارت کا کارواں تھا جو معمول کی اشیائے تجارت مکہ والوں کے لیے لا رہا تھا۔ یہ دلچسپی کی بات ہے کہ طائف کی اشیائے تجارت و برآمد میں شراب اور کھالیں اہم مقام رکھتی تھیں کہ وہ ان کی خاصی بڑی پیداواری منڈی تھی۔ اور دوسری بات یہ کہ چونکہ یہ مقامی تجارت کا کارواں تھا اس لیے وہ کثیر مال نہیں لا رہا تھا علاوہ اس حقیقت کے کہ اس کارواں کے محافظوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس بحث کے لیے میرا مضمون عہدِ نبوی کی ابتدائی مہموں پر ملاحظہ کیجئے۔

نیز ملاحظہ کیجئے ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۰۹، جن کا بیان اگرچہ مالِ تجارت کے بارے میں یہ ہے کہ کارواں شراب، سوکھی کھجوروں اور کھالوں سے لدا تھا تاہم یہ عجیب مبہم بات ہے کہ وہ اس کی آمد کا راستہ جنوب سے بتاتے ہیں۔ اس سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ وہ یمن سے غالباً آ رہا تھا اور بین الاقوامی تجارت کا کارواں تھا۔ بہرکیف جان بگٹ گلب، مذکورہ بالا، ص ۱۷۷، نے بڑی دیانت کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ "وہ ایک چھوٹا سا کارواں تھا..... اور طائف کی پیداوار سوکھی کھجوروں، کھالوں اور شراب سے لدا تھا اور یہ چھوٹا سا کارواں صرف چار محافظوں کی حفاظت میں سفر کر رہا تھا۔"

(۲۳) جیسا کہ اُوپر کے حوالے سے ظاہر ہوتا ہے کہ نخلہ کا یہ مشہور و معروف کارواں بہت معمولی نوعیت کا تھا۔ اس امر کے قوی اسباب بھی نظر آتے ہیں کہ مالِ غنیمت جو اس چھوٹے سے کارواں سے ہاتھ لگا تھا بہت معمولی تھا۔ اوّل یہ کہ یہ کوئی قبائلی کارواں یا قریش قبیلہ کا اجتماعی کارواں نہیں تھا جیسا عام طور سے سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے در اصل یہ قریش کے ایک بطن بنو مخزوم کے صرف ایک چھوٹے سے خاندان کا کارواں کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ بنو مخزوم کے دو افراد عثمان بن عبداللہ اور اس کے بھائی نوفل کا کارواں تھا جس میں ان کے دو حلیف عمرو بن حضرمی اور حکم بن کیسان بھی شامل تھے۔ دوسرا اہم سبب یہ تھا کہ اس کارواں میں صرف چار شخص شامل تھے یعنی یہی اس کے مالک بھی تھے اور محافظ بھی اور ایسا نہیں تھا کہ ایک بڑے کارواں کی محافظت کے لیے صرف چار آدمی کافی سمجھے گئے تھے جیسا کہ مذکورہ بالا بعض مستشرقین کے یہاں تاثر ملتا ہے۔ تیسرا اہم سبب یہ تھا کہ یہ کارواں طائف سے مکہ آ رہا تھا اور وہ محض مقامی تجارت کا کارواں تھا۔ بین الاقوامی تجارت سے اس کا تعلق نہ تھا جیسا کہ ولیم میور نے "جنوب" سے اس کی سمت سفر قرار دے کر یمنی تجارت کا کارواں بنانے کی کوشش کی ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ جو اشیائے تجارت وُہ لا رہا تھا وہ زیادہ تعداد میں بھی نہیں تھیں اور زیادہ قیمتی اشیا بھی نہیں تھیں۔ محض تین اشیائے تجارت تھیں اور وُہ بھی گھریلو استعمال کی۔ ان میں سے صرف کھالیں تجارتی مقاصد کے لیے

ہوسکتی تھیں۔ لیکن ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں رہی تھی۔ پانچواں اور آخری سبب یہ ہے کہ ہمارے مستند مورخین و مؤلفین سیرت کارواں اور اس کے تجارتی سامان یا دُوسرے الفاظ میں مسلمانوں کے اس سریہ میں حاصل کردہ مالِ غنیمت کا تذکرہ بڑا سرسری کرتے ہیں ورنہ دوسرے سرایا اور غزوات میں حاصل شدہ اموالِ غنیمت کے بارے میں وُہ زیادہ سے زیادہ معلومات اور اعداد و شمار فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اموالِ غنیمت کا مجموعی طور سے جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مورخین و مولفین سیرت عام طور سے بڑے اموالِ غنیمت کا تذکرہ پوری احتیاط و تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں مگر معمولی غنیمت کے بارے میں اکثر یہ کہہ کر سرسری گزر جاتے ہیں کہ کچھ مالِ غنیمت بھی ملا۔ پھر یہ بھی مورخین کے یہاں تذکرہ یا رجحان نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کی "اولیات" کا تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ اس غزوہ کے ضمن میں یہ تو ملتا ہے کہ یہ پہلا مال تھا جو مسلمانوں کو ملا، یہ پہلا خون تھا جو مسلمانوں نے راہِ حق میں بہایا وغیرہ۔ لیکن وہ غنیمت کی مقدار کا کوئی حوالہ نہیں دیتے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اولیت کے اعتبار سے یہ غنیمت قابلِ ذکر ضرور رہی تاہم کمیت کے اعتبار سے ناقابلِ تذکرہ۔

(۲۴) شرکائے مہم نخلہ کی تعداد میں ہمارے مآخذ کا کچھ اختلاف ہے۔ ابنِ ہشام، دوم، ص ۹-۲۳۸ کا بیان ہے کہ امیرِ سریہ کے علاوہ آٹھ فوجی شریک تھے۔ واقدی کے یہاں ایک روایت (ص ۱۷) ہے کہ امیر سریہ کے علاوہ بارہ مجاہد شامل تھے۔ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۰ اپنے استاد کا تتبع کرتے ہیں۔ جبکہ لیعقوبی، دوم، ص ۶۹؛ طبری، دوم، ص ۱۴۰؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۷-۲۶، اور ابنِ کثیر، سوم، ص ۲۴۹ نے ابنِ اسحاق و ابنِ ہشام کی روایت اختیار کی ہے۔ البتہ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۱۳ نے دونوں روایتوں کو بیان کر دیا ہے۔ ان روایتوں کے ضمن میں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ شرکاءِ مہم میں سے دو حضرات باتفاقِ روایات پیچھے رہ گئے تھے اور کسی وجہ سے نخلہ کے معرکہ میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ اس لیے اصل معرکہ آراؤں کی تعداد صرف چھ رہ جاتی ہے۔

(۲۵) ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۳۰۲؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۲۷۔

(۲۶) ابنِ ہشام، دوم، ص ۸-۳۰۴، ۷۶ - ۳۵۵ خاص کر صفحہ ۳۶۲ ان کی تعداد کے لیے۔ واقدی، ص ۱۶-۱۱۵، ۵۲-۱۴۷ نیز ۴۴-۱۳۸؛ ابنِ سعد، دوم ۱۸؛ لیعقوبی، دوم، ص ۵۴؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۶-۲۹۶ خاص کر صفحہ ۳۰۵؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۴-۵۲ ۷؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۲۹ وغیرہ اور ابنِ کثیر، سوم، ص ۳۰۰۔

(۲۷) مثلاً ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ قیدیوں میں سے ان کو صرف تینتالیس کے نام معلوم ہو سکے جبکہ گنائے انھوں نے صرف بیالیس، اور ان میں حضرت عباس بن عبد المطلب ہاشمی کا نامِ نامی اسمِ گرامی شامل نہیں ہے ورنہ تعداد اسیرانِ بدر اور ان کے مذکورہ ناموں کی تعداد میں مطابقت پیدا ہو جاتی۔ ابنِ ہشام نے ابنِ اسحاق کی فہرست میں مزید تیئیس ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ اس طرح کل تعداد چھیاسٹھ بن جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو ابنِ ہشام ، دوم ،

ص ۸۰۔۱ ؛ واقدی، ص ۱۴۴ پر مذکورہ اسیرانِ بدر کی تعداد صرف ۴۹ بتاتے ہیں۔

(۲۸) مثلاً ملاحظہ ہو منٹگمری واٹ، محمد مدینہ میں، مذکورہ بالا، ص ۱۲، جن کا خیال ہے کہ ۴۵ سے ۷۰ تک قریشی مارے گئے اور اتنی ہی تعداد گرفتار ہوئی۔ نیز دیکھیے محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، نقوش لاہور، رسولؐ نمبر، جلد دوم، ص ۵۷۹۔

(۲۹) واقدی، ص ۱۴۵-۱۰۷؛ ابن سعد، دوم ص ۱۷-۱۸؛ یعقوبی، دوم، ص ۴۵-۴۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۲۹۵-۲۹۶؛ طبری، دوم، ص ۴۷۷؛ ابن خلدون، دوم ص ۷۵۴-۷۵۵؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۳۶؛ ابنِ کثیر، سوم ص ۳۱۴۔

(۳۰) واقدی، ص ۸۲، ۹۹، ۱۰۲-۱۰۳ وغیرہ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۸ وغیرہ؛ نیز ملاحظہ ہو ابنِ اثیر، دوم ص ۱۱۸، جن کا خیال ہے کہ مالِ غنیمت میں مقبوضہ گھوڑوں کی تعداد تیس[۳۰] تھی جبکہ ستر[۷۰] کی شہسوار مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ نکلے تھے۔ مزید ملاحظہ ہو ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۲۸، جن کا بیان ہے کہ "بدر سے گھر واپسی کے راستے میں جنگ کے دوسرے دن مالِ غنیمت تقسیم کر دیا گیا۔ ہر شخص کو وہ مالِ غنیمت اپنے قبضہ میں رکھنے کی اجازت دے دی گئی جس کو اس نے اپنے دشمن کو قتل کر کے حاصل کیا تھا..... مالِ غنیمت ایک سو پندرہ اونٹوں، چودہ گھوڑوں اور قالینوں، عمدہ چمڑے کی بنی ہوئی اشیا کے بے شمار (ENDLESS) ذخیرہ کے علاوہ بہت سامانِ حرب اور اسلحہ پر مشتمل تھا۔" مورخ موصوف کے ان اعداد و شمار کی تصدیق ماٰخذ سے تو نہیں ہوتی حالانکہ مورخ کا دعوٰی ہے کہ ان کی کتاب اصل ماٰخذ سیرت و تاریخ پر مبنی ہے۔

(۳۱) مثلاً غزوۂ بدر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس حق کو بنفسِ نفیس استعمال فرمایا تھا۔ اسی طرح غزوات بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ، خیبر وغیرہ کے ضمن میں بھی اس کا واضح ذکر آتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں اگلے بیانات میں آئیں گی۔ نیز ملاحظہ فرمائیے منٹگمری واٹ، محمدؐ مدینہ میں، ص ۲۵۵ اور حاشیہ ۳۵۔ نیز ص ۳۵۵ جس میں معبد جہنی اور اسی قبیلہ کے ایک خاندان کے نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ گرامی سے اس کا واضح ذکر ملتا ہے، نیز صفحہ ۳۵۹۔

(۳۲) اس کی دلچسپ مثال پہلے ہی مالِ غنیمت کے ضمن میں ملتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش نے سریہ نخلہ کے مال کو خود اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ نکال دیا تھا۔ ملاحظہ ہو حوالہ جات سریہ نخلہ۔ اس کے علاوہ حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی کے سریۂ قطن میں بھی یہی صورت پیش آئی تھی ملاحظہ ہو آئندہ حوالہ ۸۵۔

(۳۳) واقدی، ص ۱۰۰-۱۰۳؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۸-۱۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول ص ۲۹۴؛ طبری، دوم، ص ۴۷۸-۴۷۹؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۳۷۔ ان تمام مورخین میں صرف بلاذری کا خیال ہے کہ تلوار ذو الفقار عاص بن منبّہ بن حجاج کی تھی اور دوسری روایت کے طور پر مذکورہ بالا مورخین کی روایت کو

بیان کرتا ہے کہ وہ یا تو اس کے باپ یا چچا نبیہ کی تھی۔ نیز ملاحظہ ہو ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۲۹ جو یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ذوالفقار کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حصۂ مالِ غنیمت سے زیادہ وصول کیا تھا مگر پھر ساتھ ہی اعتراف کرتے ہیں کہ آپ اپنی صفی میں چنیدہ شے کو ہمیشہ اپنے ممتاز اصحاب میں سے کسی کو عطا کر دیتے تھے تاکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو یا دوسروں کو اس کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ملے۔

(۴۴) ملاحظہ ہو ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۳۷۔

(۴۵) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۳۲۱؛ ابن ہشام، دوم، ص ۲۸۰ - ۲۸۱؛ واقدی، ص ۹۹ - ۹۸؛ طبری، دوم، ص ۸ - ۴۵۷؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۳۰؛ ابن کثیر، سوم ص ۳ - ۳۰۱۔

(۴۶) ملاحظہ ہو ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۲۹؛ جان بگٹ گلب، مذکورہ بالا، ص ۸۸ - ۱۸۷؛ مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۱۲ اور ۶ - ۲۵۵۔

(۴۷) ملاحظہ ہو حوالہ جات مذکورہ بالا نمبر ۴۵ اور ۴۶۔

(۴۸) واقدی، ص ۱۰۳ میں ایک روایت ہے کہ ابوجہل مخزومی کے اونٹ کے بدلے میں مکیوں نے ایک سو اونٹوں کی پیشکش کی تھی لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشکش ٹھکرا دی۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کو صلح حدیبیہ کی مہم کے دوران بطور ہدی قربان کر دیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، مذکورہ بالا، دوم، ص ۱۹، جن کا خیال ہے کہ ابوجہل کا اونٹ مہری تھا یعنی جنوب کے ایک اہم علاقے مہرہ کا تھا۔ غالباً وہاں کے اونٹ عمدہ نسل کے اور دام کے لحاظ سے قیمتی ہوتے تھے۔

(۴۹) واقدی، ص ۱۰۰ - ۹۹

(۵۰) ایضاً

(۵۱) واقدی، ص ۷ - ۱۳۱

(۵۲) واقدی، ص ۱۰۰ - ۹۹۔ نیز ملاحظہ ہو ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۹ - ۲۲۸؛ جے بی گلب، مذکورہ بالا، ص ۱۸۸؛ مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۱۲ نیز ۶ - ۲۵۵ مزید ملاحظہ فرمائیے ابن ہشام، دوم، ص ۲۸۶۔

(۵۳) واقدی، ص ۱۰۱ - ۱۰۰ واحد مؤلف سیرت ہے جو مالِ غنیمت کے حصص کی تفصیلات فراہم کرتا ہے۔ بقیہ دوسرے مورخین و مولفین سیرت صرف ان کے مساوی طور سے تقسیم کیے جانے کا ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ولیم میور، ص ۲۲۹ جنھوں نے غنیمت کے حصوں کے بارے میں مآخذ کے بیان کو غلط سمجھا ہے۔ ان کے مطابق ہر مجاہدِ بدر کو اس کے سازوسامان سمیت ایک اونٹ اور بلا سازوسامان کے دو اونٹ یا ایک چمڑے کا گدا یا اسی طرح کا کچھ اور سامان ملا تھا۔" مآخذ کی روایت میں ایک اور دو اونٹوں کے اس فرق کا سبب مذکور نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس بیان کے مطابق غانمین کے بہ اعتبار حصص و اقسام حصص چار طبقات بن جاتے ہیں۔ اور یہ دونوں صحیح تعبیرات

نہیں ہیں۔

(۴۴) ان آٹھ بدری صحابہ کرام کے ناموں کے لیے جو شریک مہم نہ ہوسکے ملاحظہ فرمائیے ابن ہشام، دوم، ص ۳۲۵ وغیرہ؛ واقدی، ص ۱۰۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲؛ طبری، دوم، ص ۴۷۸؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۳۷؛ ابن کثیر، سوم، ص ۳۲۷۔ واقدی اور ابن کثیر کے یہاں بالترتیب چار اور ایک غیر شریک مہم کی فہرست مزید ملتی ہے لیکن ان کو مورخین نے عام طور سے سندِ قبولیت نہیں عطا کی ہے۔

(۴۵) واقدی، ص ۹۸۔

(۴۶) واقدی، ص ۴۰۱-۴۰۰ کا بیان ہے کہ ۵ھ/ ۶۲۶ء میں ذات الرقاع کی مہم سے واپسی کے سفر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی حضرت جابر بن عبداللہ سے ایک اونٹ (جمل) چالیس درہم یا ایک اوقیہ چاندی میں خرید فرمایا تھا۔ اس سودے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ان کے اونٹ کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر صحابی موصوف نے اس کو بطور ہدیہ پیش کرنا چاہا۔ بڑی عرض و معروض کے بعد آخر صحابی موصوف اس کو بیچنے پر راضی ہو گئے کہ اونٹ بہت زیادہ اچھی حالت میں نہ تھا اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ اس کی کیا قیمت عطا کریں گے؟ آپ نے ایک درہم قیمت لگائی اور حضرت جابر نے اس قیمت پر بیچنے سے انکار کر دیا۔ آپ اس کی قیمت میں ایک سے دو اور اس سے زیادہ اضافہ کرتے گئے مگر حضرت جابر راضی نہ ہوئے۔ بالآخر جب بھاؤ چالیس درہم تک پہنچا تو وہ راضی ہو گئے اور اسی قیمت پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خرید فرما لیا۔ اس میں اور حکمتوں کے علاوہ یہ حقیقت بھی پوشیدہ ہے کہ اونٹ اپنی تمام خامیوں کے باوجود اچھی قیمت کا تھا اس لیے اس کے مالک نے کم قیمت پر فروخت کرنے سے انکار کیا تھا جب تک کہ اس کی مناسب قیمت نہ ملی۔ اس میں یہ نکتہ بھی پوشیدہ ہے کہ صحابی موصوف نے محض رسول حبیب کی خوشنودیٔ خاطر کے لیے قیمت میں ذرا کمی نہ کی تھی کہ معاملہ وہاں عدل و انصاف کی میزان میں تھا۔ ورنہ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ باربرداری اور سواری کا ایک اونٹ (بردہ) مل جاتا تھا جیسا کہ غزوۂ خیبر کے ایک شریک مہم صحابی حضرت ابوعبس بن جبر کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ صحابی موصوف نے یہ جانور مہم سے ذرا قبل خریدا تھا اور اسی پر سوار ہو کر خیبر میں شریک ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۶۳۵-۶۳۴۔ ویسے عمدہ قسم کے اونٹ کی قیمتیں تین چار سو درہموں تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ملتی ہیں جیسے کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ قصواء اور قریشی سردار امیہ بن خلف جمحی کے جانوروں کے بارے میں پاتے ہیں۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ دونوں جانور مکہ میں ہجرت سے قبل خریدے گئے تھے اور اس سے زیادہ دلچسپ امر یہ ہے کہ امیہ بن خلف کا اُونٹ جو پوری وادی میں سب سے اچھا گردانا جاتا تھا بدر کے مالِ غنیمت میں شامل تھا۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۴۳ اور انساب الاشراف، اول، ص ۱۲-۵۱۱ بالترتیب۔ اس سلسلہ میں ابوجہل مخزومی کے مذکورہ اونٹ کی قیمت کو بھی دھیان میں رکھنا

ضروری ہے جس کا ذکر اوپر آچکا کہ قریشِ مکہ اس کے عوض سَو اونٹ دینے کو تیار تھے یعنی تیس چالیس درہم کی قیمت کے سَو اونٹ ۔

(۴۷) واقدی، ص ۱۲۸-۱۴۴ ؛ ابنِ سعد، دوم ص ۲۶ ؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۱-۳۰۲ ؛ طبری، دوم، ص ۴۶۳-۴۶۹ وغیرہ ؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۳۲-۱۳۶ ؛ ابنِ کثیر، سوم، ص ۳۱۰-۳۱۴ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابنِ ہشام، دوم ص ۲۹۲-۳۰۴ ؛ مزید ملاحظہ ہو ڈی ، ایس، مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۲۶۷ جن کا خیال ہے کہ اسیرانِ جنگ سے فدیہ لینے کا فیصلہ اقتصادی اسباب سے کیا گیا تھا جبکہ مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۱۳ کا خیال ہے کہ اس کا مقصد "مکیوں کا دل جیت لینا تھا ۔"

(۴۸) لیعقوبی، دوم، ص ۴۶ ۔

(۴۹) ابن سعد، دوم، ص ۲۲ نے اس معنی کی دو روایتیں بیان کی ہیں ۔ دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت خزرجی نے اسی طرح لکھنا پڑھنا کسی اسیرِ بدر سے سیکھا تھا ۔ نیز ملاحظہ ہو احمد بن حنبل، مسند، مرتبہ احمد محمد شاکر، دار المعارف، قاہرہ ۱۹۴۹ء، چہارم ص ۴۷ (حدیث نمبر ۲۲۱۶) ۔ نیز ملاحظہ فرمائیے ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۳۴ ؛ ڈی ایس مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۲۷۰-۲۷۱ ؛ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، اعظم گڑھ ۱۹۷۶ء، اول ص ۳۳۲ ۔

(۵۰) ابن ہشام، دوم، ص ۳۰۴-۳۰۶ نے ایسے احسان مندانِ قریش میں سے چار کا ذکر کیا ہے ۔ یعنی ابو العاص بن ربیع ـــــ عبد شمس، مطلب بن حنطب مخزومی، صیفی بن عائذ مخزومی، اور ابو عزہ عمرو بن عبد اللہ جمحی ۔ لیکن واقدی، ص ۱۴۱-۱۲۸ نے ابن اسحاق اور ابنِ ہشام کی متفقہ فہرست میں پانچ مزید ناموں کا اضافہ کیا ہے ۔ اس طرح سے کل نو قیدیوں کو محض احسان مندی کے جذبہ سے رہا کیا گیا تھا ۔ ممکن ہے کہ ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ رہی ہو کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے کنار رحمت وعفو کا دائرہ بہت وسیع تھا ۔

(۵۱) مآخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ دو مکی سردارانِ قریش عقبہ بن ابی معیط اموی اور النضر بن الحارث عبدری کو جن پر مظالم ڈھانے، جنگ برانگیختہ کرنے اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی کرنے کے الزامات عائد کیے گئے تھے بحالت قید قتل کر دیا گیا تھا ۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۳۰۸ ؛ ابن ہشام، دوم، ص ۲۸۶ وغیرہ ؛ واقدی، ص ۹-۱۴۸ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۸ ؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۲۹۷-۲۹۸ ؛ یعقوبی، دوم، ص ۴۶ ؛ طبری، دوم، ص ۴۵۹ ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۳۰-۱۳۱ ؛ ابن کثیر، سوم، ص ۳۰۵-۳۰۶ ۔ ان میں سے بلاذری نے طعیمہ بن عدی نوفلی کو بھی مقتول اسیروں کی فہرست میں شمار کیا ہے جبکہ دوسرے مآخذ اس کو بدر کے میدانِ جنگ میں کھیت رہنے والوں میں شمار کرتے ہیں ۔

(۵۲) واقدی، ص ۱۲۸-۱۴۴ ؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۱-۳۰۲ ۔ اوقیہ اور دراہم

کی شرح تبادلہ کے لیے ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۱۴۱، ۴۰۰ وغیرہ۔

(۵۳) اس ضمن میں واقدی ص ۱۴۰ نے ایک بڑا دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ روایت کے مطابق مشہور صحابی رسول حضرت مصعب بن عمیر عبدری کے ایک کافر بھائی ابوعزیز بن عمیر عبدری بھی اسیران بدر میں تھے۔ ان کی ماں قریش مکہ کے مالدار ترین باشندوں میں شمار ہوتی تھی چنانچہ اس نے پہلے یہ معلوم کیا کہ زرِ فدیہ کی گراں ترین شرح کیا تھی کیونکہ اس کے خیال میں شرفاءِ قریش کے لیے یہ عار کی بات تھی کہ کم شرح فدیہ ادا کر کے رہائی پائی جائے۔ چنانچہ یہ معلوم ہونے پر کہ گراں ترین شرح چار ہزار درہم یا سو اوقیہ چاندی ہے اس نے اپنے اسیر بیٹے کا زرِ فدیہ ادا کر کے رہا کرایا تھا۔

(۵۴) واقدی، ص ۱۴۱ اور انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۳ کے مطابق ابو المنذر بن ابی رفاعہ اور اس کے بھائی عبداللہ نے بالترتیب یہ رقمیں ادا کی تھیں۔

(۵۵) واقدی، ص ۱۴۴-۱۳۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۱-۳۰۳؛ نیز ملاحظہ ہو ابن کثیر، سوم، ص ۳۱۲-۳۱۰۔

(۵۶) ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، قاہرہ ۱۹۳۹ء، سوم ص ۵۷۴ (نمبر ۸۸۲۸)؛ نیز ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدان جنگ (انگریزی)، حیدر آباد دکن ۱۹۴۳ء، ص ۲۱۔ ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوفل بن حارث ہاشمی کا تجارتی کاروبار جدہ میں تھا کہ وہیں انہوں نے کافی بڑی تعداد میں نیزے (رماح) جمع کر رکھے تھے۔

(۵۷) حوالہ مذکورہ بالا۔

(۵۸) واقدی، ص ۹۹۔

(۵۹) ایضاً۔ مگر مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۲۷۰-۲۷۱، کا خیال ہے کہ "حصہ غنیمت جو ہر ایک سپاہی کو ملا تھا وہ مقابلۃً ایک دولت کے مانند تھا۔"

(۶۰) واقدی، ص ۱۷۸-۱۷۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۲۹-۳۰؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۹؛ طبری، دوم، ص ۴۸۱؛ ابن خلدون، دوم ص ۷۵۹۔ بلاذری کے یہاں یہ اضافہ ملتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کے قلعہ میں پائے گئے ہتھیاروں میں سے دو زرہ بکتر حضرات سعد بن معاذ اور محمد بن مسلمہ کو عطا فرمائے تھے۔

(۶۱) مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۲۰۹۔

(۶۲) حوالہ جات مذکورہ بالا نمبر ۶۰ اور ۶۱۔

(۶۳) واقدی، ابن سعد، بلاذری، طبری اور ابن خلدون کے یہاں بنو قینقاع سے حاصل شدہ اموالِ غنیمت

خاص کران کی جائداد مشتمل بر دکان کے مسلم غازیوں میں تقسیم ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ جبکہ ابنِ اسحاق، ابنِ ہشام، ابنِ اثیر، ابن کثیر وغیرہ مورخین اور دوسرے فقہا کے یہاں ان کی تقسیم کا ذکر نہیں ملتا۔ اس موضوع پر مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو برکات احمد، محمد اور یہود (انگریزی) MUHAMMAD AND THE JEWS نئی دہلی ۱۹۷۹ء، ص ۶۶ - ۶۲۔

(۶۴) واقدی، ص ۹ - ۱۷۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۲۹؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۰۹۔

(۶۵) ابن ہشام، دوم، ص ۴۲۸؛ واقدی، ص ۱۷۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۹؛ طبری، دوم ص ۴۸۰؛ ابن خلدون، دوم، ص ۷۵۹؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۳۸؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۴۔ نیز ملاحظہ کیجئے مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۲۱۰؛ ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۴۲؛ جان بگٹ گلب، مذکورہ بالا، ص ۱۹۷؛ برکات احمد، مذکورہ بالا، ص ۶۶ - ۶۲۔

(۶۶) حوالہ مذکورہ بالا کے جدید مورخین۔

(۶۷) حوالہ مذکورہ بالا کے مآخذ اصل۔

(۶۸) ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۸۶۔

(۶۹) مذکورہ بالا تمام مآخذ کا اس پر اصرار ہے کہ بنو قینقاع سے نقد و جنس میں کوئی مالِ غنیمت سوائے ان کے چند ہتھیاروں کے نہیں ملا تھا۔ مگر جے بی گلب، ص ۱۹۸ کا خیال ہے کہ انھوں نے (بنو قینقاع نے) اپنی جائداد میں سے بیشتر حصہ اپنے پیچھے چھوڑا لیکن بہرحال ان کو اپنے سفر پر جانے کے لیے ضروری تعداد میں جانور مل ہی گئے تھے۔" اس سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ ان کا اسباب و نقد بھی دھروا لیا گیا تھا۔ بہرکیف ولیم میور، ص ۲۴۲ کو اعتراف ہے کہ اموالِ غنیمت زیادہ تر ہتھیاروں اور سناری کے اوزاروں پر مشتمل تھے۔

(۷۰) واقدی، ص ۱۷۹۔ نیز ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۲۰۹ جن کا بیان ہے کہ مسلمانوں سے قرضہ وصول کرنے کے لیے تین دن کی مہلت دی گئی تھی سوائے واقدی اور واٹ کے دوسرا کوئی اہم مصنف خواہ وہ متقدمین میں ہو یا متاخرین میں اس اہم حقیقت کی طرف اشارہ نہیں کرتا ہے۔

(۷۱) واقدی، ص ۸۰ - ۱۷۸؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۰ - ۲۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۰۹؛ نیز فتوح البلدان، دار النشر للجامعین، بیروت ۱۹۵۷ء، ص ۲۷؛ طبری، سوم، ص ۱۴۸۱؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۳۸؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۷۵۹۔ مؤخر الذکر کے سوا ان جائدادوں کے لیے 'ضیاع' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں بقیہ مآخذ میں 'اموال' یا اس کے واحد 'مال' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

(۷۲) فے اراضی کی تقسیم وغیرہ پر بحث کے لیے ملاحظہ ہو قاضی ابو یوسف، کتاب الخراج، قاہرہ طبع ۱۸۸۴ء،

ص ۲۹ - ۳۰ وغیرہ ؛ یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۲۱۔

(۳۷) واقدی، ص ۱۸۱، انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۹۔

(۴۷) انساب الاشراف، اول، ص ۲۶۶۔

(۵۷) برکات احمد، محمد اور یہود (انگریزی)، ص ۶۶ - ۶۲۔

(۶۷) ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۳۶۱؛ ابن ہشام، دوم، ص ۴۲۳؛ واقدی، ص ۸۲ - ۱۸۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۰، بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۰؛ طبری، دوم، ص ۴ - ۴۸۳؛ ابن اثیر، دوم، ص ۴۰ - ۱۳۹؛ ابن خلدون، دوم، ص ۷۵۶؛ ابن کثیر، سوم، ص ۳۴۴۔ مآخذ عام طور سے ستو (سویق) کی مقدار یا اس کے تھیلوں کی تعداد کے بارے میں کچھ اشارہ نہیں دیتے۔ صرف ابن ہشام اور ابن کثیر اس کو بالترتیب "سویق کثیر" اور "ازواد کثیرہ" قرار دیتے ہیں۔ کچھ اندازہ اس کی مقدار کا اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ غارتگروں کی تعداد دو سو تھی۔ لیکن ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ صرف چالیس تھی۔ ایک روایت سے یہ اور معلوم ہوتا ہے کہ غارت گروں نے جب وادی عریض کو جس میں مسلمانان مدینہ کے کھیت تھے آگ لگائی تو مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور وہ فرار ہو گئے اور فرار ہوتے وقت وادی ہی میں انھوں نے اپنے تھیلے پھینک دئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان تھیلوں کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی۔

(۷۷) واقدی، ص ۱۸۳ کا بیان ہے کہ اونٹوں کے علاوہ مالِ غنیمت ایک قیدی / غلام پر بھی مشتمل تھا۔ لیکن یہ قیدی یسار نامی اپنی گرفتاری کے معاً بعد مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فوراً آزاد کر دیا۔ غالباً یہ قیدی آپ کے صفی یا حصۂ غنیمت میں پڑا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۳۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۰؛ طبری، دوم، ص ۴۸۳؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۳۹؛ ابن خلدون، دوم، ص ۷۵۵۔ موخر الذکر تین مآخذ اموالِ غنیمت کی مقدار کا کوئی ذکر نہیں کرتے سوائے اس کے کہ وہ مویشیوں (الغنم) پر مشتمل تھا۔ لیکن ان کی روایات میں ایک عجیب و غریب اضافہ یہ ملتا ہے باستثنائے ابنِ خلدون کہ مسلمانوں نے ان کے مویشیوں کے ساتھ ساتھ ان کے چرواہے (رعائهم) بھی پکڑ لیے تھے۔ اس سے گمان یہ ہوتا ہے کہ ان کی تعداد ایک سے زیادہ تھی یا کم از کم عربی کے قاعدہ کے مطابق تین تو ضرور تھی۔ مگر جیسا کہ واقدی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدی صرف ایک تھا جو کہ مسلمان ہو گیا۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن ہشام، دوم، ص ۲۲ - ۴۲۱ اور ابنِ کثیر، سوم، ص ۳۴۴ جو مالِ غنیمت کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔

(۸۷) واقدی، ص ۱۸۳۔

(۹۷) واقدی، ص ۸ - ۱۹۷ نے اس کارواں پر حملہ کے بیان میں مکی تجارتی پالیسی کے بارے میں ایک دلچسپ امر کا اظہار کیا ہے۔ مکیوں کو مدینہ سے اپنی سیاسی آویزش اور فوجی تصادم کے سبب شام سے

تجارت تقریباً بند کرنا پڑی تھی۔ واقدی نے بڑی خوبصورتی سے ان کے اضطراب اور پریشانی کا ذکر کیا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے قریب سے گزرنے والی بین الاقوامی شامی تجارت کا راستہ بند کر دیا تو قریش کے تاجروں کو اس کا غم کھانے لگا کہ وہ بیٹھے بیٹھے سارا نفع کھا چکے اور اب اصل مال کے ختم ہونے کی نوبت آ گئی۔ اگر یہی لیل و نہار رہے تو ایک دن وہ بھی آئے گا کہ وہ بھکمری کا شکار ہو جائیں گے چنانچہ اس بحث و مباحثہ کے بعد ان کے بعض جوشیلے تاجروں نے فیصلہ کیا کہ ایک کاروان مشرقی راستے سے بھیجا جائے تاکہ ختم ہوتی ہوئی ملکی تجارت کو بحال کیا جائے کہ جس پر ان کی معیشت اور زندگی کا انحصار تھا۔ حالانکہ اکثریت کے خیال میں ایسی کوئی کوشش بارآور نہیں ہو سکتی تھی تاہم ایک کاروان جو بنیادی طور سے صفوان بن امیہ جمحی کا ہی کاروان تھا فیصلہ کے مطابق بھیجا گیا اور اس کی رہبری کا فریضہ ایک ماہر دلیل (راہ نما) فرات بن حیان عجلی کے سپرد کیا گیا۔ لیکن اس ماہر راہ برکی رہبری اور عراقی راستہ پر سفر کی احتیاط کچھ کام نہ آئی۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن سعد، دوم، ص ۳۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۷۴۔ طبری، دوم، ص ۴۹۲ کا بیان ہے کہ کاروان کے سردار ابوسفیان بن حرب اموی تھے جبکہ ابن خلدون، دوم، ص ۷۶۰ نے دونوں ناموں کا ذکر کیا ہے۔ البتہ ابن کثیر، چہارم، ص ۴-۵ کا خیال ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک قائد تھا۔

جہاں تک کاروان کی مالیت کا تعلق ہے تو واقدی کے بیان کے مطابق ابوزمعہ نے تین سو مثقال مالیت کی سونے چاندی کی سلاخیں تجارت کے لیے بھیجی تھیں جبکہ کاروان کے قائد صفوان بن امیہ جمحی نے تیس ہزار درہم کی مالیت کے سونے چاندی کے برتن بھیجے تھے۔ اس کے لیے ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۳۶۴؛ ابن ہشام، دوم، ص ۴۲۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۶؛ طبری، دوم، ص ۴۹۲-۳؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۴-۵۔ طبری نے اپنی ایک روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ اس کاروان کا کل مالِ تجارت سونے چاندی پر مشتمل تھا اور اس سے اہم بیان یہ ہے کہ یہی قریش کا اصل مالِ تجارت تھا لیکن انھوں نے اس کاروان کے مالِ تجارت کی مقدار کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ ابن کثیر نے البتہ ابن اسحاق کی روایت کو قبول اور بیان کیا ہے۔

اس کے علاوہ قیدیوں کے بارے میں واقدی کا بیان یہ ہے کہ ان میں سے ایک یا دو کو گرفتار کیا گیا تھا لیکن انھوں نے تذکرہ صرف ایک کے نام کا کیا ہے۔ اور اہم بات یہ ہے کہ قیدِ مسلم میں آنے والا اور کوئی نہیں۔ کاروان کا ماہر رہبر تھا جس کے لیے مشیتِ ایزدی شرفِ اسلام مقدر کر چکی تھی کہ مدینہ پہنچنے پر وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ملاحظہ کیجئے ابنِ سعد، دوم، ص ۳۶؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۴؛ اور ابن خلدون، دوم، ص ۷۶۰۔

اس کاروان کی مالیت کے بارے میں مآخذ کا یہ حتمی بیان ہے۔ چنانچہ ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۱۹۸؛

ابنِ سعد، دوم، ص ۶۴ ؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۴۷۴ ؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۶۰، اور ابن کثیر، چہارم، ص ۵۔ موخرالذکر تمام مورخین نے واقدی ہی کی روایت قبول کی ہے۔ البتہ طبری، دوم، ص ۴۹۲ نے واقدی اور ابن اسحاق دونوں کی روایات جمع کر دی ہیں۔

(۸۰) واقدی، ص ۲۳۱ - ۲۴۰ وغیرہ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۴۱ ؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۱۸ ، طبری، دوم، ص ۵۰۸ - ۵۰۷ ، ۵۱۰ اور ۵۱۳ ؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۵۳ ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۲۵۔

(۸۱) حوالہ مذکورہ بالا۔

(۸۲) واقدی، ص ۲۳۱-۲۳۲۔

(۸۳) واقدی، ص ۲۳۲، ان دونوں مجاہدوں کے نام جو غزوہ اُحد کی حالتِ شکست میں بھی اپنی غنیمت سنبھالے رہے تھے حضرات عاصم بن ثابت بن الاقلح انصاری اور عباد بن بشر اوسی انصاری بتائے جاتے ہیں۔

(۸۴) واقدی، ص ۵۴۴، نیز ملاحظہ ہو ص ۵۴۳ اور ۵۴۴ جن میں مالِ غنیمت کے بارے میں اور دوسری روایات بھی بیان ہوئی ہیں۔ ایک روایت جو حضرت سعد بن ابی وقاص زہری مشہور صحابی رسولؐ اور شریکِ مہم کی سند پر بیان ہوئی ہے کہتی ہے کہ مسلم فوج مہم کے انجام دینے کے بعد جب واپسی کے سفر پر روانہ ہوئی تو راہ بھول گئی۔ چنانچہ انھوں نے ایک راہ بر (دلیل) کی خدمات حاصل کیں اور دلیل نے دشمن کی چراگاہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اس شرط پر کہ اس کو اس خدمت کے عوض خمس یعنی مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ دیا جائے گا چنانچہ مسلم فوج کے سالار نے اس کو قبول کر لیا اور حملہ کر کے مذکورہ مالِ غنیمت پایا۔ روایات سے مظہر ہے کہ چراگاہ متعلقہ پر پہنچ کر مسلمانوں نے بنو اسد کے چرواہوں اور گلہ پر حملہ کیا اور کافی مویشی اور تین چرواہے پکڑ لیے۔ اس کے بعد فوج کے تین حصے کیے گئے۔ ایک حصہ قطن کی چراگاہ و چشمہ پر مقیم رہا جبکہ دُوسرے دونوں حصے غنیمت حاصل کرنے کے لیے نکل گئے اور بالآخر مالِ غنیمت سے لدے پھندے اصل لشکر سے مل گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد کی روایت کا تعلق ان دونوں مالِ غنیمت حاصل کرنے والے دستوں میں سے کسی ایک سے رہا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص: ۵ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵ - ۴۷۴ اور ابن کثیر، چہارم، ص ۶۲ - ۶۱۔

(۸۵) حوالہ مذکورہ بالا ؛ نیز ابنِ کثیر، چہارم، ص ۶۲ جس کے مطابق اس موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفی میں تین قیدی چرواہوں / غلاموں میں سے ایک پڑا تھا۔ اگرچہ اس صفی کی قیمت کا اندازہ کرنا مشکل ہے تاہم کل مالِ غنیمت کی مالیت کے بارے میں مآخذ کے حتمی بیان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی قیمت زیادہ سے زیادہ دو تین سو درہم ہو گی کیونکہ عام غلاموں کی قیمت بہت کم ہوتی تھی۔

(۸۶) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۴۳۹ - ۴۳۷ ؛ ابنِ ہشام، سوم، ص ۱۹۲-۳ ؛ واقدی، ص ۳۴۰-۳۴۷ وغیرہ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۵۸ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۳۹ ؛ طبری، دوم، ص ۵۵-۵۵۴؛

ابن اثیر، دوم، ص ۴-۱۷۳ ؛ ابن خلدون، دوم، ص ۲-۱۷۷ ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۸۰-۷۵- ان تمام مورخین و مولفین سیرت کا متفقہ اور حتمی بیان ہے کہ بنو نضیر کے یہود نے اس شرط پر ہتھیار ڈالے تھے کہ ہتھیاروں (الحلقہ) اور جائدادوں (الاموال) کے سوا ان کو اور تمام چیزوں کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت ہو گی۔ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے گھروں کی چوکھٹیں اور دروازے (نُجُف الابواب) اور لکڑیاں (الخشب) تک اکھاڑلیں اور ان کو ساتھ لے گئے تھے۔ یہ بھی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جلاوطنی کے وقت یہودی عورتوں نے اپنے سارے زیور اور غالباً عمدہ کپڑے بھی بطور مظاہرہ پندار پہن رکھے تھے۔ لیکن یعقوبی، دوم، ص ۴۹ کا بیان ہے کہ بنو نضیر کے یہودیوں کو اپنے چاندی سونے کے تمام سامان بھی ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تھا اور ان کو صرف اس سامان ضرورت (خُرثی متاعھم) کو لے جانے کی اجازت دی گئی تھی جس کو اونٹوں پر بار کیا جا سکتا۔ لیکن یعقوبی کی یہ روایت مذکورہ بالا تمام روایات و مآخذ کے اتفاق کی روشنی میں ناقابلِ قبول ہے۔

(۸۷) حوالہ مذکورہ بالا۔

(۸۸) واقدی، ص ۳۷۴، کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسید بن الحضیر اوسی کو وقتی ضرورت سے ابورافع سلام بن الحقیق سے اسی دینار کا قرض لینا پڑا تھا جس پر ان کو پچاس فیصد سالانہ سود دینا تھا یعنی سال گزرنے پر کل ایک سو بیس دینار ادا کرنے پڑتے۔ بہر حال جلاوطنی کے وقت یہودی مہاجن نے کل اصل مال (راس المال) پر قناعت کرنا کافی سمجھا اور سود چھوڑ دیا؛ نیز ملاحظہ ہو ابن کثیر، چہارم، ص ۷۵، جن کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس روایت پر یا ان تمام روایات پر جو یہودی مہاجنوں کے مسلمانوں سے سودی قرضے وصول کرنے سے متعلق ہیں کچھ شبہ ہے کہ وہ روایات صحیح نہیں ہیں۔

(۸۹) حوالہ جات مذکورہ بالا۔ لیکن اس سلسلہ میں کچھ ایسی روایات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو نضیر کی کل جائداد مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں آئی تھی بلکہ ان سے کچھ بنو نضیر کے لوگوں ہی کے قبضہ میں رہی تھیں۔ چنانچہ اوپر کے بیشتر مآخذ کا اتفاق ہے کہ دو بنو نضیر کے یہودی مسلمان ہو گئے تھے اور ان کی جائدادیں انھیں کے قبضہ میں رہنے دی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ جلاوطن ہونے والے یہودیوں نے اپنی جائدادوں کو تہس نہس بھی کر ڈالا تھا۔ چنانچہ ابن سعد کے مطابق البویلہ نامی جائداد کو اس کے مالکوں نے خود سپردگی سے پہلے خاکستر کر دیا تھا۔ اسی طرح واقدی کا بیان ہے کہ عام طور سے یہودیوں نے ہتھیار ڈالنے سے قبل اپنے مکانات مسمار یا برباد کر دئے تھے یا ان کو شدید نقصانات پہنچائے تھے اور ظاہر ہے کہ اس کا واحد سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے، حالانکہ یہ معاہدہ کی صریح خلاف ورزی تھی تاہم مسلمانوں نے ان پر نہ کسی قسم کی سختی کی اور نہ ہی کسی قسم کا تاوان وصول کیا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ان یہودی اراضی / جائدادوں کی مالیت میں کافی کمی آئی تھی۔ نیز ملاحظہ ہو

برکات احمد، محمد اور یہود، ص ۶۵ ۔

(۹۰) واقدی، ص ۴۰۸-۳۷۹ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۸ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۳۹ ؛ یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۲۱ ۔

(۹۱) ملاحظہ ہو واقدی میں ان سرایا کا بیان ۔

(۹۲) واقدی، ص ۲۶، ۳۳۵ وغیرہ، ص ۱۳، ص ۳۷۹، ص ۵۴۷، ص ۱۰۰۷ وغیرہ بالترتیب برِّ ابی عنبہ، برِّ ابن ضمیرہ، برِّ جرم وحجر، برِّ ہم اور برِّ صالح کے لیے ملاحظہ کیجئے۔

(۹۳) ابن سعد، سوم، ص ۳-۱۳۲ - نیز حوالہ جات سابقہ ۔

(۹۴) حوالہ جات سابقہ ۔

(۹۵) ایضاً

(۹۶) ابن سعد، سوم، ص ۳-۱۳۲ ۔

(۹۷) ایضاً

(۹۸) واقدی، ص ۳۷۸ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۳۶ ؛ یحییٰ بن آدم، مذکورہ بالا، ص ۲۱ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۹-۵۱۸ ۔

(۹۹) ملاحظہ ہو بحث بر اموال خیبر ۔

(۱۰۰) واقدی، ص ۴-۴۰۳ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۲ ؛ طبری، دوم، ص ۵۶۴ ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۷۷ ؛ ابن خلدون، دوم، ص ۷۷۳ ؛ نیز انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۴۱ ۔

(۱۰۱) مذکورہ بالا مورخین میں سے واقدی کا بیان ہے کہ غیر عرب نسل کے بہت سے لوگ (جمع کثیر) یا ان کا ایک بڑا گروہ دومۃ الجندل میں اکٹھا ہو گیا اور اس نے ان تاجروں (الطافطۃ) پر حملہ و تاخت کرنا شروع کر دیا جو ان کے علاقے سے گزرتے تھے بالخصوص دومۃ کے علاقے سے۔ عربوں میں سے بھی بہت سے لوگوں (قوم کثیر) نے ان سے ساز باز کر لی تھی اور ڈاکہ زنی کرنے لگے تھے۔ ابن سعد، طبری، ابن اثیر اور ابن خلدون کی روایات واقدی سے مستعار ہیں۔ جبکہ بلاذری کے یہاں یہ صراحت مزید ملتی ہے کہ حریف قبائل زیادہ تر قضاعہ اور غسان پر مشتمل تھے۔ اگرچہ ابن کثیر، چہارم، ص ۹۲ نے اس جرم میں ملوث قبیلوں میں سے کسی کا نام نہیں لیا ہے تاہم ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مہم کی منزلِ مقصود زیریں شام (ادانی الشام) کا علاقہ تھا۔ نیز ملاحظہ ہو محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، ص ۲۶۳ وغیرہ جزیرہ نمائے عرب میں مختلف بازاروں کے لیے ۔

(۱۰۲) واقدی، ص ۴-۴۰۳ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دومۃ الجندل میں ان رہزنوں کے کچھ مویشی اور چرواہے (ماشیتہم و رعائہم) پکڑ لیے تھے۔ پھر ان کے فرار ہو جانے کے بعد آپ نے وہاں قیام

فرمایا اور ان کے فتنہ کی سرکوبی کی خاطر متعدد "سرایا" مختلف علاقوں میں بھیجیں اور ہر ایک سریہ کو کچھ نہ کچھ مویشی کا مالِ غنیمت خاص کر اونٹوں کا ریوڑ (القطعة من الابل) ضرور ملا۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۶۲ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱ ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۷۷ ؛ اور ابنِ کثیر، چہارم، ص ۹۲۔

(۱۰۳) ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۳۵۔

(۱۰۴) واقدی، ص ۶۱ - ۶۰۴ کا بیان ہے کہ جب بنو مصطلق کے مریسیع میں اجتماع کی خبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی کو اس کی تصدیق کے لیے روانہ فرمایا اور صحابی موصوف نے تحقیقِ حال کر کے اس کی توثیق کر دی۔

(۱۰۵) بنو مصطلق پر اچانک حملہ کرنے کے بارے میں اہلِ حدیث اور اہلِ سیر کا اختلاف ہے۔ اوّل الذکر کا خیال ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بے خبری میں حملہ کر دیا تھا جبکہ اہلِ سیر کا بیان ہے کہ ان کو اچانک آ لیا تھا مگر حملہ ان کو نہ صرف خبردار کر کے بلکہ تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کر کے کیا تھا۔ حق موخر الذکر کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ بحث کے لیے خاکسار کا مضمون "شبلی کی سیرت النبیؐ کا مطالعہ — نقد سلیمانی کی روشنی میں" تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ ۱۹۸۴ء، جلد ۳، شمارہ ۲، ص ۳ - ۲۴ ملاحظہ ہو۔

(۱۰۶) ابنِ اسحاق، ص ۴۹۳ ؛ واقدی، ص ۴۱۱ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶۴، انساب الاشراف، اول ص ۳۴۱، طبری دوم ص ۶۱۰، یعقوبی، دوم ص ۵۳، ابن اثیر، دوم ص ۱۹۲ ؛ ابنِ کثیر، چہارم، ص ۱۵۹ - نیز ملاحظہ ہو بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العتق ؛ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر ؛ ابو داؤد، سنن، کتاب العتق۔

(۱۰۷) واقدی، ص ۱۰ - ۴۰۴ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶۴ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے : ابنِ ہشام، سوم، ص ۳۴۳ وغیرہ ؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۲۴ - ۳۴۱ ؛ طبری، دوم، ص ۶۰۴ وغیرہ ؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۹۲ وغیرہ ؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۱۸۷ وغیرہ ؛ ابنِ کثیر، چہارم، ص ۱۵۶ وغیرہ، جو عام طور سے ابنِ اسحاق کی روایت کو بیان کرتے ہیں اور دُوسری تفصیلات کے علاوہ حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی مقدار و مالیت کا بھی ذکر نہیں کرتے۔ نیز ملاحظہ کیجئے یعقوبی، دوم، ص ۵۳ جو ایک بالکل مختلف بیان دیتا ہے۔

(۱۰۸) واقدی، ص ۱۲ - ۴۱۰ ؛ ابنِ سعد، دوم ص ۶۴ ؛ نیز ملاحظہ ہو یعقوبی، دوم، ص ۵۳ اور ابنِ خلدون، دوم ص ۲۰۷، جو حضرت ثابت کے عم زاد کا قطعی ذکر نہیں کرتے۔ مزید ملاحظہ کیجئے ابن ہشام، سوم، ص ۳۴۹ وغیرہ ؛ طبری، دوم، ص ۶۱۰ ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۹۲ ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۱۵۹ جن کو اس میں اشکال ہے کہ حضرت جویریہ بنت حارث حضرت ثابت کے حصہ میں آئی تھیں یا ان کے کسی عم زاد کے۔

(۱۰۹) واقدی، ص ۴۱۱ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴۔

(۱۱۰) مذکورہ بالا۔ حضرت جویریہ بنت حارث کی جانب سے زرِ فدیہ ادا کرنے کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔

مشہور روایت یہی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا تھا مگر واقدی کے یہاں ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان کا زر یہ فدیہ ان کے والد حارث بن ابی ضرار خزاعی نے ادا کیا تھا۔

(۱۱۱) واقدی، ص ۴۱۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴۔

(۱۱۲) ایضاً

(۱۱۳) ابن ہشام، سوم، ص ۲-۲۴۱، ۷-۲۴۶؛ واقدی، ص ۴۷۰ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۵؛ یعقوبی، دوم، ص ۵۰؛ طبری، دوم، ص ۴-۵۷۳، ۵۷۷؛ ابن خلدون، دوم، ص ۶-۷۷۵؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۶-۱۰۵۔ ان تمام مورخین و مؤلفین سیرت نے حضرات علی بن ابی طالب اور زبیر بن عوام کے ہاتھوں بالترتیب عمرو بن عبدوُد اور نوفل بن عبداللہ سرداران قریش کے قتل کیے جانے کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض میں یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے ایک یہودی کو جو مسلم عورتوں و بچوں کے قلعہ میں داخل ہونے کی تاک میں تھا قتل کر ڈالا تھا۔ قیاس ہے اور بعض جگہ صراحت بھی ہے کہ ان مقتول دشمنوں کا سلب مسلمانوں کو ملا تھا۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ مکی لشکر کے ایک سردار عکرمہ بن ابی جہل مخزومی نے ایک معرکہ میں پسپا ہوتے وقت اپنا نیزہ (رمح) پھینک دیا تھا۔ ان تمام مثالوں اور حوالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مہم میں بھی سلب کی شکل میں مسلمان غانمین کو کچھ مال غنیمت حاصل ہوا تھا۔

(۱۱۴) واقدی، ص ۵۱۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۵۔

(۱۱۵) ابن ہشام، سوم، ص ۲۶۴؛ واقدی، ص ۵۲۳ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۷؛ یعقوبی، دوم، ص ۳-۵۲؛ طبری، دوم، ص ۲-۵۹۱؛ ابن کثیر، چہارم ص ۱۲۶۔ ان تمام مستند مورخین میں سے صرف واقدی کا بیان ہے کہ قیدیوں کی تعداد ایک ہزار تھی جس میں سے خمس نکال لیا گیا تھا۔ خمس میں پڑنے والے بعض قیدیوں کو رہا کر دیا گیا تھا جبکہ بعض اوروں کو مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس روایت کے مطابق ان قیدیوں کی تعداد جن کو عرب کے مختلف بازاروں میں غلام بنا کر بیچ دیا گیا یا بطور غلام گھروں میں رکھا گیا، آٹھ سو اور ایک ہزار کے درمیان تھی۔ غالباً نو سو نفوس کے لگ بھگ تھی۔ ان کی اصل مالیت کا تخمینہ کرنا مشکل ہے کیونکہ مختلف بازاروں میں غلاموں کی جنس و صنف و تعلیم و تربیت کے اعتبار سے مختلف قیمتیں ہوتی تھیں۔ بہرکیف ایک روایت ملتی ہے جس کے مطابق مدینہ کے ایک مالدار مہاجن یہودی ابوالشحم نامی نے دو غلام عورتوں اور ان کے چھ بچوں کو انھیں اسیران بنی قریظہ میں سے ایک سو پچاس دینار یعنی اٹھارہ سو درہم میں خریدا تھا۔ اس بنیاد پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کل قیدیوں کی فروخت سے تقریباً دو ہزار دینار (۲۴ ہزار درہم) حاصل ہوئے ہوں گے۔

(۱۱۶) ڈبلیو، این، عرفات، "NEW HIGHT ON THE STORY OF BANU QURAYZA JOURNAL OF ROYAL ASIATIC SOCIETY, AND THE JEWS OF MADINA." لندن ۱۹۷۶ء، شمارہ دوم، ص ۷-۱۰۰۔

(۱۱۷) برکات احمد، محمد اور یہود (انگریزی) ص ۹۴-۷۲۔

(۱۱۸) واقدی، ص ۵۲۴۔ یہ روایت حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کی سند پر بیان ہوئی ہے جو کہ خود نہ صرف اس مہم کے شریک مجاہد تھے بلکہ جنھوں نے اس غزوہ میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ ان کے مطابق انہوں نے اپنے حصۂ غنیمت کو ایک کنیز عورت اور اس کے دو بچوں کو خریدنے میں لگا دیا تھا۔ اتفاق سے اس روایت سے مذکورہ بالا روایت کی کسی حد تک تصدیق ہوتی ہے جس کے مطابق ابو الشحم یہودی نے دو عورتوں اور ان کے چھ بچوں کو خریدا تھا۔ اس روایت میں یہ بھی اصرار ملتا ہے کہ سوار مجاہد (فارس) کو پیادہ (راجل) کے مقابلے میں تین گنا حصہ ملتا تھا؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۵۷، جو اس معاملہ میں اپنے اسناد واقدی کی روایت کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۱۱۹) سوار و پیادہ کے حصّوں میں ایک اور تین کے فرق کی بنیاد پر یہ میزان لگایا گیا ہے۔ اگر ایک اور دو کی بنیاد پر میزان لگایا جائے تو لگ بھگ دس ہزار دینار کا مزید اضافہ ہو جائے گا۔

(۱۲۰) واقدی، ص ۵-۵۳۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۰؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۶، جو مویشیوں کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں کرتی۔ مزید ملاحظہ ہو یعقوبی، دوم ص ۷۴، جو سریہ کا تو ذکر کرتا ہے مگر مالِ غنیمت کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔

(۱۲۱) واقدی، ص ۵۵۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۵۔ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷؛ یعقوبی، دوم ص ۷۴، اور ابن اثیر، دوم، ص ۷-۲۰۶۔

(۱۲۲) واقدی، ص ۵۵۲۔ نیز دیکھئے ابن سعد، دوم، ص ۸۵ اور انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷ جو صرف مویشیوں کے مالِ غنیمت میں پکڑے جانے کا ذکر کرتی ہیں۔ واقدی کے مطابق اس سریہ میں کچھ سامان و اسباب (رثۃ و متاع) بھی حاصل ہوا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ابن اثیر، دوم، ص ۲۰۷۔

(۱۲۳) ایضاً۔ مآخذ کا بیان ہے کہ مسلم تادیبی دستہ کے پہنچنے پر دشمن پہاڑوں میں جا چھپا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن مسلمانوں کی کارروائی کے بارے میں پہلے سے واقف ہو گیا تھا اور اس کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ پھر یہ بھی حقیقت مدِ نظر رکھنی چاہیے کہ اسی دشمن نے اس مسلم کارروائی سے ذرا قبل حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کی کمان میں ایک مہم کو خاصا نقصان پہنچایا تھا اور اس بنا پر ان کو مدینہ کے ردِ عمل کے لیے تیار رہنا چاہیے تھا اور حقیقتاً وہ اس کے لئے تیار بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مالِ غنیمت کی مقدار زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔

(۱۲۴) ابنِ سعد، دوم، ص ۸۶؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۷۷۔ نیز ملاحظہ ہو یعقوبی، دوم، ص ۷۱؛ ابنِ کثیر، چہارم، ص ۱۷۸؛ ابن اثیر، دوم ص ۲۰۷۔

(۱۲۵) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ ص ۳۱۶-۳۱۷؛ ابن ہشام، دوم ص ۳۰۲ وغیرہ؛ واقدی، ص ۵۵۳-۵۵۴؛ ابن سعد، دوم ص ۸۷؛ انساب الاشراف، اول ص ۳۷۷؛ یعقوبی، دوم ص ۷۱-۷۰؛ طبری، دوم ص ۴۷۰-۴۷۱؛ ابنِ اثیر، دوم ص ۱۳۴-۱۳۵ و ۲۰۷ اور ابنِ کثیر، سوم ص ۳۲۲ وغیرہ۔ واقدی اور ان کے متبعین جیسے ابن سعد اور بلاذری کا خیال ہے کہ مکی کارواں کے کئی محافظ بھی ساتھ میں پکڑ کر لائے گئے تھے۔ لیکن واقدی نے صرف دو قیدیوں کے ناموں کا ذکر کیا ہے یعنی ابو العاص بن ربیع اور مغیرہ بن معاویہ بن العاص جبکہ ان کے دونوں متبعین نے صرف اول الذکر کا ذکر کیا ہے۔ دوسری طرف یعقوبی کی روایت یہ ہے کہ حملہ کے وقت ابو العاص بن ربیع نکل بھاگے تھے لیکن پھر وہ از خود مدینہ پہنچے اور اپنی مسلم بیوی حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ کے طالب ہوئے جو ان کو مل گئی۔ یعقوبی کے مطابق ابو سفیان بن حرب بھی اس کارواں میں شامل تھے۔ اس کارواں کے بارے میں تیسری روایت ابنِ اسحاق کی ہے جس کا بقیۃ الذکر مورخین و مولفین سیرت نے پوری دیانت داری اور ایمان داری سے تتبع کیا ہے۔ اس کے مطابق تمام محافظین کارواں کی بچ نکلے تھے مگر بعد میں ابو العاص بن ربیع اپنی مرضی و منشا سے مدینہ پہنچے تھے۔ بہرحال قرائن سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ واقدی کا بیان زیادہ صحیح ہے۔ اگر ان کے بیان کو قبول کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابو العاص بن ربیع کے سوا جن کو بنت رسول اکرم کی پناہ مل گئی تھی بقیہ قیدیوں کو زرِ فدیہ ادا کرنا پڑا تھا، حالانکہ اس کا کوئی اشارہ ہمارے مآخذ میں معلوم نہیں ہوتا۔ بہرحال اس صورت میں زرِ فدیہ کی رقم کی تعیین مشکل امر بن جاتی ہے۔ غالب امکان یہ ہے کہ وہ بہت حقیر رہا ہوگا۔ دوسری جانب اس کے قرائن زیادہ قوی ہیں کہ کوئی زرِ فدیہ نہیں ادا کیا گیا تھا اور تمام قیدیوں کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحمت و مرحمت سے یونہی رہا فرما دیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا قرینہ تو یہی ہے کہ اسلامی تحریک کی وسعت و تبلیغ کے نقطۂ نظر سے مکی کارواں کا لوٹا ہوا تمام مال ان کو واپس کر دیا گیا تھا حتیٰ کہ ان کے برتن (اداوۃ) اور رسی (الحبل) جو بالترتیب کھانا پکانے اور جانوروں کے باندھنے کے لیے کام آتی تھی واپس کر دی گئی تھی۔ اور اس حُسنِ سلوک کا اثر ہونا تھا اور ہو کر رہا۔ ابو العاص بن ربیع مکہ جا کر تمام مالکوں کو ان کا سامان و نفع سپرد کر کے مدینہ تشریف لائے اور مسلمان ہو گئے۔

(۱۲۶) واقدی، ص ۵۵۵؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۸۷ اور ابنِ اثیر، دوم ص ۲۰۷ کا بیان ہے کہ مسلم دستہ میں پندرہ مجاہد تھے اور انھوں نے بیس اونٹ پکڑے تھے۔ لیکن واقدی ہی کی ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مجاہد دستہ کے ہر ایک شریک کو دو دو اونٹ یا ان کے مساوی تعداد میں بکریاں اور بھیڑیں ملی تھیں۔ بظاہر یہ دوسری روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس صورت میں اونٹوں کی تعداد ڈیڑھ گنا سے بھی زیادہ

ہو جائے گی بشمول خمس اور صفی وغیرہ۔ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول ص ۳۷۷ جو مسلم دستہ کی تعداد و طاقت حربی و عددی کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کرتی۔

(۱۲۷) واقدی، ص ۵۶۰ - ۵۵۹؛ ابن سعد، دوم ص ۸۸؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷ جو شکست خوردہ لوگوں کو ان کا سامان واپس کرنے کا کوئی ذکر نہیں کرتی؛ نیز ملاحظہ ہو یعقوبی، تاریخ، دوم، ص ۷۱، جو بہرکیف قبیلہ جذام کے کچھ لوگوں کے قتل اور کچھ دوسروں کی گرفتاری کا ذکر کرتی ہے لیکن کسی مالِ غنیمت کے حصول کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ابن اثیر، دوم ص ۲۰۸ - ۲۰۷۔

(۱۲۸) واقدی، ص ۵۶۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۰ کے مطابق مسلم دستہ میں نٹو سپاہی تھے۔ صفی رسول اور خمس یا ست نکالنے کے بعد مالِ غنیمت حسبِ قاعدۂ اسلامی شرکائے مہم میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اوّل ص ۳۷۸؛ یعقوبی، دوم، ص ۷۴-۷۳، میں سے موخرالذکر کا خیال ہے کہ دشمن سے تصادم و ملاقات ہی نہیں ہو پائی تھی جبکہ موخرالذکر کا بیان ہے کہ کچھ خون بہا تھا لیکن ان دونوں میں سے کوئی مالِ غنیمت کے حصول کا ذکر نہیں کرتا۔ نیز دیکھئے ابن اثیر، دوم ص ۲۰۹۔

(۱۲۹) واقدی، ص ۵۶۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۰؛ یعقوبی، دوم ص ۷۱؛ ابن اثیر، دوم ص ۲۰۷۔ ان سب نے نہ صرف ام قرفہ اور اس کے بیٹوں کے قتل کا ذکر کیا ہے بلکہ اس کی ایک بیٹی کو باندی بنا کر مدینہ لائے جانے کو بھی بیان کیا ہے۔ بعد میں اسی باندی کی شادی حضرت حزن بن ابی وہب سے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مخزومی ماموں اور ایک مکی سردار تھے کر دی گئی تھی۔ اس شادی کا دلچسپ منظر یہ ہے کہ اس سے ذرا قبل صحابی موصوف کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ اس صدمہ پر بےتاب رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی غمگساری کے لیے یہ شادی کی گئی تھی۔ نیز ملاحظہ کیجئے انساب الاشراف، اول ص ۳۷۸۔

(۱۳۰) واقدی، ص ۶۷۴ - ۶۷۸ کا بیان ہے کہ یہودِ خیبر نے اگر سب نہیں تو اپنے بیشتر ہتھیار (السلاح) غذائی اجناس (الطعام) اور روغنیات (الودك) نیز محاصرہ کے آلات (آلة حصونهم) یعنی دبابہ و منجنیق وغیرہ اپنے قلعوں میں خاص کر النطاۃ میں اکٹھا کر لیے تھے۔ پھر جب خوف و ہراس اور قلعہ کے زوال کے خطرہ سے وہ النطاۃ سے چھپ کر الشق کے قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے جہاں انھوں نے اپنے خاندان والوں کو رکھ چھوڑا تھا تو وہ اپنے سارے ہتھیار و آلات حرب خاص قسم کے غاروں میں دفن کر گئے تھے تاکہ فتح کی صورت میں مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگیں۔ بہرکیف النطاۃ کی فتح کے بعد یہ تمام مدفون آلاتِ حرب ایک یہودی قیدی کی مخبری پر مسلمانوں نے نکال لیے تھے۔

(۱۳۱) منجنیق اور دبابہ کے بارے میں تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ریوبن لیوی (RUBEN LEVY) کی کتاب THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM، کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۵۷ء، ص ۴۴۰،

نیز خاکسار کی انگریزی کتاب "ORGANIZATION OF GOVERNMENT UNDER THE PROPHET"، ص ۲۰۲۔

(۱۳۲) واقدی، ص ۷۱ - ۶۷۰۔

(۱۳۳) واقدی، ص ۶۶۴۔

(۱۳۴) واقدی، ص ۶۸۰ کا بیان ہے کہ فاتحوں نے گھریلو سامان (اثاث) ریشمی کپڑوں (بز) چادروں (قطائف) ہتھیاروں (سلاح)، مویشیوں (غنم، بقر)، سامانِ رسد (طعام) اور چمڑے کی چادروں / چٹائیوں (ادم) پر مشتمل مالِ غنیمت پایا تھا۔

(۱۳۵) خیبر کے قلعوں کی ایک جغرافیائی تفصیل یہاں ضروری معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کے قلعوں کی تعداد، فتح وغیرہ کے بارے میں ابہام رہ جاتا ہے۔ عام تاثر یہ ہے کہ ایک یا دو چھوٹے چھوٹے قلعے تھے جن کو مسلمانوں نے بہ آسانی فتح کر لیا۔ بہرحال واقدی کے ایک بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خیبر میں کم از کم قلعوں کے چھ مجموعے تھے یعنی صرف چھ قلعے نہیں تھے بلکہ چھوٹے بڑے متعدد قلعوں کے چھ مجموعے تھے جو اپنے اپنے مخصوص علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان مجموعوں کے نام تھے:

۱۔ ناعم   ۲۔ النطاۃ

۳۔ الشق   ۴۔ الکتیبہ

۵۔ الوطیح اور   ۶۔ سُلالم

اور ان میں سے ہر ایک میں کئی کئی چھوٹے بڑے قلعے تھے جن قلعوں کا ذکر ان کے مجموعہ کے نام کے ساتھ ملتا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

قلعہ مرحب (ناعم)، قلعہ الصعب بن معاذ اور قلعہ الزبیر (النطاۃ)، قلعہ النزار، قلعہ ابی اور قلعہ سمران (الشق)، قلعہ قموص (الکتیبہ) اور الوطیح و سُلالم۔ ملاحظہ ہو واقدی ص ۸ - ۶۴۲، ۵۲ - ۶۵۰، ۶۴ - ۶۵۵، ۷۰ - ۶۶۶، ۶۶۴، ۶۶۶، ۸۰ - ۶۶۹، ۶۸۹ اور ۶۹۲ وغیرہ۔

مزید ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم ص ۱۰۶ جن کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خیبر میں صرف تین مجموعہ ہائے قلعہ جات تھے:

النطاۃ، الشق اور الکتیبہ۔

جبکہ ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۱۴ - ۵۱۱ اور ابن ہشام، سوم ص ۳۸۱ کا خیال ہے کہ ناعم اور قموص کے قلعے (موخر الذکر بنی ابی الحقیق کا قلعہ تھا) فتح کر لیے گئے تھے۔ نیز ملاحظہ کیجئے ص ۸۹ - ۳۸۳ قلعہ جات الوطیح اور سُلالم کے حوالوں کے لیے۔ ابنِ ہشام کے مطابق موخر الذکر سب سے بعد میں فتح ہوا تھا۔

یعقوبی، دوم ص ۵۶ کا صریح بیان ہے کہ خیبر میں چھ قلعوں کے مجموعے تھے :
السلالم ، القموص ، النطاۃ ، القصارۃ ، الشق اور المربطہ ۔ اس سے واقدی کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے اگرچہ دونوں کے یہاں ناموں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو طبری، سوم ص ۱۰-۹ ، ۱۴ وغیرہ ؛ ابن اثیر دوم ص ۲۱۷ وغیرہ ؛ ابن خلدون ، دوم ، ص ۶-۷۹۵ ؛ ابن کثیر، چہارم ، ص ۱۸۶ وغیرہ ، ۱۹۲، ۱۹۴ ، اور ۱۹۸ وغیرہ۔
جدید مورخین میں اس موضوع پر بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے مونٹگمری واٹ ، محمد مدینہ میں ، مذکورہ بالا ، ص ۲۱۸ وغیرہ؛ محمد حمید اللہ ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ (انگریزی) ، ص ۵۲ - ۴۸ ۔

(۱۳۶) واقدی ص ۶۳۴ ، ۶۳۷ ، ۶۴۰ اور ۶۴۲ وغیرہ ؛ نیز ملاحظہ ہو یعقوبی ، دوم ص ۵۶ جن کا خیال ہے کہ یہودی جنگجوؤں کی تعداد بیس ہزار تھی ۔ بظاہر یہ تعداد مبالغہ آمیز ہوتی ہے۔

(۱۳۷) واقدی ص ۶۳۷ کے مطابق خیبر کی زرہ بکتر سے لیس فوج صرف ایک ہزار تھی ۔

(۱۳۸) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف چھ یا سات قلعوں (منجملہ قلعہ جات خیبر) کی فتح کے بعد خیبر کے یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور صلح کر لی تھی۔ مفتوحہ قلعوں کے نام یہ ہیں :
قلعہ مرحب ، قلعہ الصعب بن معاذ ، قلعہ الزبیر ، قلعہ النزار ، قلعہ ابی ، قلعہ سمران اور قلعہ قموص ۔
قلعہ النزار کے سقوط کے بعد کے مجموعہ الکتیبہ کا ایک رکن تھا قلعہ قموص کے محصور یہودیوں نے صلح کی التجا کی تھی جو بابِ رحمت عالی سے قبول ہوئی ۔

(۱۳۹) ملاحظہ فرمائیے خاکسار کی کتاب ORGANISATION OF GOVERNMENT UNDER THE PROPHET دہلی ۱۹۸۴ء ص ۳-۲۰۲ ؛ اردو ایڈیشن بنام عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت' نقوش لاہور ، رسولؐ نمبر ۱۹۸۳ء ، جلد پنجم ص ۶۹-۵۶۸ ۔

(۱۴۰) واقدی ، ص ۵-۶۶۴ کا بیان ہے کہ یہ تمام چیزیں قلعہ الصعب بن معاذ میں پائی گئی تھیں ۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر میں مسلمانوں کے ایک ماہ کے قیام کے دوران ان کی ضروریات کے لیے غذائی اجناس کافی ہوئی تھیں۔ نیز ملاحظہ کیجئے طبری ، سوم ص ۱۰ ؛ ابن اثیر ، دوم ص ۲۱۸ ؛ ابن خلدون ، دوم ص ۷۹۶ ؛ ابن کثیر ، چہارم ص ۱۹۴۔

(۱۴۱) واقدی ، ص ۶۴۰ ، ۶۶۴ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے طبری ، سوم ص ۱۰ ؛ ابن اثیر ، دوم ص ۲۱۸ ۔

(۱۴۲) واقدی ، ص ۶۶۸ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق ، انگریزی ترجمہ ص ۵۱۲ اور ابن ہشام ، سوم ص ۳۸۷ ۔

(۱۴۳) واقدی ، ص ۶۶۴ ، ۶۸۶ ۔

(۱۴۴) ایضاً

(۱۴۵) واقدی ص ۵-۶۶۴ قلعہ الصعب بن معاذ سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت میں ریشمی کپڑوں (بزوز) اور موتی و مونگے (خرز) بھی کافی تعداد میں شامل تھے۔ اس کے علاوہ ملاحظہ ہو ص ۶۸۰ کمخواب (خمائل) اور فدک کی چادروں (قطیفتہ فدك) کے لیے، ص ۶۸۰ پر بیس مسلم عورتوں کو دیناروں کے عطیے دیے جانے کا بیان ملاحظہ ہو۔

(۱۴۶) واقدی ص ۶۶۹۔

(۱۴۷) واقدی ص ۶۷۳؛ نیز ملاحظہ ہو ص ۲-۶۷۱، ۲-۶۸۱ اور ۷-۶۸۵؛ مزید ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵-۵۱۴؛ ابن ہشام، سوم ص ۹-۳۸۸؛ طبری، سوم، ص ۱۴۔

(۱۴۸) حوالہ مذکورہ بالا۔

(۱۴۹) حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی نے جو خیبر کے غزوہ میں شریک تھے ایک باندی بطور غنیمت پائی تھی جو مدینہ منورہ کے مہاجن یہودی ابوالشحم کی رشتہ دار تھی۔ حضرت موصوف نے اس کو مذکورہ بالا یہودی کے ہاتھ کافی بڑی قیمت (مال) پر بیچ دیا تھا۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۶۳۵۔ واقدی کے ایک بیان سے (ص ۶۴۷) یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قلعہ الشق میں پائے گئے تمام یہودی خاندانوں یا عورتوں بچوں (الذریۃ) کو غلام بنا لیا گیا تھا۔ اسی طرح قلعہ الصعب بن معاذ کے بعض یہودی سپاہیوں اور جنگجوؤں کو قیدی بنا لیا گیا تھا جبکہ ان میں سے بیشتر کو قلعہ الزبیر میں پناہ لینے کے لیے فرار کا موقعہ دیا گیا تھا (واقدی ص ۴-۶۶۳)۔ قلعہ الزبیر میں جو کہ مجموعہ النطاۃ میں سب سے بعد میں فتح ہوا دس یہودی سپاہیوں کو قتل اور غالباً کئی کو قید کر لیا گیا تھا (واقدی، ص ۶۶۷)۔ اسی مورخ کی ایک اور روایت (ص ۶۶۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ النزار کے سوا یہودی بچوں اور عورتوں کو نہ تو مجموعہ النطاۃ میں گرفتار و قید کیا گیا تھا اور نہ مجموعہ الشق میں۔ در اصل یہ بچے اور عورتیں ان کے اپنے مرد پناہ کے واسطے وہاں لائے تھے۔ ان میں حضرت صفیہ بنت حی اور بعض دوسری عورتیں شامل تھیں۔ دوسرے تمام عورتیں اور بچے جن کی تعداد دو ہزار بتائی جاتی ہے مجموعہ الکتیبہ کے قلعوں میں تھے اور ان سب کو رہا کر دیا گیا تھا کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیشتر قلعوں کے سقوط سے پہلے صلح کر لی تھی۔ بہرکیف بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کنانہ بن ابی الحقیق اور اس کے ایک بھائی کے خاندانوں کو قیدی بنا لیا گیا تھا۔ یہ لوگ مجموعہ الکتیبہ کے قلعہ سُلالم میں ملے تھے (واقدی ص ۶۷۳)۔ اسی طرح واقدی کی ایک اور روایت (ص ۶۷۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفیہ بنت حی کی ایک بنت عم گرفتار و قید ہو کر حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کو عطا کر دی گئی تھیں۔ نیز ملاحظہ کیجئے ص ۶-۶۷۵۔ مزید ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۱۲-۱۰۹؛ ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵۱۱ وغیرہ؛ ابنِ ہشام،

سوم ص ۳۸۸ ؛ لیعقوبی، دوم ص ۵۶ ؛ طبری، سوم، ص ۹ اور ۱۴ ؛ ابنِ اثیر، دوم ص ۸ - ۲۱۷ ، ۱ - ۲۲۰ ؛ ابن خلدون، دوم ، ص ۶ - ۹۵ ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۱۸۴ وغیرہ اور ۷ - ۱۹۶ -

(۱۵۰) واقدی ، ص ۸۰ - ۶۷۹ -

(۱۵۱) واقدی ، ص ۶۸۰ -

(۱۵۲) واقدی، ص ۶۸۸ -

(۱۵۳) ابنِ اسحاق ، انگریزی ترجمہ، ص ۵۲۲ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن کثیر، چہارم ص ۲۰۱ جنھوں نے اس معنی کی ایک روایت امام بخاری کی صحیح کی سند پر بیان کی ہے ۔

(۱۵۴) ایضاً ۔ حوالہ جات سابقہ

(۱۵۵) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵۱۵ ؛ ابن ہشام، سوم، ص ۳۸۹ وغیرہ ؛ واقدی ، ص ۱ - ۶۹۰ ؛ ابنِ سعد ، دوم ، ص ۴ - ۱۱۳ ؛ انساب الاشراف ، اول ، ص ۳۵۲ ؛ طبری، سوم، ص ۱۵ ؛ ابنِ اثیر ، دوم ، ص ۲۲۱ ؛ ابنِ خلدون ، دوم، ص ۹۶ ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۱۹۹ ۔

(۱۵۶) واقدی، ص ۶۹۳ - یہ اعداد و شمار میرے حساب پر مبنی ہیں ۔ واقدی نے جو مقدار مجموعہ الکتیبہ کی پیداوار کی دی ہے وہ یہ ہے : آٹھ ہزار وسق تمر ، تین ہزار صاع شعیر اور ایک ہزار صاع نوٰی ۔ اس میں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطورِ خمس مالِ غنیمت خیبر نصف ملتا تھا یعنی چار ہزار وسق تمر، ڈیڑھ ہزار صاع شعیر اور پانچ سو صاع نوٰی ۔ الکتیبہ میں جو پیداوار تھی اس کا خمس ریاست کو ملتا تھا اور اس خمس کی بنیاد پر اربعہ اخماس کے اعداد و شمار متن میں دیے گئے ہیں ۔

(۱۵۷) واقدی، ص ۱۵۷ ۔

(۱۵۸) واقدی، ص ۷ - ۶۸۶ ۔

(۱۵۹) واقدی ، ص ۶۸۲ -

(۱۶۰) واقدی ، ص ۷۰۰ ، نیز ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق ، انگریزی ترجمہ ص ۵۲۳ ۔

(۱۶۱) واقدی ، ص ۷۱۱ کے مطابق تیماً کے یہودیوں نے جزیہ پر صلح کی تھی ۔ غالباً اس جزیہ سے مراد ان کی زمین کی نصف پیداوار رہی ہے جیسا کہ خیبر کے معاملے میں ہوا تھا ۔

(۱۶۲) واقدی، ص ۷۰۰ ، نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق ، انگریزی ترجمہ ص ۵۲۳ -

(۱۶۳) واقدی ، ص ۱۱ - ۷۱۰ کا بیان ہے کہ مالِ غنیمت میں کچھ گھریلو اسباب (اثاث) اور کافی سامان (متاع کثیر) شامل تھا ۔

(۱۶۴) واقدی، ص ۷۰۷ ۔

(۱۶۵) ابن سعد، دوم ص ۱۱۸، کا بیان ہے کہ اسی سریہ میں حضرت سلمہ بن اکوع کے ہاتھوں ایک عورت بطور باندی پکڑ کر لائی گئی تھی اور بعد میں اس کو ایک مسلمان قیدی کے بدلے میں مکہ والوں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۷۲۲۔

(۱۶۶) واقدی، ص ۷۲۳، وغیرہ کا خیال ہے کہ یہ مہم فدک بھیجی گئی تھی جبکہ ابن سعد، دوم ص ۱۱۹ کا بیان ہے کہ وہ المیفعہ گئی تھی۔ بہرحال اول الذکر کا بیان زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ میفعہ جانے والی دوسری مہم تھی ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۱۲۶۔

(۱۶۷) واقدی، ص ۵ - ۷۲۴؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۱۱۹ جن کا خیال ہے کہ اس مہم میں کوئی قیدی گرفتار نہیں ہوا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ایضاً ص ۱۲۶۔ نیز ملاحظہ کیجیے واقدی، ص ۸ - ۷۲۷ اور ابن سعد، دوم ص ۲۰-۱۱۹۔

(۱۶۸) واقدی، ص ۲ - ۷۵۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۵ - ۱۲۴۔

(۱۶۹) واقدی، ص ۴ - ۷۵۳۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم ص ۱۲۷، جو قیدیوں کی گرفتاری اور بعد میں ان کی رہائی کا کوئی حوالہ نہیں دیتے۔

(۱۷۰) ایضاً

(۱۷۱) واقدی ص ۷۶۸ نے یہ روایت حضرت جابر بن عبد اللہ کی سند پر بیان کی ہے۔

(۱۷۲) واقدی، ص ۷۶۹، کا بیان ہے کہ حضرت عزیہ انصاری نے یہ یاقوت پایا تھا جس کو انھوں نے خلافتِ فاروقی میں کسی وقت ایک سو دینار میں بیچ دیا تھا اور اس رقم سے ایک کھجور کا باغ خرید لیا تھا۔ اس کے لیے واقدی نے حدیقۃ نخلۃ کی اصطلاح استعمال کی ہے اور جو بنو خطمہ کے محلے یا علاقے میں واقع تھا۔

(۱۷۳) حوالہ جات ماسبق۔ نیز واقدی ص ۷۶۸۔

(۱۷۴) واقدی ص ۷۷۱۔

(۱۷۵) ایضاً

(۱۷۶) اس کے لیے ملاحظہ ہو غزوہ بدر میں قریشی فوج کے لیے اونٹوں کو روزانہ ذبح کرنے کی روایت۔ ابن سعد، دوم، ص ۱۵ کے مطابق ایک ہزار یا نو سو پچاس سپاہیوں کے لیے کسی دن دس اور کسی دن نو اونٹ ذبح کیے جاتے تھے گویا یومیہ ایک اونٹ سو آدمیوں کے لیے کافی ہوتا تھا۔ نیز واقدی ص ۵۲، ابن اسحاق ص ۲۹۵ میں یہی روایت موجود ہے۔

(۱۷۷) واقدی، ص ۸۰ - ۷۷۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۳ - ۱۳۲۔ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول ص ۳۸۱۔

(۱۷۸) واقدی ص ۸۲۶ وغیرہ۔ ابن خطل کے بارے میں آتا ہے کہ اس نے اپنے ہتھیار پھینک دئے تھے اور ان میں اس کا زرہ بکتر اس کے اندر پہننے کی صدری (صَفَف) کپڑے کا اور آہنی خود (مغفر و بیضہ) شامل تھے۔ مزید برآں اس کا

گھوڑا بھی ہاتھ آیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو یعقوبی، دوم، ص ۶۱ جس کا بیان ہے کہ کچھ دولت (مال) خانہ کعبہ میں پایا گیا تھا اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان غازیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

(۱۷۹) واقدی، ص ۸۷۰-۸۷۵؛ ابنِ سعد، دوم ص ۹-۱۴۵ اور ۱۵۷ وغیرہ؛ انساب الاشراف، اول ص ۲-۳۸۱۔ نیز ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵۶۵؛ ابنِ ہشام، چہارم، ص ۶۴؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۲۶۰ اور ۲۸۴؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۱۰۸؛ یعقوبی، دوم، ص ۶۱؛ طبری، سوم ص ۶۵ وغیرہ کا خیال ہے کہ حضرت خالد بن ولید مخزومی کو نخلہ کے صنمکدۂ عزیٰ سے کچھ زیورات (حلی) ملے تھے جو وہاں چڑھاوے کے طور پر چڑھائے گئے تھے۔ اسی طرح سوم ص ۱۰۰ پر یہ بیان ملتا ہے کہ طائف میں واقع لات کے بت کے گھر میں کچھ زیورات (حلی) اور سونے اور ہیروں پر مشتمل مال (مال الذھب والجا) بھی ملا تھا۔ اس مال کو حضرات مسعود بن عروہ ثقفی اور الاسود (جو اپنے قبیلہ والوں کے ہاتھوں اسلام کی خاطر شہید ہوئے تھے) کے دو فرزندوں کا قرض اتارنے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابنِ کثیر، چہارم ص ۳۱۹ جو پوری طرح سے طبری کا تتبع کرتے ہیں۔

(۱۸۰) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵۹۲ اور ابنِ ہشام چہارم ص ۱۳۴ کا بیان ہے کہ اونٹ اور بھیڑ بکریاں (الابل والشاء) بے شمار تھے۔ جبکہ واقدی ص ۹۴۳ کا کہنا ہے کہ بھیڑ بکریاں (الغنم) شمار و حد سے زیادہ تھیں۔ یہاں الغنم سے اونٹ بھی مراد ہو سکتے ہیں اس صورت میں اس کا ترجمہ مویشی ہوگا۔ مگر ایک دوسری روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ بھیڑ بکریاں چالیس ہزار یا اس سے کچھ زیادہ یا کم تھیں جبکہ اونٹ چوبیس ہزار تھے۔ دوسری طرف ابنِ سعد، دوم ص ۱۵۲ کا بیان ہے کہ بھیڑ بکریوں کی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ تھی۔ یعقوبی، دوم ص ۶۳ کی روایت میں اونٹوں (ناقہ) کی تعداد بارہ ہزار بتائی گئی ہے اور دوسرے غنائم میں اسلاب کو شمار کیا گیا ہے۔ طبری، سوم، ص ۸۶ نے بالکل ایک مختلف روایت دی ہے جس کے مطابق اونٹوں کی تعداد صرف چھ ہزار تھی جبکہ بھیڑ بکریاں (الشاء) بے حد و حساب تھیں اور قیدی بڑی تعداد (عدد کثیر) میں تھے۔ ابنِ اثیر، دوم ص ۷-۲۶۸ وغیرہ اونٹوں، قیدیوں یا بھیڑ بکریوں میں سے کسی کی کوئی تعداد نہیں بیان کرتے۔ جبکہ ابنِ خلدون، دوم ص ۱۸ نے اونٹوں یا دوسرے مویشیوں کی تعداد کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ابنِ کثیر، چہارم ص ۶۰-۳۵۲ کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تمام روایات متعلقہ و مذکورہ کو جمع کر دیا ہے۔ ان تمام روایات کے تجزیہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بھیڑ بکریوں کی بے شمار تعداد تسلیم کرلی جائے۔

(۱۸۱) واقدی، ص ۹۴۴ اور ابنِ سعد، دوم ص ۱۵۲۔ مآخذ میں سے صرف انھیں دونوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(۱۸۲) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵۹۲ وغیرہ؛ ابنِ ہشام، چہارم، ص ۵-۱۳۴؛ واقدی، ص ۹۴۳، ۵۵-۹۴۹؛ ابنِ سعد، دوم ص ۴-۱۵۳؛ یعقوبی، دوم، ص ۶۳؛ طبری، سوم، ص ۸۴ اور ۸۶-۷ وغیرہ؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۹-۲۶۸؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۱۸ وغیرہ؛ ابنِ کثیر، چہارم، ص ۳۵۲ وغیرہ۔

(۱۸۳) حوالہ مذکورہ بالا نمبر ۱۸۰۔

(۱۸۴) ایضاً

(۱۸۵) ایضاً

(۱۸۶) واقدی، ص ۹۴۹ کے مطابق بارہ ہزار مسلم سپاہ میں سے ہر ایک پیادہ سپاہی کو چار اُونٹ یا چالیس بھیڑ بکریاں ملی تھیں جبکہ ہر شہسوار کے حصہ میں اس کا تین گنا حصہ یعنی بارہ اونٹ یا ایک سو بیس بھیڑ بکریاں پڑی تھیں۔ نیز ملاحظہ فرمائیے ابن سعد، دوم، ص ۱۵۳ جن کا بیان ہے کم از کم مطبوعہ متن کے مطابق مذکورہ بالا اونٹوں اور بھیڑ بکریوں دونوں کی تعداد (الابل والشاء) ایک سپاہی کے حصۂ غنیمت میں شامل تھیں۔ ایسی صورت میں یہ مطلب ہو گا کہ ہر پیادہ کا حصہ ۴ اونٹ + ۴۰ بھیڑ بکری اور ہر شہسوار کا حصہ ۱۲ اونٹ + ۱۲۰ بھیڑ بکری ہو گا۔ طبری، سوم، ص ۹۵ اور ابن کثیر، چہارم ص ۳۵۵ پوری طرح سے ابن سعد کی روایت کا تتبع کرتے ہیں لیکن عجیب بات بلکہ طرفہ ستم یہ ہے کہ اپنے بیانات کو واقدی سے منسوب کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں موخر الذکر مصنفین و مورخین کی اس روایت کی واقدی کی طرف نسبت بھی غلط ہے اور ان کا حساب بھی کیونکہ اس صورت میں تو بھیڑ بکریوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہو جائے گی جو بظاہر ممکن نظر نہیں آتی۔

(۱۸۷) حوالہ مذکورہ بالا۔

(۱۸۸) ملاحظہ کیجئے میری کتاب ORGANISATION OF GOVERNMENT UNDER THE PROPHET ص ۲-۱۷۱؛ عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، ص ۹-۵۴۷؛ نیز ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۸۹۸ اور ابن سعد، دوم، ص ۱۳۵۔

(۱۸۸ ب) ملاحظہ ہو ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۲-۵۷۱ وغیرہ؛ واقدی، ص ۹۰۲، ۹-۹۰۸، ۹۱۸ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۲-۱۵۲؛ یعقوبی، دوم، ص ۶۳؛ طبری، سوم ص ۹۰-۸۹؛ ابن اثیر، دوم، ص ۲۶۶ وغیرہ؛ ابن خلدون، دوم، ص ۸۱۶؛ ابن کثیر، چہارم ص ۳۵۲ اور ۳۵۴ وغیرہ۔ ان میں سے سب ہی نے مالِ غنیمت حنین میں اسبابِ ضرورت (الرثۃ) کے شامل ہونے کا ضمناً حوالہ دیا ہے خاص کر واقدی کے یہاں (ص ۹۲۴) ایسے حوالے زیادہ ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عقیل بن ابی طالب ہاشمی کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو بطور غنیمت ایک سُوئی (ابرۃ) مل گئی تھی جو انھوں نے اپنی اہلیہ حضرت فاطمہ بنت عتبہ اموی کو کپڑا سینے کے لئے دی تھی مگر جب اعلانِ نبوی ہُوا کہ ہر شخص اپنا لوٹا ہُوا مال خواہ وہ کتنا حقیر ہی کیوں نہ ہو واپس کرے ورنہ غلن میں شمار ہو گا تو صحابی موصوف نے وہ سُوئی صاحب المغانم کے پاس لاکر جمع کر دی۔ ایک اور مسلمان مجاہد کے بارے میں ذکر آتا ہے کہ انھوں نے اس اعلان کے بعد اون کا ایک گولہ (جبۃ شعر) واپس لاکر جمع کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ کچھ حوالے موتیوں کے ہار (عقد) اور زیور (حلی) وغیرہ کے بھی ملتے ہیں خواہ ماخذ صراحتاً اعتراف کریں یا نہ کریں

ان روایات سے بہرکیف اسبابِ ضرورت کی مالِ غنیمت میں شمولیت یقینی بن جاتی ہے۔

(۱۸۹) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۶۶۷؛ ابنِ ہشام، سوم، ص ۲۹۶ وغیرہ؛ واقدی، ص ۵-۹۰۴ وغیرہ؛ ابنِ سعد، دوم ص ۱۶۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۲؛ یعقوبی، دوم ص ۴۷؛ ابن کثیر، پنجم ص ۲۱۹۔ ان سب مورخین کو دو طبقوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک طبقہ ابنِ اسحاق اور ان کے متبعین کا ہے اور دوسرا واقدی اور ان کے شاگرد رشید کا۔ اول الذکر کے مطابق اکثر قیدیوں کو بلا زرِ فدیہ کے رہا کر دیا گیا جبکہ بعضوں کو ادا کرنا پڑا تھا۔ موخر الذکر کے مطابق سب کو بلا فدیہ رہائی عطا کر دی گئی تھی اور ان میں جو دعوائے اسلام کیا گیا ہے اس سے یہی نقطۂ نظر میل کھاتا ہے۔ چنانچہ موخر الذکر کے مطابق کل گیارہ قیدی تھے جو رہا ہوئے۔ بہرحال بلاذری واحد مصنف ہے جس نے ان کی رہائی کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔

(۱۹۰) واقدی، ص ۷۵۵؛ ابن سعد، دوم ص ۱۶۲؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اوّل ص ۳۸۰۔

(۱۹۱) واقدی، ص ۸-۹۸۴؛ ابنِ سعد، دوم ص ۱۶۴۔ ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اوّل ص ۳۸۲ اور ۵۲۲؛ طبری، سوم، ص ۱۲-۱۱۱ وغیرہ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۲۸۵؛ ابن کثیر، پنجم، ص ۶۳ وغیرہ۔ نیز دیکھئے ابن ہشام، چہارم ص ۲۴۴۔

(۱۹۲) ایضاً

(۱۹۳) ایضاً

(۱۹۴) ابنِ اسحاق، ص ۹-۶۰۲؛ واقدی ص ۱۶-۱۰۱۵؛ ابنِ سعد، دوم ص ۶-۱۶۵؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۶۸؛ فتوح البلدان، ص ۱۷؛ طبری، سوم، ص ۸-۱۰۷۔ نیز ملاحظہ ہو بخاری و مسلم، الجامع الصحیح، غزوۂ تبوک۔

(۱۹۵) واقدی، ص ۹-۱۰۲۷؛ ابنِ سعد، دوم ص ۱۶۶۔ نیز ملاحظہ ہو ابن ہشام، چہارم ص ۱۸۱ وغیرہ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳-۳۸۲؛ یعقوبی، دوم، ص ۶۷؛ طبری، سوم، ص ۹-۱۰۸؛ ابن اثیر، دوم، ص ۲۸۱؛ ابنِ کثیر، پنجم ص ۱۷۔ ان میں سے سب کے سب موخر الذکر کے سوا اکیدر کے ایک جبہ کے سوا اور کسی غنیمت کے حصول کا ذکر نہیں کرتے ہیں۔ موخر الذکر نے بہرکیف ابن لہیعہ کی ابی الاسود سے روایت بیان کی ہے جس میں مالِ غنیمت کا ذکر ہے لیکن اس میں تعداد مختلف ہے: آٹھ سو غلام (السبی)، ایک ہزار اونٹ، چار سو زرہ بکتر اور چار سو ہی نیزے۔ نیز ملاحظہ ہو منٹگمری واٹ، محمد مدینہ میں، ص ۱۱۵ جنھوں نے آٹھ سو بھیڑ بکریوں کی جگہ آٹھ سو غلام مراد لیے ہیں جیسا کہ ابن کثیر کی روایت میں بھی ہے۔ واقدی کے مرتب ص ۱۰۲۷ حاشیہ نمبر۲ کا خیال ہے کہ زرقانی نے لفظ راس کو فرس سمجھا اور پڑھ کر گھوڑے مراد لے لیے ہیں۔ جبکہ دوسروں نے راس سے غلام بمعنی سر مراد لیے ہیں۔ لیکن عربی لغت میں راس سے مراد غلام یا گھوڑوں کے سروں کی بجائے بھیڑ بکریوں کے

سر مراد ہوتے ہیں۔ اور حقیقت کے لحاظ سے بھی یہ قرینِ قیاس ہے۔ کیونکہ دومۃ الجندل کی معمولی سی بادشاہت / حکومت نہ اتنی طاقتور تھی اور نہ اتنی مالدار کہ وہ آٹھ سو گھوڑے رکھ سکتی یا آٹھ سو غلاموں کا بوجھ سہار سکتی۔ اس کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ جب کندی بادشاہ نے جزیہ دینا منظور کیا تو کل تین سو دینار کی رقم مقرر ہوئی کہ یہی کل وہاں کے مردوں کی آبادی تھی۔ اس موضوع پر یہ بحث کی جگہ نہیں ہے ورنہ اس کے بہت سے اور بھی قرائن اور شواہد ہو سکتے ہیں۔ ایک اہم نکتہ یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ مآخذ کے مطابق یہ مال و دولت جو اکیدر سے حاصل کیا گیا تھا وہ غنیمت کے بجائے جزیہ یا صلح کے نتیجہ میں خراج کے ضمن میں آتا ہے۔

(۱۹۶) واقدی، ص ۱۰۳۱ - ۱۰۳۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۷۰۔ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶۷۸؛ ابن ہشام، پنجم، ص ۳۱۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۴؛ طبری، سوم، ص ۲-۱۳۱؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۳۰۰؛ ابنِ کثیر، پنجم ص ۱۰۴ وغیرہ۔

(۱۹۷) ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۹ وغیرہ، واقدی ص ۱۱۷ وغیرہ، ابن سعد، دوم ص ۱۹۰، انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۴؛ طبری، سوم، ص ۱۸۴ وغیرہ؛ ابن خلدون، دوم، ص ۸۴۶؛ ابن اثیر، دوم، ص ۳۱۷؛ ابن کثیر، پنجم، ص ۲۲۲۔

(۱۹۸) حوالہ جات مذکورہ بالا۔

(۱۹۹) مذکورہ بالا جدول سے معلوم ہوتا ہے کہ دو لاکھ درہم سے بھی کم مالِ غنیمت قریش مکہ سے ملا تھا۔

(۲۰۰) غزوہ حنین میں ملنے والے مالِ غنیمت کی مالیت کو اگر مآخذ کے بیان کردہ اسباب و اعداد و شمار پر تخمینہ کیا جائے تو مذکورہ بالا تین ملین درہم کا محض ایک تہائی حصہ آتا ہے لیکن اگر انفرادی مسلم حصہ کی بنیاد پر تخمینہ لگایا جائے تو تین ملین درہم سے زیادہ تخمینہ لگتا ہے۔ قرینِ قیاس ہے کہ اول تخمینہ زیادہ قریبِ حقیقت ہے۔

(۲۰۱) ملاحظہ ہو واقدی ص ۴۰۰۔

(۲۰۲) واقدی، ص ۶۳۵ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی حضرت ابو عبس بن جبر کو سنبلیہ نامی ایک لباس عطا فرمایا۔ یہ غزوۂ خیبر سے ذرا قبل کا واقعہ ہے۔ صحابی موصوف اتنے غریب و نادار تھے کہ غزوہ میں جانے کے لیے زادِ راہ وغیرہ تک سے محروم تھے۔ پرجوش و پر عزم صحابی نے اس ہدیۂ نبوی کو آٹھ درہم میں بیچ دیا۔ دو درہم اپنی غذائی ضروریات پر صرف کیے اور دو درہم اپنے گھر والوں کے لیے چھوڑے اور بقیہ چار درہم سے ایک باربرداری کا اونٹ خرید فرمایا اور غزوہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس واقعہ سے دو اہم نتیجے نکلتے ہیں اول یہ کہ چار درہم میں ہم باربرداری کا اونٹ دستیاب ہو جاتا تھا اور دوم یہ کہ چار درہم روزانہ صرف ناگزیر ضروریاتِ زندگی کے لیے کافی ہوتے تھے۔ اس لحاظ سے سالانہ ایک ہزار چار سو چالیس درہموں کی ضرورت ایک چھوٹے سے خاندان کو اپنی ناگزیر ضروریات کے لیے پڑتی تھی۔

(۲۰۳) ملاحظہ ہو حوالہ متعلقہ مندرجہ بالا۔

(۲۰۴) حوالہ مذکورہ بالا۔
(۲۰۵) حوالہ مذکورہ بالا۔
(۲۰۶) واقدی، ص ۶۹۵ حضرت ابوعبس بن جبر صحابیِ رسول کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی میں ناگزیر ضروریات کے لئے تقریباً پندرہ سو درہم سالانہ کی ضرورت پڑتی تھی اور دُوسری ضروریاتِ زندگی کے لیے قیاساً اتنی ہی مزید رقم درکار تھی۔ اس طرح عام ضروریاتِ زندگی کے لیے تین ہزار درہم کی رقم ناگزیر بن جاتی ہے۔ اس قیاس کی تصدیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اپنی خلافت کے ابتدا ہی میں مقررہ تنخواہ سے ہوتی ہے۔ ابن سعد، سوم ص ۱۸۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خلیفۂ اول کی تنخواہ سالانہ ڈھائی ہزار درہم یا تین ہزار درہم مقرر کی گئی تھی۔ ایک دُوسری روایت (ابن سعد، سوم، ص ۱۸۷) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کی تنخواہ سالانہ چھ ہزار درہم تھی مگر در اصل یہ معاملہ التباس ہے کیونکہ جس سیاق میں یہ روایت آئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کل میزان رقم تھا جو حضرت موصوف نے اپنی مدتِ خلافت کے دوران وصول کیا تھا کیونکہ ایک اور روایت (سوم ص ۱۹۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف نے اس رقم کی بیت المال کو واپسی کی اپنے ورثہ کو وصیت کی تھی۔ مزید روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تنخواہ آپ کی خلافت کے ابتدائی چھ ماہ بعد طے کی گئی تھی۔ اس طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ خلیفۂ اول نے اپنی ڈھائی سالہ خلافت (ربیع الاول ۱۱ھ تا جمادی الآخرہ ۱۳ھ) کے دوران صرف دو سال کی تنخواہ لی تھی جس کی مجموعی رقم چھ ہزار درہم بنتی ہے۔ اس طرح ڈھائی ہزار والی روایت صحیح نہیں ہے اور زیادہ صحیح روایت تین ہزار والی ہے۔ اسی ضمن میں یعقوبی، دوم ص ۱۳۶ کی روایت کا بھی ذکر کرنا چاہیے جس کے مطابق خلیفۂ اول روزانہ صرف تین درہم تنخواہ (اجرتاً) بیت المال سے لیا کرتے تھے۔ اس کے اعتبار سے موصوف کی سالانہ تنخواہ کل ایک ہزار اسی درہم قرار پاتی ہے اور ظاہر ہے کہ بوجوہ معلوم یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ ان دو واضح روایتوں کے علاوہ دوسرے بہت سے شواہد و قرائن ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ تین ہزار درہم سالانہ میں ایک مختصر سا خاندان تنگی ترشی کے ساتھ گزر بسر کر سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خلافت صدیقی میں تنخواہ کی یہ تعیین عہدِ نبوی کے زمانۂ مبارک کے قریب ہی تھی اور دونوں عہدوں میں قیمتوں میں قطعی فرق نہیں پڑا تھا کہ ابھی فتوحات کا سلسلہ نہیں شروع ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی تنخواہ کے لیے مزید ملاحظہ کیجئے: ابنِ اثیر، دوم، ص ۴۲۳-۴۲۴۔
(۲۰۷) جہاں تک اس تنخواہ/رقم میں ایک مختصر سے خاندان کی گزر بسر کا تعلق ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرِ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے اور تنخواہ مذکورہ کی تعیین کے وقت اس کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ وہ محض ناگزیر ضروریات کے لیے کافی ہو سکتی تھی۔ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو میٹھا کھانے کا شوق تھا مگر تنخواہ کی رقم سے اس کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ کفایت شعار و محبت کیش بیوی نے جز رسی کر کے اور تھوڑا تھوڑا سا بچا کر کے ایک دن اپنے عظیم و محبوب شوہر کے لیے میٹھے کا انتظام کر ہی لیا۔

(۲۰۸) برکات احمد، مذکورہ بالا، ص ۳ - ۴۲ -

(۲۰۹) ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ ص ۵۵۰ کا بیان ہے کہ "مسلمان جو فتح مکہ میں موجود تھے دس ہزار تھے جن میں سے بنو سلیم کے سات سو (بعض کے مطابق ایک ہزار) تھے، بنو غفار کے چار سو، بنو اسلم کے چار سو، مزینہ کے ایک ہزار تین تھے اور بقیہ قریش و انصار، ان کے حلفا اور تمیم، قیس اور اسد وغیرہ عرب بدوی قبائل کے دستے تھے۔" نیز ملاحظہ ہو ص ۵۴۵ جہاں مذکورہ بالا روایت میں یہ اضافہ ملتا ہے کہ "مہاجرین و انصار کل کے کل گئے تھے اور ان میں سے ایک بھی پیچھے نہیں رہا تھا۔" اس جملہ سے یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہیے کہ مدینہ کے دفاع کے لئے کوئی نہیں رہا تھا۔ نیز ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۸۰۰ جن کا بیان ہے کہ مہاجرین و انصار کے پیادہ سپاہیوں کی تعداد بالترتیب سات سو اور چار ہزار تھی۔ اور ان پر مستزاد ان دونوں کے آٹھ سو شہسوار تھے: تین سو مہاجرین کے اور پانچ سو انصار کے۔ اس طرح کل تعداد ساڑھے پانچ ہزار بن جاتی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن اثیر، دوم، ص ۲۴۴؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۶ - ۲۸۵ -

(۲۱۰) ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵۴۵؛ واقدی، ص ۸۰۰ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۵ - اگرچہ مآخذ میں محافظ فوج کا ذکر صراحتاً یا ضمناً نہیں ملتا تاہم یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ مضمر ہر جگہ ہے۔

(۲۱۱) اس مہم کی اسلامی فوج کا قبائلی تجزیہ ہمارے مآخذ میں نہیں ملتا۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام، چہارم، ص ۱۶۹ وغیرہ؛ واقدی، ص ۹۰ - ۹۸۹ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۵ وغیرہ؛ انساب الاشراف، اول ۳۶۸؛ یعقوبی، دوم، ص ۸ - ۶۷؛ طبری، سوم، ص ۱۰۰ وغیرہ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۲۷۶ وغیرہ؛ ابن خلدون، دوم، ص ۱۹-۱۸ وغیرہ؛ ابن کثیر، پنجم، ص ۲ وغیرہ۔

(۲۱۲) ابن کثیر، الفصول فی سیرۃ الرسول، مکتبہ دار التراث، مدینہ ۳-۱۴۰۲ھ / ۳-۱۹۸۲ء، ص ۲۷۷؛ ابن کثیر نے دو روایتیں اس ضمن میں بیان کی ہیں ایک حضرت امام شافعی کی سند پر بیان ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مسلمانوں کی کل تعداد ساٹھ ہزار تھی جن میں سے نصف مدینہ میں آباد تھے۔ دوسری روایت ابو زرعہ رازی کی سند پر بیان ہوئی جو مسلم آبادی کی کل تعداد ایک لاکھ نفوس سے زیادہ بتاتی ہے۔

(۲۱۳) بحوالہ محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، انگریزی، حیدر آباد دکن ۱۹۷۴ء، ص ۸۰ (پیراگراف نمبر ۱۷۵)، اردو ترجمہ از نذیر حق، نقوش لاہور ۱۹۸۲ء، رسولؐ نمبر، دوم، ص ۵۸۹ -

(۲۱۴) ایضاً۔

(۲۱۵) واقدی، ص ۲۰۰ - ۱۹۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۷؛ نیز ملاحظہ فرمائیے انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۲؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۱۰ -

(۲۱۶) واقدی، ص ۳۸۹۔

(۲۱۷) واقدی، ص ۸۵۴، ۸۶۳-۴ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۶۳۔ وہ تین مکی جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرضے دئے تھے ان میں صفوان بن امیہ نے پچاس ہزار درہم، عبداللہ بن ابی ربیعہ نے چالیس ہزار درہم اور حویطب بن عبدالعزیٰ نے چالیس ہزار درہم دئیے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۳۹۶-۷ ؛ ابنِ ہشام، چہارم، ص ۹۸ ؛ طبری، سوم، ص ۷۳ ؛ یعقوبی، دوم، ص ۶۲ ؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۲۶۲ ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۳۲۴۔

(۲۱۸) واقدی، ص ۹۹۱ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۶۸۔ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۶۰۳ ؛ (ص ۷۸۳، ابنِ ہشام کی رائے کے لیے) ؛ طبری، سوم، ص ۱۰۲ ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۲۷۷ ؛ ابن کثیر، پنجم، ص ۴ ؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۱۹، ۸ جن کا بیان ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام میں سے تھے جنھوں نے سب سے زیادہ عطیہ دیا تھا۔ ان کے علاوہ ایک روایت یہ بھی آتی ہے کہ صحابی موصوف نے ایک ہزار دینار نقد (بارہ ہزار درہم) دئے تھے اور غریب و مفلس مسلم مجاہدین کو نو سو اونٹ اور سو گھوڑے فراہم کیے تھے اس کے علاوہ ان کی دوسری ضروریات بھی مہیا کی تھیں۔ ہمارے حساب کے مطابق اس طرح عثمانی عطیہ کی مالیت صرف مویشیوں اور نقد کی اٹھتر ہزار درہم آتی ہے اور اس میں ضروری اسباب رسد و آلاتِ حرب کی قیمت شامل نہیں ہے۔ اگر ان کو بھی شامل کر لیا جائے تو بہر صورت ایک لاکھ درہم سے عطیہ متجاوز ہو جائے گا۔

(۲۱۹) مسلم مجاہدین کی یہ تعداد تمام غزوات و سرایا میں شامل ہونے والے صحابہ کرام کی معلوم تعداد پر مبنی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کی انگریزی کتاب مذکورہ بالا، ص ۱۵۱-۲ ؛ نیز مونٹگمری واٹ، محمد مدینہ میں، مذکورہ بالا، ص ۳۳۹-۴۱ پر ضمیمہ متعلق بہ غزوات و سرایائے نبوی۔

(۲۲۰) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۳۰۹-۱۰ وغیرہ ؛ ابنِ ہشام، دوم، ص ۲۸۸-۹ وغیرہ ؛ واقدی ص ۱۲۸-۴۴ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۵ وغیرہ ؛ طبری، دوم، ص ۴۶۳ ؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۳۱ ؛ ابن کثیر، سوم، ص ۳۰۸ وغیرہ۔ نیز ملاحظہ کیجئے ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۳۳-۴ ؛ مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۱۲-۳۔ قربانی، ایثار اور حسنِ سلوک کی صرف دو ایک مثال کافی ہوگی۔ ایک مکی قیدی ابو عزیز عبدری کو جو مشہور صحابیِ رسول حضرت مصعب بن عمیر عبدری کے بھائی تھے ان کے انصاری گرفتار کرنے والے ایثار پسند صحابی نے اپنا کھانا کھلا دیا تھا اور خود کھجوریں کھا کر گزارا کر لیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی کو کرتا فراہم کیا گیا تھا۔

(۲۲۱) واقدی، ص ۹۵۰-۴ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۵۳-۴ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۶۶-۷ ؛ طبری، سوم، ص ۸۶-۷۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵۹۲-۵ ؛ ابن ہشام، دوم،

ص ۹۲-۹۰ -

(۲۲۲) ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۷-۶۷۶ کا بیان ہے کہ "حضرت ثمامہ بن اثال حنفی جو بحالتِ کفر قید ہوئے دورانِ قید ان کی عزت افزائی اور حسنِ سلوک کیا گیا۔" نیز ملاحظہ کیجئے انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۶ - بنو مصطلق اور ہوازن کے قیدیوں کے ساتھ نہ صرف حسنِ سلوک ہوا بلکہ ان کو انسانیت و رحمت کی بنیاد پر بلا شرط رہا کر دیا گیا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۴۹۳، ۳-۵۹۲ وغیرہ؛ واقدی، ص ۲-۴۱۱ وغیرہ اور ۹۴۳ وغیرہ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶۴، ص ۴-۱۵۳ وغیرہ، ان کے علاوہ متعدد اسیرانِ بنی قریظہ کے ساتھ رحمت و شفقت کا سلوک کیا گیا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۴۶۵ وغیرہ؛ واقدی ص ۹-۵۱۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۵ -

(۲۲۳) ابنِ اسحاق، ص ۶-۲۸۵؛ ابنِ ہشام، دوم، ص ۲۳۸؛ واقدی، ص ۳-۱۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۰-۹؛ طبری، دوم، ص ۴۰۷؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۱۲؛ ابن کثیر، سوم ص ۲۴۷؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۷؛ لیعقوبی، دوم، ص ۶۶ -

(۲۲۴) ابنِ اسحاق، ص ۲۶۱؛ ابن ہشام، دوم، ص ۲۳۸؛ واقدی، ص ۱۲؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۰؛ انساب الاشراف، اول ص ۲۰۱؛ طبری، دوم، ص ۴۰۷؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۴-۱۳۹؛ ابن کثیر، سوم ص ۳۴۴ -

(۲۲۵) واقدی، ص ۲۰۷ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۲؛ نیز ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق ص ۳۰۷ وغیرہ؛ ابنِ ہشام، دوم، ص ۳-۴۲۲؛ طبری، دوم، ص ۵۰۷؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۱۴ -

(۲۲۶) مثلاً ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ (انگریزی)، ص ۲۴؛ رودِ فہ اقبال، عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا، ص ۱۱۹۔ البتہ منٹگمری واٹ، محمد مدینہ میں، ص ۲۱، کا بیان ہے کہ اصرار کرنے والے نوجوانوں کے ساتھ دو ایک تجربہ کار بھی شامل تھے -

(۲۲۷) ابنِ اسحاق، ص ۶۰-۵۷۴؛ ابنِ ہشام، سوم، ص ۴۰-۲۳۹؛ واقدی، ص ۵۰۴؛ انساب الاشراف، اول ص ۴-۳۴۳ -

(۲۲۸) ابن اسحاق، ص ۵-۴۶۶؛ ابنِ ہشام، سوم، ص ۹۱-۲۹۰؛ واقدی، ص ۵-۵۶۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۰ وغیرہ؛ نیز ملاحظہ ہو طبری، سوم، ص ۱۵۵ -

(۲۲۹) مذکورہ بالا تمام جدید مورخین ان کی فوجی اہمیت یا کردار کے قائل ہیں -

(۲۳۰) ابنِ اسحاق، ص ۸-۲۶۴ اور ۳۲۳ وغیرہ؛ ابنِ ہشام، سوم، ص ۸۰-۱۸۳ وغیرہ؛ واقدی، ص ۱۲-۲۴۴؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۴-۵۱ اور ۶-۵۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۶-۳۷۵؛ طبری، دوم، ص ۴۲-۵۳۸، ۵۵-۵۴۵؛ لیعقوبی، دوم، ص ۷۰-۶۹ اور ۷۲؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۶۷ اور

۱۷۱ وغیرہ ؛ ابنِ کثیر، چہارم، ص ۶۲ وغیرہ اور ۳۰۷-۱۷۱ -

(۳۱ ۲) ابنِ اسحاق، ص ۳۸۰ وغیرہ ؛ ابنِ ہشام، سوم ص ۱۵ وغیرہ ؛ واقدی، ص ۲۳۱ وغیرہ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۴۴ وغیرہ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۸ وغیرہ ؛ طبری، دوم، ص ۱۵-۵۱۴ وغیرہ ؛ یعقوبی، دوم، ص ۸-۷۴ ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۵-۱۵۴ ؛ ابنِ کثیر، چہارم، ص ۱۷ وغیرہ -

(۳۲ ۲) واقدی، ص ۲-۵۵۱ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۸۵ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷ ؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۲۰۷ -

(۳۳ ۲) ابنِ اسحاق، ص ۶۶۲ ؛ ابنِ ہشام، چہارم، ص ۹۱-۲۹۰ ؛ واقدی، ص ۵۶۴ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۹-۸۸ ؛ یعقوبی، دوم، ص ۷۱ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اثیر، دوم، ص ۲۰۹ -

(۳۴ ۲) واقدی، ص ۲۲۷ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۹-۱۱۸ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن ہشام، چہارم، ص ۲۸۴ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹ ؛ یعقوبی، دوم، ص ۷۴ -

(۳۵ ۲) واقدی، ص ۱۴۷ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۳ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابنِ ہشام، چہارم، ص ۲۸۴ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹ ؛ طبری، سوم، ص ۵-۱۵۴ ؛ یعقوبی، دوم، ص ۷۴ ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۲۲۵ -

(۳۶ ۲) واقدی، ص ۷۵۲ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۸-۱۲۷ ؛ انساب الاشراف، اول ص ۳۸۰ ؛ طبری، سوم ص ۱۵۷ ؛ یعقوبی، دوم، ص ۷۵ ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۲۴۱ -

(۳۷ ۲) ابن اسحاق، ص ۵۴۴ وغیرہ ؛ ابن ہشام، سوم، ص ۳۴۳ ؛ واقدی، ص ۵۵۷ وغیرہ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۰-۱۲۹ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۰ ؛ طبری، سوم، ص ۳۹ وغیرہ ؛ یعقوبی، دوم، ص ۶-۶۵ ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۲۴۴ وغیرہ ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۱۴۲ وغیرہ -

(۳۸ ۲) مسلمانوں کے مختلف کامیاب غزوات جیسے بدر، خندق، مریسیع، خیبر، فتح مکہ اور حنین میں نقصانات کے لیے ملاحظہ ہو : ابنِ اسحاق، ص ۳۰۰، ۴۵۴، ۴۹۱، ۲-۵۱۱، ۵۵۰ اور ۵۶۹ وغیرہ ؛ واقدی، ص ۶۹، ۸۰-۷۷، ۴۰۸، ۶۰۰-۴۶۹، ۶-۸۲۵، ۹۹-۸۹۷، ۳-۹۰۲، ۱۰-۹۰۸، ۹۲۲ وغیرہ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۸-۱۷، ۶۸ وغیرہ ؛ ۶-۶۴ ؛ ۱۳۶، ۱۵۱ وغیرہ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۹۰، ۲۹۵ وغیرہ، ۳۴۵ وغیرہ، ۳۵۵، ۳۶۵ وغیرہ ؛ طبری، دوم، ص ۵۵۴ وغیرہ، ۵۷۵ وغیرہ، ۶۰۴ ؛ سوم ص ۱۰-۹ وغیرہ، ۷۵-۵۵ وغیرہ، ۷۴ وغیرہ ؛ یعقوبی، دوم، ص ۴۵، ۵۱ وغیرہ ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۲۵ وغیرہ، ۱۸۲، ۱۹۲-۲۱۷، ۲۱۷ وغیرہ، ۲۴۷ وغیرہ، ۲۶۳ وغیرہ ؛ ابن کثیر، سوم، ص ۲۸۴ وغیرہ ؛ چہارم، ص ۳-۱۰۲ وغیرہ، ۱۵۹ وغیرہ، ۱۸۸ وغیرہ، ۲۹۲، ۳۳۶ اور ۳۴۰ وغیرہ -

(۳۹ ۲) ملاحظہ ہو تفصیل بحث کے لیے خاکسار کا مضمون "عہدِ نبوی میں مسلم مدنی معیشت" تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ ۱۹۸۳ء۔

جلد دوم ۲، ص ۴۳-۲۱ -

(۲۴۰) ملاحظہ ہو میرا مضمون "کیا مہاجرین مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟"، تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ ۱۹۸۳ء،
جلد دوم ۲، ص ۲۵-۱۱ -

(۲۴۱) مذکورہ بالا -

(۲۴۲) ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد مدینہ میں، ص ۲۵۱ -

(۲۴۳) ملاحظہ ہو میرا مضمون مذکورہ مسلم معیشت پر -

(۲۴۴) اس ضمن میں مکہ کے قریش، طائف کے ثقیف، حضرموت کے اقیال اور دوسری مملکتوں کے آزاد حکمرانوں اور دوسرے قبائل کے سرداروں کا ذکر کیا جا سکتا ہے -

(۲۴۵) قرآن کریم، سورہ انفال، آیت ا وغیرہ - نیز بحث بر آیات غنیمت کے لیے طبری، تفسیر طبری، مرتبہ احمد محمد شاکر، قاہرہ ۱۹۶۰ء، ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، مطبعہ عیسی البابی، مصر - غیر مورخہ، جلد دوم -

(۲۴۶) مثال کے طور پر غزوۂ خیبر کے موقع پر یہی اعلان کیا گیا تھا - نیز ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، اول، ص ۴۸۰ اور حاشیہ ا - نیز خاکسار کا مضمون "شبلی کی سیرت النبی کا مطالعہ — نقد سلیمانی کی روشنی میں" مذکورہ بالا، ص ۴۴ -

(۲۴۷) بحوالہ مونٹگمری واٹ، محمد مدینہ میں، ص ۲۲۰؛ خاکسار کی کتاب "عہدِ نبوی میں تنظیمِ ریاست وحکومت، نقوش لاہور، رسولؐ نمبر، جلد پنجم، ص ۶۵۳ اور ۶۶۱ -

(۲۴۸) مدنی مسلم معیشت پر میرا مضمون ملاحظہ کیجئے -

(۲۴۹) چند مثالیں کافی ہوں گی۔ حضرت ثابت بن قیس خزرجی اور ان کے عم زاد بھائی نے مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والی رقم کو مدینہ منورہ میں ایک باغ کی خریداری میں لگا دیا تھا۔ اسی طرح حضرت ابو قتادہ انصاری نے الردینی نام کا ایک کھجور کا باغ خرید لیا تھا جو بنی سلمہ کے علاقے میں واقع تھا۔ اسی طرح حضرت عزیہ انصاری نے اپنے حصۂ غنیمت کا استعمال کیا تھا۔ حضرات عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، بریدہ بن حصیب اسلمی وغیرہ کے بارے میں روایات آتی ہیں کہ انھوں نے مختلف اوقات میں خیبر کی اراضی میں مالکانہ حقوق حاصل کئے تھے اور ان میں سے کئی مالِ غنیمت کی رقم سے تھے۔ مدنی عہد کے بالکل آغاز میں حضرت سعد بن ابی وقاص زہری نے مدینہ میں ایک جائداد مشتمل بر اراضی وسیع خرید لی تھی اور ان سب سے زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش کے یتیم صاحبزادے کے لیے خیبر میں جائداد خرید دی تھی۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون مسلم معیشت پر۔ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۲۳، ۱۱-۴۱۰، ۶۷۹، ۹-۹۰۸ -

(۲۵۰) حوالہ مذکورہ بالا -

(۲۵۱) حوالہ مذکورہ بالا، نیز میرا مضمون مسلم معیشت پر۔

(۲۵۲) ایضاً

(۲۵۳) فتوح البلدان، ص ۳۱؛ واقدی، ص ۳۷۹۔

(۲۵۴) واقدی، ص ۸۰-۳۷۹۔

(۲۵۵) ملاحظہ ہو مدنی مسلم معیشت پر خاکسار کا مضمون، ص ۹-۲۸۔ نیز ملاحظہ ہو فرید میگگراڈونز (FRED MC-GRAW DONNER کا مضمون "MECCA'S FOOD SUPPLIES AND MUHAMMAD'S BOYCOTT"
JOURNAL OF THE ECONOMIC AND SOCIAL HISTORY OF THE ORIENT (JESHO) جلد ۲۰، حصہ اوّل ۱۹۷۷ء، ص ۲۴۹-۲۶۶۔

(۲۵۶) محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، ص ۸-۲۶۳۔ نیز ملاحظہ ہو مسلم معیشت کا مضمون، ص ۲-۳۱ اور ۳۰۔ نیز ملاحظہ ہو ازرقی، کتاب اخبار مکہ، مرتبہ وستنفیلد بیروت ۱۹۶۴ء، ص ۲-۱۲۱۔

(۲۵۷) حوالہ مذکورہ بالا ۳۰۔

(۲۵۸) واقدی، ص ۸-۳۸۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۴۰-۳۴۰۔ نیز میرا مضمون مسلم معیشت، ص ۳۲۔

(۲۵۹) واقدی، ص ۲-۳۸۱۔

(۲۶۰) واقدی، ص ۴۰۰۔

(۲۶۱) واقدی، ص ۴۱۳۔

(۲۶۲) واقدی، ص ۲-۴۰۰ نیز ص ۷۰-۶۶۹۔

(۲۶۳) ایضاً۔

(۲۶۴) واقدی، ص ۵۷۵۔

(۲۶۵) واقدی، ص ۷۳۷۔

(۲۶۶) واقدی، ص ۹-۹۰۸۔

(۲۶۷) واقدی، ص ۷-۵۳۶۔

(۲۶۸) ابن سعد، چہارم، ص ۹-۳۸۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۰۹۔

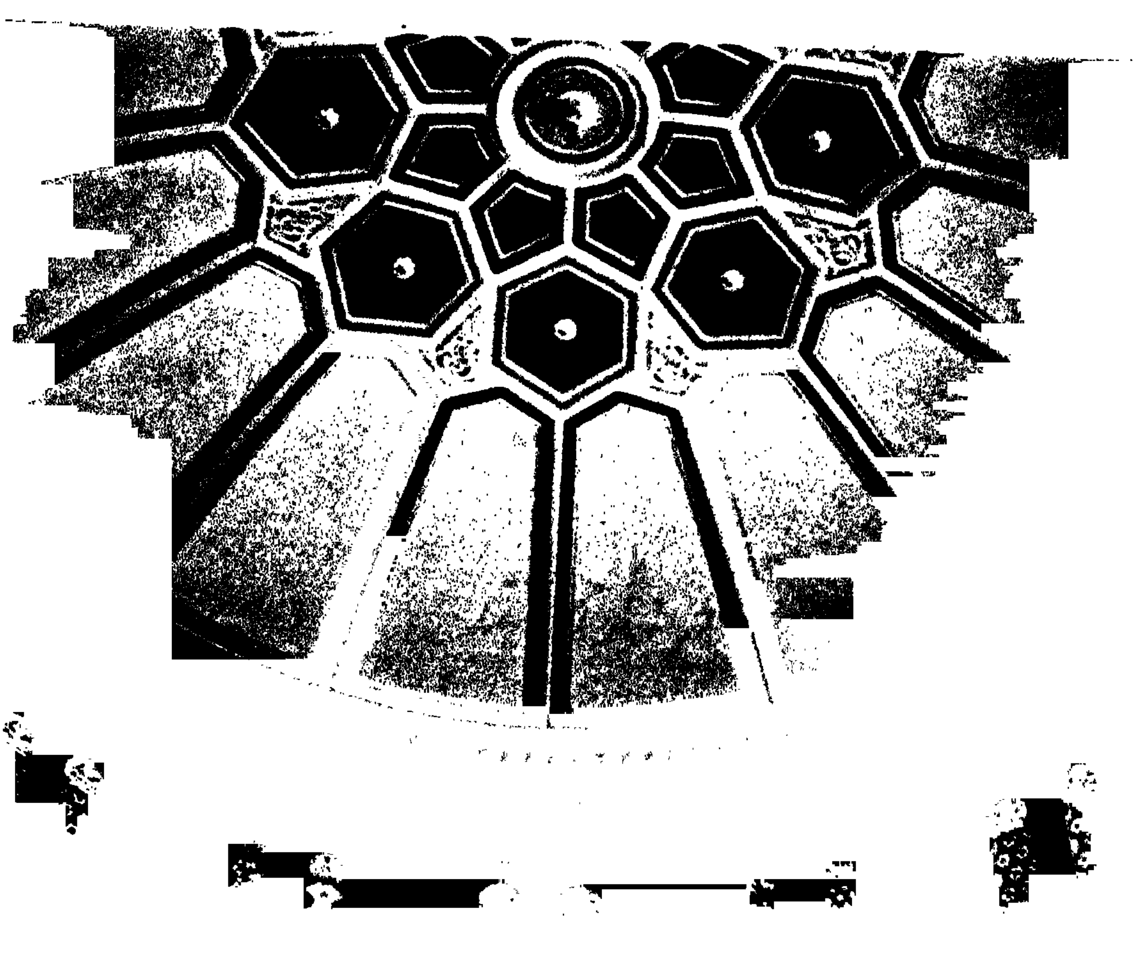
(۲۶۹) قرونِ وسطیٰ میں اس قسم کی مثالیں ہندوستان میں دہلی سلطنت اور مغل سلطنت، یورپ میں بازنطینی سلطنت اور پھر بعد میں صلیبی جنگوں کے ضمن میں بکثرت ملتی ہیں۔ ہندوستان میں دونوں سلطنتوں کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے:

خاکسار کے دو مضمون "MERCHANTS AND THE DELHI SULTANATE" شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۸۴ء جلد پنجم MEDIEVAL INDIA - A MISCELLANY اور "MERCANTILE CLASS IN MEDIEVAL INDIA" PROCEEDINGS OF THE SEMINAR ON MIGRATION IN INDIA منعقدہ زیر اہتمام جیمنی پبلیکیشنز کلکتہ ۱۹۷۷ء۔

يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ اَبْنَآءَهُمْ (البقرۃ، ١٤٦)

وہ آپ کو پہچانتے ہیں اس طرح جیسے کہ اپنی نسل والوں کو پہچانتے ہیں

مستشرقین اور مطالعہ سیرت



مستشرقین اور مطالعۂ سیرت

- تعارف
- تاریخ
- تجزیہ
- فہرست

ڈاکٹر نثار احمد

مستشرقین اور مطالعۂ سیرت

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے ہاں کے علمی اور دینی حلقوں میں مستشرقین کا نام اور ان کا کام اب خاصا مشہور و متعارف ہو چکا ہے اور فی زمانہ ایسے بالغ نظر علماء کی کمی نہیں ہے جو مستشرقین کی علمی مساعی، ان کے "تحقیقی کارناموں" اور ان کے مالہٗ وماعلیہ سے واقف نہ ہوں ۔ تاہم اسلامی علوم کے حوالے سے بالعموم، اور مطالعۂ سیرت کے حوالے سے بالخصوص، مستشرقین کے کام کی نوعیت، ان کے رویّہ اور سلوک اور ان کی کیفیت وکمیت سے عام طور پر بے خبری پائی جاتی ہے۔ اور وقت کی ضرورت ہے کہ اردو داں طبقہ کے سامنے خاص طور پر، پورے مسئلہ کا ایک مفصل علمی جائزہ پیش کر دیا جائے۔

(۲)

تعارف

واقعہ یہ ہے کہ مستشرقین کے بارے میں صورت حال اب پہلے سے بہت مختلف ہو چکی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اسلام پیغمبرِ اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے مستشرقین کا تعصب و تظلّم اپنی انتہا پر تھا[۱]۔ اور ان کی تحریروں میں بے باکی وگستاخی فحاشی کی

---

[۱] یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مصنفین کٹر مذہبی جذبہ کے حامل تھے اور ان کا مشنری جذبہ، جوشِ عداوت میں حقایق سے بے پروا۔ سطر سطر سے عیاں ہوتا تھا۔ بقول ایک مصنف "پروفیسر آربری نے اپنی کتاب Portraits of Persian Poets کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ یورپ میں اسلام پر لکھنے والوں کے تین دور ہیں ۔ جن میں سے پہلا مشنری دور ہے جبکہ یہ لوگ لکھتے ہی تھے اسلام کو رسوا اور بدنام کرنے کے لیے۔" ڈاکٹر آبادی، مولانا سعید احمد، پروفیسر اجناس گولڈزیہر۔ ماہنامہ معارف۔ اعظم گڈھ۔ شمارہ اگست ۱۹۸۲ء۔ ص ۹۶) ایک اور مصنف لکھتا ہے کہ "انتہائی افسوس ہے کہ ماضی میں تمام تر تعلقات۔ عداوت ومخالفت پر مبنی رہے ہیں، سیاسی اور مذہبی دونوں ہی دائروں میں۔"

(Loofty Levonian, studies in Relationship between Islam-and Christianity. London.1940 p.109.)

حد تک پائی جاتی تھی جس سے بعضوں کو خود شرم آئی۔[1] لیکن پھر رفتہ رفتہ بحیثیت مجموعی، مختلف عوامل کے نتیجہ میں، شدت کم ہوتی چلی گئی، مختلف مکاتیبِ فکر وجود میں آئے اور انکشافِ حقیقت کے ساتھ ساتھ خود مستشرقین کے گروہ میں کچھ معتدل قسم کے مصنفین بھی شامل ہو گئے۔[2] یہاں تک کہ عہدِ جدید میں استشراق (Orientalism) اور مستشرقین (Orientalists) مسلم اور غیر مسلم دونوں کی تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اسلام اور دنیائے اسلام کو بہت غلط طور پر پیش کیا ہے۔[3] نتیجتاً یہ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ جو کچھ نظریات پہلے قائم کیے گئے تھے ان کو بالکل بدلنا ممکن نہ ہو، تو ان پر نظرِ ثانی بہرحال کی جانی چاہیے۔[4] شاید یہی وجہ ہے کہ اب بعض مستشرقین نے اپنے نظریات واقعتاً تبدیل کر لیے ہیں[5] اور بعض بجگہ حلقہ بگوشِ اسلام بھی ہو گئے ہیں۔[6]

---

[1] مثلاً سترھویں صدی کا ایک مستشرق ہنری اسٹب م ۱۶۷۶ء اپنی کتاب میں اقتباسات نقل کر کے بار بار (خصوصاً باب دوم و ہشتم و ضمیمہ ص ۴۹، ۱۴۱، ۱۵۵ و مابعد) معذرت کرتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Stubbe, Dr. Henry, An Account of the Rise and Progress of Mohammetanism (Reprint of 1911 ed.) Al-Bairuni Lahore. 1976.

[2] ان باتوں کی کچھ تفصیل آئندہ صفحات میں تاریخی جائزہ کے تحت آئے گی تاہم مجموعی تصور کے لیے دیکھیے:

Rodinson, Maxim, The Western image and Western studies of Islam. The legacy of Islam. Ed.Joseph Schacht, C.E Bosworth Oxford Clarendon Press.1974. p 9-62.

[3] ملاحظہ ہو: Ahsan, M.M.Orientalism and the study of West. The Muslim World. Book Review. vol.1:No.4 Summer 1981. London . p 51.

[4] G.H.Militant IslamJansen. Pan Books. London 1979 p.76.

[5] مثلاً عہدِ جدید کے عظیم ترین مستشرق گب کے نظریات یا دورِ حاضر کے مستشرق اسمتھ وغیرہ۔ اسمتھ اپنی تازہ ترین تصنیف میں رقم طراز ہے کہ "جدید سائنسی تحقیقات نے بہت سے مفروضات کو باطل قرار دے دیا ہے اور جدید مغرب اب اسلام کے معاملہ میں نرم (Soft) پڑ گیا ہے۔ اور ہر معاملہ میں نفی (No.1) سے رجوع کر لیا ہے (ص ۲۹۶)، اس نے سرتاج علمائے مغرب H.A.R. GIBB کے بارے میں صاف لکھا ہے کہ وہ قرآن کو وحی الٰہی اور تنزیل ماننے لگا تھا (ایضاً) ایک اور مسیحی عالم Kenett Cragg کے متعلق اس کی شہادت ہے کہ وہ قرآن کو مذہبی اعتبار سے مسترد کرنے سے انکاری ہے (ایضاً) آگے چل کر اسمتھ نے توقع ظاہر کی ہے کہ آئندہ زمانہ (چند سالوں) میں غالباً مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سوال و جواب میں یکسانیت پیدا ہو جائے گی (ص ۲۹۹)

Smith, W.C. On understanding Islam, Selected Studies. Mounton Publishers. Hague. 1981.

[6] مثلاً زندہ مستشرقین میں سے مارٹن لنگز (Martin lings)، شُن Schun اور حامد الگر (Hamid Algar) وغیرہ۔ مارٹن لنگز نے تو سیرتِ رسولؐ پر ایک ضخیم کتاب "اسلامی ابتدائی ماخذ کی روشنی میں" لکھی ہے۔ دیکھیے:

Lings, Martin, Muhammad. (His life based on the earliest Sources). George Allen & Unwin London 1983

(۳)

آغاز کار

دنیا کی مختلف زبانوں میں بالعموم اور انگریزی[1] اور عربی میں بالخصوص مستشرقین کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین کے علم و تحقیق کی نوعیت و حقیقت اپنے پرایوں سب پر کھلتی چلی جا رہی ہے۔ بلکہ پچھلے دو ایک عشروں میں تو انگریزی زبان میں بعض کتابوں کی اشاعت نے خود مغربی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا ہے[2]۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی حالات، دنیا کے ہر حصہ میں بہت کچھ منقلب ہو چکے ہیں۔ علم و تحقیق کی بہت سی نئی راہیں دریافت ہو چکی ہیں اور بوڑھوں کے مقابلہ میں نوجوان نسل فکر و نظر کی نئی تبدیلیوں کی نقیب بنتی جا رہی ہے۔ انگریزی کے علاوہ عربی زبان میں بھی مستشرقین کے حوالہ سے بعض اہم کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں[3]۔ جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے تو تاریخی اعتبار سے جس طرح

---

[1] انگریزی زبان میں اس موضوع پر لکھی جانے والی قابلِ ذکر کتابوں کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو:

(i) Ahsan, M.M. A select Bibliography. The Muslim World. Book Review vol. 1. No.4 London Summer 1981 p.51=60.

(ii) Hamadeh, Muhammad Maher, Muhammad The Prophet, A selected Bishiography. Ph.D. Thesis. Michigan University 1965 (Unpublished - Micro-film copy, Varsity of Kar).

(iii) Pearson, J.D. Index Islamicus. (1906-1955) W. Haffer. Cambridge. England. 1958. Supplement I (1956-1960) Mansell London 1973 Supplement II (1961-1965) Mansell 1974,

[2] ان کتابوں میں خاص طور پر ایڈورڈ ڈبلیو سعید کی کتاب قابلِ ذکر ہے۔ مصنف نے استشراق کے تمام مسائل پر مفصل بحث اور جرأتمندانہ تجزیہ کیا ہے۔ دیکھئے:

Said, Edward, W Orientalism - Routledge Kegam Paul. London 1978.

[3] مثلاً دیکھیے: (۱) العقیقی۔ نجیب، المستشرقون۔ دار المعارف۔ مصر ۱۹۶۴-۶۵ء (ج ۱ تا ۳)

(۲) احمد، ابراہیم خلیل۔ المستشرقون والمبشرون فی العالم الاسلامی۔ قاہرہ ۱۹۶۴ء۔

(۳) زکریا، ہاشم زکریا۔ المستشرقون والاسلام۔ لجنۃ التعریف بالاسلام۔ جمہوریۃ العربیۃ المتحدہ ۱۹۶۵ء۔

(۴) البہی، محمد۔ المبشرون والمستشرقون فی موقفہم عن الاسلام۔ الازہر۔ طبع جدید۔

(۵) الہراوی، حسین، المستشرقون والاسلام۔ المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ۔ ۱۹۶۵ء

(۶) الدسوقی، محمد، الاسلام والمستشرقون۔ قاہرہ۔ ۱۹۶۷ء۔

(۷) شلبی، عبد الجلیل۔ الاسلام والمستشرقون۔ قاہرہ ۱۹۶۷ء۔

(۸) صبرہ، دکتورہ عفاف۔ المستشرقون ومشکلات الحضارۃ۔ دار النہضۃ العربیہ۔ قاہرہ ۱۹۸۰ء۔

ان میں سے اوّل الذکر کتاب اہم ترین اور مفصل ترین ہے جو سرنامہ کے عین مطابق اِس موضوع پر واقعی ایک [باقی بر صفحہ آیندہ]

سیرت نگاری کے حقیقی دور کا آغاز سرسید احمد خاں ۱۸۹۸ء اور ان کے رفقاء سے ہوا۔[1] اُسی طرح مستشرقین کے حوالہ سے بھی مطالعۂ سیرت کا علمی محاذ بھی سب سے پہلے دراصل سرسید احمد خاں نے ہی کھولا۔ اور اس حقیقت کے باوجود کہ سرسید کے دینی افکار میں تجدد کا رنگ نمایاں تھا، اور راسخ العقیدہ علماء کو اُن سے حد درجہ اختلاف تھا اور ہے، سرسید نے جذبۂ ایمانی اور خالص جرأت رندانہ سے کام لے کر[2] اپنے ہمعصر مستشرق سر ولیم میور[3] کی دل آزار تصنیف The Life of Mohammad (حیاتِ محمدؐ) کی اشاعت پر خاموشی کو گناہ کے برابر خیال کیا۔ اور تمام تر کم مائیگی کے باوجود، اہانت رسول کا خاموش بدلہ لینے کے لیے اپنا تن من دھن سب لگا دیا اور خالص علمی سطح پر میور کی کتاب پر تنقید و محاکمہ کر کے، مناظرانہ رنگ سے پاک، تاریخی حقائق و اسناد پر مبنی ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) انسائیکلوپیڈیا (موسوعۃ) کی حیثیت رکھتی ہے۔ پوری کتاب تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے (تقریباً ۱۲۰۰ صفحات) العقیقی نے بڑی جامعیت کے ساتھ دنیائے مغرب کے تمام اہم علاقوں (فرانس، اٹلی، برطانیہ، اندلس، پرتگال، ہالینڈ، جرمنی، ڈنمارک، سوئٹزرلینڈ، سویڈن، روس، امریکہ وغیرہ) کے تمام قابلِ ذکر مستشرقین (اگرچہ بعض کا ذکر چھوٹ گیا ہے مثلاً فان کریمر وغیرہ) کے احوال و آثار کو جمع کر دیا ہے۔

[1] کشفی، سید ابوالخیر، اردو میں سیرت نگاری۔ نقوشِ سیرت۔ مرتبہ نثار احمد۔ ادارہ نقشِ تحریر۔ کراچی ۱۹۶۸ء۔ ص ۶۴۔

[2] سرسید جذباتِ دل کو الفاظ کا جامہ یوں پہناتے ہیں، ؎

خدا دارم، دل بریاں ز عشقِ مصطفٰےؐ دارم
نہ دارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم

حالی رقمطراز ہیں کہ جس زمانے میں سرسید، سر ولیم میور کی کتاب لائف آف محمدؐ کا جواب لکھنے کی تیاری کر رہے تھے انھوں نے ولایت سے مولوی سید مہدی علی خاں کو ایک خط میں یہ الفاظ لکھے تھے: "مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ آنحضرتؐ کی سیرت میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا کتاب لکھی جائے اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے، قیامت میں تو یہ کہہ کر پکارا جاؤں گا کہ اُس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر فقیر ہو کر مرگیا حاضر کرو۔ مارا ہمیں نعرۂ شاہنشاہی بس است۔" ملاحظہ ہو (حالی، مولانا الطاف حسین۔ حیاتِ جاوید۔ عشرت پبلشنگ ہاؤس۔ کراچی۔ طبع جدید۔ دسمبر ۱۹۶۵ء۔ ص ۲۷۹)

[3] سر ولیم میور (۱۸۱۹ تا ۱۹۰۵) مشہور انگریزی مستشرق، عربی کا مستند عالم، انگریز سرکار کا نمائندہ، منتظم سیاس، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں آگرہ میں شعبۂ جاسوسی کا سربراہ اور متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ اس کا بھائی جان میور (۱۸۱۰ - ۱۸۸۲) بھی مستشرق اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم تھا۔ ملاحظہ ہو: Websters' Biographical Dictionery. Marian Co. Mussachusets. 1974. p.1067.

[4] یہ کتاب بزبان انگریزی چار جلدوں میں پہلی مرتبہ (۱۸۵۸ تا ۱۸۶۱ء) میں شائع ہوئی (ایضاً)۔ ایک مصنف کے بقول یہ کتاب سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو جانے اور مسلمانوں کی خود مختارانہ حکومت اور سیاسی اقتدار کے خاتمہ کے بعد اسلام کے دینی تفوق کو مٹانے کے لیے مسیحی کوششوں کے ضمن میں اسٹراس کے طرزِ استدلال کی پیروی کرتے ہوئے شائع کی گئی تھی (نواب علی۔ پروفیسر سید۔ سیرتِ رسول اللہ۔ مکتبہ افکار۔ ۱۹۶۶ء۔ دیباچہ ص ۱۸) یہ کتاب میور نے ایک مشہور یورپی پادری پی فنڈر کی فرمائش اور اصرار سے لکھی تھی۔ پانی پتی۔ دیباچہ۔ الخطبات الاحمدیہ۔ سرسید احمد خاں۔ نفیس اکیڈمی۔ کراچی ۱۹۶۴ء۔ ص ۹)

جوابی کتاب "الخطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرت المحمدیہ" لکھی۔[1] اور یُوں انیسویں صدی کے اواخر سے گویا مستشرقین کے مقابلہ میں ایک جوابی علمی تحریک کا آغاز ہوگیا۔ یہ بڑا اہم دور تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب مستشرقین یورپ فی الواقع سیرت رسولؐ کے اصل عربی مآخذ سے علمی طور پر واقف ہوئے اور پھر اُن ہی منظم کوششوں سے بہت سے مآخذ حلیۂ طبع سے آراستہ ہوکر مسلمانوں تک پہنچے۔[2] اسی دور میں مستشرقین نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام پر اپنے شدید حملے جاری رکھے اور تلاش کرکر کے مجروح اور ناقابلِ اعتماد

---

[1] یہ کتاب لکھنے کے لیے سرسید نے جس شیفتگی و وارفتگی کا مظاہرہ کیا وہ ان کی کتابِ ایمان کا اہم ورق ہے۔ میور کی کتاب دیکھ کر ان کا دل "کباب" ہوجانا۔ اور نقدجاں صرف ہوجانے کی بھی پروا نہ کرنا، پھر ۱۸۶۹ء میں ان کا انگلستان کا سفر، کتابوں کی تلاش وجستجو، کتب خانوں کی خاک چھاننا، قرض ادھار کرکے سرمایہ کی فراہمی اور اشاعت کے انتظامات اور کتاب کی تحریر و تسوید کے دوران اپنے اوپر خواب وخور حرام کرلینا، سرتا سر غیرت وحمیتِ ایمانی پر دلیل ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مکتوباتِ سرسید۔ مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (خطوط بنام محسن الملک مولوی مہدی علی خاں) مجلس ترقی ادب۔ لاہور ۱۹۵۹ء ص ۳۹ تا ۷۵۔ نیز دیکھیے حالی۔ حیاتِ جاوید۔ ص ۱۵۰ تا ۱۶۰۔ نیز ص ۴۰۳ تا ۴۲۶۔ سرسید نے یہ کتاب پہلے اردو میں لکھی۔ پھر اس کا خلاصہ ترجمہ انگریزی میں، لندن سے ہی Essays on the life of Mohammad کے نام سے ۱۸۷۰ء میں شائع کرایا (دیباچہ، الخطبات الاحمدیہ۔ کراچی۔ ایڈیشن ۱۹۶۴ء ص ۱)۔ نیز ملاحظہ ہو:

Essays on the life of Mohammad. (Preface 21 Masckienburgh Square, London. W.C. March 1870);

First Reprint. Premier Book House, Lahore 1969

لندن میں قیام کے دوران ہی سرسید نے جان ڈیون پورٹ کی کتاب "اپالوجی فار محمدؐ اینڈ قرآن" کو خود اپنے روپے سے چھپوایا (حالی۔ ص ۲۵۲) اور گاڈ فری ہگنز کی کتاب کا ترجمہ کرایا (ایضاً) سرسید چند مصنفین سے خاص طور پر متاثر تھے (گبن، گاڈفرے ہگنز، کارلائل اور جان ڈیون پورٹ) چنانچہ دیباچہ میں ان کا تذکرہ بھی کیا ہے اور اقتباسات بھی نقل کیے ہیں۔

[2] مولانا شبلی کی تصریح کے مطابق سب سے پہلے (Reiske) نے ۱۷۷۰ء میں تاریخ ابوالفدأ مع ترجمہ لاطینی وحواشی پانچ جلدوں میں شائع کی۔... ۱۸۵۶ء میں وان کریمر (Kremer) نے کلکتہ میں محمد بن سعد واقدی کی کتاب المغازی طبع کرائی، ۱۸۶۰ء میں ابن ہشام کی مشہور تصنیف سیرۃ الرسول کی گوٹنگن (Cottingen) سے اشاعت کی۔ اس کے علاوہ اسی مستشرق نے سمہودی کی تاریخ مدینہ اور ابنِ قتیبہ کی تاریخ معارف طبع کرائی، ۱۸۶۴ء میں ڈاکٹر ویل (G.Weil) نے ابن ہشام کا جرمنی میں ترجمہ کیا، ۱۸۶۱ء میں پیرس سے مسعودی کی تاریخ مروج الذہب مع ترجمۂ فرانسیسی پروفیسر ڈی مانیارڈ نے شائع کی، والہوسن (Weil hausen) نے ۱۸۸۲ء میں واقدی کا جرمن ترجمہ بعنوان "محمدؐ ین مدینہ" برلن سے شائع کیا۔... (دیکھیے شبلی، سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۹)

روایتوں کو بطور سلاح استعمال کیا تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے سیرتِ رسولؐ کا اعتبار اُٹھ جائے اور پھر اس کے نتیجہ میں آپؐ کا لایا ہوا دین بھی بے اعتبار و بے وقعت ٹھہرے۔

(۴)

ابتدائی جائزہ

سرسید کی مخلصانہ کوششوں سے تحریکِ استشراق کے بالمقابل جس علمی تحریک کا آغاز ہوا تھا اُسے بعد میں مزید توسیع و ترقی حاصل ہوئی۔ اس سلسلہ میں اگرچہ مختلف بزرگوں نے قلم اٹھایا[1] اور سیرت پر متعدد کتابیں لکھی گئیں، لیکن جو شہرتِ عام اور بقائے دوام علامہ شبلی م ۱۹۱۴ء کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی۔ علامہ شبلی کو یہ تقدم بھی حاصل ہے کہ انھوں نے محض چند

---

[1] ان میں سے تین حضرات قابلِ ذکر ہیں:

(i) جسٹس سید امیر علی (۱۸۴۹ تا ۱۹۲۸)، جو مسلمانانِ ہند کے ایک لیڈر رہے اور ممتاز قانون دان ہونے کے ساتھ ساتھ بہت مشہور مصنف و مصنّف بھی تھے۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ کچھ کتابوں کا اردو میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے ان کی دوسری کتابوں میں بھی اگرچہ حضورؐ کی سیرت و سوانح بیان کی گئی ہے لیکن اہم ترین کتاب A critical Examination of the life and teachings of Mohammad. جو پہلے پہل لندن سے ۱۸۷۳ء میں شائع ہوئی (ہمارے سامنے اس کا کراچی ایڈیشن مطبوعہ ایس ایم میر ۱۹۷۶ء کا ہے)۔ یہ کتاب انگریزی زبان میں ہے اور اس میں مستشرقین پر تنقید و محاکمہ بھی موجود ہے۔

(ii) قاضی سلیمان منصور پوری ایک غیرت مند مسلمان، محقق، عالم، مبلغ، مناظر سب ہی کچھ تھے ان کی آرزو تھی کہ سیرت پر تین کتابیں لکھیں۔ مختصر، متوسط اور مفصل۔ مختصر ۱۸۹۹ء کو "مہرِ نبوت" کے نام سے شائع ہوئی۔ متوسط کتاب "رحمۃٌ للعالمین" تین جلدوں میں نکلی۔ پہلی جلد ۱۹۱۳ء میں، دوسری ۱۹۲۱ء میں اور تیسری ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ مطوّل کتاب قاضی صاحب نہ لکھ سکے تاہم جلد سوم میں قاضی صاحب نے بطور خاص غیر مذاہب کے اعتراضات کا جواب اور یہود و نصاریٰ کے دعاوی کا ابطال کیا ہے (دیکھیے خطبۂ استقبالیہ۔ رحمۃٌ للعالمین۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور ۱۹۵۳ء)

(iii) پروفیسر سید نواب علی نے بڑی طویل عمر پائی۔ سید نواب علی د ۱۹۶۱ء علوم جدیدہ کے علاوہ مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں سے بھی خوب واقف تھے۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں لیکن خاص "سیرتِ رسول اللہ" ہے۔ کتاب کا اصل محرک مستشرقین کی ہرزہ سرائیاں ہی تھیں۔ (دیکھیے دیباچہ مطبوعہ مکتبۂ افکار۔ کراچی ۱۹۶۵ء تا ۱۹۶۶ء) کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا۔

مستشرقین کی انفرادی کوششوں کو ہی نشانۂ تنقید نہیں بنایا بلکہ انہوں نے پورے گروہِ مستشرقین کو اپنے سامنے رکھا جو اسلام اور علومِ اسلامی پر بالعموم اور سیرتِ رسولؐ پر بالخصوص طبع آزمائی کر رہا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ تحریکِ استشراق کے جواب میں علمی و تحقیقی کام کا ایسا نقشہ مرتب کیا کہ اگر ان کی زندگی وفا کرتی اور وہ اس کو عملی جامہ پہنا سکتے تو سیرۃ النبیؐ، مستشرقین کے اعتراضات و مطاعن کا بھی یادگار جواب بن جاتی۔ بہرحال مطبوعہ سیرۃ النبیؐ کے آغاز میں ہی اور باتوں کے علاوہ علامہ شبلی نے "یورپین تصنیفات"[1] کے عنوان سے مستشرقین کی تصنیفات، ان کے اسباب و محرکات[2]، ان کے اصولِ مشترکہ[3] اور ان کی مساعی کا عہد بہ عہد جائزہ لیا[4] اور پھر مشہور مستشرقین کی ایک مختصر فہرست بھی شاملِ کتاب کر دی۔[5] یہ تمام کام اپنے ابتدائی درجہ میں تشنۂ طلب ہونے کے باوجود نہایت وقیع ہے۔[6]

علاوہ ازیں علامہ شبلی چونکہ اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ کو ایک دائرۃ المعارف بنانا چاہتے تھے[7] اس لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ مستشرقین کے

---

[1] شبلی۔ سیرت النبیؐ۔ حصہ اول ص ۸۶۔

[2] ایضاً ص ۹۷ تا ۹۹۔

[3] ایضاً ص ۱۰۰۔

[4] ایضاً ص ۸۰ تا ۹۲۔

[5] ملاحظہ ہو (ایضاً ص ۹۳ تا ۹۵) اس فہرست میں علامہ شبلی نے مشہور مستشرقین کے نام، ان کی تصنیفات اور ملک کا نام بتقید سنین درج کیے ہیں۔ فہرست میں کل اندراجات ۳۷ لیکن نام ۳۲ مصنفین کے ہیں۔ بہ اعتبار توطن انہوں نے مستشرقینِ یورپ کے پانچ گروہوں کو شاملِ فہرست کیا ہے یعنی انگلستان کے (۱۳)، جرمنی کے (۸)، فرانس کے (۷)، ہالینڈ کے (۳)، اور اٹلی کا (۱)۔ ان میں بالتزام صرف سیرت پر لکھنے والے نہیں ہیں بلکہ اسلام، پیغمبرِ اسلام اور اسلامی مآخذ پر کام کرنے والے، سب ہی مستشرقین کا اندراج ہے۔

[6] شبلی کی کتاب بقول ڈاکٹر سید عبداللہ "سیرۃ نگاری کا مثالی نمونہ ہے اور اس کا ایک خاص وصف جدید مغربی سوانح نگاروں کی مدلل تردید و تنقید اور ان کے ذہنی اسباب کی پردہ دری ہے۔ تاہم بہت سے مقامات پر شبلی کی رائے معذرت خواہانہ ہے اور مدافعانہ ہے بلکہ شبلی نے مورخینِ یورپ کے اعتراضات سے دب کر آنحضرتؐ کے غزوات کے سلسلہ میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی معذرت کا لہجہ اختیار کیا ہے (ملاحظہ ہو عبداللہ، ڈاکٹر سید۔ فنِ سیرت نگاری پر ایک نظر۔ ماہنامہ فکر و نظر۔ اسلام آباد۔ شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء۔ ص ۸۳۱)

[7] اپنے ایک مکتوب میں علامہ شبلی نے خود لکھا: "سیرت کی چار جلدیں ہوں گی، ایک جلد اس کے لیے مخصوص ہوگی۔ چاہتا ہوں کہ ہر قسم کے مطالب سیرت میں آجائیں، یعنی تمام مسائلِ مہمات پر ریویو، قرآن مجید پر پوری نظر، غرض سیرت نہ ہو بلکہ انسائیکلو پیڈیا ہو۔ اور نام بھی "دائرۃ المعارف النبویہ" موزوں ہوگا۔ گو لمبا ہے۔ (دیکھیے مکاتیبِ شبلی۔ مرتبہ سید سلیمان ندوی۔ مطبع معارف۔ اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء ص ۲۰۲)

مطالعۂ سیرت کو معیارِ تنقید پر نہ پرکھتے اور نہ زیرِ بحث لاتے[1] بلکہ مستشرقین کی نام نہاد علمی تحقیقات کا پردہ چاک کرنا اور سیرت کے حوالے سے ان کی غلط بیانیوں پر تنقید و تعقیب تو گویا منتہائے مقصود تھا[2]۔ اور ان کی زندگی کی آخری خواہش تھی[3] غالباً اسی لیے انھوں نے سیرۃ النبی کے مجوزہ خاکے میں "پانچواں حصہ" خاص یورپین تصنیفات کے متعلق شامل کیا تھا[4] جو اگرچہ پورا نہ ہو سکا۔ تاہم آنے والوں کے لیے روشنی چھوڑ گیا اور یہ ثابت کر گیا کہ خود مولانا شبلی مسئلہ مستشرقین کی گیرائی و گہرائی کا بہ حدِ غایت ادراک

---

[1] یہ فکر مولانا شبلی پر اس حد تک طاری تھی کہ نجی خطوط اور مکاتیب تک میں نشان دہی فرما دیتے تھے۔ مثلاً مولوی حبیب الرحمن صاحب شیروانی کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ "بقدرِ ہمت کام کر رہا ہوں۔ یورپین مورخوں کی تصنیفات کشتِ زعفران نظر آتی ہیں۔ سیکڑوں ہوائی قلعے بنائے ہیں"! مکاتیب شبلی، حصہ اول، ص ۱۹۹)

تقریباً ایک ماہ کے بعد (۲۱ جولائی ۱۹۱۲ء) پھر رقمطراز ہیں: "انگریزی کتابوں سے جس قدر اقتباسات ہو رہے ہیں اُن سے کذب و افترا کا عجیب منظر سامنے آجاتا ہے۔ مرگولیس پروفیسر آکسفورڈ، سب سے بڑا عربی عالم ہے۔ اس کی "لائف آف محمدؐ" دیکھنے کے قابل ہے۔ لکھتا ہے کہ عبدالمطلب' مطلب کے غلام تھے۔ کعبہ آنحضرت صلعم سے صرف سو برس پہلے کی عمارت تھی وغیرہ وغیرہ۔ (ایضاً ص ۲۰۱)۔ ۶ ستمبر ۱۹۱۲ء کے خط میں لکھا: "آپ کو ایک تصنیف پر تعجب ہے، یہاں تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ مارگولیس سب سے بڑا عربی دان ہے۔ اس کی تصنیف کا لفظی ترجمہ ہو رہا ہے۔ ایک حرف بھی ساری کتاب میں صحیح نہیں۔ تحقیقات سُنیے۔ رسول اللہ نبوت سے پہلے سوتے وقت لات و عزیٰ کی پوجا کر لیا کرتے تھے۔ نبوت کی تعلیم انھوں نے مسیلمہ سے پائی۔ محمدؐ کا نام فیل محمود (ابرہہ کا) کی مناسبت سے رکھا گیا۔ مسیلمہ سے حنیفی دین کا لقب لیا۔ حضرت عثمان اس لیے مسلمان ہوئے کہ رسول اللہ کی صاحبزادی پر عاشق ہوئے (نعوذ باللہ) اور نکاح کا اقرار ہوا" (ایضاً ص ۲۰۲)۔

[2] ایک خط کا متن ہے "سیرت نبوی جو زیرِ تصنیف ہے، میں چاہتا ہوں کہ یورپ کے مصنفین نے جو کچھ آنحضرتؐ کے متعلق لکھا ہے اس سے پوری واقفیت حاصل کی جائے تاکہ ان کے تائیدی بیان حسبِ موقع حجتِ الزامی کے طور پر پیش کیے جائیں اور جہاں انھوں نے غلطیاں اور بد دیانتیاں کی ہیں نہایت زور و قوت کے ساتھ ان کی پردہ دری کی جائے۔ (ایضاً، ص ۲۰۱)

[3] منشی محمد امین کے نام ایک خط میں رقمطراز ہیں:

"سیرت کے سو صفحے ہو چکے تھے لیکن نظرِ ثانی میں پھر کچھ کا کچھ ہو گیا۔ یورپ کی غلط بیانیوں کا ایک دفتر ہے۔ ان کے ایک ایک حرف کے لیے سیکڑوں ورق الٹنے پڑتے ہیں یہ کمبخت لکھتے جھوٹ ہیں لیکن بے پتہ نہیں لکھتے۔ یہاں ہمارے سیرت نگاروں نے خود بہت بے احتیاطیاں کیں ..... لیکن اب روپے کا نہیں میری جان کا معاملہ ہے، ہر حالت میں کام جاری رکھوں گا اور اگر مر نہ گیا اور ایک آنکھ بھی سلامت رہی تو ان شاء اللہ دنیا کو ایک ایسی کتاب دے جاؤں گا جس کی توقع کئی سو برس تک نہیں ہو سکتی۔

(ایضاً ص ۲۴۲، ۲۴۳)

[4] شبلی، حصہ اوّل ص ۱۰۲، ۱۰۳۔

رکھتے تھے۔

افسوس کہ علامہ شبلی کے بعد مستشرقین کے حوالہ سے سیرتِ رسولؐ کے مطالعہ و تحقیق کا کوئی بڑا اور منظم کام سامنے نہیں آیا اور نہ ہی ہمارے ہاں کے سیرت نگاروں نے اس مسئلہ سے تعرض کو قرار واقعی اہمیت دی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اکا دکا انفرادی و اجتماعی کوششیں کی جاتی رہی ہیں اور اب بھی مقالات و مضامین اور کتابچوں وغیرہ کی شکل میں اس جانب کچھ نہ کچھ پیش رفت بہر حال ہو رہی ہے۔[۱] مثلاً ایک مسلمان مصنف محمد حسین ہیکل کی کتاب "حیاتِ محمدؐ" کا تذکرہ بے محل نہیں معلوم ہوتا جو اگرچہ عربی زبان میں ہے لیکن اردو ترجمہ کے بعد گویا وہ اردو ادب کا ہی سرمایہ بن گئی ہے۔[۲] ہیکل نے اپنے بیان کے مطابق

---

[۱] اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:

(۱) النفاخ، پروفیسر احمد راتب "مستشرقین کی بے خبری"۔ نظامِ اسلامی مشاہیرِ اسلام کی نظر میں۔ مرتبہ و مترجمہ خلیل حامدی۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ۔ لاہور ۱۹۶۳ء (ص ۴۳۱)۔

(۲) حسین، ڈاکٹر محمد۔ "دام ہمرنگ زمیں"۔ ایضاً ص ۴۲۲)

(۳) حمودی، عبدالوہاب۔ "مستشرقین اور احادیثِ رسولؐ" (ایضاً ص ۴۶۳)

(۴) ہاشمی، مولانا سید عبدالقدوس۔ مستشرقین اور تحقیقاتِ اسلامی" (مقالہ جو شامِ ہمدرد راولپنڈی میں ۴ ستمبر ۱۹۶۹ء کو پڑھا گیا اور علیحدہ کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا) مکتبہ ملی۔ کراچی۔

(۵) عنایت اللہ، ڈاکٹر شیخ۔ "رسولِ اکرمؐ کے سیرت نگار"۔ ماہنامہ فکر و نظر۔ اسلام آباد۔ شمارہ مارچ ۱۹۷۶ء۔

(۶) حسن، ڈاکٹر پیر محمد۔ "مستشرقین کی تحقیقات پر تحقیق کی ضرورت"۔ (ایضاً شمارہ مئی ۱۹۷۶ء)

(۷) پھلواروی، مولانا جعفر شاہ۔ "قرآن اور مستشرقین" ماہنامہ فاران۔ کراچی۔ ستمبر ۱۹۷۶ء۔

(۸) فاروقی، پروفیسر خواجہ احمد۔ "مستشرقین کے تصورِ اسلام کا تاریخی پس منظر"۔ ماہنامہ معارف۔ اعظم گڑھ۔ شمارہ اکتوبر، نومبر ۱۹۸۲ء۔

(۹) شہاب محمد اسد۔ "روسی استشراق"۔ (ایضاً شمارہ جولائی ۱۹۸۲ء)

(۱۰) ندوی، پروفیسر سید حبیب الحق۔ "اسلام اور مستشرقین"۔ (ایضاً شمارہ مئی، جون، جولائی ۱۹۸۳ء) تازہ ترین اور غالباً مفصل ترین مضمون۔ البتہ انداز کسی قدر مناظرانہ ہے بعض تفصیلات اور حوالوں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر حاوی نہیں ہے تاہم مفید ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں بھی بھرپور استفادہ کیا گیا ہے (محمد طاہر حماد سے کے تحقیقی مقالہ میں دی گئی بعض تفصیلات و مندرجات سے حیرت انگیز طور پر مشابہت پائی جاتی ہے۔)

(۱۱) حتی، فلپ کے۔ اسلام اور محمدؐ مغربی لٹریچر میں۔ (اردو ترجمہ) وحید الدین خاں۔ ماہنامہ محدث۔ رسولؐ نمبر (۲۵ ص ۳۴)۔

[۲] ہیکل، محمد حسین۔ حیاتِ محمدؐ۔ مترجم۔ نوشہروی، ابو یحییٰ امام خاں۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ لاہور ۱۹۵۵ء۔

نہ صرف یہ کہ "جا دین عن المسلمین" کے مجوزہ آمیز خیالات کا رد کیا بلکہ مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں کا مثبت انداز سے جواب دینے کے لیے کتاب بھی لکھی۔ ہیکل نے متن کتاب کے علاوہ اپنے طویل مقدمہ میں اور پھر بعد میں "المستشرقون والحضارة الاسلامیۃ" کے تحت مستشرقین کی معاندانہ سرگرمیوں اور ان کے علم و تحقیق کا سنجیدہ علمی تجزیہ کیا ہے۔ اور مختلف عنوانات (مثلاً اسلام اور مسیحیت کی کشمکش[۱]، مسیحی مصنفین کی نظر میں آنحضرتؐ کا مقامؐ[۲]، مسلمان مصنفین اور مغربی افترا پرداز مستشرقین[۳] وغیرہ) کے تحت اصل حقائق کو نمایاں کیا ہے اور جرأت و قوت کے ساتھ مسیحی سوانح نگاروں کے مطاعن کا جواب دینے کی سعی کی ہے۔[۴]

(۵)

نوعیّتِ مسئلہ

یہ جائزہ اگرچہ مختصر ہے لیکن یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ مستشرقین کی برپا کی ہوئی تحریکِ استشراق کا قرار واقعی جواب، اردو زبان و ادب میں اب تک نہیں دیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سر سید احمد خاں نے جس جوابی علمی تحریک کا آغاز کیا تھا اور جسے شبلی نے منظم و موثر بنانے کی کوشش کی تھی، اس کا رنگ آہستہ آہستہ پھیکا اور آہنگ روز بروز مدھم ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اب سرگرمی نہ ہونے کے برابر ہے۔[۵] اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ اُدھر مغربی، یورپی مستشرقین کی سرگرمیاں تو لب و لہجہ کے

۱۔ ایضاً ص ۷

۲۔ ایضاً ص ۲۱ تا ۳۶

۳۔ ایضاً ص ۴۳

۴۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے نزدیک ہیکل کی کتاب بیانیہ نگاری کا عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے۔ اُس کی کتاب میں بقول اُن کے اعتذار کا لہجہ شبلی کے مقابلہ میں کم ہے اور تعبیر و توجیہ میں جرأت مندی بھی زیادہ ہے (ماہنامہ فکر و نظر۔ شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء ص ۳۲)

۵۔ وقت کی اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ابھی کچھ عرصہ ہوا کہ ہندوستان کے مقتدر علمی ادارہ "دار المصنفین" کے تحت "اسلام اور مستشرقین" کے موضوع پر ایک بین الاقوامی سیمینار (۲۱ تا ۲۳ فروری ۱۹۸۲ء) منعقد ہوا تھا جس میں دنیا بھر کے منتخب مسلمان علماء اور دانشوروں نے شرکت فرمائی۔ خیالات انگیز مقالات (مثلاً المستشرقون والسیرة النبویہ از الدکتور عماد الدین خلیل۔ عراق، المستشرقون والسیرة النبویہ از استاذ انور الجندی۔ مصر، اسلام اینڈ دی اوریئنٹلسٹ از قاضی عبدالمجید۔ اندور۔ اور اسلام اینڈ دی اوریئنٹلسٹ از عبداللہ سرفراز۔ الہ آباد وغیرہ، دیکھیے: ماہنامہ معارف۔ اعظم گڑھ۔ اکتوبر ۱۹۸۲ء بھی پیش کیے گئے اور مستشرقین کے سلسلہ میں جوابی کام کے لیے لائحہ عمل پر بھی غور و فکر کیا گیا (اجلاس کی روداد معارف میں برابر شائع ہوتی رہی۔ اس سلسلہ کی آخری آٹھویں قسط اکتوبر ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں شائع ہوئی)

فرق کے ساتھ تاحال جاری وساری ہیں اور ان کے عزائم و مقاصد میں بھی سرِ مُو فرق نہیں آیا ہے۔[1] لیکن اِدھر ہماری طرف سے انتظام و اہتمام صفر ہے۔ مولانا شبلی وغیرہ نے مستشرقین کی علمی تحقیقات اور ان کے معیار کی جو نشان دہی کی تھی اور ان کی تصانیف کو جس طرح کذب و افترا کا دفتر قرار دیا تھا اُس کا تقاضا تھا کہ مستشرقین کی کتابوں کو کھنگالا جاتا، اور تمام علوم اسلامی میں بالعموم اور سیرتِ رسولؐ کے باب میں بالخصوص واقفیتِ تامہ حاصل کر کے، ان کی غلطیوں، بددیانتی اور تلبیس و تحقیق کا پردہ چاک کیا جاتا، اور اس سلسلہ میں بڑے پیمانہ پر ایک منظم کام کا نقشہ بنایا جاتا مگر ایسا نہیں ہو سکا۔ بلکہ المیہ یہ ہوا کہ اس مسئلہ کی اہمیت و شدت کو سمجھا ہی نہیں گیا نہ ایسے ادارے وجود میں آئے جو اعلیٰ سطح پر علم و تحقیق کی سرپرستی کر سکیں اور ان کی کوششوں کو متحد و منظم کر سکیں جو انفرادی و اجتماعی اور نجی و سرکاری مختلف پیمانوں پر کی جاتی ہیں۔ ہماری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں اُس معیار کی علمی و فنی تیاری نہیں پائی جاتی جو مستشرقین کا طرۂ امتیاز ہے کہ مستشرقین کے حملوں کا دفاع محض عبارت آرائی یا جوابی الزام تراشی سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لیے اُسی تیاری کی ضرورت ہے جس قسم کی تیاری خود مستشرقین نے کی تھی (مثلاً علم و تحقیق کے اداروں کا قیام، مختلف زبانوں کی تحصیل، تجسس و تفحص کے آداب، فنی مہارت اور جدید تکنیک سے واقفیت، ادب و ثقافت کا گہرا مطالعہ، ضروری علوم و فنون سے دلچسپی، مشنری جذبہ، متعین مقاصد اور انتھک محنت و ریاضت وغیرہ) مستزاد یہ کہ مستشرقین کی تحریک کو ایک گونہ تقویت خود اُن مسلمان محققین و علماء کے رویہ سے مل رہی ہے جو دنیائے مغرب کے مختلف اداروں میں حصولِ تعلیم و تحقیق کے لیے جاتے ہیں تو وہاں کے احوال و مناظر سے اس درجہ متاثر و مرعوب ہو جاتے ہیں کہ انھیں کے ہم آواز ہو جاتے ہیں۔[2] اس لیے ضرورت ہے کہ جوابی علمی تحریک کو نئے سرے سے منظم کیا جائے اور مرحلۂ اوّل میں مسئلہ مستشرقین کی نوعیت و حقیقت کو سمجھ لیا جائے اور یہ جائزہ لے لیا جائے کہ استشراق و مستشرقین کی تحریک، اس کے مقاصد، اسباب و محرکات، عہد بہ عہد

---

[1] احسن، م، م (اورینٹلزم اینڈ دی اسٹڈی آف اسلام اِن دی ویسٹ) ص ۱۵۔ نیز ملاحظہ ہو: سعید، ایڈورڈ ڈبلیو، (اورینٹلزم) ص ۲۰۶۔

[2] سیرت نویسی میں دوست نما دشمنوں اور نادان دوستوں کے معاملے اور مستشرقین کی تصانیف پر مسلم نوجوانوں کے انعطاف پر ملاحظہ ہو: ہیکل (۱۴ تا ۴۴) اِدھر دنیائے مشرق کے علماء، مغربی علماء اور مستشرقین پر اپنا علمی رعب قائم کرنے سے قاصر رہے ہیں بلکہ صورتِ حال یہ ہے کہ مشرق میں مستشرقین اور علمائے مغرب کو اعزاز و استناد حاصل ہے اور اس درجہ حاصل ہے کہ شام، عراق، مصر وغیرہ میں علمی و تحقیقی اداروں کی رکنیت انہیں پیش کی جاتی ہے، ان کے مشورے اور آراء کو خاص وقعت دی جاتی ہے اور عربی و اسلامی دنیا کے افلاس کا یہ عالم ہے کہ خود مستشرقین کی تحقیقات و مطالعات پر اندھا اعتبار کیا جاتا ہے اور ان کی دریافت کو حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Abul Hasan Ali Nadvi, Maulana.

Islam and Western Orientalists. Umma Publishing House Karachi (Motammar Al-Al-Islami) p.21,22

ارتقا اور اعلام ومشاہیر کی عام صورت کیا ہے ۔ زیرِ نظر مقالہ کا مدعا یہی ہے ۔

(۶)

استشراق، مستشرق

استشراق اور صاحبانِ استشراق (مستشرقین) کی پُوری تاریخ پر ایک عمومی نظر ڈالی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تحریکِ استشراق اپنی حقیقت و ماہیت میں چونکہ اسلام کے خلاف رہے اور ہر دور کے (غیر مسلم) مستشرقین کی تمام سرگرمیاں اپنے علمی تنوع کے باوجود، چونکہ اسلام، پیغمبرِ اسلام، اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و آداب کے حوالہ سے بہرحال معاندانہ رہی ہیں، اور چونکہ مستشرقین کی پُوری جماعت میں شامل افراد، اپنی اصل و نسل میں یہودی ہیں یا عیسائی، اس لیے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ اسلام اور یہودیت و عیسائیت کے مابین آویزش کے ساتھ ہی استشراقی جذبہ و فکر کی نمو ہو گئی تھی[۱]۔ تاہم اپنے مخصوص فنی و اصطلاحی معنوں میں، اور اطلاقات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ تحریکِ استشراق کا باقاعدہ آغاز اور مستشرقین کی علمی و تحقیقی سرگرمیاں بہت بعد میں شروع ہوئیں[۲]۔ شاید یہی وجہ ہے کہ:

(۱) استشراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) کی اصطلاحیں لغوی اعتبار سے بہت زیادہ قدیم العہد نہیں ہیں بلکہ انگریزی زبان و ادب میں ان کا استعمال اپنے مخصوص اصطلاحی معنوں میں اٹھارھویں صدی کے اواخر میں شروع ہوا۔ چنانچہ

---

[۱] استشراق اور مستشرقین پر لکھنے والے مسلمان علما اور محققین کا عام رجحان یہی ہے۔ اور وُہ اپنی بحث کا آغاز ہی اسلام اور مسیحیت کی کش مکش یا اسلام اور یہودیت کے تصادم سے کرتے ہیں۔ مثلاً دیکھیے، (زکریا ہاشم، المستشرقون والاسلام ۔ لجنۃ التعریف بالاسلام ۔ جمہوریۃ العربیۃ المتحدہ ۱۹۶۵ء ۔ نیز ملاحظہ ہو: صبو، دکتورہ عفاف ۔ المستشرقون ومشکلات الحضارۃ ۔ دار النھضۃ العربیہ ۔ قاہرہ ۱۹۸۰ء وغیرہ) ایک جدید مسلمان محقق (پروفیسر ڈاکٹر سید حبیب الحق ندوی) نے مسئلہ مستشرقین کا "قرآنی زاویہ" بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مستشرقین کی تاریخ محض مذکورہ بالا آیات کریمہ ولن ترضیٰ عنك اليهود ولا النصارٰى کی تفسیر و تعبیر رہی ہے، بلکہ چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ انھی آیات کی تعبیر رہی ہے، سیاسی میدان ہو یا علم و دانش و ثقافت کا میدان، اسلام دشمنی مستشرقین کی پالیسی کا جزوِ اعظم رہا ہے۔" پھر آگے لکھا ہے کہ ان کے علمی و فکری، ذہنی و نفسیاتی رجحانات کا تسلسل ساتویں صدی عیسوی سے ۱۹۸۳ء تک قائم ہے۔ (ان نکات کی تفصیل کے لیے مقالہ دیکھیے "اسلام اور مستشرقین" ماہنامہ معارف ۔ اعظم گڑھ۔ شمارہ مئی، جون، جولائی ۱۹۸۳ء ۔ ص ۳۲۹ تا ۳۴۲) اس سلسلہ میں پروفیسر ظفر علی قریشی کا انگریزی مقالہ بڑا فکر انگیز اور معلومات افزا ہے دیکھیے: Qureshi, Professor Zafar Ali Prophet Muhammad and his Western critics.: Monthly Islamic Literature,

March. 1968 - October 1968 vol. XIV'

خصوصاً ملاحظہ ہو (شمارہ اپریل ۱۹۶۸ء) ص ۱۷

[۲] اس کی تفصیل آیندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

[۳] دی آکسفورڈ انگلش ڈکشنری ۔ کلارینڈن پریس ۔ آکسفورڈ ۔ ۱۹۳۳ء ۔ ج ۷، ص ۲۰۰ ۔

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کی تصریحات کے مطابق مذکورہ بالا دونوں الفاظ Orient سے مشتق ہیں۔ جس کے معنی ہیں شرق، یا مشرق، یا مشرقی سمت، جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے[1] پھر اسی سے Oriental ہے یعنی مشرقی، جو تمام معنوں میں مغربی (Occidental) کا ضد ہے[2] مشرقی کے مفہوم میں وہ متوطن بھی ہے جو مشرقی یعنی ایشیا یا اُن ممالک کا باشندہ ہو، جو بحرِ روم متوسط اور قدیم رومی سلطنت کے مشرق میں واقع ہیں جبکہ Orientalism[3] یعنی مشرقیت یا استشراق کے معنی ہوں گے، مشرقیت، مشرقی خصوصیات، مشرقی طرز وادا، اقدار، علوم و آداب، اور فنون و ثقافت وغیرہ سے واقفیت و مہارت وغیرہ۔ نیز اس کے تحت Oriental scholarship کا مطلب ہوگا مشرقی زبانوں سے واقفیت (۱۸۱۱ء) اور پھر اس سے Orientalist (مستشرق) بنا ہے[4] اس سے مراد وہ شخص ہوگا جو مشرقی زبانوں، علوم وفنون، آداب و ثقافت اور تہذیب و تمدن وغیرہ پر عبور رکھتا ہو۔ یا بقول مولوی عبدالحق صاحب ماہرِ مشرقیات ہو[5]

(ب) عربی، فارسی اور اردو کی قدیم لغات میں استشراق کا اصل مادہ یعنی ش رق تو موجود ہے لیکن زیرِ بحث الفاظ، یعنی باب استفعال میں اس کے معنی و مفہوم یا بطور فعل ان لغات سے بحث نہیں پائی جاتی (البتہ جدید لغات میں ان کا ذکر موجود ہے)۔

عربی قواعد کی رُو سے استشراق، ثلاثی مزید کا باب استفعال ہے، جس کا مادہ ش۔ ر۔ ق (شرق) ہے۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس باب کے جملہ خصائص و لوازم یعنی اتخاذ و طلب، وجدان و حسبان، اور تحول و تکلف وغیرہ کی جلوہ نمائی، صاحبانِ استشراق کے احوال و شخصیات سے، اور ان کی تحقیقات و تخلیقات میں بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ گویا الفاظ کا پیکر بجائے خود اس بات کا مظہر ہے کہ مستشرقین کا علم تمام تر اکتسابی ہے جسے انھوں نے بڑی محنت و ریاضت سے، طلب و جستجو کر کے حاصل کیا، اُس کی خاطر سفر و حضر، تمکن و توطن اختیار کیا اور پھر اپنی تحقیقات کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ اُن میں

---

[1] ایضاً۔ دوسری مہات کتب میں بھی یہی معنی مذکور ہیں۔ مثلاً دیکھیے نیو ویبسٹرز ڈکشنری آف انگلش لینگویج۔ شکاگو ۱۹۷۵ء، ص ۱۰۴۶۔

[2] ایضاً

[3] ایضاً۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (مولفہ جے ہیسٹنگز۔ ایڈنبرا ۱۹۶۲ء ج ۱۲ ص ۱۵۵) میں اس کا مرادف Synéretism کو قرار دیا گیا ہے، جس سے بجائے خود استشراق کے فلسفیانہ اور مذہبی تناظر کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

[4] من المتضلعین باللغات الشرقیہ و آدابہا۔ ملاحظہ ہو:

Badger, George P. = An English Arabic Lexicon. Kegan Paul. London 1881. p.700.

[5] عبدالحق۔ دی اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری۔ انجمن اردو پریس۔ دکن ۱۹۳۷ء۔ ص ۷۹۶۔

تخمین وظن اور تخیل سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ عربی میں" استشراق کے لغوی معنی ہوں گے بہ تکلف مشرقی بننا ، اور مستشرق کا مطلب ہوگا وہ شخص جس نے بہ تکلف مشرقیت اختیار کی یا مشرقی بنا ہو"[۱] اردو لغت میں بھی کم و بیش یہی مفہوم ہے یعنی مستشرق کا مطلب ہوگا" وہ فرنگی جو مشرقی زبانوں اور علوم کا ماہر ہو"[۲] یا وہ فرنگی یا امریکانی جو مشرقی زبان یا علوم کا ماہر ہو"[۳]

زبان و لغت کی مندرجہ بالا بحث سے استشراق اور مستشرق کا مفہوم اگرچہ کسی قدر واضح ہو جاتا ہے اور مستشرق کی نوعیت و ماہیت بھی بڑی حد تک سمجھی جا سکتی ہے، تاہم استشراق کی اصل حقیقت اس وقت سامنے آتی جبکہ استشراق' السنۂ مشرقیہ کی واقفیت اور اسلامی علوم و آداب کے یک رُخی مطالعہ تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ آگے بڑھ کر اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے بغض و عناد، اس کا جزوِ لازم ٹھہرا، پھر یہی بغض وعناد، پہلے پہل تو مشنری جذباتیت کا آئینہ دار رہا لیکن کچھ عرصہ بعد اُس نے متعین[۴] مقاصد کے تحت علمیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ گویا اس دوسرے مرحلہ میں استشراق نے ایک تحریک، ایک مستقل رویہ اور سلوک (Discipline) کی شکل اختیار کر لی۔ اور اس رویہ اور سلوک کے احاطہ میں رہتے ہوئے تمام ضروری مباحث کو موضوعِ سخن بنایا گیا، مثلاً اسلام اور اس کی تعلیمات کو مجبوراً یا تکلفاً غلط طور پر پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ زمانے کے عہد بہ عہد ارتقا کے ساتھ وہ تعلیمات ہم آہنگ نہیں ہو سکتیں۔ قدیم تہذیبوں، قدیم زبانوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے مصر، عراق، شمالی افریقہ اور دوسرے علاقوں میں سرگرمیوں کو منظم کیا گیا تاکہ یہ تہذیبیں اسلامی تہذیب و تمدن کے لیے چیلنج بن سکیں، عربی زبان کے لیے کہا گیا کہ قرآنی عربی عہدِ جدید کی ضروریات و حالات سے مطابقت پیدا نہیں کر سکتی اس لیے مقامی زبانیں اور مردہ لغات کو آگے بڑھانا چاہیے بلکہ عربی رسم الخط کو رومی رسم الخط سے تبدیل کر دینا چاہیے، پیغمبرِ اسلام کی سیرت و کردار کے بارے میں اُن نکات کو اچھالا گیا، جن سے عام ذہن کے

---

[۱] اس نکتہ کی وضاحت کے لیے دیکھیے: تاثرات۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی۔ ماہنامہ معارف۔ اعظم گڈھ۔ جولائی ۱۹۸۲ء۔ ص ۶۶ تا ۶۸ (بسلسلہ اسلام اور مستشرقین پر دار المصنفین کا بین الاقوامی سیمینار)

[۲] فیروز الدین۔ فیروز اللغات۔ فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، حصہ دوم ص ۷۱م

[۳] خویشگی۔ محمد عبداللہ۔ فرہنگ عامرہ۔ کراچی ۱۹۵۷ء (ص ۷۰۵)۔ یہاں یہ واضح کر دینا مناسب ہے کہ مستشرقین کی اصطلاح اگرچہ زیادہ تر اُن غیر مسلم مصنفین کے بارے میں استعمال ہوتی ہے جن کا تعلق یورپین ممالک سے ہو اور انہوں نے اسلام کے بارے میں کچھ لکھا ہو۔ لیکن ہم یہاں زیادہ وسیع مفہوم میں ان تمام غیر مسلم مصنفین کو شمار کر رہے ہیں جنہوں نے اسلام کے بارے میں بالعموم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بالخصوص لکھا ہو۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: صبرہ، دکتورہ عفاف۔ المستشرقون ومشكلات الحضارة۔ ص ۹)

[۴] مثلاً مسلمانوں کے کمزور پہلوؤں سے واقفیت حاصل کرنا، ازالۂ اسلام کے لیے مناسب دلائل کی فراہمی، مسیحی تقدس کا نقش عالم اسلام پر قائم کرنا، مشنری سرگرمیوں کی توسیع و ترقی وغیرہ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، صبرہ۔ ص ۳۳، ۳۴)

لوگ بھی اچھا تاثر نہ لے سکیں اور ان کے لائے ہوئے مشن کو ناقابلِ التفات گردانا جائے، اسلامی تہذیب وثقافت کی تعمیر وترکیب میں بیرونی عناصر کی کارفرمائی ثابت کی جائے تاکہ اسلامی ثقافت مجموعۂ خرافات ٹھہرے[2] وغیرہ وغیرہ، ان تمام مطالعات کا ہدف بہرحال مستشرقین کے نزدیک اپنے عزائم کی تکمیل کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ حکمتِ عملی تبدیل ہوتی رہی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین جذباتیت کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقلیت، علمیت اور استدلال کے اوزان وپیمانے استعمال کرنے لگے، اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے متعلق اپنے رویہ پر اُنھوں نے خود نظرِ ثانی کی اور بدنیتی کے باوجود مخالفت ومخاصمت کا اظہار رفتہ رفتہ سلیقہ سے کیا جانے لگا اور اسلام کے مقابلہ میں تعصب وتنگ نظری کا پھیلاؤ بھی نسبتاً کم ہوتا گیا۔

مختصر یہ کہ مستشرقین کا رویہ ہر زمانے میں یکساں نہیں رہا اور اسی لیے ان کے ہاں علم، تجربہ، اندازِ استدلال، مذہبی حیثیت اور وابستگی کے مختلف نمونے نظر آتے ہیں اور اسی لحاظ سے اُن کے فکر وفن اور تحقیق وتالیف کا معیار بھی جدا جدا ہے[3]۔

ممکن ہے یہ اجمالی گفتگو کسی ذہنی اشکال کا سبب ہو اِس لیے اس اجمال کی کچھ تفصیل آیندہ صفحات میں عرض کی جائے گی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ استشراق جذبہ وفکر سے آگے بڑھ کر تحریک کیسے بنا اور مطالعہ وتحقیق کے مختلف دائروں میں مستشرقین کا رویّہ وسلوک کیا رہا۔

تحریکِ استشراق کا آغاز

تحریکِ استشراق کو اگر خلافِ اسلام سرگرمیوں کی علامت مانا جائے تو یہ امر واقعہ ہے کہ اس قسم کی سرگرمیوں کا آغاز دراصل ظہورِ اسلام کے ساتھ ہی ہو گیا تھا[4] اور باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرنے سے پہلے بھی، اہلِ مغرب

---

[1] ان میں سے کچھ نکات کی وضاحت کے لیے دیکھیے: ابوالحسن علی، مولانا۔ (اسلام اینڈ ویسٹرن اورینٹلسٹ) ص، تا ۲۰۔

[2] مولانا شبلی نے مصنفین یورپ کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے اور تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان میں سے پہلا گروہ تو وہ ہے جو عربی زبان اور اصل مآخذوں سے واقف نہیں۔ دوسرے وہ مستشرقین ہیں جو عربی زبان اور علم، ادب، تاریخ وفلسفۂ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے ناآشنا ہیں۔ تیسری طرف وہ مستشرقین ہیں جنہوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے لیکن جب سیرتِ رسولؐ پر قلم اٹھایا تو کذب وافترا اور تاویل وتعصب کی بھرمار کر دی۔ (شبلی ج ۱۔ ص ۵۹ تا ۶۰ ملخصاً)

[3] ایک مصنف 'LOOFTY LEVENIAN' لکھتا ہے کہ" افسوس کہ ماضی میں تمام تر تعلقات، سیاسی اور مذہبی دونوں دائروں میں، حریفانہ مخالفت ومخاصمت سے مغلوب رہے ہیں۔ حوالے کے لیے دیکھئے:

(Qureshi, Professor Zafar Ali - Military and Political Clash between Christendom and the world of Islam. Islamic Literature. Ed. Sh M. Ashraf. Lahore. vol. XIV No.4 (April 1968)p. 18).

اگر بعض مصنفین کا بیان صحیح مانا جائے تو ان کے بقول اسلام اور مسیحیت کے درمیان اولین تصادم (باقی آئندہ صفحہ پر)

کی طرف سے، اسلام کے خلاف بالعموم اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف بالخصوص، بغض و عداوت کا اظہار موقع بہ موقع، تاریخ کے مختلف ادوار میں ہوتا رہا، اور وفورِ جذبات سے سرشار، رومی، بازنطینی، لاطینی، مسیحی اور یہودی روایتیں صدیوں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں، افواہوں کے دوش پر سفر کرتی رہیں، اور کبھی کبھار تحریر و تصنیف اور وقائع و اسفار کے قالب میں ڈھلتی رہیں اور ان کی اپنی آئندہ نسلوں کا سرمایۂ افتخار قرار پائیں۔ چنانچہ ظہورِ اسلام کے بعد سے کوئی ساڑھے چار سو سال تک اسلام اور بانیِ اسلامؐ کے حوالے سے اُن کی مخالفت و مخاصمت کا عام انداز یہی رہا۔ اور اس تمام عرصہ میں بلکہ اس کے بعد بھی، مغربی دنیا اس قابل نہ ہو سکی کہ حقائق و واقعات کا صحیح ادراک کر سکے اور مسلمانوں کی تاریخ و ثقافت کو علم کی روشنی میں جان سکے۔ اس صورتِ حال کا ایک بظاہر سبب، ان کے دلی جذبات کے علاوہ یہ تھا کہ صحیح معلومات کے لیے اصل اسلامی مآخذ تک رسائی ممکن نہ تھی، پھر تعصب، سُنی سنائی باتوں، غلط فہمیوں اور خود ساختہ مفروضات نے انھیں اس قابل ہی نہ رکھا کہ وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی حقیقی تصویر دیکھ سکیں۔ اس پر مستزاد تصادم و کشمکش کے وہ واقعات تھے جو تاریخ میں بار بار دُہرائے گئے[۱] خاص طور پر، آنے والے زمانے میں صلیبی[۲] محاربات کا سلسلہ دشمنی و عداوت کا ایسا نشہ ان پر طاری کر گیا ہے جو آج تک نہیں اُترا۔ صلیبی جنگوں کے طویل محاربات میں دنیائے مغرب کی ناکامی سے نہ صرف یہ کہ یورپ کی مشترکہ عسکری قوت پاش پاش ہو گئی بلکہ یہی شکست اس بات کا زبردست محرک بن گئی کہ جنگی محاذ پر پسپا ہونے کے بعد ذہنی و فکری محاذ پر اسلام اور دنیائے اسلام کو زک پہنچائی جائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اُس وقت پیش آیا جبکہ عیسائی لشکر ابرہہ کی سرکردگی میں مکّہ پر حملہ آور ہُوا مگر ناکام و نامراد ٹھہرا۔ اس واقعہ کے تقریباً دو ماہ بعد ہی پیغمبرِ اسلامؐ کی ولادت ہوئی (ایضاً ص ۱۹، بحوالہ تھامس رائٹ، ارلی کرسچئنٹی ان اریبیہ۔ لندن ۱۸۵۵ء ص ۱۵۲)

کم و بیش یہی مضمون ایک جدید مصنف اپنی کتاب میں بیان کرتے ہوئے یہاں تک دریدہ دہنی سے کام لیتا ہے اور ذرا عار محسوس نہیں کرتا کہ "اگر ابرہہ مکّہ فتح کر لیتا تو پورا جزیرہ نمائے عرب مسیحی و بازنطینی پرچم تلے آجاتا، صلیب کعبہ کی چھت پر آویزاں ہوتی اور شاید محمدؐ بس ایک پادری یا راہب کی زندگی گزار کر چلے جاتے۔ ملاحظہ ہو:

A history of Medieval Islam.Routledge and Kegan Paul London. 1965. p.14.

[۱] اس تصادم کی تفصیلات اگرچہ اسلامی تاریخ کے تمام مآخذ میں پائی جاتی ہیں تاہم پروفیسر ظفر علی قریشی کا فاضلانہ مضمون قابلِ مطالعہ ہے۔ دیکھئے (ماہنامہ اسلامک لٹریچر۔ مدیر شیخ محمد اشرف۔ لاہور۔ ج ۱۴ شمارہ ۴ تا ۱۰ مطابق اپریل تا اکتوبر ۱۹۶۸ء)

[۲] صلیبی محاربات میں پہل خود مسیحیت کی طرف سے ہوئی اور پوپ اربن ثانی کے خطبۂ جنگ ۱۰۹۵ء کے بعد ہی میدانِ کارزار گرم ہوا۔ صلیبی جنگیں ۱۰۹۹ء سے ۱۴۶۴ء تک جاری رہیں۔ ملاحظہ ہو: بارکر، ارنسٹ۔ حروبِ صلیبیہ، میراثِ اسلام۔ مرتبہ سر تھامس آرنلڈ و الفریڈ گیام۔ اردو ترجمہ عبدالمجید سالک۔ مجلس ترقی ادب۔ لاہور ۱۹۶۰ء (ص ۵۵ تا ۱۰۵) نیز دیکھیے اظہر، ظہور احمد۔ صلیبی جنگیں۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ۔ دانش گاہ پنجاب۔ لاہور ۱۹۷۳ء ج ۱۲ (ص ۲۰۹ تا ۲۲۱) نیز ملاحظہ ہو العقیقی، نجیب۔ المستشرقون۔ دارالمعارف۔ مصر۔ طبع ثالث ۱۹۶۴ء ج ۱ (ص ۶۰ تا ۶۵) وغیرہ وغیرہ۔

اِس کی تدبیر اس سے بہتر اور کوئی نہ تھی کہ اسلام، اسلامی عقاید، پیغمبرِ اسلام اور اسلامی معاشرہ کو ہدفِ تنقید بنایا جائے چنانچہ اس کام کے لیے جذباتی طوفان پہلے سے موجود تھا، پھر لاطینی آبادکار اور مسلم علاقوں سے آئے ہوئے عیسائی اور یہودی، اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو کچھ علم، معلومات رکھتے تھے وہ کتنی ہی خام و ناکارہ سہی، ان کے لیے، بہرحال مفید مطلب تھیں، جن کی مدد سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی (خاکم بدہن) ایک نفرت انگیز، کریہہ المنظر اور بھیانک تصویر پیش کی جاسکتی تھی۔ اور سیرت ختم الرسلؐ کو افراط و تفریط کے سانچوں میں ڈھال کر محض خیالی اور قیاسی انداز سے پیش کیا جاسکتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس پورے عرصہ میں بحیثیت مجموعی، پیغمبرِ اسلام کے بارے میں، مغرب کے پاس معلومات انتہائی ناقص اور مبہم تھیں اور اس خلاء کو افسانہ طرازی اور دیو مالائی کہانیوں سے پُر کیا گیا۔ اس افسانوی مواد کے بھی دو حصّے تھے۔ ایک حصّہ تو وُہ تھا جس کے تحت آنحضرتؐ کے واقعاتِ سیرت کو پیکرِ خیال میں پیش کیا گیا، اور دوسرا حصّہ وہ تھا جس کی اپنی کوئی اصل اور حقیقت نہ تھی بلکہ وہ مغربی ذہن کی ایجاد و اختراع اور کذب و افترا سے عبارت تھا[۱]۔ اس عہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حد درجہ اہانت آمیز الفاظ استعمال کیے گئے۔ مثلاً (نقل کفر، کفر نہ باشد) آپ کو نبی کاذب، مخالفِ مسیح، موجدِ مذہبِ نو اور بہروپیا کہا گیا۔ اور بہر عداوت اس حد تک گر گئے کہ آپؐ کے لیے لفظ محمدؐ استعمال کرنے کے بجائے Mahound سے تعبیر کیا گیا جس کے معنی ہیں "شہزادۂ تاریکی"۔ پھر جب صلیبی جنگوں کی ناکامی نے ان کی آتشِ عداوت اور بھڑکادی تو وہ حضورؐ کے لیے Maphomet، Baphomet اور Bafum کے الفاظ استعمال کرنے لگے۔ اور آپؐ کی سیرت و سوانح کے بارے میں مہمل کہانیاں، دیو مالائی قصّے اور بے سرو پا باتیں مشہور کی گئیں۔ ایک خیال یہ پھیلایا گیا کہ مسلمان دراصل کچھ زیادہ ہی بُت پرست (PAGAN) تھے اور ان کا مرکزِ پرستش محمدؐ کا بُت تھا۔ پھر ایک سے زائد تین بتوں کی پرستش کرنے کا فسانہ تراشا گیا اور یہ انکشافِ حقیقت کیا گیا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو دراصل خود پیروِ دینِ عیسوی تھے لیکن پوپ منتخب نہ ہو سکے تو انتقاماً رومی چرچ سے بغاوت کر کے اسلام ایجاد کر لیا"۔ وحی و تنزیل کے حوالہ سے یہ افسانہ تراشا گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک سفید کبوتر، فاختہ یا قمری (Dove) کو سدھا رکھا تھا جو ان کے کندھے پر بیٹھا اُن کے کان سے دانے چُگا کرتا تھا جس سے ان کے خیال میں یہ آتا تھا کہ فرشتہ ان سے باتیں کرتا ہے اور دُوسروں کو بھی یہ تاثر دیتے تھے کہ ان پر وحی نازل ہو رہی ہے[۲]۔

ان مثالوں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ مغربی علماء و مستشرقین صدیوں کیسی شدید ناواقفیت کا شکار رہے وہ کیسی کیسی خرافات روایات کو ان کے بڑے بڑے علماً سیرت و سوانح کے نام پر پھیلاتے رہے۔ اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی کیسی نفرت انگیز تصویر دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے۔

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (ج ۱۲ ص ۶۰۵ تا ۶۰۹) نیز دیکھیے: حمادے، ص ۲۳۔
[۲] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حمادے ص ۲۳ تا ۲۵، نیز دیکھئے ہیکل (حیات محمد)، ص ۳۳ تا ۳۵۔

اس قسم کی تصویر کشی میں جن لوگوں نے حصہ لیا ان کے نام تو بہت ہیں[۱]۔ لیکن یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے البتہ ان میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر جان آف دمشق ہے[۲]۔ جان کو بازنطینی روایات کا بانی سمجھا جاتا ہے[۳]۔ اسلام اور آنحضرتؐ کے خلاف نفرت اور دشمنی کی آگ پہلے اُسی نے بھڑکائی۔ جان اور اُس کے پیرؤوں نے (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ کو بے دین اور جھوٹا نبی قرار دیا۔ اُس کا دعوٰی یہ بھی تھا کہ اسلام میں محمدؐ کی پُوجا کی جاتی تھی۔ نیز جان ہی وہ پہلا مشنری تھا جس نے حضورؐ کی ذاتِ اقدس پر جنسی و شہوانی الزامات کی بھرمار کر دی[۴]۔ اس نے حضورؐ کو نبی کی حیثیت دینے کے بجائے بنیادی طور پر ملحد، بدعتی اور گمراہ (heratic) قرار دیا (نعوذ باللہ) اور اسلام کا تعارف ایک نبیؐ کاذب کے بت پرستانہ مذہب کی حیثیت سے کرایا اور یہ نکتہ پیش کیا کہ آنحضرتؐ کے پاس اللہ کا فرستادہ ہونے کی کوئی سند نہیں تھی[۵]۔ جان کے بعد آنے والے قرونِ وسطٰی کے تمام مصنفین نے بھی جان کا تتبع کرتے ہوئے تصویرِ رسولؐ کو خوب بگاڑا۔ گھسے پٹے الزامات و اتہامات عائد کیے اور چبائے ہوئے نوالوں کو پھر سے چبایا۔ اُس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ان کے مآخذ (sources) کم و بیش یکساں تھے[۶]۔ اس لیے جب بھی انہوں نے سیرت و سوانح رسولؐ پر قلم اٹھایا، یا اپنا موضوعِ سخن بنایا تو نظم ہو یا نثر،

---

[۱] مثلاً جربرٹ ڈی ارالیاک (Gerbert de Oraliac) زمانہ (۹۳۸ - ۱۰۰۳) قسطنطین افریقی (Constantian Africans) متوفی ۱۰۸۷ء، اڈلرباث (Adelard of Bath) زمانہ (۱۰۷۰ تا ۱۱۳۵) راجر بیکن (۱۲۱۴ تا ۱۲۹۴)۔ ملاحظہ ہو: العقیق، ج ا ص ۱۲۰ تا ۱۳۱، نیز گیبرٹ (Guibert)، میتھیو پیرس، جیکوس ڈی ورٹی، ولیم آف ٹریپولی (حمادے ص ۲۳ تا ۲۵) وغیرہ۔

[۲] جان آف دمشق کا زمانہ (۷۰۰ تا ۷۵۴) تھا۔ جان بنیادی طور پر ایک مذہبی عالم، مصنف، مشرقی کلیسا کا فارغ التحصیل راہب اور پادری تھا۔ دیکھئے: ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۷۸۰۔

[۳] حمادے۔ ص ۲۶

[۴] ندوی (پروفیسر حبیب الحق) اسلام اور مستشرقین۔ ماہنامہ معارف۔ اعظم گڑھ۔ شمارہ مئی ۱۹۸۳ء ص ۳۴۳۔ [۵] حمادے ص ۲۶

[۶] اُس دور میں عام طور پر چند مآخذ ان کے نزدیک تسلیم شدہ تھے:

(۱) قیاس و گمان، افسانہ طرازی (۲) جان دمشقی کی کتاب De Haere Sibus (۳) عربی مسیحی مآخذ جو زیادہ تر کٹ حجتی اور مناظرانہ مباحث پر مشتمل تھے (۴) وہ بازنطینی مناظرہ باز جنہوں نے مطالعہ کی زحمت کیے بغیر ہی گویا اسلام پر فتح پالی (۵) عبد المسیح بن اسحاق الکندی (جس کی نسبت آج بھی مشکوک ہے) کا رسالہ۔ الکندی ایک پڑھا لکھا نسطوری عیسائی تھا اور اسے خلیفہ مامون کے دربار میں خاص اثر و رسوخ حاصل تھا (۶) ایک بازنطینی مولف Nicctas کی کتاب Refutatco Mohammadis (۷) تھیوفین (Thophans) ۷۵۸ - ۸۱۶ کے وقائع (Chronicles) اور (۸) اختلافی، نزاعی، مناظرانہ کتابیں جو جھوٹ و فریب کا پلندہ ہیں۔ وغیرہ

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حمادے ص ۲۵ تا ۳۱ - نیز دیکھیے ندوی، ص ۳۴۳ تا ۳۴۵)

دونوں میں سیرت ختم الرسلؐ کو افراط و تفریط کے سانچوں میں ڈھال کر محض خیال و قیاس کے سہارے پیش کیا۔[۱] اس تفصیل کا مدعا یہ ہے کہ ظہورِ اسلام کے بعد کئی صدیوں تک بھی مسیحی نفرت و عداوت کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی اور اہلِ مغرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدستور جھوٹا ، بہروپیا ، دھوکا باز ، مکار اور شیطان کا چیلہ قرار دیتے رہے تھے کہ اتنے میں صلیبی جنگوں کے طویل سلسلہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا ۔ صلیبی جنگوں میں صلیب سرنگوں ہوگئی اور تمام تیاریوں کے باوجود دنیائے اسلام کو زک پہنچانے کا منصوبہ ناکام ہوا ، اور انھوں نے دیکھ لیا کہ میدانِ جنگ میں رسد ، کمک اور سامانِ جنگ کی فراوانی کے باوجود وہ مسلمانوں کا زیادہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے ، تو پھر انھوں نے کمالِ عیاری سے اسباب ، وسائل اور تدبیر و حکمتِ عملی کو یکسر بدل ڈالا اور گویا یہ فیصلہ کر لیا کہ جنگ جیتنے کے لیے نیا ترکش ' نئے تیر استعمال کیے جائیں اور "گرم جنگ" نہ سہی ، "سرد جنگ" میں مسلمانوں کو زیر کیا جائے اور یہ سرد جنگ "مادی" ہتھیاروں سے نہیں ، علم و تحقیق کے "معنوی" ہتھیاروں سے لڑی جاتے ۔ شاید اس لیے رائمنڈ لل (Raymond Lull) نے اہلِ مغرب کو سب سے پہلے مشرقی علوم کی تحصیل پر آمادہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ایک پُرامن صلیبی جنگ جاری رکھی جائے جس کے اسلحہ خالص روحانی ہوں۔"[۲]

اس سلسلہ میں اہلِ مغرب کو دو قسم کی سہولتیں حاصل تھیں ۔ ایک طرف تو یہ ان کے اپنے اسلاف نے مشرق ، مغرب دونوں جگہ ذہنی پس منظر تو پہلے سے تیار کر رکھا تھا اور گزشتہ کئی صدیوں میں ، اسلام ، پیغمبرِ اسلام اور دنیائے اسلام کے بارے میں ، مہمل خیالات ، بے سروپا قصے کہانیوں ، بیہودہ الزامات و اتہامات اور تشکیک و تذبذب کے بیج بو کر ، خرافات کا ایسا جنگل اُگا دیا تھا ، جسے کاٹنا آسان نہ تھا ، برسہا برس کے پروپیگنڈے نے مغربی ذہن کو اسلام دشمنی کے معاملہ میں ویسے ہی راسخ کر دیا تھا ۔ دوسری طرف انھیں یہ سہولت بھی حاصل تھی کہ اُس زمانے میں مسلمان علم و فن کے دائروں میں جو ترقیاں کر رہے تھے ، اس کے سبب یونانی علوم و فنون کی سیکڑوں کتابیں ترجمہ کے ذریعہ عربی میں منتقل ہو چکی تھیں

---

[۱] مثلاً نثر میں والٹر کی لاطینی زبان میں کتاب یا فرانسیسی زبان میں الگزینڈر ڈوپین کی کتاب یا گلبرٹ اور ولیم طرابلس کی تصانیف۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جی بھر کر لکھا گیا یا مثلاً نظم میں ہلدی برٹ (Hildeburt) سے منسوب ۱۱۴۲ ابیات پر مشتمل نظم، یا دانتے کی Divine Comedy دانتے کو گویا قرونِ وسطیٰ کے دور اور عہد بیداریٔ یورپ کے درمیان میں ایک پل کی حیثیت حاصل ہے (دیکھیے ندوی ص ۳۲۹ تا ۳۴۴ ، حمادے ص ۲۵ تا ص ۲۹ ، نیز ایضاً ص ۳۲ تا ۳۵) دانتے نے اپنی شہرۂ آفاق نظم کی تدوین میں معراجِ نبویؐ سے استفادہ کیا لیکن (عیاذاً باللہ) محمدؐ کو جہنم میں مبتلائے عذاب دکھایا ہے ۔ دانتے پر صلیبی جنگوں کا ایسا اثر تھا کہ اس نے صلاح الدین ایوبی کو تو جہنم رسید کیا لیکن مسیحی صلیبی شہداء کو جنت میں فرحاں و شاداں دکھایا ہے۔ (ندوی ص ۳۳۹ تا ۳۴۲)

[۲] بارکر، ارنسٹ ' (حروبِ صلیبیہ) ص ۸۸ ، نیز ملاحظہ ہو : سعید ، ڈبلیو ایڈورڈ ، ص ۱۳۱ - نیز
Southern, R.W.Western views of Islam in the Middle Ages. Harvard University Press 1962. p.72.

اور یوں اُن کے اپنے آباؤ اجداد کا وہ علمی ورثہ جس سے وہ پہلے خود بھی زیادہ واقف نہ تھے، عربی میں محفوظ ہو چکا تھا۔[1] علاوہ ازیں علوم و فنون اور آداب و معارف کے اسلامی مراکز سے اخذ و استفادہ کے لیے، اور اندلس و صقلیہ میں مسلمانوں کے اسلاف کی روشن کی ہوئی شمعِ عرفان و حقیقت کی روشنی سے اپنے آپ کو مستنیر کرنے کے لئے بھی عربی زبان میں مہارت اور اسلامی علوم و ثقافت سے واقفیت بالکل ناگزیر تھی۔[2] چنانچہ سولھویں صدی عیسوی میں بالآخر وہ مرحلہ آگیا جبکہ ایک طرف تو عیسائیوں کے مختلف فرقوں کا اتحاد ہوا، سب نے مل کر اسلام کو اپنا واحد مشترک دشمن قرار دیا اور ایک متحدہ رومی کیتھولک چرچ کی بنیاد رکھی گئی[3] اور دوسری طرف یہ طے کیا گیا کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف جس محاذ پر پہلے صرف عیسائی، یہودی، راہب، پادری، قصّہ گو، مناظر، شاعر وغیرہ ڈٹے ہوئے تھے، اب اُن کی جگہ مغربی دنیا کے وہ عقلاء، فضلاء لیں گے جو کلاہِ علمی سے آراستہ ہوں گے اور درس و تدریس کی مسندوں پر فائز ہو کر دادِ تحقیق دیں گے، تاکہ اُدھر اُن کے اَن دیکھے جذباتِ نفرت و عداوت بھی تسکین پائیں اور اِدھر علم و تحقیق کے حوالے سے ان کا رعب و دبدبہ قائم ہو جائے۔

چنانچہ یہی ضرورتیں گیام پوسٹل (Guillaume Postel) کو سامنے لائیں[4]، جو عام طور پر مستشرقینِ یورپ کا باوا آدم شمار ہوتا ہے۔ وہ پہلا اصولی مستشرق تھا جس نے تحریکِ استشراق کو منظم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا اور بطورِ خاص لغت و لسانیات کے حوالے سے اہم خدمات انجام دیں[5]۔ پوسٹل ہی کے لیے ۱۵۳۹ء میں کلیۂ فرانس (College de France) قائم

---

[1] اظہر، ظہور احمد۔ صلیبی جنگیں۔ (اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ) ص ۲۱۹۔ مشہور مصنف زکریا ہاشم زکریا نے تاریخِ استشراق کے بیان میں، اِن باتوں کی مزید تفصیل "دورِ اوّل" کے تحت ذکر کی ہے۔ ملاحظہ ہو: زکریا ہاشم (المستشرقون) ص ۱۶۷۔

[2] عہدِ اسلامی میں اندلس اور صقلیہ کے مراکزِ علمی، ان کی اہمیت اور ان کے عروج و زوال کی مختصر تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو: العقیقی ج ۱ ص ۴۸ تا ۶۰۔

[3] مسیحیت و پاپائیت کی ضروری تاریخ، کلیسا کی درجہ بندی، مسیحی فرقوں، مسیحی عقاید، اہم اصطلاحات اور مسیحی عزائم سے عام واقفیت کے لیے: ڈاکٹر محمد نادر رضا۔ پاکستان میں مسیحیت۔ مسلم اکادمی۔ لاہور ۱۹۷۹ء۔

[4] گیام پوسٹل فرانسیسی مستشرق تھا۔ اُس کا زمانہ (۱۵۱۰ تا ۱۵۸۱) ہے۔ (دیکھیے: المنجد فی الادب والعلوم۔ المطبعة الکاثولیکیہ۔ بیروت ۱۹۲۷ء۔ ص ۸۹) پوسٹل کا اصل کام ابجدیات پر ہے (العقیقی ج ۱ ص ۱۶۰) پوسٹل اپنے زمانے کا زبردست مسیحی عالم تھا۔ ایڈورڈ سعید نے لکھا ہے کہ پوسٹل اور اربی نیوس دونوں کا شمار یورپی نشأۃ ثانیہ کے مستشرقین میں ہوتا ہے۔ سعید کے بقول پوسٹل اس بات کا مدعی تھا کہ وہ اپنی زبان دانی کے سبب ایشیا سے لے کر چین کی سرحدوں تک بغیر کسی مترجم کے سفر کر سکتا ہے۔ دیکھیے، (سعید، ص ۵۰)۔

[5] روڈنسن (میراثِ اسلام) ص ۴۴۔

کیا گیا[۱]۔ اور وہ عربی کی پہلی کرسی صدارت پر فائز ہوا۔ گیام پوسٹل کے کام کو لغت و لسانیات کے ہی مکرر حوالے سے اُس کے لائق و فائق شاگرد جوزف اسکالیجر (Joseph Scaliger) نے آگے بڑھایا[۲]۔ بہرحال کم و بیش پینتالیس سال کی تیاری کے بعد ۱۵۸۶ء میں عربی مطبوعات کا سلسلہ یورپ میں شروع ہوا۔ جس کا سہرا بڑی حد تک ڈیوک آف تسکانی (Duke of Tuscany) کے سر ہے[۳]۔

اوپر کی تفصیل سے دو باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ یعنی :

(الف) یہ کہ سولھویں صدی عیسوی کو ہم باقاعدہ طور پر تحریکِ استشراق یا Orientalism کا سرآغاز قرار دے سکتے ہیں۔ یہی وہ دور ہے جبکہ مستشرقینِ یورپ نے کام کا مربوط و منظم نقشہ مرتب کیا۔ اور یہ کہ :

(ب) اس تحریک کی شروعات خالص مسیحی مشنری اور کلیسائی پس منظر میں ہوئی، جس کا اثر تاریخ مابعد پر جاری و ساری رہا۔ کیونکہ مستشرقین کا خانوادہ چرچ (کلیسا) کا ہی پروردہ تھا[۴]۔

(۸)

تحریک کا ارتقاء

تحریکِ استشراق کے حوالے سے ۱۷ویں اور ۱۸ویں صدی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ زمانہ تحریک کے ارتقاء، اُس کے پھلنے پھُولنے کا عہد ثابت ہوا۔ جہاں تک ۱۷ویں صدی عیسوی کا تعلق ہے۔ بقول مولانا شبلی یہ صدی یورپ کے عصرِ جدید کا مطلع ہے[۵]۔ اور یورپ کی جدّوجہد، سعی و کوشش اور حریت و آزادی کا دور اسی عہد سے شروع ہوتا ہے[۶]۔ پھر یہ عروجِ استعمار کی صدی ہے، جس کے پنجۂ استبداد میں رفتہ رفتہ عالمِ اسلام آتا چلا گیا۔ یورپی شہزادوں کی سرپرستی میں اسلامی مطبوعات کے بارے میں معلومات جمع کی جانے لگیں۔ عربی زبان کی ماہیت و خاصیت کو سمجھنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ ارپِنیس (Erpenius 1584-1624) نے پہلی عربی کی قواعد شائع کی، جو لغوی اصولوں پر مرتب کی گئی تھی۔ پھر اُس کے اتباع میں اُس کے شاگرد جیکب جولیس (Jacob Goluis 1596-1667) نے بھی قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔[۷]

۱؎ ایضاً ص ۳۵ ۲؎ ایضاً

۳؎ دیکھیے روڈنسن ص ۳۵۔ ایک مصنف کے نزدیک مشرقی مطبوعات کا سلسلہ پریس میں ۱۵۱۹ء کو شروع ہوا (العقیق ج ۱ ص ۱۶۰)۔

۴؎ ندوی، سید حبیب الحق۔ ص ۲۴۳۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے مسیحی پادریوں کی فہرست نقل کی ہے جو مدتوں مرتاض راہب سے تربیت حاصل کرتے رہے۔ ملاحظہ ہو : ہاشمی، مولانا سید عبدالقدوس۔ مستشرقین اور تحقیقات اسلامی۔ مکتبہ ملی (۱۹۶۹ء) ص ۲۷، ۲۸۔

۵؎ شبلی ج ۱ ص ۸۸ ۶؎ ایضاً ص ۸۹ ۷؎ روڈنسن ص ۳۶۔

اور پھر ۱۶۴۳ء میں ایڈورڈ پوکاک[۱] (Edward Pococke 1604 - 1691) پہلا انگریز مستشرق تھا جسے آکسفورڈ میں شعبہ عربی کا صدر نشین بنایا گیا۔[۲] مزید برآں عربی زبان کی قواعد اور لغت کی ترتیب کا کام آسٹریا کے میرنسکی (Lorriunuer Franz Meurnski) نے بھی ۱۶۸۰ء میں انجام دیا۔ اس کے علاوہ اسلامی علوم اور تہذیب و تمدن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ایک ادارہ ڈی ہربیلوٹ (d'Herbelot) کی سرکردگی میں قائم کیا گیا۔ اس ادارہ نے ایک اہم کام یہ کیا کہ اس وقت تک جس قدر بھی مشرقی علوم پر کتابیں شائع ہوئی تھیں، ان کی ایک باقاعدہ فہرست مرتب کر کے شائع کر دی جو بڑی معلومات افزا تھی۔ اسی ادارہ کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتابچہ بھی شائع کیا گیا۔[۳]

سترھویں صدی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بقول مولانا شبلی سنے سنائے عامیانہ خیالات کے بجائے کسی قدر تاریخ اسلام و سیرتِ پیغمبر کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم کی گئی۔ گو موقع بہ موقع معلوماتِ سابقہ کے مصالحہ کے استعمال سے بھی احتراز نہیں کیا گیا۔[۴] اس صدی میں مستشرقین کے رویہ اور سلوک میں اس تبدیلی اور فرق کی اصل وجہ گویا ان کے مآخذ (sources) کے بدل جانے میں مضمر تھی۔ ازمنۂ وسطیٰ کے روایتی لاطینی اور بیزنطینی مواد کی سیاہیوں میں اسلامی اور عربی مصادر نے روشنی پیدا کی اور انھوں نے اس تضاد کو بھی سمجھ لیا جو سیاحوں کے سفرناموں کے اندراجات، ان کے تصورات اور اصل حقائق کے مابین پایا جاتا تھا۔[۵] اس عہد میں بھی حسب سابق مطبوعات اور تصنیفات بہت کم ہیں۔[۶] البتہ جو مستشرقین، مطالعۂ سیرت رسول کے حوالے سے سامنے آئے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:

(۱) ولیم بیڈوَل (Bedwell.W) انگریز مستشرق تھا۔ جس کا زمانہ ۱۵۶۱ء تا ۱۶۳۲ء ہے۔

---

[۱] انگلستان کا ایک مشہور عربی داں مستشرق تھا جو بلادِ مغرب میں ۱۷ویں صدی کے مستشرقین میں ایک بلند مرتبہ رکھتا تھا۔ وہ ایک پادری کا بیٹا تھا جو ۱۶۰۴ء میں پیدا ہوا اور ۱۶۴۱ء میں واپس آکسفورڈ آیا اور باقی عمر وہیں صرف کر دی۔ اُس نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ پوکاک کے علمی کارناموں نے یورپ میں عربی علوم کی تحقیقات کے لیے ایک نیا باب کھول دیا۔ اس کی وفات ۱۶۹۱ء میں ہوئی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۵ ص ۶۰۷، ۶۰۸۔ نیز ملاحظہ ہو: ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۱۹۴) اُس نے چند عربی کتب کے ترجمے کیے، سیرتِ محمدؐ پر نظرِ ثانی کی اور کئی افسانوں کو مسترد کر دیا (ندوی، ص ۳۴۷)۔

[۲] روڈنسن۔ میراث اسلام ص ۳۹۔

[۳] Hamadeh, Mohammad, Maher Muhammad, the Prophet - A selected Bibliography The University of Michigan. Ph.D. 1965. Lib. Sc. p. 57 (Photostat copy unpublished.)

[۴] شبلی۔ ج ۱۔ ص ۸۹۔ اس صدی میں لب و لہجہ کی تبدیلی کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ حمادے ص ۴۴۔

[۵] تفصیل کے لیے دیکھیے: ندوی۔ ص ۳۴۶ تا ۳۴۸۔

[۶] حمادے ص ۴۶

اُس کے آثار و باقیات میں دو کتابیں قابلِ ذکر ہیں۔ایک عربی لغت جو سات جلدوں میں ہے اور ۱۶۱۱ء سے پہلے شائع ہوئی اور دوسرے سیرت رسول پر کتاب جو لندن سے ۱۶۱۵ء میں شائع ہوئی[1] سیرت کی کتاب نہایت گستاخانہ ہے اور نہایت بے باکی سے کام لیتے ہوئے اُس کا نام ہی "محمد کاذب" (Mohammadis Imposturae) رکھا گیا ہے[2]

(۲) واٹیر (Vattier, P) فرانسیسی مستشرق تھا۔اس کا زمانہ ۱۶۱۳ء تا ۱۶۶۷ء تھا۔عربی میں مہارت حاصل کرنے کے بعد بڑی کثرت سے فرانسیسی میں ترجمہ کیا[3]

(۳) ہاٹنجر (Hottinger , J.H) سوئٹزرلینڈ کا ایک مستشرق (۱۶۲۰ء تا ۱۶۶۷ء) اُس کے باقیات میں مشرقی تصانیف کی ایک فہرست (مطبوعہ ہائیڈلبرگ ۱۶۵۸ء) قابلِ ذکر ہے[4]

(۴) ڈاکٹر ہنری اسٹب (Dr. Henry Stubbe) سترھویں صدی کا مشہور مستشرق بہ زمانہ (۱۶۳۲ء تا ۱۶۷۶ء)۔اُس کی مشہور کتاب (جو پہلے پہل لندن سے ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی[5] کا نام ہے: An Account of the rise and progress of Mohammetanism کہا جاتا ہے کہ اگر اس کی کتاب کی کچھ تاریخی غلطیاں نظر انداز کر دی جائیں، تو اسے سیرتِ رسول کی ایک معقول و معتدل تصنیف قرار دیا جا سکتا ہے۔اور جیسا کہ اُس کے مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے۔یہ کتاب گویا مغرب کی جانب سے سیرتِ رسول کے بارے میں اولین اعتذار ہے۔اس کتاب میں اسٹب نے نہ صرف یہ کہ اُس رویّہ کا جائزہ لیا ہے جو پیغمبر اسلام کے ساتھ مسیحی مصنّفین نے پہلے اختیار کر رکھا تھا[6] بلکہ اُن مصنفین کی تصویر کو اُس نے مکروہ قرار دیا ہے جو اُنھوں نے اخلاق و کردارِ نبویؐ کی کھینچی تھی[7] اور انتہائی عالمانہ شان سے یہ اقرار کیا ہے کہ "اِس آسمان کے نیچے سوائے محمدؐ کے کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو تمام دنیائے انسانیت کی مرکزِ توجہ بنی ہو کہ اپنے تو اُس پہ عقیدت کے پھول نچھاور کریں اور غیر اُسے نگاہِ آتشیں سے دیکھیں، مشرق میں اُسے سراہا گیا، لیکن مغرب نے التفات نہ کیا۔[8]

---

[1] العقیقی۔ ج ۲ ص ۴۶۴

[2] حمادے (ص ۴۶) بڈوَل نے کمال خباثت سے کام لیتے ہوئے نعوذ باللہ حضور کی جعل سازیوں، مکاریوں، دغابازیوں، جھوٹی پاکبازی کو گنوایا ہے (ایضاً)

[3] العقیقی ج ۱ ص ۱۷۲ — [4] ایضاً ج ۲ ص ۴۸۰

[5] اب اس کی مکرر طباعت پاکستان میں "البیرونی" لاہور ۱۹۷۶ء کے ہوئی ہے اور راقم الحروف کے سامنے اس وقت یہی نسخہ ہے۔

[6] دیکھیے اسٹب کی کتاب کا باب دوم، خصوصاً ص ۴۹ و مابعد، ص ۱۹۵ و مابعد۔

[7] ایضاً باب ہشتم ص ۱۸۱ و مابعد۔

[8] ایضاً ضمیمہ ص ۲۱۱۔

دوسرے مستشرقین میں سے جین برِرڈ (Genebrard) کا زمانہ اگرچہ (۱۵۳۵ تا ۱۵۹۱) تھا لیکن اُس کا موقف تقریباً سترھویں ی میں عام ہوا۔ وہ ایک مشہور کیتھولک مناظرہ باز تھا۔ جین برِرڈ کو سب سے بڑا اعتراض اس بات پر تھا کہ حضورؐ نے ن کو عربی زبان میں کیوں لکھا؟ وہ اپنے آپ سے سوال کرتا ہے کہ قرآن کو عبرانی، یونانی اور لاطینی جیسی خالص مہذب نوں میں کیوں نہیں لکھا گیا؟ پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ اس لیے کہ "محمد (خاکم بدہن) خود ایک حیوان (جانور، ا یہ) تھے اور صرف ایک ہی حیوانی (وحشیانہ) زبان (عربی) جانتے تھے، جو اُن کے مخصوص وحشیانہ ماحول سے عین ابقت رکھتی تھی"[۵] اس لیے اس کے نقطۂ نظر کے مطابق، قرآن عربی جیسی وحشی زبان میں لکھا گیا۔

۱۶۵۳ء میں الیکزینڈر رَوْس (Alexander Ross) نے اپنی جو کتاب Pandeblis شائع کی وہ اگرچہ تقابلِ ادیان کے لے سے سامنے آئی لیکن اس کے ایک حصہ میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے بارے میں کچھ بہتر مواد پایا جاتا ہے حالانکہ اس پہلی کتاب A brief sketch of the life and death of Mahomet, the prophet of the Turks, and author of the Al- coran accompanying the translation of the Kur قرونِ وسطٰی کے روایتی خرافاتی مواد، قصے کہانیوں اور زہریلے نڈانہ مواد پر مشتمل تھی۔[۶] لینسلوٹ ایڈیسن (Lancelot Addison) نے ۱۶۷۹ء میں اپنی کتاب The first state of Mohammetanism.or an account of the author and doctrines of that impost کے نام سے شائع کی لیکن اگلے سال کتاب نئے عنوان The life and death of Mohammad (حیات و ممات محمدؐ) سے سامنے آئی[۷] مگر اس کے مصادر ب معمول لاطینی خرافات تھے۔ آنحضرتؐ کے خلاف اُسے سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ "اپنی کتاب "قرآن" کو اپنی رگی میں شائع نہیں کیا تھا"[۸] ایک اور مستشرق ہمفرے پرائی ڈیکس (Humphrey Prideaux) نے حضورؐ کی سوانح لکھی ن اپنے دامن کو وہ بھی خرافات سے نہ بچا سکا۔ اور دوسروں کی طرح آپؐ کو خدانخواستہ "مدعی کاذب"، مکار، فریبی (IMPOSTUR) قرار دیا۔ اس پر تماشہ یہ ہے کہ اُس کی کتاب تقریباً ایک صدی تک دوسروں کے لیے "معیاری ملب حوالہ" (Standard work of reference) بنی رہی۔ ایک ہی سال (۱۶۹۷ء) میں دو اشاعتیں عمل میں آئیں فرانسیسی ترجمہ بھی ۱۶۹۹ء میں ہو گیا[۹] اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مستشرقین کے حلقوں میں عام مذاق تھا اور کس قسم کے مواد کو ان کے بڑے بڑے علماٗ استعمال کرتے تھے۔

اٹھارھویں صدی عیسوی کے دوران بھی تحریکِ استشراق منازلِ ارتقا طے کرتی رہی البتہ سفر جیسے جیسے گے بڑھتا رہا، رغبتِ سفر کم و بیش ہوتا رہا اور اپنے تمام تر مذہبی، مشنری، سیاسی اور استعماری عزائم کے

---

۵ حمادے۔ ص ۴۶، ۴۷۔ ۶ ایضاً ص ۴۸

۷ ایضاً ۸ ندوی ص ۳۴۷، ۳۴۸۔

۹ حمادے ص ۴۹۔ ہمفرے کی کتاب کا بہت مفصل تعارف (ص ۴۹ تا ۵۲) دیا گیا ہے۔

علی الرغم، مستشرقین کے رویہ میں کچھ لچک اور نرمی بھی پیدا ہو گئی۔ اس نرمی اور لچک کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان میں سے چند کا رویہ، رنگ و آہنگ اور آواز و انداز بدلا اور نسبتاً انصاف پسندی سے کام لیا بلکہ دل و نگاہ میں گنجائش پیدا کر کے اثبات و معروضیت (Objectivity) سے آگے بڑھ کر توصیف و مدح (admiration) اسلام و پیغمبر اسلام میں بھی بخل سے کام نہیں لیا[۱]، ورنہ پرانے خیالات اور ان کے اپنے متقدمین کے قائم کیے ہوئے نظریات بہر حال گرم سفر رہے اور مقبولیت بھی انہی کو حاصل رہی، تاہم اتنا ضرور ہوا کہ متشددانہ و متعصبانہ رویہ کے شانہ بہ شانہ معقولیت و انصاف پسندی کا رجحان بھی جاری و ساری ہو گیا۔ اور اس رجحانِ نو کا ساز غالباً اِس صدی میں سب سے پہلے ولندیزی مستشرق ریلان[۲] (H.Reland) نے ۱۷۰۵ء میں De Religione Mohammadica لکھ کر چھیڑا۔ اور اپنے ہم مشربوں سے مطالبہ کیا کہ "ہم مشرق کو اس کے اپنے اصل مآخذ کے ذریعہ ہی سمجھ سکتے ہیں"۔ دربرملا کہا کہ "تاریخی انصاف" کی ترازو میں تو ہمیں اسلام کو بھی تولنا چاہیے[۳]۔ پھر اِس "نے نوازی" میں پیری بائل[۴] (Pierre Bayle) اور بولین ولیرز[۵] (count of Boulainvilliers) وغیرہ بھی شامل ہو گئے۔

بہرحال مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اٹھارھویں صدی میں مغرب نے اسلام، پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں کی طرف بنظرِ شفقت دیکھا اور افہام و تفہیم کی جانب پیشقدمی کی[۶]۔

اس صدی میں مستشرقین کی ذاتی و انفرادی کاوشوں کے علاوہ، سرکاری اور اجتماعی سطح پر بھی سرگرمیاں منظم کی گئیں۔ خصوصاً اِس صدی کے اواخر میں اِن رجحانات نے زیادہ زور پکڑا۔ بقول مولانا شبلی "یہ وہ زمانہ ہے جب

---

[۱] روڈنسن۔ ص، ۳۷، ۳۸

[۲] ریلان نے اسلام کے بارے میں جو معروض رویہ پیش کیا وہ زیادہ تر اسلامی مآخذ پر مبنی تھا۔ (ایضاً ص، ۳۷)

[۳] حمادے ص ۵۲ (تفصیلات ص ۵۲، ۵۳)

[۴] یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ رواداری برتنے کا قائل تھا۔ اُس نے اپنی تنقیدی لغت کے پہلے ایڈیشن میں پیغمبرِ اسلام کی سوانح بیان کرنے میں مثبت انداز اختیار کیا۔ (روڈنسن ص، ۳۷)

[۵] اس کی کتاب فرانسیسی زبان میں vie de Mohamet کے نام سے ۱۷۳۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کا اندازِ بیان بہت معذرت خواہانہ (apologetic) تھا۔ (دیکھیے ایضاً) یہ کتاب اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی جانب پہلی دوستانہ کاوش تھی جو مسیحی یورپ میں ظاہر ہوئی (ندوی ص ۴۴۹) بولین ولیرز کا انداز ایک دوسرے متعصب مستشرق جینیئر (Gaynier) کو بالکل پسند نہ آیا۔ جینیئر نے اُس کے مثبت اندازِ فکر اور تعمیری رجحان کے رَد میں via de Mohamet (مطبوعہ ایمسٹرڈم ۱۷۴۸ء) لکھی (حمادے ص ۵۴؛ اس وقت ہمارے سامنے بولین ولیرز کی کتاب کے انگریزی ترجمہ کی عکسی نقل ہے۔

[۶] ملاحظہ ہو: روڈنسن ص۔ ۴۰۔ پروفیسر ظفر قریشی کے بقول مغرب کی طرف سے ۱۸ ویں صدی میں پہلی مرتبہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کا مطالعہ شروع ہوا۔ دیکھئے ص ۸ (مارچ ۱۹۶۸ء)

یورپ کی قوتِ سیاسی، اسلامی ممالک میں پھیلنی شروع ہو گئی، جس نے "اورینٹلسٹ" کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا کر دی، جنھوں نے حکومت کے اشارہ سے السنۂ مشرقیہ کے مدارس کھولے، مشرقی کتب خانوں کی بنیاد ڈالی، ایشیاٹک سوسائٹیاں قائم کیں، مشرقی تصنیفات کی طبع و اشاعت کے سامان پیدا کیے، اور بعض تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا۔"[1] اور آخر کار ان مدارس اور سوسائٹیوں کی تقلید سے تمام ممالکِ یورپ میں اس قسم کی درسگاہیں اور انجمنیں جاری ہو گئیں، عام یونیورسٹیوں میں عربی زبان کے پروفیسروں اور کتب خانوں کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا۔[2] "السنۂ مشرقیہ کے علاوہ مسلمانوں کے سائنسی علوم پر علمی و تحقیقی کام کی غرض سے پیرس میں ۱۷۹۵ء میں ایک اور ادارہ Eco Le des langues Orientales vivanless قائم کیا گیا۔ اس کے تحت اضافی طور پر مشرقی زبانوں کے بارے میں بھی معلومات اکٹھی کی گئیں۔

اٹھارھویں صدی کی ایک خصوصیت اس تحریک کے حوالے سے یہ بھی ہے کہ استشراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) کی اصطلاحوں کا رواج اسی زمانے میں شروع ہوا۔[3] چنانچہ انگلستان میں ۱۷۷۹ء کے لگ بھگ" اور فرانس میں ۱۷۹۹ء کے قریب "مستشرق" کی اصطلاح رائج ہوئی اور پھر جلد ہی "استشراق" نے بھی رواج پایا۔[4] اور اس کے ساتھ ہی ایک مخصوص تصور اور مخصوص سلوک اور رویہ (Discipline) نے بھی جنم لیا۔[5] بہرحال اس صدی کے مشاہیر علمائے مستشرقین میں سے مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں :

(۱) سائمن اوکلے (Ocklay, S) انگریز مستشرق۔ جس کا زمانہ ۱۶۷۸ء تا ۱۷۲۰ء تھا۔[6] اس کی کتاب مسلمانوں کی تاریخ پر History of the Saracens کے نام سے ۱۷۰۸ء تا ۱۷۱۸ء شائع ہوئی۔[7] یہ تین جلدوں میں تھی۔[8] کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا جبکہ مستشرقین کے نتائج تحقیق کو عام لوگوں کی رسائی کے قابل بنایا گیا۔[9]

۱؎ شبلی ج ۱ ص ۹۰

۲؎ ایضاً ص ۹۱

۳؎ روڈنسن ۔ ص ۴۷

۴؎ ایضاً ۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد ۱۸۳۸ء میں فرانس سے شائع ہونے والی اُس لغت میں بھی یہ اصطلاح جگہ پا گئی ۔ جس کا نام تھا : Dictionnaire del' A c ademic Francaise (فرانسیسی کی لغتِ علمی) اور اس میں مندرج ہوا Orientalisme دیکھیے : ایضاً۔

۵؎ ایضاً

۶؎ العقیقی ج ۲ ص ۴۶۹

۷؎ روڈنسن ۔ ص ۳۹

۸؎ ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۱۱۳۔

۹؎ روڈنسن ۔ ص ۳۹۔

(۲) ایڈورڈ پوکاک (Pococke, G) انگریز مستشرق جس کا زمانہ ۱۶۴۸ء تا ۱۷۲۷ء تھا۔[1] اس کا ہم نام ایک مستشرق ۱۷ویں صدی میں گزر چکا ہے۔

(۳) جارج سیل (Sale, G) انگریز مستشرق۔ جس کا زمانہ ۱۶۹۷ء تا ۱۷۳۶ء تھا۔ اُس نے ۱۷۳۴ء میں قرآن کا ترجمہ شائع کیا[2] اور بعض مستشرقین کے کلماتِ خیر کے ردِّ عمل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کاذب اور اسلام کو فاسد مذہب (False religion) قرار دیا۔[3]

(۴) جین گیگنیر (Gagnier, J.) انگریز مستشرق۔ جس کا زمانہ ۱۶۷۰ء سے ۱۷۴۰ء تک تھا۔[4] اس نے دو کتابیں شائع کیں۔ اِن دونوں کتابوں کا مقصد بولین ولیر کی تالیف کی تاثیر کو کم کرنا تھا۔ بلکہ بولین ولیر کے مقابلہ میں اس نے ایک نئی تالیف vie de Mohammet پیش کی جو ۱۷۴۸ء میں امسٹرڈم سے نمودار ہوئی۔[5]

(۵) رسک (Reiske, J.J) جرمن مستشرق جس کا زمانہ ۱۷۱۶ء سے ۱۷۷۴ء تک تھا۔[6] وہ جرمنی کا کلاسیکی لغوی اور عربی اسکالر تھا اور یونانی زبان و ادب پر سند مانا جاتا تھا۔[7]

(۶) ایڈورڈ گبن (Gibbon, E) انگریز مورخ (زمانہ ۱۷۳۷ء تا ۱۷۹۴ء)۔ اپنی کتاب تاریخ زوالِ روما کے لیے خاص شہرت کا حامل۔[8] اس نے ۱۷۵۰ء میں کتاب مذکور کے پچاسویں باب میں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہایت دلسوز رائے کا اظہار کیا اور رواداری کے دعوے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کاذب (Imposter) کا خطاب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ آخری ایام میں شہوت، لالچ، جاہ طلبی اور بوالہوسی میں مبتلا ہو گئے تھے۔[9] (نعوذ باللہ)

(۷) والٹیئر (Voltaire Fr.) فرانسیسی مصنف، زمانہ ۱۶۹۴ء تا ۱۷۷۸ء۔[10] اُس نے پیغمبرِ اسلام کے

---

[1] العقیقی ج ۲ ص ۴۷۱

[2] ایضاً

[3] ندوی ص ۳۵۰

[4] العقیقی ج ۲ ص ۴۷۱

[5] ندوی (ص ۳۵۰)۔ بدبخت مولف نے آنحضرتؐ کو نہ صرف انسانیت کا بدترین دشمن بلکہ خدا کا بھی دشمن قرار دیا۔ (ایضاً)

[6] العقیقی ج ۲ ص ۶۹۲۔

[7] ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری، ص ۱۲۷۴۔

[8] ایضاً ص ۵۹۱۔ گبن جدید انگریزی تاریخ نگاری کا معمار ہے (حمادے ص ۵۵)۔

[9] ندوی ص ۳۵۱۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حمادے ص ۵۵، ۵۶۔

[10] ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۵۲۹۔

بارے میں اپنا مشہور ڈرامہ تحریر کیا جس کا عنوان تھا (Le Fanatisme on Mohammetle Prophete) یہ ڈرامہ اگرچہ تاریخی لحاظ سے بے بنیاد تھا[1] تاہم یہ امر ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کہ اُس وقت تک مستشرقین شریعتِ اسلامی کی باریکیوں سے واقف نہ ہوئے تھے یہ ڈرامہ ۱۷۴۲ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اُس نے نہ صرف اسلام کے خلاف نفرت و حقارت کا اظہار کیا بلکہ یورپ کے اُن تمام مستشرقین کی شدت کے ساتھ مذمت کی جنھوں نے اسلام اور آنحضرتؐ کی جانب نرمی کا رویہ اختیار کیا یا انصاف کا مطالبہ کیا۔

اُس نے آنحضرتؐ کو نبی کاذب (Imposter) اور اسلام کو وحشی اور فاسد مذہب سے موسوم کیا۔ اُس نے ڈرامہ کو پوپ XIV کے نام منسوب کیا اور اس کے مقدمہ میں اسلام کے خلاف خوب زہر اگلا، پھر اپنے مقالات کے مجموعہ (۱۷۵۶ء) میں بھی والٹیئر نے آنحضرتؐ اور اسلام کے خلاف سخت نفرت کا مظاہرہ کیا۔ والٹیئر کی شخصیت اور تالیفات کا گہرا اثر دوسرے مستشرقین پر بھی پڑا[2] چنانچہ ڈیڈی رَوٹ (Diderot) اس فحش نگاری پر بھی اتر آیا کہ "محمدؐ دنیا میں سب سے بڑھ کر عورتوں کے دوست، اور سنجیدگی و معقولیت کے دشمن تھے۔"[3] (نعوذ باللہ)

(۹)

تحریکِ استشراق کا عروج

انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے ربع اوّل تک کا زمانہ مسلمانوں اور مستشرقین دونوں کے لیے متعدد اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے۔ پچھلی صدیوں میں عالمِ اسلام کو دنیا کے مختلف حصوں میں سقوط و انحطاط کی جن منزلوں سے گزرنا پڑا تھا[4]، ایک تو اُن کے سبب ہی مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت ختم ہوئی، اس پر مستزاد یہ کہ ان کے پرانے حریف "مغرب"

---

[1] حمادے۔ ص ۵۶

[2] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ایضاً ص ۵۶ تا ۵۸۔

[3] ایضاً ص ۵۸۔

[4] سقوط و انحطاط کی یہ داستان تو بہت طویل ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا آغاز ۱۱ھویں صدی عیسوی میں ہوا مثلاً اگر ایک طرف اندلس میں بنو امیہ کے بعد مسلم اسپین رُو بہ زوال ہُوا، اور رفتہ رفتہ عملاً عیسائیوں کا باجگزار بن گیا اور سقوط غرناطہ (۱۴۹۲ء) کے بعد تو گویا مسلمان وہاں سے نکل کر متفرق و منتشر ہوگئے تو دوسری طرف صقلیہ کی باری آئی تو نارمنوں نے ۱۰۷۱ء میں اُس کے پایۂ تخت پر قبضہ کر لیا اور پھر ۱۰۸۱ء تک پورا سسلی چھین لیا گیا۔ پھر ۱۲ھویں صدی میں نارمن حملے افریقہ پر ہونے لگے، بحر روم میں طاقت کا توازن درہم برہم ہوگیا اور اسی صدی کے اواخر تک بحر روم پر نارمنوں اور اطالیوں کی برتری قائم ہوگئی۔ یہ جراحتیں اسی طرح پہنچتی رہیں یہاں تک کہ سولھویں صدی عیسوی کا زمانہ مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت کا آخری زمانہ ثابت ہوا۔ اور اہلِ یورپ کے اعزاز کا یہی اوّلین دور ہے (ذکریا ہاشم ص ۱۹۸) عالم اسلام اس کے بعد بڑی تیزی سے زوال پذیر ہوا۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جبکہ تحریک استشراق کا بھی باقاعدہ آغاز ہوا۔

کو زمانۂ بیداری کے بعد سے سیاسی، عسکری، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی ہر میدان میں مسلسل تفوق و بالادستی حاصل ہوتی چلی جارہی تھی، اور اس کی سامراجی گرفت عہد بہ عہد مضبوط ہوتی جارہی تھی، یہاں تک کہ انیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے اُدھر عالمِ اسلام خستہ و نزار ہوا اور اِدھر مغرب کا پرچم استعمار اور بلند ہوا۔ یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لیے کیسی ہی اذیت ناک کیوں نہ ہو، اقوامِ مغرب کے لیے بہرحال خوش آئند تھی اور اس سے برابر کا فائدہ مستشرقین نے بھی اٹھایا۔ چنانچہ زیرِ نظر دَور (۱۹۰۰ تا ۱۹۲۵) تحریکِ استشراق کے عروج و کمال سے عبارت ہے۔ اس عہد میں تحریکِ استشراق کو بھرپور فروغ حاصل ہوا مستشرقین کے انداز و اطوار اگرچہ بدل گئے تاہم کیفیت و کمیت دونوں اعتبار سے اُن کے اَخلاف اپنے اسلاف پر بازی لے گئے۔ چنانچہ :

(ا) کمیّت کا اندازہ تو اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ زیرِ بحث دور میں مستشرقین کی ایک بہت بڑی تعداد سامنے آئی، اس میں ہر قسم کے مستشرقین شامل تھے جو خاموش صلیبی جنگ کے اس محاذ پر یورپ کے تقریباً تمام علاقوں کی نمائندگی کرنے والے تھے۔ مثلاً فرانس، اٹلی، انگلستان، اسپین، پرتگال، آسٹریا، ہالینڈ، جرمنی، ڈنمارک، سویڈن، سوئٹزرلینڈ، ہنگری، روس، بلجیم، چیکوسلواکیہ، فن لینڈ وغیرہ اور امریکہ والے بھی شریک ہو گئے۔[۱]

(ب) کیفیت کے اعتبار سے مستشرقین نے تصنیف و تالیف کے ڈھیر لگا دیئے۔ ان کے مطالعہ اور تحقیق و تدقیق کا دائرہ بھی محدود نہ رہا بلکہ عقائدِ اسلام، قرآن، حدیث، سنّت، فقہ، اجتہاد، عرب اور اہلِ عرب، احوالِ عرب، ترکوں عربوں کے تعلقات، اسلام کی اصلیت، اسلامی تہذیب و تمدن، اور پیغمبرِ اسلام کی سیرت و سوانح وغیرہ پر کثرت سے لکھا گیا۔ اس دَور میں مستشرقین کا معیارِ تحقیق و استدلال بھی بلند ہوا۔ اور تحقیق و جستجو اور تفتیش و تفحص میں انہوں نے ایسا کمال دکھایا جو آج بھی باعثِ حیرت ہے۔ قدیم عربی مآخذ کی تلاش، مخطوطات اور قلمی نسخوں کی دریافت، آثار و اکتشافاتِ قدیمہ کا مطالعہ کتابوں کی تصحیح و اشاعت، اسلامی تاریخی مآخذ کی ترتیب و تدوین، فہرستوں، اشاریوں اور تبویب وغیرہ کی تیاری اور اسی طرح کی دوسری سرگرمیاں، ان کی محنت و ریاضت، علم شناسی اور مشرق نوازی کی روشن دلیل ہیں[۲] بلکہ یہ اُن کا مسلمانوں پر احسان ہے کہ اُن ہی کی کوششوں کے طفیل بہت سی نادر اور مفقود الخبر کتابیں مسلمانوں تک پھر سے پہنچیں اور مشہور و متعارف ہوئیں۔[۳]

---

[۱] نجیب العقیقی نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل سے ان تمام علاقوں کے زیرِ عنوان، مستشرقین کی فہرست، ان کے تراجم اور کارنامے مرتب کردیئے ہیں۔ ملاحظہ ہو: المستشرقون ج ۱، ۲، ۳۔

[۲] اس کی کچھ تفصیل علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ میں بھی دی ہے۔ اور بطورِ خاص اُن مستشرقین کا تذکرہ کیا ہے جن کی محنت و ریاضت کے نتیجہ میں قدیم مآخذ سامنے آئے۔ دیکھیے: شبلی ص ۹۱، ۹۲۔

[۳] جس طرح خود مسلمانوں نے قرونِ وسطیٰ میں محنت و ریاضت کے نتیجہ میں اہلِ یورپ تک ان کی کتابیں پہنچائی تھیں۔

(ج) مستشرقین کے گروہ میں حسبِ سابق دونوں قسم کے افراد نے تصنیف و تالیف میں حصہ لیا۔ ایک طرف اگر روایتی قسم کے متشدد اور متعصب علمائے استشراق تھے[1] تو دوسری طرف حقیقت بیں، انصاف پسند، نرم رَو اور معتدل قسم کے مصنفین بھی تھے۔ مثلاً گاڈفرے ہگنز[2]، کاسن دی پرسیوال[3]، ویل[4]، رینان[5]، گوئٹے[6]، شوال[7]،

---

[1] مثلاً اسپرنگر (۱۸۱۳ - ۱۸۹۳)، سرولیم میور (۱۸۱۹ - ۱۹۰۵)، ڈوزی (۱۸۲۰ - ۱۸۸۳)، ڈی گوجے (۱۸۳۶ - ۱۹۰۹)، گولڈ زیہر (۱۸۵۰ - ۱۹۲۱) وغیرہ۔ حالات و سوانح اور تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: العقیقی ج ۲، ص ۶۳۱، ۴۹۲، ۶۵۸، ۶۶۰ تا ۶۶۳ - ج ۳ ص ۹۰۶ (بالترتیب) نیز دیکھیے ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۳۹۲، ۴۳۷ وغیرہ - نیز اردو دائرہ معارف الاسلامیہ (مطبوعہ لاہور۔ متعلقہ جلدیں)، ماہنامہ معارف اعظم گڈھ (جولائی ۱۹۸۲ء) وغیرہ۔

[2] اس کا زمانہ (۱۷۷۳ تا ۱۸۳۳) تھا۔ اس کی کتاب Apology for Mohammad کے زیرِ عنوان لندن سے ۱۸۲۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ ہمارے سامنے پریمیئر بک ہاؤس لاہور کا ایڈیشن ہے۔ حالات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس کا دیباچہ۔ سرسید بھی اس سے متاثر تھے اور انھوں نے اس کی کتاب کے ترجمہ کا انتظام بھی کیا تھا۔

[3] فرانسیسی مستشرق (۱۷۹۵ - ۱۸۷۱) اُس کے آثار میں تاریخ العرب (۳ جلدیں۔ مطبوعہ ۱۸۴۷ء) اور قبل اسلام و عہدِ رسالت پر تصنیف شامل ہے (العقیقی ج ۱ ص ۱۹۳) سید امیر علی نے اپنی کتاب (اے کریٹیکل اگزامینیشن آف دی لائف اینڈ ٹیچنگز آف محمد) مطبوعہ لندن ۱۸۷۳ء (طبع حاضر ایس ایم میر کراچی ۱۹۷۶ء) کے دیباچہ میں کاسن کے کام کو یورپین مصنفین نے ہر لحاظ سے عالمانہ اور بے لاگ قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۵ تا ۸)۔

[4] جرمن مستشرق (۱۸۰۸ - ۱۸۸۹) متعدد کتابیں یادگار۔ عہدِ رسالت پر تین مجلدات، سیرت ابن ہشام کا جرمن ترجمہ مع تعلیقات و حواشی (العقیقی ج ۲ ص ۷۰۰) لیالی العرب کا بھی ترجمہ کیا اور تاریخ الخلفاء اور مسلمانوں پر ۵ مجلدات - (ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۵۵۵)

[5] فرانسیسی مستشرق (۱۸۲۳ - ۱۸۹۲)، مختلف تصانیف یادگار چھوڑیں مثلاً تاریخ الادیان مطبوعہ ۱۸۵۷ء، کتاب الرسل مطبوعہ ۱۸۶۶ء، کتاب تقدم الآداب الشرقیہ مطبوعہ ۱۸۹۶ (العقیقی ج ۱ ص ۳ - ۲۰۲) یہ فلسفی لغوی اور مورخ تھا (ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۲۴۸)

[6] شہرۂ آفاق جرمن شاعر (۱۷۴۹ - ۱۸۳۲) ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری (ص ۴ - ۶۰۳) اصل شہرت اُس کی مشہور نظم Le Mahomet's Gesang کے سبب ہوئی (شناخت و باسورتھ ص ۴۴) اس کی مزید تفصیل اور تنقید کے لیے ملاحظہ ہو: ندوی ص ۴۰۶۔

[7] جرمن ماہر آثاریات و حجریات اور نقاد بھی تھا۔
(ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۳۲۶)

کارلائل[1]، درمنگھم[2] وغیرہ۔

(د) مستشرقین کے سلوک اور رویہ میں نکھار پیدا ہوا، اور بحیثیت مجموعی اس دور میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ ان کا رویہ پہلے جیسا نہ رہا۔ بلکہ مختلف عوامل کے نتیجہ میں نرم، حقیقت پسندانہ اور معقول ہوتا چلا گیا۔ اِس کی بظاہر ایک وجہ تو مشرقی مصادر تک ان کی رسائی، عربی اور دوسری مشرقی زبانوں سے واقفیت تھی کہ جس کے نتیجہ میں محض تخمین وظن کے بجائے وہ عقل واستدلال اور علم کی روشنی میں بات کرنے لگے، مشرقی ممالک کے مشاہدات واسفار نے ان کے اپنے اسلاف کی لغویت ثابت کردی اور بیان وواقعہ کا تضاد سامنے آگیا۔ دوسری بڑی وجہ خود یورپ کی بدلتی ہوئی فضا تھی۔ نیز جدّت پسندی، سائنسی ایجادات واختراعات، تعصب اور تقشف کے خلاف عام بےچینی، رومانی تحریک، کلاسیکی نظریات کے خلاف بغاوت، تاریخی تنقید کی تحریک وغیرہ بھی موثر عوامل ثابت ہوئے۔ ان باتوں کی روشنی میں گویا یہ کہنا درست ہوگا کہ مستشرقین کی اس فکری تبدیلی کی تہ میں، نہ تو اخلاص جلوہ گر تھا اور نہ کدورت ونفرت پر محبّت و مودّت کے جذبات غالب آگئے تھے بلکہ درحقیقت حالات کی ستم ظریفی نے انہیں نقطۂ نظر بدلنے پر مجبور کیا تھا، ورنہ ان کے اصل مقاصد میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ بہرحال اصل وجہ ہم کسی کو قرار دیں، واقعہ عملاً یہ پیش آیا کہ: (i) اس دور میں ان کے یہاں لغویات کم ہوگئیں اور الزامات واتہامات کا دائرہ سمٹ کر محدود ہوگیا، نیز (ii) صورتِ حالات نے کلیسا کا طلسم توڑکر ایسے مستشرقین بھی پیدا کر دیے، جنھوں سے جرأت سے کام لے کر اپنے پیشرو مصنفین کی تغلیط کی اور اُن کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دُور کیا۔

(ہ) اپنی سرگرمیوں کو منظّم ومرتّب کرنے کے ضمن میں مستشرقین نے اس دور میں متعدد تحقیقی ادارے قائم کیے۔ مثلاً سوسائٹی ایشیاٹک آف پیرس ۱۸۲۲ء، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹین اینڈ آئرلینڈ ۱۸۲۳ء اور امریکن اورینٹل سوسائٹی ۱۸۴۲ء وغیرہ[3]۔ ان تمام اداروں نے جلد ہی اپنے اپنے جریدے نکالنا شروع کر دئے جن سے ان کی تحریک کو بے پناہ تقویت حاصل ہوئی۔ لوگوں کے اذہان وقلوب کو متاثر کرنے میں رسائل وجرائد کو چونکہ ہمیشہ سے خاص اہمیت حاصل رہی ہے اس لیے متذکرہ بالا مجلات کی اشاعت کو کافی نہیں سمجھا گیا اور بلکہ اپنی حکمتِ عملی کا مستقل حصّہ بناتے ہُوئے مستشرقین نے دوسرے متعدد رسائل وجرائد کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔ چنانچہ ہندوستان سے The Muslim World کا اجراء، روس سے ۱۹۱۲ء میں Revaed-el Islam کا اجراء[4]، پیرس سے ۱۸۹۵ء میں Mir Islam

---

[1] انگریز مستشرق (۱۷۹۵-۱۸۸۱) العقیقی ج ۲ ص ۴۸۱ نیز ویبسٹرز ص ۳۵۱۔ مزید تفصیل وتنقید کے لیے ندوی ص ۸۰-۷۰م۔

[2] العقیقی نے لکھا ہے: "مستشرقین میں سب سے بہتر اُسی نے لکھا ہے۔" دیکھیے ج ا ص ۲۹۰۔ عموماً افراط تفریط سے گریز کیا (ہیکل ۳۳)

[3] آکسفورڈ انگلش ڈکشنری (ج ۷، ص ۲۰۰)

[4] دیکھیے اُردو دائرہ معارف اسلامیہ (ج ۱۳، ص ۱۱۲-۱۱۳)

کا اجرا وغیرہ[1]۔ رسائل وجرائد اور مجلّات کی اِن اشاعتی سرگرمیوں کا مقصد بظاہر تو یہ تھا کہ وُہ اپنی تحقیقات سے دوسروں کو روشناس کرا سکیں لیکن بہ باطن مدعا اپنے پرانے استشراقی مقاصد کی تکمیل ہی تھا۔ رہی اُن کی بلند آہنگی، تو وہ صاف نتیجہ تھی اقوامِ یورپ کی بالادستی کا، اور استعماری وسامراجی تسلط کا۔ بہرحال اب منزل وُہ بھی آئی کہ مستشرقین نے اپنی پہلی عالمی کانگریس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور ۱۸۷۳ء میں اسے پہلی بار عملی جامہ پہنا دیا گیا۔ عالمی کانگریسوں کا انعقاد بھی ان کے لیے بڑا مفید مطلب تھا مختلف اداروں کی سرگرمیاں، کارکردگی، نتائج، اطلاعات کا تبادلہ، بڑے بڑے علما فضلا کی شرکت، مقالات، خطبات، صلاح مشورے قرارداویں وغیرہ، یہ سب باتیں تحریکِ استشراق کو فعال اور سرگرم بنانے کے لیے بہرحال ضروری تھیں اور مستشرقین نے اس پہلو کو تشنۂ توجہ نہیں چھوڑا اور ۱۹ویں صدی کے اواخر سے ہی سالانہ اجتماعات کو ایک روایت کے طور پر جاری کر دیا[2]۔

بہرحال یہ تفصیل اسس اجمال کی تھی کہ انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے رُبع اوّل تک کا زمانہ تحریکِ استشراق کا دورِ عروج وکمال تھا۔ اور پھر ہم نے دیکھا کہ تحریک کے تمام شعبوں میں انتہائی رفتار سے ترقی ہُوئی، مستشرقین کا ایک مستقل رویّہ اور سلوک (Discipline) نکھرتا چلا گیا اور بحیثیت مجموعی ان کی تمام سرگرمیاں بہت منظم طریقے سے، ہر سطح پر اپنے اثرات کو ظاہر کرتی رہیں۔ اسی عہد کی آخری دہائی میں اگرچہ عالمی جنگ اور بین الاقوامی سیاست اور متعدد واقعات وحوادث نے ایک مرتبہ پھر سیاسی سماجی اور معاشی وثقافتی حالات کا نقشہ منقلب کر ڈالا تاہم یہ جائزہ ہم آیندہ صفحات میں عہدِ جدید کے تحت لیں گے۔ یہاں زیرِ بحث دور کے کچھ مشاہیر کا تعارف کرانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار بطورِ خاص مدِ نظر رکھا ہے:

(۱) جان جاک سیدیلو (SEDILLOT, J. J.) مشہور فرانسیسی مستشرق، جس کا زمانہ ۱۷۷۷ تا ۱۸۳۲ تھا۔ متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں ایک تاریخِ عرب پر بھی ہے[3]

(۲) دیورجے (Desvergers A.N) - فرانسیسی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۰۵ تا ۱۸۶۷۔ اس کے آثار میں متعدد تصانیف شامل ہیں۔ تاریخ ابی الفدا سے سیرۃ النبی کا خلاصہ متن وترجمہ کے ساتھ ۱۸۳۷ء میں شائع کیا۔ بلادِ عرب پر کئی مجلّدات بشمول تاریخ خلافت، عہدِ معبہ تک، مطبوعہ ۱۸۴۷ء[4]

(۳) ڈاکٹر پیرون (Perron A.) - فرانسیسی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۰۵ تا ۱۸۷۶۔ مصنف کتاب نساء العرب قبل الاسلام وبعد، مطبوعہ ۱۸۵۸، نیز ترجمہ کتاب الطب النبوی از جلال الدین ابی سلیمان داؤد مطبوعہ ۱۸۶۰ء[5]

---

[1] آکسفورڈ انگلش ڈکشنری ج ۷، ص ۲۰۰

[2] زکریا ہاشم - ص ۱۶۸

[3] العقیقی ج ۱ ص ۱۷۷

[4] ایضاً ص ۱۹۰

[5] ایضاً ص ۱۹۵

(۴) گارسن دی تاسی (Tassy, Garcin, de.) فرانسیسی مستشرق بہ زمانہ ۱۷۹۴ تا ۱۸۷۸ء۔ صاحبِ تصانیف، دینِ اسلام، قرآن، مذہبی تعلیمات و فرائض وغیرہ۔[1]

(۵) جوزف وھایٹ (White J.) انگریز مستشرق، زمانہ ۱۷۴۶ تا ۱۸۱۴ء، اسلام اور نصرانیت کے تقابلی مطالعہ پر مشتمل مقالات و محاضرات[2] اسلام اور پیغمبرِ اسلام پر خطبات۔[3]

(۶) ولیم رائٹ (Wright, W.) برطانوی مستشرق اور مصنف۔ زمانہ ۱۸۳۰ء تا ۱۸۸۹ء۔[4]

(۷) ایڈورڈ ہنری پامر (Palmer, E.H.) برطانوی مستشرق اور مشہور مترجم قرآن[5] ترجمۂ قرآن مطبوعہ آکسفورڈ ۱۸۸۰ء۔ اس کا زمانہ ۱۸۴۰ تا ۱۸۸۲ تھا۔[6]

(۸) ڈی جونگ (Jong,P.de.) ہالینڈ کا مستشرق۔ زمانہ (۱۸۳۲ - ۱۸۹۰)۔ دوسرے ہم وطن مستشرق ڈی جوجے (Goeje,M.J.de) کے ساتھ مل کر سیرت ابنِ ہشام پر کام کیا۔ متن اور لاطینی میں ترجمہ لیدن سے ۱۸۸۱ء میں شائع کرایا۔[7]

(۹) ڈی جوجے (Goeje,M.J.de) ہالینڈ کا مستشرق۔ زمانہ (۱۸۳۶ - ۱۹۰۹)، کثیر التصانیف، وفیات الاعیان از ابنِ خلکان پر کام کیا اور اپنے ہم وطن مستشرق ڈی جونگ کے ساتھ مل کر سیرت ابن ہشام کے متن و ترجمہ کی اشاعت کی۔[8]

(۱۰) فلایشر (Fleischer, H.L) جرمن مستشرق تھا۔ زمانہ (۱۸۰۱ تا ۱۸۸۸) متعدد کتابیں لکھیں۔ تاریخ ابی الفداء کو متن و ترجمہ کے ساتھ اور تعلیقات و حواشی سے آراستہ کرکے لیبزگ سے ۱۸۳۱ء میں شائع کرایا۔ ایک اور کتاب تاریخ عرب قبل از اسلام پر لکھی جو لیبزگ سے اسی سنہ میں چھپی۔[9]

(۱۱) وستنفیلڈ (Wustenfeld, F.) جرمن مستشرق۔ زمانہ (۱۸۰۸ تا ۱۸۹۹) زود قلم

---

[1] العقیقی ج ۱ ص ۱۹۶
[2] ایضاً ج ۲ ص ۴۷۴
[3] شبلی ج ۱ ص ۹۳
[4] العقیقی ج ۲ ص ۴۸۵
[5] قرآن کے تراجم میں تین مستشرقین بہت شہرت رکھتے ہیں ایک تو یہی پامر، دوسرے جارج سیل بہ زمانہ (۱۶۹۷ - ۱۷۳۶)، اور تیسرے راڈویل۔ یہ حضرات ترجمۂ قرآن کے سلسلہ میں جو بوالعجبیاں کرتے ہیں وہ تو الگ رہیں، دیباچوں اور مقدمات میں حضورؐ کی شان میں گستاخی اور بے باکی سے بھی باز نہیں آتے۔
[6] العقیقی ج ۲ ص ۴۸۳ - ۴۸۲
[7] ایضاً ص ۶۶۱
[8] ایضاً ص ۶۶۴ - ۶۶۳
[9] ایضاً ص ۷۰۷ - ۷۰۶

مصنف ۔ تاریخ مکۃ المکرمہ، سیرت ابن ہشام معہ تعلیقات و حواشی (تین جلدیں)، اراضی مدینہ منورہ، اور تاریخ الشراف مکہ وغیرہ یادگار ہیں۔[۱]

(۱۲) بیریزین (Beresine, N.) مشہور روسی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۱۸ تا ۱۸۹۶۔ گویا روسی مستشرقین کے زمرۂ اساتذہ میں شامل۔ متعدد تصانیف۔ مصادر اسلامی، تہذیب و تمدن اور اسلام کے درمیان تعلق وغیرہ پر کتابیں، روسی دائرۃ المعارف میں مشرق اور مشرقی علوم و آداب پر متعدد مقالات اسی مستشرق کے قلم سے ہیں۔[۲]

(۱۳) بلانکو (White Joseph Blanco) مشہور مستشرق۔ برطانوی مذہبی مصنف، زمانہ ۱۷۷۵ تا ۱۸۴۱، مستند پادری، خاص کام کا میدان اندلس کی تاریخ پر کیا۔[۳]

(۱۴) ایڈورڈ سخاؤ (Sachau Edward)۔ مشہور و معروف جرمن مستشرق، برلن میں مشرقی زبانوں کے کلیہ کا سربراہ، خود بڑا اسکالر اور زبان دان تھا۔[۴] بقول مولانا شبلی پروفیسر سخاؤ کی ہی خاص کوششوں اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود طبقات جس سے زیادہ مبسوط سیرتِ نبوی میں کوئی تصنیف نہیں شائع ہوتی۔[۵]

(۱۵) سلیم نوفل ۔ روسی استشراق کی تاریخ میں اہم نام، استادوں کا استاد، سرخیل مستشرقین روس میں سے ایک تھا۔ زمانہ (۱۸۲۸ - ۱۹۰۲) لوطن لبنانی، کام فرانسیسی میں کیا۔ سیرۃ نبوی اور اسلامی تعلیمات پر تصانیف۔[۶]

(۱۶) فان کریمر (Von Kremer) آسٹریا کا مشہور مستشرق، ولادت ویانا میں ہوئی اور تعلیم بھی وہیں پائی۔ ترقی کر کے وزارت کے درجہ تک پہنچا اور وفات تک، وزارتِ خارجہ اور دوسری وزارتوں میں خدمات انجام دیتا رہا، اسلامی مصادر کی تقریباً بیس عربی کتابوں کو تلاش کر کے شائع کیا۔ ان میں سے واقدی کی "المغازی"، ماوردی کی الاحکام السلطانیہ، نشوان کا "قصیدۃ الحمیریہ" وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اُس نے اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے بارے میں کثرت سے کتابیں لکھیں جو جرمن زبان میں ہیں۔[۷]

۱۔ العقیقی ج ۲ ص ۱۳،

۲۔ العقیقی ج ۳ ص ۹۳۸، ۹۳۹ -

۳۔ ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری۔ ص ۱۵۶۷

۴۔ ایضاً ص ۱۲۹۹

۵۔ شبلی ج ۱ ص ۹۲

۶۔ العقیقی ج ۳ ص ۹۳۰-۳۱

۷۔ الزرکلی، خیر الدین، الاعلام (قاموس تراجم لاشہر الرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین) طبع مصر۔ طبع ثانی ۔ ج ۱

(۱۷) سر ولیم میور۔ مشہور انگریز مستشرق۔ اس کا تفصیلی تعارف مقالہ کے ابتدائی صفحات میں آچکا ہے۔

(۱۸) مینارڈ (Meynard , Barbier de) فرانسیسی مستشرق۔ زمانہ (۱۸۲۷ تا ۱۹۰۸) اس نے استشراق پر پہلا رسالہ لکھا اور شائع کرایا۔ جغرافی، تاریخی ادبی لغت مرتب کی۔ مسعودی کی مروج الذہب کا متن و ترجمہ شائع کیا۔[1]

(۱۹) رینی باسے (Basset, Rene) فرانسیسی مستشرق۔ زمانہ (۱۸۵۵ تا ۱۹۲۴) بے شمار کتابوں کا مصنف۔ مثلاً الشعر العربی قبل الاسلام، مطبوعہ ۱۸۸۰ء۔ بوصیری کے قصیدۂ بردہ، نقد شرح معہ ترجمہ مصنف، وغیرہ وغیرہ۔[2]

(۲۰) ڈاکٹر لیبان (Lebon Dr.G) فرانسیسی مستشرق، مشہور عالم طبیب اور تمدن و حضارت مشرق کا جاننے والا، مورخ تھا۔ ۱۸۴۱ء میں پیدا ہوا۔ متعدد ضخیم کتابیں لکھیں۔ تمدنِ مصر، تمدنِ عرب، اور اندلس میں عربی تمدن پر کام قابلِ ذکر ہے۔[3] اس کا شمار ان مغربی مستشرقین میں ہوتا ہے جو انصاف پسند تھے اور اسلامی خوبیوں کے قائل تھے۔[4]

(۲۱) گولڈزیہر (Goldziher,y.) ہنگری کا مشہور و معروف مستشرق، زمانہ (۱۸۵۰ تا ۱۹۲۱) کثیر التصانیف شخص تھا، قرآن، تفسیر، حدیث، سیرت پر بے شمار دراسات شائع کیے۔[5] گولڈزیہر کی خاص بات یہ ہے کہ اُس نے تالدیکے کے نقدِ حدیث سے آگے بڑھ کر انکارِ حدیث کے اسکول کی داغ بیل ڈالی، اور پھر رفتہ رفتہ مستشرقین کا ایک گروہ انکارِ حدیث میں اُس کا ہمنوا بن گیا۔ انکارِ حدیث کے بعد گولڈزیہر نے سیرت کے دوسرے مصادر کو بھی نشانہ بنایا۔[6]

(۲۲) ولہازن (Wellhausen, J.) جرمن مستشرق۔ زمانہ (۱۸۴۴ تا ۱۹۱۸) بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ مختلف موضوعات پر لکھا: تاریخ یہود، محمدؐ مدینہ میں، دینِ اسلام کے مطالعات، عہدِ نبویؐ میں دستورِ مدینہ، مکاتیبِ نبوی اور وفود، منقول از ابن سعد مع متن و ترجمہ[7]، وہ پروٹسٹنٹ تھیولوجین اور بائبل پر عبور رکھتا تھا۔[8]

---

[1] العقیقی ج ۱ ص ۲۱۴، ۲۱۵

[2] ایضاً ص ۲۲۳ تا ۲۲۵

[3] ایضاً ص ۲۲۸

[4] ذکریا ہاشم، ص ۲۱۸، ۲۱۹۔

[5] العقیقی ج ۳ ص ۹۰۶۔ نیز ملاحظہ ہو ویبسٹرز بایوگرافیکل ڈکشنری ص ۶۰۶۔

[6] ندوی۔ ص ۱۴۵، ۱۴۶۔ گولڈزیہر پر ایک مستقل مضمون مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا ماہنامہ معارف اعظم گڑھ اگست ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا، قابلِ مطالعہ ہے۔

[7] العقیقی ج ۲ ص ۴۲۷

[8] ویبسٹرز بایوگرافیکل ڈکشنری، ص ۱۵۵۷۔

(۲۳) واشنگٹن ارونگ (Irving, Washington) - معروف امریکی اسکالر اور مستشرق[1]
زمانہ ۱۷۸۳ تا ۱۸۵۹ - بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ خصوصاً سیرتِ محمدؐ اور خلفاؓ پر دو جلدیں، جو ۵۰-۱۸۴۹ء میں شائع ہوئیں[2] اس کی کتاب حیاتِ محمدؐ کا ترجمہ عربی میں بھی شائع ہوا۔

(۲۴) یوجین یونج (Eugene Young) - فرانسیسی مستشرق، متعدد کتابوں کا مصنف، ایک ضخیم رسالہ "نورِ اسلام کی خاص کرن"، "دوسرا" "مشرق جس طرح اسے مغرب نے دیکھا" سیرت نبوی بزبان فرانسیسی وغیرہ وغیرہ۔ انتقال ۱۹۲۰ء میں ہوا[3]

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ صدیاں گزرنے کے ساتھ ساتھ قرونِ وسطیٰ کا مسیحی دماغ بدلتا چلا گیا[4]۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، اگرچہ اُن کے عزائم اور مقاصد میں فرق نہیں آیا، تاہم دینِ اسلام اور سیرتِ رسولؐ کے بارے میں مستشرقین کا رویّہ اور سلوک (Treatm ent) یکساں نہیں رہا۔ اور جیسے جیسے عہدِ جدید کی منزل قریب آتی گئی، مجموعی طور پر ان کے ظاہری رویّہ میں معقولیت کا رنگ نمایاں ہوتا چلا گیا، اور وہ خود یہ محسوس کرنے لگے کہ تعصب اور تشدد کی انتہاپسندی خود ان کے لیے اور ان کی تحریک کے لیے ضرر رساں ہوگی۔ بہرحال اب ہم اگلے دور میں قدم رکھ رہے ہیں۔

(۱۰)

عہدِ جدید

پچھلا دَور جو بیسویں صدی کے رُبعِ اوّل میں اختتام کو پہنچا، جیسا کہ واضح ہوا، تحریکِ استشراق کا نقطۂ کمال ثابت ہوا، اور ہر اعتبار سے استشراقی سرگرمیوں نے فروغ پایا۔ اب وہ دور جسے ہم عہدِ جدید سے تعبیر کرسکتے ہیں بیسویں صدی کے ربعِ اوّل سے شروع ہُوا اور تاحال جاری وساری ہے۔

عہدِ جدید آیا تو اپنے جلو میں نت نئے رجحانات لے کر آیا۔ اور سیاسی وعسکری، اور معاشی وسماجی سطح پر پچھلی بہت سی باتوں کو زیر وزبر کرگیا، چنانچہ عالمی جنگیں اور اس کے نتیجہ میں مشرقی ومغربی معاشروں پر ہمہ گیر اثرات، نو آبادیاتی علاقوں کی بیداری، ظلم واستحصال کی تاریکیوں کے خلاف حریت وآزادی کی روشنی، استعماری قوتوں کی شکست وریخت،

---

[1] العقیقی ج ۳ ص ۹۹۲، نیز ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری، ص ۷۶۲۔
[2] ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۷۶۲۔
[3] زکریا ہاشم۔ المستشرقون والاسلام۔ ص ۱۰۹۔
[4] دیکھیے Gabriell, Francesco, Muhammad and the conquests: of Islam (Translated from the Italian by Virginia Lulingand Rosaumd Linell) Mac Graw Hill Book Co. New York 1968. p.18.

ایجادات واختراعات کے ظہور، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظریات کے نمو اور تہذیب و تمدن کے تنوع نے حالات ومسائل کی نوعیت کو بہت کچھ بدل ڈالا۔

اُدھر استشراق کے حوالہ سے یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ تحریکِ استشراق پچھلے دَور میں جس نقطۂ کمال تک پہنچ چکی تھی، ہر کمالے را زوال کے مصداق، غالباً مزید پیش قدمی ممکن نہ رہی۔ اس لیے یہ سوال بجا طور پر پیدا ہوا کہ کیا تحریکِ استشراق روبہ زوال ہوگئی ہے؟[1] بہرحال واقعہ یہ ہے کہ مستشرقین کی کوششوں کا ایک رُخ تو یہ ٹھہرا کہ جو کچھ حاصل کر لیا گیا تھا اُسے بہرطور باقی رکھا جائے۔ دوسری طرف اسلام، پیغمبرِ اسلام اور عالمِ اسلام کے اعمال واحوال کے مطالعہ میں زیادہ انہماک، توجہ اور امعان نظر برتا جانے لگا، جز وقتی اسکالرز کے بجائے کل وقتی علمأ نے جگہ حاصل کی اور آکسفورڈ، کیمبرج، لندن اور مغرب کی دوسری جامعات میں قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، اور دوسرے اسلامی، مشرقی مباحث کے لیے باقاعدہ نشستیں مخصوص کی جانے لگیں۔[2] یہ مطالعہ لازماً خلوص پر مبنی نہ تھا مگر ان کے اشتغال وانہماک پر ضرور دلالت کرتا ہے کہ اس سے خال خال مفید نتائج بھی پیدا ہُوئے اور کعبہ کو صنم خانے سے بعض پاسبان بھی مل گئے۔

مطالعۂ سیرت کے حوالے سے کسی حد تک اعتدال اور انصاف پسندی کی روایت جسے ویل، گوئٹے اور کارلائل وغیرہ نے آگے بڑھایا تھا، اس عہد میں بھی جاری وساری ہے اور الفانسو، آرچر، ٹائن بی، بلاشیر اور واٹ وغیرہ کے یہاں روایتی انتہاپسندی کے ساتھ ساتھ معقولیت ومعدلت کے نمونے بھی نظر آجاتے ہیں۔ اسلامی مصادر کی تحقیق و دریافت، ان کی تبویب، اور اشاریہ سازی (Indexing) کا کام نہ صرف آگے بڑھا بلکہ ایک طرف تو مستشرقین نے اس معاملے میں اپنی محنت و ریاضت سے ایک طرح کی اجارہ داری حاصل کر لی[3]، اور دوسری طرف اسلامی مشرقی مصادر پر نقد وجرح کے کام کو بھی وسیع پیمانے پر انجام دیا جانے لگا۔ یہ غالباً تحریکِ استشراق کے مزاج سے بھی ہم آہنگ تھا کہ مصادر و مآخذ کا اعتبار اسی طریقے سے اٹھ سکتا تھا اور مشرقی اذہان و قلوب میں تشکک و تذبذب کے بیج بونے جا سکتے تھے۔ اس ضمن میں قرآن ،

---

[1] شناخت وباسورتھ ص ۶۲   [2] زکریا ہاشم ص ۱۶۹

[3] کتابیات (Bibliography) کے بانی اگرچہ مسلمان تھے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پچھلی چند صدیوں سے اسلام اور اسلامی دنیا کے بارے میں کتابیاتی مواد اور لٹریچر پوری طرح مستشرقین کے قبضہ میں ہے، مثلاً انڈیکس اسلامیکس وغیرہ (ماہنامہ دی مسلم ورلڈ، بک ریویو۔ لندن۔ ج ۱ نمبر ۴ ستمبر ۱۹۸۱ء ص ۶، ۷) یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مستشرقین اور ان کے اداروں کی تیار کردہ فہرست کتب یا کتابیات، "حوالہ جاتی" اہمیت سے زیادہ "علمی مرعوبیت" قائم کرنے کا مدعا رکھتی ہیں۔ گویا مستشرقین کی یہ علمی ریاضتیں محض علمیت (SCHOLARSHIP) کے اظہار کے لیے نہیں ہیں بلکہ اس کے جلو میں دراصل ان کے نظریاتی اور سیاسی عزائم کی جھلک صاف دیکھی جا سکتی ہے۔ اور آج کل کے مسلمان دانشوران باتوں کا خوب ادراک رکھتے ہیں۔ (ایضاً)

سنت اور دوسرے مصادرِ سیرت کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا[۱] اور ما آل کار یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بس ایک پکے مفاد پرست، سیاسی رہنما تھے اور مذہبی خلوص و سچائی ان میں بہت کم تھی۔[۲]

اس عہد میں جو نئے رجحانات پروان چڑھے اُن میں سے چند قابلِ ذکر ہیں۔ بعض مستشرقین نے سیرتِ نبوی کا مطالعہ طبّی اور مرضیاتی (Pathological) نقطۂ نظر سے کیا، کچھ نے اس عہد کے معاشی اور سماجی عوامل سے متاثر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک معاشی اور معاشرتی مصلح کی حیثیت سے اہمیت دی، اور کچھ نے ان سب سے مرکب و مرتب شدہ نظریہ قائم کیا۔ یہ تمام نقطہ ہائے نظر دراصل مخصوص ذہنی و فکری پس منظر کی پیداوار تھے۔[۳]

طبّی اور مرضیاتی نقطۂ نظر سے سیرت کے مطالعہ میں یہ موقف قائم کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (خاکم بدہن) نفسیاتی و دماغی امراض کا شکار رہتے تھے۔ انھیں مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ اور ہنری لامنس[۴] کی دریافت یہ ہے کہ یہ دورے حد درجہ اشتہا کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔[۵] اس سے پہلے اس نقطۂ نظر کی ترجمانی مشہور برطانوی مستشرق اسپرنگر بھی کر چکا تھا اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کر چکا تھا کہ خدانخواستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نظامِ اعصاب (Nervous system) چونکہ مختل تھا اور آپ نعوذ باللہ ہذیان و اضطرابِ اعصابی کے مریض تھے اس لیے ان کے لائے ہوئے دین اور ان کی سیرت میں اس کا مظاہرہ نظر آتا ہے۔[۶] طبّی اور مرضیاتی نقطۂ نظر کو مزید تقویت مطالعہ سیرت میں علم النفس کے اصول کے اطلاق

---

[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح کے مصادر و مآخذ پر نقد و جرح کا آغاز تو ۱۹ویں صدی کے اواخر میں ہی ہو گیا تھا تاہم اس دور میں یہ کام اور آگے بڑھا اور دوسرے مآخذ کے علاوہ خود قرآن اور حدیث کو بطورِ خاص نشانہ بنایا گیا۔ قرآن کے متن اور نزول و ترتیب کو زیرِ بحث لا کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ ہمعصر مصدر ہونے کے باوجود قرآن سیرتِ رسول کا مستند ذریعۂ معلومات نہیں۔ حدیث کے سلسلے میں انکار کے لیے حدیث کے کذب و افتراء اور التباس کی داستانوں کو اچھالا گیا، نالدیکے، گولڈزیہر وغیرہ نے تو انکارِ حدیث کے مکتبِ فکر کو بطورِ خاص فروغ دیا۔ (ملاحظہ ہو: حمادے، ص ۶۸، ۶۹۔ نیز دیکھئے ندوی، ص ۴۱۵، ۴۱۶)

[۲] لامنس (Lammens) جس کی اسلام دشمنی معروف ہے، ظہورِ اسلام کو ایک "بدقسمت تاریخی واقعہ" قرار دیتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ آنحضرتؐ ایک "تاریخی مسئلہ" ثابت ہوئے۔ اس کی تمام تحریریں بغض و عناد سے پُر ہیں۔ اقتباس کے لیے ملاحظہ ہو: حمادے، ص ۶۹، ۷۰۔

[۳] دیکھیے حمادے، ص ۶۷، ۶۸۔

[۴] لامنس (Lammens, P.H.) راہب مستشرق تھا، بلجیم میں پیدا ہوا، فرانس میں توطن اختیار کیا اور راہب بن گیا۔ اُس کا زمانہ ۱۸۶۲ء تا ۱۹۳۷ء ہے۔ اس کی متعدد تصانیف ہیں: تاریخ سیرت، اخلاصِ محمدؐ، فاطمہ اور دیگر بناتِ محمدؐ، اور گہوارۂ اسلام وغیرہ۔ (دیکھئے العقیقی ج ۳ ص ۱۰۶۸)

[۵] حمادے۔ ص ۶۹

[۶] ندوی۔ ص ۴۱۲، ۴۱۳۔

سے ملی۔ اس کے تحت اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی سیرت کی نفسیاتی تحلیل کی کوششیں کی گئیں اور اس معاملہ میں فرانز بھل (Frants Buhl) اور طور اینڈرے (Tor Andrae) نے سبقت دکھائی اور حقِ ترجمانی ادا کیا۔[1]

زیرِ بحث دور میں جن نئے رجحانات اور نئی تحریکوں نے جنم لیا ان میں اشتراکی نقطۂ نظر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مارکس اور اینجلز کے خیالات اور تاریخ کی مادی تعبیر نے اپنا حلقۂ اثر پیدا کیا اور ایسے مستشرقین آگے آئے جن کی نظر میں اسلام کی اشاعت و فروغ اور پیغمبرِ اسلام کی کامیابیاں، دراصل سیاسی، سماجی اور معاشی عوامل کی کارفرمائیوں کا نتیجہ تھیں۔ چنانچہ اس ضمن میں جرمن مستشرق ہیوبرٹ کرانم (Hubert Crimme) کا نام معاشی نظریہ کے ارتقاء کی علامت بنا۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام پر اُس کی دو کتابیں شائع ہوئیں۔ اُس کی تحقیقات کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام کو ایک مذہبی دینی نظام کی بہ نسبت ایک سماجی اشتراکی نظام کی حیثیت سے سمجھنا چاہیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک پیغمبر کے بجائے صرف ایک سیاسی سماجی اور معاشی مصلح ماننا چاہیے۔[2] سیاسی سماجی اور معاشی نقطہ ہائے نظر کا رنگ مارگولیتھ[3] (Margoliouth) نے اور گہرا کیا۔ اور مارگولیتھ نے اپنے مطالعۂ سیرت میں آنحضرتؐ کو محض ایک سیاسی رہنما کی حیثیت سے ہی پیش کیا۔ اور اپنی کتابوں اور مقالات میں یہاں تک لکھا کہ مکہ میں اپنی "دکان" سے لے کر مدینہ میں ایک مملکت کی تعمیر تک ۲۳ سال کا عرصہ لگایا۔ پھر دریدہ دہنی کی انتہا کرتے ہوئے آنحضورؐ کو نعوذ باللہ "ڈاکوؤں کا

---

[1] حمادے ص ۳۷، بھل اور طور اینڈرے نے آنحضرتؐ کا گہرا نفسیاتی مطالعہ کیا۔ چنانچہ ہالینڈ کے بھل کو اس بات میں کوئی شُبہ نظر نہیں آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اندرونی کو اعتقاد کے اچانک پھٹ جانے کا ایسا تجربہ حاصل ہوا کہ وہ "کلمۃ اللہ" کے (نعوذ باللہ) مدعی بن گئے۔ بھل اپنی بے باکی میں یہاں تک لکھتا ہے کہ "اپنے غیر معمولی جذباتی اعصابی نظام کے سبب ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (خدانخواستہ) اپنے آپ کو دھوکہ اور مغالطہ میں مبتلا رکھا۔ وہ "مرگی" سے انکار کر کے ہذیانی (Hysterical) سبب کو اصل قرار دیتا ہے۔ طور اینڈرے کی متعدد تصانیف ہیں لیکن اہم ترین سیرتِ رسولؐ ہے اس کتاب میں اس نے بھی آنحضرتؐ کا گہرا نفسیاتی مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اسلام کے فروغ میں صرف ایک شخص یعنی اس کے بانی کے دماغ نے اصل کردار ادا کیا اور آنحضرتؐ کی مذہبی سرگرمی میں اثرات ان مسیحی روایات کے پڑے جو شام کے راستے ان تک پہنچی تھیں۔ (ایضاً ص ۴۷۔ ۴۳)

[2] حمادے۔ ص ۷۰

[3] مارگولیتھ (Magolio u th, D.S) مشہور برطانوی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۵۸ تا ۱۹۴۰۔ اس کی کتاب "محمدؐ اور فروغِ اسلام" نیویارک سے ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی (العقیقی ج ۲ ص ۵۱۸، ۵۱۹)۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۹۷۰۔ نیز ندوی صفحہ ۲۱۷، ۲۱۸۔ مارگولیتھ کے بارے میں مولانا شبلی کا تبصرہ ابتدائی صفحات میں گزر چکا ہے (دیکھیے مکاتیبِ شبلی، حصہ اول۔ ص ۲۰۱) نیز ان کا دوسرا تبصرہ دیکھیے۔ شبلی (سیرۃ النبیؐ) ج ۱ ص ۹۶۔

"سردار" اور "مدینہ کا ظالم مستبد" لکھنے میں بھی تکلف نہیں کیا۔[1] اطالوی مستشرق پرنس لیون کیتانی[2] (Prince Leone Cadtani) نے اپنے دیو پیکر کام کا ماحصل یہ قرار دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بس ایک چالاک سیاست دان تھے اور انھوں نے معاشی و سیاسی مفادات کی خاطر مذہبی داعیات کو قربان کر دیا تھا۔[3] وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ "محمدؐ (خاکم بدہن) پکے مفاد پرست (Opportunist) تھے اور اپنی سیاست بازی میں انھوں نے اپنی مذہبیت کو پسِ پشت ڈال دیا تھا۔"[4] مطالعۂ سیرت میں یہ انتہا پسندی خلافِ حقیقت بھی تھی اور خود گروہِ مستشرقین میں سے بھی بعض نے اسے بالکل پسند نہیں کیا۔[5] تاہم بعض مستشرقین نے ایک بین بین رویہ اختیار کیا۔ مثلاً عہدِ جدید کا مشہور مورخ ٹائن بی اپنی عظیم الشان تصنیف "مطالعۂ تاریخ" میں دنیا جہان کی تہذیبوں کا مطالعہ کرتا ہے اور واقعات سے اصولوں کو اخذ کرتا ہے، پھر اسلام کے بارے میں بھی عمومی طور پر معقول رویہ کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن جب سیرتِ رسولؐ پر قلم اٹھاتا ہے تو آپؐ کی حیاتِ طیبہ کو دو مراحل میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اُس کے نزدیک پہلا مرحلہ تو وہ ہے جبکہ آنحضورؐ کا قیام مکہ میں رہا۔ اس دوران بقول ٹائن بی آپ کلیتہً مذہبی مشنری سرگرمیوں میں منہمک رہے، لیکن دُوسرے مرحلے میں مدینہ پہنچ کر انھوں نے بقول ٹائن بی، مذہبی مقاصد سے الگ ہو کر سیاسی سرگرمیوں کو جاری و ساری کیا۔ وہ بہرحال اس خیال کی پُرزور تردید کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہروپیا (Imposture) تھے۔[6] ٹائن بی کے افکار کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک حضرت مسیح ایک مثالی پیغمبر تھے۔[7] ایک اور جدید مصنف بلاشیر (Blachere) اپنی کتاب Le Proleme de Mahomet میں حضورؐ کی زندگی سے زیادہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے مصادر سے

۱ـ حمادے، ص ۱۔

۲ـ ایضاً ص ۲، ۷، اطالوی مستشرق کیتانی کا زمانہ ۱۸۶۹ تا ۱۹۳۶ ہے۔ اُس کے آثار میں سے اسلام کی اشاعت اور تمدن، اور تاریخ اسلام از سنہ ۱ھ تا ۹۲۲ھ (۶۲۲ تا ۱۵۱۷ء) بہت مشہور ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: العقیقی ج ۱ ص ۲۷۲۔ کیتانی پر ایک مفصل مضمون ڈاکٹر ریاض الحسن کے قلم سے مجلہ ہمدرد اسلامیکس ج ۳ ، ۱ اسپرنگ ۱۹۸۰ء میں قابلِ مطالعہ ہے۔

۳ـ حمادے، ص ۴

۴ـ ایضاً نیز دیکھیے ندوی ص ۴۱۸، ۴۱۹۔

۵ـ کارلائل نے اپنے خطبات میں (نسخہ مطبوعہ اسلام سروس لیگ بمبئی) جو راستہ دکھایا تھا اُس کی پیروی وقتاً فوقتاً متعدد مستشرقین نے کی۔ مثلاً باسورتھ اسمتھ نے اپنی کتاب Muhammad and Muhammadian (مطبوعہ نقش ثانی، سندھ ساگر اکادمی لاہور) میں اپنے مخصوص طرزِ تحریر میں بڑا انفعالی اور اعتذاری رویہ اختیار کیا۔ اسی انداز کا کام الفانسو اٹینی ڈینٹ اور سلیمان ابن ابراہیم کے قلم سے "حیاتِ محمدؐ" کے عنوان سے سامنے آیا جس میں مصنفین نے سیرت ابنِ ہشام، طبقات ابنِ سعد اور سیرتِ حلبیہ کو اپنی تصنیف کی بنیاد بنایا۔ دیکھیے حمادے ص ۴، ۵، ۷۔ اسی طرح جے سی آر چر نے اسپرنگر کے مرضیاتی نقطۂ نظر کی تردید کی۔ (ندوی ص ۴۲۱)

۶ـ دیکھیے حمادے ص ۵، ۷۔ نیز ندوی ص ۴۲۱ تا ۴۲۳

۷ـ حمادے ص ۶، ۷۔

بحث کرتا ہے۔ اور غلو سے بچتے ہوئے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ احادیث و سیر کے ذخیرے میں بہرحال ایک حصہ ایسا ہے جسے جدید تکنیکی طریقوں سے جانچ پرکھ کر مستند تسلیم کیا جا سکتا ہے۔[1] اسی قسم کا نقطۂ نظر ولیم منٹگمری واٹ کا بھی ہے۔[2] مطالعۂ سیرت کے ضمن میں واٹ نے متعدد کتابیں تحریر کیں۔[3] واٹ کی تصنیفات کو بہرحال آخری جدید ترین کوششوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اُس کے نزدیک مصادر نے جہاں تک اجازت دی اپنی دانست میں ایک مکمل تصویر پیش کرنے کی کوشش کی۔ واٹ کے کام کی خصوصیت یہ ہے کہ پچھلے پچاس سال کے دوران "علمیت" نے جو ترقی کی ہے اُس کا مظاہرہ اس کی تصانیف میں نظر آتا ہے اور اس کی تصانیف اسلامی ماٰخذ کی جدید ترین دریافت اور جرح و تنقید کے جدید اصولوں کی عکاسی کرتی ہیں۔[4] معلوم ایسا ہوتا ہے کہ واٹ کا موقف ٹائن بی سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے کہ وہ بھی آنحضرتؐ کی شخصیت کو مکہ اور مدینہ میں مختلف سمجھتا ہے۔[5]

بہرحال عہدِ جدید کا یہ عمومی جائزہ اس حقیقت کو سامنے لاتا ہے کہ عہدِ جدید کے مستشرقین اگرچہ اپنے اندازِ تحریر، اپنی علمیت اور طرز ہائے تحقیق میں اپنے اسلاف سے بہت مختلف ہو گئے ہیں اور بہت سے معاملات میں انہوں نے بالکلیہ رجوع کر لیا ہے تاہم یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تمام تر جدیدیت کے علی الرغم تحریکِ استشراق کا اصل محرک جذبہ اب بھی کارفرما حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ عہدِ جدید کا ایک مصنف[6] اپنی زبانِ قلم سے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ پرانی دشمنی عہدِ جدید میں بھی جاری و ساری ہے۔[7] علاوہ ازیں اس صورتِ حال میں ایک اور جدید ترین مصنف ایڈورڈ ڈبلیو سعید کا یہ تجزیہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ استشراق (Orientalism) اور اس کی تحریک کا اہتمام و انضباط بنیادی طور پر اٹھارھویں اور انیسویں صدی عیسوی میں ایک سیاسی ضرورت کے تحت ہوا[8] اور استشراق کو

---

[1] حمادے ص ۷۶۔ نیز ندوی ص ۴۲۳۔ [2] حمادے ص ۷۶

[3] مثلاً محمدؐ ایٹ مکہ (۱۹۵۳ء) محمد ایٹ مدینہ (۱۹۵۶ء) اور محمد پروفٹ اینڈ اسٹیٹس مین (۱۹۶۱ء) وغیرہ (ایضاً) واٹ اور اس کی تصانیف پر ملاحظہ ہو تبصرہ، ڈاکٹر سید عبداللہ (ماہنامہ فکر و نظر، اسلام آباد۔ اپریل ۱۹۷۶ء ص ۸۲۲-۸۳۳)

[4] حمادے، ص ۷۶- ۷۷۔

[5] ایضاً نیز ندوی ص ۵ (ماہنامہ معارف جولائی ۱۹۸۳ء)

[6] فرانسیسکو جبرئیلی (Gabrieli, Francesco)، اطالوی مستشرق، پیدائش ۱۹۰۴ء (العقیقی ج ا ص ۴۹۳)۔

[7] جبرئیلی، فرانسیسکو۔ محمدؐ اینڈ دی کونکوئسٹ آف اسلام (ترجمہ انگریزی از ورجینیا اور روسو، میک گرا ہل، نیویارک ۱۹۶۸ء) ص ۱۵۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ بیسویں صدی کا کیتھولک عالم لامنس، جو سیرۃ پر اپنی فاضلانہ تحریروں کے لیے مشہور ہے، آتشِ عداوت میں بھڑکتے ہوئے قرونِ وسطیٰ کے اعتذاری ادب پر سخت ترین ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے (ایضاً ص ۱۵)

[8] سعید، اورینٹلزم ص ۲۰۴ نیز ۲۰۱۔

جہانِ مشرق پر اس وقت مسلّط کیا گیا جبکہ مشرق مغرب کے مقابلہ میں مغلوب و منفعل تھا اور پھر "قوت و ضعف" کے اسی تفاوت نے بعض لازمی نتائج کو پیدا کیا۔[1] استشراق کے درحقیقت دو چہرے، دو رخ ہیں۔ ایک اس کا داخلی اور پوشیدہ پہلو (Latent) اور دوسرا ظاہری، خارجی رُخ (manifest)۔ پہلا داخلی پوشیدہ رُخ (LATENT Orientalism) تو ہمیشہ سے ایک ہے جسے کبھی کسی زمانہ میں نہیں چھوا گیا جبکہ دوسرا ظاہری پہلو (Manifest Orientalism) متغیر ہوتا رہا یعنی مشرقی معاشرہ و تہذیب، زبان، ادب، تاریخ، معاشرت وغیرہ کے بارے میں خیالات و افکار بدلتے رہے۔ مختصر یہ کہ مستشرقین کے خیالات میں تبدیلی اسی ظاہری استشراق کے حوالے سے آتی رہی لیکن داخلی جذبۂ استشراق، ہمیشہ سے لے کر آج تک یکساں محکم و مستحکم رہا اور کسی واضح تبدیلی سے آشنا نہیں ہوا۔[2] بہرحال خلاصہ یہ کہ استشراق کسی مثبت اور تعمیری رویّہ اور سلوک و دستور (Positive Doctrine) کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ مغرب کی جاری کردہ موثر علمی روایت ہے۔[3]

عہدِ حاضر کے اس مختصر علمی جائزہ کے بعد مناسب ہے کہ اس دور کے چند مشاہیر مستشرقین کا تعارف پیش کر دیا جائے:

(۱) مونٹے (Montet, Ed.) فرانسیسی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۵۶ تا ۱۹۲۷۔ علمی یادگاروں میں اسلام، حال و مستقبل (مطبوعہ پیرس ۱۹۱۰ء) الاسلام (مطبوعہ ۱۹۲۱ء) تاریخ اسلام (مطبوعہ ۱۹۱۳ء) اور فرانسیسی میں ترجمۂ قرآن (مطبوعہ ۱۹۲۹ء) شامل ہیں۔[4]

(۲) گاڈفرے ڈی مبائن (Goudefroy Demombynes, M.) ۔ فرانسیسی مستشرق ۔ زمانہ ۱۸۶۲ء تا ۱۹۵۷ء۔ پیرس میں مشرقی علوم والسنہ کے شعبہ میں عربی کا استاذ، متعدد کتابوں کا مصنف مثلاً اسلام میں نظم (۱۹۲۱ء) مکہ و مدینہ (۱۹۱۸) عالم اسلامی اور بازنطینی صلیبوں تک (۱۹۳۱) وغیرہ۔[5]

(۳) کارلو الفانسو نل لینو (Nallino, Carlo Alfanso) اطالوی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۷۲ء تا ۱۹۳۸ء۔ بے شمار مصنفات و مطبوعات اُس سے منسوب ہیں۔ مثلاً منتخبات القرآن (لیپزگ ۱۸۹۳ء)، اسلام سے پہلے قبائلِ عرب کی تکوین و ترتیب (۱۸۹۳)، تاریخ یمن قبل اسلام (۱۹۲۷) ممالک عرب کی اسلام کے بعد عصرِ حاضر تک تاریخ، جغرافیہ، ثقافت، عادات، اسماء، قبائل و تراجم رجال، فہرست مخطوطات اور شخصیات کی تحقیق، رواۃ، روایت اور مصادر کی تحلیل وغیرہ، اور حیاتِ محمدؐ جو اس کے انتقال کے بعد روم سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی۔[6]

(۴) سر تھامس آرنلڈ (Arnold, Sir Thomas) انگریز، برطانوی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۶۴ تا ۱۹۳۰۔ اُس کی مشہور ترین کتاب دعوتِ اسلام (The Preaching of Islam) مطبوعہ لندن ۱۸۹۶ء ہے۔[7]

---

[1] سعید، اورینٹلزم۔ ص ۲۰۴

[2] ایضاً ص ۲۰۶

[3] ایضاً ص ۲۰۳

[4] العقیقی ج ۱ ص ۲۲۹

[5] ایضاً ج ۱ ص ۲۸۴، ۲۸۵

[6] ایضاً ج ۱ ص ۳۷۷

[7] ایضاً ج ۲ ص ۵۰۴

(۵) رابرٹ بریفالٹ (Briffault, Robert Stephen) برطانوی مستشرق، انگریز سرجن اور ناول نگار، مشہور ترین کتاب "دی میکنگ آف ہیومینٹی" تھی [1]

(۶) مارماڈیوک پکتھال (Pickthall M.W) زمانہ ۱۸۷۵ تا ۱۹۳۶ ۔ مشہور برطانوی شخصیت ۔ ترجمۂ قرآن اور اسلامی تہذیب پر خطبات یادگار حیثیت رکھتے ہیں ۔ [2]

(۷) اسٹینلے لین پول (Stanlay Lane Poole) مشہور برطانوی مستشرق ۔ زمانہ ۱۸۵۴ تا ۱۹۳۱ ۔ مورخ ، ماہر آثاریات ، برٹش میوزیم میں پرانے سکوں کا محافظ (۱۸۷۴ ۔ ۱۸۹۲) ، تاریخ مسلمانانِ اندلس پر خاص کام ہے۔ [3]

(۸) نکلسن (Nicholson, R.A.) مشہور برطانوی مستشرق ۔ متعدد تصانیف ۔ لیکن خاص الخاص کتاب عرب کی ادبی تاریخ مطبوعہ لندن نیویارک ۱۹۰۷ء اور اس کا مضمون "محمدؐ اور قرآن" نیز " محمدؐ کی ایک نامعلوم سوانح" نکلسن کا زمانہ ۱۸۶۸ تا ۱۹۴۵ ہے ۔ [4]

(۹) نولدیکے (Noldeke, Th.) مشہور جرمن مستشرق ۔ زمانہ ۱۸۳۶ تا ۱۹۳۰ ۔ تصنیفات زیادہ تر سامی زبانوں پر اور تاریخ اسلام پر، نیز قرآن کی سورتوں کی اصل اور ترکیب پر بحث ہے [5] نقد حدیث کے اسکول کا سرخیل [6]، سیرت پر Das Hebsen Muhammad's nach der Quellen populer Largestelt مطبوعہ ۱۸۶۳ء۔

(۱۰) ہرگرونیج (Snouck, Hergronje, C) ہالینڈ کا مستشرق ۔ زمانہ ۱۸۵۷ تا ۱۹۳۶ ۔ اس کے آثار میں "مکہ کا حج ، فقہ اسلامی اور سیاست نبوی شامل ہے [8] ۔ مذہباً عیسائی ، زیادہ تر کام ولندیزی زبان میں ۔ ماہرِ اسلامیات سمجھا جاتا تھا ۔ اُس نے لکھا ہے کہ اسلام اپنی ابتدا سے ہی سیاسی مذہب تھا ۔ بہرحال اسلام کے بارے میں اسے بہت سی غلط فہمیاں تھیں اور اس نے نجی اسلام اور سرکاری اسلام کے درمیان فرق متصور کیا ۔ [9]

(۱۱) ونسنک (Wensinck, A.J) ولندیزی مستشرق ۔ زمانہ ۱۸۸۱ تا ۱۹۳۹ ۔ اس کی علمی یادگاروں میں "یہودِ مدینہ کے بارے میں رسول اللہؐ کا موقف" جو اس کے مقالہ ڈاکٹریٹ کا موضوع بھی تھا اور لیدن سے ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا ۔ اور محمد اور یہود ، الاسلام (مطبوعہ ۱۹۱۱) وغیرہ خاص ہیں [10]

---

۱ ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۹۳

۲ العقیقی ج ۲ ص ۵۱۲

۳ ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۸۵۶

۴ العقیقی ج ۲ ص ۵۲۵، ۵۲۶

۵ ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۱۰۴

۶ العقیقی ج ۲ ص ۳۸۷، تا ۴۰۷

۷ ندوی ص ۴۱۵

۸ العقیقی ج ۲ ص ۶۶۶، ۶۶۷

۹ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : جانسن (ملی ٹینٹ اسلام) ص ۷۷ تا ۸۱

۱۰ العقیقی ج ۲ ص ۶۶۷

(۱۲) زاخاؤ (Sachau, E.) جرمن مستشرق - زمانہ ۱۸۴۵ تا ۱۹۳۰ء[۱] جیساکہ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ ابنِ سعد کی طبقات اس کی کوششوں سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی[۲]

(۱۳) جوزف ہورووِز (Horovitz, J) جرمن مستشرق - زمانہ ۱۸۷۴ تا ۱۹۳۱ - اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ میں مغازی واقدی پر قلم اٹھایا (مطبوعہ ۱۸۹۸ء)[۳]

(۱۴) جوزف ہیل (Hell, Joseph) جرمن مستشرق - زمانہ ۱۸۷۵ تا ۱۹۵۰ - آثار میں عربی تہذیب پر اُس کی کتاب مشہور ہے[۴]

(۱۵) کارل بروکلمان (Brockelmman, C) جرمن مستشرق - زمانہ ۱۸۶۸ تا ۱۹۵۶ - بے شمار کتابوں کا مصنّف، لیکن مشہور ترین تصنیف "تاریخ اقوامِ مسلم" میں آنحضرتؐ پر تحریر قابلِ ذکر ہے[۵]

(۱۶) بارتھولڈ (Barthold, V.V.) روسی مستشرق - زمانہ ۱۸۶۹ تا ۱۹۳۰ - تصانیف کثرت سے مثلاً اسلامی تہذیب، تاریخ ترکستان، عالمِ اسلام، خلفائے راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز وغیرہ[۶]

(۱۷) صموئیل زویمر (Zewemer S) امریکی مستشرق - اجل علمائے مستشرقین میں سے اس کی تصانیف کثرت سے ہیں، خاص طور پر مسیحیت اور اسلام کے تعلقات پر، اُس کی دیگر کتابوں میں اسلام سے پہلے بلادِ عرب، دنیا میں اسلام، حیاتِ محمدؐ، اسلام صحرائے عرب میں، ورثۂ نبوی وغیرہ[۷]

(۱۸) ایچ جی ویلز (Wells, Herbert, Gorge) انگریز مستشرق - زمانہ ۱۸۶۶ تا ۱۹۴۶ - افسانہ نگار، ماہرِ عمرانیات اور مورخ[۸] متعدد تصانیف یادگار ہیں - خصوصاً دی آؤٹ لائن آف ہسٹری میں محمدؐ اور اسلام -

(۱۹) گب (Gibb, Sir Hamilton, A.R) اس عہد کا مشہور ترین برطانوی بزرگ مستشرق ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوا - اور ابھی چند سال پہلے وفات ہوئی ہے - گب کی تصانیف اگرچہ بہت سی ہیں تاہم اصل شہرت کتاب

[۱] العقیقی ج ۲ ص ۴۷۰ء

[۲] شبلی، سیرت النبی ج ۱ ص ۹۲ -

[۳] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: العقیقی ج ۲ ص ۴۷۳، ۴۷۴ء

[۴] ایضاً ص ۴۷۷

[۵] ایضاً ص ۴۷۷ تا ۴۸۳ء - نیز دیکھیے: بروکلمان پر مولانا عبدالقدوس ہاشمی کا تبصرہ - (مستشرقین اور تحقیقات اسلامی) ص ۹، ۱۰، نیز دیکھئے اس کی کتاب کا انگریزی ترجمہ، Brockelmann Carl, History of the Islamic Peoples. New York 1973

[۶] العقیقی ج ۳ ص ۹۴۳، ۹۴۴ -

[۷] ایضاً ص ۱۰۰۵

[۸] ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۵۵۸

[۹] العقیقی ج ۲ ص ۵۵۱ -

(محمدیت) Mohammadenism سے ہوئی، جو ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے نام کے سلسلے میں گب نے خود توجیہات پیش کیں۔ لیکن یہ نام و توجیہات خود اس کے شاگرد اسمتھ کو پسند نہیں آئیں[1]۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ گب کے یہاں مختلف نظریات، تصورات اور خیالات میں ارتقاء واقع ہوا اور وقت و حالات کے تحت بہت سے اندازے غلط ثابت ہوئے[2]۔ جس کا ثبوت اس کی مختلف تحریروں سے ملتا ہے۔ اپنی عمر کے آخری ایام میں بہرحال اس نے اسلام کے بارے میں نرم روی کا مظاہرہ کیا[3]۔

(۲۰) ولفریڈ کینٹویل اسمتھ (SMITH و W.C.)۔ گب کا شاگرد زندہ مستشرق، پیدائش جولائی ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ پی ایچ ڈی کی سند ۱۹۴۹ء میں ایک اور مستشرق فلپ کے حتی[4] کے زیر نگرانی تحقیقی مقالہ (مجلۃ الازہر، تجزیہ و تنقید) پر حاصل کی۔ مذہباً عیسائی، متعدد کتابوں کا مصنف، حال پروفیسر ریلیجن ڈلہوزی یونیورسٹی کناڈا۔[5]

(۲۱) جوزف شاخت (Schacht, J.) جدید، زندہ جرمن مستشرق۔ پیدائش ۱۹۰۲ء میں ہوئی[6]۔ خالص یہودی۔ اسلام اور علوم اسلامی پر متعدد تصانیف، لیکن اصل کام قانون اور اصولِ فقہ اسلامی پر کیا[7]۔

(۲۲) برنارڈ لوئیس (Levis, Berrnard) عہد جدید کا مشہور انگریز مستشرق، پیدائش لندن میں ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ تصانیف کثرت سے ہیں لیکن مشہور کتابوں میں Arabs in History اور Islam in History، کیمبرج ہسٹری آف اسلام اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مدیر و مقالہ نگار۔ اسلام دشمنی کے لیے مشہور و معروف ہے اور آج کل یہود پرستی اور اسلام دشمنی میں غالباً سرفہرست ہے۔

عہد جدید کے مشاہیر مستشرقین کا مندرجہ بالا تعارف اگرچہ مختصر ہے لیکن تحریک استشراق کے کیف و کم کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے۔ اور بطور خلاصہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تحریک استشراق، اپنے آغاز اور عروج و ارتقاء کی مختلف منزلیں طے کرنے کے بعد آج کے عہد میں انتشار (Crisis) سے دوچار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مصنفین اپنی اصل

---

[1] ڈاکٹر مشیر الحق۔ ولفریڈ کینٹول اسمتھ۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ۔ جنوری ۱۹۸۳ء۔ ص ۱۳۔ حالانکہ بعد میں خود اسمتھ نے اسلام کے بجائے محمدزم کو قابلِ ترجیح سمجھا۔ (ایضاً ص ۱۴)

[2] مزید تفصیل اور تنقید کے لیے ملاحظہ ہو: جانسن (ملی ٹینٹ اسلام) ص ۱۸ تا ۸۵۔

[3] جس کا حوالہ ابتدائی صفحات میں گزر چکا ہے۔

[4] حتی، لبنانی الاصل، امریکی مستشرق، مشہور ترین کتاب "تاریخ عرب" (مطبوعہ ۱۹۲۷ء) جو متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ حتی کی پیدائش ۱۸۸۶ء میں ہوئی تھی۔ دیکھیے العقیقی ج ۲ ص ۱۰۱۰، ۱۰۱۱۔

[5] ملاحظہ ہو مقالہ ڈاکٹر مشیر الحق (معارف۔ جنوری ۱۹۸۳ء)

[6] العقیقی ج ۲ ص ۸۰۳۔

[7] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مقالہ محمد طفیل، جوزف شاخت اور اصولِ فقہ۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ۔ اپریل ۱۹۸۳ء۔

تحریک کو اب بھی سینہ سے لگائے ہوئے ہیں۔ لیکن رویہ اور سلوک کی وہ یکسانیت بہرحال نظر نہیں آتی جو پہلے ان کا خاصہ تھا[۱]۔ مستشرقین کی نوجوان نسل، زمانے کے حالات و مسائل کے پیش نظر ذہن و فکر کی نئی تبدیلیوں سے دوچار ہو رہی ہے، ادھر اسلامی دُنیا میں سوچ کی نئی لہریں پیدا ہو رہی ہیں، اور بعض جدید مفکرین و مصنفینِ مشرق کی تحریروں نے خود مغربی دنیا میں مد و جزر پیدا کر دیا ہے۔ پھر یہ بات بھی صاف ہے کہ اب طاقت و قوت کے سارے اوزان اور پیمانے بدل گئے ہیں استعمار اور استحصال کی لغات منقلب ہو گئی ہیں۔ علمی و ذہنی مرعوبیت کا عالم پہلے جیسا نہیں رہا، اور اب مشرق بھی آنکھیں کھول کر فلک، فضا اور زمین دیکھ رہا ہے۔ اس لیے کیا عجب کہ آنے والا زمانہ تحریکِ استشراق کے کوچ کا بگل بجا دے اس لیے بقول ایک مصنف "وقت آ گیا ہے کہ اسلامی مفکرین و علماء اپنے حریفوں کے مدِمقابل آئیں اور معاندین و مخالفینِ اسلام کے خلاف، علمی محاذ پر حقیقی معرکہ کے لیے صف آرا ہو جائیں۔ البتہ معروضیت (Objectivity) کا خواہ مخواہ دعویٰ نہ کریں کہ علمی معروضیت تو درحقیقت فریبِ نظر (Myth) ہے[۲]۔"

(۱۱)

اسباب و محرکات

تحریکِ استشراق نے اپنے آغاز سے لے کر عہدِ حاضر تک کا سفر جس انداز سے طے کیا ہے اُس کا ایک عمومی جائزہ اگرچہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے اور بین السطور، تحریک کے اغراض و مقاصد اور محرکات کی بڑی حد تک نشان دہی بھی ہو چکی ہے۔ تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تحریک کے پسِ پردہ محرکات و اسباب کو صاف صاف بیان کر دیا جائے۔ چنانچہ بطور خلاصہ انھیں مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے:

(۱) اسلام اور ادیانِ غیر میں بڑے بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اسلام کا نظریۂ حیات، اس کا نظامِ فکر و عمل، اس کے تہذیب و تمدن کا اظہار، یہودیت، عیسائیت اور دوسرے مشرکانہ مذاہب سے یکسر مختلف ہے۔ پھر دانائے سبل، ختم الرسل نے اسلام کی جو دعوت پیش کی اُس نے روزِ اوّل ہی ادیانِ باطلہ کی نفی کر دی تھی اس لحاظ سے یہ امر تعجب خیز نہیں کہ دوسرے مذاہب کے علمبردار، اسلام، اہلِ اسلام اور عالمِ اسلام کے بارے میں

۱؎ جانسن نے تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب برطانیہ اور فرانس مسلمان ممالک کے قابو میں تھے اور اسلامی مخالفت کا سامنا کر رہے تھے تو برطانوی اور فرانسیسی Islamists اُن ممالک کے مخالف اور غیر ہمدرد تھے جبکہ امریکی مصنفین عام طور پر ہمدرد (sympathetic) تھے۔ لیکن حالیہ برسوں میں امریکی مصنفین اسلام کے بارے میں کم ہمدرد ہو گئے ہیں۔ یورپی مستشرقین اب غیر متعلق، بے پروا نظر آتے ہیں۔ کرداروں کا یہ تفاوت غالباً ۱۹۵۶ء کے لگ بھگ اختیار کیا گیا۔ (دیکھیے جانسن ص ۸۶)

۲؎ جانسن، جی۔ ایچ۔ ملی ٹینٹ اسلام۔ پین بک، لندن ۱۹۷۹ء، ص ۸۵۔

سخت معاندانہ جذبات رکھتے ہیں۔ اور اپنے بغض و عناد کا اظہار ہر ممکن طریقہ سے کرتے ہیں۔ اُن کا یہ رویہ اور ان کی شقاوت و قساوت دراصل نظریاتی اور فکری بنیادوں پر استوار ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک جگہ اس حقیقتِ کبریٰ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ "تم دیکھو گے کہ اہلِ ایمان کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں۔ اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی، اور وہ تکبر نہیں کرتے۔"[1] جہاں تک مستشرقین کا تعلق ہے، ان کے پُورے گروہ میں نمایاں ترین عناصر، یہود، نصاریٰ اور مشرکین ہیں[2] انھیں اسلام، اہلِ اسلام اور عالمِ اسلام کی سرفرازی کسی طور پسند نہیں[3] بلکہ وُہ ہر آن زک پہنچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے تحریک استشراق کی اٹھان اسلام دشمنی کے زیرِ سایہ ہُوئی اور مستشرقین کی مساعی کا ہدف یہ ٹھہرا کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو دنیا کے سامنے کریہہ المنظر بنا کر پیش کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ان کی مساعی کا ذکر پچھلے صفحات میں آ چکا ہے۔

(۲) نظریاتی سبب کے علاوہ ایک سبب تاریخی بھی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا انقلاب آن کی آن میں پھیلتا چلا گیا۔ اور اس کے علمبرداروں نے انتہائی مختصر مدت میں اسلام کا پرچم دنیا کے دُور دراز علاقوں میں جا کر لہرا دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اپنی پیش قدمی میں اسلام نے اپنی راہ کی تمام مزاحمتوں کو اس آسانی کے ساتھ ختم کر دیا کہ دُنیائے مغرب آج تک انگشت بہ دنداں ہے۔ خاص طور پر اُس وقت کی معلوم دنیا کی دو بڑی طاقتوں روم و فارس کا سرِ غرور یُوں سرنگوں کیا کہ وہ صدیوں خمیدہ رہا۔ بہر حال اسلام کی انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ وسعت و اشاعت نے جہاں ایک طرف دنیائے مغرب کی مذہبی و نظریاتی رفعتوں کو پامال کیا وہاں دوسری طرف اسلام کی عسکری فتوحات نے ان کی شوکت و سطوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ بازنطینی سلطنت کے زرخیز خطّوں (شام، فلسطین، مصر وغیرہ) پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا، اور چرچ کے مضبوط قلعے فتح ہو گئے۔ شمالی افریقہ کو فتوحات، اندلس اور سسلی کی عرب فتوحات نے دنیائے مغرب کو زیر و زبر کر دیا اور یُوں اسلام اور مغرب کے درمیان عداوت کی مستقل بنا پڑ گئی۔

---

[1] سورہ مائدہ (آیت ۸۲)

[2] قرآن کا یہ بیان تاریخی صداقت کا حامل ہے۔ یہود اور مشرکین اسلام دشمنی کے معاملہ میں روزِ ازل سے ہی انتہائی متعصب و متشدد رہے ہیں اور آج بھی ہیں جبکہ یہ شدت عیسائی مخالفین کے یہاں نسبتاً کم رہی ہیں۔ چنانچہ نجاشی شاہِ حبشہ کا قبولِ اسلام، قیصرِ روم کا پیغمبرِ اسلام کے بارے میں ابوسفیانؓ سے استفسار، مسیحیوں کے نجرانی وفد کا مباہلہ سے احتراز، اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں مصر، شام، شمالی افریقہ، فارس اور دوسرے ممالک میں عیسائیوں کا کثرت سے قبولِ اسلام اور عہدِ جدید میں اسلام کی طرف ان کا میلان وغیرہ، کافی ثبوت ہیں۔

[3] اس کا ایک اندازہ گزشتہ صفحات میں مستشرقین کے احوال سے ہو سکتا ہے۔ ایک مختصر فہرست مولانا ہاشمی کے کتابچہ میں بھی ملے گی ... مولانا عبدالقدوس ہاشمی، ص ۲۰ و ما بعد   [4] سورۂ بقرہ (آیت ۱۲۰)

یہ تاریخی منظر مستشرقین کی معاندانہ سرگرمیوں اور مخاصمانہ کارروائیوں کا بھی نقطۂ آغاز ثابت ہوا۔

(۳) محاربات صلیبی کو اگر ہم تحریکِ استشراق کا فوری سبب قرار دیں تو غلط نہ ہوگا۔ صلیبی جنگوں کو تاریخ یورپ بلکہ تاریخ عالم اور تاریخ اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے اس کی تفصیل کا تو یہاں موقع نہیں ہے البتہ اس حد تک نشان دہی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ دنیائے اسلام کے خلاف دنیائے یورپ کی متحدہ کوششیں چونکہ ناکام و نامراد ہوئیں اور (۱۰۹۶ سے ۱۲۹۲ء تک کے) معرکہ ہائے صلیب و ہلال کے نتائج اربابِ کلیسا کے حق میں اچھے نہ نکلے[1] اس لیے اُنھوں نے عسکری محاذ پر شکست کھانے کے بعد گویا یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے علمی و فکری محاذ کو منظم کیا جائے۔ یہی فیصلہ بالآخر تحریکِ استشراق کی شکل میں سامنے آیا۔ اس سلسلہ میں لارڈ ایلی کا یہ تبصرہ قابلِ ذکر ہے کہ "فوجی اعتبار سے تو اب صلیبی جنگیں ختم ہو چکی ہیں مگر یورپی لوگ دینِ اسلام اور اس کی تہذیب کے بارے تحریراً جن خیالات کا اظہار کریں گے اُن میں تعصب کے اثرات ہمیشہ باقی رہیں گے۔" ایک فرانسیسی (Pierre Martind) اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ "جب عیسائی ترکوں کے خلاف جنگ ہار گئے تو وہ ہرزہ سرائیاں کرنے لگے یہاں تک کہ انھوں نے عیسائیت کی شکست کا بدلہ میدانِ ادب میں لے لیا۔" چنانچہ تحریکِ استشراق کی صورت میں اہلِ یورپ اور اربابِ کلیسا کی تمنائیں پوری ہوئیں۔ اور اس طرح تحریکِ استشراق کے جلو میں دنیائے مغرب کا یہ منظم حملہ، واقعتہً عسکری محاذ پر اُن کے صلیبی حملوں سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ مختصر یہ کہ اسلام دشمنی کی جو چنگاریاں پہلے سے دبی ہوئی تھیں وہ لو دینے لگیں اور رفتہ رفتہ ان کی آتشِ عداوت دامنِ مشرق کو جلانے لگی۔

(۴) مستشرقین من حیث المجموع چاہے قدیم ہوں یا جدید، مغرب کے ہوں یا مشرق کے، اپنی اصل و نسل کے اعتبار سے بہرحال یہودی، عیسائی اور مشرک ہی رہے ہیں۔ گویا اختلافِ دین و مذہب کی بنا پر اُن کے جذبات و خیالات تو پہلے سے ہی، مذہبی بغض و عداوت (Religious Hostility) کے آئینہ دار تھے۔ اس پر مستزاد یہ امر ہوا کہ وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے حقیقی مآخذ سے دور، صدیوں جہالت و بے خبری اور عدمِ واقفیت کا شکار رہے۔ اس کا واضح نتیجہ ایک طرف تو یہ سامنے آیا کہ اسلام اور داعیِ اعظمؐ کے بارے میں، کم و بیش ۱۹ ویں صدی کے اواخر تک، دانستہ یا نادانستہ طور پر وہ جو کچھ لکھتے رہے اور پھیلاتے رہے، وہ صریحاً ظن و تخمین، وہم و گمان کی پیداوار تھا۔ چنانچہ بے سروپا روایات،

---

[1] یہ معرکہ ہائے صلیب و ہلال جنہیں "صلیبی جنگوں" کے نام سے شہرت حاصل ہے خالص کلیسائی محرکات کا نتیجہ تھیں اور اس کا سرآغاز پوپ اربن ثانی (۱۰۴۲ - ۱۰۹۹) کا وہ خطبۂ جنگ تھا جو اُس نے ۲۷ نومبر ۱۰۹۵ء کو دیا تھا جس نے پورے یورپ میں ایک آگ لگا دی تھی۔ پوپ اربن ثانی کے ترجمہ، حالات اور اثر انگیزی کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Hart, Michael H. The 100. Hart, P.co. New York 1978, p.268-270

[2] غازی، عرفان، مستشرقین اور سنتِ نبوی۔ سیارہ ڈائجسٹ، رسول نمبر ع ۲، شمارہ ۵۵ مطابق نومبر ۱۹۷۳ء، ص ۳۹۲۔

من گھڑت حکایات، فسانہ و فسوں، پُر قصّہ کہانیاں اور اسی طرح کا بلاتحقیق خام مواد مستشرقین اسلام اور پیغمبر اسلام کی نفرت انگیز تصویر پیش کرنے کے لیے بڑی دلیری کے ساتھ صدیوں استعمال کرتے رہے (جس کا کچھ اندازہ پچھلے تاریخی جائزہ میں بھی سامنے آچکا ہے اور کچھ جھلکیاں آئندہ فصل میں سامنے آئیں گی) پھر دوسری طرف جب جہالت و بے خبری کا پردہ چاک ہوا اور مستشرقین اسلامی مآخذ کی تحقیق و تفتیش میں منہمک ہوئے، تب بھی انھوں نے دانستہ طور پر قرآن و احادیث سے کھیلنے میں کوئی تکلف نہیں کیا۔[1] نیز مشرقی مصادر کی ترتیب و تبویب کے سلسلہ میں، تمام تر محنتوں کے باوجود، فاش قسم کی غلطیاں کرتے رہے[2] بہرحال ان تمام باتوں کا مقصد ایک تھا، یعنی تشکک و تذبذب کے بیج بو کر اسلام اور سرورِ عالم کے بارے میں مسلمانوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا اور انھیں آمادہ بہ نفرت کرنا۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ مستشرقین اپنی تحقیقات کے پردہ میں، بقول ایک مصنف "ایسے خیالات کو خاموشی کے ساتھ اسلام کے نظامِ فکر میں داخل کر دیں جس کا ادراک راسخ العقیدہ لوگوں کے سوا دُوسرے نہ کر سکیں۔ انھوں نے یہ خیال کر لیا کہ ان کی تحقیقات سے مرعوب ہو کر ان کی ہر بات کو بلا چُون و چرا درست مان لیا جاتے گا۔ چنانچہ علومِ اسلامی کا ہر میدان انھوں نے اپنی جولانگاہ کے لیے منتخب کیا اور علومِ اسلامیہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں اُنھوں نے خلطِ مبحث سے کام نہ لیا ہو۔"[3]

(۵) مسلمانوں کا زوال و انحطاط بحیثیت مجموعی، تحریکِ استشراق کے فروغ کا باعث ہوا۔
اِدھر عالمِ اسلام سیاسی انتشار کا شکار ہُوا، اندلس مسلمانوں کے قبضہ سے نکلا، اور پھر سیاسی انحطاط، معاشرتی و اخلاقی زوال اور تہذیب و ثقافت کے تنزل کا باعث ہُوا تو اُدھر مسیحی یورپ کی ہمتیں بلند ہوئیں، بلکہ اندلس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے واپس لے کر تو اتنا غرور پیدا ہوا کہ صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پھر ۱۵ھویں صدی عیسوی کے بعد سے انھیں سیاسی عروج حاصل ہونے لگا تو اقوامِ یورپ نے ایشیا، افریقہ اور دوسرے مشرقی علاقوں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا۔ اور یُوں استعماریت کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ اس کا نتیجہ واضح تھا۔ مغربی تہذیب کا غلبہ ہوتا چلا گیا اور مغربی تمدن اپنا اثر جمانے لگا تو مسلم ثقافت مغلوب ہونے لگی اور تمدنی چمک دمک ماند پڑ گئی۔ اور اس طرح مستشرقین کو موقع ملا کہ وُہ اپنے ہتھیار تیز کر لیں۔ انھوں نے مسلمانوں کی زبانیں سیکھیں، ان کے افکار و علوم سے واقفیت حاصل کی اور اتنی استعداد بہم پہنچائی کہ مسلمانوں کے مآخذ کو استعمال کر سکیں اور یُوں اپنی تحریک کو آگے بڑھا سکیں۔

(۶) ۱۵ھویں صدی عیسوی کے بعد یورپ نے پھر سے انگڑائی لی، اُس کے عہدِ تاریک کا خاتمہ ہوا، اور ان کے ہاں

---

[1] ہاشمی۔ مولانا سید عبد القدوس۔ مستشرقین اور تحقیقاتِ اسلامی۔ مکتبہ ملی۔ کراچی۔ ص ۲۰، ۲۱

[2] اس سلسلہ میں تفصیل اور مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو: ایضاً۔ نیز دیکھیے شبلی، ج ۱، ص ۱۱۰، ۱۱۱

[3] حسن، پیر محمد۔ مستشرقین کی تحقیقات پر تحقیق کی ضرورت۔ ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد۔ جلد ۱۳۔ شمارہ ۱۱ ص ۴۲، ۴۳۔

علم وتحقیق، بیداری، تہذیب وتمدن کی ترقی کا دور شروع ہوا۔ یہ ان کے سیاسی فروغ سے ہم آہنگ تھا اور انھیں ضرورت تھی کہ ایشیا اور افریقہ میں اُنھوں نے اپنی جو کالونیاں قائم کی ہیں اُنھیں مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے مادّی وسائل اور اسلحہ سے زیادہ توجہ علمی و ذہنی کاوشوں پر صرف کی جائے۔ چنانچہ استعمارِ مغرب کے تحفظ کے لیے بجائے خود تحریکِ استشراق کی سرگرمی ناگزیر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے مفتوح ممالک کے تمام علوم وفنون کو حاصل کرنے اور تحقیقات کے پردہ میں اپنے مقاصد کو پُورا کرنے کے لیے یورپی حکمرانوں نے تحریکِ استشراق کی مکمل سرپرستی کی۔ یہ سرپرستی صرف مالی صورت میں نہیں تھی بلکہ مستشرقین کو وہ تمام سہولتیں مہیا کی گئیں جو ان کی تحقیق و تفتیش کے لیے ضروری تھیں۔

(۷) مذہبی اور سیاسی محرکات کے ساتھ تجارتی مفادات بھی تحریکِ استشراق سے وابستہ تھے۔

اقوامِ یورپ اور مشرقی ممالک میں رابطہ کی ابتدا، تجارتی تعلقات سے ہی ہوئی تھی۔ پھر امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ وہی تجار بالآخر سیاہ وسفید کے مالک اور حکمران بن بیٹھے۔ تاہم منڈی والی تجارت میں وہ اب بھی منہمک تھے۔ استشراقی سرگرمیوں کے نتیجہ میں کتابوں کی طباعت واشاعت، مورخین کی کتابوں کی جلد فروخت اور مستشرقین کی تعداد میں مسلسل اضافہ اہلِ یورپ کے تجارتی مفادات کے تحفظ وفروغ کا باعث بھی ہوا۔

اسباب ومحرکات کا یہ مختصر سا تجزیہ، تحریکِ استشراق کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے اور ان کے مالہٗ وما علیہ کو جاننے کے لیے کافی ہے۔ اس لیے اب ہم آگے بڑھ کر ایک نظر اُن اعتراضات، الزامات اور مفتریات پر ڈالنا چاہتے ہیں، جو مستشرقین کی طرف سے ہمارے ہادیٔ برحق سید الانبیاء والرسل کی شخصیت وکردار کو (نعوذ باللہ) مجروح کرنے کے لیے ان کی تحریروں میں بالعموم پائے جاتے ہیں۔

(۱۲)

اعتراضات، الزامات، مفتریات وہفوات

مستشرقین کی جانب سے اسلام کے لیے بالعموم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بالخصوص جو طرزِ عمل اختیار کیا گیا اُس کا مختصر سا خاکہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اب جہاں تک سیرتِ رسول کے حوالے سے ان کے اعتراضات اور الزامات کا تعلق ہے اِس مختصر مقالہ میں ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اس لیے بھی ممکن نہیں کہ اعتراضات و الزامات کی کوئی حد نہیں ہے اور وہ مستشرقین کی تحریروں میں، اُن کے پیدا کردہ لٹریچر میں، اور ان کے خرافات کے ذخیرہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں (جو صدیوں پر پھیلا ہوا ہے) اُن کے ہاں الزامات واعتراضات کی بہتات اس لیے بھی قابلِ فہم ہے کہ الزامات واعتراضات قائم کرکے (خواہ وہ کتنے ہی بے بنیاد کیوں نہ ہوں) سیرتِ رسول کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، مستشرقین کی حکمت عملی کا مستقل لازمی حصّہ رہا ہے۔ کیونکہ اس جہت سے یہ گنجائش باقی رہتی ہے کہ معصوم الذہن لوگ، اور وہ افراد جن کا علم ومطالعہ راسخ نہیں، ان کے پروپیگنڈہ سے بآسانی منفعل ومتاثر

ہو سکتے ہیں[۱]۔ حق تو یہ ہے کہ مستشرقین کے تمام اعتراضات و الزامات کو مرتب کر کے اُن کا مفصل جواب دیا جائے، لیکن اس کی نہ فرصت ہے نہ موقع، تاہم ذیل میں ہم مختصراً سیرتِ رسول کے حوالہ سے مستشرقین کے اعتراضات والزامات بلکہ مفتریات کو نقل کر رہے ہیں تاکہ عام قارئین یہ اندازہ کر سکیں کہ سیرتِ نبویؐ کے باب میں مستشرقین نے کیا کیا گل کھلائے ہیں اور کیسے کیسے الزامات و اعتراضات عائد کیے ہیں۔ ان میں سے بیشتر اعتراضات ایسے ہیں جن کے بودے پن کو عام پڑھا لکھا مسلمان بھی محسوس کر سکتا ہے۔

نام، حسب ونسب

(۱) یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ پیغمبرِ اسلام کا نام نامی اسمِ گرامی "محمدؐ" (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں تھا بلکہ ماہومٹ (Mahomet) تھا۔ بعض نے دل کی انتہائی کدورتوں کے ساتھ "ماہوند" (Mahound) یعنی بقول ان کے "شہزادۂ تاریکی" کا نام تجویز کیا۔ اور بعض کے نزدیک "بافومٹ" (Baphomet) اور "بافم" (Bafum) تھا[۲]

(۲) نیچ ذات (Low birth) تھے[۳] (العیاذ باللہ)

---

[۱] ہمارے علم میں اردو ادب میں ایسی کوئی تحریر سامنے نہیں آئی ہے جس میں مستشرقین کے پیدا کردہ شکوک و شبہات اور الزامات و اعتراضات کو یکجا کیا گیا ہو اور پھر ان کے جوابات کا اہتمام کیا گیا ہو۔ البتہ متفرق طور پر چند الزامات کو سیرت کی کتابوں میں بالعموم اور مولانا شبلی کی سیرۃ النبی میں بالخصوص ذکر کیا گیا ہے، علاوہ ازیں بعض اعتراضات (مثلاً تعددِ ازواج، انکارِ حدیث، نظمِ قرآن وغیرہ) کے بارے میں مفصل مضامین موجود ہیں تاہم حضورؐ کی شخصیت و کردار کے حوالہ سے تمام الزامات یکجا نہیں ملتے۔ انگریزی زبان میں جناب مظہر الدین صدیقی کا مضمون اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں غالباً پہلی مرتبہ مستشرقین کے قائم کردہ الزامات میں سے اٹھارہ[۱۸] کا انتخاب کر کے مختصر جوابات بھی شامل کر دیے ہیں (ملاحظہ ہو: (Siddiqi, Mazheruddin , The Holy Prophet and the orientalist. Islamic studies. Journal of the central Institute of Islamic Research. Islamabad. vol. XIX No.3 Autum 1980.. p.143– 165).

[۲] واضح رہے کہ یہ مفروضات زیادہ تر مغربی یورپ میں حروبِ صلیبیہ کے بعد مروّج و متداول رہے (دیکھئے حادسے ص ۲۴) حضورؐ کا نام قرآن و حدیث میں محمدؐ اور احمدؐ مذکور ہے۔

[۳] اس الزام کو خاص طور پر مارگولیتھ نے بڑی شد و مد کے ساتھ اپنی کتاب "محمد اینڈ دی رائز آف اسلام" مطبوعہ لندن (ص ۴۰) میں پیش کیا۔ اس الزام کو نہ صرف یہ کہ دوسرے مشہور برطانوی مستشرق سر ولیم میور نے (دی لائف آف محمدؐ۔ ایڈنبرا ۱۹۲۳ء ص IC XIV, CXV) ہی مسترد کر دیا بلکہ یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی شریف النسب تھے عرب کے شریف ترین گھرانے کے فرزند تھے، آپ کے جدِ امجد ہاشم تھے جن کے ذمہ شہری مملکت مکہ میں "رفادہ" کی ذمہ داری تھی اور وہ اس پائے کے آدمی تھے کہ رومی امراء اور غسانی شہزادے ان سے معاہدہ کیا کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو صدیقی، مظہر الدین۔ ص ۱۴۳)

تعارف

(۳) محمدؐ، دراصل خود ایک مسیحی پادری (Cardinal) تھے۔ خواہش تھی کہ پوپ منتخب ہو جائیں۔ یہ تمنا پوری نہ ہوئی تو انتقاماً رومی کلیسا سے تعلق منقطع کر لیا اور عیسائیت کے بالمقابل ایک نئے مذہب "اسلام" کو ایجاد کر لیا اور اپنے آپ کو مخالف پوپ قرار دے لیا۔[1]

(۴) دنیائے مسیحیت میں نئے فرقے کے بانی تھے۔[2]

(۵) مخالف مسیح (anti–christ) اور دشمن عیسائیت تھے۔[3]

(۶) ترکوں کے پیغمبر تھے۔[4]

(۷) بُت پرست تھے۔[5] (نعوذ باللہ)

(۸) خود اپنے آپ کو مرکزِ پرستش قرار دے لیا تھا۔[6]

(۹) آپ بقول ایک مصنف "سب منافق و ناپاک تھے۔"[7]

(۱۰) جین بررڈ (Gembrard) کے نزدیک (خدانخواستہ) آپؐ حیوان (Beast) تھے۔[8]

(۱۱) آپؐ (حاشاللہ) شہوت پرست (Lescivarus) تھے۔ خود بھی ملوث، اپنے پیروکاروں کو بھی ملوث کیا۔[9]

(۱۲) دھوکہ باز، مکار، کاذب، جھوٹے، خوفناک حد تک بے شرم تھے۔[10] (استغفراللہ)

---

[1] حمادے، ص ۲۵۔ یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ یہ تعارف تاریخی صداقتوں کے سرتاسر خلاف ہے۔

[2] حمادے، ص ۲۴۔

[3] ایضاً

[4] ایضاً ص ۴۸

[5] ایضاً ص ۱۷

[6] ایضاً ص ۲۴۔ اولان نے اپنی نظم میں جو واقعہ بیان کیا ہے اس میں ہسپانوی عیسائی فوجوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے اصنام توڑے جانے کا ذکر ہے، یہ تین تھے: (۱) ترغاجان (۲) محمدؐ (۳) اپولون۔

ایک انطاکی شاعر نے ان لوگوں کی شہادت پر حضورؐ کی ہجو لکھی جنھوں نے آپؐ کی ایسی مورتی دیکھی تھی جو سونے اور چاندی سے بنی تھی۔ (ہیکل ص ۳۴)

[7] یہ تبصرہ ذروقی نے ۱۸۷۶ء میں کیا تھا۔ (ہیکل ص ۳۵)

[8] جین بررڈ (م ۱۵۹۷ء) دریدہ دہنی سے کام لیتے ہوئے لکھتا ہے کہ "محمدؐ ایک حیوان تھے اور صرف حیوانی (جنگلی) زبان (عربی) جانتے تھے جو ان کے حیوانی ماحول کے لیے بالکل مناسب تھی۔" دیکھیے حمادے (ص ۴۷)

[9] حمادے ص ۳۱۔

[10] بیڈول (Bedwell) کی ہرزہ سرائی اس کی کتاب Mohammadis Imposture میں۔ (ایضاً ص ۴۶)

(۱۳) وہ ایک ہنرمند، مکمل سیاستداں تھے۔[1]

نبوت و رسالت

(۱۴) نبوت نتیجہ تھی ان کی طویل خود خیالی (auto suggestion)[2] یا خود ایمائی اور القائے نفس کا۔

(۱۵) وہ خواب بہت دیکھا کرتے تھے۔ وحی بھی بطور خواب دیکھا کرتے تھے۔[3]

(۱۶) وہ بزعمِ خود اس خام خیالی میں مبتلا تھے کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے حالانکہ یہ محض ایک ڈھونگ تھا۔ بہرحال دوسروں کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ ان پر وحی اُترتی ہے محمدؐ نے ایک سفید دودھیا رنگ کے کبوتر (Pigeon) یا فاختہ (Dove) کو سدھار رکھا تھا، جو ان کے کندھے پر بیٹھا رہتا اور وقفہ وقفہ سے چونچ مار مار کر ان کے کان میں سے دانے (Grains) چگا کرتا تھا۔ اور اس طرح وہ دوسروں پر یہ تاثر قائم کرتے تھے کہ فرشتۂ ربانی (جبریلؑ) ان پر وحی نازل کر رہا ہے اور انھیں املا کرا رہا (dictating) ہے۔[4]

(۱۷) انھیں (نعوذ باللہ) اعصابی مرض لاحق تھا اور وہ توہمات، فریبِ حسی (Hallucination) میں مبتلا تھے۔[5]

(۱۸) نزولِ وحی کے وقت مرگی کا دورہ پڑتا تھا۔[6]

(۱۹) مرگی زدہ تو نہیں البتہ جنونی (Hysterical) ضرور تھے۔ کیونکہ وہ غیر متوازن اعصابی مزاج والے (abnormal nervous temper) آدمی تھے۔[7]

(۲۰) اعصابی دَورے پڑتے تھے، اور وہم ہو جاتا تھا کہ تابعِ الہام ہیں۔[8]

---

[1] یہ لامنس کا خیال ہے۔ (ایضاً ص ۷۰)

[2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] یہ افسانہ صدیوں یورپ میں مستشرقین کے حوالے سے مروّج رہا۔ اور ۱۹ ویں صدی کے اختتام تک اپنی موت آپ مرگیا۔ (ایضاً ص ۲۵)

[5] حمادے ص ۶۵

[6] ایضاً۔ عہدِ حاضر کا مستشرق، واٹ، اس کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ الزام صریحاً بے بنیاد ہے (محمد پرافٹ اینڈ اسٹیٹس مین آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۱ء۔ ص ۱۹) تفصیل کے لیے دیکھئے، صدیقی، مظہر الدین، ص ۱۴۴۔

[7] حمادے ص ۷۳

[8] نولدیکے کے ذہن کی اختراع اور بوالعجبی۔ (ایضاً ص ۶۷)

(۲۱) اپنے الہامی اور الٰہیاتی مشن کے بارے میں خود مشکوک و متذبذب تھے۔[1]
(۲۲) مذہبیت اور الٰہیات کی تشکیل میں شام کے مسیحی اثرات کو بڑا دخل تھا۔[2]
(۲۳) ان کو بائبل کی تعلیمات کا علم تھا۔[3]
(۲۴) نبوت کا تسلسل برقرار نہیں رہا۔[4]
(۲۵) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کے فحش خیال میں نبی کاذب (false Prophet) تھے۔[5]
(۲۶) وہ (نعوذ باللہ) مکار، دغاباز، مدعی کاذب (Imposture) تھے۔[6]
(۲۷) شیطان کے آلۂ کار، اور توہین آمیز جاسوس (Blasphemous Emissary of Satan) تھے۔[7]
(۲۸) ترویج و اشاعت مذہب کے لیے تشدد (Violence) کا سہارا لیا۔[8]

---

[1] میور کے نزدیک ابتداءً انھیں بالکل یقین نہیں تھا کہ وہ خدا کی طرف سے فرستادہ ہیں۔ البتہ ایک طویل عرصہ تک شک و تذبذب میں مبتلا رہنے کے بعد بالآخر آمادہ بہ تبلیغ ہوئے۔ (میور۔ لائف آف محمدؐ ۱۹۲۳ء۔ ص ۴۶-۴۷)

یہ الزام سراسر واقعات کے خلاف ہے۔ اور تاریخی اعتبار سے گمراہ کن ہے۔ اگر ذرا بھی تذبذب ہوتا تو اپنی زوجۂ محترمہ خدیجہؓ کو، اپنے بھائی علیؓ کو، اپنے جگری دوست ابوبکرؓ کو کیونکر مطمئن کرتے۔

(ملاحظہ ہو: صدیقی، مظہر الدین۔ ص ۱۴۵، ۱۴۶)

[2] حوالے، ص ۴۷۔

[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: صدیقی، مظہر الدین (ص ۱۶۱)

[4] یہ واٹ کا مفروضہ ہے۔ اس کی دلیل یہ دی ہے کہ مدنی زندگی کے ابتدائی زمانہ میں کچھ عرصہ کے لیے یہودِ مدینہ سے یہ مطالبہ نہیں کیا تھا کہ وہ ان کو نبی و رسول کی حیثیت سے تسلیم کریں۔

(ملاحظہ ہو: تفصیل، صدیقی ص ۱۵۵، ۱۵۶)

[5] حوالے، ص ۴۸

[6] ایضاً (ص ۶۱) مستشرقین نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نبی کاذب اور مدعی کاذب (Imposture) کے فحش القابات کو مختلف سابقوں اور لاحقوں کے ساتھ ہر زمانے میں اتنی بار استعمال کیا ہے کہ گویا ان کا تکیہ کلام ہیں۔ حالانکہ بعض مستشرقین مثلاً ٹائن بی اس سے متفق نہیں وہ انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ مدعی کاذب ہرگز نہیں تھے۔ (ایضاً ص ۷۵)

[7] ایضاً ص ۴۴۔

[8] ایضاً ص ۳۱۔

(۲۹) اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا۔[1]

(۳۰) حتی (Hitti) کے خیال میں حضورؐ کے ابتدائی حالات کا پتا نہیں چلتا۔[2] اور لامنس کے نزدیک آپ کی مکی زندگی کے حالات محض افسانہ (fiction) ہیں۔[3]

(۳۱) اصل استفادہ عیسائیت سے کیا۔ چنانچہ مسیحی نسطوری راہب بحیرہ سے ملاقات خاص ہے۔[4]

(۳۲) مستشرقین کے نزدیک ایک مقبول عام وزنی الزام یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی زندگی مکہ تک پیغمبرانہ رہی لیکن مدینہ جاکر بادشاہی میں بدل گئی اور وہاں لشکر کشی انتقام خونریزی کا بازار گرم کر دیا۔[5]

کارہائے نبوت و رسالت ۔ واقعاتِ سیرت

(۳۳) دنیا داروں کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی اختیار کی۔[6]

(۳۴) میور لکھتا ہے: "کارِ نبوت کی ابتدا میں تو ایمان داری سے یہودی اور عیسائی طور طریقوں اور نظام کو اپنایا گیا اور اپنے مذہب کی انھیں بنیاد بنا دیا گیا، لیکن جب مطلب حاصل ہو گیا اور اقتدار حاصل ہو گیا تو اُن سے برأت ظاہر کی اور پھر انھیں بالکل مردود قرار دے دیا۔"[7]

---

[1] مشہور مصنف زکریا ہاشم زکریا نے اپنی کتاب المستشرقون و الاسلام میں اس الزام کا خاص طور پر جائزہ لیا ہے اور بڑی تفصیل سے اس کا مدلل جواب لکھا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام ایک تاریخی دین ہے۔ اپنی اصل و فرع ہر لحاظ سے "سلامتی" تھا۔ اور اسے رسول اللہؐ نے اپنے اخلاق و کردار سے پھیلایا (ملاحظہ ہو: زکریا، ص ۷ تا ۱۷ نیز ص ۴۳ تا ۵۸) اس کے علاوہ مستشرقین کے دوسرے چند اعتراضات بھی نقل کیے ہیں (ص ۲۱۲ تا ۲۲۵) لیکن ان کے جوابات میں اتنی تفصیل سے کام نہیں لیا ہے۔ البتہ فصل سادس میں چند مستشرقین کے اعترافی بیانات نقل کر کے کسی حد تک تلافی کر دی ہے۔ نیز دیکھیے شبلی ج ۱ ص ۱۰۰۔

[2] حتی، فلپ کے۔ ہسٹری آف دی عربس۔ لندن ۱۹۳۷ء، ص ۱۱۱، ۱۱۲۔

[3] حمادے ص ۶۹۔

[4] یہ ملاقات بصریٰ میں جناب ابو طالب کے ہمراہ اس وقت ہوئی تھی جب آپ ۹ سال کے تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: صدیقی، مظہر الدین، ص ۱۴۵۔

[5] شبلی، ج ۱، ص ۹۹، ۱۰۰۔ شاتن بی نے اس الزام کو شدومد سے پیش کیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: حمادے، ص ۵۷۔ نیز صدیقی مظہر الدین، ص ۱۵۱۔

[6] شبلی، ج ۱، ص ۱۰۰۔

[7] میور۔ لائف آف محمدؐ، ص ۱۴۵۔ تفصیل کے لیے: صدیقی مظہر الدین، ص ۱۵۸۔

(۳۵) اسلام کو یہودیت سے بدلنے کی کوشش کی۔ واٹ لکھتا ہے کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ جا کر یہ کوشش کی کہ اسلام کو مذہبِ قدیم "یہودیت" سے بدل دیا جائے"۔[1]
(۳۶) تحویلِ قبلہ[2] (ایک خاص وقت کے بعد یہودیت و عیسائیت سے بیزاری کی کوشش)
(۳۷) شاید اسلام یہودیت کا ایک حصہ یا فرقہ بن جائے[3]
(۳۸) محمدؐ نے مسلمانوں کو اپنے آپ کی پرستش کی دعوت دی[4]
(۳۹) منشورِ مدینہ (Charter of Madinah) میں حضورؐ کا مقام و مرتبہ غیر معین تھا۔[5]
(۴۰) حضورؐ کی ہجرت سے قریشِ مکہ بڑے خوش ہوئے۔[6]
(۴۱) حضورؐ نے قریشِ مکہ کو (بلاوجہ) اپنے خلاف بھڑکایا۔[7]
(۴۲) غزوات محض لوٹ مار کی مہمیں (Plundering expeditions) تھیں[8]۔ اور عربوں کی غربت و تنگدستی دور کرنے کا ذریعہ۔
(۴۳) بعض یورپی مصنفین کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ کا لایا ہوا انقلاب اور مذہبی اصلاحات اس لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتیں کہ وہاں کا ماحول دراصل ان کے موافق اور مناسب (congenial) تھا۔ اور اہلِ عرب مذہبی معاشرتی تبدیلی کے متلاشی اور پیاسے تھے۔[9]

---

[1] اس دعویٰ بلا ثبوت کی تفصیل ملاحظہ ہو: میور، لائف آف محمد، ص ۱۵۶، ۱۵۷۔
[2] ایضاً ص ۱۵۸ — [3] ایضاً ص ۱۵۹
[4] ایضاً ص ۱۶۱ — [5] ایضاً ص ۱۵۳
[6] مارگولیتھ کہتا ہے کہ "یہ عین ممکن ہے کہ قریشی سردار (محمدؐ کی ہجرت کے بعد) آپس میں ایک دوسرے کو مبارک دے رہے ہوں کہ وہ اپنے ایک تکلیف دہ ہم وطن (Vexation countryman) سے بغیر کسی خون خرابے کے نجات پا گئے۔" (صدیقی، مظہر الدین۔ ص ۱۴۸ تا ۱۵۰) مارگولیتھ کی یہ خیال آفرینی بھی تاریخی واقعات کے بالکل خلاف اور لغو ہے۔
[7] یہ واٹ کی خام خیالی ہے۔ مہماتِ سرایا کا مطلب اُس کے نزدیک یہ تھا کہ قریش کو اپنے خلاف بھڑکایا جائے (نہ کہ مدینہ کی حفاظت کے لیے احتیاطی تدابیر اور جنگی کاروانوں کو روکنے کے لیے معاشی ناکہ بندی وغیرہ) یہ واقعات کے خلاف بھی ہے اور واٹ کے بیان کا تضاد بھی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے، صدیقی، مظہر الدین۔ ص ۱۵۵۔
[8] یہ مستشرقین کا عام الزام ہے اور وہ اس بات کے شدت سے قائل ہیں کہ غزوات پاکیزہ جذبات، اعلیٰ و ارفع مقاصد اور شوقِ شہادت کا نتیجہ نہ تھے بلکہ غریب و مفلوک الحال عربوں کی تنگدستی دور کرنے کا ذریعہ اور لوٹ مار کے تحت مال و دولت جمع کرنے کا شوق تھا۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: قریشی، پروفیسر ظفر علی، ماہنامہ اسلامک لٹریچر۔ ج ۱۷ × شمارہ ۵، مئی ۱۹۶۸ء۔ ص ۸۰۷۔ نیز شمارہ ۹، ستمبر ۱۹۶۸ء، ص ۸۰۔ — [9] دیکھیے، صدیقی، مظہر الدین۔ ص ۱۶۳، ۱۶۴۔

(۴۴) جنگِ موتہ —— جنگ کا مقصد متعین کرنا مشکل ہے[1]

متفرقات

(۴۵) ٹائن بی کے خیال میں آنحضرتؐ محض قیصرِ عرب تھے[2]۔ ایک سیاسی لیڈر تھے[3]

(۴۶) جے سی آرچر کے نزدیک محمدؐ محض ایک صوفی اور مجذوب (Mystic) تھے[4]

(۴۷) آپؐ (نعوذ باللہ) راہزنوں، قزاقوں کے سردار (Robber chief) تھے[5]

(۴۸) اسلام ایک بدقسمت تاریخی حادثہ تھا اور محمدؐ مرگی میں مبتلا ہو کر مرگئے جو شدتِ بھوک کا نتیجہ تھا[6]

(۴۹) اسلام ایک اشتراکی رجحان تھا[7] اور محمدؐ صرف ایک معاشرتی سماجی مصلح تھے نہ کہ پیغمبر[8]

(۵۰) وہ ایک موقع پرست، مفاد پرست تھے[9]

(۵۱) کثرتِ ازدواج اور میل الی النساء[10] عورتوں کے دوست، سنجیدگی اور معقولیت کے دشمن، بہت شادیاں کرنے والے[11]

(۵۲) آنحضرتؐ اور قرآن، تہذیب و تمدن، حریت و آزادی اور سچائی کے بدترین مخالف اور ضدی و سرکش دشمن (Stubborn enemies) تھے کہ ان جیسا دشمن[12] صفحۂ ہستی پر نمودار نہیں ہوا[13]

(۵۳) لونڈی، غلام بنانے کی اجازت دی اور اس پر عمل بھی کیا۔[14]

---

[1] قریشی، پروفیسر ظفر علی (شمارہ اپریل ۶۶۸، ص ۲۰) جنگ موتہ عیسائیت اور اسلام کے درمیان تصادم کا پہلا معرکہ تھا اور یہی صدیوں کے لیے تصادم کا سبب بن گیا۔ (ایضاً ص، ۲۲ نیز ۲۳)

[2] حمادے ص ۶۷ — [3] ایضاً ص ۱۷ — [4] ایضاً ص ۵۷

[5] ایضاً ص ۱۷ — [6] ایضاً ص ۶۹ — [7] ایضاً ص ۷۰

[8] ایضاً ص ۷۲ — [9] ایضاً ص ۷۲

[10] شبلی، ج ۱ ص ۱۱۴

[11] صدیقی، مظہر الدین ص ۱۶۲

(حضورؐ کی شادیوں اور تعددِ ازواج کے بارے میں ذاتِ رسالت پر اعتراض مستشرقین کا محبوب ترین موضوع ہے جس کے ذریعہ (نعوذ باللہ) آپ کی بدمستی اور بوالہوسی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں انھیں کوئی خیر، پاکیزگی، عفت اور حکمت نظر نہیں آتی)

[12] حمادے ص ۶۶۔

[13] شبلی ج ۱ ص ۱۱۴۔

(۵۴) داستانِ غرانیق۔ شیطانی آیات[۱]

(۵۵) واقعۂ حضرت زید و زینب[۲]

(۵۶) اُن کا آہنی تابوت (Iron coffin) خانۂ کعبہ میں دُو ستونوں کے درمیان معلق رہا[۳]

(۵۷) ابتداً میں اپنی نبوت کا جواز پیدا کرنے کے لیے تمام انبیائے بنی اسرائیل کو تسلیم کیا لیکن جب قوت و اقتدار مل گیا تو سب سے بڑے نبی خود بن بیٹھے اور سلسلۂ نبوت کو اپنی ذات پر ختم کر لیا۔

(۵۸) بانیِ اسلام سے معجزات کی نسبت محض انبیاءِ ماسبق کے ہم پلّہ ثابت کرنے کے لیے قائم کی گئی۔

(۵۹) ایک نیا اور جھُوٹا مذہب جاری کیا، حالانکہ یہ ان کا خود ساختہ تھا[۴]

(۶۰) بداطوار، جادُوگر، لٹیرا، ریاکار[۵] (استغفراللہ)

(۶۱) ایسا خدا بن بیٹھا، جس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے اس کے پیرو انسان کی قربانی پیش کرتے ہیں[۶]

(۶۲) محمدؐ نے شراب کی مستی میں جان دی، اس کے پیروؤں نے اُس کی لاش کوڑے کے ڈھیر پر پھنکوا دی۔[۷] (اعاذنا اللہ منہ)

(۶۳) وہ دُوسروں کو دھوکا دیتا تھا، بلکہ خود دھوکا میں مبتلا تھا[۸] (نقل کفر، کفر نہ باشد)

---

[۱] نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ حرم میں نماز ادا کی اور قرآن کی بھی تلاوت کی، اس وقت وہاں کفار بھی موجود تھے۔ جب آپؐ نے سورۂ نجم کی یہ آیت (۲۰) پڑھی ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ، تو کہا جاتا ہے کہ شیطان نے آپؐ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے، تلك الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ (یہ بت معظم و محترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے) اس شیطانی آیت کے بارے میں واقعہ کو مستشرقین بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور رائی کا پہاڑ بنا ڈالتے ہیں۔ (تفصیلات کے لیے دیکھئے: شبلی ج ۱ ص ۲۸۔ ۳۲۷، ۳۲۶)

[۲] حضورؐ نے اپنی حقیقی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ حضرت زیدؓ بن حارثہ کا نکاح کر دیا تھا لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکر رنجی بڑھ گئی۔ آخر کار حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دے دی۔ حضورؐ نے رسمِ جاہلیت مٹانے کے لیے اور حضرت زینبؓ کی دلجوئی کے لیے خود نکاح کر لیا۔ حضرت زینبؓ کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا۔ مستشرقین کے نزدیک یہ صریحاً بوالہوسی تھی۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: نثار احمد۔ نقشِ سیرت۔ کراچی ۱۹۶۸ء۔ ص ۶۲۳ تا ۶۳۹۔

[۳] حمادے ص ۲۵، ۲۷۔ یہ عجیب و غریب روایت مستشرقین کے یہاں ہمیشہ مروّج رہی ہے۔

[۴] ڈیون پورٹ۔ این اپالوجی فار محمدؐ اینڈ دی قرآن (اشاعت اوّل ۱۸۶۹ء۔ اشاعت دوم، البیرونی لاہور ۱۹۷۵ء۔ ص ۱۳۳)

[۵] ہیکل۔ ص ۳۲

[۶] ایضاً (کذب و افتراء کا ایک شاہکار)

[۷] ایضاً (کذب و افتراء کا دوسرا شاہکار)

[۸] حمادے ص ۷۹ (یہ ایڈیسن صاحب کا نادر قیاس ہے)

(۱۴)

اعترافات

اگرچہ، گزشتہ فصل کی روشنی میں مستشرقین کا انتہائی بے باکانہ، گستاخانہ اور معاندانہ رویہ بڑی حد تک سامنے آجاتا ہے تاہم یہ ان کے مطالعۂ سیرت کا صرف ایک رُخ ہے جو اوّل تا آخر کذب و افترا سے عبارت ہے۔ ایک دوسرا رُخ وہ ہے جس میں مستشرقین کے بعض سرکردہ افراد اپنے تعصب و تظلم کا برملا اعتراف کرتے ہیں، اور جب ذرا انصاف و اعتدال سے کام لیتے ہیں تو اقرار کرتے ہیں کہ ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے منزّہ ہر الزام سے مبرّا، خَلق و خُلق کی تمام خُوبیوں سے مرصّع دنیائے انسانیت کا حاصل تھی اور اُن کی کامیابیوں، کامرانیوں اور کارناموں کے حوالے سے اُن کا کوئی مثیل نہیں ہے۔ اس موضوع پر اگرچہ دفتر کے دفتر نقل کیے جا سکتے ہیں لیکن ہم یہاں صرف چند نمونوں پر اکتفا کر رہے ہیں :

۱۔ اثر انگیز شخصیّت

○ "جسٹینین کی وفات کے چار سال بعد ۵۶۹ء میں، مکہ میں وہ آدمی پیدا ہُوا جس نے انسانیت پر تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اثر ڈالا۔" (ڈیپر)[۱]

۲۔ ناقابلِ فراموش

○ "اگر مقصد کی عظمت، وسائل کی قلت اور حیرت انگیز نتائج ! ان تین باتوں کو انسانی تعقل و تفکر کا معیار بلند مانا جائے

---

[۱] ڈیپر، جون ولیم، اے ہسٹری آف دی انٹلیکچوئل ڈیولپمنٹ آف یورپ۔ لندن ۵، ۱۸ء (ج ۱ ص ۳۲۹)، یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ آنحضرتؐ کی اثر انگیزی کا اعتراف ہمیشہ کیا جاتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی شخصیت کی اثر انگیزی کا فراخدلانہ اعتراف عہدِ حاضر کا ایک مصنّف ڈاکٹر ہارٹ بھی کرتا ہے۔ اور دُنیا بھر کی، ہر زمانے کی، عظیم ترین اور موثر ترین شخصیات کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ سرکارِ رسالتمآبؐ کو بجا طور پر اوّلین مرتبہ کا مستحق سمجھتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "قارئین میں سے ممکن ہے کچھ لوگوں کو تعجب ہو کہ میں نے دُنیا جہان کی موثر ترین شخصیات میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سرِ فہرست کیوں رکھا ہے اور مجھ سے توجیہ طلب کریں گے۔ حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پُوری انسانی تاریخ میں صرف وہی ایک انسان ایسے تھے جو دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے غیر معمولی طور پر کامیاب، کامران اور سرفراز ٹھہرے۔" ملاحظہ ہو ہارٹ میخائل، ایچ کی کتاب :

The 100: (A Ranking of the Most Influential persons in history.). Hart Publishing Co. New York 1978 (p. 337).

تو کون ہے، جو تاریخ کی کسی قدیم یا جدید شخصیت کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابل لانے کی ہمت کر سکے۔ لوگوں کی شہرت ہوئی کہ انھوں نے فوجیں بنا ڈالیں، قوانین وضع کرائے اور سلطنتیں قائم کر ڈالیں۔ لیکن غور طلب یہ ہے کہ انھوں نے حاصل کیا کیا؟ صرف مادی قوتوں کی جمع پونجی؛ وہ تو ان کی آنکھوں کے سامنے لٹ گئی۔ بس صرف یہی ایک آدمی ایسا ہے، جس نے یہی نہیں کہ فوجوں کو مرتب کیا، قوانین وضع کیے اور مملکتیں، سلطنتیں قائم کیں بلکہ اس کی نظر کیمیا اثر نے لاکھوں متنفس ایسے پیدا کر دئے، جو اس وقت کی معلوم دنیا کی ایک تہائی آبادی پر مشتمل تھے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر، انھوں نے قربان گاہوں کو، خداؤں کو، دین و مذہب کے پیروکاروں کو، خیالات و افکار کو، عقاید و نظریات کو، بلکہ رُوحوں تک کو بدل ڈالا۔ پھر صرف ایک کتاب کی بنیاد پر، جس کا لکھا ہوا ہر لفظ قانون تھا، ایک ایسی روحانی اُمت کی تشکیل کر دی گئی جس میں ہر زمانے، وطن، قومیت کا حامل فرد موجود تھا۔ وہ ہمارے سامنے مسلم قومیت کی ایک ناقابلِ فراموش خصوصیت یہ چھوڑ گئے کہ صرف ایک ان دیکھے، خدا سے محبت، اور ہر معبودِ باطل سے نفرت۔" (لامارٹن)[۱]

۳۔ جامعیتِ کُبریٰ

○ "عالم الٰہیات، فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار، رسول (بانیِ مذہب)، آئین و قانون ساز (شارع)، سپہ سالار، فاتح اصول و نظریات، معقول، عقاید کو جِلا بخشنے والے، بلا تصویر مذہب کے مبلّغ، بیسیوں علاقائی سلطنتوں کے معمار، دینی روحانی حکومت کے موسس، یہ ہیں محمد رسول اللہ ——— (جن کے سامنے پوری انسانیت کی عظمتیں ہیچ ہیں) اور انسانی عظمت کے ہر پیمانے کو سامنے رکھ کر ہم پُوچھ سکتے ہیں، ہے کوئی جو اُن سے زیادہ بڑا، اُن سے بڑھ کر عظیم ہو؟" (لامارٹن)[۲]

۴۔ بے مثال کارنامہ

○ "کسی انسان نے اتنے قلیل ترین وسائل کے ساتھ، اتنا جلیل ترین کارنامہ انجام نہیں دیا، جو انسانی ہمت و طاقت سے اس قدر ماورا تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی فکر کے ہر دائرے اور اپنے عمل کے ہر نقشہ میں، جس بڑے منصوبہ کو رُو بہ عمل لائے، اُس کی صورت گری بجز اُن کے، کسی کی مرہونِ منت نہ تھی، اور مُٹھی بھر صحرائیوں کے سوا ان کا کوئی معاون و مددگار نہ تھا۔ اور آخر کار ایک اتنے بڑے مگر دیرپا انقلاب کو برپا کر دیا، جو اس دنیا میں کسی انسان سے ممکن نہ ہو سکا۔ کیونکہ اپنے ظہور سے لے کر اگلی دو صدیوں سے بھی کم عرصہ میں اسلام، فکر و عقیدہ اور طاقت و اسلحہ دونوں اعتبار سے سارے

---

[۱] LAMARTINE کی کتاب Histoire deca Turquie پیرس ۱۸۵۴ء۔ ج ۲ ص ۲۷۶، ۲۷۷۔

[۲] ایضاً

عرب پر، اور پھر ایک اللہ کا پرچم بلند کرتے ہُوئے، فارس، خراسان، ماوراء النہر، مغربی ہند، شام، مصر، حبشہ، شمالی افریقہ کے تمام معلوم علاقوں پر بحرِ متوسط کے جزیروں پر اور اندلس کے ایک حصّہ پر بھی چھا گیا۔" (لامارٹن)[1]

۵۔ تاریخ کی پُوری روشنی میں

○ "یہ صحیح ہے کہ تاریخ کی روشنی میں ہم حیاتِ مسیحؑ کے کچھ واقعات دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اُن تیس سالوں سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے جو اُنھوں نے (نبوت سے پہلے) گزارے۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں، اس نے اگرچہ دنیا کی معلومات میں کسی حد تک اضافہ کر دیا ہے اور آیندہ مزید انکشافات متوقع ہیں، تاہم ایک مثالی زندگی، کون جانے، کتنی قریب ہے کتنی دور! کتنی ممکن ہے اور کتنی ناممکن! ہم ابھی بہت کچھ نہیں جانتے۔ ہم اُن کی ماں کے بارے میں، ان کی گھریلو زندگی کے بارے میں، ان کے ابتدائی دوست احباب اور ان کے تعلقاتِ باہم کے بارے میں اور اِس سلسلہ میں بھلا کیا جانتے ہیں کہ مسندِ نبوت پر وہ بتدریج فائز ہوئے یا وحی پاکر یکدم، خدائی مشن کے حامل بن گئے؟ بہر حال کتنے ہی سوال ایسے ہیں جو ہم میں سے اکثر کے ذہنوں سے ٹکراتے ہیں، مگر وہ بس سوالات ہیں، جواب کے بغیر! البتہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاملہ میں صورت یکسر مختلف ہے۔ یہاں ہمارے پاس اندھیروں کے بجائے تاریخ کی روشنی ہے۔ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں اتنا ہی جانتے ہیں جتنا کہ لوتھر اور ملٹن کے بارے میں۔ یہاں واقعات کا دامن، خیالِ محض، قیاس، تخمین و ظن، ماورائے فطرت روایات اور فسانہ و فسوں سے آلودہ ہونے کے بجائے، حقائق سے آراستہ ہے۔ اور ہم بآسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ یہاں کوئی شخص نہ خود اپنے آپ کو دجل و فریب میں مبتلا کر سکتا ہے نہ دوسروں کو۔ یہاں ہر چیز دن کی پوری روشنی میں جگمگا رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اُن کی شخصیت کے بہت سے پرت ہیں اور ان میں سے ہر ایک تک ہماری رسائی ممکن نہیں ہے تاہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے متعلق ہم ہر چیز جانتے ہیں۔ اُن کی جوانی، اُن کی اٹھان، اُن کے تعلقات، اُن کی عادتیں، ابتدائی حالات اور پہلی وحی کے نازل ہونے تک کا لمحہ، ذہنی سفر اور ارتقاء وغیرہ۔ نیز ان کی داخلی، باطنی زندگی کے متعلق بھی، اور یہ کہ جب اعلانِ نبوت کر چکے تو پھر ہم ایک ایسی مکمل کتاب پاتے ہیں جو اپنی ابتداء، اپنی حفاظت اور متن وغیرہ کے کئی پہلوؤں کے لحاظ سے بالکل ممتاز و منفرد ہے۔ اور اب تک ایسی کوئی معقول و مستند وجہ سامنے نہیں آئی جس کی بنیاد پر اس کتاب کے خلاف کوئی شدید اعتراض کیا جا سکے۔"[2]

(باسورتھ اسمتھ)

---

[1] ایضاً

[2] دیکھئے: Smith, R.Bosworth, Muhammad and Mohammadanism London.. 1876 (Second Ed)

Reprint. Sind Sagar Academy Lahore p.11, 12.

۶۔ انقلاب، انقلاب، انقلاب

○ "بہرحال مختصراً عرب کے یہ معاشرتی اور مذہبی حالات تھے، جن میں، اگر ہمیں والٹیرؔ کی زبان کے استعمال کی اجازت دی جائے، عرب کا رُخ بدل گیا، انقلاب آ گیا۔ انقلاب بھی کیسا! ایسا انقلاب کہ آج تک کسی سرزمین پر نہیں آیا، مکمل ترین، اچانک ترین اور سرتا سر غیر معمولی انقلاب!"[۱] (باسورتھ اسمتھ)

۷۔ منفرد مقام

○ "تاریخِ مذاہب و ادیان میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ وہ نہ ولی تھے نہ فرشتہ۔ اور خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے جو کچھ بھی کر کے دکھایا، اس میں کوئی مافوق البشریت نہ تھی۔ اور ان کی عظیم شخصیت میں انسانی عمل کے اعتبار سے کوئی ایسی چیز نہ تھی جو عام حالات میں اُن کو دوسرے مسلمانوں سے ممتاز و ممیز کر سکے"[۲] (بوڈلے)

۸۔ سب سے بڑا انسان

○ "دنیا کا سب سے بڑا انسان وُہ ہے، جس نے دس برس کے مختصر زمانہ میں ایک نئے مذہب، ایک نئے فلسفے، ایک نئی شریعت، ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا اور ایک نئی قوم پیدا اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی۔ لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود وُہ اُمّی اور ناخواندہ تھا۔ وہ کون؟ محمد بن عبداللہ قریشی، عرب اور اسلام کا پیغمبر! اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پُورا کر دیا اور اپنی قوم اور اپنے پیرؤں کے لیے اور اس سلطنت کے لیے، جس کو اس نے قائم کیا، ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود مہیّا کر دئے۔"[۳]

۹۔ عظیم و مخلص

○ "عظیم ——— محض اس لئے ہیں کہ وُہ ایک روحانی پیشوا تھے، انھوں نے ایک عظیم ملت کو جنم دیا۔ اور ایک

۱؎ ایضاً ص ۷۲

۲؎ ملاحظہ ہو: Bodley, R.C.V. The Messenger London 1946 p.338.

۳؎ ندوی، سید سلیمان۔ سیرت النبی۔ مطبع معارف۔ اعظم گڈھ۔ ۱۹۵۱ء۔ ج ۴ ص ۴۰۰۔ بیروت کے مسیحی اخبار 'الوطن' نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک مسیحی عالم (داؤد مجاعص) نے یہ تبصرہ لکھا تھا۔

عظیم سلطنت قائم فرمائی۔ بلکہ ان سب سے آگے بڑھ کر یہ کہ ایک عظیم عقیدہ کا پرچار کیا۔ مزید برآں اس لیے بھی (عظیم تھے) کہ وہ اپنے آپ سے بھی مخلص و وفادار تھے، اپنے امتیوں سے بھی مخلص تھے اور اپنے اللہ سے بھی مخلص و وفادار تھے۔ اِن باتوں کو تسلیم کرتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام ایک کامل، سچا مذہب ہے، جو اپنے ماننے والوں کو انسانیت کی تاریک گہرائیوں سے نکال کر نور و صداقت کی رفعتوں سے ہمکنار کرتا ہے۔"[۱] (لیونارڈ)

۱۰۔ مقام و مرتبہ

○ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول تھے نہ کہ صوفی۔ یہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ کوئی کہہ کر بھی شرمندہ ہو جائے۔ وہ جو ان کے گرد جمع ہوتے اور جو ملّتِ اسلامیہ کے اولین ارکان تھے، وہ قانون کی اطاعت پر، توحیدِ الٰہی پر راضی تھے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات اور اُن کے اُسوہ کی پیروی پر اکتفا کرنے والے تھے۔ وہ مطمئن تھے کہ وہ ایک سیدھے سادے اور مضبوط دین کے پیرو ہیں جو مختصر عبادات اور چند مراسم پر مشتمل تھا۔"[۲] (گاڈفرے ڈی مبائنز)

○ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے از خود کبھی معصومیت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ ایک موقع پر تو ایسی وحی نازل ہوئی، جس میں انھیں تنبیہ کی گئی کہ انھوں نے ایک باعزت شہری سے بات کرنے میں ایک فقیر سے منہ کیوں موڑا؟ پھر انھوں نے اُس وحی کو شائع بھی کیا۔ یہ وہ آخری دلیل ہے جس کی روشنی میں اس بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) ایک مدعی کاذب (Imposter) تھے۔ جیسا کہ معصوم مسیحی اُس عظیم عرب کو الزام دیتے ہیں۔"[۳] (لیتھر)

○ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا جو مذہبی نظام قائم فرمایا وہ نہ صرف یہ کہ ان کے اپنے ہم مشربوں کے فہم و ادراک کے مطابق تھا اور اس ملک میں پائے جانے والے رسوم و رواج اور اُن کے ساتھیوں کے جذبات سے ہم آہنگ تھا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ عام انسانی حالات و نظریات سے بھی ایسی مناسبت و ہم آہنگی رکھتا تھا کہ جس کے نتیجہ میں تمام انسانوں کی نصف سے زیادہ آبادی نے اسے قبول کیا۔ اور یہ سب کچھ چالیس سال سے بھی کم عرصہ میں ہو گیا۔"[۴] (کاونٹ ڈی بولین ولیرز)

---

[۱] دیکھیے: Leonard, Major A.G. Islam — Her Moral and spiritual value. London 1927 p. 20,21;

[۲] ملاحظہ ہو: Guadefroy Demombynes Muslim Institutions London 1950. p, 20.

[۳] دیکھیے: Leither, G.W. Mohammadism. Lahore.1893. p.4

[۴] Le counte de Boulainvilliers. La vie de Mahomet. Amesterdam. 1731 p.143-44.

۱۱۔ روشنی

○ "پس وہ روشنی آگئی۔ عربوں کی تاریک روحوں کو منور کرنے کے لیے۔ ایک ایسی تاریکی میں جو موت کی نقیب تھی۔ چکاچوند پیدا کرنے والی روشنی، زندگی اور آسمانوں کا جاہ و جلال لیے ہوئے، اُسؐ نے اسے "وحی" کہا، اور لانے والے فرشتہ کو جبرئیل۔ اور ہم ابھی تک سوچ رہے ہیں کہ اسے کیا نام دیں؟ یہ خدائے ذوالجلال کی طرف سے اشارہ ہے ہمارے سمجھنے کے لیے۔ کسی چیز کی سچائی اور حقیقت جاننے کی کوشش، دراصل ایک روحانی عمل ہے۔ جس کے بارے میں ہر منطق اور قیاس ہوا میں تیر چلانے کے مترادف ہے۔ بقول نوالی ایک خدا پر اعتقاد کا اعلان، کیا ایک معجزہ سے کم تھا، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وجود کامل، جسم و روح اس حقیقت اور سچائی کے نور سے مستنیر تھا۔"[۱] (کارلائل)

۱۲۔ نور ہی نور

○ "عرب قوم کو یہی نور ظلمتوں سے نکال کر روشنی میں لایا۔ عرب کو اسی کے ذریعہ پہلے پہل زندگی ملی۔ بھیڑوں بکریوں کے چرانے والے لوگ، جو ازل سے، صحراؤں میں بے کھٹکے، بے روک ٹوک گھومتے پھرتے تھے کہ ایک "ہیرو پیغمبر" ان کی طرف بھیجا گیا۔ ایک پیغام کے ساتھ، جس پر وہ ایمان لا سکتے تھے۔ اور پھر سب نے دیکھا کہ جو کسی کے نزدیک قابلِ اعتنا نہ تھے، دنیا بھر کے لیے قابلِ ذکر بن گئے۔"[۲] (کارلائل)

۱۳۔ عظیم فاتح

○ "فتح مکہ کے اس موقع پر یہ بات ان کے حق میں جائے گی اور وہ قابلِ تعریف ٹھہریں گے کہ اُس وقت جبکہ اہلِ مکہ کے، ماضی کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر انھیں جتنا بھی طیش آتا، کم تھا اور ان کی آتشِ انتقام کو بھڑکانے کے لیے کافی تھا۔ مگر انھوں نے اپنے لشکر و سپاہ کو ہر قسم کے خون خرابے سے روکا، اور اپنے اللہ کے سامنے انتہائی بندگی و عبدیت کا مظاہرہ کیا اور شکرانہ بجا لائے۔ صرف دس بارہ آدمی ایسے تھے، جنھیں پہلے سے ہی، ان کے وحشیانہ رویہ کی وجہ سے جلا وطن کر دیا گیا تھا اور ان میں سے بھی صرف چار کو قتل کیا گیا۔ لیکن دوسرے فاتحوں کے وحشیانہ افعال و حرکات کے مقابلہ میں، اسے بہر حال انتہا درجہ کی شرافت و انسانیت سے تعبیر کیا جائے گا (مثال کے طور پر صلیبیوں کے مظالم، کہ ۱۰۹۹ء میں فتح یروشلم کے موقع پر انھوں نے ستر ہزار سے زائد مسلمان مرد، عورتوں اور

---

[۱] Carlyle, Thomas, The Hero as Prophet Islam Service League....Bombay p.23,24

[۲] ایضاً۔ ص ۵۳

بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا، یا وہ انگریز فوج جس نے صلیب کے زیر سایہ لڑتے ہوئے ۱۸۶۷ء میں افریقہ کے سنہری ساحل پر ایک شہر کو نذرِ آتش کر ڈالا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فتح درحقیقت دین کی فتح تھی، سیاست کی فتح تھی، اُنھوں نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو پسِ پشت ڈالا اور کرّ و فرِ شاہی کے ہر نشان کو مسترد کر دیا۔ اور جب قریش کے مغرور و متکبر سرداران کے سامنے سرنگوں ہو کر آئے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن سے پوچھا کہ "تمہیں مجھ سے کیا توقع ہے؟" "رحم، اسے سخی و فیاض برادر! رحم" وہ بولے۔ "جاؤ تم سب آزاد ہو" انھوں نے فرمایا۔[1] (ارتھر گلمین)

۱۴۔ صاحبِ خلقِ عظیم

⊙ "اخلاق و عادات میں وُہ حد درجہ سادہ تھے۔ البتہ اپنے معمولات میں وہ بہت محتاط تھے۔ ان کا کھانا پینا، ان کا لباس اور فرنیچر وغیرہ وہی معمولی درجہ کا تھا اور ہمیشہ وہی رہا جبکہ وُہ اپنی طاقت و حکومت کی معراج تک پہنچے۔۔۔ انھیں تخیل و تصور کی بے پناہ قوتیں اور صلاحیتیں ودیعت ہوئی تھیں، ان کا ذہن رسا تھا اور نازک سے نازک جذبات و احساسات کا پرتو قبول کر لیتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پردے کے پیچھے بھی ایک کنواری سے زیادہ باحیا، عفت مآب اور شرمیلے تھے..... اپنے چھوٹوں سے انتہائی رعایت کرتے اور یہ پسند نہ کرتے کہ ان کی کمزوریوں کو تلاش کر کے مذاق اڑایا جائے۔ ان کے خادم انس کہتے ہیں کہ میں دس سال تک اُن کی خدمت میں رہا لیکن انھوں نے کبھی اُف تک نہ کہا..... انھیں بچوں سے بہت محبت تھی، وُہ انھیں راستے میں روک لیتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ انھوں نے زندگی میں کسی کو نہیں مارا۔ اگر کسی کے بارے میں انتہائی برائی بیان کرتے تو بس اتنا کہتے کہ "اسے کیا ہو گیا ہے؟ اس کی پیشانی خاک آلود ہو"۔ جب اُن سے کسی کے بارے میں بددعا کرنے کی درخواست کی جاتی تو فرماتے "میں بددعا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں، میں تو انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔ وہ بیماروں کی عیادت کرتے، کوئی جنازہ ملتا تو پیچھے چلتے، غلام کی دعوت کو بھی قبول کر لیتے، اپنے کپڑوں کی مرمت خود کر لیتے، بکریوں کا دودھ خود دوہ لیتے اور دوسروں کا ہر تن انتظار کر لیتے..... وُہ اپنی ازواج کے ساتھ ایک قطار میں بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے معمولی مکانوں میں رہتے تھے..... وہ آگ خود جلا لیتے، فرش کی جھاڑو دے لیتے۔ تھوڑا بہت کھانا جو کچھ بھی گھر میں موجود ہوتا، اس میں وہ لوگ ہمیشہ شریک ہوتے جو وہاں موجود ہوتے، ان کے گھر کے باہر ایک چھپر (صفہ) تھا جہاں ایسے متعدد غریب افراد موجود رہتے جن کی گزر بسر کا تمام تر انحصار اُنہی کی فیاضی پر منحصر تھا۔[2] (لین پول)

---

[1] ملاحظہ ہو: Arther Gilman. The Saracens. London 1887. p.184-5.

[2] ملاحظہ ہو: Lane Poole, Stainlpy. The speaches and Table talk of the Prophet Muhammad. London 1882. p.27-29.

۱۵۔ سنجیدگی، اخلاص، وفاداری

○ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کارلائل کے خطبات کے بعد سے مغرب کو یہ اچھی طرح معلوم ہوگیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنجیدگی پر یقین کرنے کی معقول وجوہات موجود ہیں، اپنے ایمان وعقیدہ کی خاطر مظالم سہنے کےلیے ہر وقت تیار رہنا، اُن پر اعتقاد رکھنے والوں کا اعلیٰ اخلاق وکردار، اور ان کی طرف امام وپیشوا کی حیثیت سے دیکھنا، پھر آخر کار ان کی عظمتیں اور کامیابیاں، یہ سب دلیل ہیں ان کے اخلاصِ کامل کی۔ اس لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک مدعی کاذب (Imposter) قرار دینے سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ اور پیدا ہو جاتے ہیں۔ مزید برآں تاریخ کی کوئی شخصیت ایسی نہیں ہے جسے مغرب میں اس قدر کم سراہا گیا ہو جتنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو۔ اس لیے اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کچھ بھی سمجھنے کی نیت رکھتے ہوں تو ضروری ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے مشن میں دیانت دار قرار دیں اور مقصد سے ان کے خلوص اور وابستگی کے قائل ہو جائیں۔ اگر ہم اُن غلطیوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں جو اپنے ماضی سے ہم نے ورثہ میں پائی ہیں تو ہمیں ہر معاملہ میں ان کے خلوص اور دیانت کو بہرحال پیشِ نظر رکھنا ہوگا جب تک کہ کوئی الزام ان کے خلاف پوری طرح ثابت نہ ہو جائے۔"[1] (واٹ)

○ "یہ بات ان کی زندگی کے ہر واقعہ سے ثابت ہے کہ ان کی زندگی اغراض ومفاد پرستی سے کلیۃً خالی تھی۔ مزید یہ کہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اپنی نگاہوں کے سامنے دین کے مکمل قیام واستحکام اور لامحدود اختیارات حاصل ہو جانے کے بعد بھی انھوں نے اپنی ذات اور انا کی تسکین کا کوئی سامان بہم نہیں پہنچایا۔ بلکہ آخر وقت تک اُسی سادہ طرز وانداز کو برقرار رکھا جو اوّل دن سے اُن کے بُود و باش سے نمایاں تھا۔"[2] (ڈیون پورٹ)

۱۶۔ مشن کی سچائی

○ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلاشک وشبہ اپنے مشن کی سچائی پر یقین تھا۔ وہ اس پر مطمئن تھے کہ اللہ کے فرستادہ ہونے کی حیثیت سے اُنھوں نے ملک کی تعمیر واصلاح کی ہے۔ ان کا اپنا مشن نہ تو بے بنیاد تھا اور نہ فریب دہی، جھوٹ وافترا پر مبنی تھا بلکہ اپنے مشن کی تعلیم وتبلیغ کرنے میں نہ کسی لالچ یا دھمکی کا اثر قبول کیا اور نہ رخنوں اور تکالیف کی شدتیں ان کی راہ کی رکاوٹ بن سکیں۔ وہ سچائی کی تبلیغ مسلسل کرتے رہے۔"[3] (ڈیون پورٹ)

---

[1] دیکھیے: Watt, W. Montgomery, Muhammad at Mecca. Oxford 1953. p 52.

[2] و [3] Davenport. John, Apology for Mohammad and the Quran London(1869) Reprint Lahore 1975 Chap.3 p. 133-34.

۱۷۔ سچے رسول

○ "جہالت (جس کا مظاہرہ اکثر و بیشتر مسیحیوں کی طرف سے، مسلمانوں کے مذہب کے بارے میں ہوتا رہتا ہے) افسوسناک امر ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس وقت کی اقوام میں، ایک خدا پر یقین رکھتے تھے۔ اور دوسرے خداؤں کی نفی کرتے تھے۔ انھوں نے بہ تاکید راست بازی اور دین داری کو کردار کا سرچشمہ قرار دیا۔ اور بدرجۂ فرض متعدد نمازوں کی، حیّ و قیوم خدا کے لیے ادائیگی، تمام انسانوں کی عزت و احترام، اور سب کے ساتھ رحم و شفقت برتنے پر زور دیا۔ ہر قسم کی نشہ آور چیزوں سے پرہیز، ہر معاملے میں عدل و توازن، اور ہر قسم کی تعلیم حاصل کرنے کی تلقین ان کے دین و مذہب کا حصہ تھی۔ لہٰذا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک روحانی قوت کے مالک اور ایک سچے رسول تھے۔ مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے وہ خدا سے ہمکلام ہوتے تھے اور سرچشمۂ روحانی سے ان پر وحی اُترتی تھی۔"[۱] (لنڈسے)

۱۸۔ امتحانِ سخت سے گزرے

○ "اُن سے پہلے کوئی پیغمبر اتنے سخت امتحان سے نہ گزرا تھا جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ کیونکہ منصب نبوت پر سرفراز ہوتے ہی اُنھوں نے اپنے آپ کو سب سے پہلے اُن لوگوں کے سامنے پیش کیا جو انھیں سب سے زیادہ جانتے تھے اور جو ان کی بشری کمزوریوں سے بھی سب سے زیادہ واقف ہو سکتے تھے۔ لیکن دُوسرے پیغمبروں کا معاملہ برعکس رہا کہ وہ سب جگہ، سب کے نزدیک معزز و محترم ٹھہرے اِلّا یہ کہ جو انھیں اچھی طرح جانتے تھے۔"[۲] (گبن)

۱۹۔ آسمانوں کی بادشاہت زمین پر

○ "اسلام کے ذریعہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دس سال کے اندر ہی عربوں کی شدید ترین نفرتوں کو، انتقامی جذبات کو، نزاع و انتشار کو، رقابت و عداوت کو نکال پھینکا، لاقانونیت، عورتوں کی ذلت، سُودخوری، شراب خوری، قتل و غارت گری، دخترکُشی کی رسوماتِ قبیحہ کا استیصال کیا اور انسانی قربانیوں، سفیہانہ خیالات و توہمات اور مادیت و اشیا پرستی سے نجات دلائی۔ پھر اسی مذہب کے ذریعہ آسمانوں کی اُس بادشاہت کو اُنھوں نے عملاً اِس زمین پر قائم کر دیا جس کی بشارت بڑے ذوق و شوق سے جناب مسیح نے دی تھی۔"[۳] (گبن)

---

[۱] ملاحظہ ہو: Khattak, Mustafak. (Ed) Islam , The Holy Prophet. and non-muslim world. Sind Sagar Academay Lahore 1976 , p. 26. بحوالہ مقالہ "Muhammad's views of a future life." مطبوعہ Two Worlds مانچسٹر ۱۰ / اگست ۱۹۴۰ء۔ [۲] ایضاً ص ۲۸، بحوالہ زوال سلطنت روما، ص ۱۰۸ [۳] ایضاً ص ۷۹ - ۸۰

۲۰- ہمہ گیر اصلاح

○ "ممکن ہے یہ سوچا جائے کہ وہ آدمی، جس نے اتنی بہت سی اور تا دیر قائم رہنے والی اصلاحات کیں، انواع و اقسام کی بُت پرستی کے بدلے، جس میں لوگ مدتوں سے مبتلا تھے، ایک خدا کی عبادت کا داعی بنا، جس نے دُختر کُشی کی رسم قبیح کو مٹایا، شراب اور دُوسری نشہ آور اشیا کو حرام ٹھہرایا، جُوئے کی ممانعت، نسبتاً ایک دائرہ میں رہتے ہوئے تعددِ ازدواج کو محدود کیا، وغیرہ وغیرہ —— کیا ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ اُس کا خدائی مشن اُس کے ذہن کی محض اختراع تھی؛ اور کیا وہ جھُوٹ کو جانتے بُوجھتے نبھاتا رہا؛ نہیں، ہرگز نہیں! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو درحقیقت سچے مذہبی ادراکات اور روحانی احساسات حاصل تھے، جن کے سبب انھوں نے اپنے مشن کو انتہائی مستقل مزاجی، پامردی و استقلال سے آگے بڑھایا اور نہ اُس کے جھٹلائے جانے کی پروا کی، نہ اس کی راہ میں مصائب و مشکلات کی۔ یہ سچائی، یہ حق کی معرفت انھیں ابتدا سے انتہا تک حاصل رہی یعنی حضرت خدیجہؓ کے سامنے پہلی وحی کے نزول سے لے کر حضرت عائشہؓ کی باہوں میں آخری سانس لینے تک۔" (ڈیون پورٹ)

۲۱- عظمتوں کے نشاں

○ "حالات، مواقع اور وقت سب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ دیا اور مختلف عوامل نے مل کر ان کی زندگی میں کامیابیوں کی اور ان کے بعد اسلام کی توسیع و ترقی کی راہ ہموار کی ..... محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات میں صفات و کمالات کا جو حسین امتزاج موجود تھا، اُس کی تین جہتیں تھیں۔ ایک نبوت کا فیضان ..... دوسرے سیاست و حکمرانی میں اُن کی بصیرت ..... اور تیسرے ایک منتظم کی حیثیت سے اُن کی مہارت و حذاقت اور تمام مناصب پر اہل ترین افراد کا انتخاب ..... جب کوئی اسلام کی ابتدائی تاریخ اور سیرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جس حد تک نظر ڈالتا ہے وہ اُسی حد تک ان کی کامیابیوں اور کامرانیوں پر حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ حالات نے انھیں کس درجہ سازگاری عطا کی، اُس طرح کے مواقع تو کسی کو شاذونادر حاصل ہوتے ہیں، بالکل وقت کی آواز بن کر، ایک پیغمبر اور ایک منتظم کی حیثیتیں انھیں اگر حاصل نہ ہوتیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے پیچھے ایک خدا پر انھیں غیر متزلزل اعتقاد نہ ہوتا، اور اگر وہ اِس یقینِ محکم سے بہرہ ور نہ ہوتے کہ وہ خدا کے فرستادہ ہیں تو شاید تاریخِ انسانیت کا ایک اہم اور قابلِ ذکر باب رقم ہونے سے رہ جاتا۔"[1] (واٹ)

---

[1] ملاحظہ ہو: Watt, W. Montgomery. Mohammed Prophet and statesman. Oxford University Press London 1961 p. 236, 237.

۲۲۔ صدق وصفا

"یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صدق کی دلیل قاطع ہے کہ ان سے قربت رکھنے والے لوگ، اُن پر ایمان لائے، حالانکہ وہ اُن کے اسرار و رموز سے پوری طرح واقف تھے اور اگر انھیں ان کی صداقت میں ذرہ برابر بھی شُبہ ہوتا تو ان پر وہ ہرگز ایمان نہ لاتے۔"[1] (ایچ جی ویلز)

۲۳۔ اتمام واکمال

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے وقت اُن کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا۔ آپؐ ایک سلطنت کی، جس کا ایک سیاسی و مذہبی دار السلطنت مقرر تھا، بنیاد ڈال چکے تھے۔ آپؐ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا۔ آپؐ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا، اور اُن میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا، جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔"[2] (مارگولیتھ)

(۱۴)

فہرست مستشرقین

مستشرقین کی زیرِ نظر فہرست دو حصوں میں منقسم ہے۔ حصہ اوّل میں اکثر و بیشتر وہ مستشرقین شامل ہیں جنھوں نے سیرتِ رسولؐ پر مستقل تصنیف یادگار چھوڑی ہے یا جو مطالعۂ سیرت کے حوالے سے مشہور و معروف ہیں اور جن کا مکمل حوالہ بھی مل گیا ہے۔ دُوسرے حصہ میں وہ مستشرقین شامل ہیں جن کی سیرت پر اگرچہ مستقل تصنیف نہیں ہے لیکن ان کے مضامین، مقالات اور کتابوں میں سیرت کے کسی ایک پہلو یا چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور جن کا پُورا حوالہ بھی دستیاب نہیں ہوا۔ دونوں حصوں میں ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے قائم کی گئی ہے، زمانی تقدم و تاخر کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔[3]

---

[1] زکریا ہاشم زکریا (بحوالہ ایچ۔ جی۔ ویلز) ص ۲۷۰ [2] سید سلیمان ندوی (سیرۃ النبیؐ) ج ۴ ص ۳۹۹۔

[3] اس فہرست کی تیاری میں اگرچہ اُن تمام کتابوں سے مدد لی گئی ہے جن کا حوالہ وقتاً فوقتاً تاریخی جائزہ کے سلسلہ میں دیا گیا ہے۔ تاہم بطورِ خاص تین کتابوں سے آزادانہ استفادہ کیا گیا ہے یعنی (۱) العقیقی، نجیب۔ المستشرقون۔ (۲) الزرکلی، خیر الدین۔ الاعلام (۳) حماد سے۔ محمدؐ دی پروفٹ۔ اے سلیکٹڈ ببلیوگرافی۔ یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ وقت اور وسائل کی کمیابی کے سبب یہ ممکن نہ تھا کہ مستشرقین کے ناموں کے تلفظ اور ہجے، وطن ملک اور زبان کی رعایت سے تحقیق کر کے لکھے جاتے۔ اس سلسلہ میں عام انگریزی مفہوم کو سامنے رکھا گیا ہے۔ تاہم یہ توقع ہے کہ مزید کے ضمن میں یہ سرسری فہرست ان شاء اللہ نقطۂ آغاز ثابت ہوگی اور دوسرے کام کرنے والوں کے لیے مدد و معاون ہوگی۔ (وما توفیقی الا باللہ)

فہرست مستشرقین حصہ اوّل

تصنیف/تالیف	نام	نام	نمبرشمار
Mohammad and Mohammadanism Chicago 1900.	Adams,Isaac.	آدم	1.
The life and Death of Muhammad, the author of the Turkish religion(London.1679).	Addison,Lancelot	ایڈلیسن	2.
Moyammed.(Philladelphia 1901).	Addler: Felix.M.	ایڈلر	3.
Mohammadals Religions stifter (Leipzig.1935)	Ahrén, Karl.	اہرن	4.
The Land of the Messiah, Mohomet and the Pope (London. 1854).	Aiton, John	ایٹن	5.
The Preaching of Islam(London.1896).	Arnold. T.W.	آرنلڈ	6.
Islam; its history, character and relation to christianity (London 1874).	Arnold, J.M.	آرنلڈ	7.
Life of Mahomet (New York 1811).	Irving, Washington	اروِنگ	8.
History of the Saraceus (London 1847).	Ockley, Simon.	اوکلے	9.
Confutacion del Alovany Secta Mahammetana (Gronada 1555).	Oksegon, L.L.e.	اوکسی گان	10.
Mohammad de Profet der Arabieren. (Amesterdam 1898).	Eigeman, Jakob.	ایچ مین	11.
Des effects de tareligion de Mohammed	Oelsner, C.F	اوسنر	12.
Islam under the Arabs (London. 1876).	Osbon, R.D.	اوسبم	13.
Vizlat Muhammad Kuranjanek Ethik ajabiz. Budapest.1902.)	Osztern. S.	اوزرن	14.
An Account of the rise and progress of Mahometanism. (London 1911).	Stubbe. h	اسٹیب	15.

History of the Ottomon Empire. Preceded by the life of Mohammad (Hurst. 1826 - 35).	Upham, Edward	افام	16.
(i) تاریخ العرب و آدابہم (لندن ۱۸۹۰ء)۔ (ii) ترجمہ روضۃ الصفا فی حیاۃ محمدؐ المصطفیٰ (لندن ۱۸۹۳ء) بمعاونت ربہا ستنگ	Arbuthnot,F.F.	اربثنوٹ	17.
Life of Mohammad - (Allahabad.1851). (Das Lebas and die Lehredes Mohammad. 1851- 1861.)	Sprenger, A.	اشپرینگر	18.
Muhamad and Muhammadenism London. 1874 (Reprint - Lahore).	Smith, Bosworth.	اسمتھ	19.
Mahmomet at les Arabs (Rome.1878).	Bachelat, Theodore.	بچیلات	20.
Mohammad and Islam. A comparison with orthodox christianity. (New York 1911).	Bacon. A.S.	بیکن	21.
Mohammad und de Seinen (Leipzig 1907)	Beckendarf.H.C.	بیکن ڈارف	22.
Talks on Mohammed and his followers. (London 1932).	Barton, Theodore.	بارٹن	23.
The dictionary historical and critical of Mr.Peter Bayle (Ed) (London, 1734- 1738).	Bayle, Pierre	بائیل	24.
Mohammedis impos turae (London 1615).	Bedwell.W.	بیڈویل	25.
Mohammad, His Biography and the beginning of the religion of Islam (Warsaw.1914).	Bernfeld, Simon.	برن فیلڈ	26.
The life and teachings of Muhammad (Adyar-1932).	Besant,Annie.	بیسان	27.
Le Problems de Mahomet Paris, 1952	Blachore, Regis	بلاخر	28.
Mohammad of Koramen (Hamar)-1904.	Blom.P.	بلام	29.

Muhammad Islam Store profet. Kristiannica. 1911.)	Blytt.Eva.	بلائٹ	30.
Life of Mohammed. (Bombay 1851)	Bowen, George.	بووین	31.
Muhammad skuespiel. the akter. (Ohenhaven 1895).	Brandes. C.E.C.	برانڈسے	32.
The Messenger - the life of Mohammed. (London 1946).	Bcdley, R.V.C.	بوڈلے	33.
i) Historedes Arabes, aved. la vie de Mahomet (Amersterdam 1731). ii) Vie de Mahomet - 1730.	Boulain Villiers H.C.	بولین ولیرز	34.
Veber Muhammed (Frankfurt 1791).	Brequigny. H.D.	بری گگنی	35.
Budha, Muhammad, Jesus (London, 1938).	Briem. O.E.	بریم	36.
History of the Islamic people.(New York.1947). Eng.Tr.	Brockelmann C.	بروکلمان	37.
Islam' A short study.	Brooks, Archihald	بروکس	38.
The way of the Prophet: An introduction to Islam. (London, 1962).	Brown, D.A.	براؤن	39.
The Era of Mahomet(London 1856).	Brown,G.L.	براؤن	40.
The Begger or the soldier Gautame or Mahomet. (London 1903)	Buckle, Henry.	بکل	41.
Des Leban Muhammeds (Leipzig 1930)	Buhl,F.P.W.	بوہل	42.
Founders of Great Religions: Being persnal sketches of the famous leaders. (New York 1931)	Burrows, Miller	براؤز	43.
The life of Mohammed: Founder of the Religion of Islam and the Empire of the saracens. (New York 1830).	Bush, George.	بُش	44.

of Islam and the Empire of the ;saraes. (New York 1830).			
قصیدۃ البردہ۔ بوصیری مع سیرت مصنف، نقد و شرح ۱۸۹۴ء	Basset, Rene.	باسے	45.
Pilgrimage to Mecca and Medina (1856).	Burton	برٹن	46.
Mohammed undder Koran (Stuttgart. 1951).	Ponet,Rudi	پونی	47.
The Holy Sworel the story of Islam from Muhan to the present. (London 1961).	Payne,P.S.R.	پائنی	48.
Contra Lospartalista. Mahometanos (Rome. 1905-06).	Pedio,San Paswal.	پیڈیو	49
Uber die Bluctrache beiden Voreslamisschen Arabern und Mahomeds. (Leipzig 1899).	Pruckach, otto.	پروخش	50.
History of Mohametanism and its sects. (London 1834).	Taylor W.C.	ٹیلر	51.
Senses of the Quien, (London 1905).	Tinsdall,W.st.C.	ٹنسڈال	52.
Muhamed the Great Arabian (Houston 1912).	Townsend,Med.W.	ٹاؤن سینڈ	53.
A study of History (London.1954-61).	Toynbee A.J.	ٹائن بی	54.
Muhammed (Leipzig 1907).	Trampe.E.Von.	ٹریپے	55.
Studies in Biography.(London 1865).	Trotter, H.J.	ٹروٹر	56.
Historie de la vie de Mahomet, Legislative de L Arabic (Paris 1776 - 79).	Turpin, F.R.	ٹرپن	57.
Muhammed and the conquests of Islam. (New York 1968)	Gabrieli, Francesco.	جبرئیلی	58.
Vie de Mahomet (Amesterdam 1748).	Gagnier,J,	جیگنیئر	59.
Mohammed (Paris 1838).	Genevay A.	جینوسے	60.
Mohammadein characrbild. (Berlin. 1878).	Georgens, E.P.	جیورگن	61.
Islam Mohammed and his religion. (New York 1958).	Jaffery, Arthur	جیفرے	62.

63.	جانسٹن	Johnston, P.Lacy de	Muhammad and his power. New York 1901.
64.	جونگ	Jong, P.de	سیرۃ ابن ہشام مع متن و ترجمہ لاطینی - لیڈن ۱۸۸۱ء بمعاونت دی خویہ۔
65.	جیورغیو	Cheorghur,c.v.	La vie de Mahomet, (Paris 1962).
66.	چگاوٹ	Chagavat,Michel.S.	Mahomet les Khalifes (Paris.1912).
67.	درمنگھم	Dermenghem.E.	La vie de Mal.omet, (Paris 1929).
68.	دوکات	Ducati,Bruno	Maomettòn.1931. سیرۃ الرسول (فلورنس ۱۹۲۹ء)
69.	ڈاسلے	Dale Codetrey.	Maishaya Muhammad(London 1909).
70.	ڈبلے	Dibble. R.F.	Mohammad (New York 1926), Dibble, R.F
71.	ڈیون پورٹ	Davenport , John.	Apology for Mohammad and the Quran. London. 1869). Reprint, Lahore 1975).
72.	ڈوریر	Duryer, Andre	The Alcoran of Mahomet(London 1649).
73.	ڈریکاٹ	Draycott.G.M.	Mahomet,Founder of Islam(London. 1916)
74.	ڈوکاسے	Ducasse Raymond.	Mahomet dauson lemps.(Geneva.1908).
75.	ڈیورجرس	Desvergers.N.	Vie de Mohammed. (Paris 1837)
76.	ڈوزی	Dozy.R.P.A.	Spanish Islam (1863). Het.Islaminne (Krusemen.1863).
77.	ریلے	Raleigh, Sir.W.	The life and death of Mahomet (London 1637).
78	رام پوڈی	Ram Polde	Vita di Maometto(Milano 1922).
79.	ریکینڈر	Reckender,H.	Mohammad und die seninen (Leipzig.1907)
80.	ریلینڈ	Reeland. A.	Reflections on Mohammedenism and the conduct of Mohammed(London 1712).
81.	ریم	Rehm.H.S.	Mohammad und die welt des Islam. (Leipzig. 1755).

82.	رینو	Reinaud, J.J.	Notice Sur Mahomet.(Paris.1860).
83.	ریلان	Reland , H.	De religione Mohammedica Libra due. (utruht 1704)..
84.	رینان	Renan, Ernest.	Mahomet et ler origines de L Islamism. (Paris 1880).
85.	رنک	Rink,F.Th.	L.Islam et son prophet- Lausanne 1870).
86.	ریولین	Rivlin, Josef. J.	Hayyey Muhammad (Mizz .1932).
87.	روڈنسن	Rodinson .M.	I). L' Islam: Mahomet et les origins de L'Islam.. Paris 1957.
			ii). Mahomet.(Paris.1961).
88.	روبک	Rosbuck J.A.	Life of Mahomet.(London 1833).
89.	رومرو	Romro, Jacob	Mohammed (Newyork 1907).
90.	زکریا	Zakarias, Henna.	Voici le vrai Mohammed et la faux Coran. Paris 1960).
91.	سیکو	Sacco,G.	Le Gedenze religiose de Maometto. Rome 1922.
92.	سیل	Sale, George.	The Koran or Al-Coran of Mohammed. (London 1734).
93.	سوارے	Sawary Claude E.	Morale de Mahomet. (Paris. 1784).
94.	سیل	Sell,Edward.	The life of Mohammed (London.1913).
95.	سوان	Svan Borg A.	Quosuccessu Davidiros.. Hymenes Unitatusit Muhammad (Upsaluse.1886).
96.	سونڈرز	Saunders,J.J.	A History of Medieval Islam.(London.1965).
97.	شروڈر	Schroeder.M.G	Muhammadtesties veritatis contraseipsum. (Leipzig.1718).
98.	طور اینڈرے	Tor-Andrae.	Mohammed. The Man and his faith.(Tr.) London 1956.

Mahomet : La Science chezes Arabs. Paris 1866).	Favrot, Alexis	فیورٹ	99.
Mahometanism unveiled. (London 1829).	Forster Charles.	فارسٹر	100.
Mohammad a Pegabbi Zsidosag Megitelescben. Budapest.1934).	Fried, Dezro	فرائڈ	101.
i). Annali dell's Islam(Hepoli 1905-26). ii).Maometto Profeta d'Arabia(Italina 1910).	Forabing,J.C.	فوربنگ	102.
i). Annali de''s Islam(Hepoli 1905-26). ii).Maometto Profeta d'Arabia(Italina 1910).	Castani, Leone.	کیتانی	103.
'The Hero as prophet - Mahomet.(Newyork.1902).	Carlyle, Thomas	کارلائل	104
Comte dp.L.Islam.Impressions et.etudes. (Paris 1912).	Castries,Henridelac.	کاستری	105.
Leben Muhammad's des stifters der Muhammadanism religion (Hamburg 1814).	Clemens, J.F.G.	کلیمن	106.
Muhammed's religionaus deen Koran(Atona 1906).	Cludius,H.H.	کلاڈیس	107.
Maometto egli Ebrei (Milano 1925).	Corinaldi, Guid.	کورینالڈی	108.
Anecdotes of Hazrat Mohammad(London 1939).	Karimi R.W.	کریمی	109.
Muhammad,Hens Lefnad berattad. (Stockholm.1906).	Kastman, Carl.	کاسٹ مین	110.
Mohammad and Mohammedanism (London 1889).	Koelle S.W.	کوئیل	111.
Mohammad der prophet (Hamburg 1851).	Kroppen,P.	کروپن	112.
Essai sur L' Historire des Arabes (1847).	Caussin de Perceval A.P.	کاسن ڈی پرسیوال	113.
Risalah - Ed. Tien. (London 1880). TheApology of al-kindi (London 1887). by Muir .	al-Kindi.	الکندی، عبدالمسیح بن اسحٰق	114.
Le Doctorine et les Deviors de La Religion Musulmane (Paris.1826).	Garcin de Tussy.	گارساں دی تاسی	115.

116.	گاڈفرے ڈی ممبانس	Gaudefroy Demombynes	Mahomet. (Paris.1957).
117.	گب	Gibb. H.A.R.	Mohammedanism an Historical survey. London (1963).
118.	گبن	Gibbon, Edward.	Life of Mahomet (New York 1879).
119.	گولڈزیہر	Goldziher,Ignaء	Mohammed& Islam.(Tr) Yale 1917).
120.	گلمین	Gilman, Arthur.	TheSaracens(London. 1887).
121.	گولڈ	Gold I.L	Mahomet.at son Denure.(Paris 1897)
122.	گرین	Green Samuel	The life of Mahomet, founder of the religion of islam and the empire of the Saracens (London 1840).
123.	گریم	Grimme Hubert.	Mohamad Des Leban Nachden Quellen (Mimster 1892 - 95).
124.	لنگز	Lings Martin.	Muhammad (London 1983).
125.	لیمیریس	Lamairesse EFD.G.	Vie de Mahomet d apres la tradition. Paris 1897-98).
126.	لامارٹن	Lamartine, A.M.	I) Mahomet in les grand Bommes-de orient (Paris 1889). II) Histore de la Turquife Paris 1854
127.	لیٹنر	Leitner G.W.	Muhammadanism (woking 1889). Reprint Lahore 1893.
128.	لیروگ	Lerougue R.	vie de Mahomet (Paris 1939).
129.	لیوی	Levy, Simon.	Moise Jesus et Mahomet on les Trios grands (Paris 1887).
130.	لیوچی فی	Lew, Che, Fi.	The Arabian Prophet' a life of Mohammed from Chinese and Arabic Sources. (Shanghai 1921).
131.	لینارڈ	Leonard, Arthur G.	Islam, Her moral andspiritual value (London 1927).
132.	لین پول	Lane Pool,Stainley	The speachesand table talk of the Prophet Mohammad(London 1882)
133.	لامنس	Lammens P. H.	اخلاص محمدؐ (۱۹۱۱) فاطمہ و بنات محمدؐ (روم ۱۹۱۲) عہد الاسلام (روم ۱۹۱۴)

Muhammai mais hayake, Pamoje na haboariza waslium na Maturuki (London 1888). Engt. T. London 1896.	Madan,A.C.	میڈن	134.
i) Allahe-llaue prefeta parma (Estere 1922). ii) Mahomet ne imposter London 1920.	Magna mi L.	مگنامی	135.
La vita di Maometto (Milano 1888).	Manfredi vit.	مینفریدی	136.
Mohammad and the rise of Islam New York, 1905).	Margolioth,D.S.	مارگولیتھ	137.
Mahomometiv ita rerunque gestarm synopsis (Roma 1691).	Maracci, Lcius	مراکی	138.
Historia del falsay perverso profete Mahoma (Madrid 1781).	Martin M.J.	مارٹن	139.
The life and the religion of Mohamad and the prophet of Arabia (London 1912).	Menezes,J.L.	مینازیس	140.
Maometto eil paradise (Milano 1946).	Messara, Pina.	مسارا	141.
An Histry of Muhammedenism (London 1817).	Mills, Charles.	مل	142.
Memories of the life of Mahomet (London 1727).	Millman .H'H.	مل مین	143.
Mahoma su vida (Madrid.1727).	Montero y vidal J,	مونٹیرو	144.
False divinites t.: On Moses christ and Mahomet and other religions deceptives (London.1870).	Moses, the Lawgiver	موسسٰی	145.
History of religios. Judaism,christianity, Mohammedanism (New York 1929).	Moore G.F.	مور	146.
The life of Mahomet from original sources. (London .77).	Muir,Sir William.	میور	147.
Spiritual heroes, a study of some of the worlds' prophets.(New York.1959).	Muzzay,D.S.	موزسے	148.
Vita di Maometto(Rome 1946).	Nathene,C.A.	ناتھن	149.
A literary history of the Arabs. (New York. 1907).	Nicholson R.A.	نکلسن	150.
Das Hebeh Muhammed's nach der Quellen popular darquistett. (Hanover 1863).	Noldeke, Theodor	نولدیکے	151.
An outline of Islam(London 1934).	Norith C.E.	نارتھ	152.
i) Muhammad at Mecca (1953) ii) Muhammad at Medina (1956). iii) Muhammad Prophet and statesman (London 1961)	Watt.W.M.	واٹ	153.
Mohammad de Prophet sein leben and seine leahre (Stuttgart 1843).	Weil, Gustav	ویل	154.

Fra Missionen Blanet (Muhammedaners (Denmark 1909).	Wellejus, H.	ویلجیس	155.
Half hours with Muhammad: Being a popular Account of the prophet of Arabia and of His More immediate followers together with a short synopsis of the religion he founded (London.)	Wollaston Sir A.N.	والسٹن	156.
Muhammad und sein werk (Stuttgart 1923).	Wueaz, Friechich.	ویاز	157.
(تاریخ مکۃ المکرمہ۔ سیرۃ ابن ہشام مع تعلیقات، اراضی مدینہ منورہ، تاریخ اشراف مکہ وغیرہ)	Wusten feld.F.	وسٹنفیلڈ	158.
L Histore Mahometane (Paris 1657).	Vattier.Pierre.	ویٹیر	159.
i) Mohammad Messenger d'Allah (Philip 1657). ii. Mohammad (A Bengali Account of the life of Muhammad)Calcutta 1892.	Vieillard, Rene	ویلارڈ	160.
Religio Turcica, Mahometisvita Succorum)1659).	Wallich J.U.	والش	161.
Das Bilal Muhammeds in wandel der Zeiten (Berlin 1916).	Hoas Hans	ہوس	162.
Mohammad elete estana (Budapest 1878).	Hatala, Peter.	ہٹالا	163.
The three great prophets of the world(woking) 1923).	Headley Rowland G.	ہیڈلے	164.
An apology for the life and character of the celebrated prophet of Arabia called Mohammad or the illustrious (London 1829).	Higgins, Godfrey.	ہگنز	165.
History of Mahomet the Great Imposter. (Falkirk.1821).	Hillard, Frederick H.	ہلارڈ	166.
Mohammed(Batari a 1939)	Hopvell, W.R.B.V.	ہوویل	167.
Moises, Jesus, Mahomet,(L. Valencia 1903).	Holbach, Paul H.	ہولباش	168.
Mohamet Prophete des Arabs (Paris.1946).	Holma Harri	ہولما	169.
The story of Mohammad (London 1914).	Holland, Edith	ہالینڈ	170.
Muhammad in selected works(ed) Leiden. 1957).	Hurgronje, C.S.	ہرگرونج	171.

فہرست مستشرقین حصہ دوم

172.	اتین مارک	(Etieunne Marc Quatreimere)
173.	اڈمنڈ کاسل	(Edumund Castell
174.	اڈولف وارمنڈ	Adolf Wahrmund)
175.	البرٹوس شولٹنز	(Albertus Schultens)
176.	الفرڈ اکتاف بل	(Alfred Octave Bel)
177.	امیلو لافونتے الکنترا	Emilo Lafountey Alkontara)
178.	اربی نیوس	Erpenus)
179.	ایڈلر	(Adler, J.G)
180.	اسٹینلے ڈین	(Stanley Dean).
181.	الفنسٹن	(Elphistone)
182.	امبریکو آف مینز	(Embrico of Mainz).
183.	اسمتھ	(Smith W.C)
184.	اوٹو	(Otto, Richard)
185.	الیگزینڈر روس	(Allexander Ross).
186.	الیس	(Alles, T.W)
187.	الکوک	(Alcocke, Nathan).
188.	اموس	Amos Pseuel)
189.	اوجودی سانتالا	(Ugodi Santalla)
190.	ایڈورڈ جے جرجی	(Edward J.Jurji).
191.	اہرٹ	(Ehrharth, Jacob)
192.	الورٹ	(Ahlwardt, Wilhelm)
193.	امبرڈس	(Imberdis, Victor)
194.	اشپرہر	Sperther , Jakob)
195.	اسپاتن	(Spien , Bernard)
196.	اسپائرو	(Spiro, Jean)
197.	اڈیلرڈ آف باث	(Adelard of Bath)
198.	براؤن	(Brown, E.G)
199.	بیریزن	(Beresine, N.)
200	بارتھولڈ	(Barthold, V.V)
201.	برخارٹ	(Burchardt, L)
202	بی وائز	(Beauvais Vincentde)
203.	بیجر	(Badger, G.P)
204.	بارو	(Barrau J.J)
205:	بارٹول	(Bartol)

206.	باڈیر	(Baudier, Michel)
207.	بازن	(Bazin, Louis)
208.	بینسن	Benson A.C)
209.	بتمان	(Bethman, W.C)
210.	بیون	(Bevan A.A)
211.	بجلیانڈر	(Bihliander, ,, Theodor)
212.	بلم	(Blum Ernest, Alfred)
213.	بوکاشیو	(Boccacio, Giovauni)
214.	بولیتھو	(Bolitho, William)
215.	بیکر	(Becker C.H)
216.	بریفالٹ	(Briffault, R.S)
217.	بنگ	(Byng, E.J)
218.	بارکر	(Barker E)
219.	برنارڈ لوئیس	(Lewis, B)
220.	بیل	(Bell.R)
221.	پوکاک	(Pococke E)
222.	پوسٹل[1]	(Postel G)
223.	پیرون[2]	Perron A)
224.	پکتھال[3]	(Pickthal M. M.)
225.	پامر	(Palmer E. H)
226.	پالگریو	(Palgrave) Arabia 1867.
227.	پرائس	(Major Price) History of Mohammadan dynasties London 1812.
228.	پیٹر	(Peter the Venerable).
229.	تھیوفینس	(Theophanes, Saint).
230.	تھامس برٹران	(Thomss Bertran).
231.	تھامسپر	(Thompsor, J.W)
232.	تھامسن	(Thomson, William).
233.	ٹیٹس	(Titus, M. T).
234.	ٹوری	(Tory, Fowford.H)
235.	ٹریٹن	(Tritton, A. S)
236.	ٹرولٹش	(Troltsch, Charlotle, F.K.)
237.	تشودی	(Tschudi, R.)

---

[1] قواعد اللغۃ العربیہ ۱۵۳۸ء، [2] ترجمہ۔ الطب النبوی از جلال الدین ابی سلیمان داؤد ۱۸۴۰ء [3] ترجمۃ القرآن، الثقافۃ الاسلامیہ۔

238.	تھیوڈورولیم جان	Theodore Wilhelum Jean Juynboll
239.	جرٹرود مارگریٹ[1]	(Gertrude Margaret LOrothian Bell)
240.	جوتلف برگ	(Gotthelf Bergstrasser).
241.	جارج جیکب	(Jacob, George).
242.	جویدی	(Ignazio Guidi)
243.	جلازر	(Edward Glaser)
244	جان ارٹوکی	(Jean Arthorki)
245.	جبرئیل فیران	(Gabriel Ferrand).
246.	جبرئیل لیوان	(Gabried Levenq).
247.	جربردی اورلیاک	(Jarbert de oraliac).
248.	جیر	(Geer, B. J)
249.	جرازبری	(Jarazbhry. A.Q.A)
250.	جیکل	(Jackel, R.).
251.	جیمز ڈی روڈا	(Jimez de Roda R).
252.	جان	(John. V.)
253.	جونز	(Jones, David).
254.	جونگ	(Jon P.De.)
255.	جانسن	(Johnson, E. N.)
256.	جان کنٹینو	(Jon Contineau).
257.	جونز	(Sir Wallian Joes).
258.	جان آف دمشق	(John of Damascus)
159.	جانسٹن	(Johnston).
260.	جان لڈگیٹ	(John Lydgate)
261.	جینی بررڈ	(Gene berard)
262	جازکو	
263.	حتی	((Hitti, P.K).
264	درنبرگ	(Derenbouirg. H)
265.	دینی	(Etienne Dinet))
266.	دی ساسی	(Antoine Isac Silvestre de sacy)
267.	دورن	(Bernhardt Dorn.)
268.	دانتے	(Dante)
269.	دی خویہ	(Goeje, M. J. de)
270.	ڈیکویل	(Decull)

271.	ڈالبرگ	(Dalberg. F. V.)
272.	ڈالاپورٹ	Delaporte, P.H.).
273.	ڈائس	(Dias, Eduardo)
274.	ڈیل	(Diehl, Charles).
275.	ڈابس	(Dobs, Marcus).
276.	ڈی لنگر	(Deelinger J. J. I. V.)
277.	ڈوگارک	(Dugarric, F.)
278.	ڈن	(Dunn)
279.	ڈیلاویڈالیوی	(Della vida G.Levi)
280.	ڈیفریمری	(Charles Francois Defreimery)
281.	رینکے	(Ranke, Leopold, Von)
281.	راٹی جی	(Rattigee, W.H)
282.	ریناخ	(Reinach, Satmon)
283.	رسک	(Reiske, J K,)
284.	رویش	(Reusch, R)
285.	ر ا ئمنڈ	(Reymond, J)
286.	رٹر	(Ritter H)
287.	روپر	(Ruper, C. L.)
288.	راجر بیکن	(Roger Bacon)
289.	راڈویل	(Rodwell, J, M)
290.	رکنڈورف	(Reekendorf)
291.	روزنتھال	(Rosenthal El.J.)
292.	روزنتھال	(Rosenthal, F)
293.	رونزوال	Sebastien Ronzevalle)
294.	روزن	(Victor Romeunoivicho Rosen)
295.	رازموسن	(Lassen Rasmussen).
296.	زمبرینی	(Zam Brini F))
297.	زویمر	(Zwemer, S. M,)
298.	زخاؤ	(Sachau, E)
299.	زیٹرسٹین	(Zettersteen, K. V)
300.	سامنٹو	(Sarmiento, Mentiu),
301.	سرساٹو	(Sarsano.M.Y S)
302.	سرویر	(Servier, Andie)
303.	ساٸن	(Sine W)

[1] انگریز مستشرقہ

376.	لفیٹے	(Laffitte Pierre)
377.	لنٹ	(Lunt, Theodore)
378.	لائتھ	(Lyth,Henricus)
379.	لیبان	(Lebon Dr.G)
380.	لیفی پروفنسال	(Levi Provencal, E)
381.	لارنس	(Lawrence,T.E)
382.	لین	(Edward William Lane)
383.	لینڈبرگ	(Carlo Landberg)
384.	لیس	(William Nassau Lees)
385.	میکڈونلڈ	(Macdonald,D.E)
386.	ماسں	(Mass'e Henri)
387.	مازاس	(Mazas,Alexander)
388.	مورلے	(William Hook Morley)
389.	مینسنگ	(J.Petrus M.Mensing)
390.	مل مین	(Milman)
391.	موریس	(Maurice,F.D)
392.	میلبوگنار	(Melbo Gunnar)
393.	مرکاڈیر	(Mercadier,G)
394.	مارکیل	(Markel,G.H.C)
395.	میار	(Mayer Edward)
396.	میر	(Mayer J.J)
397.	میرس	(Meyerus, P)
398	میمیر	(Meymier,E)
399.	میرو	(Mierow C.C)
400.	میور	(Muir John)
401.	موزرے	(Mouzeray,F.de)
401..	مویر	(Moyer,E.S)
402	منرو	(Munro,D.C)
403.	مینارڈ	(Maynard,Barbier de)
404.	مونٹے	(Montet,Ed)
405.	میشو	(Michaux Bellaire,E)
406	ملر	(August Muller)
407	متوخ	(Eugen Mittwoch)
408	مرکس ملر	(Marcus Joseph Muller)
409	ناتھر	(Nather E.S)
410.	نوفال	(Nauphal.I)
411.	نیل	(Neale, W.H)
412.	نیلسن	(Neilson J.B)
413.	نی مین	(Niemann, A.K)
414.	نللینو	(Nallino Carlo Alfonso)
415.	نبیہ عبود	(Abbot,N)
416.	نسطاسس بازنطینی	(Nicetas of Byzantine)
417.	والٹیئر	(Voltair,F.M)
418.	وارف	(Wayriffe V)
419.	ولہازن	(Wellhausen)
420.	ویلز	(Wells, H,G)
421	ویلزوفر	(Welzhofer, H)
422	ونسنک	(Wensinck, A.J)
423	ولیم	(William Monier)
424	ووڈس	(Woods, Mathew)
425	وہائٹ	(White Joseph Blanco)
426	ویبرن	(Wybarne, Joseph)
427	ولیم مارسے	(Marcais, W)
428	ولیم رائٹ	(Wright,W)
429	وپکے	(Frantz Woepcke.)
430	وٹسٹین	(Johann G.Wetzstein)
431	ہاٹنجر	(Hotrtinger,J.H)
432	ہالان	(Hallan)
433	ہیکس پین	(Hackspan)
434	ہال	(Hall, M.P)
435	ہارٹ مین	(Hartman,M)
436	ہیمر	(Hammer,P.J)
437	ہوری	(Hauri,Joh.)
438	ہارٹ	(Haurt,C.L)
439	ہیوٹ	(Havet.Ernest
440.	ہاکنس	(Hawkins, A.F.H.)
441	ہربیلوٹ	(Herbelot:d)
442	ہیل	(Hell, Joseph.)
443	ہربل	(Herbel of de Molaimville)
444	ہالفن	(Halphen.L)
445	ہرملین	(Hermalin, D)
446	ہیجن	(Higden, Ranulf.)
447	ہنڈاس	(Hondas, O.V)

448	ہبنر	(Hubner.F)	452	ہمفرے	(Prideauf Humphrey)
449	ہیوز	(Hughes,J.P)	453	یوپی نیوس	(Erpenus Thomas)
450	ہیوز	(Husges, William)	454	یولوجیس قرطبی	(Eulogius Cordovan
451	ہاروے	(New comb Harvey)	455	یوجین یونگ	(Eugene Young)

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (الشوریٰ : ۱۵)

اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ (اپنے اور) تمہارے درمیان انصاف کروں



عہدِ رسالت
میں
عدلیہ اور انتظامیہ

عہدِ نبویؐ

میں

عدلیہ اور انتظامیہ

مصنّف

ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

مترجم

محمود عالم قریشی

باب ۱

عرب قبل از اسلام

نسب نامہ ، جغرافیہ ، سیاست

نسب نامہ

نسبی لحاظ سے عرب مندرجہ ذیل دو قسموں سے تعلق رکھتے تھے :

۱۔ قحطانیہ

۲۔ عدنانیہ

قحطانیہ یمن میں پیدا ہوئے جبکہ عدنانیہ نے حجاز کو اپنا وطن بنایا[1]۔ مورخین میں اس بات پر تقریباً اتفاق رائے ہے کہ تاریخی اور روایتی طور پر عربوں کے تین گروہ تھے :

۱۔ عرب بائدہ

۲۔ عرب عاربہ

۳۔ عرب مستعاربہ

عرب بائدہ معدوم قبائل ہیں[2]۔ ان سے متعلق کتبوں اور آثارِ قدیمہ کے سوا کچھ باقی نہیں بچا[3]۔

عرب عاربہ قحطان کی نسل سے تھے[4]۔ بطلیموس نے قحطان سے ملتے جلتے ایک نام (کتانیہ) کا ذکر کیا ہے[5]۔ اس کے بیٹوں کی تعداد مختلف بیان کی جاتی ہے جو دس سے اکتیس کے درمیان ہے[6]۔ یعرب یمن میں اقتدار اعلیٰ میں اپنے باپ کا جانشین ہوا جبکہ اس کے بھائی حضرموت اور عمان ان علاقوں پر حکومت کرتے رہے جو انھیں کے نام سے موسوم ہوئے۔

جرہم نے اپنا اقتدار حجاز میں قائم کیا[7]۔ اس کی موت کے بعد جرہم دوم مکہ میں آباد ہو گیا۔

قحطانیہ کے نسبی مباحث کے ضمن میں ابتدائے اسلام، بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار میں قحطانیہ اور عدنانیہ کے مابین نسبی تفاخر اور تنازع کا مطالعہ ضروری ہے۔ عدنانیہ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ وہ اولادِ انبیاءؑ میں سے ہیں۔ ان کے جدِ امجد حضرت اسمٰعیلؑ تھے اور آخری پیغمبرِ اسلام بھی انھیں میں سے پیدا ہوئے۔ دوسری طرف قحطانیہ میں ان تمام امتیازات کی کمی تھی اس لیے وہ ان سے فروتر تھے۔ تاہم قحطانیہ ان کے اس مطالبہ کو رد کرنے کے لیے دعویٰ کرتے تھے

کہ قحطان کا باپ عابر تھا جسے بطور پیغمبر ہود شناخت کیا گیا۔ اس طرح وہ بھی اپنا سلسلۂ نسب ایک پیغمبر سے منسلک کرتے تھے۔ انہوں نے اپنا نسب حضرت اسمٰعیلؑ سے ملانے کی بھی کوشش کی۔[۸] رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ملک الشعراء حسانؓ بن ثابت نے عدنانیہ کے مقابلہ میں انصار کا دفاع کیا جو قحطان کے اخلاف میں سے تھے۔ اس نے لوگوں کو یہ بھی یاد دلایا کہ عدنانیہ کی سرکشی پر انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی۔[۹] رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابی نعمانؓ بن بشیر اپنے قحطانی النسل ہونے پر فخر کرتے تھے۔[۱۰]

خلافت بنو امیہ کی ابتداء میں قحطانیہ اور عدنانیہ کے نسلی تنازعہ نے سنگین صورت اختیار کر لی۔ معاویہ، یزید اور مروان کے زمانہ میں بنو کلب ایک طاقتور یمنی قبیلہ نے بہت سیاسی اہمیت حاصل کر لی۔ معاویہ نے ایک کلبی خاتون میسون بنت بحدل سے شادی کر کے بنو کلب کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ بنو قیس جو عدنانیہ کے نمایندے تھے اس بات پر قحطانیہ کی نمایندگی کرنے والے بنو کلب کے خلاف غضبناک ہو گئے۔ مرج راہط کی جنگ کے بعد جس میں بنو کلب نے مروان کی طرف سے حصہ لیا اور بنو قیس نے حضرت عبداللہ بن زبیر کی حمایت کی، ان کی یہ دشمنی شدت اختیار کر گئی۔ اس واقعہ کے بعد دونوں قبیلوں کے درمیان متعدد جنگیں ہوئیں جن کے نتیجہ میں بہت تباہی ہوئی۔[۱۱] خلفائے بنو امیہ نے بھی ان کی رقابت سے خوب فائدہ اٹھایا۔[۱۲]

اس زمانہ کے عرب شعراء مثلاً الاخطل، الکمیت، دعبل الخزاعی، جریر بن عطیہ بن خطفی التیمی اور اسحاق بن سوید العدوی نے اپنے مربیوں کی مدح اور مخالفین کی ذم میں نظمیں لکھ لکھ کر اس نسلی دشمنی کی آگ کو ہوا دی۔ قحطانیہ اور عدنانیہ کے نسلی تنازعات کے مطالعہ کے اہم مآخذ ان شعراء کے دیوان اور ان کے اشعار کے منتخبات جیسے "نقائض جریر و الفرزدق" ہیں۔[۱۳]

العرب المستعربہ وہ تھے جنھوں نے عربی زبان اپنائی تھی اور وہ عدنانیہ یا نزاریہ یا معدیہ کہلاتے تھے۔ وہ اس لیے مستعربہ کہلاتے تھے کہ انھوں نے عاربہ سے الحاق کر لیا تھا اور عربی کو زبان کے طور پر اپنا لیا تھا۔ یہ حضرت اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ کی بیوی رعلہ بنت مضاض بن عمرو الجرہمی کی اولاد سے تھے۔[۱۴] ان کے بارہ فرزند مکہ میں پھلے پھولے۔[۱۵]

یہ قرار پا چکا ہے کہ تمام عرب حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کے دو بیٹوں نابط اور قیذر کی نسل سے ہیں۔[۱۶] ابن عباس کی روایت کے مطابق کہ قریش نبطیوں میں سے تھے۔[۱۷] اسمٰعیل کی نسل میں سے عدنان نے ایسی شہرت پائی کہ عرب مستعربہ عدنانیہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ یمنیہ قحطان کے نام پر قحطانیہ مشہور ہوئے۔[۱۸] بنو اسمٰعیل مکہ میں اپنی افزائش نسل کے سبب تہامہ کے پورے علاقہ میں پھیل گئے جو ان کا اصل وطن سمجھا جاتا ہے۔ قضاعہ ساحلی علاقوں میں آباد ہوئے۔ انہوں نے جدہ کی بندرگاہ کی بنیاد رکھی اور اپنی حدود کو حرم تک وسیع کر لیا۔ جنادہ، غمر کے علاقہ میں آباد ہو گئے اور معد کے دوسرے بیٹے مکہ ہی میں جرہم کے ساتھ رہے۔ تہامہ کے محدود وسائل کے سبب بین القبائل مناقشات پیدا ہوئے اور کمزور

قبائل دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے۔[۱۹] نزار کے ساتھ لڑائی کے بعد قضاعہ پہلے ہجرت کرنے والے تھے۔[۲۰] دیگر عدنانی قبائل نے قضاعہ کی پیروی کی اور وہ جزیرہ نماعرب کے وسیع علاقوں میں پھیل گئے، وہ عراق اور شام تک پہنچ گئے۔ دوسرے قبائل کے ساتھ گھل مل گئے اور ہر جگہ بس گئے۔[۲۱] عدنان کا بیٹا معد اہم شخصیت تھا۔ اس کے بعد عدنانیہ کو معد بھی کہا گیا۔[۲۲] قریش، عدنانیہ کی شاخ تھے۔ قبائل کی باہمی عداوتوں کے دوران وہ منتشر ہو گئے۔ قصی بن کلاب نے قریش کو مختلف قبیلوں سے اکٹھا کیا اور مکہ میں آباد کر دیا۔[۲۳]

یوں عموماً حجازی، نجدی، نبطی اور تدمور متوطن عرب کہلائے۔ بازنطینیوں اور فارسیوں کے مابین جنگوں سے پیدا ہونے والے نشیب و فراز نے شمالی عرب میں عدنانیوں کے مخصوص نسلی مسکن کو متاثر کیا جس میں مزید آمیزش جنوبی قبائل کی شمال میں اس بڑی تعداد میں ہجرت سے پیدا ہوئی جو سد مآرب کے ٹوٹنے اور اس سے پیدا ہونے والی خوشحالی کے انحطاط کے سبب ہوئی تھی۔ انتہائی شمال میں غسان اور لخم اور حجاز میں مدنی لوگ وہ جنوبی قبائل تھے جو شمال میں سکونت پذیر ہوئے۔ اس طرح ظہورِ اسلام تک شمالی عرب کے حدود میں مہذب و متمدن جنوبی عرب کے فنون و مہارت اور متوطن شمالی عربوں کی مجموعی توانائی جمع ہو چکی تھی۔

شمال کے قدیم اور متوطن عربوں کا معاشرتی نظام اپنی چھوٹی سے چھوٹی اکائی سے لے کر قبائل کے وسیع تر وفاق تک خونی رشتوں پر استوار تھا۔ عرب ماہرینِ انساب نے عربوں کے نسب کی جزئیات تک کی تفصیل دی ہے۔ ماہرینِ انساب کا بیان کردہ معاشرتی نظام سرتاپا انسانی ڈھانچے کے مطابق ہے۔[۲۴] ایک قبیلہ کی یہ معاشرتی اکائیاں مجموعی طور پر مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔ مثلاً عشیرہ، رہط یا جذم۔ مگر حیّ ایک ایسی عام اصطلاح ہے جس کا عموماً ان پر اطلاق ہوتا ہے۔ خانہ بدوش کا ایک خیمہ یا خانہ نشین کا ایک گھر سب سے چھوٹی سماجی اکائی — خاندان کی نمائندگی کرتا۔ متعدد ہم رشتہ خاندان مل کر ایک قبیلہ بنتا۔ شمالی عربوں کا یہ سماجی آہنگ ان تجربات کے تحت جو انھیں پیش آئے مزید تقسیم ہوا۔ ثمود، نبطی، تدمور، لحیان، کندہ، غسان اور لخم کو منظم سیاسی زندگی کا تجربہ ہوا۔ حجاز کے خانہ نشین لوگ جو بحیرہ روم کے ممالک اور مشرقی ممالک کے درمیان راہداری بستیوں میں آباد تھے تجارت اور سوداگری میں ماہر تھے جبکہ شمالی عرب کے باشندوں کی بھاری اکثریت خانہ بدوش تھی۔

جغرافیہ

قدیم یونانی اور لاطینی جغرافیہ دانوں نے جزیرہ نما عرب کو مندرجہ ذیل تین بڑے خطوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ العربیۃ السعیدہ

۲۔ العربیۃ الصحراویہ

۳۔ العربیۃ الحجریہ

قدیم یونانی جغرافیہ دانوں کے بیان کے مطابق العربیۃ السعیدہ اصل عرب کے تمام منطقوں پر مشتمل تھا۔[26] العربیۃ الصحراویہ، عراق اور شام کے درمیان واقع بیان کیا جاتا ہے جو عرفِ عام میں صحرائے شام کہلاتا ہے۔ تدمور کی قدیم بادشاہت اس کے شمالی اور مشرقی علاقوں میں قائم تھی۔ اس کی مغربی سرحد العربیۃ الحجریہ تک پھیلی ہوئی تھی اور تمام سرزمینِ شام اس میں شامل تھی اس کی مشرقی سرحد دریائے فرات کو چھوتی تھی۔[27] بہت سے عرب قبائل حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے سیکڑوں سال قبل اس علاقہ میں آباد ہو گئے تھے۔[28] العربیۃ الحجریہ جزیرہ نما سینائی پر مشتمل تھا۔ اس کی سرحد شمال میں دمشق اور مشرق میں مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔[29] یہاں نبطیوں نے اپنی بادشاہت قائم کی تھی۔ اس کا دار الحکومت بطرا تھا۔[30] سترابو نے نشان دہی کی ہے کہ العربیۃ الحجریہ' العربیۃ السعیدہ ہی کا حصہ تھا۔[31] جبکہ بطلیموس کی رائے میں یہ ایک آزاد خطہ تھا جس میں پورا جزیرہ نما سینائی اور فلسطین سے اردن تک قرب وجوار کے علاقے شامل تھے۔[32] یونانیوں اور رومیوں نے العربیۃ الصحراویہ اور العربیۃ الحجریہ فتح کر لیا تھا۔ لہٰذا ان کے جغرافیہ دانوں نے العربیۃ السعیدہ کے مقابلہ میں ان خطوں کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے جبکہ العربیۃ السعیدہ کے متعلق ان کی معلومات کم تھیں۔

عرب جغرافیہ دانوں نے جزیرہ نما عرب کی تقسیم میں قدیم یونانی اور رومی جغرافیہ دانوں کی تقلید نہیں کی حالانکہ وہ بعض یونانی کتب مثلاً بطلیموس کے جغرافیہ سے واقف تھے۔[33] عرب جغرافیہ دانوں نے جزیرہ نمائے عرب میں صرف ان علاقوں کو شامل کیا ہے جنھیں یونانی اور لاطینی اصطلاح میں العربیۃ السعیدہ کہا جاتا ہے۔ انھوں نے اس میں سے العربیۃ الصحراویہ اور العربیۃ الحجریہ کو خارج کر دیا۔[34] چنانچہ عرب جغرافیہ دانوں نے جزیرہ نمائے عرب کو مندرجہ ذیل پانچ خطوں میں تقسیم کیا ہے:[35]

۱۔ حجاز	۲۔ تہامہ
۳۔ یمن	۴۔ عروض
۵۔ نجد	

موجودہ تاریخی شواہد کے مطابق حضرت عبد اللہ بن عباسؓ پہلے شخص بیان کیے جاتے ہیں جنھوں نے جزیرہ نما عرب کی مندرجہ بالا تقسیم کی اطلاع دی ہے۔[36]

سیاسیات

ظہورِ اسلام کے وقت عرب میں رائج نظامِ عدل کے پس منظر کا پتا لگانے کے لیے عدنانیہ کے علاقوں، شمالی اور وسطی عرب کے سیاسی حالات کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ جزیرہ نما کا یہ حصہ اپنی زمین کے تنوع کے لحاظ سے عموماً تہامہ، حجاز اور نجد پر مشتمل تھا۔[37] قدیم عرب بادشاہتوں اور طلوعِ اسلام کے وقت موجود عدالتی

اداروں کا شمالی اور وسطی عرب پر اثر موجود تھا۔ اس لیے ان حدود سے ماوراء قدیم عرب بادشاہتوں کا حوالہ بھی دیا جائے گا۔ عاد، ثمود، نبط، تدمور اور لحیان کی بادشاہتیں طلوعِ اسلام سے قبل معدوم ہو چکی تھیں جبکہ غسانی، لخمی اور کندہ کی بادشاہتیں موجود تھیں مسلمانوں نے اپنی خلافت میں شامل کر لیا تھا۔

نبطی اور تدمور کی بادشاہتیں عربوں نے قائم کی تھیں۔ یہ خاص طور پر جزیرہ نما عرب کی سرحدوں پر واقع تھیں۔ ثمود اور لحیان کی بادشاہتیں نسبتاً اندرونِ عرب کی ریاستیں تھیں کیونکہ ان کا محلِ وقوع شمال مشرقی حجاز اور وسطی عرب کا بڑا حصہ تھا۔ اسی طرح شمالی اور مشرقی عرب کی غسانی اور لخمی بادشاہتیں بازنطین اور فارس کی سرحدوں پر واقع ہونے کی وجہ سے سرحدی ریاستیں تھیں جبکہ وسطی عرب کی کندہ بادشاہت ایک اندرونی ریاست تھی۔

قدیم عرب بادشاہتیں

عاد کی ابتداء یمن اور حضرموت میں خلیج فارس کے ساتھ ساتھ عراق کے سرحدی علاقوں میں ہوئی[۳۹] ان کا تعلق معدوم عرب قبائل (بائدہ) سے تھا۔[۴۰] ان قبائل میں عاد سب سے بڑا اور طاقتور قبیلہ تھا۔ یہ بام، سام اور ارم تھے[۴۱] جو سب عمالیق کہلاتے تھے۔[۴۲] قومِ نوحؑ کی تباہی کے بعد یہ پہلے لوگ تھے جنہوں نے سیاسی قوت منظم کی اور وسیع علاقوں پر حکومت کی۔[۴۳] قبل از اسلام کے شعراء عاد کو بڑی مہم جو قوم کی حیثیت سے یاد کرتے تھے[۴۴] یہ قرار پا چکا ہے کہ عاد کا زمانہ قومِ نوحؑ کی تباہی اور حضرت موسیٰؑ کے عروج کے درمیان یعنی ۲۲۰۰ سے ۱۵۰۰ قبل مسیحؑ ہے۔[۴۵]

ان کا زمانۂ شان و شوکت ۲۲۰۰ سے ۱۷۰۰ قبل مسیحؑ بتایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ زمانہ حضرت مسیحؑ تک باقی رہے۔ چنانچہ پہلے اور دوسرے دور کے عاد بالترتیب عاد اولیٰ اور عاد ثانیہ کہلاتے ہیں۔[۴۶]

عرب مورخین کے اس دعویٰ کی تصدیق آثارِ قدیمہ سے ہو چکی ہے کہ عاد نے اپنی حکمرانی بابل، مصر اور دوسرے علاقوں میں قائم کی۔[۴۷] بابل میں اس خاندان کا سب سے بڑا بادشاہ حمورابی تھا۔ یہ پہلا مقنن مانا گیا ہے۔ مصر کے فراعنہ بھی عمالیق کی نسل سے بیان کیے جاتے ہیں۔[۴۸] قرآن نے بھی عاد، ان کی برتری اور شان و شوکت کا ذکر کیا ہے۔[۴۹] پیغمبر ہُودؑ انھیں میں مبعوث ہوئے تھے جنھیں انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا تھا اور آخر کار وہ تباہ کر دیے گئے۔[۵۰] عہدِ بنو امیہ میں قحطانیہ اور عدنانیہ کے درمیان نسلی تفاخر کی بحث میں قحطانیہ نے اپنا سلسلہ نسب پیغمبر ہُودؑ سے ملا کر عدنانیہ کی برتری کا دعویٰ رد کر دیا۔[۵۱]

ثمود

ثمود مشرقی اور وسطی عرب کے باشندوں میں سے تھے۔ وہ دومۃ الجندل، ہجر، تیماء اور العلاء کی تجارتی بستیوں کے مختار تھے۔[۵۲] قبل از اسلام کے شعراء کے کلام میں بھی ثمود کا حوالہ ملتا ہے۔[۵۳] قرآن نے بھی مختلف

مقامات پر ثمود کا ذکر کیا ہے[۵۴] قرآن نے ان کی کاریگری اور طاقت کا حوالہ بھی دیا ہے :[۵۵]

"وثمود الذین جابوا الصخر بالواد۔"

(اور ثمود وہ ہیں جنھوں نے وادی میں چٹانیں تراشیں)

"جابوا الصخر" کے معنی رہائش کے لیے چٹانیں تراشنا لیے گئے ہیں :

"قطعوا اصخر الجبال واتخذوا فیھا بیوتا۔"[۵۶]

ثمود نے اپنا اقتدار وادی میں قائم کیا جس سے مراد وادی القریٰ ہے۔[۵۷] پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک کی مہم کے دوران اس وادی سے گزرے تھے۔[۵۸]

لحیان

لحیان ایک اور عرب شاہی خاندان ہے جس نے ۱۱۵ قبل مسیح کے لگ بھگ دیدان کی سلطنت کا خاتمہ کیا۔[۵۹] اور مکہ کے شمال مشرق نیز نبطی سلطنت کے جنوب میں اپنا اقتدار قایم کیا۔ العلا (وادن علا) ان کا دار السلطنت تھا۔ کاسکل نے لحیانیوں کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے اور اس موضوع پر دو کتابیں تصنیف کی ہیں[۶۰] ان کا دار السلطنت یمن اور ہندوستان کو بحیرۂ روم کی بندرگاہوں سے ملانے والی شاہراہ پر ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ گمان غالب ہے کہ ۱۰۶ عیسوی میں نبطیوں کے زوال کے بعد لحیانیوں نے اپنی طاقت بڑھائی اور الحجر کو اپنے زیرِ اقتدار لائے۔ اندرونِ عرب ثمود کی بادشاہت عام طور پر مشرقی اور وسطی عرب کے تجارتی راستوں پر مختار تھی جبکہ لحیان کی طاقت بحیرۂ روم کے ممالک اور مشرق بعید کی درمیانی شاہراہِ تجارت پر مرکوز تھی۔[۶۱]

نبطی ——— بطراء

نبطیوں کی ابتداً جزیرہ نما عرب میں ہوئی۔ ان کا اصلی وطن شرقِ اردن کے مشرق میں بالائی مغربی حجاز تھا جہاں سے وہ ۵۰۷ قبل مسیح کے قریب شمال مغرب میں منتقل ہو گئے اور بحیرۂ روم کے آس پاس زرخیز علاقوں میں آباد ہو گئے۔[۶۲] جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے مغربی حجاز اور بحیرہ روم کا درمیانی علاقہ یونانی اور رومی جغرافیہ دانوں کی اصطلاح میں العربیۃ الحجریہ کہلاتا تھا۔ پورا العربیۃ الحجریہ نبطی سلطنت تھا اور بطراء ان کا دار السلطنت تھا۔ یہ یمن اور بحیرۂ روم کی درمیانی کاروان شاہراہ پر ایک بہت بڑا شہر تھا۔ پہلی صدی عیسوی میں یہ دولت و خوشحالی کی معراج پر تھا۔ اپنے اقتدار کے زمانۂ عروج میں شمال میں دمشق سے لے کر شمالی حجاز میں الحجر تک سب سے اہم تجارتی مراکز نبطیوں کے تسلط میں تھے۔ انھوں نے بین الاقوامی بندرگاہ غزہ کو ترقی دی جو مشرق و مغرب کی تجارت پر مختار تھی اور نبطیوں کے لیے دولت و خوشحالی کا بڑا ذریعہ تھی۔[۶۳] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بطراء اپنے بڑے تجارتی مرکز کی حیثیت سے مختلف

ثقافتی گروہوں سے بین الاقوامی تجارتی اور ثقافتی تعلقات رکھتا تھا۔[۶۴]

اپنے دورِ عروج میں نبطیوں نے دمشق اور لبنان کے وسیع علاقے، فلسطین، حوران اور مدین کے جنوب مشرقی علاقے اور بحر احمر کے ساحلی خطے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے۔ یہ بھی مسلّم ہے کہ کچھ نبطی نیل کے مشرقی ڈیلٹا میں منتقل ہو گئے تھے جیسا کہ وہاں سے ملنے والے کتبوں سے ثابت ہے۔[۶۵] مورخین نبطی خاندان کے بانی کا نام دریافت نہیں کر سکے اور نہ ہی وُہ ان کے تمام فرمانرواؤں کے نام قلمبند کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ اب تک جو کچھ مسلّم ہے وہ یہ ہے کہ اس سلسلہ کے حکمرانوں میں ایک بہت مقبول نام حارث تھا۔ بعض مورخین نے اخذ کیا ہے کہ شاید یہ نبطی بادشاہوں کا لقب تھا۔[۶۶] اس سلسلہ کا آخری بادشاہ ملک الثالث تھا جس نے ۱۰۱ سے ۱۰۶ عیسوی تک حکومت کی۔ اس کے دورِ حکومت ۱۰۵ء میں رومی شہنشاہ تروجن نے نبطی سلسلہ کا خاتمہ کیا۔ ۱۰۶ عیسوی میں العربیۃ الحجریہ صوبہ عرب کے نام سے سلطنت روم میں مدغم ہو چکا تھا۔ شام کے رومی گورنر کارنیلیس (۹۸ - ۱۱۷ء) نے حکومت کا صدر مقام بطرأ سے بُصریٰ منتقل کر دیا۔ تیسری صدی عیسوی میں بطرأ ایک حقیر سی جگہ میں بدل چکا تھا۔[۶۷]

تدمور

مسیح کے سو سال بعد بطرأ کے زمانۂ انحطاط میں تجارتی راستوں میں تدریجی تبدیلی اور پارتھیوں کی فتح میسوپوٹامیہ نے ایک اور عرب تجارتی بستی تدمور کو فروغ دیا۔[۶۸] جغرافیائی لحاظ سے تدمور ایسی جگہ واقع تھا کہ وہ جلد ہی وسعت اختیار کر کے مشرق قریب کا سب سے بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔ مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال کے درمیان تجارت کی یہ مرکزی گزرگاہ تھی۔ ۱۳۰ اور ۲۷۰ عیسوی کے عرصہ میں یہ اپنی شان و شوکت کے دور کو پہنچا اور اس کی تجارت چین تک پھیل گئی۔ ۲۶۲ عیسوی میں تدموریوں کا ایک بڑا بادشاہ اذینہ مشرق کا نائب السلطنت مقرر ہوا۔ اپنے لقب کی بدولت اس عرب سردار نے اپنے اقتدار اعلیٰ کو شام اور شمالی عرب کے کنارے کنارے ایشیائے کوچک اور مصر تک توسیع دی جو اس وقت تک اس کی قوت کا قلعہ تھا۔ بالآخر ۲۷۲ عیسوی میں تدمور کی بادشاہت بھی تباہ ہوئی۔[۶۹]

یُونانیوں اور رومیوں کی قدیم جغرافیہ کی کتب، یہود اور نصاریٰ کا مذہبی ادب، قبلِ اسلام کے شعراء کا کلام، اسلامی ادب، احتفارات، کتبوں اور سکّوں کو پیشِ نظر رکھتے ہُوئے جواد علی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نبطی ہر لحاظ سے عرب تھے۔ ان کا بادشاہ "شاہِ عرب" اور عوام عربی کہلاتے تھے۔ عربی ان کی روزمرہ کی زبان تھی اور ان کے معروف نام بھی عربی میں تھے۔ مذہب کے معاملہ میں عرب روایات زندہ رکھی گئی تھیں۔ بطراء کا بڑا دیوتا ذوشرا یعنی شرا کا مالک تھا۔ اس کی پرستش ایک سیاہ چوکور پتھر کی شکل میں مثل بطرائی کعبہ کے ہوتی تھی۔ ذوشرا سے متلازم عربوں کی سب سے بڑی دیوی آلاۃ تھی۔ ایک مونث اللہ کی نشان دہی آلاۃ کے نام سے ہو چکی ہے۔ نبطی، قریش اور حجاز کے ان دیگر قبائل سے نزدیک تر تھے جو طلوعِ اسلام کے وقت موجود تھے۔ اپنی ترقی یافتہ شکل میں نبطی رسم الخط عربی رسم الخط بن گیا تھا جو

اس رسم الخط سے ملتا جلتا تھا جس میں قرآن تحریر ہوا۔ ان کا عربی ذخیرۂ الفاظ جو آرامی زبان میں محفوظ تھا خالص عربی تھا۔[۳] تدمور کی قوت کا قلعہ بھی جزیرہ نما عرب تھا جو یونانیوں اور لاطینیوں کی اصطلاح میں العربیۃ السعیدہ تھا جہاں سے انھوں نے اپنے اقتدار اعلیٰ کو العربیۃ الصحراویۃ تک توسیع دی۔ موجود تاریخی شواہد کی چھان بین کے بعد جواد علی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تدمور عرب تھے اور ان کی نسلی و سیاسی حیثیت وہی تھی جو نبطیوں کی تھی۔[۳]

غسّان

غسانی، لخمی اور کندہ کی سلطنتیں اپنے انحطاط اور انتشار کی شکل میں طلوعِ اسلام کے وقت تک باقی تھیں اور انھیں مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔ غسانیوں نے تیسری صدی عیسوی کے آخر میں اپنا اقتدار دمشق کے جنوب مشرقی علاقہ میں اس عظیم راہ حمل و نقل کے شمالی سرے پر قایم کیا جو مآرب کو دمشق سے ملاتی تھی۔ پانچویں صدی کے آخر کے قریب ان کو بازنطین کے سیاسی حلقۂ اثر میں لایا جا چکا تھا اور انھیں بدوی گروہوں کے سیلاب کو روکنے کے لیے ایک فاصل ریاست کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ان کا دارالسلطنت الجابیہ تھا اور کچھ عرصہ کے لیے جلیق میں واقع تھا۔ اس نے چھٹی صدی عیسوی میں بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ ۶۱۳، ۶۱۴ عیسوی میں ساسانی خسرو پرویز کے یروشلم اور دمشق پر قبضہ نے اس خاندان پر آخری ضرب لگائی۔

متعدد قبل از اسلام کے عرب شعراء کی فراخدلانہ پذیرائی غسانی بادشاہوں کے یہاں ہوتی تھی۔ غسانی بادشاہ لبید، النابغہ الذبیانی اور حسّان بن ثابت کے بڑے سخی اور فیاض سرپرست تھے۔[۴]

لخم

تیسری صدی عیسوی کی ابتداء میں لخمیوں نے فرات کے مغربی زرخیز علاقہ میں حیرہ کے مقام پر اپنی حکومت قایم کی۔ المنذر اوّل (۴۱۸ - ۴۶۲ء) نے اس وقت کے بڑے بڑے شعراء کو اپنا گرویدہ بنایا جن میں طرفہ بن عبدالحارث بن حلزہ اور عمرو بن کلثوم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ النعمان الثالث ابو قابوس (۵۸۰ - ۶۰۲ء) جو المنذر چہارم کا بیٹا تھا اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا اس کے ساتھ لخمی سلسلہ ختم ہوا۔ غسانیوں اور لخمیوں نے بازنطینی اور فارسی سیاسی اور ثقافتی روایات کو جذب کیا اور وہ اس حیثیت میں تھے کہ یہ روایات نجد اور حجاز کے عربوں کو منتقل کریں۔[۵]

کندہ

ماہرینِ انساب کی روایت کے مطابق کندہ ایک قحطانی قبیلہ تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب ایک شخص ثور تک پہنچتا ہے جو کندہ کہلاتا تھا۔[۶] اپنی تعداد اور آبادیوں کے لحاظ سے کندہ عرب کے سب سے اہم قبائل میں سے تھا۔ مؤرخین کے

ہاں وہ "شاہانِ کندہ" کہلاتے ہیں۔ ان کی ابتدا حضر موت کے قریب یمن کے پہاڑوں میں ہوئی۔[78] یعقوبی نے حضر موت میں ان کی جنگ کی تفصیل بیان کی ہے۔[79]

یمن، حضر موت سے ہجرت کرنے کے بعد کندہ بنو معد بن عدنان کے علاقہ حجاز میں آباد ہو گئے۔ کندہ کا پہلا بادشاہ ہُجر تھا۔[80] ہُجر سے پہلے کندہ کے حکمران بغیر شاہی لقب (ملک) کے تھے۔ ہُجر نے سیاسی قوت کو از سرِ نو منظم کیا۔ اس نے جابروں کے مقابلہ میں کمزوروں کو پناہ دی۔ اس نے اپنا اقتدار نجد میں قایم کیا جہاں لخمیوں نے بڑے علاقوں پر قبضہ کر رکھا تھا اس نے بکر بن وائل کے علاقہ سے لخمیوں کو بے دخل کر کے اپنی سلطنت میں شامل کیا اور مکہ و بصرہ کے درمیان وادی رُمّہ پر حکمرانی کرتا رہا۔[81] اس نے بہت سے عرب قبائل کو زیرِ نگیں کیا اور اپنی سرحدیں لخمی سلطنت کی سرحدوں تک وسیع کر دیں۔[82]

ہُجر کی صحیح تاریخِ وفات معلوم نہیں۔ اولنڈر نے ۵۲۸ عیسوی میں اس کے پوتے (حارث) کی وفات سے نتیجہ اخذ کیا کہ ہُجر پانچویں صدی عیسوی کی آخری چوتھائی میں حکمران رہا۔[83] ہُجر کے بیٹے عمرو کا جانشین اس کا بیٹا حارث جنگجو (الحارث الحرّاب) ہوا۔[84] اس نے فارسی شہنشاہ قباذ کے دورِ حکومت میں حیرہ کی سلطنت کو اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قباذ جو مزدکیت کا سرگرم حامی تھا[85] اس نے حیرہ کے بادشاہ المنذر کی جگہ حارث کو تخت نشین کرایا کیونکہ اس نے اس کا مذہب قبول کر لیا تھا جبکہ المنذر نے اسے مسترد کر دیا تھا۔ حارث نے اپنی قوت مجتمع کی، اپنے اقتدار کو توسیع دی اور اپنے بیٹوں کو بکر، تمیم، قیس، تغلب اور اسد کے علاقوں میں تعینات کیا۔[86] حارث اور فارس کے درمیان تعلقات النوشیروان کے دورِ حکومت میں کشیدہ ہو گئے تھے اور اس نے رومیوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر لیے تھے انھوں نے اسے فیلارک کا لقب دیا تھا۔[87]

۵۲۸ عیسوی میں حارث کی وفات پر کندہ کی قوت منتشر ہو گئی۔ اس کے بیٹوں میں اقتدارِ اعلیٰ کے لیے جنگ چھڑ گئی۔ المنذر نے جو دوبارہ تخت نشین ہو گیا تھا اس کے بیٹوں کے درمیان دشمنی کی آگ کو ہوا دی، خصوصاً شرحبیل اور سلمٰہ کے درمیان جنگ نے شدت اختیار کر لی۔ آخر کار ۶۱۲ء میں کُلاب کی جنگ میں ان کی سیاسی قوت کے مکمل طور پر پرخچے اُڑ گئے۔ اس جنگ میں عملاً تمام عرب قبائل نے حصہ لیا۔ شرحبیل میدانِ جنگ میں مارا گیا اور کندہ کے شاہی سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا۔[88]

جنوبی عرب میں بنو کندہ کا تُبّع کے ساتھ وہی تعلق تھا جو بنو غسّان کا بازنطینیوں کے ساتھ اور بنو لخم کا فارسیوں کے ساتھ تھا۔ جزیرہ نما عرب میں وُہ واحد حکمران تھے جنھیں مَلِک (شاہ) کا لقب ملا جو عموماً ان عربوں نے اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا جو غیر ملکی اثر میں تھے۔ مشہور عرب شاعر امرأ القیس کندہ کے شاہی خاندان سے تھا۔ اس نے اپنی خاندانی عظمت حاصل کرنے کے لیے بہت سی ناکام کوششیں کیں۔ وُہ رومی شہنشاہ کی مدد حاصل کرنے کے لیے قسطنطنیہ گیا۔[89] ابتدائے اسلام میں متعدد کندی نمایاں ہوتے۔ مثلاً الاشعث بن قیس۔ کئی لحاظ سے کندہ کا عروج دلچسپ تھا۔ سیاسی

طور پر وسطی شمالی عرب میں اُنھوں نے ایک مشترک سرمایہ کی طرح ڈالی۔ ثقافتی لحاظ سے کندہ نے قبائلی لہجوں، لسانی وحدت اور ثقافت کے ارتقاء کو مہمیز لگائی۔

خاص حجاز اور نجد میں صورتِ حال بہت مختلف تھی۔ اس خطہ کی کثیر آبادی بدوی تھی۔ حجاز کسی حد تک اپنی مرکزی حیثیت اور مآرب وغزہ کے درمیانی بڑے کاروانی راستہ پر واقع ہونے کے سبب مذہبی اور تجارتی سرگرمیوں کے لیے بہترین مواقع فراہم کرتا تھا۔ کعبہ اور عکاظ ان کی سرگرمیوں کی دو علامتیں تھیں۔ قریش کی فعّال قیادت اور انتظامیہ کے تحت کعبہ نے ایک قومی عرب متبرک مقام کی حیثیت حاصل کرلی تھی۔ اسی طرح عکاظ کے میلہ کو ایک عرب تجارتی اور ادبی مرکز کا مقام حاصل ہوگیا تھا۔ یثرب، حجاز کی ایک اور اہم آبادی بھی اسی عظیم کاروان شاہراہ پر واقع تھی۔ یثرب نخلستانی علاقہ تھا جو کھجور کی کاشت کے لئے بہت موزوں تھا۔ اس طرح حجاز اس دَور میں اگرچہ بین الاقوامی واقعات کے اصل دھارے میں نہ تھا مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ سیاسی لحاظ سے پیچھے تھا۔

حوالہ جات وتشریحات

۱ - ابنِ خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون، تاریخ العبر و دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر (بیروت ۱۳۹۱، ۱۹۷۱) جلد دوم، صفحہ ۱۶، ۱۷۔

۲ - جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (بغداد ۱۹۶۸) جلد اول، صفحہ ۲۵۳۔

۳ - تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً صفحات ۲۹۴-۳۵۳، عرب بائدہ، عاد، لقمان، ثمود، طسم، جدیس، جرہم تھے۔

۴ - ابنِ ہشام، عبدالملک، سیرۃ رسول اللہ، مطبوعہ مصر ۱۹۵۵، ۱۳۷۵ جلد اول ص ۵ ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری، الاخبار الطوال (قاہرہ ۱۹۶۰ء) ص ۹ - احمد بن ابی یعقوب یعقوبی، تاریخ (بیروت ۱۳۷۹، ۱۹۶۰ء) جلد اول صفحہ ۱۹۵۔

۵- Charles Foster, The Historical Geography of Arabia

جلد اول ص ۸۰ - پولیمی، جغرافیہ، جلد ششم ۲۰، ۲۳۔

۶ - ابنِ خلدون، متذکرہ بالا، جلد دوم، ص ۴۷ کہ یعرب، حضرموت، عمان اور جرہم ان میں سے تھے۔

۷ - ابنِ خلدون، متذکرہ بالا، جلد دوم، ص ۴۷، ابوالعباس احمد بن علی القلقشندی، صبح الاعشیٰ فی صنعۃ الانشا (مصر)، جلد پنجم، ص ۱۹۔

۸ - جواد علی، المفصل، جلد اول، ص ۳۵۶۔

۹ - حسان بن ثابت، دیوان حسان بن ثابت (ایڈیشن H. Hurschfeld لندن ۱۹۱۰) صفحات ۱، ۵، ۹، ۲۳، ۲۵، ۴۴، ۴۷۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حسان، قحطانیہ کے مخالفین کے ذم میں بہت محتاط تھے اس غرض سے انھوں نے عموماً معد کے نام کو ترجیح دی ہے اور قریش یا مہاجرون کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

۱۰ - الہمدانی، الاکلیل، جلد اول، ص ۴۹۔

۱۱ - Warner Caskel, Die Bedeutung der Beduine in der Geschichte der Araber

۱۲ - Wellhausen, Das Arabische Reich und sein Stutz

۱۳ - تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو جواد علی، متذکرہ بالا، جلد اول، باب دوم، صفحات ۴۶۶ - ۵۰۸۔

۱۴ - ابنِ ہشام، متذکرہ بالا، ص ۴ - ابنِ خلدون، متذکرہ بالا، جلد دوم، ص ۳۷ - ابن اثیر الکامل فی التاریخ (بیروت ۱۳۸۵ھ - ۱۹۶۵ء) جلد اول ص ۱۲۵۔

۱۵ - ایضاً وہ نابت، قیدر، ازبل، ماشا، مسمعاماشی، دما، آزر، تیما، تیور، بنیش قیذما - ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کے بعد اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ میں چھوڑ دیا۔ ان کی پرورش اور شادی جرہم میں ہوئی۔ ان سے رشتہ داری کی بنا پر جرہم کعبہ کے متولی بن گئے۔ زہیر بن ابی سُلمیٰ نے ایک شعر میں اس کا ذکر کیا ہے (لسان العرب' ۱۴: ۳۹۴) بعد میں جب جرہم نے لوگوں کو تنگ کیا اور بطور متولی اپنی حیثیت کو غلط استعمال کیا تو بنو خزاعہ نے انھیں مکہ سے نکال باہر کیا جن کو بعد میں قریش (قصیّ) نے نکال دیا۔

۱۶ - ابنِ ہشام، متذکرہ بالا، ص ۵۔

۱۷ - محمد مرتضیٰ، الزبیدی، تاج العروس (دار مکتبۃ الحیات) ۵: ۲۳۹

۱۸ - تاج العروس' ۹: ۲۷۵ - ماہرینِ انساب میں اسمٰعیل اور عدنان کی درمیانی پشتوں کی تعداد پر اختلاف ہے۔ یہ چالیس سے بیس اور پندرہ تک مختلف طور پر بیان ہوئی ہیں (شہاب الدین احمد النویری، نہایۃ العرب فی فنون الادب) قاہرہ، جلد دوم، ص ۳۲۴: الطبری، التاریخ، جلد دوم، ص ۱۹۱ - ابنِ ہشام، متذکرہ بالا، ص ۳ - المسعودی، مروج الذہب، جلد اوّل، ص ۳۹۴ - ابنِ خلدون، متذکرہ بالا، جلد دوم، ص ۲۹۸۔ صبح الاعشیٰ، جلد اول، ص ۳۰۷۔

۱۹ - ابنِ خلدون، متذکرہ بالا، جلد دوم، ص ۲۴۰۔

۲۰ - ایضاً

۲۱ - جواد علی، متذکرہ بالا، جلد اوّل، صفحات ۳۰۰

۲۲ - امرأالقیس، شرح دیوان، ایڈیشن صندوبی، صفحہ ۱۶۰ - النابغہ الذبیانی، دیوان، شرح البطلیوسی، ص ۴۴۔ زہیر بن ابی سُلمیٰ، شرح دیوان زہیر، ایڈیشن امام ابی العباس ثعلب (۱۹۴۴) صفحات ۱۷، ۱۸، ۱۰۶، ۱۰۹۔

۲۳ - الطبری، تاریخ (ایڈیشن مطبع حسینیہ) جلد دوم، ص ۱۸۲ - قصیّ کے بیٹے عبد مناف، عبد الدار، عبد العزّیٰ اور عبد قصیّ تھے۔ عبد مناف کے بیٹے ہاشم، عبد شمس، المطلب، نوفل اور ابو عمرو تھے۔

۲۴ - الشعب، کھوپڑی کا جوڑ چوٹی پر اس طرح کھڑا ہے جیسے فوارے کا سر، اس کے بعد قبیلہ ہے قبیل الرأس سے سر کی چار بڑی ہڈیوں میں سے ایک۔ پھر امارہ، بطن اور فصلہ بالترتیب سینہ، شکم اور ٹانگ کی طرح ہیں۔

۲۵ - مندرجہ ذیل یونانی اور رومی جغرافیہ دانوں نے عرب کے جغرافیہ کے بارے میں لکھا ہے:

السیلس (۵۲۵ - ۵۶۴ قبل مسیح)، چارلس فورسٹر نے اپنی کتاب The Historical Geography of Arabia میں السیلس کے بیشتر اقتباسات دئے ہیں۔ ہیرو ڈوٹس: The History of Herodotus ترجمہ جارج رالنسن دو جلدوں میں (ایڈیشن ۱۹۲۰) ہیروڈوٹس کے خوب صورت طرز اور منظم کام سے متاثر ہو کر سیسرو نے اسے "ابوالتاریخ" کا لقب دیا۔ تھیوفراسٹس

(۳۷۱-۲۸۷ قبل مسیح) Historia Plantarum (ایڈیشن ہورٹ ۱۹۱۶) ۔ سٹرابون ۔ سٹرابو
(۶۴/۱۹ قبل مسیح) The Geographic Geography of Strabo ترجمہ ہملٹن (لندن
۱۹۱۲، ۳ جلد) سٹرابون نے خاص طور پر اپنے جغرافیہ کا باب ۱۶ عرب علاقوں کے بیان کے لیے وقف کیا ہے
اس نے اپنے زمانہ کی عرب آبادیوں، شہروں اور قبیلوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے تجارتی، معاشرتی و معاشی معاملات
بیان کیے ہیں اور ایلیئس گیلس کے حملہ کا حوالہ دیا ہے۔ پلینی، ایلڈر گیلس پلینیئس سیکنڈس (متوفی ۷۹، قبل مسیح)
Naturalis Historia ایڈیشن سی، میئر ہاف (طبع ثانی ٹیوبنز سیریز ۱۸۸۲ - ۱۹۰۹ء، ۲ جلدیں)
کلاڈیئس پولیموس Geographike Hyphegesis Geographia (ایڈیشن سی، ایف،
ناب ۳ جلد، لیپزگ ۱۸۴۳ - ۱۸۴۵) اس موضوع پر یہ ایک مشہور کتاب تھی اور قرونِ وسطیٰ تک نصاب میں
شامل تھی۔ اس نے جغرافیائی انداز میں عرب کے شہروں، قبیلوں اور حالات بیان کیے ہیں۔ اس نے ضروری
نقشوں سے اپنی کتاب کی تزئین کی ہے۔ عرب کے حالات ہیروڈوٹس اور پلینی کے یہاں اتنے واضح نہیں جتنے
پولیموس کے یہاں ہیں۔ اس نے بہت واضح طور پر عرب کو تین خاص علاقوں میں تقسیم کیا ہے جیسا کہ متن میں
درج ہے۔

۲۶ ۔ سٹرابو، ۱۶ - ۴، ۲، موصل، عربیہ صحراویہ، ص ۸۹۴ ۔ "بائیبل ڈکشنری" جلد اوّل، ص ۹۸

۲۷ ۔ موصل، صحراویہ، صفحہ ۴۹۹، ڈیوڈورس سکولس، Bibliotheca Historica ، ۱۱/۴۵۔

۲۸ ۔ ڈی ڈی لکن بل Ancient Records of Assyria and Babylonia ، جلد اول، ص ۶۱۱۔

۲۹ ۔ فلپ کے حتی History of the Arabs ص ۴۴، ڈیوڈورس Bible Hist. ، صفحہ ۱۱/۸۴

۳۰ ۔ R.E.Brunnow Und A.V.Demrzewski, Die Provicia Arabia in 3 B.D.

۳۱ ۔ سٹرابو، جلد سوم، ص ۲۰۹

۳۲ ۔ ولیم سمتھ، A Dictionary of the Bible ، جلد اول، ص ۹۱۔

۳۳ ۔ چارلس فورسٹر، ۲، ۱۰۹ ۔ ایڈورڈ گبن The Decline and Fall of the Roman Empire
EMPIRE جلد پنجم، ص ۲۰۹ (ایڈیشن Eneryman's Library ۱۹۳۱)

۳۴ ۔ فورسٹر، جلد دوم، ص ۱۱۲۔

۳۵ ۔ الہمدانی، ابو محمد الحسن بن احمد بن یعقوب بن یوسف (متوفی ۳۳۴ھ) صفت جزیرۃ العرب،

ص ۷۴ - یاقوت الحموی، معجم البلدان، جلد سوم، ص ۲۱۷ - المفضل بن محمد الضبی الکوفی، المفضلیات، ص ۴۱۶ -

۳۶ - صفت، ص ۴۶ - جواد علی، المفصل، جلد اول، ص ۱۶۷

۳۷ - ابوعبداللہ یاقوت عبداللہ الحموی، معجم البلدان (مصر ۱۹۰۶) الحجاز، جلد سوم، ص ۲۱۷، ۲۲۰ - النجد، جلد سوم، صفحات ۲۵۳، ۲۵۷ - التہامہ، جلد دوم، صفحات ۴۳۶، ۴۳۸ - الحسن بن عبداللہ الاصفہانی، بلاد العرب الریاض (۱۹۶۸ء : ۱۳۸۸ھ) ص ۳۳۶، ۳۳۷ - ایضاً ص ۱۴ -

۳۸ - بعض علماً کے نزدیک جزیرہ نما عرب نے ان لوگوں کی پرورش کی جو بعد میں ہلال اخضر میں منتقل ہو گئے اور پھر تاریخ میں بابلی، کلدانی، آمور، آرامی، فنیقی اور عبرانی کہلائے۔ The Historians, History of the World کی پہلی اور دوسری جلدیں انہی لوگوں سے متعلق ہیں اور ان میں اس عنوان پر مفصل بحث ہے۔

۳۹ - ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) المعارف (مصر ۱۳۷۹ھ : ۱۹۶۰ء) صفحات ۲۶، ۲۷ قرآن ان کا وطن احقاف بتاتا ہے۔

۴۰ - عاد، ثمود، جرہم، لحیان، طسم، جدیس معدوم عرب قبائل تھے۔

۴۱ - قرآن ۴۶ : ۲۱

۴۲ - سید سلیمان ندوی، ارض القرآن (اعظم گڑھ، ہندوستان ۱۹۴۴ء) ص ۱۳۰ -

۴۳ - قرآن ۷ : ۶۹

۴۴ - ندوی، متذکرہ بالا، ص ۱۳۰

۴۵ - ایضاً

۴۶ - قرآن ۵ : ۵۳

۴۷ - ابن قتیبہ، المعارف، ص ۲۷، مزید ملاحظہ ہو ابن خلدون، جلد دوم، ص ۲۵۹ - لیعقوبی، تاریخ، جلد اول، ص ۲۰، ۲۲ -

۴۸ - ابن قتیبہ، ص ۲۷ -

۴۹ - قرآن (۸۹ : ۸) عاد شیخی بگھارتے تھے کہ ان سے بڑے اور طاقتور کوئی نہیں - قرآن ۴۶ : ۱۵ -

۵۰ - قرآن ۲۶ : ۱۳۹

۵۱ - ابن خلدون، متذکرہ بالا، جلد دوم، ص ۲۰

۵۲ - ثمود، قدیم عرب باشندوں میں سے تھے جو عادِ ارم (آرام) کی طرح پیغمبر اسلام کی بعثت سے کچھ پہلے

معدوم ہوچکے تھے ۔ سرگوں کا ۱۵۱، قبل مسیح کا کتبہ ثمود کا ذکر مشرقی اور وسطی عرب کے ان باشندوں میں کرتا ہے جن کو آشوریوں نے زیرنگیں کر لیا تھا (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ، جلد چہارم ، ص ۷۳۶)

۵۳ - دیوان امیہ بن ابی صلت (۱۹۱۱ (fr. Schulthess) ص ۴۴ ۔

۵۴ - المفضلیات ، ص ۴۲۸ ۔ القرآن ۹ : ۷۰ ، ۱۴ : ۹ ، ۲۲ : ۴۲ ، ۴۰ : ۳۱ ، ۲۵ : ۳۸ ، ۵۰ : ۱۲ ، ۳۸ : ۱۳ ، ۲۹ : ۳۸ ، ۱ : ۱۳ ، ۵۳ : ۵۱ ، ۶۹ : ۴ ۔

۵۵ - قرآن ۸۹ : ۹

۵۶ - الزمخشری ، الکشاف ، جلد چہارم ، ص ۲۰۹ ۔ الطبری ، التفسیر ، جلد ۳۰ ، صفحہ ۱۱۳ ۔ الآلوسی ، روح المعانی ، جلد ۳۰ ، ص ۱۲۴ ۔

۵۷ - الیاقوت ، البلدان ، جلد سوم ، ص ۲۲۱ ۔ ابن منظور ، لسان العرب (مصر) جلد پنجم ، ص ۲۴۲ ۔ صبح الاعشیٰ ، جلد اوّل ، ص ۳۱۳ ، نہایۃ العرب ، ۱۳ : ۷۱ ۔

۵۸ - ابن کثیر ، البدایہ والنہایہ ، جلد اول ، ص ۱۳۱ ۔

۵۹ - کاسکل Lihyanisch ۔ ، ایس ۴۷ ۔

۶۰ - کاسکل

Das Altarabische, Konigreich Lihyan, 1951

Lihyan Und Lihyanisch, 1954 ,

۶۱ - ہذیل کی دیگر شاخوں کی طرح لحیان مکہ کے شمال مشرقی علاقہ میں آباد ہو گئے تھے ۔ قبل اسلام کے شعراء نے ان کا ذکر کیا ہے ، مثلاً حماسہ ، ص ۴۴ پر مشہور شاعر تابط شر کے ساتھ ان کی جنگوں کا حوالہ ہے ۔ یاقوت نے اپنی معجم ، ایڈیشن Wustengeld جلد دوم ، ص ۲۷۷ ۔ جلد چہارم ، ص ۱۰۴ (تقابل حماسہ از البحتری ، ص ۸۰ ، ۸۱ ۔ ابن الجراہ ، ایڈیشن H.H.Brau نمبر ۸۶ ، ۱۹۲۷ ، ص ۳۱) دوم ، ۴۱۴ میں خزاعہ کے ساتھ ایک جنگ کا ذکر کیا ہے ۔ ظہورِ اسلام سے پہلے لحیان ، قریش کے زیر اثر تھے ۔

ابن الکلبی (کتاب الاصنام) صفحہ ۵۷ ۔ یاقوت ، معجم ، جلد سوم ، ص ۱۸۱ نے لحیان کو بعض پروہتوں کے فرائض تفویض کیے ہیں ، مثلاً (سدانا) ہذیلی مسلک میں دیوتا سُوا ۔ شمالی حجاز میں سیکڑوں کتبوں اور گرافتی کی دریافت نے نہ صرف اس شُبہ کی تصدیق کر دی ہے بلکہ طلوعِ اسلام سے کئی صدی قبل لحیانی ریاست کا وجود بھی ظاہر کیا ہے (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ، جلد سوم ، ص ۲۶)

۶۲ - Sir Alexander B.W, Kennedy, Petra, Its History and Monuments (لندن ۱۹۲۵) ص ۳۳ ۔

۶۳ - جواد علی ، متذکرہ بالا ، جلد سوم ، ص ۶ ۔

۶۴ - انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا، ج ۱۷، ص ۷۵۱۔

۶۵ - Clermont Ganneau, Les Nabatien en Egypt in Recueil d Arab Vol.III, 1924, p. 229

۶۶ - The Bible Dictionary, Vol. I, p. 107

۶۷ - نبطیوں کے متعلق N.Glueck, The Story of the Nabataeans,
ص ۳۴۵ ۔ تفصیلی مطالعہ کے لیے مندرجہ ذیل تصنیفات ملاحظہ کیجئے :

Josephus Flavius (37-100 A.D.)

Goudaike Archaeologia and Periton Goidaikon Polemon, A.R. Shillato, The Works of flavius gosephus in 3 vols. (Bohns Standard Library). Mark Libzbarski, Handbuck der Nordsemitischen Epigraphike Nebst Ausgewahlten Inschriften, Weimar, 1898, Emphemeris fur Semitische Epigraphik, I, Giessen 1901 II, 1903 III, 1912.

G.A.Cooke, A test book of North- Semitic Inscriptions Moabite, Hebrew, Phoenician, Aramaic, Nahataean, Palmyrene, jewish, Oxford, 1903. Berytus, Archaeological Studies, published by the Museum of Archaeology of the American University of Beirut, Vol. I, American Press Beirut, 1934. Sir Alexander B.W.Kennedy, Petra, Its History And Monuments, London 1925.

J.Hastings, Ency: of Religion and Ethics, Vol. IX Murry, The Rock City Petra.

The Universal jewish Eneyclopeadia.

The Cambridge Ancient History. N.Glueck. The Story of the Nabataeans.

۶۸ - پامیرا قومی کتبوں میں تدمور کہلاتا ہے اور یہی نام اس وقت عربوں میں شناسا ہے۔ یہ جگہ دمشق سے ۱۵۰ میل شمال مشرق میں واقع ہے اور صحراء شام کے ایک نخلستان فرات سے اونٹ پر پانچ دن کی راہ سفر ہے۔ قدیم زمانہ میں اس مرکز پر عظیم تجارتی راستے ملتے تھے۔ فنیقی حصّوں سے خلیج فارس کو جانے والے، اور

دُوسرا بطراء سے جنوبی عرب کو آنے والا تجارتی راستہ یہاں ملتے تھے (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ، جلد ۱۷ ، صفحات ۱۶۱ ، ۱۶۲) یہ قابلِ غور ہے کہ قصّی نے مکہ میں مجلسِ شیوخ قایم کی جو تدمور کے عملی نمونہ پر تھی۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے :

William Wright, Ancient Account of Polmyra and Zenibia with Travels and Adventures in Bashan and the Desert, London, 1896 , p.110. Freya Sterk Rome on the Euphrate, New York 1967, Mommsan Provinces of the Roman Empire, Rostoutzeff, Caravan cities Oxford, 1932, gibbon: The Decline And Fall of the Roman Empire, Musil, Palmyra.

۶۹ - جواد علی ، متذکرہ بالا ، جلد سوم ، ص ۸۱ -

۷۰ - ایک کتبہ میں معبود وَدّ کا ذکر ہے ۔ یہ اصطلاح ، جو یقیناً ایک قربان گاہ کا نام ہے ، مسلم عرب روایات میں غیر معروف نہیں (اغانی ۳۹ ، ۶۸۸ ۔ ابن درید ، کتاب اشتقاق ، ص ، ۱۹) ان کے چند معبود اللہ ، الات ، ودّ ، یغوث اور ایک الٰہ ذُوغَبَت تھے (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ، سوم ، ص ۲۷)

۷۱ - جواد علی ، المفصل ، جلد سوم

۷۲ - ایضاً

۷۳ - ایضاً ص ۸۰

۷۴ - غسّان یمنی نژاد ایک عرب خاندان تھا ۔ عرب مؤرخ اس کے متعلق مختصر حالات بتاتے ہیں -
الھمدانی ، صفت جزیرة العرب ، حمزا ، اخبار (ایڈیشن Gothwald) صفحت ۱۱۵ ، ۱۱۷ ، ۱۲۰ ، ۱۲۱ - تاریخ یعقوبی (ایڈیشن Houtsna _ جلد اوّل ، ص ۱۷۵ ، ۲۳۵ ، ۲۳۶ - مسعودی ، مروج ۲ : ۳۲۲ ایڈیشن محمد محی الدین - ابن قتیبہ ، کتاب المعارف ، ایڈیشن Wustanfeld ص ۳۱۳ ، ۳۱۴ ، ۳۱۶ - العقد الفرید ۱ : ۸۸ - تاریخ ابوالفدا (ایڈیشن Barbier de Meynard ___ et panet de Courteille) III ___ ص ۲۱۵ ، ۲۲۰ ، ۳۹۰ ، ۳۹۹ - ابن الاثیر ، کامل (ایڈیشن (Toruberg أ - ۳۹۸ ، ۴۰۰ ، ۴۰۲ ، ۴۰۴ - طبری ، اخبار (ایڈیشن (de Geoje أ - ۹۵۸ - الواقدی ص ۳۰۹ - افغانی ، نہم ، ۱۶۵ - ۱۶۷ ، چہاردہم ۳ - ۵ اور اشاریہ S.۷۰ - یاقوت ، معجم ، اوّل ، ۳ ، ۷ - دوم ۳۲۵ ، ۳۲۹ - دیوان حسان بن ثابت ، اخبار الطوال ، صفحات ۶۸ - ۹۱ - جواد علی ، المفصل ، جلد سوم ، صفحات ۳۸۷ - ۴۴۶ -

۷۵ - ہجرت سے دو سو سال قبل لخمیوں کی فاضل آبادی جزیرہ نما کے علاقوں شام، فلسطین اور عراق میں پھیل گئی تھی جہاں انہوں نے حیرا میں ایک لخمی فیلارکی قایم کی۔ عرب مؤرخوں نے مندرجہ ذیل کتابوں میں حال بیان کیا ہے :

ابن درید، کتاب الاشتقاق، صفحات ۲۲۵ - ۲۲۷۔ تاریخ الطبری، ج ۲ -
ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ۲، ۵۸۔ بلوغ الارب، ہمدانی، صفت جزیرۃ العرب، ایڈیشن جی، ایچ ملر، صفحات ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۲۰۵، ۲۰۶۔ یاقوت، البلدان، تاریخ، ایڈیشن Houtsma، ص ۵۹، ۱۳۶۔ de Goeje ایڈیشن، کتاب البلدان، ۲۶۴۔ ۱، ۲۲۹ -
ابن الاثیر، الکامل، ۱، ۱۹۲۔ مسعودی، مروج، ایڈیشن پیرس ۷ا، ۳۵۲، ۷، ۱۹۲۰۔ نہایۃ العرب ۱۵، ۳۴۸۔ الکندی، مصر کے گورنر اور قاضی، ایڈیشن Rhuvon Guest صفحہ ۵، ۱۵۱، ۱۹۲۔ الافغانی ۱۰ - ۲۲ -

۷۶ - ابن درید، الاشتقاق، ج ۲ ص ۲۱۸۔ ابن حزم، جمہرہ انساب العرب (مصر ۱۳۸۲ : ۱۹۶۲) ص ۴۲۵ -

۷۷ - Gunner Olinder The Kings of Kindah, 1924, p. 114

۷۸ - الہمدانی، صفت، صفحہ ۸۵۔ ابن خلدون، جلد دوم، ص ۲۵۷ -

۷۹ - لیعقوبی، تاریخ، جلد اول، ص ۲۱۶ - ۲۲۰ -

۸۰ - لیعقوبی، جلد اوّل، ص ۲۱۶۔ ابن خلدون، جلد دوم، ص ۲۷۳ -

۸۱ - ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد اول، ص ۵۱۳ ff۔ اولنڈر، ص ۴۲ -

۸۲ - ابوالفداء، کتاب المختصر فی اخبار البشر، بیروت، جلد اوّل، ص ۹۲ -

۸۳ - اولنڈر، ص ۴۶ -

۸۴ - شرح دیوان لبید بن ربیعہ العامری، ص ۵۵، ۲۷۵۔ اولنڈر کے خیال میں حارث نے ۴۹۰ عیسوی میں اقتدار حاصل کیا۔ (اولنڈر، ص ۵۶)

۸۵ - الطبری نے مزدکیت کی تعلیمات کا اختصار دیا ہے، تاریخ، ایڈیشن حسینیہ، جلد دوم، ص ۸۸ -

۸۶ - ابن اثیر، الکامل، جلد اول، ص ۵۱۲۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قباذ کی کمزوری کے پیش نظر حارث نے خود المنذر کو شکست دی اور حیرہ پر قبضہ کر لیا (جواد علی، جلد سوم، ص ۵ - ۳۳۴) اس نے قباذ کو راغب کر کے عرب کی سرحد کے ساتھ فرات کے زیریں علاقہ میں مراعات حاصل کر لیں (جواد علی، جلد سوم، ص ۳۳۶ - ۳۳۷) حیرہ ۵۲۵ سے ۵۲۸ تک حارث کے قبضہ میں رہا، فارس میں

مزدکیت کے زمانہ عروج میں (اولنڈر، ص ۶۵)۔

۸۷ ۔ اولنڈر، ص ۶۶

۸۸ ۔ ابن اثیر، الکامل، جلد اوّل، ص ۱۱۵ اور اس سے آگے۔ المفضلیات، ص ۲۸۴۔ النویری، نہایۃ العرب، ۱۵: ۴۰۶۔ العقد الفرید ۶: ۸۷۔ ابوالفدا، کتاب المختصر، جلد اول، ص ۹۲۔ نقائض جریر و الفرزدق، جلد اوّل، ص ۴۵۲ (1907 Leiden) الیعقوبی، جلد اوّل، ص ۲۱۶۔ القلقشندی، الصبح الاعشیٰ ۱: ۳۲۸۔

۸۹ ۔ ابن خلدون، جلد دوم، ص ۲۷۶۔ ابوالفداء، جلد اوّل، ص ۹۳۔ ابن الاثیر، الکامل، جلد اول، صفحات ۵۱۸۔۵۱۹۔

باب ۲

قبل از اسلام عرب میں نظامِ عدل

سیاسی نظام

قبل از اسلام عرب معاشرہ دو قسم کے عربوں پر مشتمل تھا؛
(۱) بدو اور خانہ نشین یا خیمہ میں رہنے والے (اہل الوبر)
(۲) ساکنانِ شہر (اہل المدر)

سرداری

سرداری (رئاسہ یا مشائخہ) خانہ بدوشوں میں سیاسی نظام کی بنیاد تھی اور خانہ نشینوں کا سیاسی نظام بادشاہت یا شہری ریاست (الملکیہ یا رئاسہ القری والمدن) پر مبنی تھا۔[۱] دونوں طریقوں کے سیاسی نظام اور عدالتی اداروں سے علیحدہ علیحدہ بحث کی جائے گی۔

قبیلہ سرداری کی بنیاد تھا جو خونی رشتوں پر استوار تھا (رابطہ الدم)۔ ایک شخص کی اولاد قبیلہ کی تشکیل کرتی تھی اور ان کا مشترک نسب ان کو ایک سماجی اور سیاسی نظام میں متحد رکھتا تھا۔ کسی قبیلہ کا وطن وہ سرزمین ہوتی جہاں ان کی ابتداً ہوتی یا جو ان کے قبضہ میں ہوتی۔ قبیلہ اور زمین کی بنیاد پر ایک سردار کی رہبری میں سرداری قائم ہوتی تھی۔ مختلف قبائل میں سرداروں کو مختلف نام دئے گئے تھے؛

رئیس، بعل، رب، سید اور شیخ جیسے نام خاص طور پر مشہور تھے۔ ہشام بن المغیرہ بطور رب قریش[۲] پہچانا جاتا تھا۔ عمرو بن جعید سید تھا، ربیعہ اور حذیفہ بن بدر[۳] سیدِ غطفان کہلاتا تھا[۳] اور وہ ربِ معد کے طور پر بھی مشہور تھا۔[۴] قیس بن عاصم، سیدِ اہل الوبر تھا۔[۵]

سرداریوں کے اتحاد اور سالمیت کا انحصار ان کے سیاسی شعور کی سطح پر تھا۔ وسطی عرب میں واقع دور کے علاقوں میں ایک طاقتور مہم جو اپنے قبیلہ کے لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے اپنی ذاتی حکومت قائم کر لیتا۔ چونکہ اس کی حکومت کی بنیاد اس کی ذات کے سوا کچھ نہ ہوتی اس لیے اس کی وفات پر اس کی سرداری انتشار کا شکار ہو جاتی۔

دورِ جاہلیت کی اسی روایت کی پیروی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بعض عرب قبائل نے مذہبِ اسلام ترک کر دیا ان کی دلیل یہ تھی کہ ان کی وفاداری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی جو ان کی وفات پر ختم ہو گئی۔ پس وہ کسی دو سرے کی اطاعت نہیں کریں گے نہ حکومت کے واجبات یعنی زکوٰۃ و صدقات ادا کریں گے۔ یہ تاریخی واقعہ قبل از اسلام کے ذاتی، مقامی، علاقائی اور قبائلی مفاد پر مبنی سیاسی اور عدالتی نظام اور عالمی اصولوں اور اعلیٰ نظریات پر قائم ہونے اسلامی نظام کے درمیان حدِ فاصل کی نشان دہی کرتا ہے۔

پانی، سبزہ اور روئیدگی کے مقامات پر قائم ہونے والی سرداری نے اہلِ قبیلہ کو اس اقتدار کو تسلیم کرنے آمادہ کیا جو ان کے آباؤ اجداد کے اختراع کردہ بعض اصولوں پر مبنی تھا۔ ایک سردار کی اطاعت، امن و جنگ میں کے حکم کی تابعداری، قبیلہ کی روایات، رواج اور عادات کی پابندی اس دستور کے بنیادی اصول تھے۔ عموماً قبا میں موروثی اصول رائج تھا جس کے مطابق سردار کا سب سے بڑا بیٹا اس کا جانشین ہوتا۔ حصن بن حذیفہ بن بدر نے اپنے بیٹے عُیَینہ کو اپنے بعد حکومت کے لیے جانشین مقرر کیا۔ عُیَینہ اپنے لوگوں پر حکومت کرنے کے لیے دُوسروں سے زیادہ اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ حصن نے اپنے بیٹوں کو بُلایا اور عُیَینہ کو مخاطب کر کے اعلان کیا "تم میرے جانشین اور میرے بعد اپنے لوگوں کے سردار ہو" اس کے بعد اس نے انھیں ہدایات دیں۔ اس کے لوگوں نے اس کی نامزدگی قبول اور عُیَینہ کے اقتدار کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا۔

بعض حالات میں سرداروں کا تقرر چناؤ سے بھی ہوا۔ جب کسی سردار کا سب سے بڑا بیٹا لائق نہ ہوتا یا ایک سرد کی مختلف بیویوں سے کئی بیٹے دعویدار ہوتے تو قبیلہ کے ممتاز افراد اور شیوخ اپنے لیے آپس میں سے ایک مناسب سرد چُننے کے لیے جمع ہوتے۔ یہ چناؤ محض لیاقت کی بنیاد پر ہوتا تھا۔

ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جبکہ کسی سردار کا سب سے بڑا بیٹا جانشین نہ بنا اور شیوخ کی مجلس بھی اپنے میں سے کوئی مناسب شخص نہ چُن سکی تو یمن کے بادشاہوں سے درخواست کی گئی کہ خارج از قبیلہ ایک سردار مقرر کر دیں۔ کندہ خاندان کے بادشاہ اس دستور کی اچھی مثال پیش کرتے ہیں۔ ایسی سرداریاں نجد اور یمامہ کے بعض حصوں میں قائم ہوئیں۔ سرداری کے اقتدار اور علاقہ میں اس وقت توسیع ہوئی جب مختلف قبائل نے اتحاد قائم کیے۔

قبیلہ کے فیضان کے دُو سرچشمے ہوتے تھے، نسب اور بُت پرستی۔ کسی قبیلہ کا بڑا بزرگ اس کے افراد کو رشتوں میں مضبوط رکھنے کے لیے قوتِ محرکہ ہوتا تھا۔ حملوں اور جنگ کے دوران قبیلہ کے افراد کے جذبات ابھا اور سُورماؤں کو بہادری کے کام پر اکسانے کے لیے اس کے نام کی دُہائی دی جاتی۔ بت ان کے لیے روحانی تسکین فراہم کرتے تھے۔ ان سے دشمنوں کے خلاف مدد طلب کی جاتی اور برکت کے لیے انھیں میدانِ جنگ میں سا لے جایا جاتا۔ قریشِ مکہ نے پیغمبرِ اسلام کے خلاف جنگوں میں اپنے بتوں کو پکارا۔ غزوۂ اُحد میں جب مسلمان پسپا مجبور ہو گئے تھے تو ابُوسفیان کی قیادت میں قریش نے اپنے بڑے بت ہبل (واہبل) کی عظمت کو خراجِ عقی

پیش کیا (اُعلُ ھبل)۔

بادشاہتیں

بادشاہتیں عرب کے ان حصوں میں قائم ہوئیں جو زرخیز تھے اور جہاں پانی، سبزہ اور روئیدگی کی بہتات تھی۔ یمن، عراق، شام اور عراق وشام کا درمیانی علاقہ جو جزیرہ نماعرب کی سرحد پر تھا۔ عرب بادشاہتوں کے لیے سب سے موزوں مقامات تھے۔ یمن میں معینیہ کی بادشاہت، حضرموت کی بادشاہت، قتبان اور سبا کی بادشاہتیں عرب کے جنوبی حصہ میں قائم ہوئیں جبکہ دیدان، لحیان، نبط، تدمور، حیرہ، کندہ اور غسان کی بادشاہتیں عرب کے مغربی اور شمال مغربی حصوں میں قائم ہوئیں۔ زمین کی زرخیزی اور پانی کی افراط ان عرب بادشاہتوں کے اپنے مقام پر قائم ہونے کی دو بڑی وجوہ تھیں۔ زیادہ تر ان کے دار السلطنت تجارتی مراکز بھی تھے۔ مشرق ومغرب کی تجارت انھیں کے ذریعہ رواں تھی جو ان کے لیے دولت وخوشحالی لائی۔ مکہ کی تجارتی بستی اور مدینہ کا نخلستان بادشاہتیں نہیں تھیں مگر علی الترتیب تجارت اور زراعت کے لیے بہت اہم تھیں۔ مکہ خصوصاً اپنے اندر سب سے بڑا مقدس مقام رکھنے کی وجہ سے مقبول تھا۔

وسطی مغربی عرب میں نظامِ عدل

سیاسی نظام خواہ سرداری کے تحت ہوتا یا بادشاہت پر قائم ہوتا اس کے تین عناصر تھے:

(۱) الہ یا الٰھہ جس کی تکریم حاکم اور عوام دونوں کرتے تھے۔

(۲) حاکم جو کاہن، ملک، امیر یا سید کہلاتا تھا۔ عوام کے لیے اس کی تابعداری اور امن وجنگ میں اس کے احکام کی تعمیل لازمی تھی۔

(۳) عوام دیوتاؤں کے اقتدار اور حاکم کے احکامات کے فرمانبردار اور اطاعت کیش تھے۔ سب سے قدیم تاریخی شہادت سے پتا چلتا ہے کہ عرب میں بادشاہتوں کے قیام سے پہلے مکربوں (مقرب کا مترادف) کی مذہبی حکومت تھی یہ کاہن، ملک تھے جو شاید ان علاقوں میں اللہ کے مبعوث انبیا کی نقل کرتے تھے۔ یہ تصور کیا جاتا تھا کہ ان کو الہام ہوتا تھا جس کی تعبیر وُہ اپنے عوام کے لیے کرتے تھے۔ وُہ خدا کے نائب تصور ہوتے تھے اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ القا کے تحت فیصلہ کرتے تھے۔[۲۱]

آسمانی الہام سے فیضیاب حاکم کاہن ملک کی حکومت کی نقل اندرونِ عرب کی سرداریوں اور جزیرہ نما کے جنوب وشمال مغرب کی بادشاہتوں نے کی۔ جنوبی اور شمالی عرب کی بادشاہتوں کے حاکموں کا اختیار کردہ لقب ملک تھا۔ یہ لقب اتنا پُروقار تھا کہ بعض قبائل کے سرداروں نے جو دراصل بادشاہ نہیں تھے اسے از خود اختیار کر لیا۔

علم صرف کی رُو سے لفظ ملک سامی زبانوں میں کونسلر یا مشیر کے مفہوم میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک، بادشاہ بننے سے پہلے اپنے قبیلہ میں جج (قضاۃ) تھے اور عوام اپنے تنازعات کے تصفیہ کے لیے ان کے سامنے پیش ہوتے تھے[۱]۔ ایسے حوالے مساوی طور پر ان پیغمبروں اور ججوں پر منطبق ہوتے تھے جن کا ذکر انجیل میں ہے جب ملک نے بادشاہ کے اختیارات اپنا لیے تب بھی اس نے اپنا اپنے عوام میں نظم و نسقِ عدل کا بنیادی فریضہ جاری رکھا اور ان کی رہنمائی و مدد کے لیے عدلیہ، مقننہ اور مشاورتی ادارے قائم کیے۔

عموماً قبائل میں سرداری اور بادشاہتوں میں شاہی موروثی تھی۔ سب سے بڑے بیٹے اپنے باپ کے جانشین ہوتے تھے۔ لیکن عملاً اہلِ قبیلہ نئے سردار یا بادشاہ کا تقرر محض وراثت کی بنا پر قبول نہ کرتے تھے۔ وہ اپنا اطمینان کرنا چاہتے کہ آیا ان کا نیا سردار یا بادشاہ ان خصائل کا حامل ہے جو دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی چراگاہوں اور آبرو کی حفاظت کے لیے ضروری ہیں۔ عامر بن طفیل نے اس تخیل کو چند اشعار میں مختصراً بیان کیا ہے[۳]۔ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ نامزدگی اور چناؤ کے اصول بھی اپنائے جاتے تھے۔

قانون ساز اور مشاورتی ادارے

یُوں معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی اور شمالی عرب کے بادشاہ اور سردار اہلِ خرد کا لحاظ کرتے تھے۔ انہیں خدائی اختیار حاصل نہ تھا کہ جس طرح چاہتے طاقت کا استعمال کرتے۔ ان کے پاس مشاورتی ادارے تھے جو ریاست اور عوام سے متعلق نازک مسائل کا فیصلہ کرنے میں مشورہ دیتے اور رہنمائی کرتے۔ یہ ممکن ہے کہ یہ انتظامات ان بادشاہوں نے کیے ہوں جو ان پیغمبروں کی وحی اور تعلیم پر ایمان رکھتے تھے جو ان کے درمیان پیدا ہوئے تھے۔

کتبے اور دیگر تاریخی شواہد ظاہر کرتے ہیں کہ جنوبی عرب کے بادشاہوں نے شیوخ کی مجلس کے زیر نگرانی حکومت کا ایک جامع طریقہ وضع کیا تھا[۴]۔ ان اداروں کا عام نام مزود تھا۔ معینیہ نے انھیں مزود ن معین کہا ہے اور قتبانیہ نے طبن اور سخن، نیز سبا نے عہر بھی کہا ہے۔ ان اداروں کے ارکان اپنے سماجی مرتبہ، نجابت خاندان و کردار اور انسانی مسائل میں عملی فراست اور بصیرت کی بنیاد پر نامزد کیے جاتے۔ وہ سرکردہ، ممتاز اور نامور لوگ ہوتے تھے۔ آج کی اصطلاح میں وُہ چیدہ ترین اور منتخب روزگار (صفواہ وغیرہ) ہوتے تھے جو عوام کی رائے عامہ کی نمائندگی کرتے اور حاکم کو سیدھے راستہ پر رکھتے۔ مذہبی بزرگوں کو ایسے اداروں میں نمائندگی دی جاتی۔ پیشہ ور انجمنوں کے نمائندوں (اصحاب الحرف والعمل) سے بھی مشورہ کیا جاتا۔

مشاورتی اداروں کے فرائض و مناصب میں ریاست کو درپیش پیچیدہ مسائل کا اندازہ لگانا اور تشخیص کرنا، حاکم کو نازک معاملات کا فیصلہ کرنے میں مدد دینا، ٹیکس اور زرعی واجبات کی تجاویز مرتب کرنا شامل تھا[۵]۔ جبکہ قانون ساز ادارہ مزود قانونی، عدالتی، انتظامی، اقتصادی، زرعی اور مذہبی معاملات میں قرار دادیں منظور کرتا جو

بادشاہ کو اس کی منظوری کے لیے پیش کردی جاتیں جس کے بعد وہ ملکی قانون بن جاتیں۔[19] غیر مذہبی بادشاہتوں میں منتخب روزگار اور دیگر مشاورتی اداروں سے وہاں مشورہ لیا جاتا ہو گا جہاں اعلیٰ نسب افراد ملوث ہوتے اور عام آدمی کے معاملہ میں حاکم کی اپنی رائے غالب رہتی ہو گی۔

مغربی جزیرہ نما عرب میں قائم ہونے والی بادشاہتیں بھی شیوخ کی مجلس سے رہنمائی حاصل کرتیں اور ان کے زیرِ نگرانی چلتیں۔ عرب کے اس خطہ کے بادشاہ اپنے مشاورتی اداروں سے مشورہ حاصل ہونے کے بعد فیصلے کرتے اور پالیسی مرتب کرتے۔ لحیانی خاندان کی مجلسِ شوریٰ کو حبل کہا جاتا تھا۔[17] ایک کتبہ اس وقار اور عزت کی بنا پر جو اسے حاصل تھی اس کو عظیم الشان مجلس (الاعلیٰ الشان) بیان کرتا ہے۔

تدمور نے رومن کونسل بزرگان کی طرز پر ایک مجلسِ شیوخ قائم کی تھی۔ یہ تدمور کے شرفا اور معززین پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ بڑی سماجی حیثیت کے مالک تھے۔ ان کو قانون سازی کا اختیار تھا۔ یہ مجلس ایک صدر اور ایک سیکرٹری کی سربراہی میں قائم تھی۔[18] معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ صرف ایک مخصوص طبقہ کے لوگوں تک محدود تھا۔ باقی عوام الناس کو شرفاء کی دانشمندی کا فائدہ نہیں پہنچتا تھا۔ ممکن ہے یہ مجالس حاکم خاندان کے حقوق اور مفادات کی حفاظت کے لیے قائم کی گئی ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصر، غستان اور کندہ کی بادشاہتوں میں کوئی مشاورتی ادارہ نہیں تھا اور ان خاندانوں کے بادشاہ ستمگری اور مطلق العنانی کی طرف مائل تھے۔[19]

مندرجہ بالا مباحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جنوبی اور مغربی عرب کی ان بادشاہتوں میں عدالتی فرائض عموماً ان ریاستوں کے مشاورتی اداروں کے ارکان ہی انجام دیتے تھے۔ تاریخ کے اس قدیم دور میں مقننہ اور عدلیہ کی علیحدگی کا تصور نہیں ہو سکتا تھا۔ شاہی مجلس کے ارکان معاشرہ کے مختلف طبقوں سے لیے گئے ممتاز اور سرکردہ افراد تھے۔ انھیں اپنے ان عوام کا مکمل اعتماد حاصل تھا جو اپنے تنازعوں کے تصفیہ کے لیے ان کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ سردار اور شیوخ جو قانون ساز بھی تھے تنازعوں کا فیصلہ قبائلی رسوم، رواج اور روایت کے مطابق کرتے تھے۔ اگر کسی فیصلہ کے دوران انھیں پتا چلتا کہ بدلے ہوئے حالات میں کسی خاص شعبۂ زندگی میں نیا قانون بنانے کی ضرورت ہے تو وہ ایک قرارداد منظور کر کے اور سردار یا بادشاہ کی منظوری حاصل کر کے یہ کام انجام دیتے۔

حجاز میں نظامِ عدل

حجاز میں حالات جنوبی اور مغربی عرب سے مختلف تھے۔ مکہ، یثرب اور طائف جیسے چند مقامات پر خانہ نشین آبادی (اہل المدر) پائی جاتی تھی اور بقیہ حجاز کے لوگ بدو (اہل الوبر) تھے۔ خانہ نشینوں میں نظامِ عدل بدوؤں کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ اور اعلیٰ تھا۔

بدوؤں میں سماجی نظام کی اساس قبیلہ تھا جو چند سو یا چند ہزار افراد پر مشتمل ہوتا۔ ایک قبیلہ اپنے آپ کو عموماً

مختلف نخلستانوں کے علاقہ سے وابستہ کر لیتا جو انھیں ضروری خوراک مہیا کرتا اور جسے وہ سنگین ناگہانی حالات میں ہی چھوڑتے۔

قبائل میں مقدمات کا تصفیہ

قبائلی نظام کے مجموعی خدّوخال کو دیکھتے ہُوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ قبیلہ کے درمیان معمولی مقدمات اور تنازعے عموماً مقامی سردار اپنی ہی سطح پر فیصل کر دیتے۔ وُہ قبائلی رسوم، رواج، روایت اور طریق سے بخوبی واقف ہوتے تھے، وُہ اپنی برادری کے قائد اور نمایاں افراد ہوتے تھے۔ اہلِ قبیلہ کو ان پر مکمل اعتماد ہوتا تھا اور وُہ بلا جھجک ان کے فیصلے قبول کرتے تھے۔

جہاں تک پُورے قبیلہ سے متعلق معاملات کا تعلق ہے مثلاً دیگر قبائل کے ساتھ جنگ یا بین القبائل سماجی و سیاسی تنازعے یا زیادہ پیچیدہ قبائلی معاملات تو ان کا فیصلہ شیوخ کی مجلس قبیلہ کے سردار کی سربراہی میں کرتی تھی۔ ہر قبیلہ کا ایک سردار (رئیس یا شیخ) ہوتا اور قبیلہ کے ممتاز اور نامور افراد پر مشتمل ایک شیوخ کی مجلس (مجلس الشیوخ یا نادی القوم) ہوتی تھی۔ قبیلہ کا سردار ایک افضل رکن ہوتا تھا جس کی سربراہی اس کی عمیق فکر و ذکاوت اور اس کے مشورہ کی سنجیدگی، رہنمائی کی اہلیت اور عوام کو دورانِ جنگ تحفظ دینے اور قبیلہ میں امن و امان قائم رکھنے کی صلاحیت کے باعث تسلیم کی جاتی۔[۲۰] جب کبھی کوئی اہم معاملہ فیصلہ طلب ہوتا تو وہ سردار کے سامنے پیش کیا جاتا جو مجلس کا اجلاس طلب کرتا۔ معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر بھرپور بحث ہوتی۔ ارکان کو اظہارِ رائے کی پُوری آزادی ہوتی۔ دونوں فریق کو سُننے اور معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کے بعد مجلس اپنی رائے قایم کرتی اور فیصلہ پر متفق ہوتی۔ آخر میں صدرِ مجلس فیصلہ کا اعلان کرتا۔ مجلس کا فیصلہ حتمی ہوتا جس کے خلاف عموماً کوئی اپیل نہ ہوتی۔ مقدمہ کے فریقین کو انھیں دلائل پر مقدمہ کو از سرِ نو شروع کرنے کی اجازت نہ تھی۔ مجلس قبیلہ کے چیدہ ترین اور منتخب روزگار افراد پر مشتمل ہوتی چنانچہ وہ اپنی قوم کے نمائندے تھے۔ اسی لیے ان کے متفقہ فیصلوں کو مستند سمجھا جاتا اور فریقین مقدمہ بخوشی انہیں قبول کرتے۔ زیادہ پیچیدہ سماجی و سیاسی مسائل پر مجلس قرار دادیں منظور کرتی اور آئندہ پیروی کے لیے ایک نئی سنّت اور نظیر قایم کرتی۔ اس حیثیت میں یہ مجلس، قانون ساز ادارے کا کام بھی سرانجام دیتی۔

اگر قبیلہ کا کوئی رکن مجلس کے فیصلہ کی تابعداری نہ کرتا یا قبیلہ کے فرد کا مجرمانہ طرزِ عمل دُوسروں کےلئے باعثِ ایذا ہوتا تو خاندان کے معاملات میں باپ اور قبیلہ یا بین القبائل معاملات میں سردار بڑے بڑے قبائلی اجتماعات جیسے حج یا عکاظ کے موقع پر اعلان کرتا کہ مجرم نے نقضِ عہد کر دیا ہے۔ اس کے بعد اسے باغی (خلیع) قرار دے دیا جاتا۔[۲۱] کسی بدو پر اس سے بڑی کوئی مصیبت نہ تھی کہ وُہ اپنے قبیلہ سے رشتہ کھو بیٹھے۔ کیونکہ بے قبیلہ فرد عملاً حمایت و حفاظت کے دائرے سے خارج تھا۔ ایک باغی کو ہر کوئی، یہاں تک کہ خود اس کے قبیلہ کا رکن بلا خوفِ سزا



صفا مروہ کا ایک منظر

قتل کر سکتا تھا۔

مکّہ کی شہری ریاست

مکّہ ایک بہت قدیم بستی ہے۔ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی جنھوں نے اپنی بیوی ہاجرہ کو مع اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کے مکّہ میں آباد کیا۔ جرہم کا قبیلہ یمن سے آیا اور وُہ بھی مکّہ میں بس گیا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی جرہم میں ہُوئی۔ اس کے بعد جرہم عرصہ دراز تک اس مقدس مقام پر بااختیار رہے۔ پھر یہ خزاعہ کے ہاتھ میں چلا گیا جن کے ساتھ بنو بکر بن عبد منات بن کنانہ شریک تھے۔ خزاعہ اور ان کے حلیفوں کو قصیّ بن کلاب نے نکال باہر کیا۔ بقول ابن قتیبہ، رومی شہنشاہ سیزر نے خزاعہ کے خلاف قصیّ کی مدد کی[۲۲]۔ قصیّ کے تعلقات بنو عذرہ سے تھے۔ اس کے باپ کلاب کی وفات کے بعد اس کی ماں فاطمہ بنت سعد نے بنو عذرہ کے ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی۔ چھوٹا بچّہ ہونے کے سبب قصیّ کو اس کی ماں بنو عذرہ کے علاقہ میں لے گئی جو شام کی سرحد پر تبوک کے نزدیک رہتے تھے۔ فاطمہ اپنے بڑے بیٹے زہرہ کو مکّہ میں اس کے لوگوں میں چھوڑ گئی تھی۔ بنو عذرہ غالباً بازنطینیوں کے زیر تھے۔ سنِ بلوغت کو پہنچ کر قصیّ مکّہ واپس آ گیا اس نے اپنے آدمیوں کو خزاعہ کے خلاف متحد کیا[۲۳]۔ بنو عذرہ سے اس کی رشتہ داری نے اسے سیزر سے مدد حاصل کرنے کا موقع دیا۔ بکھرے ہوئے قریش کے لوگوں کو متحد کرنے کے سبب قصیّ "جمع کرنے والا" (مجمعاً)[۲۴] کہلاتا۔ وُہ مکّہ کے سیاسی نظام کا سرخیل بانی تھا۔ اس نے قریش کو خانہ بدوشوں سے یک جگہ آباد برادری بنا دیا[۲۵]۔

ترقیاتی منصوبے

قصیّ بن کلاب نے مکّہ کے لیے ایک ترقیاتی منصوبہ بنایا۔ اس کی زمین کی حد بندی کی۔ اس کو ضلعوں میں تقسیم کیا اور اپنے لوگوں میں بانٹ دیا اس نے مکان بنانے کے لیے حرم کے درخت کاٹ ڈالے (ابن ہشام، سیرۃ، ایڈیشن قاہرہ، ج ۱، ص ۱۲۵) اس نے منتقل ہونے والے گھر (خیمے) جو وادیٔ مکّہ کے نواح میں حرم کے درختوں کے درمیان تھے گرا دیے اور لکڑی کے ستونوں اور چھتوں والے غیر منتقل اور مستقل گھر بنائے۔ اس نے قریش کو دو حصّوں میں تقسیم کیا:

قریش البطاح اور قریش الظواہر۔ (ابن سعد، طبقات، جلد اول، ص ۷۱۔ جواد علی، جلد چہارم، ص ۲۷)

البطاح

اس نے قریش کے سربراہ خاندانوں کو مستقل گھروں میں آباد کر دیا جو اس علاقہ میں بنائے گئے تھے جو بطاح

کہلاتا تھا (ایضاً) یہ بنو عبد مناف، بنو عبد الدار، بنو عبد العزّٰی، بنو عبد بن قصی، بنو زہرہ بن کلاب، بنو تیم بن مرہ، بنو مخزوم، بنو سہم، بنو جمح، بنو عدی، بنو حسل، بنو ہلال تھے (رسائل، الجاحظ، ایڈیشن صندوبی، مطبعہ رحمانیہ، ۱۹۳۳ء، ص ۱۵۶۔ المسعودی، مروج الذہب، ۱۹۵۸ء، ج ۱، ص ۵۸) وہ قریش میں سب سے مکرم اور معزز تھے (تاج العروس، ج ۲، ص ۱۲۵ زیر لفظ بطاح) انہوں نے اپنے آپ کو تجارت اور خدمتِ کعبہ میں لگا لیا اور دولت مند و خوشحال ہو گئے۔ مکہ سے باہر خصوصاً طائف میں ان کی جائدادیں تھیں۔ ان کے پاس اونٹ بھی تھے جنھیں خانہ بدوش چراتے (ابن الاثیر، الکامل، جلد دوم، صفحہ ۸۔ البلاذری، انساب، جلد اوّل، ص ۳۹)

ظواہر

باقی قریشِ مکہ کے اطراف میں آباد ہو گئے تھے اور ظواہر قریش کہلاتے تھے۔ یہ خانہ بدوش تھے اور خیموں میں رہتے تھے۔ ان کی تہذیب و ترقی مکہ کے مستقل علاقوں میں رہنے والے قریش سے کمتر درجہ کی تھی۔ وہ اپنی جنگجو یانہ صلاحیتوں پر فخر کرتے تھے اور مضافات میں رکھے گئے تھے تاکہ بطاح کے دولتمند اور حرم کعبہ میں رہنے والے قریش کی حفاظت کریں (جواد علی، جلد چہارم، ص ۲۸۔ تاج العروس، جلد دوم، ص ۱۲۵) وہ بنو معیص، تیم الادرم، الحارث بن فہر، بنو ہلال، بنو عامر تھے (البلاذری، انساب، جلد ۱، ص ۳۹۔ الطبری، تاریخ، جلد دوم، ص ۲۶۱)

احابیش

مکہ کی آبادی کا تیسرا گروہ احابیش کہلاتا تھا۔ یہ قریش کے وفاقی تھے۔ یہ مکہ کے زیریں اضلاع کی احابیش نامی وادی میں وفاق (تحالفوا) قائم کرنے کے لیے مجتمع ہو گئے تھے اور اسی وادی کے نام پر وہ احابیش کہلاتے تھے (ابن ہشام، کتاب سیرۃ رسول اللہ، ایڈیشن ڈاکٹر فرڈیننڈ وسٹنفیلڈ، گوٹنجن ۱۸۵۸ء، ص ۲۴۶، نئی طباعت مصطفیٰ البابی، مصر ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء، جلد اوّل، صفحات ۳۷۲۔۳۷۳ اور الازرقی، کتاب اخبار مکہ، وسٹنفیلڈ، جلد اول، ص ۱۷)

احابیش کی ابتدا سے متعلق مختلف نظریات گھڑے گئے۔ ایچ لامانس کا خیال ہے کہ وہ حبشہ کے سیاہ فام تھے جب قریش اپنی جنگی صلاحیتیں کھو بیٹھے تو انھوں نے احابیش کی ایک فوج ضروریاتِ جنگ کے لیے ملازم رکھی مع پیشیبان پیشہ ور بدوؤں کے جو قزاقوں سے قدرے بہتر تھے (ایچ لامانس، مقالہ

Les Ahabis et L Organization - militaire de la Macque, au sude de L' hegire, journal of Asiatic

۱۹۱۶ء، ص ۲۲۵-۸۲) اس کے نظریہ کو نہ تاریخی شواہد سے تقویت ملی ہے نہ دوسرے مستشرقین نے اسے قبول کیا ہے۔ منٹگمری واٹ (محمدؐ مکہ میں Excursus A، ص ۱۵۴-۵۷) نے

ابن ہشام، الواقدی اور الطبری سے احابیش کے متعلق بنیادی روایات کا حوالہ دے کر رائے ظاہر کی ہے کہ ہوسکتا ہے احابیش زیادہ تر بے قبیلہ لوگوں پر مشتمل رہے ہوں جو بعد میں دُوسرے قبیلوں کے حلیف بن گئے ہوں ۔ وُہ مکّہ کے قُرب و جوار میں ایک کمزور نیم قبائلی گروہ تھے مکّہ والوں کے سیاہ فام غلام احابیش سے جُدا تھے ۔ غلام اپنے آقاؤں کے ساتھ جنگ میں حصّہ لیتے اور اُحد میں ان کا ایک الگ گروہ تھا۔ غلام غالباً مکّہ میں رہتے تھے جبکہ احابیش مکہ سے دو دن کے سفری فاصلہ پر رہتے تھے ۔ لامانس کے شر انگیز تصور کہ مکّہ کی عسکری قوت کی بنیاد سیاہ فام غلاموں کی ایک فوج پر رکھی گئی تھی بے بنیاد ہے (ایضاً ص ۱۵۰)

جوّاد علی نے ایک اور نظریہ پیش کیا ہے اس کے مطابق بنو کنانہ تہامہ کے ساحلی علاقہ میں رہتے تھے جیسا کہ بطلیموس نے ذکر کیا ہے ۔ یہ علاقہ عرصۂ دراز تک حبشہ کے تحت رہا تھا اور حبشہ کے باشندوں اور بنو کنانہ کی مقامی آبادی خلط ملط ہوگئی ۔ غالباً بنو کنانہ کو حبشہ کی اطاعت شعاری اور ابتدا ز زمانہ میں اہلِ حبشہ کے ساتھ ازدواجی تعلقات کے سبب انھیں احابیش کا لقب دیا گیا ۔ مکّہ کے گرد و نواح میں آباد ہونے کے بعد ان کو کنانہ کے دوسرے خاندانوں سے ممیز کرنے کے لیے انھیں احابیش کہا گیا۔ گویا احابیش لازماً حبشہ کے سیاہ فام نہ تھے؛ وُہ عرب تھے ۔ ان میں سے بعض غلام تھے اور دُوسرے مکّہ والوں کے کرایہ کے فوجی تھے ۔ جواد علی نے اپنے نظریہ کو الطبری کے ایک متن سے تقویت دی ہے ؛ جب ابوسفیان اور قافلہ کے شرکاُ نے یہ کیا (رقم ادا کر دی) قریش اپنے احابیش اور دُوسرے اطاعت گزاروں کے ساتھ جو کنانہ قبائل سے تھے اور تہامہ کے ساتھ مل کر پیغمبرِ خدا سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے (جواد علی' جلد چہارم، ص ۳۴) جواد علی نے اپنے نظریہ کی مزید تائید اس شہادت سے کی ہے کہ احابیش قریش کی طرح بت پرست نہ تھے وہ خدا اور عیسائیت پر ایمان رکھتے تھے ۔ انھوں نے یہ مذہب افریقی ساحل کے مقابل تہامہ کے ساحلی علاقہ میں اپنے قیام کے دوران اختیار کیا (جواد علی، جلد چہارم، صفحہ ۳۳) یوں احابیش عربوں کا ایک آزاد گروہ تھے جو مکّہ کے اطراف میں رہتے تھے ۔ وہ بنو الحارث بن عبد منات بن کنانہ، الهون بن مدرکہ اور خزاعہ کے بنو المصطلق تھے (ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۲۴۵) وہ عرب کے مختلف مقامات مثلاً تہامہ اور عرب کے ساحلی علاقہ جو حبشہ کے بالمقابل تھا اور بنو کنانہ کا اصلی وطن تھا' سے اُٹھے تھے ۔

بیشک احابیش نے بطور اخلافِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگوں میں عملی حصہ لیا لیکن یہ تصور کرنا ایک بڑا مغالطہ ہے کہ وہ اصل عسکری قوت تھے یا قریش اور ان کے اتحادیوں سے بہتر تھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگوں میں ان کی نفری برائے نام تھی غزوۂ اُحد کے دوران تین میں سے ایک پرچم احابیش کے پاس تھا (الواقدی، کتاب المغازی، ص ۲۰۱) احابیش کا ابو عامر اہلِ مکّہ کے غلاموں کے ہمراہ پہلا شخص تھا جس کا سامنا دشمن سے جنگِ اُحد میں ہوا (ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۵۶۱) غزوہ الخندق میں قریش نے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کی جس میں کچھ احابیش' بنو کنانہ میں سے ان کے پیرو اور تہامہ کے لوگ بھی

شامل تھے (ایضاً ص ۳ ، ۶۷)۔

طلوعِ اسلام کے وقت ابن الدغنہ، احابیش کا لیڈر (سید) تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قریش مکہ نے بہت ستایا اور ہجرت سے پہلے بہت تکلیف پہنچائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے انہوں نے مکہ چھوڑ دیا دو دن کی مسافت کے بعد انہیں ابن دغنہ ملا۔ انہوں نے اس کی پناہ طلب کی (ایضاً ص ۲۴۵۔ تاج العروس، جلد نہم، ص ۲۰۰) الحلیس بن زبان جنگِ اُحد میں سید الاحابیش تھا (تاج العروس، جلد چہارم، ص ۱۴۰) اس نے ابوسفیان کو حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش مسخ کرنے پر ٹوکا اور ابوسفیان نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا (ابن ہشام، ص ۵۸۲) حدیبیہ میں قریش نے احابیش کے سردار الحلیس کو ایلچی بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ اسے دیکھتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ الحلیس نے دیکھا کہ مسلمان اپنے ہمراہ قربانی کے جانور لے کر آئے ہیں اور اپنے ارادہ میں مخلص ہیں کہ وہ حج ادا کرنے آئے ہیں اور وہ قریش کو نقصان پہنچانے کی کوئی نیت نہیں رکھتے۔ اس نے ایمان داری سے اپنی رپورٹ قریش کو پیش کر دی۔ قریش کے برا بھلا کہنے پر اس نے دھمکی دی کہ اگر قریش نے مسلمانوں کو حج نہ کرنے دیا تو وہ احابیش کی متحدہ فوج کے ساتھ قریش پر حملہ کر دے گا (ابن ہشام، صفحہ ۷۴۳۔ الطبری، جلد دوم، ص ۶۲۷، الحدیبیہ) فتح مکہ کے وقت احابیش نے مکہ کے زیریں علاقہ میں بنو بکر اور بنو حارث بن عبد مناۃ کے ساتھ مل کر جنگ میں حصہ لیا۔ یہ ان چند لوگوں میں سے تھے جنھوں نے مسلمانوں سے مقابلہ میں مقاومت کی اور خالدؓ بن ولید سے شکست کھائی۔ (الطبری، ج ۳، ص ۵۶، فتح مکہ)

بے انتہا تاریخی شواہد کے باوجود بعض ایچ لامانس وغیرہ مستشرقین نے یہ مفروضہ گھڑا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کرنے والے قریش جنگجو نہیں رہے تھے اور وہ بیشتر جنگی معاملات میں احابیش کی ایک فوج پر تکیہ کرتے تھے جو حبشہ اور دیگر سیاہ فاموں پر مشتمل تھی جن کے ساتھ کرایہ کے بدو تھے جو قزاقوں سے قدرے بہتر تھے (واٹ، محمدؐ مکہ میں، ص ۱۵۴) مستشرقین میں سے منٹگمری واٹ نے تاریخی مواد کو باریک بینی سے جانچا ہے اور اس پر مندرجہ ذیل تبصرہ کیا ہے:

ایچ لامانس نے ایک احمقانہ نظریہ اپنے مقالہ: Les 'Ahabis' et L'Organization: Militaire de la Mecque, au Siecle de L'higire. Arabie, pp. 237 -94 originally in journal Asiatique, 1916. میں پیش کیا ہے۔ لامانس کا نظریہ اور ماخذ کی من مانی تاویل دونوں غیر سائنسی ہیں۔ وہ اپنے من گھڑت مفروضات کے مطابق جس روایت کو چاہتا ہے مسترد کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قبول کرتا ہے۔ روایات کے رد و قبول میں اس کے پاس کوئی علمی اصول نہیں ہوتا (واٹ، ص ۱۵۴)

احابیش کے بارے میں واٹ اپنا نظریہ مندرجہ ذیل صورت میں پیش کرتا ہے:

کسی روایت سے یہ اشارہ نہیں ملتا کہ احابیش عرب نہ تھے بلکہ اکثر روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ

عرب تھے۔ قائل کرنے والے ایسے دلائل موجود نہیں جن سے ثابت ہو سکے کہ احابیش حبشی غلام تھے بلکہ اسے ناممکن ثابت کرنے کے بہت دلائل ہیں۔ متذکرہ جنگوں میں ان کی کوئی بنیادی اہمیت نہ تھی اگرچہ ان کی تعداد نے مسلمانوں کی مشکلات میں اضافہ کیا ہو۔ لامانس کا شرانگیز تصور کہ مکّہ کی عسکری قوت سیاہ فام غلاموں کی فوج پر استوار تھی بے بنیاد ہے۔ تاجر شہزادے جنگ کے گرویدہ نہیں تھے اور اسے ٹالنے کی کوشش کرتے لیکن اگر ضرورت ہوتی تو وُہ اپنی شجاعت کا خُوب مظاہرہ کرتے (ملاحظہ ہو واٹ، صفحات ۱۵۴ تا ۱۵۷) مستشرقین کی یہ تضاد بیانی اس کے مصداق ہے (اس کے اپنے خاندان کے ایک گواہ نے شہادت دی ؛ قرآن ۱۲ : ۲۶)

ایچ لامانس نے اپنے نظریات کی اشاعت بیسویں صدی کے پہلے ربع میں کی جس وقت یورپی عیسائی مسلمان دنیا کے بڑے حصّہ کو اپنی نوآبادیات بنا چکے تھے۔ مستشرقین یورپ کی اعلیٰ اسلحی اور عسکری قوت کے دور میں مسلم دنیا کی نظریاتی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے میں معروف تھے خصوصاً احابیش کے حوالہ سے ایچ لامانس کا "احمقانہ نظریہ" اور "شرانگیز تصور" اس کی بدنیتی پر مبنی ہے جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا راز اسلام کے ابدی پیغام اور خود آپؐ کی زندگی کے نمونہ میں نہیں بلکہ قریش کی کمزوری میں ہے جو جنگجو نہیں رہے تھے۔ بقول اس کے سیاہ فام غلاموں کی فوج جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے کے لیے آگے بڑھائی تھی کرایہ کی تھی اور جس کا اپنا کوئی مقصد نہیں تھا۔

جبکہ منٹگمری واٹ نے اپنے نظریات کی اشاعت بیسویں صدی کے تیسرے ربع میں کی جس وقت مسلم دنیا آزاد ہو چکی تھی اور عیسائی یورپ پسپائی اختیار کر چکا تھا۔ مسلم اور عیسائی دنیا کی بدلی ہوئی سیاسی صورت حال کے ساتھ مستشرقین کے نظریات میں کسی قدر بہتر تبدیلی کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے۔ افسوس! مستشرقین کے رویہ میں یہ کتنا تضاد ہے! ایک طرف وہ حقیقت پسندی کی دُھوم مچاتے ہیں اور دُوسری طرف خود ہی اس "تحقیقِ انیق" کو "احمقانہ نظریہ" اور "شرانگیز تصور" قرار دیتے ہیں۔ قرآن نے اس صورتِ حال کو کس خوبی سے بیان کیا ہے:

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝	ان کے دل کا بُغض ان کے مُنہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہُوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو۔

(قرآن ۳ : ۱۱۷)

یورپ و امریکہ کے مستشرقین یہود و نصاریٰ پر مشتمل ہیں۔ جن کی بالعموم دو قسمیں ہیں؛ ایک وُہ جنہوں نے اسلامی دین اور تاریخ کے اصل متون بڑی محنت سے ایڈٹ کر کے تشریحات کے ساتھ شائع کیے ہیں۔ ایسے مستشرقین کی مساعی قابلِ تعریف ہیں۔ دوسرے وہ جنہوں نے من گھڑت مفروضات کی تائید اور تقویت کے لیے اسلامی مصادر و ماخذ کی من مانی تاویل کر کے اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ دُوسرا گروہ مستشرقین ہے جن کے متعلق قرآن میں ذکر ہے۔

مندرجہ بالا تین گروہوں : قریش البطاح، قریش الظواہر اور احابیش کے علاوہ بنو خزاعہ اور بنو کنانہ جیسے لوگ بھی شامل تھے جو قریش سے قبل وہاں آباد ہو گئے تھے اور مکہ کی آبادی میں شامل تھے۔ مزید یہ کہ مکہ کے تاجروں نے تجارت اور گھریلو خدمت کے لیے بہت سے سیاہ فام غلام خریدے ہوئے تھے۔ وہ ان کے محافظ کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ حضرت حمزہؓ انھیں میں سے تھے ان کو ہند کے ایک وحشی غلام نے اُحد میں شہید کر دیا تھا۔ روم اور فارس کے جنگی قیدی بھی مکہ میں غلاموں کے بازار میں فروخت ہوتے تھے۔ یوں روم، فارس اور حبشہ سے آئے ہُوئے گورے اور کالے غلاموں کی زبانوں اور پیشہ ورانہ اصطلاحاتِ تجارت کے ایک دوسرے پر اثر سے انکار نہیں کیا جا سکتا (امام مسلم، صحیح مسلم، جلد دوم، ص ۱۸۹ ۔ ابنِ اثیر، اسد الغابہ، جلد پنجم، ص ۵۷۹) ابنِ کثیر "فوت من قسورة" (۷۴ : ۵۰) والی آیت کی تفسیر کرتے ہُوئے ابنِ عباس کا حوالہ دیتے ہیں اور روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس کے مطابق عربی زبان میں اسد حبشی میں قسورة، فارسی میں شیر اور نبطی میں اویا کہتے ہیں ۔ الاسد بالعربیہ و بالفارسیہ شیر و بالنبطیہ اویہ ویقال لہ بالحبشیہ قسورہ (ابنِ کثیر، تفسیر القرآن، قاہرہ ۱۹۵۶ء / ۱۳۷۵ھ، جلد چہارم، ص ۴۴۷)۔ یہ مسلّمہ امر ہے کہ گورے غلام خصوصاً رومی علاقوں کے غلام عام طور پر عیسائی تھے۔ اسی لیے قریش نے الزام لگایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کا پیغام انھیں غلاموں میں سے کسی نے سکھایا تھا۔ اس سلسلہ میں چند نام لیے جاتے ہیں:

جبر، بنو الحضرمی کا غلام (ابن ہشام، ص ۲۶۰)

بلعم لوہار، صفوان بن امیہ نطاس (الاغانی، جلد سوم، ص ۲۴۔ ابن ہشام، ص ۲۴۰)

صہیب الرومی (ابنِ ہشام، ص ۳۲۱)

قرآن نے بھی قریش کے عائد کردہ الزام کا حوالہ دیا ہے (قرآن ۱۶ : ۱۰۴، الفرقان : ۵) جو بالکل غلط، بے بنیاد اور گمراہ کُن تھا۔ قرآن اللہ کی طرف سے وحی ہے جو خدا نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی۔

تجارت اور کاروبار

قصی کے تشکیل کردہ سماجی اور سیاسی نظام نے تجارتی اور کاروباری سرگرمیوں کو مہمیز لگائی قبل ازیں مکہ حرم کے گرد صرف ایک حصار کی حیثیت رکھتا تھا۔ قریش اپنی روزی تجارت سے پیدا کرتے جو عام طور پر مکہ اور زیادہ سے زیادہ عرب کی حدود تک محدود تھی۔ شام، یمن اور دُوسرے ممالک کے تجار مکہ سے گزرتے ہُوئے وہاں کے لوگوں سے کچھ لین دین کر لیتے۔ قریش کچھ مال اپنے استعمال کے لیے خریدتے اور کچھ آپس میں اور مکہ کے نواحی قبائل میں فروخت کرنے کے لیے لیتے۔ ہاشم، قصی کا پوتا قریش میں پہلا شخص تھا جس نے شام کا تجارتی سفر کیا۔ شہنشاہِ روم نے اسے ایک پروانۂ امن دیا جو مکہ کے تاجروں کو امن و امان دینے کا ضامن تھا۔ ہاشم نے وُہ خط مکہ اور شام کے

درمیان تجارتی شاہراہ پر تمام قبائل کو دکھایا اور قریش کے تجارتی قافلوں کے لیے امان حاصل کی ۔ یہ غیر ملکی تجارت کے ساتھ قریش کی تجارتی وابستگی (ایلافِ قریش) کی ابتدا تھی (ثعلبی ثمار القلوب، جلد اوّل، ص ۸ ۔ جوّاد علی، جلد چہارم، ص ۷ ، ۶) جاحظ نے ایلاف کی اصطلاح کی اس معنی میں تشریح کی ہے کہ ہاشم نے قبائلی سرداروں کے ساتھ تجارتی راہوں پر معاہدہ کیا کہ لٹیروں (صعالیک) کے مقابلہ میں قافلوں کو سلامتی بہم پہنچائیں اور جرائم پیشہ (ذؤبان) کے خلاف امان دیں ۔ عرب بدوؤں کی ایک بڑی تعداد بطور رہنما محافظ اور ساربان ملازم رکھی گئی ۔ قریش ہر سردار کو تجارتی نفع میں سے ایک مقررہ رقم اس کے علاقہ میں سے بحفاظت گزرنے، پانی اور دیگر اشیاء کی فراہمی کے عوض دیتے تھے ۔ قریش کی مختلف شاخیں جو تجارتی قافلہ میں شریک ہوتیں ان کے سربراہوں پر وہ ایک ٹیکس عائد کرتا (جاحظ، رسائل الجاحظ، ایڈیشن صندوبی، صفحہ ۰ ۷) بقول الثعالبی، ہاشم نے یمن، حبشہ اور دیگر بادشاہوں سے موسم گرما کے دوران شام کی طرف تجارت کے لیے تحفظات حاصل کئے ۔ اس کے بعد عبدالمطلب، عبد شمس اور نوفل نے بھی تجارتی روابط اور تعلقات کے استحکام کے عمل کو جاری رکھا (ثعالبی، ثمار القلوب، ص ۱۱۵) ہاشم ان دو تجارتی سفروں کا بانی تھا جن کا ذکر قرآن میں " رحلة الشتاء والصیف " ہے (الطبری، جلد دوم، ص ۲۵۲ ۔ البلاذری، انساب، جلد اوّل، ص ۵۸ ۔ ابن سعد، طبقات، جلد اوّل، ص ۷۵ ۔ القرطبی، تفسیر، جلد ۲۰، ص ۲۰۵ ۔ سورۃ قریش، نویری، نہایۃ العرب، جلد ۱۶، ص ۳۳) ایک اور بیان کے مطابق یمن کے ساتھ تجارتی تعلقات عبد شمس نے اور عراق کے ساتھ نوفل نے قائم کیے (الطبری، تاریخ، جلد دوم، ص ۲۵۲ ۔ الیعقوبی، تاریخ، جلد اول، ص ۲۰۰)

طلوعِ اسلام سے نصف صدی قبل تک مکہ ایک مرفوع الحال تجارتی شہر تھا ۔ یہ ان تجارتی راستوں کے چوراہے پر واقع تھا جو یمن سے شام اور حبشہ سے عراق کی طرف جاتے تھے ۔ چاروں طرف سے قافلوں کے ذریعہ مال یہاں آتا تھا ۔ قریش نے ان راستوں کی تجارت پر تسلط حاصل کر لیا تھا ۔ مغربی اور وسطی مغربی عرب کے قبائل میں قریش کی قیادت مانی جاتی تھی ۔ انھوں نے مختلف قبائل کے بہت سے افراد کو اپنے تجارتی کاروبار اور لڑاکا دستوں میں ملازم رکھا ہوا تھا ۔ وہ حالات کا رُخ موڑنے کی اہلیت رکھتے تھے ۔ مختلف قبائل کے وفاق کی فوجی قوت سے جو انھوں نے اپنی تجارتی مہم جوئی کے دوران حاصل کی تھی حالات پر اثر انداز ہو سکتے تھے ۔ اس طرح خانہ بدوش قبائل مکہ کی تجارت میں شریک تھے اور انھوں نے جلد ہی پہچان لیا کہ ان کا مفاد کس طرح حاصل ہوتا ہے ۔ مکہ کی خوشحالی ان کی اپنی خوشحالی تھی، اور مکہ کا نقصان ان کا اپنا نقصان تھا ۔ مکہ کے سرکردہ لوگوں اور بعض قبائل کے درمیان ازدواجی رشتوں سے اور قبائلی سرداروں کے مکہ کی تجارتی کمپنیوں میں حصہ دار بننے سے بدوی عربوں کا مکہ کے ساتھ اتحاد کا احساس اور زیادہ شدید ہو گیا (واٹ، ڈبلیو منٹگمری، محمدؐ مکہ میں، آکسفورڈ پریس، ۱۹۶۸ء، ص ۱۱)

بلدیاتی نظام

آبادی کے مختلف گروہوں کو آباد کرنے کے بعد قصی نے اپنی حکومت قائم کی اور مکہ میں مذہبی بلدیاتی نظام کی تنظیم شروع کی۔ قصی کا گھر اس کی مسندِ حکومت تھا۔ تمام مدنی، فوجی، سماجی، تجارتی، مذہبی اور اہل مکہ کے خاندانی معاملات اس کے گھر پر طے ہوتے۔ قصی کا اقتدار اور حکومت قابلِ پیروی مذہب سمجھا جاتا۔ اس کے افعال اس کی قوم کے لوگوں کے لیے سنت بن گئے[۲۷] وہ حاکمِ مطلق تھا اور اس کا لفظ ہی قانون تھا[۲۸]۔ وہ پانچویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں حکومت کرتا تھا۔ وہ المنذر بن نعمان شاہ حیرہ اور بہرام گور ساسانی فارس کے بادشاہ (۴۲۰ - ۴۳۸ء[۲۹]) کا ہمعصر تھا۔

عدلیہ اور انتظامیہ کے اداروں کا قیام

انتظامیہ کو استوار کرنے، عموماً عوام کو اور بالخصوص حجاج کو سہولتیں فراہم کرنے کے لیے قصی نے کئی باتیں ایجاد کیں اور مندرجہ ذیل اہم ادارے قائم کیے:

الحجابہ: کعبہ کی مجاورت

اللواء: پرچم کا انتظام اور دورانِ جنگ اس کو لے کر چلنا۔

السقایہ: انتظامِ آب رسانی خصوصاً حجاج کی ضرورت کے لیے۔

الرفادہ: حجاج کے لیے خوراک کی فراہمی۔

الندوہ: مجلسِ شوریٰ۔

القیادہ[۳۰]: سیاسی امور میں قیادت۔

قصی خود مندرجہ بالا امور اور عہدوں کا مختار تھا۔ اپنی عمر کے آخری سالوں میں اس نے یہ تمام اختیارات اپنے سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو تفویض کر دئے تھے[۳۱] قصی کے چار بیٹے تھے:

عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ اور عبدقصی[۳۲]

قصی کی زندگی ہی میں عبدمناف نے نمایاں حیثیت اور بڑی عزت حاصل کر لی تھی[۳۳] عبدمناف کی مالی اور سماجی حیثیت اپنے بڑے بھائی عبدالدار کے مقابلہ میں زیادہ مستحکم تھی[۳۴] اس کا احساس ان کی ماں حبّیٰ کو بھی تھا۔ اس کا جھکاؤ اپنے بڑے بیٹے کی طرف تھا اور اسی کے اشارہ پر قصی نے اس کی حیثیت بڑھانے اور اس کے بھائی عبدمناف کے برابر کرنے اور اسے امتیازی مناصب سونپ کر مضبوط بنانے کا فیصلہ کیا تھا[۳۵]۔ کعبہ میں داخلہ کے لیے اس کی اجازت کی شرط عائد کر دی گئی کیونکہ حرم (الحجابہ) کی چابیاں اس کے پاس تھیں اور اعلانِ جنگ، میدانِ جنگ کی

طرف کوچ کرنے اور پرچم (اللواء) کے انتظامات وہی کرتا تھا۔ ہر شخص آب رسانی (السقایہ) کے لیے اسی پر تکیہ کرتا تھا۔ پانی مکّہ سے باہر مختلف کنوؤں سے اُونٹوں پر لاد کر لایا جاتا اور کعبہ کے صحن میں رکھے ہوئے چرمی حوضوں میں رکھا جاتا۔[۳۶] حجاج خوراک کی فراہمی (الرفادہ) کے لیے اس کے محتاج ہوگئے۔ یہ خوراک قریش کے اس سالانہ چندہ سے مہیا ہوتی تھی جو اس کے متولی کے پاس جمع کیا جاتا تھا۔ عدلیہ، انتظامیہ، سماجی اور خاندانی امور کے فیصلوں کے لیے جلسہ اس کی صدارت میں ہوتا تھا (الندوہ) یوں قصیّ کے جانشین کی حیثیت سے عبدالدار ان تمام فرائض اور امور کا مختار بن گیا جو قصیّ کے ہاتھ میں تھے[۳۷] جس سے اس کا درجہ غیر معمولی طور پر بلند ہوگیا۔

قریش کے درمیان سیاسی گروہ بندیاں

قصیّ کے کئے ہوئے جانشینی کے مندرجہ بالا انتظامات غالباً عرب میں مروّج بعض قبائلی سیاسی روایتوں کے مطابق تھے یعنی سب سے بڑا بیٹا باپ کی جگہ قبیلہ کا سردار ہو۔ لیکن ان خصوصی حالات میں جن میں مکہ کی تجارتی قوم وجود میں آئی محض قبائلی اصولِ توارث کے مقابلہ میں کسی شخص کی سیاسی جانشینی کی اہلیت کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ عبدمناف نے قصیّ کے فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا کیونکہ نہ کبھی اس کے فیصلہ پر اعتراض کیا جاتا تھا نہ اس کی کارروائیاں مسترد کی جاتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا کہ کم از کم عبدالدار اور عبدمناف کی زندگی میں ان کے درمیان کوئی تنازعہ نہیں اُبھرا۔[۳۸] وقت گزرنے کے ساتھ البطاح کے قریش میں مزید تفریق شروع ہوگئی۔

عبدمناف کے بیٹے (عبدشمس، ہاشم، المطلب اور نوفل) اپنے تایا اور اس کے بیٹوں کی بالادستی کو مزید برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے بنوعبدالدار سے سارے مناصب لے لینے کا فیصلہ کر لیا ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی اعلیٰ سماجی حیثیت اور اقتصادی خوشحالی کے باعث ان مناصب کے زیادہ حقدار ہیں جبکہ بنوعبدالدار اس کو ایک بڑی بے انصافی اور اپنے دادا قصیّ کے فیصلہ کی خلاف ورزی تصور کرتے تھے۔ مکہ دو متحارب حلقوں میں بٹ گیا اور دونوں ہی فریقوں کو اپنے اردگرد کے مختلف قبیلوں اور خاندانوں کی حمایت حاصل تھی۔ بنوعبدمناف نے اسد، زہرہ، تیم اور الحارث بن فہر کے ساتھ ایک وفاق بنا لیا جو مطیبون (خوشبو والے) کہلاتے تھے کیونکہ انھوں نے طیب (خوشبو) سے بھرے ایک پیالہ میں حلف اٹھایا تھا۔ بنوعبدالدار کے حلیف مخزوم، سہم، جمح اور عدی تھے۔ یہ گروہ احلاف (وفاق والے) کہلاتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قریش الظواہر کے عامر بن لوئی اور محارب غیر جانبدار رہے۔ صورت حال لڑائی کے قریب پہنچ گئی تھی لیکن بروقت ایک سمجھوتا ہوگیا جس کے مطابق بنوعبدمناف کو السقایہ اور الرفادہ کے حقوق دے دیے گئے جبکہ الحجابہ، اللواء اور الندوہ بنوعبدالدار ہی کے پاس رہے۔ یہ نظام طلوعِ اسلام تک جاری رہا۔[۳۹]

مکہ کی شہری ریاست میں نظامِ عدل

مکہ کی پیچیدہ تجارتی برادری میں مختلف سطح پر انصاف مہیا کیا جاتا تھا۔ قصیٔ نے مکہ کی حد بندی کی اور اسے متعدد اضلاع میں تقسیم کیا جو آبادی تھے لیے مختلف خاندانوں کو دے دئے گئے۔[۴۰] الازرقی نے مختلف خاندانوں اور متعدد اضلاع میں ان کے حلیفوں کے درمیان علاقوں کی نامزدگی کی تفاصیل دی ہیں۔[۴۱] تمام خاندان اپنے اپنے ضلعوں میں آباد ہو گئے۔ یہ آبادی مکی معاشرت کا مرکز بنی۔

عدلیہ کے ادارے

ضلعی کونسل[۴۲] (دارالاسرہ)

مکی آبادی کے ہر ضلع میں اپنا ادارۂ عدل تھا جو دارالندوہ کی طرز پر قائم تھا۔ دارالندوہ مکہ کی مرکزی اور سب سے بڑی عدالت تھی۔[۴۳] دارالعجلہ قدیم ترین ضلعی کونسل تھی جو سعید بن سعد بن سہم نے ضلع بنو سہم میں قائم کی تھی۔[۴۴] یہ مقامی کونسلیں مجلس الشیوخ یا نادالقوم کہلاتی تھیں۔ قرآن نے ایک مجلس کا حوالہ دیا ہے۔[۴۵] خاندان کے ممتاز اور اہم افراد اپنے اپنے ضلع میں امن و امان قائم رکھنے کے ذمہ دار تھے۔ خاندان کے افراد کے درمیان تمام تنازعے متعلقہ مجلس کے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔ منفرد اور ممتاز افراد فیصلے صادر کرتے، ستم رسیدوں کی شکایات دُور کرتے اور تنازعے طے کرتے۔

نظامِ عدل کا یہی طرز قریش الظواہر اور احابیش کے اضلاع میں بھی پایا جاتا تھا۔ ابن الدغنہ، حُلیس اور ابو عامر، احابیش کے سردار (سادالاحابیش) تھے۔ وہ ان کے معاملات کے مختار تھے اور اپنے اضلاع میں امن و امان قائم رکھنے اور ان کے اندرونی تنازعے طے کرنے کے بھی ذمہ دار تھے۔

مقامی ضلعی کونسل کے اراکین خاندانی اور اپنے ذاتی اوصاف کی بنا پر چُنے جاتے تھے۔ وہ اپنے عوام میں معزز اور ان کے معتمد ہوتے۔ وہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ با اثر اور طاقت والے ہوتے تھے۔ ان کے احکام کی تابعداری کی جاتی اور ان کے فیصلے نافذ ہوتے۔ مجرم اُن کے فیصلوں کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے اور ستم رسیدہ مطمئن ہوتے۔ خاندان کے کسی فرد کی سرتابی کی صورت میں پُورا خاندان اپنے سرداروں کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوتا اور مجرم ان کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جاتا۔[۴۶]

مجلسِ اعلیٰ (دارالندوہ)

مکہ کی شہری ریاست کی آبادی متعدد قبائل اور خاندانوں پر مشتمل تھی۔ ان میں قریش البطاح، قریش الظواہر،

احابیش، قدیم، بنوجرہم اور بنوخزاعہ تھے۔ ان میں سے کچھ خانہ نشین تھے اور بطنِ مکہ میں تعمیر شدہ مستقل مکانات میں رہتے تھے دوسرے اطرافِ مکہ میں خیموں میں رہنے والے بدو تھے۔ متمول تاجر پیشہ قریش البطاح اور خانہ بدوش الظواہر کا معیار تہذیب و تمدن ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھا۔ مختلف گروہوں کے نفسیاتی رویہ اور ذہنی رجحانات کی تشکیل ان مختلف حرفتوں اور پیشوں سے ہوئی جو انھوں نے اختیار کیے۔ مکہ کی آبادی ایک مذہب کی پیرو نہ تھی۔ متعدد گروہ متعدد مذہبی رجحانات سے وابستہ تھے۔ مزید برآں نئے قائم کیے گئے اداروں الحجابہ، الرفادہ، السقایہ، اللواء اور الندوہ کا تقاضا تھا کہ ان کی کارکردگی کی رفتار بڑھائی جائے اور ان میں ربط قائم کیا جائے۔ متذکرہ پیچیدہ سوسائٹی کے پیدا کردہ پیچیدہ سماجی، اقتصادی، سیاسی اور خاندانی مسائل کے تقاضوں نے ایک مرکزی ادارہ کے قیام کی ضرورت پیدا کی۔ مکہ کے شیوخ کی مجلس اعلیٰ (دار الندوہ) قصی نے اپنی صدارت میں قائم کی تھی۔[۴۸] ندوہ کے معنی قومی اجلاس کے ہیں اور دار الندوہ کا مطلب قومی جلسہ گاہ ہے۔ یہ ندو سے نکلا ہے۔ جب بھی انہیں کوئی سنگین مسئلہ پیش آتا وہ اس پر غور و خوض کے لیے قومی جلسہ گاہ میں جمع ہوتے۔[۴۹]

مجلسِ اعلیٰ کا طریقِ عدل

مجلسِ اعلیٰ کے سماعت مقدمات کے طریقۂ کار کے مطابق صرف وہ مقدمات سماعت کے لیے قبول ہوتے جو ضلعی کونسل کی سطح اور اختیار سے بالا ہوتے۔ مختلف خاندانوں کے عوام کے درمیان چھوٹے چھوٹے تنازعے مقامی کونسل کے دائرۂ اختیار میں تھے جو اسی سطح پر طے ہوتے تھے۔ مجلس اعلیٰ صرف وہ مقدمات قبول کرتی جو اجتماعی مفاد کے ہوں اور تمام مکی آبادی سے متعلق ہوں یا وہ معاملات جو اس کے امن کے لیے خطرہ یا اس کے مستقبل پر اثر انداز ہوتے ہوں۔[۵۰]

روایتی تفصیل کے مطابق قصی کا گھر قوم کا کونسل ہال تھا۔ قریش تمام سماجی، اقتصادی، سیاسی، تجارتی اور قانونی مقدمات مشورہ اور فیصلہ کے لیے وہیں لاتے تھے۔ مقدمات کے فیصلے، شادیوں کا انعقاد اور شکایات کا ازالہ یہیں ہوتا۔ بین القبائل مقدمات کی سماعت ہوتی اور مناسب کارروائی تجویز ہوتی۔ جنگ اور صلح کی صورتِ حال پر بحث ہوتی اور مناسب فیصلے کیے جاتے اور پرچم جنگ دیے جاتے۔[۵۱] سوداگری اور تجارت سے متعلق امور بھی یہاں زیرِ بحث آتے۔ مکہ کی تاجر برادری کے مشترکہ سرمایہ (جوائنٹ سٹاک) کے مسائل یہیں حل ہوتے۔ تجارتی قافلوں میں حصص کو آخری شکل ان کی آمد سے پہلے دی جاتی۔[۵۲] مختلف ممالک کے ساتھ تجارتی فروغ پر غور و فکر ہوتا اور قافلوں کی نقل و حمل، سلامتی اور حفاظت کی سہولتیں حاصل کرنے کے لئے ذرائع اور طریقے وضع کئے جاتے۔ سیاسی وفاق اور احلاف پر بحث ہوتی، قبائل کے ساتھ یمن سے شام اور حبشہ سے عراق کے تجارتی راستوں کے معاہدے طے پاتے۔

کثیر المقاصد ادارہ

مجلسِ اعلیٰ کے سامنے پیش ہونے والے مقدمات و معاملات اور ان پر بحث سے پتا چلتا ہے کہ دارالندوہ ایک کثیر المقاصد ادارہ تھا اور آج کی اصطلاح میں وہ مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے فرائض ادا کرتا تھا۔ وہ اپنے اسلاف کی روایات، رواج، رسوم اور دستور العمل کا محافظ تھا۔ جہاں قدیم روایات مددگار نہ ہوتیں یہ نئی روایات اور مثالیں قائم کرتا۔ اس لحاظ سے مجلس مقننہ کے طور پر کام کرتی۔ چونکہ اس کے اراکین اپنی قوم کے چیدہ ترین اور سربرآوردہ اشخاص تھے اس لیے ان کے فیصلے پوری قوم کے لیے لازمی تھے۔ ان کے احکام اور فیصلے بلا جھجک اور بارضا و رغبت تسلیم اور نافذ کیے جاتے۔ اس انداز سے مجلس انتظامیہ کے مقاصد پورے کرتی۔ عرب روایات کے پابند لوگ تھے اور اپنے بزرگوں کے متفقہ فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کرنا ان کی سرشت کا حصہ تھا۔ لہٰذا مجلس کا اوّلین فرض انصاف مہیا کرنا تھا۔

مجلسِ اعلیٰ کی ہیئت

دارالندوہ، پارلیمان اور ایوان نمائندگان ملأ اور سینٹ کہلاتے تھے۔ یہ مختلف خاندانوں کے سرداروں اور سرکردہ افراد پر مشتمل تھی۔ جنگِ بدر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار میں سے ایک شخص کو کہتے سُنا کہ اُنھوں نے بڈھے گنجے اشخاص کو مار ڈالا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور کہا "وہ ملأ تھے قریش کے زعماء۔"[۵]

سینٹ کے انتخاب کا کوئی مخصوص طریقہ مرتب نہیں تھا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح قریش نے یہ فیصلہ کرنے کا طریقہ دریافت کر لیا تھا کہ خاندان کے کون سے قابلِ ذکر افراد اہل تھے جنہیں سینٹ کے اجلاس میں شرکت کرنی چاہیے۔ خاندان کا اثر اور اس کے افراد کی ذاتی خصوصیات اشخاص کو سینٹ کے انتخاب کا اہل قرار دینے کے لیے ضروری تھیں۔ موروثی جائداد اور کاروباری تعلقات ایک فرد کے لیے نقطۂ آغاز فراہم کرتے مگر اس کے لیے فیصلہ کن عناصر اس کی ذاتی خصوصیات، تجارتی و مالی زیرکی، دوسرے خاندانوں اور قبائل اور بڑی طاقتوں کے نمائندوں سے روابط میں اس کی فراست، خاندان میں اپنے ہمسر کو قائل کرنے اور وسیع دائرہ میں اپنی رہنمائی منوانے کی اہلیت رکھتے تھے۔[۵] کسی طالع آزما کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی کہ وہ مسلّمہ معیار کو بالائے طاق رکھ کر بادشاہت قائم کرنے کی تمنّا کرے۔ عثمان بن الحویرث کی مثال مکی حکمتِ عملی کے عام رجحانات کی وضاحت کرتی ہے۔ اس نے بازنطینیوں سے گفت و شنید شروع کی کہ اسے مکہ میں بادشاہ بنا دیں، اور مدد کا وعدہ بھی حاصل کر لیا۔ عثمان کی تجویز کو اس کے اپنے قبیلہ کے ایک شخص الاسود بن المطلب ابوزمعہ نے مسترد کر دیا۔ عثمان، قریش میں قابل ترین آدمی نہ تھا اور قریش پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ رومیوں اور فارسیوں کے درمیان اپنی غیر جانبداری کی حکمتِ عملی سے تجاوز کریں۔[۵۵]

یہ قصی کا استحقاق تھا کہ اس کے تمام اخلاف اور ان کے حلیف سینٹ میں حاضری کے اہل تھے۔ جہاں تک

غیر قریش کا تعلق ہے مختلف خاندانوں کے صرف وُہ افراد سینٹ میں حاضری کے حقدار تھے جو کم از کم چالیس سالہ ہوں۔[۵۶] مورخین نے عمر کی بابت چند استثناً بھی قلمبند کیے ہیں جہاں خاندان کے کم عمر افراد نے اپنی غیر معمولی ذہانت، پختگی رائے اور فیصلوں کی معقولیت کا مظاہرہ کیا۔ ابُو جہل بن ہشام کو تیس سال کی عمر میں داخلہ کی اجازت ملی۔[۵۷] اور حکیم بن حزام پندرہ سال کی عمر میں سینٹ میں شامل ہوگیا۔[۵۸]

شہری ریاست کا دستور

مکہ کی شہری ریاست کی مجلس اعلیٰ کا دستور ان کے آباؤ اجداد کی روایت تھی؛ "ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک راہ پر پایا اور یقیناً ہم ان کے نقشِ قدم سے رہنمائی پاتے ہیں۔"[۵۹] بعض رہنماؤں کے قائم کردہ طرزِ عمل، فیصلے اور روایات کی بھی پابندی ہوتی۔ قصیّ ان میں سے ایک تھا۔ اس کے قائم کردہ نظائر کو قابلِ پیروی مذہب مان لیا گیا تھا۔ چنانچہ اپنے آباؤ اجداد کی روایات ہی سینٹ کے نزدیک حوالہ کے اعلیٰ ترین نکات تھے۔

مکہ کی شہری ریاست کی سینٹ اور ایتھنز والوں کی سینٹ کا مقابلہ کرتے ہوئے منٹگمری واٹ اظہارِ خیال کرتا ہے؛ "مکہ کی ملاء ایتھنز کی اکلیسیا کے مقابلے میں زیادہ دانشمند اور زیادہ ذمہ دار مجلس تھی۔ اور اس لیے کہ اس کے فیصلے خالصۃً ارکان کی اہلیت، استحقاق اور ان کی حکمتِ عملی پر مبنی ہوتے نہ کہ فنِ خطابت کی بنا پر جو قبیح کو حسین بنا کر پیش کرتی ہے۔"[۶۰]

حلف الفضول (انجمنِ انصاف)

دارالندوہ کے ادارہ کے ذریعہ انصاف تسلی بخش طور پر حاصل ہوتا تھا۔ یُوں معلوم ہوتا ہے کہ طلوعِ اسلام سے کچھ عرصہ قبل اس ادارہ کی اثر آفرینی کا معیار گر چکا تھا۔ متعدد جرائم میں مظلوموں کی شکایات کا ازالہ نہ ہوتا۔ عوام کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔ قتل عام ہونے لگے تھے اور متعدد قبائل ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار بند تھے اور ان کی لڑائیاں سالہا سال جاری رہتیں۔ الفجار کی چار لڑائیاں یکے بعد دیگرے ہُوئیں۔ چوتھی فجار البراض کہلاتی تھی۔ ہوازن کے عروۃ الرحال نے نعمان بن منذر کی لطیمہ کو اُجرت پر حاصل کیا۔ کنانہ کے البراض نے اس پر اعتراض کیا تھا۔ سخت گفتگو ہُوئی۔ البراض مناسب موقع کی تلاش میں رہا اور الرحال کو تیمان ذی طلال میں قتل کر دیا۔ یہ جنگ سب سے شدید تھی اور بقول ابنِ ہشام اور ابنِ سعد اس جنگ میں پیغمبرِ اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی بھی بیان کی جاتی ہے۔ ابنِ ہشام نے بیان کیا ہے کہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت چودہ یا پندرہ سال کے تھے جبکہ ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ وہ بیس سال کے تھے۔[۶۱] یہ تفاوت ایک ہی نام کی چار جنگوں کے سبب ہو سکتا ہے۔ پہلی لڑائی اس وقت ہُوئی جب وُہ چودہ سال کے تھے۔ یہ فجار کہلاتی تھی کیونکہ مجرم نے ماہ حرام کی حرمت توڑی تھی اور جرم کیا تھا یعنی البراض، قریش کا

ایک حلیف لطیمہ شاہی اُونٹنی کو چھین کر لے گیا اور اسے ذبح کر کے کھا گیا تھا۔ یہ جنگ قریش اور قیس کے قبائل کے درمیان ہُوئی تھی۔ قریش اور ان کے حلیف کنانہ کی فوج مندرجہ ذیل طور پر مرتب کی گئی تھی :

بنو ہشام کی قیادت الزبیر بن عبد المطلب کر رہے تھے اور بنو عبد شمس اور ان کے حلیفوں کی عکرمہ بن ہاشم، بنو اسد بن عبد العزیٰ کی خویلد بن اسد، بنو زہرہ کی مخرمہ بن نوفل، بنو تیم کی عبد اللہ بن جدعان، بنو مخزوم کی ہاشم بن المغیرہ، بنو السہم کی العاص بن وائل، بنو جمح کی امیہ بن خلف، بنو عدی کی زید بن عمرو، بنو عامر بن لوئی کی عمرو بن شمس، بنو فہر کی عبد اللہ بن الجراح، بنو بکر کی بلیع بن قیس، الاحابیش کی الحلیس الکنانی[۶۲] قریش کامیاب ہوئے اور قیس کو شکست ہُوئی۔

الفجار کی جنگوں کے علاوہ حجاج اور زائرینِ مکّہ کے خلاف کچھ اور جرائم بھی کئے جاتے تھے۔ العاص بن وائل نے یمن کے ایک زائر کے ساتھ سودا سلف کیا اور اس کا جائز حق ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ کوہِ ابو قبیس کی چوٹی پر چڑھ کر اس نے العاص کے جرم کے خلاف فریاد کی اور قریش سے مدد کی التجا کی[۶۳]۔ قریش کے معقول افراد پر اثر ہُوا اور انھوں نے اس قسم کے واقعات کی روک تھام کے لیے موثر طریقے تجویز کرنے، مظلوم کی مدد اور ظالم کی حوصلہ شکنی کرنے کا فیصلہ کیا۔ الزبیر بن عبد المطلب نے پہل کی اور دار الندوہ میں ایک اجتماع کا انتظام ہُوا جس میں مندرجہ ذیل نے شرکت کی :

بنو ہاشم، بنو عبد المطلب، بنو زہرہ، بنو تیم، بنو اسد اور بنو الحارث۔

انھوں نے اتفاق کیا کہ ظالم کے خلاف مظلوم کی حفاظت کی جائے۔ اس کے بعد وُہ عبد اللہ بن جدعان کے گھر کی طرف چل پڑے اور وہاں اُنھوں نے مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد کے لیے ایک وفاق قائم کیا[۶۴]۔ پھر اُنھوں نے آپس میں ایک معاہدہ کیا اور اقرار کیا کہ وہ مکّہ میں کسی شخص کو مظلوم نہ دیکھیں گے خواہ وہ شہر کا رہنے والا ہو یا باہر سے وہاں آیا ہوا ہو بلکہ وہ اس کا ساتھ دیں گے اور وہ اس کی مخالفت کریں گے جس نے اس پر ظلم کیا ہو حتی کہ اس کا ازالہ ہو جائے[۶۵]۔ یہ وفاق جو ۵۹۰ عیسوی میں قائم ہوا حلف الفضول کہلاتا ہے[۶۶]۔ ابن سعد بیان کرتا ہے کہ یہ ذوالقعدہ میں جنگِ فجار کے ایک ماہ بعد جو ماہِ شوال میں ہُوئی، قائم ہوا تھا[۶۷]۔

ادارہ کو مکّہ کے عقلمند اور منصف مزاج لوگوں کا تعاون حاصل تھا۔ تمام شرکاء ایسی بے غرضی اور دیانت داری سے اس کے لیے کام کرتے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں امن و امان قائم ہو گیا۔ ایک اہم واقعہ بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ السہیلی کا بیان ہے: خثعم خاندان کا ایک فرد عمرہ یا حج کرنے اپنی بیٹی القتول کے ساتھ، جو دنیا (عرب) کی حسین ترین عورت تھی، مکّہ آیا۔ نبیہ بن الحجاج، مکّہ کے ایک باشندہ نے اسے اغوا کر لیا اور اس کے باپ سے چھپا لیا۔ لڑکی کے باپ الخثعم نے اس شخص کے خلاف ایک عام فریاد کی۔ لوگوں نے اسے کہا کہ وہ حلف الفضول سے فریاد کرے۔ چنانچہ وہ کعبہ کے پاس کھڑا ہو کر چلّایا: "اے حلف الفضول کے اراکین! مدد" اور وہ تلواریں سونت کر بھاگتے ہوئے ہر طرف سے وہاں آ گئے اور بولے: "محافظ تیرے پاس آ گئے ہیں، کیا بات ہے؟" اس نے کہا: "نبیہ نے میری بیٹی کی وجہ سے مجھے نقصان پہنچایا ہے اور اسے زبردستی مجھ سے چھین لے گیا ہے۔" وہ اس کے ساتھ گئے اور اغوا کنندہ کے دروازہ پہ

پہنچے۔ وہ ان کے پاس باہر آیا۔ اُنھوں نے کہا، لڑکی نکالو، تم تباہ ہو، تم یقیناً جانتے ہو ہم کون ہیں اور ہم نے کیا قسم کھائی ہے؟" اس نے جواب دیا: "میں ایسا ہی کروں گا مگر مجھے آج کی رات اس کے ساتھ گزارنے دو۔" انہوں نے اس سے کہا: "خدا کی قسم! ہم تجھے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔" پس اس نے لڑکی ان کے حوالے کر دی۔[۴۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وفاق کے سرگرم رکن تھے۔ وہ اکثر فخریہ اس واقعہ کو یاد کرتے اور فرماتے: میں نے عبداللہ بن جدعان کے گھر پر حلف برداری میں حصہ لیا۔ اگر اسلام میں بھی اس وفاق کے نام پر مجھے مدد کے لیے پکارا گیا تو میں سُرخ اونٹوں (عرب کی سب سے قیمتی شے) کی قیمت پر بھی اس کا جواب دوں گا۔

حلف الفضول پر بحث تمام کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منٹگمری واٹ کی رائے کا حوالہ دیا جائے جو اس بات سے منکر ہے کہ یہ ناانصافی کے خلاف ایک عام انجمن تھی۔ وقیع تاریخی شہادت کے خلاف واٹ کا نظریہ قائم نہیں رہ سکتا۔ بے شک اس نے ایچ لامانس کے "احمقانہ نظریہ" اور "شرانگیز خیال" پر تنقید کی ہے کہ "کئی لوگ جنھوں نے محمدؐ کی مخالفت کی۔ جنگجو نہیں رہے تھے، اور فوجی معاملات میں حبشیوں اور سیاہ فام غلاموں پر مشتمل احابیش کی فوج پر بیشتر انحصار کرتے تھے، جس کی ریڑھ کی ہڈی کرایہ کے بدو تھے۔" یہاں حلف الفضول کے معاملہ میں ایک اور سیاق وسباق میں واٹ نے خود اس سے ملتا جلتا نظریہ قائم کیا ہے۔ اس کا قیاس ہے کہ ہاشم اور المطلب کمزور ہونے کے باعث ایک وفاق کے ضرورتمند تھے انھوں نے حلف الفضول بنو عبد شمس اور بنو نوفل، جو بغیر کسی وفاق کے گزر کرنے کے لیے کافی مضبوط ہو چکے تھے، کے خلاف اپنی اعانت کے لیے قائم کیا تھا۔"

اپنے مفروضہ کی تائید کے لیے واٹ نے دو واقعات کو اپنے حق میں معنی پہنائے ہیں۔ یعنی مطیبون اور احلاف کا اتحاد اور الحسین بن علی اور ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کا باہمی تنازعہ۔ دونوں واقعات واٹ کے نظریہ کے خلاف جاتے ہیں۔ مطیبون اور احلاف کا اتحاد اس وقت قائم ہوا جب بنو عبد مناف کا جھگڑا بنو عبدالدار سے اس بات پر ہوا کہ وہ بھی اپنے جدِ اعلیٰ قصیٰ کے قائم کردہ اختیارات و مناصب میں حصہ رکھتے تھے۔ یہ معاملہ ثالثی سے طے ہوا تھا اور بنو عبد مناف کو رفادہ اور سقایہ کے مناصب دے دئے گئے تھے۔ نوفل اور عبدالمطلب بن ہاشم کا وہ جھگڑا جس کا حوالہ واٹ نے دیا ہے (جس نے اس کے مطابق حلف الفضول قائم کرنے کی ضرورت پیدا کی) جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ فجار کے سلسلہ میں جس عبارت کا اقتباس دیا گیا ہے صاف ظاہر کرتا ہے کہ عبد شمس، نوفل، ہاشم اور المطلب کے خاندانوں نے اپنے دشمنوں کے خلاف بغیر آپس کی کشمکش اور افتراق ظاہر کئے ایک سخت متحدہ محاذ پیش کیا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بقول ابن سعد حلف الفضول کا وفاق الفجار کی جنگ کے بعد ایک مہینہ کے اندر قائم ہو گیا تھا۔" یقیناً وہ واقعہ جس کا حوالہ واٹ نے دیا ہے ان چند دنوں میں وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔

حلف الفضول میں الحسین بن علی کے الولید بن عتبہ بن ابی سفیان سے جھگڑے کا حوالہ قدیم حلف کا حوالہ نہ سمجھنا چاہئے۔ الحسین نے قدیم حلف الفضول کے نمونہ پر اتحاد قائم کرنے کی دھمکی دی تھی جو ظالموں کے خلاف مظلوموں کے تحفظ کے لیے

قائم کیا گیا تھا۔ الولید اپنا تنازعہ طے کرنے پر تیار ہو گیا تھا۔ کیونکہ اسے خوف تھا کہ اگر قدیم نمونہ پر حلف قائم ہو گیا تو وہ سخت مصیبت میں پڑ جائے گا۔" جواد علی نے اظہار خیال کیا ہے کہ الحسین کے حوالہ سے یہ اخذ کرنا ممکن نہیں کہ قدیم حلف الفضول اس وقت بھی زیر عمل تھا۔" مزید یہ کہ اگر حلف الفضول بنو امیہ کے خلاف بنو ہاشم کا سیاسی اتحاد تھا جیسا کہ واٹ نے خیال کیا ہے تو الحسین بن علی کی زندگی میں اس کا بہترین موقع وہ تھا جب ان کا سیاسی تنازعہ بنو امیہ سے ہوا تھا۔ یہ واضح ہے کہ الحسین نے اس نازک مرحلہ پر کبھی بھی حلف الفضول سے فریاد نہیں کی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واٹ کسی نہ کسی طرح اس عام رویہ کی حمایت کرتا ہے جو مستشرقین میں رائج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل از اسلام کی زندگی گمنامی کی زندگی ہے اور یہ کہ اُنھوں نے کسی اہم تاریخی معاملہ میں حصہ نہیں لیا چہ جائیکہ کسی ایسے وفاق میں حصہ لیا ہو جو خاص طور پر امن و امان قائم رکھنے اور مظلوم کو ظالم سے بچانے کے لیے وجود میں آیا ہو۔

تحکیم (ثالثی)

فریقین کے درمیان تنازعے طے کرنے کے جو طریقے اختیار کیے گئے ان میں سب سے اہم ثالثی تھا۔ جب فریقین کے درمیان تنازعہ ہوتا تو وہ اسے طے کرنے کے لیے ایک تیسرے شخص یا چند اشخاص کے حوالے کر دیتے جو حکم (ثالث) کہلاتے۔ ایک قدیم اور مقدس روایت کے تحت کسی معاملہ کو ثالثی میں دینے کی ابتدائی رضامندی میں یہ بات شامل تھی کہ حکم کا فیصلہ متعلقہ فریقین کے لیے قابلِ پابندی ہوگا اور اس کے خلاف کوئی نظرثانی یا اپیل کسی بھی خصوصی عدالت میں نہیں ہو سکے گی۔

ثالثی، جیسا کہ ہم نے دیکھا، قبل اسلام عرب میں انصاف کا ایک بہت اہم ادارہ تھا۔ قبیلہ کے اندر کے مقدمات ہمیشہ سردار کے پاس نہیں جاتے تھے۔ اکثر اوقات فریقین اپنے مقدمات کے تصفیہ کے لیے قبیلہ میں سے حکم چن لیتے اور ایسے حکم کے فیصلے تقریباً بلا استثناء قبول کئے جاتے۔ ایک حکم عام طور پر وہ شخص ہوتا جو اپنی خاندانی نجابت، کردار، عمر اور دانشمندی سے اپنے اہل قبیلہ کا اعتماد اور احترام جیت چکا ہو۔ بطور ثالث اس کا اہم فریضہ تھا کہ وہ عکاظ جیسے سالانہ میلوں میں جائے اور حرام مہینوں میں تمام قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدمات سنے اور انھیں موقع پر ہی نبٹائے اس کے احکام اور فیصلوں کا نفاذ کسی ایسی مقررہ مشینری کے ذریعے نہیں ہوتا تھا جو اس کے اپنے اختیار میں ہو بلکہ قبائلی اصول اخلاق کی قوت سے ہوتا تھا۔

بین القبائل تنازعوں میں روایتی قوانین کے تحت ضروری تھا کہ حکم کا تقرر برسرپیکار فریقین کے باہر سے ہو۔ قبائلی قواعد کی عام گرفت ہی ظالم کو ججوں کے سامنے لانے اور ان کے فیصلوں کی اطاعت کرانے کے لئے کافی تھی۔

ثالثی عرب کا ایک ہمہ گیر ادارہ تھا۔ عرب اپنے ثالثوں پر فخر کرتے تھے۔ چند قبائل ثالثی کے لیے بہت مشہور رہیں۔ مختلف قبائل کے بعض اہم ترین ثالث ان قبیلوں کے ناموں کے سامنے درج کئے جاتے ہیں:

تمیم[۶]	اکثم بن صیفی بن ریاح۔ حاجب بن زرارہ۔ الاقرع بن حابس۔
ابی عیینہ	ربیعہ بن مخاشن۔ ضمرہ بن ضمرہ التمیمی۔
قریش[۶]	الافعی بن الحصین۔ عیینہ بن حصن۔ حرملہ بن الاشعر۔
حریم بن قتیبہ	بشیر بن عبد اللہ۔ ابوسفیان بن حرب۔ ابی جہل بن ہشام۔ انس بن مکرک۔ ہاشم بن عبد مناف۔ عبد المطلب۔ ابوطالب۔ العاص بن وائل القرشی۔
کنانہ[۶]	ربیعہ بن حذار الاسدی۔ یعمر بن الشداخ الکنانی۔ صفوان بن امیہ۔ سلمہ بن نوفل۔
قیس	عامر بن الزریب العدوانی۔ غیلان بن سلمہ۔

الیعقوبی نے مختلف قبائل کے ثالثوں کی لمبی فہرست دی ہے۔[۹] چند خواتین کا بھی ذکر ہے جو ثالث مشہور تھیں[۰]۔ الافعی الجرہمی اولین ثالث بیان کیا جاتا ہے جس نے بنو نزر بن معد کی وراثت کے تنازعہ کا فیصلہ کیا[۱]۔ وہ الیمن کے صوبہ نجران کا رہنے والا تھا۔ اکثم بن صیفی کا نام و شہرت دور دور تک پھیلی۔ وہ شاہِ حیرہ نعمان بن المنذر کا مشیر تھا۔ وہ بادشاہ کو دیوانی اور فوجداری معاملات میں مشورہ دیتا تھا۔[۲] سرداران نجران، جُہَینہ، مُزَینہ، اسلم اور خزاعہ بھی اس سے رائے لیتے تھے۔[۳] ربیعہ بن مخاشن، تمیم کا مشہور ثالث اپنی اونچی نشست کے لیے معروف تھا جس پر بیٹھ کر وہ فیصلہ کرتا[۴]۔ عامر بن الزریب العدوانی، قیس کا شہرت یافتہ ثالث تھا۔ بڑھاپے میں اس نے اپنی قوم پر یہ ذمہ داری عائد کی تھی کہ اگر وہ بھٹک جائے تو اسے چھڑی سے ٹھوکا دے۔[۵]

حکم اپنے اعلیٰ اخلاقی معیار، فراست، ہوشمندی، علمی دانش اور تجربہ کی بنا پر عوام میں سے اُبھرتے۔ چنانچہ ان کی عزت معلّمینِ اخلاق کے طور پر کی جاتی۔ ان کے بعض فیصلوں اور تعلیمات نے عرب معاشرہ پر دور رس اثرات چھوڑے۔ عبد المطلب نے اپنے اوپر شراب پینا حرام قرار دیا تھا۔ ان کی بعض تعلیمات یہ تھیں:

ہم جدی رشتوں (المحارم) سے شادی کی ممانعت، چور کا ہاتھ کاٹنا، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت، شراب پینے اور زنا کی ممانعت، اور برہنہ حالت میں کعبہ کے طواف کی ممانعت۔[۶]

ان ممانعتوں کو الولید بن مغیرہ سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔[۷]

مندرجہ بالا ممانعتوں کو عرب میں نافذ العمل قوانین تصور نہیں کرنا چاہیے۔ دراصل یہ عبد المطلب اور الولید بن المغیرہ جیسے نیک دل اور ہوشمند افراد کے ذاتی افکار کا اظہار تھا۔ نہ تو یہ عام عربوں میں مقبول تھے نہ عوام میں مشتہر کیے گئے۔ بعض اشخاص نے انھیں رضا کارانہ طور پر قبول کر لیا ہو گا۔ ابنِ ہشام نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ دُوَیک نے کعبہ کا خزانہ چرا لیا یہ خزاعہ کے بنو مُلیح بن عامر کا شریک تھا۔ چوری کا پتا لگنے پر قریش نے دُوَیک کے ہاتھ کاٹ ڈالے۔[۸]

ثالث اپنے قبیلہ کے لیے باعثِ فخر تھے۔ ایک مشہور شاعر اپنے قبیلے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

(ترجمہ) "ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے یمن میں فلاخ کے علاقے میں ثالثی کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ ہم مجرم کو سزا دینے اور ستم رسیدہ کی شکایت دُور کرنے کے لیے معتبر ضمانت ہیں۔"[۸۹]

جریر اور الفرزدق کے نقائض میں اس شعر پر تبصرہ کرتے ہُوئے ابو عبیدہ کہتا ہے کہ پہلا مصرع یوں بھی بیان کیا جاتا ہے:

(ترجمہ) "ہم وُہ لوگ ہیں جنھوں نے عکاظ میں ثالثی کے فرائض انجام دیے ہیں۔"

ابو عبیدہ کہتا ہے:

"(جریر نے یہ الفاظ کہے) کیونکہ وہ ثالث تھے اور بنو تمیم کے عامر بن الزریب کے بعد مکہ میں حج کے افسر انچارج۔ ان میں سے ایک شخص حج کی صدارت کیا کرتا تھا اور دوسرا الحکیم کی صدارت کرتا۔ پہلا شخص جسے دونوں فرائض اکٹھے سونپے گئے سعد بن زید مناۃ بن تمیم تھا۔ طلوعِ اسلام تک یہ عہدہ انہی کے پاس تھا۔ محمد بن سفیان بن مجاشع عکاظ میں تحکیم کی صدارت کرتا تھا۔ اس خاندان کا آخری فرد جو اس عہدہ پر تھا اور جس نے زمانۂ اسلام پایا اقرع بن حابس بن عقال بن محمد بن سفیان تھا۔"

اسی طرح الفرزدق بھی اپنے قبیلہ کی شیخی بگھارتے ہُوئے لکھتا ہے:

(ترجمہ) "میرا چچا وُہ شخص تھا جسے معد (شمالی عرب کے باشندے) نے ثالث چُنا تھا اور اسے ارسن کے پاس ایک عادل جج کی خدمات انجام دینے کے لیے بھیجا تھا۔"[۹۰]

یہ چچا بنو تمیم، جس قبیلہ سے الفرزدق کا تعلق تھا، کا ایک مشہور قائد اقرع بن حابس تھا۔ اس شعر پر تنقید کرتے ہوئے ابو عبیدہ دورِ جاہلیت کے مشہور ثالثوں کے ناموں کا حوالہ دیتا ہے۔ الیعقوبی بیان کرتا ہے کہ ہر قسم کے مقدمات ثالثوں کے سامنے ان کی رائے اور فیصلہ حاصل کرنے کے لیے پیش ہوتے عموماً یہ سیاسی اور وراثت سے متعلق معاملات، پانی اور قتل کے تنازعے ہوتے تھے۔[۹۱] مفید اور بصیرت افروز ہوگا کہ بعض مشہور ثالثی مقدمات کی مثال دی جائے۔

قصیؐ نے خزاعہ سے کعبہ اور مکہ کے معاملات پر تسلط کے لیے جھگڑا کیا۔ خونریز جنگ کے بعد وہ ثالث کے ذریعہ جھگڑے کا تصفیہ کرانے پر راضی ہُوئے۔ ثالث کے لیے متفقہ طور پر مشہور ثالث یعمر بن عوف قرار پایا۔ معاملہ کے نسبی حقوق اور دیگر پہلوؤں کا جائزہ لے کر اس نے قصیؐ کے حق میں فیصلہ دیا۔ جہاں تک ان لوگوں کے خونبہا کا تعلق ہے جو خزاعہ اور بنو بکر کے ہاتھوں مارے گئے اس نے فیصلہ سنایا کہ تمام خون اس کے پاؤں تلے روند دیا گیا۔ اس فیصلہ کی وجہ سے وہ الشداخ کہلایا۔[۹۲]

بنو تمیم کو تفویض ہونے سے پہلے ثالثی کا منصب ایک شخص عامر بن ذریب کے پاس تھا۔ وہ قدیم تاریخ میں ایسا حکم (ثالث) مشہور ہے جس کے سامنے ہر قسم کے تنازعے، فوجداری اور دیوانی فیصلہ کے لیے پیش ہوتے۔ وضاحت

کے لیے یہاں صرف ایک مثال دی جاتی ہے ؛

ایک مرتبہ ایک مخنث کی وراثت کا مقدمہ اس کے سامنے فیصلہ کے لیے پیش ہوا۔ وہ سخت مشکل میں تھا کہ کیا کرے کیونکہ نہ وہ اس کو ایک مرد کا حصہ دے سکتا تھا نہ عورت کا۔ سوچ بچار کے لیے اس نے مقدمہ ایک دن کے لیے ملتوی کر دیا رات کو وہ اپنے بستر میں بے چین لیٹا ہوا اسی مسئلہ پر غور کر رہا تھا اس کی ایک خادمہ سخیلہ تھی جو اس کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتی۔ جب اس نے اپنے آقا کو اس ذہنی کرب کے حال میں دیکھا تو اس نے وجہ پوچھی۔ عامر نے ہچکچاتے ہوئے اسے مشکل بیان کی۔ اس نے کہا "واہ! یہ تو آسان ہے۔ اس شخص کو پیشاب کرنے کے لیے کہو، اگر وہ مردانہ عضو استعمال کرے تو اسے مرد سمجھو اگر وہ زنانہ عضو استعمال کرے تو اسے مؤنث جانو۔ عامر اس ترکیب سے بہت خوش ہوا اور اگلی صبح اس نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔[۹۳]

جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پینتیس سال کی عمر کو پہنچے تو قریش نے کعبہ کی تعمیر نو کا فیصلہ کیا۔ حرم کی تعمیر کے دوران جب وہ ایک مقام پر پہنچے جہاں حجر الاسود دیوار میں نصب کیا جانا تھا تو قریش اس تقریب کی سعادت حاصل کرنے پر جھگڑ پڑے۔ بنو عبدالدار نے خون سے بھرے پیالہ پر عہد کیا جو کہ لاعقۃ الدم کہلاتا ہے اور اعلان کیا کہ اس تقریب کی بجا آوری ان کا استحقاق ہے۔ اس نازک مرحلہ پر ایک معمر شخص ابوامیہ بن المغیرہ کی تجویز پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو متفقہ طور پر ان کا ثالث مقرر کر لیا گیا۔ انہوں نے ایک کپڑا طلب کیا، پتھر اس پر رکھا اور مختلف خاندانوں کے سرداروں سے اسے دیوار تک لے جانے کے لیے کہا۔ جب وہ اس جگہ پہنچ گئے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس طرح قریش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے پوری طرح مطمئن ہو گئے۔[۹۴]

دراصل ایسی مثالیں حسب منشاء پیش کی جا سکتی ہیں کیونکہ مختلف قبیلوں میں متعدد حَکم (ثالث) تھے جو وقت کی عدالتی ضرورت کا حصہ پوری کرتے تھے۔

کہانت

اس دور کا دوسرا اہم ادارۂ انصاف کہانت تھا۔ عموماً وہ تنازعے کاہنوں کے پاس لائے جاتے جن میں کوئی پیچیدہ اخلاقی مسئلہ درپیش ہوتا یا وہ مسائل جن میں کافی شہادت دستیاب نہ ہوتی جس میں فریقین کے درمیان سرداروں یا حَکم کے ذریعہ پُرامن رضامندی ناممکن معلوم ہوتی۔ عام طور پر کاہن کو سردار یا حکم کے مقابلہ میں لوگوں کی طرف سے زیادہ عزت حاصل ہوتی کیونکہ وہ ایک مسلسل اور مستقل فرض ادا کرتے اور اس لئے بھی کہ ان کے گرد تقدس کا ایک ہالہ ہوتا اور روحانی طاقتوں سے ان کا تعلق متصور ہوتا۔ رات کے وقت ان کو خواب آتے جو ان پر مستقبل اور دیگر واقعات اور باتیں ظاہر کرتے جو ایک عام انسان سے پوشیدہ ہوتیں۔[۹۵] ان کا فیصلہ ایک طرح سے خدائی فیصلہ تصور ہوتا جس کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ خوابوں کی تعبیر بھی بتاتے، گمشدہ اونٹوں کا پتا لگاتے، زنا کے

مقدمات کا فیصلہ کرتے اور دیگر بڑے اور چھوٹے جرائم خصوصاً چوری اور قتل وغیرہ واضح کرتے۔

وہ تنازعہ جو عبدالمطلب کے زمانہ میں چاہِ زمزم کی دریافت سے پیدا ہوا ایک اہم مقدمہ ہے جسے مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے جس میں تصفیہ کے لیے بنوسعد حزیم کی ایک کاہنہ پر اتفاق ہوا۔ عبدالمطلب نے اپنے مخالفین سے کہا:

"اپنے اور میرے درمیان جسے چاہو ثالثی کے لیے مقرر کر لو۔"

اُنھوں نے بنوسعد حزیم کی کاہنہ کا نام تجویز کیا۔ عبدالمطلب نے ان سے اتفاق کیا اور وُہ اسے ملنے کے لیے شام کی سرحد کے نزدیک ایک جگہ کی طرف چل دیے۔ بقول علیؓ بن ابی طالب فریقین نے کاہنہ کی طرف جاتے ہوئے راستے ہی میں اپنا تنازعہ چُکا لیا اور مکّہ واپس آ گئے۔[۹۶] عبدمناف کا بیٹا ہاشم اپنی سخاوت اور قحط کے دوران مکہ والوں کو شوربہ میں بھیگی روٹی (ثرید) کھلانے کے لیے بہت مقبول تھا۔ امیہ بن عبدشمس ایک دولتمند آدمی تھا اس کے باوجود وہ مقبول نہ تھا اور ہاشم سے حسد کرتا تھا۔ ان کی آپس کی منافرت نے مبارزت کی شکل اختیار کر لی جس کا فیصلہ خزاعہ کے کاہن کے سپرد کیا گیا۔ مبارزت کی شرائط کے مطابق کاہن نے ہاشم کے حق میں فیصلہ دیا اور امیہ کو دس سال کے لیے جلاوطن ہو کر شام جانا پڑا۔[۹۷]

گو امیہ ایک طاقتور قبائلی سردار اور شریف النسب تھا لیکن کاہن کے فیصلہ نے اسے اپنا قبیلہ چھوڑنے اور دس سال کے لیے جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاشرے کے بالاترین اور پست ترین افراد میں کاہنوں کی بڑی عزت اور دبدبہ تھا۔

عرّاف، عرّافہ

قسمت کا حال بتانا ان ذرائع میں سے ایک تھا جو مقدمات کو فیصل کرنے کا فرض ادا کرتے۔ پیچیدہ نوعیت کے معاشرتی اور مذہبی معاملات عرّاف یا عرّافہ کے سپرد کیے جاتے۔ چاہِ زمزم کی دریافت نو پر عبدالمطلب نے محسوس کیا کہ اس کا خاندان بہت چھوٹا ہے۔ اس نے قسم کھائی کہ اگر اس کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے اور وہ سنِ بلوغت کو پہنچے تو وہ ان میں سے ایک کو کعبہ پر قربان کر دے گا۔ اس کی خواہش پُوری ہُوئی اور اس نے اپنے دس جوان بیٹوں کے اجتماع میں ان کو اپنی قسم کی بابت بتایا۔ اُنھوں نے اس کی قسم پر سرِ تسلیم خم کیا۔ استخارہ کے تیر پھینکے گئے جو اس کے سب سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے عبداللہ کے نام پڑے۔ وہ عبداللہ کے ساتھ اپنے ہاتھ میں چھری لیے بتوں کی طرف چل دیا تاکہ اپنی قسم پُوری کرے۔ اُس کے بیٹے اور قریش کو یہ پسند نہ تھا کہ وُہ اپنے بیٹے کو قربان کرے۔ اُنھوں نے اسے کہا کہ وہ اپنا مقدمہ حجاز (مدینہ) میں ایک عرّافہ کو پیش کرے۔ عبدالمطلب نے عرّافہ کو خیبر میں پا لیا۔ اس نے مقدمہ کی تفصیل سُننے کے بعد ان کو اس وقت تک انتظار کرنے کی ہدایت کی جب تک اس کے پاس رُوح آئے۔ دُوسرے دن اس نے فیصلہ سُنا دیا کہ خونبہا (دیت) ان کی مشکل کا حل تھا۔ دس اونٹ خونبہا تھا مگر اس کے فیصلہ کے مطابق عبدالمطلب کو

اس وقت تک استخارہ کے تیر عبداللہ اور دس اونٹ کے لیے پھینکتے جاتا تھا جب تک کہ تیر اونٹوں کے نام نکلیں۔ دسویں مرتبہ تیر اونٹوں کے نام پر نکلے جن کی تعداد اس باری تک سو تک پہنچ چکی تھی۔ اپنی قسم کی قبولیت کی تصدیق کے لئے عبدالمطلب نے تین مرتبہ تیر پھینکے جو اونٹوں کے نام نکلے جنہیں عرّافہ کے فیصلہ کے مطابق قربان کر دیا گیا۔[۹۸]

سالانہ میلوں پر انصاف

بدوی عربوں میں ذاتی انصاف اور بدلہ کا احساس بہت شدید تھا۔ ان میں سے پست ترین درجہ کے فرد کو ضرر پہنچایا جاتا تو وہ بھی انصاف کا طلبگار ہوتا۔ اور ظالم فریق خوب جانتا تھا کہ اگر مظلوم کو اس کا حق نہ ملا تو وہ بدلہ لینے کے لئے اپنی جان تک دے ڈالے گا۔ اصولاً مظلوم کا نزدیک ترین رشتہ دار بدلہ لیتا۔ پانچویں پشت تک خاندان کے مرد افراد قاتل اور اس کے اعزّہ سے بدلے کا حق رکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مقتول کا خون "ایک اُلّو کی شکل میں روتا ہے اور اس کی تسکین قاتل کے خون کے بغیر نہیں ہو سکتی"۔ اس صورت حال نے باہمی احترام بڑھانے میں مدد کی۔ اسی وجہ سے جب کوئی فیصلہ سُنایا جاتا تو ظالم کو اس سے احتراز کی گنجائش نہ ہوتی۔

عرب معاشرہ میں سالانہ میلے بھی عدلیہ کے اداروں میں سے تھے۔ الیعقوبی نے ایسے دس میلوں کی فہرست دی ہے جو مختلف مہینوں میں عرب کے مختلف مقامات پر لگتے تھے۔[۹۹] دومۃ الجندل، المشقر، الھجر، سُہر، الشھر، عدن، صنعاء، الربیہ، حضرموت، عکاظ، ذوالمجاز۔ ان سب میں مشہور اور بڑا میلہ عکاظ کا تھا۔ میلہ کی اور سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ انصاف کی فراہمی اس کے بڑے مقاصد میں شامل تھی۔ روایتی طور پر ثالثی اور اس کی صدارت بنو تمیم کے پاس تھی۔

جواد علی نے بنو تمیم میں سے ججوں کے مندرجہ ذیل نام دئے ہیں:

سعد، حنظلہ، ذوئیب، مازن، ثعلبہ، معاویہ، سلسل، سفیان۔[۱۰۰]

عکاظ کے ججوں کے سامنے پیش ہونے والے مقدمات کی نوعیت اور حدود بہت وسیع تھیں۔ یہ ذوالقعدہ کے مہینے میں منعقد ہوتا جب جنگ اور یورش کی ممانعت تھی اور میلہ کے راستے محفوظ ہوتے مختلف علاقوں کے مقدمات کے فریق میلہ کی آمد کا انتظار کرتے اور اپنے تنازعوں کا تصفیہ کرانے کے لیے طویل سفر طے کرتے۔ مشاعرے بھی منعقد ہوتے اور جج ان مشاعروں کی صدارت کرتے جن میں سال کے بہترین شاعر کا فیصلہ ہوتا۔[۱۰۱] وضاحت کے لیے ایک مقدمہ پیش کیا جاتا ہے جو بظاہر عکاظ کے میلے میں ایک جج نے فیصل کیا:

امام بخاری نے صحیح بخاری باب القسامہ فی الجاھلیۃ میں روایت درج کی ہے کہ خاندان بنو ہاشم کے ایک شخص (عمرو بن علقمہ بن المطلب بن عبدمناف) کو خداش نامی ایک شخص نے جو قریش کی ایک دوسری شاخ سے تھا اُجرت پر ملازم رکھا تاکہ اس کو اپنے ہمراہ چند اونٹوں کا نگران بنا کر شام لے جائے، راستہ میں بنو ہاشم کے ایک اور شخص کا اس ملازم کے پاس سے گزر ہوا جس کے اُونٹ کی رسّی ٹوٹ گئی تھی اس نے ملازم سے درخواست کی کہ اسے اونٹ باندھنے

کی رسّی دے تاکہ اس کا اُونٹ بھاگ نہ جائے۔ ملازم نے اسے رسّی دے دی جس سے اس نے اپنا اونٹ باندھ لیا۔ جب ملازم کا قافلہ ایک جگہ اُترا تو انھوں نے سب اونٹ باندھ دیئے مگر ایک اونٹ پھرتا رہا۔ آجر نے ملازم سے پُوچھا: اس اونٹ کا کیا معاملہ ہے؟ دُوسرے اونٹوں میں اسے کیوں نہیں باندھا گیا؟ اس نے جواب دیا کہ اس کی رسّی نہیں۔ آجر نے پُوچھا: اس کی رسّی کہاں ہے؟ پھر اس نے اپنی چھڑی اس کی طرف پھینکی جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ دریں اثنا اہلِ یمن میں سے ایک شخص اس کے پاس سے گزرا ملازم نے اس سے پُوچھا، کیا تم حج پر جاتے ہو؟ اس نے کہا: شاید کبھی جاؤں۔ ملازم نے کہا: کیا تم کبھی میرا پیغام پہنچا سکو گے؟ اس نے کہا: ہاں۔ ملازم نے کہا: جب کبھی تم حج پر جاؤ تو آلِ قریش کو پکارو، جب وہ تمہارے جواب پر حاضر ہوں تو ان میں سے بنو ہاشم کو پکارو، جب وہ حاضر ہوں تو ابو طالب کے متعلق دریافت کرو۔ پھر اسے بتاؤ کہ فلاں شخص نے مجھے ایک رسّی کے بدلے قتل کر دیا ہے اور میری موت واقع ہوگئی ہے۔ اس کے بعد جب آجر مکہ آیا ابو طالب نے اس سے اپنے آدمی کے بارے میں پُوچھا۔ اس نے بتایا: وہ بیمار پڑ گیا تھا میں نے اس کی خوب تیمار داری کی مگر وہ مرگیا اور میں نے اسے دفنا دیا۔ ابو طالب نے کہا: تجھ سے یہی امید تھی۔ اس پر ایک مدت گزر گئی پھر جس شخص کو وصیت پہنچانے کے لیے کہا گیا تھا حج پر آیا اس نے آلِ قریش کو پکارا وہ حاضر ہوئے اس نے آل بنی ہاشم کو پکارا وہ حاضر ہوئے اس نے پوچھا ابو طالب کہاں ہے؟ انھوں نے کہا: ابو طالب یہ ہے۔ اس نے بتایا فلاں شخص نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اس کا پیغام تجھے پہنچا دوں کہ فلاں شخص نے ایک رسّی کے بدلے اسے قتل کر دیا ہے۔ ابو طالب اس کے پاس گیا اور کہا چاہو تو تین شرائط میں سے ایک مان لو۔ اگر تم نے ہمارے آدمی کو قتل کیا ہے تو اس کی سَو اُونٹ دیت ادا کرو اگر تم چاہو تو تمہاری قوم کے پچاس آدمی حلف اٹھائیں کہ تم نے اسے قتل نہیں کیا۔ اگر تم اس کا بھی انکار کرو تو ہم تمہیں اس کے بدلے قتل کریں گے۔ وہ اپنی قوم کے پاس آیا۔ انھوں نے کہا، ہم حلف اٹھائیں گے۔ بنو ہاشم کی ایک عورت (زینب بنت علقمہ، اخت مقتول) ان میں سے ایک شخص کی بیوی تھی اس کے ایک لڑکے کو جنم دے چکی تھی ابو طالب کے پاس آئی اور کہا اے ابو طالب! پچاس حلف اٹھانے والوں میں سے میرے اس بیٹے (حویطب) کو مستثنیٰ قرار دے دے (رکن اور مقام کے درمیان) جہاں حلف لیے جاتے ہیں اس سے حلف نہ لیا جائے۔ ابوطالب نے ایسا ہی کیا۔ پھر ان میں سے ایک اور شخص آیا اس نے کہا اے ابو طالب! تم چاہتے ہو کہ سَو اونٹوں کے بدلے پچاس آدمی حلف اٹھائیں ہر آدمی کے بدلے دو اونٹ آتے ہیں یہ رہے دو اونٹ، انھیں قبول کیجئے مجھے حلف سے مستثنیٰ قرار دیجئے۔ ابو طالب نے قبول کر لیے۔ اڑتالیس آدمی آئے اور حلف اٹھایا۔[۱۴] زبیر بن بکر کے مطابق دونوں فریقوں نے اپنا مقدمہ ولید بن مغیرہ کے سامنے پیش کیا جس نے یہ فیصلہ کیا۔

مندرجہ بالا سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عکاظ میں صدارت کرنے والا حکم عرب میں انتہائی وقار کا حامل تھا وہ بیحد سنگین اور پیچیدہ مقدمات نبٹاتا اور بڑی عدالتی ذمہ داریوں کو نباہتا۔

مندرجہ بالا مباحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ طلوعِ اسلام سے قبل عرب مختلف سطح کا سیاسی شعور رکھتے تھے ان کی بڑی اکثریت خانہ بدوش تھی۔ ان کا سیاسی نظام سرداری پر مبنی تھا۔ بعض قبائل بادشاہتیں اور ریاستیں قائم کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ حجاز کے شہر مکہ میں مختلف انتظامی اور عدالتی اداروں کے ساتھ ایک شہری ریاست قائم ہو چکی تھی۔ مجموعی طور پر عرب قبائلی معاشرت میں رہتے تھے ان کا کوئی متحدہ سیاسی نظام نہیں تھا نہ کوئی دستور اور نہ مرکزی حاکم تھا چنانچہ قبل از اسلام عرب میں نظامِ عدل بالکل ابتدائی حالت میں تھا۔ چند بادشاہوں کے بنائے ہوئے بعض مشاورتی ادارے اور مکہ میں قائم کئے ہوئے عدلیہ کے ادارے مستثنیات میں سے تھے۔

حوالہ جات اور تشریحات

۱ - جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (بیروت ۱۹۷۰) جلد پنجم، صفحہ ۱۸۶۔
۲ - ابن درید، الاشتقاق، ص ۴۹ - جواد علی، جلد پنجم، ص ۱۸۸۔
۳ - ایضاً
۴ - ابن قتیبہ، المعارف، ص ۳۸۔
۵ - معجم الشعراء، ص ۳۲۲ - قیس تمیم کے ایک وفد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ نے اسے یوں مخاطب کیا: "هذا سید اهل الوبر"
۶ - جواد علی، جلد پنجم، ص ۱۸۶
۷ - ایضاً
۸ - ایضاً، ص ۳۴۹، ۳۵۰
۹ - ایضاً، جلد پنجم، ص ۱۸۰۔
۱۰ - ایضاً، جلد پنجم، ص ۱۹۰۔
۱۱ - ملوک العربیہ الجنوبیہ، ملوک الحیرہ، ملوک الغسان، ملوک کندہ۔
۱۲ - ایضاً، جلد پنجم، ص ۱۹۲۔
۱۳ - ایضاً، جلد پنجم، ص ۸ - ۱۹۷
۱۴ - ایضاً، جلد پنجم، ص ۲۱۴
۱۵ - ایضاً، ص ۲۲۶ - ۲۲۸
۱۶ - ایضاً، ص ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹۔
۱۷ - کاسکل Lihyanisch نمبر ۱، ۷۷، ۸۷، ۹۱ - جواد علی، ص ۲۳۳۔
۱۸ - جواد علی، جلد پنجم، ص ۲۳۴
۱۹ - جواد علی، جلد پنجم، ص ۲۳۳
۲۰ - ایضاً، ص ۲۳۴

۲۱ - کتاب الاغانی ۸ : ۵۲ - جواد علی، جلد چہارم، ص ۴۱۱
۲۲ - ابن قتیبہ، المعارف، ص ۶۴۰
۲۳ - ابن سعد، طبقات، جلد اول، ص ۶۶
۲۴ - ابن ہشام، سیرہ (ایڈیشن قاہرہ) جلد اول، ص ۱۲۵ - عقد الفرید، جلد سوم، ص ۳۱۲ - جواد علی، جلد چہارم، ص ۲۴ -
۲۵ - یہ قصیٰ کے کارہائے نمایاں کا تفصیلی بیان ہے -
۲۶ - ابن ہشام، ص ۸۰ - البلاذری، انساب الاشراف، جلد اول، ص ۵۲ -
۲۷ - ایضاً ص ۵۵
۲۸ - ایضاً ص ۵۶
۲۹ - النویری، بلوغ الارب، جلد اول، ص ۲۴۷
۳۰ - انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۴، ص ۱۷۸
۳۱ - الازرقی، ابو الولید محمد بن عبد اللہ بن احمد، اخبارِ مکہ (ایڈیشن رشدی الصالح، دار الاندلس، بیروت ۱۳۸۹ھ - ۱۹۶۹ء) جلد اوّل، ص ۱۰۹، ۱۱۰ -
۳۲ - ابنِ ہشام، ص ۸۳ - الطبری، تاریخ، جلد دوم، ص ۲۵۹ - ابن الاثیر، الکامل، جلد دوم، ص ۱۰ - اللسان العرب، جلد سوم، ص ۱۸۱ - تاج العروس، جلد دوم، ص ۳۵۵ -
۳۳ - ابن ہشام، ص ۸۳
۳۴ - ایضاً
۳۵ - الازرقی، اخبارِ مکہ، جلد اول، ص ۱۰۹
۳۶ - ایضاً ص ۱۱۰
۳۷ - ابنِ ہشام، ص ۸۳
۳۸ - ابن ہشام، ص ۸۳، ۸۴ -

بقول الازرقی، قصیٰ نے اپنی ضعیف العمری میں اپنے چھ مناصب مندرجہ ذیل طریق پر بانٹ دئے تھے:

عبد الدار: السدانہ یعنی الحجابہ، الندوہ، اللواء -

عبد مناف: السقایہ، الرفادہ، القیادہ (الازرقی، جلد اول، ص ۱۰۹-۱۱۰)

تاریخی طور پر یہ بیان قابلِ قبول نہیں کیونکہ السقایہ اور الرفادہ کے مناصب عبد مناف اور عبد الدار کے درمیان آپس کے جھگڑے میں تنازعہ کی جڑ تھے اور اسی کی بنیاد پر المطیبون اور الاحلاف کے مشہور وفاق قائم ہوئے تھے۔

ملاحظہ ہو متن زیرِ عنوان "قریش کے اندر گروہ بندیاں"۔

۳۹ - ابنِ ہشام، ص ۸۴
۴۰ - ایضاً، ص ۸۴، ۸۵
۴۱ - ازرقی، اخبارِ مکہ، جلد دوم، ص ۲۳۳ تا ۲۶۵
۴۲ - یہاں ضلع عربی لفظ رب کا ترجمہ ہے۔ اسے ایک انتظامی اکائی کے معنیٰ میں لینا چاہیے جو برصغیر پاک و ہند میں رائج ہے۔
۴۳ - الماوردی، الاحکام السلطانیہ، صفحات ۱۶۲-۱۶۳ - البلاذری، فتوح البلدان، ص ۶۴۔
۴۴ - البلاذری، فتوح، ص ۶۴
۴۵ - القرآن ۲۹: ۲۹، ۹۶: ۱۷
۴۶ - تاج العروس، جلد نہم، ص ۲۰۰ زیر لفظ "دغنیٰ"
۴۷ - جواد علی، جلد چہارم، ص ۴۹
۴۸ - ابن ہشام، ص ۸۰
۴۹ - اللسان (ناد) جلد ۱۵، ص ۳۱۷ - الازرقی، ج ۱، ص ۱۱۰۔
۵۰ - جواد علی، ج ۴، ص ۴۸
۵۱ - ابن ہشام، ص ۸۰
۵۲ - ابن سعد، طبقات، ج ۱ ص ۷۰
۵۳ - اللسان، ج ۱، ص ۱۵۹ زیر لفظ "ملاء"
۵۴ - واٹ، ڈبلیو منٹگری، محمدؐ مکہ میں، ص ۹۰
۵۵ - جواد علی، ج ۴، ص ۳۹، ۴۰
۵۶ - السہیلی، الروض الانف، ج ۱، ص ۱۴۶ - الازرقی، اخبارِ مکہ، ص ۱۰۹۔
۵۷ - الاشتقاق، ص ۹۷ - جواد علی، ج ۴، ص ۷۴
۵۸ - الثعالبی، ثمار القلوب، ص ۵۱۸ - جواد علی، ج ۴، ص ۴۸
۵۹ - القرآن ۴۳: ۲۲ و ۲۴، ۲: ۱۷۰ - قصیٰ کے پایہ کے رہبر نے پہلے لوگوں کی روایات کا احترام کیا اور انھیں اختیار کرنے کے لیے اپنی قوم کو ہدایت کی (ابن ہشام ص ۸۰)۔
۶۰ - واٹ، ڈبلیو منٹگری، محمدؐ مکہ میں، ص ۹۔
۶۱ - ابن ہشام، ایڈیشن قاہرہ، ص ۱۸۴ - ابنِ سعد نے بیان کیا ہے کہ اس کی عمر بیس سال تھی۔ طبقات ج ۱، ص ۱۲۸۔

۶۲ - ابن ہشام، ص ۱۱۹ - المسعودی، مروج، ج ۲، ص ۲۷۱۔

۶۳ - البلاذری، انساب، ج ۱، ص ۱۰۲۔

۶۴ - بقول الیعقوبی حلف الفضول بنو اسد کے ایک شخص کی شکایت کے جواب میں قائم ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک نام اور بھی لیا جاتا ہے (الیعقوبی، ج ۲، ص ۱۳)

۶۵ - ابن ہشام، ص ۸۵، ۸۶ - المسعودی، مروج، ج ۲ ص ۲۷۰ - السیرۃ الحلبیہ، ج ۱ ص ۱۵۶ - الثعالبی، ثمار القلوب، ص ۱۴۰۔

۶۶ - ابن ہشام، ص ۸۵، ۸۶

۶۷ - ابن سعد، طبقات ج ۱، ص ۱۲۸

۶۸ - السہیلی، الروض الانف (مصر ۱۹۱۴ء) ج ۱ ص ۹۱، ۹۲

۶۹ - ابن ہشام، ص ۸۶

۷۰ - واٹ، محمدؐ مکہ میں، ص ۶

۷۱ - ایضاً

۷۲ - ابن سعد، طبقات، ج ۱ ص ۱۲۸

۷۳ - السیرۃ الحلبیہ، ج ۱، ص ۱۵۷

۷۴ - ایضاً

۷۵ - جواد علی، ج ۴، ص ۸۹

۷۶ - تاج العروس، ج ۸، ص ۲۵۲ زیر لفظ "حکم"

۷۷ - ایضاً

۷۸ - النویری، بلوغ الارب، ج ۱، ص ۳۳۰ - الجاحظ، البیان، ج ۱، ص ۱۰۹۔

۷۹ - الیعقوبی، تاریخ (بیروت ۱۳۷۹ھ - ۱۹۶۰ء) ج ۱، ص ۲۵۸

۸۰ - تاج العروس، ج ۸، ص ۲۵۲ زیر لفظ "حکم" - بلوغ الارب، ج ۱، ص ۳۳۸۔

۸۱ - الیعقوبی، ج ۱، ص ۲۵۸

۸۲ - ابن قتیبہ، عیون الاخبار، ج ۱ ص ۱۰۸ - الجاحظ، کتاب البخلاء، ص ۲۰۸ - ابن عبدربہ، العقد الفرید، ج ۱، ص ۱۷۰۔

۸۳ - جواد علی، ج ۵، ص ۱۴۶

۸۴ - النویری، بلوغ الارب، ج ۱، ص ۳۱۶ - جواد علی، ج ۵، ص ۶۴۲

۸۵ - السہیلی، روض الانف، ج ۱، ص ۸۶ - ابن ہشام ج ۱، ص ۸۶
۸۶ - النویری، بلوغ الارب، ج ۱، ص ۳۲۳ - جواد علی، ج ۵، ص ۶۴۹ -
۸۷ - ابن قتیبہ، المعارف، ص ۲۴۰ - جواد علی، ج ۵، ص ۶۴۹
۸۸ - ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۲۲
۸۹ - ابوعبیدہ، النقائض الجریر والفرزدق (ایڈیشن انتھونی آشلے بیون، لیڈن ۱۹۰۷ء) ج ۱، ص ۴۳۷
۹۰ - ایضاً ص ۱۳۹
۹۱ - الیعقوبی، تاریخ، ج ۱ ص ۲۵۸
۹۲ - ابن ہشام، ج ۱، ص ۷۹، ۸۰ - ابن ہشام نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ امور کعبہ قصیّ کے سسر حُلیل کے ہاتھ میں تھے۔ اپنی وفات سے پہلے حُلیل نے کعبہ کی چابی اور کعبہ کے امور قصیّ کے سپرد کر دئے تھے (ابن ہشام، ص ۷۵، ۷۶) یہ یعمر بن عوف سے پہلے کی بات ہے کہ اس نے قصیّ کے حق میں فیصلہ کیا (الازرقی، اخبارِ مکہ، ج ۱ ص ۱۰۵)
۹۳ - ابنِ ہشام، ج ۱ ص ۷۸
۹۴ - ایضاً ص ۱۲۵
۹۵ - انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، ص ۶۲۵
۹۶ - ابن ہشام، ج ۱، ص ۹۲ -
۹۷ - الطبری، تاریخ، ج ۲ ص ۱۰۸۰ زیر لفظ "ہاشم"
۹۸ - ابن ہشام، ج ۱، ص ۹۷-۱۰۰
۹۹ - الیعقوبی، تاریخ، ج ۱، ص ۲۷۰، ۲۷۱ -
۱۰۰ - جواد علی، ج ۵، ص ۶۵۳ -
۱۰۱ - ایضاً
۱۰۲ - بخاری، الصحیح (دہلی ۱۹۳۸ء) ج ۱، ص ۵۴۲ -

باب ۳

دستورِ مدینہ کے تحت عدلیہ

تمہید

قبل از اسلام عرب کی سیاسی فکر کا مرکزی تصور قبیلہ تھا۔ بنیادی طور پر قبیلہ خونی رشتوں پر استوار ایک گروہ تھا قبیلہ کی رکنیت جان و مال کی حفاظت کی واحد ضمانت تھی جس کے عوض قبیلہ اہلِ قبیلہ سے مکمل وفاداری کا تقاضا کرتا تھا۔ اسلام نے قبل از اسلام کے قبائلی تصور پر مبنی سماجی اور سیاسی ڈھانچہ کی بنیاد کو منہدم کر دیا اور قبیلہ کی جگہ اسلامی امۃ قائم کی۔ امۃ نسبی اور خونی قرابت داری کے بجائے آفاقی، دینی اور اخلاقی اصولوں پر قائم ہوئی۔ اس حقیقت کو نہ صرف نظریاتی بنیادوں پر استوار کیا گیا بلکہ اس پر باقاعدہ معاشرت قائم کر کے اس کا عملی طور پر بھی مظاہرہ کیا گیا۔ قرآن نے نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اسلام پر ایمان لانے والے تمام مسلمان بلالحاظ رنگ، نسل، علاقہ ایک مضبوط و مستحکم اُمت ہیں:

"اِنّما المؤمنون اخوۃ"۔

(سب مومن بھائی ہیں)

مکی دور ہی میں مختلف النسل لوگوں، عرب کے مختلف قبائل کے اراکین اور برادریوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول تسلیم کر لیا تھا۔ انصارِ مدینہ کا آپؐ کو قبول کر لینا امۃ کے تصور میں فروغ اور استحکام کے لیے سب سے بڑا واقعہ تھا۔ ہجرت ایک عظیم موڑ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے پیروکاروں کا مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا اور عرب کے مختلف قبائل کے ارکان اور خانوادوں کا مدینہ جانا صرف تبدیلِ سکونت نہیں تھا بلکہ یہ رشتہ اور تعلق کی تبدیلی تھی ہجرت کا مطلب تھا اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر اُمۃ سے وابستہ ہونا۔ ذات برادری قوم قبیلہ کی عصبیت کو اپنانا "جاہلیت" قرار پایا، رنگ، نسل، علاقہ جیسی عصبیتوں سے بالا ہو کر اسلام کے آفاقی، عالمی، دینی اور اخلاقی اصولوں کو اپنانا امت سے وابستگی اور اسلام کے مترادف ہونا قرار پایا۔ مومنوں کی راہ سے ذرہ بھر انحراف معصیت سمجھا جاتا تھا اور اس کی پاداش سزائے جہنم تھی۔ امت کا یہ مفہوم اتنا واضح تھا کہ دشمنانِ اسلام فدیہ اور دیت کے معاملات میں پوری امت کو ایک قبیلہ تصور کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امۃ کے سربراہ تھے۔ کسی شخص کے قبولِ اسلام میں اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذہبی و سیاسی قیادت کو تسلیم کرنا شامل تھا۔ اسے قرآن میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے:

قل اطیعوا اللہ والرسول[۳]

(کہدو خدا اور رسول کی اطاعت کرو)

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ[۴]

(جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ بلا شبہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے)

اُمت اپنے سربراہ سمیت وجود میں آچکی تھی مگر مکہ کی سماجی و سیاسی فضا امت اسلامیہ کے اعلیٰ تصورات کے نفاذ کے لیے سازگار نہ تھی۔ ان کی تنفیذ کے لیے ایک نئے سماجی و سیاسی ماحول کی ضرورت تھی۔

اپنی نبوت کے تقریباً تیرہ سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے مسلم سرداران اوس اور خزرج کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جنھوں نے آپ کو اپنے شہر آنے کی دعوت دی اور وعدہ کیا کہ وہ اسلامی احکامات کی پیروی کریں گے اور آپ کو دشمنوں خصوصاً قریش سے محفوظ رکھیں گے[۵] جس کے نتیجے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لے گئے یہاں آپ کو موقع اور فرصت میسر آئی کہ آپ نسبتاً سکون اور امن کے ساتھ حالات پر غور فرمائیں۔ آپ نے مسلمانوں، ہمدردوں اور اتحادیوں کو منظم کیا اور ایک ریاست کی بنیاد ڈالی جس کے لیے ایک دستور بنایا گیا۔ یہ بجا طور پر کہا گیا ہے کہ یہ "دنیا کا پہلا تحریری دستور" ہے۔ اس سے پہلے اس موضوع کی کتب کی نوعیت یا تو نصابی کتب کی تھی یا شہزادوں کے لیے ہدایت ناموں کی یا بعض علاقوں کی دستوری عملداری کے تاریخی بیان کی ان میں سے کسی کو بھی کسی ریاست کے مختار دستور کی حیثیت حاصل نہ تھی جسے ایک ملک کے فرمانروا نے باقاعدہ طور پر جاری کیا ہو۔ ہمارا دستور اپنی نوعیت کا دنیا میں پہلا ہے۔[۶]

ابنِ ہشام نے دستور کا پورا متن محفوظ کر دیا ہے[۷]۔ ذیل میں دستور کا متن اور ترجمہ دیا جاتا ہے:

دستورِ مدینہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔
۱ - ھذا کتاب من محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، بین المؤمنین والمسلمین من قریش و یثرب، و من تبعھم، فلحق بھم، وجاھد معھم۔	۱ - یہ دستور محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے (جاری ہوا) یہ قریش اور یثرب کے مومنوں اور مسلمانوں کے درمیان ہے اور جو ان کی اتباع کریں ان کے ساتھ الحاق کریں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔
۲ - إنھم امة واحدة من دون الناس۔	۲ - یہ تمام (گروہ) دوسرے لوگوں سے الگ امتِ واحدہ ہیں۔
۳ - المھاجرون من قریش علیٰ ربعتھم یتعاقلون بینھم، وھم یفدون عانیھم بالمعروف	۳ - قریش کے مہاجرین اپنے موجودہ رواج کے مطابق[۸] باہم خون بہا ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ

والقسط بين المؤمنين۔

مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کریں گے۔

٤ ۔ وبنو عوف على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى كل طائفة تفدى عانيها بالمعروف و القسط بين المؤمنين ۔

۴ ۔ بنو عوف، اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ہر ذیلی شاخ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

٥ ۔ وبنو ساعدة على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

۵ ۔ بنو ساعدہ اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ان کی ہر ذیلی شاخ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

٦ ۔ وبنو الحارث على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى ، وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين ۔

۶ ۔ بنو الحارث اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ہر ذیلی شاخ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

٧ ۔ وبنو جُشم على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى ، وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين ۔

۷ ۔ بنو جُشم اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ان کی ہر ذیلی شاخ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

٨ ۔ وبنو النجار على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى ، وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين ۔

۸ ۔ بنو النجار اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ان کی ہر ذیلی شاخ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

٩ ۔ وبنو عمرو بن عوف على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى ، وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

۹ ۔ بنو عمرو بن عوف اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ہر ذیلی شاخ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

١٠ ۔ وبنو النَّبيت على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف

۱۰ ۔ بنو النبیت اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ہر ذیلی شاخ اپنے

والقسط بين المؤمنين۔

قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

۱۱۔ وبنو الأوس على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، وكل طائفة منهم تفدي عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

۱۱۔ بنو الاوس اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ان کی ہر ذیلی شاخ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

۱۲۔ وان المؤمنين لا يتركون مفرحا بينهم ان يعطوه بالمعروف في فداء او عقل۔

۱۲۔ مومن اپنے کسی زیر بار قرضدار کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے بلکہ عرف کے مطابق فدیہ اور دیت میں اس کی مدد کریں گے۔

۱۳۔ وأن لا يحالف مؤمن مولى مؤمن دونه۔

۱۳۔ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے آزاد کردہ غلام کو اس کے خلاف اپنا حلیف نہیں بنائے گا۔

۱۴۔ وإن المؤمنين المتقين على من بغى منهم، أو ابتغى دسيعة ظلم، أو إثم، أو عدوان، أو فساد بين المؤمنين، وإن أيديهم عليه جميعا، ولو كان ولدَ أحدهم۔

۱۴۔ مومنین متقین اپنے میں سے ہر اس شخص کے خلاف ہوں گے جو بغاوت کرے گا یا جو مومنین کے درمیان ظلم یا غداری یا عدوان یا فساد کا ارتکاب کرے گا ایسے شخص کے خلاف مومنین کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۵۔ ولا يقتل مؤمنٌ مؤمناً في كافر، ولا ينصر كافرا على مؤمن۔

۱۵۔ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو کافر کے عوض قتل نہیں کرے گا اور نہ مومن کے خلاف وہ کسی کافر کی مدد کرے گا۔

۱۶۔ وإن ذمة الله واحدة، يجير عليهم ادناهم، وإن المؤمنين بعضهم موالي بعض دون الناس۔

۱۶۔ اللہ کا ذمہ ایک ہے، ادنیٰ ترین مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے مومنین دوسروں کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے۔

۱۷۔ وإنه من تبعنا من يهود فان له النصر والأسوة، غير مظلومين ولا متناصرين عليهم۔

۱۷۔ یہودیوں میں سے جو بھی ہماری اتباع کرے گا اسے مدد اور مساوات حاصل رہے گی جب تک اس سے مسلمانوں کو ضرر نہ پہنچے، نہ ہی وہ ان کے خلاف دوسروں کی مدد کرے گا۔

۱۸- وإن سلم المؤمنين واحدة ، لا يسالم مؤمن دون مؤمن فی قتال فی سبيل الله ؛ الا علی سوآء وعدل بينهم۔

۱۸- مومنوں کی صلح ایک ہو گی اللہ کی راہ میں جنگ کے دوران کوئی مومن دوسرے مومن سے جُدا گانہ صلح نہیں کرے گا صلح صرف باہم مساوات اور عدل کے مطابق ہوگی۔

۱۹- وإن كل غازية غزت معنا يُعقب بعضها بعضا ۔

۱۹- جو دستہ ہمارے ساتھ شریکِ جنگ ہوگا ایک دوسرے کا پشت پناہ ہوگا۔

۲۰-(i) وإن المؤمنين يُبئ بعضهم علی بعض بما نال دماءهم فی سبيل الله ۔

(ii) وإن المؤمنين المتقين علی أحسن هدی وأقومه۔

۲۰- (i) مومنین ایک دوسرے کا بدلہ لیں گے جو اللہ کی راہ میں خون بہانے پر انہیں پہنچے گا۔

(ii) مومنین متقین احسن اور اقوم ہدایت پر ہیں۔

۲۱- وانه لا يجير مشرك مالا لقريش ولا نفسا ، و لا يحول دونه علی مؤمن ۔

۲۱- کوئی مشرک قریش کو جان اور مال کی پناہ نہیں دے گا۔ اور نہ کسی مومن کے خلاف ایسے کسی معاملہ میں دخل دے گا۔

۲۲- وإنه من اعتبط مؤمنا قتلا عن بينة فانه قَوَدٌ به إلا أن يرضی ولی المقتول ، وإن المؤمنين عليه كافة ولا يحل لهم إلا قيام عليه ۔

۲۲- جو شخص کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا شہادت موجود ہوگی تو اس سے قصاص لیا جائے گا سوائے اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے۔ مومنین کی پوری قوت قاتل کے خلاف ہوگی۔ ان کے لیے بجز قیام حد کے کچھ جائز نہ ہوگا۔

۲۳- وإنه لا يحلّ لمؤمن أقرّ بما فی هذه الصحيفة، وآمن بالله واليوم الآخر، أن ينصر محدثا ولا يؤويه ، وأنه من نصره أو آواه ، فان عليه لعنة الله وغضبه يوم القيامة ، ولا يؤخذ منه صرف ولا عدل ۔

۲۳- کسی مومن کے لیے جو اس دستور کے مندرجات کا اقرار کر چکا ہو اور اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہو، جائز نہیں کہ وہ کسی فتنہ گر کی مدد کرے، یا اسے پناہ دے جو اس کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا تو وہ روزِ قیامت اللہ کی لعنت اور اس کے غضب کا مستوجب ٹھہرے گا اور اس سے کوئی فدیہ یا بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

۲٤- وإنكم مهما اختلفتم فيه من شئ ، فان مردّه الی الله عزّ وجلّ ، والی محمد صلی الله عليه وسلم۔

۲۴- جب کبھی تمہارے درمیان کسی معاملہ میں کوئی اختلاف پیدا ہو تو اس کا حوالہ اللہ عزّ وجل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا ہوگا۔

۲۵- وإن اليهود ينفقون مع المؤمنين ما داموا محاربين۔

۲۵- یہود مومنین کے ساتھ مل کر اخراجاتِ جنگ اٹھائیں گے جب تک وُہ دونوں (دشمن کے خلاف) حالتِ جنگ میں رہیں گے۔

۲۶- وإن يهود بني عوف أُمّة مع المؤمنين، لليهود دينهم، وللمسلمين دينهم، مواليهم وأنفسهم، إلّا من ظلم وأثم، فانّه لا يُوْتِغ إلّا نفسه، وأهل بيته۔

۲۶- بنو عوف کے یہود مومنین کے ساتھ ایک اُمّت ہوں گے۔ یہود کے لیے اپنا دین ہوگا اور مسلمانوں کے لیے اپنا دین ہوگا۔ اس میں ان کے موالی اور وہ خود (شامل ہوں گے) البتہ جو ظلم اور غداری کا ارتکاب کرے گا وہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔

۲۷- وإن ليهود بني النجّار مثل ما ليهود بني عوف۔

۲۷- بنو النجّار کے یہود کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو بنو عوف کے یہود کے لیے ہیں۔

۲۸- وإن ليهود بني الحارث مثل ما ليهود بني عَوف۔

۲۸- بنو الحارث کے یہود کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو بنو عوف کے یہود کے لیے ہیں۔

۲۹- وإن ليهود بني ساعدة مثل ما ليهود بني عَوْف۔

۲۹- بنو ساعدہ کے یہود کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو بنو عوف کے یہود کے لیے ہیں۔

۳۰- وإن ليهود بني جُشَم مثل ما ليهود بني عوف۔

۳۰- بنو جُشَم کے یہود کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو بنو عوف کے یہود کے لیے ہیں۔

۳۱- وإن ليهود بني الأوس مثل ما ليهود بني عوف۔

۳۱- بنو الاوس کے یہود کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو بنو عوف کے یہود کے لیے ہیں۔

۳۲- وإن ليهود بني ثعلبة مثل ما ليهود بني عوف، إلّا من ظَلَم و أَثم، فانهٗ لا يُوتغ الّا نفسه و أهل بيته۔

۳۲- بنو ثعلبہ کے یہود کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو بنو عوف کے یہود کے لیے ہیں البتہ جو ظلم اور غدّاری کا ارتکاب کرے گا وُہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔

۳۳- وإن جُفْنَة بطن من ثعلبة كأنفسهم۔

۳۳- جفنہ، ثعلبہ کی شاخ ہیں وہ انھیں کی حیثیت میں شمار ہوں گے۔

۳۴-(ا) وإن لبني الشُّطَيْبَة مثل ما ليهود

۳۴-(ا) بنو شطیبہ کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو

بنی عوف۔

بنو عوف کے یہود کے لیے ہیں۔

(ii) و إنّ البرّ دون الإثم۔

(ii) وفاشعاری کو اپنایا جائے نہ کہ غداری کو۔

۳۵۔ و إن موالی ثعلبة کأنفسهم۔

۳۵۔ ثعلبہ کے موالی انہیں کی حیثیت میں شمار ہوں گے۔

۳۶۔ و إن بطانة یهود کأنفسهم۔

۳۶۔ یہود کے گہرے دوست انھیں کی حیثیت میں شمار ہوں گے۔

۳۷۔(i) و إنه لا یخرج منهم أحد إلّا بإذن محمد صلّی الله علیه وسلم۔

۳۷۔(i) ان میں سے کوئی بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے نہیں نکلے گا۔

(ii) و إنّه لا ینحجز علیٰ ثار جُرُح۔

(ii) کسی کو زخم کا بدلہ لینے سے نہیں روکا جائے گا۔

۳۸۔(i) و إنه من فتك فبنفسه فتك، و اهل بیته، إلّا من ظلم۔

۳۸۔(i) اگر کوئی شخص کسی کی لاعلمی میں خوں ریزی کرے گا تو وہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کو ہلاکت میں ڈالے گا بجز اس کے جس پر ظلم ہوا۔

(ii) و إنّ الله علیٰ ابرّ هذا۔

(ii) اللہ اس (دستور) کے صحیح ترین مشمولات کا محافظ ہے۔

۳۹۔(i) و إن علی الیهود نفقتهم و علی المسلمین نفقتهم۔

۳۹۔(i) یہود اپنے اخراجات برداشت کریں گے اور مسلمان اپنے اخراجات۔

(ii) و إن بینهم النصر علیٰ من حارب أهل هٰذا الصحیفه۔

(ii) اس دستور والوں سے جو کوئی جنگ کرے گا وہ اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

(iii) و إن بینهم النصح والنصیحة۔

(iii) وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی اور باہم مشاورت کریں گے۔

(iv) والبرّ دون الإثم۔

(iv) وفاشعاری کو اپنایا جائے گا نہ کہ غداری کو۔

(v) و إنه لم یأثم امرؤ بحلیفة۔

(v) کوئی شخص اپنے حلیف سے غداری نہیں کرے گا۔

(vi) و إن النصر للمظلوم۔

(vi) مظلوم کی بہر حال مدد کی جائے گی۔

۴۰۔ و إن الیهود ینفقون مع المؤمنین ما داموا محاربین۔

۴۰۔ یہود مومنین کے ساتھ مل کر اخراجاتِ جنگ اٹھائیں گے جب تک دونوں (دشمن کے خلاف) حالتِ جنگ میں رہیں گے۔

۴۱۔ و إن یثرب حرام جوفها لأهل هذه الصحیفة۔

۴۱۔ وادیٔ یثرب اس صحیفہ والوں کے لیے حرم پاک قرار پائے گی۔

٤٢ - وإن الجار كالنفس غير مُضارّ ولا آثم .

۴۲ - پناہ گزین، پناہ دہندہ کی مانند ہوگا نہ کوئی اسے ضرر پہنچائے گا اور نہ وہ غداری کرے گا۔

٤٣ - وإنه لا تُجار حُرمة إلا بإذن أهلها .

۴۳ - کسی عورت کو اس کے خاندان کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی۔

٤٤ - (ا) وانه ما كان بين اهل هذه الصحيفة من حدث أو اشتجار يخاف فساده ، فان مردّه الى الله عزّوجل ، وإلى محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم .

۴۴ - (ا) جب کبھی اس صحیفہ والوں کے درمیان کوئی حادثہ پیش آئے یا کوئی تنازعہ اٹھ کھڑا ہو جس سے فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا حوالہ اللہ عزّوجل کی طرف اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا ہوگا۔

(اا) وإن الله على أتقى ما في هذه الصحيفة وأبرّه .

(اا) اللہ اس صحیفہ کے مشمولات کا محافظ و ضامن ہے۔

٤٥ - وإنه لا تُجار قريش ولا من نصرها .

۴۵ - نہ قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ ان کو جو قریش کی مدد کریں گے۔

٤٦ - وإن بينهم النصر على من دهم يثرب .

۴۶ - یثرب پر حملہ آوروں کے خلاف وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

٤٧ - وإذا دعوا إلى صلح يصالحونه ويلبسونه ، فانهم يصالحونه ويلبسونه ، وإنهم إذا دُعوا إلى مثل ذلك فانه لهم على المؤمنين ، إلا من حارب في الدّين .

۴۷ - جب انھیں کسی صلحنامہ میں شرکت یا اس کی پابندی کے لیے پکارا جائے گا تو وہ اس میں شرکت کریں گے اور اس کی پابندی کریں گے اور جب وہ ایسے ہی کام کے لیے بلائیں گے تو یہ پابندی مومنین پر بھی ویسے ہی لازم ہوگی بجز اس شخص کے جو دین کی خاطر جنگ کرے گا۔

٤٨ - على كل أناس حصتهم من جانبهم الذي قبلهم .

۴۸ - ہر گروہ اپنے حصے کا ذمہ دار ہوگا جو اس کی جانب ہوگا۔

٤٩ - (ا) وإن يهود الأوس ، مواليهم وانفسهم ، على مثل ما لأهل هذه الصحيفة ، مع البرّ المحض ؛ من أهل هذه الصحيفة .

۴۹ - (ا) الاوس کے یہود، ان کے موالی اور خود ان کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو اس صحیفہ والوں کے لیے ہیں مع اس صحیفہ والوں کے ساتھ مکمل وفاشعاری کے۔

(اا) وإن البرّ دون الاثم .

(اا) وفاشعاری کو اپنایا جائے گا نہ کہ غداری کو۔

(iii) لا یکسب کاسب إلا علی نفسہ۔

(iv) و ان اللہ علی أصدق ما فی ھٰذہ الصحیفۃ وأبرّہ۔

(iii) کمانے والا جو کماتا ہے وہ اپنی کمائی کا ذمہ دار ہے۔

(iv) اللہ تعالیٰ اس صحیفہ کے صحیح ترین مشمولات کا محافظ ہے۔

۵۰۔(i) وإنہ لا یحول ھٰذا الکتاب دون ظالم و آثم، وإنہ من خرج آمن، ومن قعد آمن بالمدینۃ، إلا من ظلم أو آثم۔

(ii) وإن اللہ جار لمن برّ و اتقی، و محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔

۵۰۔(i) یہ دستور کسی ظالم اور غدار کے آڑے نہ آئے گا، جو کوئی باہر نکلے گا امن کا مستحق ہوگا اور جو کوئی گھر میں بیٹھا رہے گا وہ مدینہ میں امن کا مستحق ہوگا بجز اس کے جو ظلم کرے گا یا غداری کرے گا۔

(ii) اللہ ان کا محافظ ہے جو وفا شعار اور پرہیزگار ہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

دستور کا مطالعہ

صحتِ متن

دستورِ مدینہ ایک مکمل دستاویز ہے۔ اس کا متن، اسلوب، طرزِ تحریر اور قدیم ادب عربی اور زبان و بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی مصنف کی تصنیف ہے۔ یہ ایک مستند دستاویز ہے۔ ابنِ اسحاق کے علاوہ اس کا پورا متن معتبر ترین راویوں نے بیان کیا ہے جن میں الزہری اور ابن خیثمہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ابن زنجویہ اور ابن سید الناس نے بالترتیب ان کا حوالہ دیا ہے۔ اس دستور کی اہم دفعات حدیث کی کتب صحاح ستہ، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں روایت کی گئی ہیں۔ امام احمد بن حنبل کی مسند، سنن دارمی اور عبدالرزاق کی المصنف میں بھی اس دستور کا حوالہ موجود ہے۔ ابنِ سعد، الطبری، البلاذری، الخطیب البغدادی، المقدسی، الزرقانی، المقریزی جیسے نامور مورخین نے بھی اسے روایت کیا ہے عظیم لغت نویس ابنِ منظور نے اپنی شہرہ آفاق لغت " لسان العرب " میں اس کا ذکر کیا ہے۔

مستشرقین میں سے ویلہاؤزن نے اس دستاویز کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے اور اس کے مستند ہونے کے دلائل پیش کیے ہیں۔ منٹگمری واٹ بھی اس کی صحت کو تسلیم کرتا ہے۔ حافظ ابنِ حجر ایک محتاط نقاد نے بغیر وجوہ بیان کیے اس کی صحت کے متعلق استثناء کا اظہار کیا ہے۔ وہ دستور کی دفعہ ۲۶ کو قبول کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر سکے، جس میں یہود کو مومنین کے ساتھ ایک اُمت کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے (وان یھود بنی عوف امۃ مع المؤمنین) حالانکہ یہاں اُمت سے مراد ایک سیاسی وحدت ہے نظریاتی لحاظ سے یہود توحید کے قائل تھے اور ایک خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھتے تھے ان کے بالمقابل مدینہ کے مشرکین اور کفار تھے جو توحید کے قائل نہ تھے۔ دستورِ مدینہ کے مطالعہ اور اس کی داخلی اور

خارجی شہادتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ "دستور" ایک مستند دستاویز ہے۔ اس میں کوئی بات اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف نہیں۔ "دنیا کے قدیم ترین تین براعظموں کی غیر مسلم آبادی جو مسلمانوں کی فرمانروائی میں آئی اس کے ساتھ مسلمان حکمرانوں نے وہی سلوک روا رکھا جو دستورِ مدینہ میں غیر مسلموں کے متعلق بیان ہوا ہے۔

زمانہ تحریر

قدیم ترین اسلامی ماخذ بیان کرتے ہیں کہ دستورِ مدینہ ہجرت کے پہلے ہی سال کی ابتداء میں مرتب کیا گیا۔ صحیح بخاری میں روایت کردہ حضرت انسؓ کے ایک بیان کے مطابق یہ دستاویز ان کے والدین کے گھر پر لکھی گئی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ میں مسجد نبویؐ کی تعمیر سے پہلے مرتب ہوئی تھی۔[12] کئی مستشرقین نے دستور کا ناقدانہ مطالعہ کیا ہے۔[13] ویل ہاؤزن اور کیتانی بہت سی شہادتیں اور دلائل پیش کرنے کے بعد اس دستاویز کو غزوۂ بدر سے پہلے کی تسلیم کرتے ہیں۔ کیتانی نے مشہور مستشرق گرم کے دلائل کا بھی جواب دیا ہے جس کے نزدیک یہ دستاویز غزوۂ بدر کے بعد لکھی گئی۔

دستورِ مدینہ دو بڑے حصوں پر مشتمل ہے :

پہلا حصہ ۱ تا ۲۴ دفعات پر مشتمل ہے جبکہ

دوسرا حصہ ۲۵ تا ۵۰ دفعات پر محیط ہے۔

دستور کے دوسرے حصہ سے بعض علماء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد پہلے حصے میں شامل کیا گیا تھا۔[14] منٹگمری واٹ اس حد تک چلا گیا ہے کہ یہ دستور غزوۂ خندق اور بنو قریظہ کے اخراج کے بعد مرتب ہوا۔[15] یہ نظریہ سراسر غلط اور خلافِ حقیقت ہے کیونکہ اس غزوہ کے بعد بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہود مدینہ چھوڑ چکے تھے اور یہودیوں کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تھا۔ ایسی صورت میں یہود سے متعلق دستور میں دفعات کی کیا ضرورت تھی۔ منٹگمری واٹ نے اپنے نظریے کی بنیاد دستور کی لسانی نوعیت اور دفعات کے اعادے پر رکھی۔[16] ہم نے ان دلائل کا بغور جائزہ لینے کے بعد انھیں بے بنیاد پایا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے نزدیک بدر کی شاندار فتح رسول اللہؐ کا قرب و جوار کے قبائل بنو ضمرہ اور جہینہ سے اتحاد، یہودی قبائل کی رقابت ایسی وجوہ تھیں جنھوں نے یہود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاون حاصل کرنے پر مجبور کیا[17] حالانکہ یہ بات بھی درست نہیں کیونکہ جیسا کہ آیندہ بیان ہو گا یہود نے غزوۂ بدر کے بعد تو نقضِ عہد کرنا شروع کر دیا تھا جس کی پاداش میں وہ جلاوطن ہوئے۔

مندرجہ بالا مصنفین نے اپنے نظریات کی تائید کسی مستند تاریخی شہادت سے نہیں کی۔ اس کے برخلاف متذکرہ دور کے حالات یقیناً تصدیق کرتے ہیں کہ بدر سے پہلے کا زمانہ ہی یہود کے لیے بدر کے بعد کے زمانے سے زیادہ موزوں تھا کہ وہ اس دستور کی ترتیب میں حصہ لیں اور اس کے متن کی پابندی کریں۔ قرآن میں اس بات کا واضح طور پر ذکر موجود ہے کہ یہود کو توقع تھی کہ جب وہ پیغمبر آئے گا جس کا ذکر DEUT ۱۸: ۱۸ میں ہے تو وہ ان کے کافر مخالفین پر انھیں

فتحمند کرے گا :

ولما جآءھم کتٰب من عند اللہ مصدق لما معھم وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا [۱۸]

(اور جب ان کے پاس اللہ کے پاس سے ایک کتاب آئی اس کی تصدیق کرتی ہوئی جو ان کے پاس موجود ہے اور اس سے پیشتر وہ دعا کرتے تھے کافروں پر فتح کے لئے)

ان توقعات کے تحت یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں آمد پر آپؐ کو اپنی مدد اور تعاون پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے ملحد اور لادین لوگوں کی نسبت ایک خدا پر یقین رکھنے والے یہودیوں سے زیادہ قریب تھے۔ مدینہ آمد پر آپؐ نے کعبہ کی بجائے بیت المقدس کو قبلہ بنایا۔ اسی طرح دس محرم کے روزہ کو بھی اپنا یا گیا[۱۹]۔ جب کسی یہودی کا جنازہ پاس سے گزرتا تو آپؐ احتراماً کھڑے ہو جاتے[۲۰]۔ آپؐ اس بات کو بھی ناپسند فرماتے کہ آپ کے اصحابؓ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں مبالغہ آرائی سے کام لیں[۲۱]۔ امام بخاریؒ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امور میں جہاں خدا نے حکم صادر نہ فرمایا ہوتا اہل کتاب کے طریق کو اپنا کر خوش ہوتے تھے[۲۲]۔

ہجرت کے پہلے سال میں مسلم، یہود خوشگوار تعلقات کی مزید تصدیق قریش کے اس سخت رویہ سے ہوتی ہے جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنایا تھا۔ مدینہ کی سیاسی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے قریش نے محسوس کیا کہ ان کے لیے یہود کے بجائے عبداللہ بن اُبَی کو اپنے ساتھ ملانے کے زیادہ مواقع ہیں۔ قریش نے عبداللہ بن اُبَی کی مدد طلب کرتے ہوئے اسے ایک خط لکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے یا انہیں مدینہ سے نکال دینے کے لیے کہا[۲۳]۔ بدر سے قبل کے ان خوشگوار تعلقات کے باعث یہود نے مدینہ میں ایک وفاقی ریاست کے قیام اور متفقہ دستور بنانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعاون کیا اس وقت وہ آپؐ سے اتنی امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے کہ انھوں نے اس دستور کی تدوین و ترتیب میں نہ صرف آپؐ کی رسالت پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ دستور کی دفعات ۱، ۲۴، ۴۲، ۵۰ میں واضح طور پر اس کا اندراج ہوا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگِ بدر مسلم یہودی تعلقات میں ایک اہم موڑ ہے۔ اس جنگ سے ایک ماہ قبل شعبان ۲ھ میں اللہ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل کر دیا :

"فول وجھک شطر المسجد الحرام" [۲۴]

(پس اپنا منہ مسجد حرام کی طرف موڑ لو)

اس بات سے یہود ناراض ہو گئے۔ دستور نے یہود کو مذہبی آزادی کی ضمانت دے رکھی تھی تاہم ان قابلِ اعتراض سماجی حرکات اور تکلیف دہ رویہ پر قرآن میں تنقید کی گئی اور ان کے خطرناک عزائم بے نقاب کیے گئے۔ یہ بات ان کی توقعات کے خلاف تھی وہ امید کرتے تھے کہ نیا رسول ان کے رویہ اور عادات و خصائل کو جائز قرار دے گا اور دوسروں کو ان کی پیروی کی تلقین کرے گا

مگر ایسا نہ ہوا۔ اس سے یہود برافروختہ ہو گئے۔ غزوۂ بدر کی عظیم الشان فتح نے ان کی مایوسی میں مزید اضافہ کردیا۔

قریش نے غزوۂ بدر کے بعد بدلے ہوئے حالات کا جائزہ لیا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان حالات میں عبداللہ بن اُبی کے مقابلے میں یہود ان کے لیے زیادہ مفید ہیں جو ان کے مفادات میں بہتر طور پر کام آسکتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ایک خط یہودیوں کو لکھا جس میں یہود کے اسلحہ اور قلعوں کی تعریف تھی اور یہود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خوب بھڑکایا گیا تھا۔[۲۵]

یہود کا قبیلہ بنو قینقاع سب سے مضبوط اور بہادر تھا۔ وہ سب سے پہلے یہود تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت کی۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق " انھوں نے دستور کو مسترد کردیا " اور " وہ سب سے پہلے تھے جنھوں نے غداری کی " (فکانوا اول من غدر من الیھود)[۲۶] ابن ہشام اور الطبری نے بھی اسی نوعیت کی بات ابن اسحاق کے حوالہ سے روایت کی ہے:

" ان بنی قینقاع کانوا اوّل یھود نقضوا ما بینھم و بین رسول اللّٰہ وحربوا فی ما بین بدر و اُحد۔"[۲۷]

(بنو قینقاع پہلے یہود تھے جنھوں نے اپنے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مابین معاہدے کو توڑا اور بدر و اُحد کی درمیانی مدت میں جنگ کی)

مندرجہ بالا شہادت بالکل واضح کر دیتی ہے کہ دستور کا دُوسرا حصّہ بھی جو یہودیوں سے متعلق ہے پہلے سال ہجری میں غزوۂ بدر سے قبل لکھا گیا تھا۔ غزوۂ بدر کے بعد تو بجائے دستور کی ترتیب و تدوین میں تعاون کرنے کے یہودیوں نے اس کی خلاف ورزی اور جو کچھ پہلے طے ہو چکا تھا اس کے خلاف غداری شروع کر دی۔

غزوۂ اُحد کے بعد یہودیوں کے دوسرے قبیلہ بنو نضیر نے غداری کی۔ غزوۂ اُحد کے بعد یہودیوں کے تیسرے قبیلہ بنو قریظہ نے دستور کی پابندی کی تجدید کی اور غزوۂ خندق کے دوران دونوں معاہدوں سے غداری کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دستور کے دونوں حصے غزوۂ بدر سے پہلے لکھے گئے تھے۔

تعدادِ دفعات

دستور میں پچاس دفعات ہیں۔ مستشرقین نے ویل ہاوزن کی پیروی میں انھیں سینتالیس گنا ہے۔[۲۸] بعض دفعات کو دُوسری دفعات کا حصّہ پڑھا گیا ہے، حالانکہ وہ بالکل جُداگانہ اور علیحدہ ہیں اس لیے انھیں الگ شمار کیا گیا ہے۔ محمد حمید اللہ نے باون شقیں شمار کی ہیں مگر یورپی مصنفین کے ساتھ مطابقت کی خاطر انہوں نے بعض شقوں کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ا و ب سے ان کی نشان دہی کی ہے۔

مندرجہ بالا تعداد سے غیر مطمئن ہونے کے سبب ہم نے دستاویز کے بغور مطالعہ کے بعد اس کی پچاس دفعات شمار کی ہیں۔ ان میں سے بعض کو جدید دستور سازی اور قانونی ضابطوں کے مطابق پیروں میں تقسیم کردیا ہے۔ اس

طریقِ کار کو اپنانے کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں :
دستور کی سب سے پہلی شق " یہ ایک دستور ہے " کو دفعہ نمبر ایک شمار کیا گیا ہے جبکہ منٹگمری واٹ نے اس کو کوئی نمبر دئیے بغیر چھوڑ دیا ہے بظاہر وُہ اسے ابتدائیہ کا حصہ تصور کرتا ہے حالانکہ یہ ایسا نہیں ہے کیونکہ دستور کے اجزا دستاویز کا ناگزیر حصہ ہیں۔

دستور کی شق " کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے آزاد کردہ غلام کو اس کے خلاف اپنا حلیف نہیں بنائے گا...." دفعہ نمبر ۱۳ ہے کیونکہ یہ ایک مکمل دفعہ ہے۔ محمد حمید اللہ مستشرقین کی بھی گنتی کے خلاف اسے دفعہ ۱۲ کا جزو شمار کرتے ہیں۔

دستور کی شق " مومنین، متقین احسن اور اقوم ہدایت پر ہیں " دفعہ ۲۰ کا پیرا (۲) ہے کیونکہ اس کے اصل موضوع مومنین کا ذکر اسی دفعہ کے پیرا (۱) میں موجود ہے۔ واٹ نے بھی اسے یونہی پڑھا ہے مگر محمد حمید اللہ نے اسے اگلی جداگانہ دفعہ کو اس کا پیرا (ب) شمار کرتے ہوئے ایک الگ دفعہ شمار کیا ہے۔ دستور کی شق " اگر کوئی شخص خونریزی کرے گا تو وہ اپنے آپ کو...." دفعہ ۳۸ ہے۔ حمید اللہ اور واٹ نے اسے قبل ازیں دفعہ کے حصہ کے طور پر پڑھا ہے حالانکہ یہ ایک مکمل دفعہ ہے جو کسی ایسے قاتل سے متعلق ہے جو کسی کی لاعلمی میں خونریزی کرے۔ دستور کی شق " اللہ اس (دستور) کے صحیح ترین مشمولات کا محافظ ہے " اسی دفعہ نمبر ۳۸ کا ایک حصہ ہے۔ دستور میں بعض دیگر دفعات بھی اسی طرح بیان ہوئی ہیں۔

قبل ازیں تمام مصنفین " البر " کو خدا کی صفت تصور کرتے رہے ہیں جبکہ ہمارے نزدیک یہ دستاویز کے مشمولات کی صفت ہے جیسا کہ متن میں اس کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔ دستور کی شق " ہر گروہ اپنے حصے کا ذمہ دار ہو گا جو اس کی جانب ہو گا " دفعہ نمبر ۴۸ ہے، یہ ایک الگ دفعہ ہے کیونکہ یہ اپنی جگہ بالذات اور مکمل ہے۔ اس کو اس سے پہلی دفعہ کا حصہ شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وُہ تمام فریقین کے ایک صلح نامہ میں شرکت کا ذکر کرتی ہے۔

یہودی قبائل

بعض مصنفین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہود کے تین بڑے قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کا ذکر دستور میں نہیں اس لیے وہ دستور کی ترتیب میں شامل نہیں تھے۔ اول تو مندرجہ بالا واضح تاریخی شواہد اس نظریہ کا کھلم کھلا ابطال کرتے ہیں۔ بنو قینقاع کا واضح طور پر ذکر موجود ہے کہ انہوں نے اس دستور کو مان کر سب سے پہلے اس سے غداری کی اسلامی تاریخ کے نامور اور چوٹی کے محدثین اور مورخین نے اسے روایت کیا ہے۔ اگر وہ دستور میں شامل نہ ہوتے تو ان کی غداری کا حوالہ بے معنی ہوتا۔ ہم اس موضوع پر گزشتہ اوراق میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں یہودی قبائل کی دستور میں شرکت و شمولیت کا دُوسرا بڑا ثبوت یہ ہے کہ یہ قبائل عربوں کے علاقوں اور محلّوں کی نسبت سے معروف تھے۔ دستور سازی کے وقت جن مختلف مسلم اور غیر مسلم گروہوں کا ذکر ہوا ان میں مہاجرین، انصار کے مختلف قبائل پھر ان کے موالی اور حلیف مذکور رہیں۔ اس طرز پر دستور میں یہود کا بحیثیت مجموعی ذکر کر کے ان کے قبائل کا تفصیلی ذکر انصار کے مختلف قبائل کی ذیل میں کیا گیا ہے کیونکہ یہ یہودی

قبائلِ انصار کے بڑے قبیلوں اوس اور خزرج کے حلیف تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب یہود کے ایک قبیلہ بنو قینقاع نے دستور کے ساتھ غداری کی تو خزرجیوں کے سردار عبداللہ بن اُبَیّ نے ثالثی کے فرائض انجام دئے اور جب دوسرے یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے غداری کی تو بنو اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ نے ثالثی کے فرائض سرانجام دئے۔ دستور کی ان باریکیوں کو سامنے رکھا جائے تو یہودیوں کے تینوں بڑے قبیلوں کی شرکت و شمولیت واضح ہو جاتی ہے۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ کا ذکر بنو اوس اور ثعلبہ کے یہودیوں کے طور آیا ہے کیونکہ وہ اوس اور ثعلبہ بن عمرو بن عوف کے درمیان رہتے تھے[۲۹] (دفعات ۳۱، ۳۲)۔ بنو قینقاع بنو خزرج میں سے بنو حارث کے حلیف تھے[۳۰] لہٰذا وہ دفعہ ۲۸ کے تحت مذکور ہیں۔

یعقوبی نے ایک بیان قلمبند کیا ہے جس کے مطابق بنو نضیر اور بنو قریظہ اپنی اصل میں یہودی نہیں تھے۔ وہ عربوں کی ایک شاخ جذام میں سے تھے جنہوں نے بعد میں یہودیت اختیار کر لی تھی[۳۱]۔ المسعودی نے بھی اس حقیقت کا ذکر کیا ہے[۳۲]۔ اس باب میں آئندہ صفحات پر ایک مقدمہ بیان ہوا جس میں عربوں میں سے یہودیت قبول کرنے والوں کا ذکر ہے وہ مزید ثبوت ہے۔ اس بنا پر یہ زیادہ قرینِ حقیقت ہے کہ مدینہ کے تین بڑے یہودی قبیلوں کو مدینہ کے عرب خاندانوں کے ساتھ حلف اور نسب کے تعلق کی بنا پر گروہ بند کر لیا گیا تھا اور دستور کی تدوین کے وقت مدینہ کی اس معاشرتی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں عرب قبیلوں کی ذیل میں بیان کر دیا گیا۔

اسلامی ریاست کا وفاق

دستورِ مدینہ قرار دیتا ہے کہ مومنین مہاجرینِ قریش اور مسلمانانِ انصارِ مدینہ، ان کے پیروکار اور سیاسی حلیف سب مل کر ایک اُمت ہیں (امۃ واحدۃ)[۳۳]۔ مدینہ کے دُوسرے باشندے جیسے یہودی، ان کے پیروکار اور حلیف جو دستور کو تسلیم کریں وُہ یکساں برتاؤ اور مساوی حقوق کے مستحق ہوں گے[۳۴] (النصروا لاسوہ)۔ وہ مومنین کے ساتھ مل کر ایک سیاسی امہ قرار دیے گئے تھے (امہ مع المومنین)[۳۵]۔ دستور یہ بھی قرار دیتا ہے کہ مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے مشرک بھی اگر دستور کی پابندی کریں تو وہ بھی دستور کے مطابق ریاستِ مدینہ کے شہری ہوں گے اور انہیں مساوی شہری حقوق حاصل ہوں گے[۳۶]۔ پس مدینہ اور اس کے گرد و نواح کی تمام آبادی مہاجرین و انصار، مسلم و غیر مسلم، مومن و غیر مومن، یہود اور مشرکین سب ریاستِ مدینہ کے وفاق تھے اور دستور کے مطابق برابر کے شہری تھے۔ ان سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری اپیل کی عدالت تسلیم کر لیا۔

مذہبی اور سماجی خودمختاری

سیاسی طور پر اسلامی ریاست مدینہ کی پُوری آبادی پر مشتمل تھی۔ دستوری طور پر ریاست کے تمام وفاقی عناصر کو مذہبی آزادی اور داخلی خودمختاری حاصل تھی۔ دُو بڑے وفاقی عناصر مہاجر اور انصار دیت اور قیدیوں کے فدیہ

جیسے معاملات میں اپنے اپنے قبل از اسلام کے رواج پر چلنے میں خود مختار تھے"۔ یہودیوں کو مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی تھی"۔ وہ دیت اور قیدیوں کے زرِ فدیہ کے معاملہ میں بھی اپنے دستور پر چلنے میں آزاد تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب

سربراہِ ریاست

دستورِ مدینہ کی دفعہ ۴۴ میں قرار دیا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ریاست کے سربراہ ہوں گے۔ دستور کی سب وفاقی وحدتوں کو پابند بنایا گیا ہے کہ وہ تمام اختلافات، انتظامی تنازعے اور سیاسی مسائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کریں۔ اس دستوری دفعہ کے تحت امن وامان کے تمام اندرونی مقدمات اور بیرونی مسائل حرب وصلح آپ کے پاس پیش ہونا ضروری ہیں :

"وانه ما كان بين اهل هذه الصحيفة من حدث او اشتجار يخاف فساده فان مرده الى الله عزوجل والى محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔"

سپہ سالار

دستور کی دفعہ ۳۶ میں قرار دیا گیا ہے کہ ریاست کے شہری انفرادی اور اجتماعی طور پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر جنگ پر جانے کے مجاز نہیں۔ جنگ کے معاملہ میں آپؐ مختارِ کُل ہوں گے۔ کسی بھی شخص کے خلاف آپؐ کی اجازت کے بغیر جنگ میں شریک ہونے پر کارروائی کی جا سکے گی :

"وانه لا يخرج منهم احد الا باذن محمد صلى الله عليه وسلم۔"

چیف جسٹس

دستور کی دفعہ ۲۴ اور ۴۴ کے تحت تمام قانونی تنازعے، عدالتی معاملات اور مقدمات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوں گے :

"وانكم مهما اختلفتم فيه من شئ فان مرده الى الله عزوجل والى محمد صلى الله عليه وسلم۔" (دفعہ ۲۴)

"وانه ما كان بين اهل هذه الصحيفة من حدث او اشتجار يخاف فساده فان مرده الى الله عزوجل والى محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔" (دفعہ ۴۴)

عربی میں "مهما اختلفتم فيه من شئ" (دفعہ ۲۴) اور "اشتجار" (دفعہ ۴۴) جامع قانونی اصطلاحات ہیں۔ ان کا اطلاق تمام قسم کے قانونی، عدالتی، انتظامی، معاشرتی اور سیاسی جھگڑوں اور تنازعوں پر ہوتا ہے۔ ان دفعات کی رُو سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی ریاست کے چیف جسٹس قرار پائے ۔ دستور نے حکام اور شہریوں کے حقوق اور فرائض کا تعین کر دیا ۔ دستوری دفعات کی پابندی حاکمِ ریاست پر بھی مساوی طور پر لازمی تھی ۔ تاریخ میں ایسے مقدمات محفوظ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دائر ہوئے تھے ۔[۳۹]

دستورِ مدینہ میں سربراہِ ریاست ، سپہ سالار اور چیف جسٹس کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اختیارات حاصل ہوئے ان کی مثال قبل از اسلام عربوں میں نہیں ملتی ۔ بعض علاقوں کے عرب بادشاہوں ، مختلف قبائل کے شیوخ اور مکہ کی شہری ریاست کے ملاء کو جو اختیارات حاصل ہوتے ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستوری اختیارات سے کوئی تقابل نہ تھا ۔ فطری طور پر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دستوری حیثیت سے وفاق کی تمام وحدتوں میں سے سب سے زیادہ مطمئن وحدت تھے ۔ انصارِ مدینہ اپنی قبل از اسلام کی خانہ جنگیوں ، خاندانی رقابتوں ، خونریز لڑائیوں اور طویل جھگڑوں سے عاجز آ چکے تھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دستوری حیثیت کو مان کر وہ خوش تھے کہ ان کے باہمی تنازعے اور جھگڑے چکانے کے لیے اب ان میں ایک مرکزی شخصیت موجود ہے ۔

یہ امر بہت دلچسپ ہے کہ مدینہ کے یہودیوں اور مشرکین نے آپؐ کو رسول مانے بغیر آپؐ کی متذکرہ بالا آئینی حیثیت کو تسلیم کر لیا اور دستور میں آپؐ کی رسالت کے ذکر پر کوئی اعتراض نہ کیا ۔ اس بات کی اہمیت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ دستورِ مدینہ کی تدوین کے چھ سال بعد صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی تحریر کے وقت قریشِ مکہ نے آپؐ کی رسالت کا ذکر قبول نہیں کیا تھا ۔[۴۰] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد کے بعد عرب قبائلی سرداروں نے اپنے افرادِ قبیلہ کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا ۔ اس واقعہ نے قدیم معاشرتی اور سیاسی عرب معاشرت پر جو قبیلہ کی بنیاد پر استوار تھی کاری ضرب لگائی ۔ قبائلی تنظیم کے درہم برہم ہونے سے مسلمانوں کے غیر مسلم اور مشرک رشتہ داروں نے خود کو اپنے تنازعوں کے فیصلے کے لیے سخت مشکل میں پایا ۔ نئے دستور نے واضح طور پر قرار دیا تھا کہ وہ مرکزی نظامِ عدل اور مرکزی حکومت کے تحت تحفظ حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ وُہ ریاست کے سیاسی معاملات کے عمل میں رکاوٹ پیدا نہ کریں ۔ انھیں اس بات کا بھی پابند بنایا گیا تھا کہ وہ قریش سے کوئی تعلق نہ رکھیں ۔

ریاست مدینہ کی وحدتوں نے متفقہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ریاست کا سربراہ ، چیف جسٹس اور سپہ سالار تسلیم کیا تھا ۔ دستور کے نفاذ کے ساتھ قبائلی افراتفری اور طوائف الملوکی کا خاتمہ ہو گیا ۔ یہ ایک انقلابی تبدیلی تھی ۔ عوام کو اطمینان نصیب ہوا کہ وہ اپنے باہمی اور قبائلی جھگڑے ذاتی قوت یا قبائلی طاقت سے طے کرنے کی بجائے ایک مرکزی ادارۂ انصاف کی طرف سے عدل کی سہولت حاصل کر سکیں گے ۔ مرکزی دستوری حکومت نے ایک بہت منظم اور مربوط ریاست کو جنم دیا جو تھوڑے ہی عرصہ میں پرانی دنیا کے تین بر اعظموں کو اپنے زیرِ نگیں لے آئی ۔

عدالتی نظام

دستورِ مدینہ کے اجرا کے بعد دستوری حکومت تسلی بخش طور پر کام کرتی رہی ۔[۴۱] اس کی تمام وحدتیں ، جنھوں نے

بخوشی دستور کی اطاعت قبول کی تھی۔ ریاست کی فلاح اور ترقی کے لیے مل کر کام کرتی رہیں۔ ہر وحدت اپنے دستوری فرائض ادا کرتی رہی اور اس کی کسی شق سے انحراف کی صورت میں دستور کی مدد طلب کی جاتی رہی۔ تاریخ میں بہت سے واقعات محفوظ ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہود نے اپنے تنازعے اور پیچیدہ قانونی مسائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ریاستِ مدینہ کا چیف جسٹس مانتے ہوئے آپؐ کی خدمت میں پیش کیے۔

ابنِ اسحاق نے ایک مقدمہ کی تفصیل دی ہے جو یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تصفیہ کے لیے پیش کیا، اور آپؐ نے اس پر جو فیصلہ دیا اُسے بھی درج کیا ہے۔

چند مقدمات

ایک شادی شدہ یہودی مرد نے ایک شادی شدہ یہودی عورت سے زنا کیا۔ یہودی علماً بیت المدراس (ایک یہودی مذہبی دارالعلوم) میں جمع ہوئے بحث و تمحیص اور غور و فکر کے بعد انھوں نے فیصلہ کیا کہ دستوری دفعات (دفعہ ۲۴ اور ۴۴) کے تحت مقدمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش کیا جائے اس سے یہودی علماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا امتحان بھی کرنا چاہتے تھے:

"اگر وہ تجبیہ (کھجور کی چھال سے کوڑے لگانا، مُنہ کالا کرنا، گدھوں پر دُم کی طرف مُنہ کر کے سوار کرنا) تجویز کرتے ہیں تو ان کی پیروی کرو اور ان کی اطاعت کرو کیونکہ وُہ ایک بادشاہ ہیں۔ اگر وہ ان کے لیے رجم تجویز کریں تو وہ پیغمبر ہیں اس صورت میں ان سے ہوشیار رہو کہیں وُہ تمہیں اس حیثیت سے محروم نہ کر دیں جو تمہاری ہے۔"

اس کے بعد یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہُوئے اور اپنا مقدمہ اس طرح پیش کیا:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس شادی شدہ آدمی نے ایک شادی شدہ عورت سے زنا کیا ہے۔ ان کے مقدمہ میں اپنا فیصلہ دیجئے، ہم ان کا مقدمہ آپؐ کو جج مانتے ہوئے آپؐ کی عدالت میں پیش کرتے ہیں۔"[۴۲]

مقدمہ کی روداد

ربّیون (علماء) کے ساتھ ملاقات

دستورِ مدینہ نے یہودیوں کو مذہبی آزادی کی ضمانت دی تھی:

"یہود کے لیے اپنا دین ہوگا" (للیھود دینھم دفعہ ۲۶)

دستور کی اس دفعہ کے تحت آپؐ نے ان کی مذہبی کتاب توراۃ سے شہادت ریکارڈ کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپؐ ربّیوں سے

ملنے بیت المدراس تشریف لے گئے اور یہودی ماہرینِ تورات کو طلب کیا۔ عبداللہ بن صوریا، ابویاسر اور وہب بن یہوذا پیش ہوئے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ تینوں مستند ترین یہودی عالم ہیں عبداللہ بن صوریا یہودی معاصرین میں توراۃ کے سب سے بڑے عالم تھے۔"[۴۳]

جرح اور حلف

یہودی ماہرینِ تورات کا بیان ریکارڈ کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جرح میں ان سے سوالات کیے۔ انھیں مقدمہ کی اہمیت جتاتے ہوئے آپؐ نے ابن صوریا کو مخاطب کیا:

"خدا کے نام پر اور اسرائیل کے سنہری دَور کے نام پر بیان کرو کیا تم جانتے ہو کہ خدا نے توراۃ میں شادی شدہ افراد کے زنا کی سزا رجم مقرر کی ہے؟"

اس نے جواب دیا: "ہاں!"

اور اس نے مزید کہا: "ابوالقاسم! وہ خوب جانتے ہیں کہ تم (خدا کے) بھیجے ہوئے رسول ہو۔ مگر وہ تم سے حسد کرتے ہیں۔"[۴۴]

متن پیش کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو توراۃ پیش کرنے کے لیے کہا۔ سب سے بڑا عالم ربّی وہاں موجود تھا جس نے توراۃ کا متن پڑھنا شروع کیا۔ اس نے رجم والی آیت پر ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام (یہودیوں سے ایک نومسلم) نے ربّی کے ہاتھ پر مارا اور کہا:

"اے خدا کے رسولؐ! یہ رجم کی آیت ہے جو یہ آپؐ کو پڑھ کر سنانے سے انکاری ہے۔"

اس کے بعد یہود نے اقرار کیا کہ توراۃ میں ایسی آیت موجود ہے۔"[۴۵]

اپنا فیصلہ سنانے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیرِ سماعت مقدمہ کے مختلف پہلوؤں کی مزید چھان بین کی۔

قانون کو پوشیدہ رکھنے کے اسباب

مقدمہ کی کارروائی کے دوران جب یہودیوں نے حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی جو بالآخر ظاہر ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توراۃ کے قانون کو دبانے کے اسباب دریافت کیے:

"تم پر افسوس ہے اے یہودیو! تمہیں کس چیز نے خدا کا وہ قانون چھوڑنے کی ترغیب دی جو تمہارے پاس ہے۔"

انہوں نے انکشاف کیا: "سزا کا اطلاق تورات کے مطابق ہوتا رہا حتیٰ کہ شاہی خاندان اور اعلیٰ نسب کے

ایک فرد نے زنا کا ارتکاب کیا اور بادشاہ نے اسے رجم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص نے زنا کیا، بادشاہ اسے رجم کرنا چاہتا تھا مگر انہوں نے کہا "نہیں! اس وقت تک ایسا نہیں ہو سکتا جب تک فلاں کو بھی رجم نہ کیا جائے۔" جب انہوں نے اس پر اصرار کیا تو وہ بالآخر سب تجبیہ پر رضامند ہو گئے اور انہوں نے رجم کا ذکر اور اس پر عمل ترک کر دیا۔"

تورات کے قانون کے اخفا کا پس منظر سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں خدا کے قانون، اس کی کتاب اور اس پر عمل کو دوبارہ زندہ کرنے والا پہلا آدمی ہوں۔"[46]

فیصلہ

ربیّوں کے ساتھ بحث کے دوران جمع کی گئی شہادتوں، ان پر جرح، حلف لینے، تورات کے اصل قانون کے متن کے ملاحظہ اور خدا کے قانون کو چھپانے کے پس منظر کا علم ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا معاملہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ شہادت کے قائم ہونے اور ثبوت فراہم ہونے کے بعد آپ نے اپنا فیصلہ سُنا دیا کہ زنا کا ارتکاب کرنے والوں کو رجم کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس مقدمہ کے راوی روایت کرتے ہیں کہ "وہ رجم کر دیے گئے اور میں ان میں شامل تھا جنہوں نے انھیں رجم کیا۔"[47]

قانون میں امتیاز

قانون میں یہودیوں کے مختلف گروہوں کے ساتھ مدینہ میں یکساں سلوک نہیں ہوتا تھا۔ بنو نضیر کے یہودی اپنے سماجی بلند رتبہ کے باعث بنو قریظہ سے فائق متصور ہوتے تھے۔ اگر بنو نضیر میں سے کوئی شخص قتل ہو جاتا تو پُورا خُوں بہا ادا کیا جاتا، لیکن بنو قریظہ کے معاملہ میں خوں بہا کا صرف نصف ادا کیا جاتا۔ یہودیوں نے مدینہ کے چیف جسٹس کی عدالت میں ایک مقدمہ دائر کیا اور اس بہت اہم سماجی اور قانونی مسئلہ پر آپ سے فیصلہ چاہا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے مذہبی، نسبی اور سماجی حالات کی سماعت کے بعد اپنا فیصلہ سنایا کہ قانون میں سب یہودی برابر ہیں اور ان میں امتیاز کا کوئی جواز نہیں۔ اس فیصلے کے ذریعے آپ نے بنو نضیر اور بنو قریظہ کے خُون بہا کو برابر قرار دے دیا۔"[48]

ایک مسلم اور یہودی کے درمیان جھگڑا

ایک مرتبہ ایک یہودی اور انصاری (مسلمان) پیغمبروں میں افضلیت پر بحث کر رہے تھے۔ دورانِ بحث یہودی نے موسیٰ علیہ السلام کو اس انداز سے پیش کیا جیسے وُہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں۔ انصاری یہ برداشت نہ کر سکے اور اسے تھپڑ رسید کیا۔ یہودی نے اس کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں شکایت پیش کی۔ فریقین کو

سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمہ کا فیصلہ سُنایا اور نصیحت کے طور پر کہا: "دوسرے پیغمبروں پر میری فوقیت میں مبالغہ نہ کرو۔ روزِ قیامت سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ میں جاگنے والوں میں سب سے پہلا ہوں گا اور دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے تخت کے برابر کھڑے ہیں (لاتخیرونی من بین الانبیاء فان الناس یصعقون یوم القیامۃ فاکون اول من یفیق قال فاذا انا بموسیٰ اٰخذ بقائمۃ من قوائم العرش فلا ادری افاق قبلی ام جزی بصعقۃ الطور)۔"[۴۹]

غداری

قریشِ مکہ مسلمانوں کے ساتھ پُرامن بقائے باہمی کے اصول کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ پہلے انھوں نے عبداللہ ابن اُبی سے راہ و رسم پیدا کی جسے ہجرت سے پہلے اوس اور خزرج کا سردار بننے کی توقع تھی اور جو بعد میں مدینہ کے منافقین کا سرغنہ بنا۔ قریش نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے نکال دینے کے لیے کہا یا اس کے سنگین نتائج بھگتنے کی دھمکی دی:

"تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے بخدا تم اسے قتل کرو گے یا وہاں سے نکال دو گے یا ہم اپنی پوری قوت سے تم پر حملہ کریں گے اور تمہیں تباہ کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کی بے حُرمتی کریں گے۔"[۵۰]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست، دانشمندی اور تدبر نے قریش کی پہلی کوشش کو ناکام بنا دیا جو انہوں نے آپ کے اصحابؓ کے درمیان افتراق پیدا کرنے کے لیے کی تھی اور نہ ہی عبداللہ بن اُبی مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اثر کے سامنے، قریش کے لیے کچھ کر سکا۔ یہ غزوۂ بدر سے پہلے کی بات ہے۔

غزوۂ بدر کے بعد قریش نے دستور کی دوسری وحدت یہود سے راہ و رسم پیدا کی اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونے یا سنگین نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہنے کو کہا:

"تم اسلحہ سے لیس ہو اور تمہارے پاس قلعے ہیں۔ تمہیں ہمارے آدمی سے لڑنا چاہیے یا ہم تمہارے ساتھ ایسا اور ایسا کریں گے اور ہمیں کوئی چیز تمہاری مستورات کے زیوروں سے نہ روک سکے گی۔"[۵۱]

یہودیوں کو دستورِ مدینہ میں پوری خود مختاری حاصل تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانونی مقدموں کا فیصلہ انصاف اور مساوات کے ساتھ کرتے تھے اور انھیں شکایت کا کوئی موقع نہیں دیتے تھے۔ مگر یہودی فطرتاً فتنہ پرداز تھے۔ انہوں نے قریش کی آواز کا مثبت جواب دے دیا۔ دستور کے مطابق ریاستِ مدینہ کے دشمنوں کے ساتھ اس طرح کی سازباز شدید غداری تھی۔ مگر اس کے باوجود بحیثیت سربراہِ ریاست، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو قریش کا حشر یاد دلایا اور انھیں سنگین عواقب سے متنبہ کیا۔ اس کے باوجود یہودی نہ سمجھے اور انہوں نے شدید ردِعمل کا اظہار کیا اور کہا:

"اے محمدؐ! تم اس دھوکہ میں نہ رہنا، تمھاری جنگ ان لوگوں سے تھی جنھیں جنگ کا کوئی تجربہ نہ تھا اور تم نے یہ

جنگ جیت لی ۔ بخدا! جب ہم لڑیں گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم اور طرح کے لوگ ہیں"۵۲۔

یوں انہوں نے دستور کو پامال کیا اور مسلمانوں سے جنگ کی۵۳۔ بنو قینقاع یہودیوں کا سب سے بہادر قبیلہ تھا۵۴۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہودیوں کے درمیان دستوری معاہدے کو سب سے پہلے پامال کیا ۔ انہوں نے اعلانِ جنگ کر دیا اور غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد کے درمیان مسلمانوں کے خلاف لڑے۵۵۔

فیصلہ

یہ انتہائی غداری سزائے موت کی متقاضی تھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیف جسٹس کی حیثیت سے انھیں صفائی کا موقعہ دیا تاکہ عدل و قانون کے تمام تقاضے پورے ہو سکیں ۔ بنو قینقاع کے حلیف عبداللہ بن اُبَی نے انھیں جلاوطن کرنے کی سفارش کی ۔ بطور سربراہِ ریاست آپؐ اس سزا پر رضامند ہو گئے ۔ اس کے نتیجے میں بنو قینقاع مدینہ سے جلاوطن کر دئیے گئے۵۶۔ دورِ جدید کے ہر دستور میں انتہائی غداری کی سزا موت ہے جسے ہر ملک و قوم نے آئین و قانون اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق قرار دیا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستور میں غداری کی سزا موت کے باوجود بنو قینقاع کو صرف جلاوطن کیا، یہ بیّن ثبوت ہے کہ اسلام دینِ رحمت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔

بنو نضیر کی غداری

بنو نضیر یہودِ مدینہ کا دوسرا بڑا قبیلہ تھا ان کا ایک رہنما اور معروف شاعر کعب بن اشرف دستورِ مدینہ کو پامال کرتے ہوئے غزوۂ بدر کے بعد مکہ گیا ۔ اس نے آگ لگانے والے اشعار پڑھے اور قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۵۷۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا بھی منصوبہ بنایا اور بالآخر مارا گیا ۔

دستورِ مدینہ میں ایسی دفعات موجود تھیں جن کے مطابق وفاق کی ہر وحدت اپنے سابق رواج کے مطابق خونبہا کے معاملات طے کر سکتی تھی ۔ اس پر عمل درآمد ریاست کی ذمہ داری تھی ۔ عمرو بن امیہ الضمری نے بنو عامر کے دو آدمیوں کو ایک مسلمان کے بدلہ میں جو بیرِ معونہ میں قتل ہوا تھا ہلاک کر دیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیف جسٹس کی حیثیت سے عمرو بن امیہ کے اس فعل کو پسند نہیں فرمایا اپنا فیصلہ سنایا کہ اس کا خون بہا ادا کیا جائے ۵۸۔ بنو عامر بنو نضیر کے حلیف تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سربراہِ ریاست کی حیثیت سے اس فیصلہ کے نفاذ کا اہتمام کیا ۔ آپؐ اس خون بہا کی ادائیگی اور دیگر معاملات کو طے کرنے کے لیے بذاتِ خود بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے مگر یہودی اپنی فطرت سے مجبور تھے انہوں نے ریاستِ مدینہ کی عدالتی اور انتظامی اعلیٰ کارکردگی کو سراہنے کی بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے خلاف سازش کی۵۹۔

دستور کی پامالی

بنو قینقاع کی جلاوطنی، کعب بن اشرف کی دغابازی اور بنو نضیر کی طرف سے دستور کی پامالی نے یہودیوں سے

تجدیدِ معاہدہ کی ضرورت پیدا کر دی۔ بنو قریظہ تجدیدِ معاہدہ کے لیے تیار ہو گئے مگر بنو نضیر دستور کی پابندی سے نہ صرف منحرف ہو گئے بلکہ انہوں نے نیا معاہدہ کرنے سے بھی انکار کر دیا۔[۶] ان کا یہ رویہ اعلانِ جنگ کے مترادف تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مضبوط قلعوں میں مورچہ بندی کر لی۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار وہ مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

فیصلہ

دستور سے غداری اور ریاست کے خلاف سازش جیسے جرائم سزائے موت کے متقاضی تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سزائے موت دینے کے بجائے صرف جلاوطن کرنے کا فیصلہ کیا۔ بنو نضیر نے آپؐ کے اس فیصلہ پر اطمینان کا اظہار کیا اور انھوں نے اسے بخوشی قبول کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دستور کے مطابق انہیں سزائے موت دی جا سکتی تھی مگر آپؐ نے صرف ان کی جلاوطنی پر اکتفا فرمایا جس پر وہ بہت خوش تھے۔[۶۱]

بنو قریظہ کی غداری

بنو قریظہ ریاست مدینہ میں ایک سیاسی وحدت تھے۔ انہوں نے غزوۂ اُحد کے بعد دستورِ مدینہ سے وفا کی تجدید بھی کی تھی۔ غزوۂ خندق کے دوران کعب بن اسد، قریظہ کے رہنما نے حملہ آوروں کی مدد سے انکار کر دیا اور انہیں مسلمانوں کے ساتھ اپنا عہد یاد دلایا۔ حُیَیّ بن اخطب، بنو نضیر کا ایک جلاوطن رہنما بنو قریظہ کو اپنے زیرِ اثر لانے میں کامیاب ہو گیا جس سے بنو قریظہ دستور سے غداری کرنے اور مسلمانوں کے مقابلے میں حملہ آوروں کی امداد کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو ان کے پاس بطور سفیر بھیجا کہ وہ انہیں دستور کے ساتھ وفا اور عہد کی پاسداری یاد دلائیں۔

چونکہ وہ آئین سے غداری اور دشمنوں کی فوج سے مل جانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے جواب دیا:

"ہم نہیں جانتے محمدؐ کون ہے اور معاہدہ کیا ہے۔"[۶۲]

وہ ریاست کے خلاف علی الاعلان جنگ میں شریک ہوئے اور شکست کھائی۔ شکست کے بعد وہ اپنے قلعوں میں پسپا ہو گئے اور اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن حُیَیّ بن اخطب کو بھی لے گئے۔[۶۳] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو ہراول دستہ کے طور پر بنو قریظہ کی طرف بھیجا۔ جب وہ ان کے قلعوں کے قریب پہنچے تو یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور ان کو بُرے ناموں سے پکارا۔ حضرت علیؓ یہ برداشت نہ کر سکے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھیج دی کہ یہود جنگ پر آمادہ ہیں۔ اس کے بعد ان کا محاصرہ کر لیا گیا جو پچیس دن جاری رہا۔[۶۴] جب وہ محاصرہ کو برداشت نہ کر سکے تو انھوں نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی افواج کے سپہ سالار کو پیغام بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ ریاست مدینہ اور ان کے معاملے کا فیصلہ کرنے کے لیے ان کے پرانے حلیف حضرت سعدؓ بن معاذ کو ثالث مقرر کر دیا جائے۔[۶۵] ان کی درخواست پر حضرت سعدؓ کو ثالث بنا دیا گیا اور یہ مقدمہ فیصلہ کے لئے

اس کے سپرد کر دیا گیا۔

فیصلہ کا اعلان

حضرت سعدؓ بن معاذ ثالثی کے لیے سب سے اہل آدمی تھے۔ انہوں نے دستورِ مدینہ کی تدوین میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ اور اس امر کے گواہ تھے کہ بنو قریظہ نے اپنی آزادی رائے سے دستور کو تسلیم کر لیا تھا۔ وہ اس امر کے بھی گواہ تھے کہ بنو قریظہ نے بغیر کسی اندرونی یا بیرونی دباؤ کے معاہدہ کی تجدید کی تھی۔ وہ یہود کے با اعتماد حلیف تھے اور ان کے مذہبی قانون، قواعد و عادات اور سماجی رسم و رواج سے کما حقہٗ آگاہ تھے۔ متذکرہ پس منظر، بنو قریظہ کے جرم اور دستور کی متعلقہ دفعات کو ذہن میں رکھتے ہوئے حضرت سعدؓ نے اپنا مندرجہ ذیل فیصلہ سنایا جو تورات کے قانون کے عین مطابق تھا:

"میں ان کے متعلق اپنا فیصلہ سناتا ہوں کہ ان کے مرد قتل کر دیے جائیں، ان کی املاک تقسیم کر دی جائیں، ان کے بچے اور عورتیں جنگی قیدی بنا لیے جائیں۔"[٦٦]

ریاست اور یہود دونوں نے اس فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور حکومت نے اسے نافذ کر دیا۔

یہودیت قبول کرنے والوں پر تنازعہ

بنو نضیر کی جلا وطنی پر یہود اور انصار میں اس بات پر تنازعہ پیدا ہو گیا کہ آیا انصار کے وہ نوجوان جنہوں نے یہودیت اختیار کر لی تھی یہودیوں کے ساتھ جائیں گے یا اپنے والدین کے پاس رہیں گے۔ یہ مقدمہ ریاست مدینہ کے چیف جسٹس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا۔ یہ کوئی سیاسی یا سماجی مسئلہ نہ تھا۔ یہ خالصتاً ایک مذہبی مسئلہ تھا جس پر وحیِ الٰہی کی ہدایت کی ضرورت تھی جس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

"لا اکراہ فی الدین۔"

(دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں)[٦٧]

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے مطابق مقدمے کا فیصلہ فرمایا۔[٦٨]

یہودیوں کے قرضے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخِ انسانیت میں سب سے پہلے حکمران تھے جنہوں نے تحریری آئین بنایا، آئینی حکومت قائم کی اور خود سختی سے آئین کی پابندی کی۔ دستور سے غداری کرنے والے اور ریاستِ مدینہ سے جنگ کرنے والے یہودیوں کے ساتھ آپؐ نے جو سلوک فرمایا وہ قیامت تک حکمرانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے آپؐ نے اپنے شکست خوردہ دشمنوں کو وہ قرض حق و انصاف کے مطابق دلائے جو انہوں نے مختلف لوگوں کو دے رکھے تھے۔

مندرجہ ذیل دو مقدمات اس حقیقت کا ثبوت پیش کرتے ہیں :

بنو قینقاع کی غداری ثابت ہو چکی تھی۔ آئین کے مطابق ان کے اخراج کا فیصلہ سنایا جا چکا تھا۔ فیصلہ سن کر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں یہ دعویٰ دائر کیا کہ ان کے وہ قرضے انھیں دلائے جائیں جو ان کی طرف سے مختلف لوگوں کے ذمے ہیں۔ اس میں انہوں نے استدعا کی کہ انہوں نے وہ قرض بھی وصول کرنے ہیں جن کی تاریخ ادائیگی ابھی نہیں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمہ سُنا۔ شہادت لی اور مدعا علیہان کو بھی سنا۔ یہودیوں کا حق ثابت ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فیصلہ سُنایا :

"کٹوتی پر ان (قرضوں کی) تشخیص کرو۔"[۶۹]

بنو نضیر کی جلاوطنی پر بھی یہی صورت دُہرائی گئی۔ انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں درخواست دی: مختلف لوگ ہمارے مقروض ہیں جن کی ادائیگی کی تاریخ ابھی نہیں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت لینے کے بعد حکم دیا :

"کٹوتی پر ان (قرضوں) کی تشخیص کرو۔"[۷۰]

مندرجہ بالا مباحث سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک وفاق مدینہ کی تمام وحدتیں دستورِ مدینہ کی وفادار رہیں انہیں مساوی طور پر انصاف ملتا رہا۔ جب انھوں نے دستور کو پامال کیا اور ایک آئینی حکومت کے خلاف تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہوئیں تو مجرموں پر مقدمہ چلایا گیا اور انھیں باقاعدہ عدالت میں پیش کیا گیا ان کے مقدمات کی سماعت ہوئی، آئینی، عدالتی اور قانونی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان کے خلاف سازش اور انتہائی غداری کا جُرم ثابت کیا گیا۔ ہم اس موقع پر اس حقیقت کو پورے وثوق سے بیان کرتے ہیں کہ اگر مدینہ کے یہودی متفق علیہ دستور سے غداری نہ کرتے آئینی حکومت کے خلاف سازش کا ارتکاب نہ کرتے سربراہِ ریاست کو جان سے مار دینے کے منصوبے نہ بناتے تو انہیں مدینہ سے جلاوطن نہ کیا جاتا اور نہ انہیں موت کی سزا دی جاتی بنو قینقاع اور بنو نضیر کو جلاوطن کیا گیا صرف اس لئے کہ انہوں نے دستورِ مدینہ سے غداری کی اور ریاست کے خلاف سازش کے مرتکب ہوئے ان جرائم کی سزا آئین کے مطابق موت تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان کی جلاوطنی پر اکتفا فرمایا۔ اس طرح بنو قریظہ نے آئین کو توڑا، دستور کو پامال کیا، ریاست کے خلاف کھُلّم کھُلا دشمن کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کی۔ ان گھناؤنے جرائم کے ارتکاب کے باوجود انہوں نے اپنے پرانے من پسند اور پُرانے حلیف حضرت سعدؓ بن معاذ کو حکم بنانے کی درخواست کی، جسے حکومت نے تسلیم کر لیا۔ حکم نے جو فیصلہ دیا حکومت نے اُسے بھی مان لیا۔ اتنے واضح، یقین اور کھُلے دلائل اور تاریخی حقائق کے باوجود بعد کے یہودیوں نے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کے خلاف کی گئی آئینی کارروائی کو ظلم قرار دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئین اور دستور میں مقرر کردہ سزاؤں سے بھی کم سزا دی مگر اس کے باوجود آپؐ پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے۔ اگرچہ یہ ساتویں صدی عیسوی کی بات ہے مگر ہم چیلنج کرتے ہیں کہ آج بیسویں صدی عیسوی میں بھی عیسائی

دنیا کی کوئی جدید سے جدید ریاست بھی آئین اور قانون کے اس معیار پر پورا اتر کر دکھائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں صدی عیسوی میں قائم کیا تھا۔ آپ کا معیار یہ تھا کہ حکومت آئینی ہو گی جس کے آئین میں تمام سیاسی وحدتوں کے حقوق و فرائض وضاحت کے ساتھ بیان ہوں گے۔ کسی شہری یا سیاسی وحدت کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی جائے گی جب تک اس کے خلاف باقاعدہ مقدمہ چلا کر عدالت میں جرم ثابت نہ کر دیا جائے۔ ریاست کے ہر فرد کی جان، مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو گی اور کسی شہری کو جرم بتائے بغیر گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ کسی سیاسی وحدت پر ثبوت کے بغیر سازش اور غداری کا الزام نہیں لگایا جائے گا۔ اب ہم ان امور کا ثبوت دستورِ مدینہ سے پیش کرتے ہیں :

دستور کی دفعہ ۴۱ کا متن یہ ہے :

"ان المومنین المتقین علی من بغی منھم، او ابتغی دسیعة ظلم، او اثم او عدوان او فساد بین المومنین وان اید یھم علیہ جمیعا ولو کان ولد احدھم۔"

(مومنین متقین اپنے میں سے ہر اس شخص کے خلاف ہوں گے جو بغاوت کرے گا یا جو مومنین کے درمیان ظلم یا غداری یا عدوان یا فساد کا ارتکاب کرے گا ایسے شخص کے خلاف مومنین کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو)

دستورِ مدینہ کی یہ دفعہ اتنی واضح اور بیّن ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اس میں "ظلم"، "غداری"، "عدوان" اور "فساد" جیسے جرائم کا ذکر ہے۔ اس میں یہ امر بھی مذکور ہے کہ ریاست کے شہریوں میں سے جو کوئی ان جرائم کا ارتکاب کرے گا غدّار قرار پائے گا۔ اس دفعہ میں اس بات کی اس حد تک وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر غدّاری کا ارتکاب کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ کرے وہ بھی مجرم ہو گا (ولو کان ولد احدھم) اسی دفعہ میں ان جرائم کی سزا موت بیان ہوئی ہے خواہ کوئی شہری ان کا مرتکب ہو یا وفاقِ مدینہ کی کوئی سیاسی وحدت ان کا ارتکاب کرے دفعہ کے الفاظ "ان اید یھم علیہ جمیعا" (مومنین کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے) کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اپنی پوری قوت کے ساتھ ایسے غدّار کا خاتمہ کر دے گی۔ یعنی غدّار کی سزا موت ہو گی۔ گزشتہ صفحات میں مستند تاریخی شواہد سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہودیوں کے تینوں قبیلوں نے ظلم، غداری، عدوان اور فساد کا ارتکاب کیا تھا، جب یہ مسئلہ حقیقت ہے تو ان کے خلاف انھیں کے متفقہ آئین کے مطابق سزا کا اجراء ظلم کیسے ہوا؟

اب ہم دستورِ مدینہ کی دفعہ ۱۷ کا حوالہ پیش کرتے ہیں :

" وانہ من تبعنا من یھود فان لہ النصر والاسوہ غیر مظلومین ولا متناصرین علیھم۔"

(یہودیوں میں سے جو بھی ہماری اتباع کرے گا اُسے مدد اور مساوات حاصل ہو گی جب تک اس سے مسلمانوں کو ضرر نہ پہنچے گا اور نہ ہی وہ ان کے خلاف دوسروں کی مدد کرے گا)

اس دفعہ میں یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ مساوی مدد اور حقوق دیے جانے کا ذکر ہے۔ "النصر" اور "الاسوہ" بغیر کسی ابہام کے بتا رہے ہیں کہ آئین مدینہ کی ترتیب میں یہودیوں کی رضا شامل تھی ان کی شرکت اور شمولیت کا سبب یہ تھا کہ انھیں دوسری سیاسی وحدتوں کے ساتھ مساوی مدد اور یکساں حقوق حاصل ہو رہے تھے۔ اس دفعہ کا دوسرا حصہ اپنے پہلے حصے کی طرح اہم ہے جس میں کہا گیا ہے :

"جب تک اس سے مسلمانوں کو ضرر نہ پہنچے گا اور نہ ہی وہ ان کے خلاف دوسروں کی مدد کرے گا۔"

دستور کی اس دفعہ سے ہم نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اگر یہودی آئین مدینہ سے غداری کا ارتکاب نہ کرتے تو وُہ نہ جلاوطن ہوتے اور نہ ان میں سے کسی کو سزائے موت دی جاتی۔ مگر یہ مسلّمہ امر ہے کہ یہودیوں نے آئین کے خلاف مسلمانوں کو ضرر بھی پہنچایا اور ان کے خلاف دوسروں کی مدد بھی کی۔ جب تک اُنھوں نے آئین و ریاست سے وفاداری جاری رکھی ریاست نے انھیں مساوی حقوق دیے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ غزوۂ بدر تک یہ تینوں قبیلے وفادار تھے۔ چنانچہ اس دوران ریاست کے تمام شہریوں کی طرح انھیں مساوی حقوق حاصل رہے غزوۂ بدر کے بعد بنو قینقاع نے غدّاری کی اور آئین کے مطابق سزا پائی۔ مگر دوسرے دونوں قبیلوں —— بنو نضیر اور بنو قریظہ کو مساوی اور برابر حقوق دیے جاتے رہے۔ غزوۂ اُحد کے بعد بنو نضیر نے دستور سے غداری کی اور اپنے جُرم کی سزا پائی۔ لیکن یہودیوں کے تیسرے قبیلہ —— بنو قریظہ کو مساوی حقوق حاصل رہے، کیونکہ اُنھوں نے ابھی تک غدّاری کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ غزوۂ خندق کے بعد بنو قریظہ نے بھی غدّاری کی اور آئین کے مطابق سزا پائی۔ یہ تفصیل اس بات کا کافی ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اگر یہودی اسلامی ریاست اور دستورِ مدینہ کے وفادار رہتے تو انھیں نہ کوئی سزا دی جاتی اور نہ ہی وُہ جلاوطن ہوتے۔

دستور کی دفعہ ۲۶ سے ہماری دلیل کو مزید تقویت پہنچتی ہے۔ اس کا متن یہ ہے :

"و ان یهود بنی عوف اُمّۃ مع المومنین، للیهود دینهم وللمسلمین دینهم موالیهم وانفسهم، الا من ظلم و اثم فانه لا یوتغ الا نفسه و اهل بیته۔"

(یہود کے لیے اپنا دین ہوگا مسلمانوں کے لیے اپنا دین ہوگا اس میں ان کے موالی اور وہ خود (شامل ہوں گے) البتہ جو ظلم اور غدّاری کا ارتکاب کرے گا وُہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا)

اس دفعہ کی رُو سے یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ ایک سیاسی اُمّت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے (امۃ مع المومنین) انہیں دینی آزادی کی ضمانت دی جاتی ہے (للیهود دینهم) مگر یہ مساوی، سیاسی اور مذہبی حقوق اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ وُہ ظلم اور غدّاری کا ارتکاب نہ کریں اگر وہ ظلم و غداری کے مرتکب ہوں گے

تو وُہ اور ان کے خاندان اپنی ہلاکت کے خود آپ ذمہ دار ہیں۔ اس دفعہ پر جو شخص بھی مذہبی تعصب اور نسلی و نسبی تنگ نظری سے بالاتر ہو کر غور کرے گا اس پر یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جائے گی کہ ریاستِ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے عہد میں یہودیوں کو جو سیاسی اور دینی حقوق حاصل تھے وہ حقوق انھیں نہ اس سے پہلے کسی حکومت نے دیئے تھے اور نہ بعد کی کسی حکومت میں یہ حقوق انہیں حاصل ہوئے تھے۔ اور اگر وہ اپنی فطرت سے مجبور ہو کر غداری کا ارتکاب نہ کرتے تو ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جاتی۔ اس موقع پر میں یہودی مستشرقین کو دعوت دیتا ہوں کہ اسلامی تاریخ کا مذہبی تعصب اور نسلی تنگ نظری سے بلند ہو کر مطالعہ کریں۔ قرآن و سنّت کے متون کو سمجھنے کی کوشش کریں اور سمجھیں کہ اسلام نے یہودیوں کو مساوی، سیاسی اور دینی حقوق عطا کر کے ان کو کتنی عزّت بخشی۔ مگر جو دستور ان کی رضامندی سے مرتّب ہوا اگر انہوں نے خود اس سے غداری کی، اسے پامال کیا اور ریاست و آئین کی خلاف ورزی کرتے ہُوئے دشمنوں کے ساتھ مل کر ریاست اور سربراہِ ریاست کے خلاف سازش کے مرتکب ہُوئے تو اس سے ان پر کس نے ظلم کیا؟ کیا خود انہوں نے اپنے آپ پر ظلم نہیں کیا؟ اگر اُنھوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا تو اس کا الزام وُہ ریاستِ مدینہ اور سربراہِ ریاست پر کیسے لگا سکتے ہیں؟
اسی دفعہ زیرِ مطالعہ میں یہ شق موجود ہے:

"البتہ جو ظلم اور غدّاری کا ارتکاب کرے گا وُہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔"

میں یہودی مستشرقین کو چیلنج کرتا ہُوں کہ وُہ ثابت کریں کہ دستورِ مدینہ میں یہ شق شامل نہ تھی؟ اور یا تینوں یہودی قبیلوں کو اس کا علم نہ تھا؟ یا جو دستور ان کی رضامندی سے بنا تھا اس میں اس کا ذکر نہ تھا؟ اسے بعد کے مسلمان مورخین نے دستورِ مدینہ میں شامل کر دیا تھا۔ مگر وُہ ان سب باتوں کا کیسے انکار کر سکتے ہیں؟ ہم اس کتاب کے اسی باب میں مستشرقین کے نامور محققین کی تحقیقات سے ثابت کر چکے ہیں کہ دستورِ مدینہ کا جو متن ہم نے درج کیا ہے اور جسے شہرۂ آفاق محدثین و مورخین نے روایت کیا ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جو غزوۂ بدر سے قبل مدینہ میں مرتّب ہُوا تھا اس میں اس کے بعد آج تک نہ کوئی ردّ و بدل ہوا ہے اور نہ ترمیم و اضافہ ہُوا ہے۔ جب خود مستشرقین اس دستور کی صحت کے قائل ہیں تو یہودی مستشرقین اس سے کیسے انکار کر سکتے ہیں! اس بات کے متحقق ہو جانے کے بعد کہ دستورِ مدینہ کا متن وہی ہے جس پر یہودِ مدینہ نے اعتماد کا اظہار کیا تھا تو اب ہم دیکھتے ہیں کہ دفعہ زیرِ غور میں غدّاری کی کیا سزا مقرر ہے۔ اس دفعہ میں موجود ہے کہ سیاسی اعتبار سے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک اُمّت ہیں۔ یہ بہت بڑا تاریخی اعزاز ہے جو دستورِ مدینہ نے یہودیوں کو عطا کیا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج کے متمدّن اور مہذّب دَور میں بھی ترقی یافتہ ممالک میں نسلی اور مذہبی امتیازات و تعصبات موجود ہیں حتیٰ کہ امریکہ میں بھی کالے اور گورے کی اصطلاح سیاسی اور معاشرتی امتیازات کی آئینہ دار ہے۔ صرف اقوامِ متحدہ کے دستور میں انسانی مساوات کو تسلیم کیا گیا ہے مگر عملاً اس اصول کی کہیں بھی فرمانروائی نظر نہیں آتی۔ یہ عہدِ حاضر کی حالت ہے۔ اس کے مقابلے میں ساتویں صدی عیسوی میں ریاستِ مدینہ نے جو دستور مرتّب کیا تھا اس میں ہر سیاسی وحدت کو مساوی دینی، سیاسی اور معاشرتی حقوق دیئے گئے رنگ، نسل اور مذہب کی بنیاد پر امتیازات و تعصبات ختم کرنے کی تاریخ میں یہ عظیم انقلاب تھا۔ اقوامِ متحدہ کا چارٹر اس روشن آفتاب اور درخشندہ ماہتاب کے مقابلے میں ایک ٹمٹماتے ہوئے

چراغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بہرحال عہدِ حاضر کے لوگ اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی ترتیب و تدوین پر فرحاں و نازاں ہیں۔ کیا اس میں یہ دفعات موجود نہیں ہیں کہ اس چارٹر کو تسلیم کرنے والی قوم اگر اس کی خلاف ورزی کی مرتکب ہو تو اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی ؟ اس ادارے کی جنرل اسمبلی اور سکیورٹی کونسل کی قرار دادیں اور فیصلے محققین کے لیے اس بات کا کافی مواد فراہم کرتے ہیں کہ جس قوم نے اقوامِ عالم کے اس متفقہ دستور کے ساتھ غداری کی یا اس کی دفعات کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا اس کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جس کا ذکر دستور کے اندر موجود ہے یہ ادارہ اگر کسی وقت کسی خود سر قوم کے خلاف رتی بھر انصاف کا مظاہرہ کرتا ہے تو دنیا بھر میں اس کی تعریف و تحسین میں آسمان سر پہ اٹھا لیا جاتا ہے، اور اگر دستورِ مدینہ کے تحت ریاستِ مدینہ نے عدل و انصاف اور دستوری دفعات کے تقاضوں کے مطابق ریاست کی کسی سیاسی وحدت یا فرد کے خلاف کارروائی کی تھی تو اسے ظلم قرار دیا جاتا ہے حالانکہ اقوامِ متحدہ کا چارٹر، دستورِ مدینہ کا ایک معمولی سا عکس ہے یہ عجیب اور دلچسپ تاریخی تضاد ہے کہ اصل پر عمل تو ظلم کہلائے اور نقل پر عمل انصاف ! میں مورخینِ عالم اور محققینِ دساتیر کو دعوت دیتا ہوں کہ وُہ علمی دیانت اور جراتِ فکری سے کام لے کر دستورِ مدینہ کا مطالعہ کریں یہودی مورخین نے تعصب و تنگ نظری سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف جو معاندت اور منافرت کی فضا پیدا کر رکھی ہے اس سے آزاد ہو کر اسلام نے انسانی اخوت، مساوات ، حریت اور وحدت کے جن عظیم اصولوں کو انسانیت کی عظمت و توقیر کے لیے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا دیانت داری اور خلوص سے انہیں سمجھیں اور علمی اور تحقیقی طور پر ان کا تجزیہ کریں۔

دستورِ مدینہ کی دفعہ ۴۲ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جو کوئی ظلم اور غداری کا ارتکاب کرے گا وُہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔ گزشتہ اوراق میں مستند تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہودیوں کے تینوں بڑے قبیلوں نے ظلم اور غداری کا ارتکاب کیا تھا۔ ان کا ظلم اور غداری ثابت ہو جانے کے بعد عہدِ حاضر کے یہودی محققین بتائیں کہ دستورِ مدینہ کے مطابق ظالم اور غدار کی کیا سزا مقرر تھی، یقیناً ان کا جواب وہی ہوگا جو دستور میں درج ہے :

> " البتہ جو ظلم اور غداری کا ارتکاب کرے گا وُہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔"

یہودی محققین سے میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا مدینہ میں آباد یہودیوں نے اس دستور کو تسلیم کیا تھا یا نہیں! تاریخ کی مستند روایات پر یقین رکھنے والے تمام مسلم و غیر مسلم مورخین نے ثابت کیا ہے کہ غزوۂ بدر سے قبل مدینہ کے یہودی آزاد، خود مختار، خوشحال، مسلح اور مضبوط قلعوں کے مالک تھے انہوں نے اپنی مضبوط اور مستحکم حیثیت کے ساتھ دستورِ مدینہ کو تسلیم کیا تھا کیونکہ اس میں انہیں مسلمانوں کے ساتھ برابر، مساوی اور یکساں حقوق حاصل تھے۔ وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا متوقع اور منتظر پیغمبر خیال کرتے تھے اور امید کرتے تھے کہ اس پیغمبر کے ساتھ مل کر وُہ اپنے حریف عربوں پر فتح پالیں گے۔ یہ مستند تاریخی شواہد ہیں خود قرآن میں ان کا ذکر موجود ہے جس کے بارے میں مستشرقین

اور تمام عالم کے غیر مسلم متفق ہیں کہ اس میں کوئی ردّ و بدل نہیں یہ وہی ہے جو آپؐ پر نازل ہوا تھا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ یہودیوں نے دستورِ مدینہ کو برضا و رغبت تسلیم کیا تھا۔

یہودی علماً و محققین سے میرا اگلا سوال یہ ہے کہ کیا مدینہ کے یہودیوں نے دستورِ مدینہ کو تسلیم کر کے اس سے غداری کا ارتکاب کیا تھا یا نہیں؟ ہم نے اسی باب میں وافر مستند حوالہ جات اور صحیح روایات سے ثبوت فراہم کیا ہے کہ مدینہ میں آباد یہودیوں کے تینوں قبیلوں ——— بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ ——— نے یکے بعد دیگرے دستورِ مدینہ، ریاستِ مدینہ اور سربراہِ ریاست کے خلاف غدّاری کا ارتکاب کیا تھا۔ جیّد محدثین اور نامور مورخین کی روایات کے مطابق سب سے پہلے بنو قینقاع نے غزوۂ بدر کے بعد غداری کی۔ پھر بنو نضیر نے غزوۂ اُحد کے بعد اور آخر میں بنو قریظہ نے غزوۂ خندق کے بعد غداری کا ارتکاب کیا۔ سند اور حوالہ کے لیے قارئین اس باب کے گزشتہ اوراق پر پھر سے ایک نظر ڈال لیں۔ یہ مستند تاریخی مواد ناقابلِ تردید ثبوت فراہم کرتا ہے کہ یہودِ مدینہ ظلم اور غداری کے مرتکب ہُوئے تھے۔

یہودی اہلِ علم و دانش سے میرا اگلا سوال یہ ہے کہ دستور اور ریاست سے ظلم اور غداری کی سزا دستورِ مدینہ میں کیا بیان ہُوئی ہے؟ میرے خیال میں اس سوال کا جواب نہایت آسان ہے کیونکہ یہ اس دفعہ زیرِ مطالعہ میں واضح طور پر درج ہے اور ہم اس کی طرف کئی بار رجوع کر چکے ہیں۔ بحث کو منطقی نتیجے تک پہنچانے کے لیے ہم دستور کی اس دفعہ کا متن ایک بار پھر نقل کر دیتے ہیں:

"البتہ جو ظلم اور غداری کا ارتکاب کرے گا وُہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔"

اس موقع پر ہم صرف اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ غداری کی یہ سزا صرف یہودیوں کو سامنے رکھ کر تجویز نہیں کی گئی تھی بلکہ اس سے مراد ریاستِ مدینہ کی تمام سیاسی وحدتیں اور جملہ شہری تھے ان میں سے جو بھی ظلم اور غداری کے مرتکب ہوتے۔ ان سب کی سزا یہی تھی۔

اب ہم یہودیوں سے ایک سوال یہ پُوچھتے ہیں کہ ریاست مدینہ کا کوئی شہری یا سیاسی وحدت دستور، ریاست یا سربراہِ ریاست کے خلاف غدّاری کا ارتکاب کرتی تو حکومتِ وقت کو اس کے خلاف کیا کارروائی کرنی چاہیے تھی؟ یہودی یقیناً اس کا وہی جواب دیں گے جو خود دستور میں موجود ہے۔ دستور کا جواب یہ ہے:

"فانہ لا یوتغ الا نفسہ و اھل بیتہ" (دفعہ ۲۶)

(وہ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا)

ہم اس سلسلے میں دستور کی دفعات ۱۷، ۲۳، ۲۴، ۳۲، ۳۴، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۹، ۵۰ کا خاص طور پر حوالہ دیتے ہیں۔ دستور کے مطابق یہودیوں کے اس جواب کے بعد دیکھنے کی صرف یہ بات رہ جاتی ہے کہ حکومتِ وقت نے مدینہ کے یہودی غدّاروں اور ظالموں کو جو سزا دی وُہ دستور میں درج سزا کے مطابق تھی یا کم تھی یا زیادہ تھی؟ اگر دستور کے

مطابق تھی تو حکومت اپنے آئینی، دستوری اور قانونی فرض سے عُہدہ برآ ہُوئی اور عدل و انصاف کے نفاذ کی ذمے داری کو پُورا کیا۔ حکومت نے جو سزا دی اگر وہ دستور میں تجویز کردہ سزا سے کم تھی تو حکومت نے دینِ اسلام کی رُوح کے مطابق عمل کیا جس کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے عفو و درگزر اور رحمت و رأفت سے کام لیا جائے اور اگر سزا جُرم سے زیادہ تھی تو زیادتی کی یہودِ مدینہ میں سے جس قبیلہ نے سب سے پہلے غداری کا ارتکاب کیا وہ بنو قینقاع تھے۔ دستور کے مطابق ان کی سزا ہلاکت اور موت تھی مگر حکومت نے خود بنو قینقاع کے حلیف عبداللہ بن اُبَی کی سفارش پر انھیں موت کی سزا دینے کی بجائے صرف جلا وطن کیا جس سے ظاہر ہے کہ حکومت نے دستور میں درج سزا سے کم سزا دی۔ بنو نضیر یہودیوں کا دوسرا قبیلہ تھا جو غداری کا مرتکب ہُوا۔ دستور کے مطابق انھیں موت کی سزا دی جانی چاہیے تھی مگر حکومت نے صرف ان کی جلاوطنی پر اکتفا کیا، جس کا مطلب یہ ہے حکومت نے دستور میں درج سزا سے کم سزا دی۔ بنو قریظہ یہودِ مدینہ کا تیسرا قبیلہ تھا جس نے غداری کا ارتکاب کیا، دستور کے مطابق ان کی سزا موت تھی مگر انھوں نے از خود اپنے پرانے حلیف حضرت سعدؓ بن معاذ کو حَکَم مقرر کرنے کی حکومت سے درخواست کی۔ دستور کے مطابق غداری کا ارتکاب کرنے والوں کی اس درخواست کو نظر انداز کر سکتی تھی۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ حضرت سعدؓ کو حَکَم مقرر کر دیا جنھوں نے تورات کے حُکم کے مطابق سزائے موت کا فیصلہ دیا اور اس سزا کو صرف ان بالغ جنگجو مردوں تک محدود رکھا جنھوں نے دستور کو توڑا اور ایک آئینی اور دستوری حکومت کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر کے باقاعدہ جنگ کی اور شکست کھا کر گرفتار ہوئے۔ حَکَم نے اپنے فیصلے میں غداروں اور باغیوں کے علاوہ قبیلے کے تمام دیگر افراد، عورتوں اور بچوں پر اس سزا کا اطلاق نہیں کیا اور انھیں اس سے مستثنیٰ قرار دیا۔ بنو قریظہ کے واقعے سے چند اہم دستوری نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ بنو قریظہ نے غداری کی اپنے اس انتہائی جُرم کا جج خود اپنی مرضی سے مقرر کروایا۔

۲۔ حکومت چاہتی تو بنو قریظہ کی درخواست کو مسترد کر دیتی جس میں اُنھوں نے اپنا جج اپنی مرضی سے مقرر کرنے کی استدعا کی تھی مگر حکومت نے ایسا نہیں کیا بلکہ یہودیوں کی مرضی کے مطابق حَکَم مقرر کر دیا۔

۳۔ حَکَم نے دستور کی بجائے یہودیوں کی مذہبی کتاب تورات کے قانون کے مطابق فیصلہ کیا حکومت نے اسے بھی تسلیم کر لیا کیونکہ دستور کی ایک دفعہ (۲۶) کے مطابق یہودیوں کو مذہبی آزادی دی گئی تھی جس سے اس فیصلہ کی گنجایش نکلتی تھی۔

۴۔ اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنی یہ سزا خود تجویز کی کیونکہ انھوں نے اپنی مرضی کا حَکَم مقرر کروایا جس نے اس سزا کا فیصلہ سنایا۔

۵۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر کے واقعات کو سامنے رکھا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ اگر بنو قریظہ اپنا حَکَم خود مقرر نہ کرواتے اور وہ انھیں یہ سزا نہ سناتا تو حکومت بنو قینقاع اور بنو نضیر کی طرح شاید بنو قریظہ کو بھی سزائے موت نہ دیتی بلکہ انھیں بھی صرف جلاوطنی کی سزا دیتی۔

اس تفصیل کے بعد ہم اصل سوال کی طرف لوٹتے ہیں کہ کیا بنو قریظہ کو دستور کے مطابق سزا دی گئی یا کم سزا دی گئی، یا زیادہ سزا دی گئی؛ دستور کے مطابق اس جرم کی سزا موت تھی۔ اگرچہ حکم نے تورات کے مطابق سزا دی مگر اس سلسلے میں تورات کا حکم دستور کے مطابق تھا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ سزا دستور کے مطابق تھی۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دستور میں بیان کردہ سزا سے کم نہ تھی اور آخری بات یہ کہ بنو قریظہ کو دی گئی سزا بہرحال دستور کی سزا سے زیادہ ہرگز نہ تھی۔

ان مباحث و تفصیلات کے بیان کے بعد ہم تحقیق کے اس مرحلہ پر پہنچ چکے ہیں کہ مستشرقین یہود و نصاریٰ سے پوچھیں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستورِ مدینہ پر عمل کر کے آئین، دستور، قانون اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا؛ یا آئین، دستور اور عدل و انصاف کو نافذ کر کے یہودِ مدینہ پر ظلم کیا؟ اگر دستور و قانون پر عملدر آمد عدل و انصاف کا عین تقاضا ہے اور یقیناً نہ صرف یہ عدل و انصاف کا تقاضا ہے بلکہ تہذیب و تمدن، شرفِ انسانیت اور فطرت کے قوانین کے ساتھ مطابقت ہے تو پھر یہودیوں پر ظلم و ستم کی فرضی داستانوں، قتل و خونریزی کے من گھڑت قصوں، مذہبی و نسلی امتیازات و تعصبات کی وضعی روایتوں کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؛ ہم بلا خوفِ تردید اور بلا اندیشہ لومۃ لائم پورے وثوق اور تاریخی حقائق کی مستحکم بنیاد پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہودِ مدینہ نے خود اپنی آزادانہ، خود مختارانہ رائے اور برضا و رغبت دستورِ مدینہ کو تسلیم کیا اور جن نسلی تعصبات کی توقعات کے تحت انہوں نے ایسا کیا تھا جب وہ پوری ہوتی نظر نہ آئیں تو انہوں نے اپنی فطرت کے مطابق متفقہ آئین کے ساتھ غداری اور بے وفائی کا رویّہ اختیار کیا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اگر دنیا کے کسی یہودی کو اس کے متعلق کوئی شک و شبہ ہو تو وہ مستند تاریخی شواہد کی روشنی میں اس کی تردید کرے، من گھڑت افسانوں، وضعی روایتوں اور فرضی داستانوں کا سہارا نہ لے۔

ہم نے دستورِ مدینہ کے تحت عدالتی نظام پر بحث کے دوران اس کی وضاحت اس لیے ضروری سمجھی تاکہ صدیوں سے یہودیوں نے اسلام کے خلاف جو محاذ آرائی قائم کر رکھی ہے۔ اس کے حقیقی پس منظر کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان حقایق کی پردہ کشائی سے یہودی حقیقت کی طرف رجوع کریں گے کیونکہ انہوں نے قصداً اور عمداً تاریخ کو مسخ کر کے پیغمبرِ اسلام کے خلاف فضا پیدا کی ہے ان میں اگر دیانت دار اور مخلص محقق موجود ہوں تو وہ ضرور ہماری ان باتوں پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں گے اور اگر خدا نے انھیں توفیق دی تو حقیقت کو بھی پا لیں گے، البتہ ہم مغربی نصرانی مستشرقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ تعصبات سے بالاتر ہو کر کریں تو انہیں اپنی بہت سی تاریخی غلطیوں کی اصلاح کا موقع مل سکتا ہے بالخصوص ہم توقع کر سکتے ہیں کہ وہ اس کتاب کے دوسرے، تیسرے، پانچویں، چھٹے اور نویں باب سے ضرور استفادہ کریں گے۔ ان مستشرقین کو مخاطب کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ صلیبی جنگوں کی ابتدا سے لے کر آج تک مسیحی دنیا میں جو نفرت اسلام کے خلاف پائی جاتی ہے اس کا بنیادی سبب یہودِ مدینہ کے مذکورہ بالا تین قبیلوں کے خلاف ریاستِ مدینہ کی آئینی کارروائی ہے۔ یہودیوں نے اسے اسلام کے خلاف خوب استعمال کیا۔ یہودیوں کی وساطت سے یہ زہر یورپ میں پھیلا۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف من گھڑت افسانے اور فرضی

داستانیں وضع کی گئیں۔ عیسائی یورپ کو اکسا کر مغرب و مشرق کو صلیبی جنگوں کی آگ میں جھونک دیا گیا۔ اس وقت سے اب تک اسلام و عیسائیت کے درمیان اختلافات کی خلیج کو مسلسل وسیع کیا جاتا رہا۔ عہدِ حاضر میں مشرقِ وسطیٰ کے قضیے کی اصل جڑ بھی یہی ہے۔ یورپ و امریکہ میں اسلام اور مشرقِ وسطیٰ کے نام پر یہودی سرمائے سے قائم اکثر تحقیقی و تربیتی ادارے اسی مقصد کو بروئے کار لا رہے ہیں۔ اگرچہ مستشرقین میں بعض مخلص و دیانت دار محقق بھی موجود ہیں مگر اکثر اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ اگر ہماری یہ حقیر کوشش مستشرقین کی پھیلائی ہوئی اس تاریخی غلطی کی تصحیح میں مدد و معاون ثابت ہو سکی تو یہ معمولی کامیابی نہیں۔ غلط فہمی یہ پیدا کی گئی ہے کہ یہودِ مدینہ کے تین قبیلوں ——— بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ کے ساتھ ظلم ہوا تھا۔ اس بے بنیاد اور بے حقیقت فرضی اور وضعی داستان سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اسلام، پیغمبرِ اسلام اور اُمتِ اسلامیہ (نعوذ باللہ) ظلم و بربریت کے داعی ہیں۔ اگر مشرقِ وسطیٰ میں عربوں کو چین نصیب ہو گیا تو وہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ان کے پیغمبر نے متذکرہ یہودی قبیلوں کے ساتھ مدینہ میں کیا تھا، جبکہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ ان یہود قبیلوں کے ساتھ دستور، آئین اور قانون کے مطابق عدل و انصاف سے بھی بڑھ کر رحمت و رأفت اور عفو و احسان کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا۔ لہٰذا ان کے ساتھ ظلم و بے انصافی کی پوری داستان بے بنیاد اور افسانوی ہے جس کی تائید تاریخ و تحقیق کے کسی بھی مسلمہ اصول سے نہیں ہوتی، اس لیے اے نصرانی مستشرقین! آپ تو تعصب کی پٹی آنکھ سے اتاریں، حقیقت کو دیکھیں اور جو کچھ اب تک آپ کے آبا نے یہودیت کے زیرِ اثر جو غلط فہمی پیدا کی ہے اس کی تصحیح کریں، اگر یہ اپیل یہودی اہلِ علم و دانش پر اثر کرے تو وہ اپنی غلطی کا اعتراف کریں اسلام کے خلاف بے بنیاد افسانہ طرازی سے باز آئیں، اور دُنیا کو اضطراب و بے چینی کی جگہ امن و سلامتی اور سکون و چین کا سانس لینے دیں، بالخصوص نصرانی مستشرقین تاریخی حقایق اور مستند روایات کی بنیاد پر اپنے باطل نظریات پر نظرِ ثانی کریں تاکہ انسانیت نفرت و کدورت کے خانوں میں بٹنے کی بجائے محبت و رحمت کے دامن میں سکون حاصل کرے اور قرآن کے اس ابدی پیغام اور دعوت کے لیے عالمی فضا سازگار بنے:

قل یاھل الکتٰب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا
ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔

(۳ : ۶۴)

(کہہ دو اے اہلِ کتاب! آؤ ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں، اور اگر وہ پھر جائیں تو انہیں کہو ہم مسلمان ہیں)

دستورِ مدینہ کے تحت عدلیہ پر بحث ختم کرنے سے پہلے یہ بات بصیرت افروز ہو گی کہ ریاستِ مدینہ نے جو ضابطۂ دیوانی اختیار کیا تھا اس کا پاکستان میں رائج ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء (ایکٹ ۵-۱۹۰۸) کے ساتھ مندرجہ ذیل

معاملات میں تقابل کیا جائے :

(الف) کسی شخص کی طلبی اور حاضری لازمی قرار دینا اور اس کا حلفیہ بیان لینا۔

(ب) دستاویزات کو برآمد کرنے اور انھیں پیش کرنے کا لزوم۔

(ج) حلف ناموں کے ذریعے شہادت لینا۔

(د) گواہوں کے بیان اور دستاویزات کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے کمشن جاری کرنا۔

یہ امر بصیرت افروز ہے کہ ریاستِ مدینہ کے چیف جسٹس نے جو ضابطہ اختیار فرمایا پاکستان میں مروجہ ضابطہ دیوانی اس سے مماثلت رکھتا ہے۔ جن مقدمات اور فیصلہ جات کو اُوپر بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے وہ اس بات کی کافی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ آپ کی عدالتی بصیرت بیسویں صدی کے عدالتی تقاضے پورے کرتی ہے۔ اس تقابل کے لیے خصوصی طور پر ان تفصیلات کا حوالہ دیا جاتا ہے جو" عدالتی نظام" کے تحت اس باب میں پہلے مقدمہ کے سلسلہ میں دی گئی ہیں۔ اس سے اس نظریے کی نفی ہو جاتی ہے کہ اسلام صرف ساتویں صدی کے لیے مؤثر تھا۔ یہ تو بیسویں صدی کی بات ہے ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف کے بارے میں جو تعلیمات دی ہیں وہ قیامت تک دیگر تعلیمات پر فوقیت رکھتی ہیں۔

حوالہ جات اور تشریحات

۱ - القرآن ، ۴۹ : ۱۰
جائے تعجب ہے کہ منٹگمری واٹ نے یہ تمام شہادت نظر انداز کر دی اور یہ رائے قایم کر لی کہ "اس نظریہ کو کہیں بھی نظریاتی اظہار نہیں دیا گیا لیکن یہ ہر جگہ لاگو اور متصور ہے" (MUHAMMAD AT MEDINA ، ص ۲۴۹)
۲ - القرآن ۴ : ۱۱۵
۳ - ایضاً ۳ : ۳۱
۴ - ایضاً ۴ : ۸۰
۵ - ابنِ ہشام ، سیرہ (ایڈیشن مصر) ج ۱ ، ص ۶۴۴
۶ - ایم حمید اللہ "دنیا کا پہلا تحریری دستور" (انگریزی) (لاہور ۱۹۷۵ء) ص ۹ -
۷ - ابن اسحاق ، ابن ہشام ، ابو عبید القاسم بن سلام ، ابن ابی خیثمہ ، ابن کثیر ، عمر بن محمد بن خضر الموصلی اور ابن زنجویہ نے دستور کا پورا متن روایت کیا ہے - متن کے پورے حوالے اور اس کے اقتباسات کے لیے ملاحظہ ہو : کتابیات حمید اللہ ، مذکورہ بالا ، ص ۶۵ -
۸ - علیٰ ربعتھم کی اصطلاح کے معنی ان کی پہلی یا اصلی صورت یا حالت کے ہیں جو قانون میں قانونی رواج و تعامل کے ہم معنی ہے - تاج العروس کی سند پر لین نے اس معنی کے دوسرے مترادفات دئے ہیں (ملاحظہ ہو ربع) - حمید اللہ کا ترجمہ "اپنے وارڈ کے ذمہ دار" صحیح مفہوم پیش کرتا نظر نہیں آتا - (حمید اللہ ، مندرجہ بالا ، ص ۳۵) - انھوں نے ربعۃ کو ربعہ پڑھا ہے اور اس کا ترجمہ 'وارڈ' کیا ہے - ربعہ اپنی مونث صورت میں 'کوارٹر' یا 'علاقہ' یا 'وارڈ' کے معنی نہیں رکھتا - اس کے معنی "عطریات رکھنے کی ایک ٹوکری" یا "ایک میانہ قد آدمی" کے ہیں - تاہم ربعہ کی مذکر صورت میں رہائش گاہ کا مفہوم پایا جاتا ہے - دستور میں لفظ رِبعہ استعمال ہوا ہے نہ کہ ربعہ - نیز مہاجرین مدینہ کی کسی ایک بستی میں آباد نہیں ہوئے تھے - مہاجرین انفرادی طور پر انصارِ مدینہ کے ساتھ آباد کر دئے گئے تھے اور یوں وہ سارے شہر کے مختلف حصوں میں پھیل گئے تھے - اس لغوی اور معاشرتی معنی کی وضاحت سے اس کا ترجمہ "قریش میں سے مہاجرین اپنے وارڈ (ربعہ) کے ذمہ دار ہوں گے" متن کا اصل مطلب

ظاہر نہیں کرتا۔

۹۔ یُحَالفوا، ابنِ ہشام، سیرہ (ایڈیشن مصر ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء) کو یخالفوا بھی پڑھا گیا ہے (ویسٹن فیلڈ ، ایڈیشن) اور اس کا ترجمہ کیا گیا "اور کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے حلیف کا اس (موخر الذکر) کے خلاف مقابلہ نہیں کرے گا۔ ملاحظہ ہو: ایم حمید اللہ، متذکرہ بالا۔ یحالفوا کی روایت کے حق میں بھی حضرت جابر کی سند پر احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے (iii-۳۴۲) جس کا ترجمہ ہے:

"اللہ کے رسولؐ نے ہر خاندان کے لیے اس کا خون بہا مقرر کر دیا اور پھر لکھ دیا: اس کی بالکل اجازت نہیں ہوگی کہ مسلمان کے آزاد کردہ غلام سے بغیر اس کے سرپرست (ولی) کی رضا مندی کے معاہدہ کیا جائے۔"

۱۰۔ WELLHAUSEN, "GEMEINDEORDNUNG VON MEDINA" IN HIS SKIZZEN AND VORALEITON, 1899, IV, 74-84.

دیگر مستشرقین کی تفصیل کے لیے جنہوں نے دستاویز پر کام کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حمید اللہ، متذکرہ بالا، کتابیات۔

۱۱۔ ڈبلیو، منٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ (آکسفورڈ، ۱۹۶۹ء) ص ۲۲۵۔

۱۲۔ بخاری، الصحیح، باب ۹۹، فصل ۱۸۔

۱۳۔ ویل ہاوزن، بہل، اسپرنگر، گرم، مُلر، وینسنک، کیتانی، واٹ وغیرہ۔ مکمل حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو: حمید اللہ، متذکرہ بالا۔

۱۴۔ ہیوبرٹ گرم، MUHAMMAD، ایڈیشن منستر، ۱۸۹۲ء، i-۷۵-۸۱-ایم حمید اللہ، متذکرہ بالا، ص ۲۲۔

۱۵۔ واٹ، متذکرہ بالا، ص ۲۲۷۔

۱۶۔ ایضاً ص ۲۲۶۔

۱۷۔ حمید اللہ، متذکرہ بالا ص ۲۲۔

۱۸۔ القرآن - ۲ : ۸۹

۱۹۔ بخاری، الصحیح، باب "اتیان الیھود النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین قدم المدینۃ"

۲۰۔ ایضاً کتاب الجنائز۔

۲۱۔ ایضاً تفسیر سورہ اعراف۔

۲۲۔ ایضاً کتاب اللباس۔

۲۳۔ ابوداؤد، سنن، جلد ۲، باب بنو نضیر۔

۲۴ - قرآن ۲ : ۱۴۴
۲۵ - ابوداؤد متذکرہ بالا
۲۶ - ابن سعد، طبقات (ایڈیشن بیروت، ۱۹۵۷ء) جلد دوم ص ۲۹ -
۲۷ - ابن ہشام، سیرۃ (ایڈیشن مصر ۱۹۵۵ء) جلد دوم ص ۴۷ -
۲۸ - واٹ متذکرہ بالا -
۲۹ - WELLHAUSEN, SKIZZEN, iv, 80 AS QUOTED BY WATT OP. CIT 227.
۳۰ - مسلم، صحیح، جلد دوم، ص ۹۳ -
۳۱ - الیعقوبی، تاریخ، جلد دوم، ص ۴۹ -
۳۲ - المسعودی، کتاب الاشراف، ص ۲۴۷ -
۳۳ - دستورِ مدینہ دفعہ ۲ (ازاں بعد متن اور تشریحات میں ہر جگہ "دستور" سے مراد "دستورِ مدینہ" ہوگی)
۳۴ - ایضاً دفعہ ۱۷ -
۳۵ - ایضاً دفعہ ۲۶ -
۳۶ - ایضاً دفعہ ۲۱ -
۳۷ - ایضاً دفعات ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱ -
۳۸ - ایضاً دفعہ ۲۶ -
۳۹ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اپنے عوام کی شکایات دُور کرنے کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ کے ایک صحابیؓ نے آپؐ کے کسی فعل کے خلاف شکایت کی اور "الحق والعدل" کے نام پر آپؐ سے انصاف کی اپیل کی۔ آپؐ نے فوراً اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کر دیا۔ ابنِ اسحاق نے یہ مقدمہ یُوں روایت کیا ہے:

"بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی صفوں کو اپنے ہاتھ میں ایک تیر کی نوک سے سیدھا کیا۔ جب آپؐ سواد بن غزیہ کے پاس سے گزرے جو بنو عدی بن النجار کا حلیف تھا اور صف سے باہر کھڑا ہوا تھا تو آپؐ نے تیر اس کے پیٹ میں یہ کہتے ہوئے چبھویا: "اے سواد! صف میں کھڑے ہو۔" وہ چلّایا: "اے پیغمبرِ خدا! آپؐ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے حالانکہ اللہ نے آپ کو حق و انصاف کے لیے بھیجا ہے۔" اور مزید کہا: "لہٰذا بدلہ میں مجھے اجازت دیجئے کہ آپؐ کو تیر چبھوؤں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اپنا پیٹ ننگا کر دیا اور کہا: "تیر چبھو لو۔" سواد آپؐ سے لپٹ گئے اور آپؐ کے شکم پر بوسہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "سواد! تمہیں ایسا کرنے پر کس چیز نے مجبور کیا؟" اس نے جواب دیا: "اے رسولِ خدا! آپؐ دیکھ رہے ہیں ہم کیسی جنگ سے دوچار ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے ساتھ یہ میری آخری ملاقات ہے۔"

یہاں پنا بدن آپؐ کے بدن سے چھونا چاہتا تھا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دُعا دی۔" (ابن ہشام، سیرہ، ایڈیشن مصر، ج ۱ ص ۶۲۶)

اس موضوع پر کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام اس نظریہ کو رد کرتا ہے کہ "بادشاہ ارتکابِ جُرم نہیں کر سکتا۔"

۴۰۔ البخاری، صحیح، باب الشروط فی الجہاد۔ قریش کے نمائندہ سہیل نے اعتراض کیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مان لیا۔

۴۱۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمت للعالمین (ایڈیشن شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۲ء) ج ۱ ص ۱۳۰۔

۴۲۔ ابن ہشام، سیرہ (ایڈیشن مصر) ج ۱ ص ۵۶۴، ۵۶۶۔ مالک بن انس، موطا، کتاب الحدود۔

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ ایضاً

۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ ایضاً، واحدی، اسباب النزول (مصر) ص ۱۴۵۔ مسلم، الصحیح، باب رجم الیہود۔

۴۷۔ ابن ہشام متذکرہ بالا۔

۴۸۔ ابن ہشام، ایڈیشن مصر، ج ۱، ص ۵۶۶۔

۴۹۔ بخاری، الصحیح، ج ۲، کتاب التفسیر، سورۃ الاعراف۔

۵۰۔ ابوداؤد، سُنن، جلد دوم، باب بنو نضیر۔

۵۱۔ ایضاً۔ کتاب الخراج والامارہ۔ ابن حجر العسقلانی، اصابہ، ذکر طلحہ بن براء۔

۵۲۔ ابن ہشام، سیرہ، ایڈیشن مصر ۱۹۵۵ء/۱۳۷۵ھ، ج ۱ ص ۴۷۔

۵۳۔ ابن سعد، الطبقات (ایڈیشن بیروت، ۱۹۵۷ء) ج ۲ ص ۲۹۔

۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ ابن ہشام، سیرہ (ایڈیشن مصر، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء) ج ۲ ص ۴۷۔ الطبری، تاریخ (ایڈیشن المطبعۃ الحسینیہ) ج ۲ ص ۲۹۷۔

۵۶۔ ابن ہشام ج ۲ ص ۴۸۔ ابن سعد ج ۲ ص ۲۹۔ الطبری ج ۲ ص ۲۹۸۔

۵۷۔ ابن ہشام، ج ۲ ص ۵۲۔

۵۸۔ ایضاً ص ۱۸۶۔

۵۹۔ ایضاً ص ۱۹۰۔

۶۰ - ابوداؤد، سنن، باب بنو نضیر۔
۶۱ - شبلی نعمانی، سیرۃ، ج ۱ ص ۴۱۲۔
۶۲ - ایضاً ص ۴۲۳
۶۳ - ایضاً
۶۴ - ابن ہشام، جلد دوم، ص ۲۳۴، ۲۳۵۔
۶۵ - ابن ہشام نے روایت کیا ہے کہ یہود نے اوس سے رابطہ قایم کیا جو انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور سعد کو جج مقرر کرنے کے لیے اپنی درخواست بھیجی (ابنِ ہشام ج ۲ ص ۲۳۹)۔ الطبری کی ایک روایت کے مطابق بنو قریظہ نے خود حضرت سعد کو جج مقرر کرنے کے لیے درخواست کی (الطبری، تاریخ، ج ۲، ایڈیشن مصر ۱۹۶۱ء، ص ۵۸۲ زیرِ عنوان غزوہ بنی قریظہ)۔ بنو قینقاع کے یہود سب سے پہلے انتہائی غداری کا ارتکاب کرنے والے تھے اور انھوں نے خزرج کی مدد بھی طلب کی قبل از اسلام ان کے حلیف تھے قریظہ کے یہودی اوس کے حریف تھے اور انہوں نے حضرت سعدؓ بن معاذ کے تقرر کی درخواست کی جو اوس کے سردار تھے (ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۹)۔
۶۶ - ابن ہشام، سیرہ، ج ۲ ص ۲۴۰۔
۶۷ - قرآن۔
۶۸ - شبلی نعمانی، سیرہ، ج ۱، ص ۴۱۲ - ابو داؤد نے یہ مقدمہ اپنی سنن میں درج کیا ہے زیر باب فی الاسیر یکرہ علی الاسلام۔
۶۹ - محمد حمید اللہؒ THE MUSLIM CONDUCT OF STATE لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۲۲۸۔ محمد حمید اللہ نے اس مقدمے کا حوالہ سرخسی سے دیا ہے المبسوط ج ۲، ص ۱۰۰ اور ۲۲۹۔
۷۰ - ایضاً۔

باب چہارم

قرآنی دستور کے تحت نظامِ عدالت

قرآن کے بنیادی دستوری اصول

عدل ایک خدائی ضابطہ

نظامِ عدل کو قرآن میں بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ مسلمانوں کو حکماً اپنے معاملات عدل کے ساتھ درست کرنے کا پابند کیا گیا ہے:

"اِنّ اللہ یامر بالعدل والاحسان۔"[1]

(یقیناً اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے)

"عدل" (انصاف) یا اچھائی کے بدلے اچھائی اور "احسان" (نیکی) یا خود اچھائی اسلامی تصورِ عدل کی بنیادی عدالتی اصطلاحات ہیں۔ انصاف کا ادنیٰ درجہ "عدل" ہے اور اعلیٰ درجہ "احسان" ہے۔

عدل کا ماخذ

اسلام میں عدل کا مرکزی اور اوّلین ماخذ قرآن ہے۔ یہ اس کا مصدر اور سرچشمہ ہے:

"انا انزلنا الیک الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما ارٰىك اللہ۔"[2]

(یقیناً ہم نے تم پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقہ سے عدل کرسکو جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے)

"فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھوآءھم عمّا جآءك من الحق۔"[3]

(پس ان کے درمیان عدل کرو اس کے مطابق جو اللہ نے تم پر نازل کیا اور جو سچ تمہارے پاس آچکا ہے اس سے (منہ موڑ کر) ان کی گھٹیا خواہشات کی پیروی نہ کرو)

قرآن نے پہلے کے آئینی اور قانونی ماخذ پر فوقیت حاصل کرلی اور جو مصادر اس کے بنیادی اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتے تھے انھیں غیر ضروری قرار دے دیا:

"افحکم الجاھلیۃ یبغون"۔ [۴]

(تو کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں)

یہاں الجاھلیۃ کا مفہوم تعلیماتِ قرآن سے غیر مطابق ہے۔ جاہلیت کو قرآن کی ضد قرار دیا گیا ہے اور اسے بطور ماخذ عدل مسترد کر دیا گیا ہے۔ کوئی فیصلہ اس کے خلاف نہیں ہوگا "جو اللہ نے نازل کیا ہے" یہ قرآن کی بنیادی شرط ہے جو اس نے مقرر کی ہے:

"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئك ھم الکٰفرون"۔ [۵]

(جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ کافر ہیں)

"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئك ھم الظّٰلمون"۔ [۶]

(جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ ظالم ہیں)

"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئك ھم الفٰسقون"۔ [۷]

(جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ فاسق ہیں)

اس الٰہی دستوری قانون کے مطابق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مندرجہ ذیل ضابطہ بنایا:

"کوئی مکان یا زمین جو دورِ جاہلیۃ میں تقسیم کی گئی تھی اسی تقسیم جاہلیہ کے مطابق منقسم رہے گی۔ کوئی مکان یا زمین جو طلوعِ اسلام تک تقسیم نہیں ہوئی تھی اسلامی قانون تقسیم کے مطابق تقسیم ہوگی"۔ [۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار

مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے تمام مقدمات میں اللہ سے انصاف طلب کریں۔ یہ فرمان ابتداءً ہی میں مکی دور کے وسط میں نازل ہوا۔ اللہ سے انصاف طلب کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے رسول کو مقدمات اور تنازعات کا فیصلہ کرنے کے لیے جج تسلیم کیا جائے۔

"وما اختلفتم فیہ من شیءٍ فحکمہ الی اللہ ذٰلکم اللہ ربی علیہ توکلت والیہ اُنیب"۔ [۹]

(اور جس میں تمہیں اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے۔ اللہ میرا رب، میں اس پر بھروسا کرتا ہوں اور اسی کے پاس مجھے واپس جانا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدالتی اور انتظامی اختیار کا ذکر خصوصاً ان سورتوں میں ہے جو مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اسلامی ریاست کا جواز مندرجہ ذیل بنیادی قرآنی احکام پر مبنی ہے [۱۰]:

"یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاٰخر ذٰلك خیر و

احسن تاویلا۔"[11]

(اے وہ لوگو! جو ایمان لائے، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے ان کی جو اقتدار میں ہوں۔ پھر بھی اگر تم کسی بات پر جھگڑو تو اسے اللہ اور رسول کے سپرد کر دو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہترین اور مناسب ترین ہے نتیجہ (حاصل) کرنے کے لیے)

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا انتظامی (اطیعوا الرسول) اور عدالتی (فردوہ الی اللہ والرسول) اختیار تفویض کیا گیا ہے۔ یہ بیان کہ" اور اپنے میں سے ان کی جو اقتدار میں ہوں" ان مسلم حاکموں کی اطاعت لازم قرار دیتا ہے جو مسلمان عوام کے نمائندے ہوں اور ایسی اسلامی حکومت جو آئین اور قانون کے مطابق معرضِ وجود میں آئی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظامی اور عدالتی اختیار اعلیٰ اور آپ کے عمّال کی اطاعت نے قبل از اسلام کے تمام اختیارات منسوخ کر دئے سوائے ان احکام و قوانین کے جو قرآنی آیات کے مطابق ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں اور فیصلوں کی اطاعت حکمِ الٰہی ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کی مکمل اطاعت کے سوا چارہ نہیں:

"وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم ط ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضللاً مبینا۔"[12]

(اور کسی مومن مرد یا کسی مومن عورت کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملہ کا فیصلہ کر چکیں تو وہ اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رکھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرتا ہے وہ یقیناً کھلی ضلالت میں بھٹک گیا ہے)

ایک اور الٰہی ضابطہ میں اسلام پر ایمان اور مومنوں کے اپنے تنازعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنے کو مساوی قرار دیا گیا ہے۔ اس راہ سے ذرّہ بھر انحراف کو کفر تصور کیا گیا ہے:

"فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجًا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔"[13]

(سو تمہارے رب کی قسم! وہ ایمان نہیں لائے جب تک وہ تمہیں آپس کے تنازعوں میں اپنا جج نہ بنائیں اور پھر تم جو فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور مکمل اطاعت سے مان لیں۔)

یہاں پر اپنے تنازعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جانا اور آپؐ کے فیصلہ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا مومنوں کی محض ظاہری اطاعت کا بیان نہیں بلکہ ان پر لازم قرار دیا گیا ہے وہ خوش دلی سے آپؐ کے فیصلے قبول

کریں، اور اس پر وُہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔" لا یجدوا فی انفسھم حرجًا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ ترین انتظامی اور آئینی اختیارات سونپتے ہوئے قرآن نے اسلامی ریاست کے سربراہِ عدلیہ کی حیثیت سے آپ کے فرائض بھی مقرر کیے ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی ذمہ داری وحیِ الٰہی کے مطابق نظامِ عدل قایم کرنا ہے۔ آپ قرآن پاک کے متن میں سے نہ کچھ چھپا سکتے ہیں نہ اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کر سکتے ہیں:

"قل ما یکون لی ان اُبدِّلہٗ من تلقآئ نفسی ان اتبع الّا ما یوحٰی الیّ انی اخاف ان عصیت ربّی عذاب یوم عظیم۔"[14]

(کہہ دیجئے، اسے خود بدل دینا میرے بس میں نہیں۔ میں اس کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کرتا جو مجھ پر نازل ہوئی۔ بیشک میں ڈرتا ہوں، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھ پر بڑے دن کا عذاب ہو)

یہ ضابطہ غیر مبہم الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فرمانروائے اسلامی ریاست کے فرائض متعین کرتا ہے۔ آپ کے انتظامی، قانونی اور عدالتی اختیارات کا واحد ماخذ قرآن ہے۔ آپؐ کی ذاتی حیثیت اور آپؐ کی رسالت کی حیثیت میں واضح فرق بیان ہوا ہے۔ فرمانروا کی ذات اور اس کی آئینی حیثیت کے درمیان اتنا واضح فرق دنیا کے کسی جدید ترین اور ترقی یافتہ دستور میں بھی موجود نہیں:

"قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم اللہ واحد۔"[15]

(کہہ دیجئے، میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہُوں، مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے)

اس آئینی دفعہ کی مزید وضاحت مندرجہ ذیل متن میں کی گئی ہے:

"ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتٰب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادًا لی من دون اللہ ولکن کونوا ربّانیّین بما کنتم تعلمون الکتٰب و بما کنتم تدرسون۔"[16]

(کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ اسے کتاب، حکم اور نبوت عطا فرماتے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے علاوہ میرے بندے بن جاؤ (وہ تو کہے گا) اللہ کی عبادت کرنے والے ہو جاؤ کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اسے پڑھتے ہو)

قرآنی آئین کی یہ دفعہ واشگاف الفاظ میں تشریح کرتی ہے کہ رسول کا کام اللہ کی مرضی کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کرنا ہے اور متنازعہ مقدمات میں احکاماتِ الٰہی کا اطلاق ہے اور اپنی نفسانی خواہشات اور بشری اغراض کی طرف رجوع کرنا نہیں۔ قرآنی دستور کی ان بنیادی دفعات سے چند اہم ترین آئینی اصول وضع ہوتے ہیں:

اول : اُمتِ مسلمہ میں کوئی شخص دینی اور سیاسی حیثیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے مرتبے کا نہیں ہو سکتا۔
دوم : اپنی اعلیٰ ترین اور افضل ترین حیثیت کے باوجود آپؐ کو قرآنی دستور میں کمی بیشی یا ردّ و بدل کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔
سوم : آپؐ دستور کو کسی بھی ہنگامی صورت حال اور سنگین حالات کے باوجود نہ معطل کر سکتے ہیں اور نہ منسوخ۔
چہارم : جب کمی بیشی، ردّ و بدل، تعطل و تنسیخ کا اختیار خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں تو آپؐ کے بعد ایسا کرنے کا اختیار کسے حاصل ہو سکتا ہے!
پنجم : اُمتِ مسلمہ میں سے جو شخص، جو طبقہ یا جو جماعت دستور کو معطل یا منسوخ کرے وہ اللہ، رسول، قرآن کا باغی ہے۔
ششم : قرآنی دستور نے یہ اصول ہمیشہ کے لیے طے کر دیا کہ اسلامی ریاست صرف وہ ریاست ہوتی ہے جو آئینی ہو۔ آمریت کی قرآنی دستور میں قطعاً گنجایش نہیں، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آئین کے پابند ہیں اور اسلامی ریاست کے آئینی سربراہ ہیں۔

یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن کی آئینی دفعات میں اس اصول کی کوئی گنجائش نہیں:

"بادشاہ ارتکابِ جرم نہیں کر سکتا۔"

غیر مسلم خود مختاری

دستورِ مدینہ میں اسلامی ریاست کے حدود میں رہنے والے غیر مسلموں کو مذہبی اور سماجی خود مختاری کی ضمانت دی گئی ہے۔ سیاسی لحاظ سے انھیں اُمتِ مسلمہ کے ساتھ ایکائیت کا درجہ حاصل تھا (اُمۃ مع المؤمنین) اور وہ ایک سیاسی وحدت تھے۔ سیاسی اور بین القبائلی تنازعے، دستورِ مدینہ کے تحت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنے کی دفعات موجود تھیں۔ مذہبی اور سماجی معاملات میں غیر مسلموں کو مکمل آزادی دی گئی تھی۔ وہ اپنے مقدمات کا فیصلہ اپنے مذہبی قوانین کے مطابق کرنے کے مجاز تھے۔ قرآنی دستور میں بھی غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے خاص طور پر اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کو مذہبی خود مختاری کی ضمانت دی گئی ہے۔ یہودیوں کی خود مختاری کا حوالہ دیتے ہوئے قرآن قرار دیتا ہے:

"انا انزلنا التورٰىة فيها هدًى ونورٌ يحكم بها النبيون الذين اسلموا للذين هادوا والربانيون والاحبار بما استحفظوا من كتٰب الله وكانوا عليه شهدآء فلا تخشوا الناس واخشون ولا تشتروا باٰيٰتى ثمنًا قليلاً ومن لم يحكم بما انزل الله فاولٰٓئك هم الكٰفرون۔" [17]

(بیشک ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ انبیاؑ جنھوں نے اللہ کی اطاعت کی

اسی کے مطابق یہودیوں کے فیصلے کرتے تھے اور ربّی اور قانون کے عالم بھی، کیونکہ انھیں اللہ کی کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔ اور وہ اس پر گواہ تھے۔ پس لوگوں سے نہیں مجھ سے ڈرو اور میری آیات (احکامات) کی کم قیمت نہ لو۔ اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ کافر ہیں)

قرآنی آئین کی اس دفعہ کا آخری حصہ اہم ہے :

"جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ کافر ہیں۔"

یہ یہودیوں کے مذہبی قانون ـــــ تورات کے جواز کی تصدیق کرتا ہے جن کو اپنے مذہبی معاملات کا فیصلہ اس کے مطابق کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اگر وہ اس پر پُورے نہیں اُترتے تو وہ کافر ہیں۔

عیسائیوں کو مذہبی خود مختاری کی ضمانت قرآن کے مندرجہ ذیل بنیادی ضابطہ میں دی گئی ہے :

"ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ ط ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفسقون۔"[۱۸]

(اہلِ انجیل اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ فاسق ہیں)

اس آئینی دفعہ کے مطابق عیسائیوں کو اپنے مذہبی معاملات میں اپنے مذہبی قوانین کی پیروی کی ضمانت دی گئی ہے۔ اگر وہ اپنے مقدمات کا فیصلہ نازل کردہ قوانین کے مطابق نہیں کریں گے تو وہ فاسق قرار پائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات تمیزی

آئین میں غیر مسلموں کی خود مختاری کے باوجود، یہودی اپنے مقدمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش کرتے تھے۔ ایسے مقدمات میں ان کی خواہش ہوتی تھی کہ فیصلے ان کی پسند کے ہوں۔ قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا تھا کہ آپؐ یہودیوں کے مقدمات سماعت کے لیے قبول کریں یا مسترد کردیں۔ سماعت کے لیے قبول کرنے کی صورت میں آپؐ ان کے مقدمات کا قانون اور انصاف کے مطابق فیصلہ کریں اور ان سے خوف نہ کھائیں۔ قرآن کا حکم ہے :

"فان جاءوك فاحكم بينهم او اعرض عنهم ج وان تعرض عنهم فلن يضروك شيئًا، وان حكمت فاحكم بينهم بالقسط ط انّ الله يحب المقسطين ہ"[۱۹]

(پس اگر وہ آپ کے پاس آئیں، ان کے درمیان فیصلہ کیجئے یا اُن سے منہ موڑ لیجئے۔ اگر آپ ان سے منہ موڑ لیں تو وہ آپ کو قطعاً نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیجئے۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

یہودیوں کو احکاماتِ تورات معلوم تھے اور وہ کما حقہٗ اس کے قوانین سے واقف تھے۔ تورات کے احکام و قوانین کے متوازی انھوں نے خودساختہ قانونی نظام اپنا لیا تھا جو اصل قانون کے خلاف تھا۔ وہ تورات کے خلاف اپنے خودساختہ قانونی نظام کی توثیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہتے تھے۔ قرآن نے ان کے مذموم عزائم کا پردہ چاک کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی :

"وکیف یحکمونك وعندھم التورٰىة فیھا حکم اللّٰہ ثم یتولون من بعد ذٰلك وما اولٰئك بالمؤمنین o"[20]

(وہ آپ کو کیسے منصف مقرر کرسکتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے؛ پھر بھی وہ اس کے بعد منہ موڑ لیتے ہیں ! یہ ایمان لانے والے نہیں)

قانون اور انصاف کی بالادستی

قرآن کے نزدیک مُجرموں کے خلاف محض قانون کا نفاذ سب سے کم درجہ میں انصاف کی فراہمی ہے۔ عدل و انصاف کا بلندترین درجہ تو لوگوں کے اخلاقی معیار کو بلند کرنا اور انھیں روحانی طور پر اونچا کرنا ہے اور انھیں اس قابل بنانا ہے کہ وُہ دوسروں کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے بجائے ان کی حفاظت اور نگہداشت کریں۔ اس اخلاقی معیار کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی دشمن سے بھی کوئی جُرم سرزد ہوجائے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وُہ انصاف کریں اور زیادتی سے گریز کریں :

"یایھا الذین اٰمنوا کونوا قوٰمین للّٰہ شھدآء بالقسط۔"[21]

(اے لوگو، جو ایمان لائے ! اللہ کی خاطر حق قایم کرنے والے بنو، انصاف کے ساتھ شہادت دینے والے)

دشمنوں کی جارحیت اور تخریب کاری کے مقابلے میں مسلمانوں کو مستقل مزاجی سے معیار انصاف کو قایم رکھنا چاہیے :

"ولا یجرمنکم شنئان قوم علٰی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی ز۔"[22]

(کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو، یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقوٰی سے)

قرآنی دستور کی یہ دفعہ تاریخ دستور سازی میں تا قیامت روشنی کا مینار ثابت ہورہی ہے۔ یہ مسلمانوں کو پابند کرتی ہے کہ اقوام میں باہم تنازعات کے باوجود عدل کا دامن تھامے رکھنا اسلامی امتیاز ہے ہر قوم دشمنی کے وقت عدل کی جگہ ظلم کو اپنا لیتی ہے نہ ان کے دستور میں ایسی حالت میں عدل کو اپنانے کی گنجایش ہوتی ہے اور نہ ان کے دل و دماغ میں تہذیب و شائستگی کا یہ معیار ہوتا ہے کہ وُہ عداوت کے باوجود عدل کریں۔ یہ صرف قرآنی دستور کی

عظمت ہے کہ اس میں ایسی دفعہ موجود ہے۔ قرآن کا پیغام جب اقوامِ عالم پر پوری طرح واضح ہوگا تو یقیناً عدل و آئین کی دلدادہ اقوام بصد شکریہ قرآنی آئین کو اپنائیں گی۔

وُہ جرائم جو افرادِ اُمّت ایک دُوسرے کے خلاف کریں ایسے مقدمات میں قرآن حکم دیتا ہے کہ مسلمان اپنی نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض کی پیروی کرنے کے بجائے قرآنی احکام کی اطاعت کریں۔ اس دفعہ کا اطلاق ان مقدمات تک بھی بڑھا دیا گیا ہے جہاں کسی کو خود اپنے رشتہ دار کے خلاف ہی کیوں نہ پیش ہونا پڑے :

" واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ ج " ۲۳

(جب تم بات کرو تو عدل کرو خواہ وُہ تمہارے رشتہ دار کے خلاف ہی کیوں نہ ہو)

ایک اور ضابطۂ قرآن اس حکم کی مزید تصریح کرتا ہے اور اس کا اطلاق خود اپنے اور عزیز و قریب ترین رشتہ داروں تک بڑھا دیتا ہے :

یٰایھا الذین اٰمنوا کونوا قوّامین بالقسط شھدآء للّٰہ ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین ج ان یکن غنیا اوفقیرا فاللّٰہ اولی بھما فلا تتبعوا الھوٰی ان تعدلوا ج " ۲۴

(اے وہ لوگو جو ایمان لائے! اللہ کی خاطر حق قائم کرنے والے بنو انصاف کے ساتھ شہادت دینے والے خواہ وُہ خود تمہارے اپنے یا والدین یا قریبی عزیزوں جو امیر ہوں یا غریب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ان دونوں کے مقابلہ میں اللہ کا حق زیادہ ہے۔ پس اپنی پست خواہشات کی پیروی نہ کرو، کہیں تم گمراہ ہو جاؤ)

غالباً دنیا کے دیگر آئین ایسی دفعات سے محروم ہیں یہ دینی اور اخلاقی معیار کی عظمت ہے کہ انسان اپنے قریب ترین رشتہ داروں کے خلاف گواہی دے۔ قرآنی دستور اس اصول کو کئی جگہ دُہراتا ہے کہ جان، عزّت، آبرو، عزیز و اقارب ایک طرف اور انصاف و عدل کے قیام کے لیے سچّی گواہی دوسری طرف ہو تو سچی گواہی کو ترجیح دی جائے اور احقاقِ حق کی خاطر سب کچھ قربان کر دیا جائے تاریخ نے ایسا معاشرہ دیکھا ہے یہ مسلمانوں کی ذمّے داری ہے کہ پھر ان اصولوں کے مطابق اپنے آپ اور اپنے معاشرے کو ڈھالیں۔

قانون کا علم

" قانون سے لاعلمی کوئی عذر نہیں " مغرب میں رومن لأ اور کامن لأ کے حامیوں کا مقبول عام اصول ہے۔ قرآن اس اصول کو مسترد کرتا ہے۔ قرآنی آئین کے مطابق ایک شخص اسی صورت میں قانون کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار پائے گا۔ جب قانون اسے مناسب طور پر سمجھا دیا گیا ہو۔ قرآن کا حکم ہے :

" وماکنا معذبین حتّٰی نبعث رسولا ۔ " ۲۵

(ہم اس وقت تک سزا نہیں دیتے جب تک ہم ایک پیغمبر نہ بھیج دیں)
لوگوں کی سہولت اور ان کی بہتر تفہیم قانون کے لیے انھیں لوگوں میں سے پیغمبر مبعوث کیے گئے جو انہیں کی زبان میں ان کو قانونِ الٰہی سمجھاتے :

"وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم" ۲۶
(اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کا ہم زبان تاکہ وہ انھیں صاف صاف سمجھا سکے)

اہلِ کتاب، یہود اور نصاریٰ کو ایک رسول بھیج کر اور اللہ کے قانون کا متن سمجھا کر ان کے جرائم پر انھیں متنبہ کر دیا گیا تھا تاکہ وہ یہ عذر پیش نہ کر سکیں کہ وہ لاعلمی میں پکڑے گئے :

"یا اھل الکتٰب قد جآءکم رسولنا یبین لکم علٰی فترۃ من الرسل ان تقولوا ما جآءنا من بشیر ولا نذیر فقد جآءکم بشیر و نذیر" ۲۷
(اے اہلِ کتاب ! بے شک ہمارا رسول رسولوں کے انقطاع کے بعد تمھیں کھول کھول کر سمجھانے تمھارے پاس آ چکا ہے تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری سنانے والا اور تنبیہ کرنے والا نہیں آیا تمھارے پاس خوشخبری سنانے والا اور تنبیہ کرنے والا آ گیا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم ترین فریضہ لوگوں کو قرآنی احکام اور اسلامی قانون سمجھانا تھا :

"وما انزلنا علیک الکتٰب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدًی ورحمۃ لقوم یؤمنون" ۲۸
(اور ہم نے تم پر کتاب اس لیے نازل کی کہ تم انھیں کھول کھول کر سمجھا دو وہ جہاں اختلاف کرتے ہیں اور وہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے)

لوگوں کو قانون کی خلاف ورزی کا ذمے دار ٹھہرانے سے پہلے انہیں قانون کو جاننے اور سمجھنے کا پورا پورا موقع دیا گیا :

"وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون" ۲۹
(اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو کھول کھول کر بیان کریں جو ان کے لیے نازل ہو اور شاید کہ وہ سوچیں)

"کذٰلک یبین اللہ اٰیٰتہ للناس لعلھم یتقون" ۳۰
(اس طرح اللہ لوگوں کو اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں)

"کذٰلک یبین اللہ لکم الاٰیٰت لعلکم تتفکرون" ۳۱
(اس طرح اللہ آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سوچو)

"ویبین اٰیٰتہ للناس لعلھم یتذکرون" ۳۲

(وہ اپنی آیتیں لوگوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وُہ دھیان دیں)

"کذٰلک یبیّن اللہ لکم اٰیٰتہ لعلکم تعقلون"۔ [۳۳]

(اس طرح اللہ تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو)

"کذٰلک یبیّن اللہ لکم اٰیٰتہ لعلکم تھتدون"۔ [۳۴]

(اس طرح اللہ تمھیں اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ)

"کذٰلک یبیّن اللہ لکم اٰیٰتہ لعلکم تشکرون"۔ [۳۵]

(اس طرح اللہ تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو)

اس بحث کو منطقی نتیجہ تک پہنچانے کے لیے یہ کہنا کافی ہے کہ قانونی حدود اور ان کی سزائیں اس لیے واضح کر دی گئیں تاکہ وفاداروں اور فرمانبرداروں کو باغیوں اور مجرموں سے ممیز کیا جا سکے اور سزائیں اس وقت نافذ کی جائیں جب قانون مناسب طور پر سمجھایا اور بتایا جا چکا ہو:

"وتلک حدود اللہ یبینھا لقوم یعلمون"۔ [۳۶]

(اور یہ حدود اللہ ہیں جنہیں اللہ کھول کھول کر بیان کرتا ہے اس قوم کے لیے جو جاننا چاہتی ہے)

یہ خیال کہ ملک کے ہر شہری کو قانون بتانا اور سمجھانا مشکل ہے درست نہیں۔ ہر نظریاتی ریاست کا اولین فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا نظریۂ حیات قوم کے ہر فرد تک پہنچائے جب کسی دین کی تعلیم عام کی جاتی ہے تو قوم میں ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے دو گروہ خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن میں دین و قانون کی بحث شب و روز جاری رہتی ہے حکومت کی طرف سے دین و قانون کی تعلیم، تبلیغ اور تنفیذ اور مخالفین کی طرف سے تردید اور تنقید اس زور سے ہوتی ہے کہ کوئی شہری ناواقف نہیں رہ جاتا۔ ہر قانون سے ہر شہری کے حقوق و فرائض وابستہ ہوتے ہیں اگر ملک میں عوام کی نمایندہ حکومت قایم ہو تو قانون ہر شہری تک خود بخود پہنچ جاتا ہے۔ عہدِ حاضر میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات، جرائد و کتب موثر ذریعہ ابلاغ ہیں۔ اسلامی ریاست میں دین اور قانون کی تعلیم اور تبلیغ مسجدوں کے ذریعے ہوتی ہے جو ہر گاؤں اور محلہ میں موجود ہوتی ہیں جن کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وُہ رات دن حکومت کی طرف سے نافذ ہونے والے قوانین کی تبلیغ و تشہیر کے لیے کام کریں۔

قانونِ شہادت

شہادت تمام عدالتی نظاموں کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ بغیر شہادت نہ کوئی حق ثابت ہوتا ہے نہ ہی انصاف قایم ہو سکتا ہے۔ شعبۂ عدل کے اس اہم ترین پہلو پر قرآن میں بنیادی احکامات موجود ہیں۔ قرآن میں قانونِ شہادت کی رُو سے اہم امور کے متعلق گواہی کے درجوں کی وضاحت کی جاتی ہے:

چار گواہوں کا لزوم

تمام مذاہبِ اسلامیہ متفق ہیں کہ زنا کا جُرم ثابت کرنے کے لیے چار گواہوں کی گواہی ضروری ہے۔ اس پر قرآن کی یہ دلیل موجود ہے:

"والتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم۔"[۳۷]

(جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے، ان پر چار گواہ لاؤ)

"والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعة شهدآء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولاتقبلوا لهم شهادة ابداً۔"[۳۸]

(جو لوگ باعصمت عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ پیش نہ کریں انھیں اسّی کوڑے لگاؤ، ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو)

السرخسی نے زنا کے لیے گواہوں کی زیادہ تعداد کی وجوہ بیان کرتے ہُوئے کہا کہ خدا خلوت کی حفاظت پسند کرتا ہے (یحب الستر) اور بے حیائی پھیلانا نہیں چاہتا (لا یرضی باشاعة الفاحشة)۔[۳۹]

فقہاء کی بحث کو دیکھا جائے تو وُہ اس معاملہ میں عورتوں کی گواہی کو معتبر ہی نہیں سمجھتے حالانکہ فقہاءُ ہی میں سے حضرات عطاءُ اور حماد جیسے قدآور فقیہ عورتوں کی گواہی کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں نے تین مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو جائز قرار دیا ہے۔ فقہ اسلامی کے مذہب ظاہری کے تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زنا کے معاملے میں صرف عورتوں کی گواہی بھی معتبر ہے۔ ان فقہاءُ کے نزدیک ہر مرد کی بجائے دو عورتوں کی گواہی قابلِ قبول ہو گی۔ اس لیے صرف آٹھ عورتوں کی گواہی بھی قبول کر لی جائے گی (مغنی جلد ۱۰ ص ۱۷۵' اور ابن حزم، محلی جلد ۹' ص ۳۹۵) قرآن نے صرف ایک مقام پر ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا ذکر کیا ہے جسے فقہ میں عمومی شکل دے دی گئی اس پر مزید بحث آگے آئے گی۔

قرآن میں کسی بھی جُرم کے ثبوت کے لیے تین گواہوں کی گواہی کا ذکر نہیں، نہ فقہاءُ نے اس تعداد کو کسی جُرم کے ثبوت کے لیے ضروری قرار دیا ہے البتہ حضرت احمدؒ بن حنبل کا اس میں استثناءُ ہے ان کی رائے ہے کہ اگر ایسا شخص مفلس ہونے کا دعویٰ کرے جس کا تمول مشہور ہو تو اسے ثابت کرنے کے لیے تین گواہوں کی ضرورت ہو گی۔ انہوں نے اس بارے میں حضرت قبیصہ بن مخارق کی حدیث سے سند لی ہے (ابن القیم الجوزیہ، الطرق الحکمیة فی السیاستہ الشرعیة، مطبوعہ مصر ۱۳۱۸ھ، ص ۱۴۴)

دو گواہوں کا لزوم

دیگر دیوانی و فوجداری جرائم کے ثبوت کے لیے دو گواہ درکار ہیں۔ قرآن میں دو جگہ دو گواہوں کی گواہی کا ذکر

کیا گیا ہے ، ایک جگہ وصیّت کے معاملہ میں اور دوسری جگہ طلاق کے بارے میں - آیتِ وصیت یہ ہے :

"شھادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیۃ اثنان ذوا عدل منکم او اخران من غیرکم" (۵ : ۱۰۶)

(جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو وصیّت کے وقت دو دیانت دار گواہ ضروری ہیں خواہ تمہارے خاندان کے ہوں یا غیر)

آیتِ طلاق یہ ہے :

"فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادۃ للّٰہ" (۶۵ : ۲)

(جب مطلقہ عورتیں عدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں تو تمہیں اختیار ہے کہ یا تو انہیں قاعدے کے موافق اپنے نکاح میں رہنے دو یا باقاعدہ انھیں چھوڑ دو اور اپنے میں سے دو معتبر گواہ بنا لو اور اللہ کے لیے شہادت قایم کرو)

دو گواہوں کے لزوم پر سنّت سے دلیل یہ حدیث ہے :

"شاھداك او یمینہ" - (صحیح بخاری نیز شرح عینی ج ۱۳ ص ۲۴۳ ، ۲۴۸)

(اے مدعی ! تیرے دو گواہ اور مدعا علیہ کی قسم ہے)

اگرچہ آیتِ وصیّت اور آیتِ طلاق دونوں کا تعلق دیوانی معاملات سے ہے مگر فقہاؒ نے یہاں مذکور دو گواہوں کی گواہی کو زنا کے علاوہ تمام دیوانی اور فوجداری معاملات کے ثبوت کے لیے ضروری قرار دے دیا -

۲ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی

قرآن میں صرف ایک جگہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا ذکر کیا گیا ہے ، یہ تعداد صرف میعادی قرضے کی دستاویز لکھے جانے کے لیے اس آیت میں بیان ہُوئی ہے :

"واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھدآء ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخرٰی" [۴۰]

(اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنا لو پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں سے جنہیں تم پسند کرو تاکہ اگر ان میں سے ایک غلطی کرے تو دُوسری اسے یاد دلادے)

فقہاؒ کے مطابق اس قسم کی گواہی مقدماتِ مال میں قابلِ قبول ہے جیسے خرید و فروخت ، قرضہ ، غصب اور دیگر واجبات ، احناف کے نزدیک ایسی گواہی تمام دیوانی معاملات میں قابلِ قبول ہے خواہ مالی ہوں یا غیر مالی جیسے نکاح و

طلاق ۔ مگر ایسی گواہی حقوق اللہ میں مقبول نہیں۔ وُہ جرائم جن کی سزائیں منجانب اللہ مقرر ہیں" مجلۃ الاحکام العدلیۃ" (دفعہ ۱۶۸۵) میں اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے ان فقہاء کے برعکس فقہاء کی دوسری جماعت فقہاء اہل الظاہر نے اس قسم کی گواہی کو تمام حقوق العباد میں اور سوائے زنا کے تمام حدود میں قابلِ قبول قرار دیا ہے (ابن قدامہ، المغنی، ج ۱۰، ص ۱۷۵ اور ابن حزم، محلی، ج ۹، ص ۳۹۵ - ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ج ۲، ص ۳۸۵) اوّل الذکر فقہاء کی رائے میں قصاص (بدلہ) اور عقوبات (تعزیری جرائم) میں دو مردوں ہی کی شہادت لازمی ہے۔ خاندانی قوانین کے مقدمات جیسے نکاح، طلاق، عتاق (غلام کو آزاد کرنا) اور نسب وغیرہ میں وہ ایک مرد اور دو عورتوں کی مخلوط شہادت قبول کرتے ہیں۔[۱]"

خاوند کی گواہی چار گواہوں کے برابر

ایسے مقدمات جن میں خاوند اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس اس کا کوئی دوسرا گواہ موجود نہ ہو تو ایسے مقدمات کے ثبوت کے لیے قرآن نے مندرجہ ذیل ضابطۂ شہادت مقرر کیا ہے :

"والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھدٰت باللہ انہ لمن الصٰدقین۔ والخامسۃ ان لعنت اللہ علیہ ان کان من الکٰذبین۔" (۲۴ - ۷)

(اور جو لوگ تہمت لگائیں اپنی بیویوں پر اور ان کے پاس اپنے آپ کے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر کہ وُہ سچّا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وُہ جھوٹا ہو۔)

بیوی کی گواہی چار گواہوں کے برابر

جب خاوند مندرجہ بالا طریق پر حلفیہ گواہی دے چکے تو قرآن کے قانونِ شہادت کے مطابق عورت کو اپنی صفائی میں ایسی ہی حلفیہ گواہی دینے کا اختیار حاصل ہے :

"ویدرؤا عنھا العذاب ان تشھد اربع شھٰدت باللہ انہ لمن الکٰذبین۔ والخامسۃ ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصٰدقین۔" (۲۴ - ۸، ۹)

(اور عورت سے سزا ٹل جائے گی اس طرح کہ وُہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر کہ وہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں یہ کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ شخص سچّا ہے)

خاوند کی گواہی بیوی کے خلاف اور بیوی کی طرف سے صفائی میں جو حلفیہ شہادت کا طریق کار بیان ہوا اس سے

قرآنی قانونِ شہادت سے چند بنیادی اصول وضع ہوتے ہیں :

۱ ۔ جو خاوند اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اوّلاً اس سے چار گواہ طلب کیے جائیں گے اگر وُہ پیش کر دے تو عورت پر حدِّ زنا جاری کر دی جائے گی۔

۲ ۔ اگر خاوند تہمتِ زنا کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اسے کہا جائے گا کہ وہ چار بار قسم کھا کر بیان کرے کہ وُہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہے کہ اگر وُہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

۳ ۔ جو خاوند چار گواہ پیش نہ کر سکے اور خود چار بار حلفیہ گواہی دے تو گویا چار گواہوں کی جگہ خود اس کی یہ چار حلفیہ شہادتیں ہُوئیں۔

۴ ۔ خاوند چار با حلفیہ گواہی دے مگر پانچویں بار یہ الفاظ کہنے سے انکار کرے کہ اگر وُہ اپنے دعوے میں جھُوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو تو اس کی حلفیہ گواہی نامکمل تصور ہو گی۔

۵ ۔ بیوی چار بار حلفیہ گواہی دے اور پانچویں بار یہ الفاظ کہہ کر کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند اپنے دعوے میں سچا ہو تو بیوی اپنے خلاف تہمت کے الزام سے برأت حاصل کر سکتی ہے۔

۶ ۔ بیوی کی چار حلفیہ شہادتیں چار گواہوں کے برابر قرار پائیں گی۔

۷ ۔ بیوی چار بار حلفیہ گواہی تو دے مگر پانچویں بار یہ الفاظ کہنے سے انکار کرے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند اپنے دعوے میں سچا ہو تو بیوی کی طرف سے صفائی نامکمل ہو گی یا تو وُہ خاوند کے دعوے کی کھل کر تکذیب کرے جس سے اس کی برأت ہو یا اس کی صاف طور پر تصدیق کرے جس سے اس پر حدِ زنا جاری ہو۔

۸ ۔ خاوند اور بیوی کی طرف سے ایک دُوسرے پر اللہ کی لعنت اور غضب کے الفاظ کا استعمال لعان کہلاتا ہے جس کی تکمیل پر دونوں میں تفریق کروا دی جاتی ہے جو طلاق بائن کے حکم میں ہے۔

ایک گواہ اور قسم

عہدِ رسالت کے نظامِ عدالت میں قرآن کا قانونِ شہادت نافذ ہُوا۔ اس قانون کے نفاذ کے دوران ایسے حالات اور مقدمات بھی پیش ہُوئے جن میں گواہوں کی تعداد قرآن کے قانونِ شہادت سے کم تھی۔ اس نئے تقاضے نے یہ ضرورت پیدا کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی قانونِ شہادت کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں خود مزید ضابطے وضع کر کے قانونِ شہادت میں نئی دفعات کا اضافہ فرمائیں۔ آپؐ کی عدالت میں بعض مقدمات ایسے پیش ہوئے جن میں صرف ایک ہی گواہ دستیاب تھا اس پر آپؐ نے ایک گواہ کے ساتھ مدعی سے قسم لے کر مقدمے کا فیصلہ فرما دیا اس طرح آپؐ نے قرآن کی عمومی تعلیمات اور اس کے بنیادی اصولوں کے پیشِ نظر قانونِ شہادت میں اس دفعہ کا اضافہ فرمایا۔ " قضاء بالیمین مع

الشاهد" (ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ) ۔ اس قانون کے مطابق حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے فیصلے کیے ۔[۲۴]

شہری اور بدوی کی شہادت

ہر عدالتی نظام تدریجی مراحل سے گزر کر تکمیل و ترقی حاصل کرتا ہے ۔ عہدِ رسالت کا عدالتی نظام بھی انھیں مراحل سے گزرا ۔ قرآن نے شہادت کا بنیادی قانون بیان کر دیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے اپنے عدالتی نظام میں نافذ فرمایا تو پیش آمدہ مقدمات اور ان کی نوعیت اور ندرت سے ظاہر ہوا کہ حالات و ظروف کے تقاضے قانونِ شہادت میں مزید وسعت اور نئی دفعات کے متقاضی ہیں ۔ اس عہد میں ایک سوال شہری اور بدوی گواہوں کا پیدا ہوا ۔ مسئلہ یہ تھا کہ کیا شہری اور بدوی بطور گواہ برابر ہیں ؟ امام ابو داؤدؒ اور امام ابنِ ماجہؒ جیسے جلیل القدر محدثین نے اپنی اپنی سنن میں اس موضوع پر باب باندھ کر احادیثِ نبوی پیش کی ہیں ۔

سنن ابی داؤد میں زیرِ عنوان "کتاب القضاء، باب شهادة البدوی علی اهل الامصار" اور سنن ابنِ ماجہ میں زیرِ عنوان "کتاب الاحکام، باب من لا تجوز شهادته" یہ قضیہ بیان کیا گیا ہے ۔ سنن ابو داؤد کی روایت یہ ہے :

"عن ابی هريرة انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ، لا تجوز شهادة بدوی علی صاحب قرية ۔"

(حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ ایک بدوی کی شہادت ایک شہری کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی)

ابو سلیمان الخطابی نے اپنی "معالم السنن برحاشیہ مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری، مکتبۃ السنۃ المحمدیہ ج ۵ ص ۲۱۹" میں قانونِ شہادت کے اس ضابطہ پر یہ تبصرہ کیا ہے :

"يشبه ان يكون انما كره شهادة اهل البادية لما فيهم من الجفاء بالدين والجهالة باحكام الشريعة لانهم فى الاغلب لا يضبطون الشهادة على وجهها ولا يقيمونها على حقها لقصور علمهم عما يحيلها وتغييرها عن جهتها ۔"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدوؤں کی شہادت کو اس لیے قبول نہیں کرتے تھے کیونکہ بدو دین کے بارے میں سنگدل تھے وہ احکامِ شریعت سے جاہل تھے ان کی اکثریت شہادت کو بعینہٖ ضبط نہیں رکھ سکتی تھی اور نہ ہی وہ کما حقہٗ شہادت قایم کرسکتے تھے کیونکہ ان میں علم کی کمی تھی جو ان کے آڑے آتی تھی جس سے شہادت کی جہت بدل جاتی تھی)

ابوسلیمان الخطابی نے قانونِ شہادت کے اس ضابطہ پر فقہاء کی اکثریت کی رائے ان الفاظ میں نقل کی ہے :

"قال عامہ اھل العلم شھادۃ البدوی اذا کان عدلا یقیم الشھادۃ علی وجھھا جائزۃ "

(اہلِ علم کی اکثریت کا قول ہے کہ بدوی کی شہادت جبکہ وُہ عادل ہو، شہادت کو اس کی اصل جہت پر قایم کرنے کے قابل ہو تو اس کی شہادت جائز ہو گی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قانونِ شہادت میں شہری اور بدوی کے درمیان جو تمیز کی ہے اسے سمجھنا ضروری ہے۔ ابوسلیمان الخطابی نے "معالم السنن" میں اس کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کئے ہیں :

۱ - دین کے متعلق سنگدلی

۲ - قانونِ شریعت سے جہالت

۳ - شہادت کو بعینہٖ ضبط نہ رکھ سکنا۔

۴ - شہادت کو کماحقہٗ قایم نہ کر سکنا۔

۵ - کم علمی کا آڑے آنا۔

۶ - شہادت کا جہت بدل لینا۔

الخطابی نے فقہاء کی اکثریت کی جو رائے نقل کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدوی کی شہادت کی عدمِ قبولیت بعض شرائط سے مشروط فرمائی تھی جب تک وُہ ان شرائط کو پُورا نہ کریں ان کی شہادت قبول نہ ہو گی اور جب وُہ ان شرائط کو پُورا کر لیں تو ان کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔

شہادت کی شرائطِ قبولیت یہ ہیں :

بدو کے دل میں دین سے سنگدلی کی جگہ محبت ، احکامِ شریعت سے جہالت کی جگہ واقفیت ، شہادت کو ضبط نہ رکھنے اور قایم نہ کر سکنے کی جگہ شہادت ضبط اور قایم کرنے کی اہلیت ، جہالت کی جگہ علم ، ظلم کی جگہ عدالت اور شہادت کے غلط رُخ کی جگہ صحیح جہت دینے میں دیانت کا پیدا ہونا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قانونِ شہادت میں متذکرہ بالا دفعہ کا اضافہ بدوؤں کی مخصوص کیفیت ، معاشرتی حالت ، ان کی جہالت ، یادداشت کی کمی ، واقعات کی کم فہمی جیسے اسباب کے تحت کیا تھا۔ ہم نے فقہاء کی آراء کا جائزہ پیش کیا جن کے مطابق جب معاشرتی حالت میں تبدیلی واقع ہو جائے ، دین کا علم عام ہو جاتے ، احکامِ شریعت سمجھ لیے جائیں ، ذہن کی تربیت ہو جائے ، ضبط کی قوت بڑھ جائے تو بدوؤں کی شہادت قبول ہو گی کیونکہ حکم کی علت باقی نہ رہنے سے حکم کی تاثیر ختم ہو گئی۔ قانونِ شہادت کا یہ بڑا بنیادی اصول ہے اس اصول کی بنیاد پر عورت کی گواہی کا مسئلہ سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

امام مالک انھیں اسباب کے تحت بدوی کی شہادت قبول نہیں کرتے۔

"قال مالك ، لا تجوز شهادة البدوی علی القروی لان فی الحضر من یغنیه عن البدوی الا ان یکون فی بادیة او قریة - والذی یشهد بدویا و یدع جیرته من اهل الحضر؛ عندی مریب " (تہذیب الامام ابن القیم الجوزیہ برحاشیہ مختصر سنن ابی داؤد ، ج ۵، ص ۲۱۹)

امام البیہقی نے اپنی سنن میں ایک انتہائی اہم نکتہ پیدا کیا ہے :

"هذا یحتمل ان یکون ورد فی الشهادة علی الاسعار وفیما یعتبر ان یکون الشاهد فیه من اهل الخبرة الباطنة " (شیخ خلیل احمد سہارن پوری، بذل المجہود فی حل ابی داؤد ، جلد ۱۵ ، ص ۲۸۱)

(اس شہادت کا تعلق بھاؤ کے اتار چڑھاؤ سے ہو سکتا ہے جس میں ایسا گواہ ہی معتبر ہو گا جو ان معاملات کی اندرونی کیفیات سے پوری طرح باخبر ہو گا)

امام بیہقی کے اس مختصر تبصرے نے تہ کی بات منکشف کر دی ۔ بدوی کی معاشرت میں اقتصادیات کی باریکیاں ، مارکیٹ میں بھاؤ کے اتار چڑھاؤ ، مالیات کی پیچیدگیاں نہیں ہوتیں ۔ اس لیے اتفاق سے اگر اسے کسی سٹاک ایکسچینج سے واسطہ پڑ جائے تو ظاہر ہے وہ نہ اس کیفیت کو ذہن میں ضبط کر سکتا ہے نہ اسے اس شعبہ سے علمی واقفیت حاصل ہوتی ہے اور نہ بوقت گواہی یہ سب کچھ عدالت میں بیان کر سکتا ہے ۔ اسی وجہ سے ایک ماہر تاجر کے خلاف اس کی گواہی قبول نہیں کی گئی ، تقریباً یہی کیفیت ہے جو عورت کی نصف گواہی میں سورہ بقرہ میں بیان ہوئی ہے ۔

عورت کی گواہی

گواہ کے لیے قرآن نے عام طور پر جو اصطلاح استعمال کی ہے وہ "شاھد" اور "شھید" ہے ۔ اسی اصطلاح کا تثنیہ کا صیغہ "شھیدین" اور جمع کے لیے مختلف صیغے "شاھدون" ، "شاھدین" اور "شھداء" استعمال ہوئے ہیں ۔ مختلف سیاق و سباق جہاں تذکیر و تانیث کی تمیز کیے بغیر اس اصطلاح کا جمع کا صیغہ استعمال ہوا ؛ وہاں اس سے مرد و زن دونوں برابر ہیں ۔ منجملہ دیگر مقامات کے طلاق کے معاملات میں جمع مذکر " واشھدوا ذوی عدل منکم " (۶۵ - ۲) استعمال ہوا ۔ "اشھدوا " اور " منکم " دونوں میں مرد و زن مراد ہیں ۔ یہی کیفیت اس کے استعمال کی وصیت کے معاملات میں ہے اور جہاں مردوں اور عورتوں کی گواہی میں جنس کے اعتبار سے اختصاص کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے وہاں مذکر اور مونث کے لحاظ سے اسم اور فعل کا ذکر موجود ہے ۔

قرآن میں تین جگہ خاص طور پر جنس کے اعتبار سے مرد و عورت کی گواہی بیان ہوئی ہے :

۱ - "واستشهدوا شهیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتن ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذکر احداهما الاخرٰی" (۲ - ۲۸۲)

(اور گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو گواہ پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جنھیں تم پسند کرو تاکہ اگر بھول جائے ان میں سے ایک تو یاد دلا دے اس کو وہ دوسری)

۲ - "والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھدآء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھٰدٰت باللہ انہ لمن الصٰدقین - والخامسۃ ان لعنت اللہ علیہ ان کان من الکٰذبین۔" (۲۴ - ۶، ۷)

(اور جو لوگ تہمت لگائیں اپنی بیویوں پر اور اپنے سوا ان کے پاس گواہ نہ ہوں تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہوگی کہ وُہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر کہ وہ شخص سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اُس پر اگر وُہ جھُوٹا ہو)

۳ - "ویدرؤا عنھا العذاب ان تشھد اربع شھدت باللہ انہ لمن الکٰذبین - والخامسۃ ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصٰدقین۔" (۲۴ - ۸، ۹)

(اور عورت سے سزا ٹل جائے گی اس طرح کہ وہ گواہی دے چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہ وہ مرد جھُوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر وہ مرد سچا ہے)

مندرجہ بالا تینوں مقامات پہ واضح طور پر مرد اور عورت کی گواہی بطور جنس بیان ہُوئی ہے۔ ان جگہوں پر عورت کی گواہی کا مسئلہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ پہلے مقام پر مردوں کے لیے جمع کا صیغہ "رجال" اور تثنیہ کا صیغہ "رجلین" اور واحد کا صیغہ "رجل" استعمال ہوا ہے۔ عورتوں کے لیے تثنیہ کا صیغہ "امرأتٰن" اور فعل واحد مونث "تضل" اور "فتذکر" آئے ہیں۔ یہ تذکیر و تانیث کے اسماٗ اور افعال واضح طور پر مردوں اور عورتوں کی گواہی کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں۔ اس طرح دوسرے مقام پر مردوں کی گواہی کا ذکر ہے جس میں عورتیں بالکل شامل نہیں جبکہ تیسری جگہ پر صرف عورتوں کی گواہی بیان ہُوئی ہے جس میں مردوں کی شہادت ہرگز شامل نہیں۔

پہلے مقام پر دو مردوں کی گواہی طلب کی گئی ہے اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا ذکر کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قرضوں کے لین دین اور اس سلسلے کی دستاویزات کی تیاری جیسے خاص سیاق و سباق میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بیان ہُوئی ہے۔ بعد کے فقہاٗ کی ایک جماعت نے یہ قاعدہ بنا لیا کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی گواہی نصف ہے۔ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔ جس مقدمے میں دو گواہوں کی گواہی درکار ہو اُس میں اگر دو مرد دستیاب نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پیش کی جائے گی۔ آیت کے الفاظ پر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وثیقہ نویسی کا تقاضا ہے۔ قرض کے معاملات کی وثیقہ نویسی بالعموم باہمی لین دین کے وقت کی جاتی ہے۔ مختلف معاشروں اور تمدنوں میں امصار و اعصار اور احوال و ظروف کے اختلاف سے اس وثیقہ نویسی کی کیفیت بھی مختلف ہوتی ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت عربوں میں چند مستثنیات کے علاوہ عورت

مالی معاملات میں وسیع حد تک شریک نہ تھی جس کی وجہ سے اسے ایسے معاملات اور باریکیوں کو ذہنی گرفت میں لینا اور انھیں تادیر محفوظ رکھنا آسان نہ تھا۔ یہ صرف عورت پر موقوف نہیں بلکہ مردوں کو بھی جن دوائرِ حیات کا تجربہ نہ ہو وہ بھی ان کی جزئیات، کیفیات، تفصیلات اور باریکیوں کو نہ ذہنی گرفت میں لے سکتے ہیں اور نہ تادیر محفوظ رکھ کر بوقتِ ضرورت بطور گواہ عدالت میں پیش کر سکتے ہیں۔ ویسے تو ہر دور میں بعض شعبے ایسے رہے ہیں جن کی پوری سمجھ اس دور کے چند مخصوص لوگوں تک محدود تھی اور اکثریت ان سے ناواقف تھی مگر دورِ حاضر میں سائنس اور ٹیکنالوجی نے جس وسعت اور اختصاص کے ساتھ ترقی کی ہے اسے سمجھنا عوام تو عوام کافی حد تک خواص بھی اسے سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ میڈیکل سائنس، کمپیوٹر، انجنیئرنگ، فلکیات و دیگر سائنسی اور تکنیکی علوم وفنون اور ان کے فروغ نے جو فنی اور پیشہ ورانہ مہارت اور اختصاص کی کیفیت پیدا کی ہے اس کے مختلف شعبوں پر عبور تو درکنار ان میں سے کسی ایک محدود شعبہ میں مہارت کو زبردست کامیابی تصور کیا جاتا ہے اور ایک محدود سائنس میں ماہر کے لیے اس کے دوسرے شعبوں کے بارے میں عمومی معلومات کا حاصل ہونا اس کے لیے نقص تصور نہیں ہوتا۔ ایسی کیفیت میں اگر کسی سائنسی اور فنی دستاویز کی وثیقہ نویسی کے وقت یہ شرط عائد کر دی جائے کہ اس کے لیے دو ماہر گواہوں کی گواہی درکار ہے اور اگر دو ماہر دستیاب نہ ہوں تو ایک ماہر اور دو غیر ماہر اشخاص کی گواہی لی جا سکتی ہے تو ایسا ممکن ہے اس میں دو غیر ماہر اشخاص کی تنقیص مراد نہیں بلکہ متعلقہ شعبہ سائنس و فن سے عدمِ مہارت کا اظہار ہے۔

متذکرہ بالا مقام ایسا ہی سیاق و سباق رکھتا ہے جس میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بیان ہوئی ہے۔ اس میں مالیات اور قرضوں کے لین دین کے معاملات کا ذکر ہے قبل از اسلام عربوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایسے معاملات میں عورتیں کم سے کم شریک ہوتی تھیں، اس کا ثبوت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تنہا حوالہ ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسری عورت کا نام پیش کرنا دشوار ہے۔ اس کے معاشرتی، معاشی اور جغرافیائی اسباب تھے۔ مکہ ایک بے آب و گیاہ خطۂ ارضی پر واقع ہے۔ عرب تاجروں کو شمال میں شام، جنوب میں یمن، مشرق میں عراق وغیرہ اور مغرب میں مصر و حبشہ کے طویل اور دشوار گزار صحرائی ریگستانی بدوی علاقوں سے گزر کر تجارت کے لیے جانا پڑتا تھا ایسے تجارتی کاروانوں اور قافلوں میں عورتوں کی شرکت مشکل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو مالیات اور قرضوں کے معاملات کی زیادہ سوجھ بوجھ نہ تھی مگر عملی زندگی میں ایسے واقعات سے دوچار ہونا پڑتا ہے جہاں حقوق کے تحفظ کے لیے غیر ماہر لوگوں کی شہادت کی ضرورت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں اگرچہ عورتوں کو ان معاملات کا تجربہ نہ تھا پھر بھی ان کی گواہی کو قبول کیا گیا۔

آیت زیرِ مطالعہ میں قرض کی دستاویز کی وثیقہ نویسی کا طریق کار باعثِ ہدایت ہے۔ اس میں مقررہ مدت کے قرض کے معاملات کو دستاویز کی صورت میں لکھنے کا حکم ہے۔ اس وثیقہ نویسی کے لیے "کاتب" کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ مذکر کا صیغہ ہے جو مرد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مگر ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں جو "کاتب" کے لفظ سے عورت کے

مفہوم کو خارج کردے۔ اس صورت میں عورت بھی وثیقہ نویس ہو سکتی ہے مگر یہ اس صورت میں ممکن ہو گا کہ معاشرت تمدن کے اس مقام پر پہنچ جائے جس میں عام تعلیم کے ذریعے خواتین ایسے شعبوں میں کام کی مہارت حاصل کریں۔ اگر عورتیں وثیقہ نویسی کا تجربہ اور مہارت حاصل کرلیں تو وہ اس کام کو انجام دے سکتی ہیں۔

قرآن کے الفاظ:

" ولیملل الذی علیہ الحق "

(اور املا کرائے وہ شخص جس پر قرض ہے)

سے ثابت ہے کہ دو عورتوں کی گواہی کے معاملے کا تعلق اس وقت سے ہے جب قرض کی دستاویز کی وثیقہ نویسی ہو رہی ہے یہ نکتہ اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ اس گواہی کا عدالتی گواہی سے اس مرحلے پر کوئی تعلق نہیں۔ یہ عین ممکن ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قرض خواہ اور قرض دار قرض کی دستاویز لکھ لیتے ہیں اور مدّت مقررہ پر خود ہی اپنا حساب بے باق کر لیتے ہیں نہ دستاویز عدالت میں پیش کرنی پڑتی ہے اور نہ گواہوں کی گواہی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس اعتبار سے ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی کا تعلق قرض کی دستاویز کی تحریر اور وثیقہ نویسی سے ہے جو ایک خارج از عدالت کارروائی ہے، عدالت میں گواہی دینے کا طریق کار اس سے مختلف ہے۔

مالیات اور قرض کے معاملات جن میں وثیقہ نویسی کرلی گئی ہو ان میں قرض خواہ اور قرضدار کے درمیان اگر جھگڑا پیدا ہو جائے اور نوبت عدالت میں مقدمہ بازی تک پہنچے تو ایسی صورت میں گواہ طلب کئے جائیں گے اور ان میں باقاعدہ عدالتی طریق کار کے مطابق گواہی لی جائے گی۔ اس گواہی کا طریق کار یہ ہے کہ پہلے مرد گواہی دے گا پھر ایک عورت گواہی دے گی۔ اگر یہ عورت صحیح طور پر گواہی دے دے تو شہادت مکمل ہو جائے گی، دوسری عورت کی گواہی کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔ اگر پہلی عورت غلطی کرے تو دوسری عورت اس کی تصحیح کرے گی (ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخرٰی) گواہی کا یہ طریق کار صاف اور واضح طور پر یہ بتا رہا ہے کہ اگر پہلی ہی عورت غلطی نہ کرے تو ایک ہی عورت کی شہادت مکمل گواہی ہے۔ عدالت میں دوسری عورت کی حیثیت حاضر (STANDBY) کی ہے جس سے بوقتِ ضرورت مدد لی جا سکتی ہے۔ اور اگر پہلی عورت ہی صحیح طور پر گواہی پیش کر دے تو اس کی مدد کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔ اسے مستقل گواہ کی حیثیت حاصل نہیں جس کی گواہی پر فیصلہ موقوف ہو۔ اس صورت میں عدالت میں اصل گواہی تو ایک مرد اور ایک عورت کی ہے۔

آیت میں لفظ " تضل " تحقیق طلب ہے۔ یہ لفظ " الضلال " سے ہے جس کے لغت میں کئی معنی ہیں۔ مفسرین نے اس لفظ کی تفسیر میں جتنے معانی بیان کئے ہیں ان سب کو سامنے رکھ کر یہ دیکھنا پڑے گا کہ کیا " الضلال " کی صفت عورت کی جبلت کا حصہ ہے جس کی اصلاح کسی صورت ممکن نہیں یا یہ ایسی کیفیت ہے جو ایک خاص معاشرت کا حصہ ہے اور جب اس معاشرت میں تبدیلی پیدا ہو تو یہ کیفیت بھی بدل سکتی ہے۔ قرآن میں یہ لفظ اسماء اور افعال کے

مختلف وزنوں اور صیغوں میں استعمال ہوا۔ اگر ان مقامات کے سیاق و سباق کا احاطہ کیا جائے جن میں یہ استعمال ہوا ہے تو اس جگہ " ان تضل " کے معنی کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ قرآن میں زیادہ تر یہ لفظ ایمان کے بدلے کفر " ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سوآء السبیل " (۲ : ۱۰۸) توحید کے بدلے شرک " ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالاً بعیدا " (۴ : ۱۱۶) ہدایت کے بدلے ضلالت " یآیھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم " (۵ : ۱۰۵) سیدھے رستے کے بدلے گمراہی " واضلوا کثیرا و ضلوا عن سوآء السبیل " (۵ : ۷۷) کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ضلال کی صورت میں عام طور پر اس کا استعمال کھلی گمراہی " ضلال مبین " (۳ : ۱۶۴، ۶ : ۷۴، ۷ : ۶۰، ۱۲ : ۸، ۱۲ : ۳۰) یا " ضلال بعید " (۱۴ : ۳، ۱۴ : ۱۸، ۲۲ : ۱۲) کی صورت میں آیا ہے۔ لفظ ضلال جس سے آیت زیرِ غور میں " ان تضل " استعمال ہوا۔ اس کے مختلف موقع اور محل کے سیاق و سباق کا مطالعہ کیا جائے تو اس کا جو غالب معنی سامنے آتا ہے وہ راہِ حق سے بھٹک جانا، ایمان کی جگہ کفر اور ہدایت کی جگہ گمراہی اختیار کرنا ہے۔ یہ جملہ کیفیات انسان کی جبلّت کا حصّہ نہیں بلکہ ماحول، معاشرت، جہالت، لاعلمی، بے خبری اور عدمِ واقفیت کا نتیجہ ہیں۔ اگر ماحول اور معاشرت میں صحت مند تبدیلی آجائے، جہالت دور ہو جائے، لاعلمی، بے خبری اور ناواقفیت کی جگہ علم، خبر اور واقفیت لے لے تو کفر کی جگہ ایمان، ضلالت کی جگہ ہدایت، گمراہی کی جگہ صراطِ مستقیم حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ضلال کو عورت کی جبلّت کا حصّہ قرار دینے کی بجائے یہ ماحول اور معاشرت کا حصہ قرار دیا جائے گا اور اگر عورت کو ایسا ماحول دستیاب ہو جس میں وہ ضلال سے نجات پا سکے تو ایسا کر سکتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر عورت ضلال سے چھٹکارا حاصل کرلے تو اس صورت میں بھی وثیقہ نویسی کے وقت دو عورتوں کی گواہی ہی درکار ہوگی؛ یا ایک تعلیم یافتہ، باخبر، عالم، فاضل، معلّم، ڈاکٹر، انجینئر، جج، ماہر، تجربہ کار، منتظم، سائنس دان، قانون دان عورت کی گواہی کافی سمجھی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ جب علّت دُور ہوگئی تو مؤخر الذکر صورت پیدا ہو جائے گی۔

اس ضمن میں ہم سنّت سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی باب میں ہم نے " شہری اور بدوی کی گواہی " کا مطالعہ کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری کے خلاف بدوی کی گواہی کو قبول نہیں کیا تھا۔ ہم نے اس پر جیّد فقہاء کی آراء پیش کی تھیں جن کے مطابق آپؐ نے بدوی کی شہادت اس ایک بنیاد پر قبول نہیں کی تھی کہ وہ بدو ہے بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ ماحول اور معاشرت کی وجہ سے اس میں بعض نقائص پائے جاتے تھے جب ماحول کی تبدیلی کی وجہ سے وہ نقائص دُور ہو گئے تو بدوی کی شہادت قبول کر لی گئی جس علّت کی وجہ سے وثیقہ نویسی کے وقت ایک کی بجائے دو عورتوں کی گواہی درکار ہے اگر وہ علّت دُور ہو جائے تو پھر بدوی کی طرح ایک عورت کی گواہی بھی قبول کی جانے میں کوئی امر مانع نہیں رہتا۔ عورت کی گواہی میں ضلالت کی علّت بیان ہوئی ہے۔ یہ علّت جبلّی نہیں اس لیے دُور ہو سکتی ہے جب دُور ہو جائے تو عورت کی گواہی قابلِ قبول ہونی چاہیئے۔

اسلام انسان کی تعمیری اور تخلیقی صلاحیتوں کو ترقی دیتا ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت عرب و عجم کسی جگہ بھی

عورتوں کو وہ حقوق حاصل نہ تھے جو اسلام نے دئے۔ مگر ستم ظریفی یہ ہوئی کہ عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ کے مختصر دور کے بعد ملوکیت قائم ہوگئی جو اب تک مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ ملوکیت کے اس طویل دور میں ملوک کے زیر اثر ایسے قوانین بن گئے جو اسلام کی رُوح کے منافی تھے۔ چونکہ یہ قوانین صدیوں تک رائج رہے تھے اس لیے خود مسلمان ان سے ایسے مانوس ہوگئے کہ انھوں نے ان قوانین کو اسلام قرار دے لیا۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ بتاتا ہے کہ ہر مذہب ابتدأً میں اپنے پیروکاروں میں جوشِ عمل پیدا کرتا ہے۔ بعد میں رسوم و رواج اور روایات مذہب کی جگہ لے لیتی ہیں جو مخصوص حالات کی پیداوار ہوتی ہیں۔ حالات کی تبدیلی سے وُہ روایات روح اور جوشِ عمل سے عاری ہو جاتی ہیں، مگر اس مذہب کے پیروکار ان روایات کو اصل مذہب قرار دے چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے فرسودگی کے باوجود انھیں روایات پر گامزن رہنے کو نجات کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس قرآن جیسی زندہ کتاب موجود ہے اس لیے وُہ اگر چاہیں تو اصل کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ دُوسرے مذاہب کے ماننے والے روایات سے اس لیے نہیں نکل سکتے کیونکہ جہاں انھوں نے روایت پرستی پر شدّت اختیار کی وہاں انھوں نے اپنی اصل مذہبی کتابیں بھی مسخ کر ڈالیں اس لیے انھوں نے رجوع الی الاصل کا موقع ہی ضائع کر دیا۔

اس وقت جن ممالک میں عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے برابر ہے وہاں اس بات کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا کہ ان عدالتی نظاموں میں عورت کی پوری گواہی سے کیا اثرات مرتّب ہوئے! کیا جن مقدمات میں عورت کی گواہی پوری مانی گئی حقوق تلف ہُوئے ہیں یا محفوظ ہوئے ہیں؟

پاکستان ان ممالک میں سے ایک ہے جن میں رائج الوقت قانونِ شہادت کے مطابق مرد اور عورت کی گواہی برابر ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس برابری نے کیا نتائج پیدا کئے ہیں؟ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے عورت کی مکمل گواہی کے نتائج اور اثرات کا آج تک مطالعہ نہیں کیا گیا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ایک بدیہی امر ہے اور دنیا نے اسے پُوری طرح تسلیم کر لیا ہے کہ عورت کی گواہی سے حقوق محفوظ ہُوئے، حقوق تلف نہیں ہوئے، ورنہ قانونی اور عدالتی بے شمار پہلوؤں پر شب و روز تحقیقات جاری ہے اور رپورٹیں مرتّب ہو رہی ہیں مگر عورت کی مکمل گواہی کی افادیّت اتنی مسلّم ہے کہ اس پر علیحدہ تحقیق و مطالعہ کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔

اس مسئلے کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ عورت کو بطور گواہ پیش کرنا مدعی کا اپنا اختیار ہے۔ اگر عورت کی گواہی سے مدعی کو نقصان پہنچتا ہو تو وہ اپنا نقصان کرنے کے لیے عورت کو بطور گواہ کیوں پیش کرے گا؟ عورت کے خلاف یہی دلیل تو دی جاتی ہے کہ وہ بھول جاتی ہے اور صحیح طور پر گواہی نہیں دے سکتی۔ اگر یہ درست ہے تو اس بارے میں مدعی کو سوچنا چاہیے کہ وُہ اپنے حق کے حصول کے لیے کمزور گواہ پیش نہ کرے۔ ظاہر ہے اگر مدعی عورت کو بطور گواہ عدالت میں پیش کرتا ہے تو وُہ اپنا نفع و نقصان سوچ کر ہی اسے پیش کرتا ہے اور یقیناً وُہ اپنے حق کی حفاظت اور انصاف کے حصول کے لیے ایسا کرتا ہے۔

جنس کے اعتبار سے گواہی کا ذکر دُوسری جگہ قرآن میں سورۃ النور کی آیت نمبر ۶ اور ۷ میں کیا گیا ہے جہاں اس خاوند سے جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وُہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ خاوند کی چار بار حلفیہ گواہی چار گواہوں کے برابر قرار دی گئی ہے کیونکہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانا ایسا واقعہ ہے جس کا خاوند کے علاوہ اس کے پاس کوئی دُوسرا گواہ نہیں اور زنا کے الزام کے ثبوت میں قرآن کے قانونِ شہادت کے مطابق چار گواہ ضروری ہیں۔

قرآن میں تیسرا مقام جہاں جنس کے اعتبار سے گواہی کا ذکر موجود ہے وہ سورۃ النور کی آیت ۸ اور ۹ ہیں۔ ان آیتوں میں اس بیوی سے جس پر اس کے خاوند نے زنا کی تہمت لگائی ہو یہ کہا گیا ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ اس کا خاوند اپنے دعوے میں جھُوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند سچا ہے۔ زنا کی تہمت سے برأت کے لیے عورت سے چار بار حلفیہ گواہی چار گواہوں کے برابر قرار دی گئی ہے۔ جس طرح زنا کی تہمت کے الزام کے ثبوت میں مرد سے چار بار حلفیہ گواہی چار گواہوں کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ اگر سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں دُو عورتوں کی گواہی کا اطلاق عمومی ہوتا تو سورۃ النور کی آیت ۸ اور ۹ میں عورت سے چار بار حلفیہ گواہی کی جگہ آٹھ بار حلفیہ گواہی لی جاتی کیونکہ چار بار حلفیہ گواہی چار گواہوں کے برابر ہے اور خاوند کی ایک بار کی حلفیہ گواہی ایک گواہ کے برابر ہے اور چار گواہیاں چار گواہوں کے برابر ہیں ۔اسی طرح عورت کی ہر حلفیہ گواہی ایک گواہ کے برابر ہے اور چار گواہیاں چار گواہوں کے برابر ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ کا اطلاق عمومی نہیں بلکہ خصوصی ہے۔

قرآن میں گواہ کے لیے عام طور پر جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ "شاھد" ہے، جس کی جمع "شھداء" اور "شھیدین" آئی ہے۔ قرآن نے جہاں جہاں تذکیر و تانیث کا ذکر کر کے گواہی کو مردوں اور عورتوں کے ساتھ بطور جنس مخصوص قرار دے دیا ہے۔ ان مقامات کے علاوہ "شاھد"، "شھید"، "شھیدین"، "شھداء" اور "شھیدین" کے الفاظ استعمال ہُوئے ہیں۔ عربی قواعد کے مطابق اگرچہ یہ جمع کے صیغے ہیں مگر استعمال کے اعتبار سے یہ مرد و زن دونوں پر محیط ہیں۔ ان سے جس طرح مرد مراد ہیں اسی طرح عورتیں مراد ہیں۔ سورہ البقر کی آیت نمبر ۲۸۲ میں اگرچہ تذکیر و تانیث کی تخصیص کی گئی ہے مگر اس تخصیص کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں "ممن ترضون من الشھداء"۔ اس جگہ "الشھداء" کا استعمال مسئلے کی تفہیم میں رہنمائی کرتا ہے۔ ان الفاظ سے پہلے "فرجل" خالص مذکر، اور "وامرأتن" خالص مونث کے الفاظ آئے ہیں جن کے آخر میں یہ لفظ "الشھداء" استعمال ہوا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ "الشھداء" مذکر اور مونث، مرد اور عورت دونوں کے لیے آیا ہے۔ اگرچہ جمع مذکر ہے مگر معنی اور مطلب کے اعتبار سے دونوں جنسوں پر محیط ہے۔

سنت سے عورت کی پُوری گواہی کا ثبوت ملتا ہے۔ امام زیلعی نے شرح کنز (ج ۴، ص ۲۰۹) پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کی ہے :

"شهادة النساء جائزة فيما لا يستطيع الرجال النظر اليه"۔

(تنہا عورتوں کی گواہی صرف ان معاملات میں جائز ہے جنہیں مرد نہیں دیکھ سکتے)

مسلمانوں کے تمام فقہی مذاہب نے بالاتفاق اور بالاجماع اس گواہی کو قبول کیا ہے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب "مجلۃ الاحکام العدلیہ" (دفعہ ۱۶۸۵) میں صاف طور پر لکھا ہے کہ معاملاتِ مال میں ان چیزوں کے متعلق جنہیں مرد معلوم نہیں کر سکتے، تنہا عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ بچے کی ولادت اور نسوانی عیوب اور اختلاف کے سوا دیگر تمام فقہائے جمہور کے نزدیک رضاعت (دودھ پلانے) کے معاملات میں تنہا عورت کی گواہی قبول ہوگی۔ حنفی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک ایسے معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کی پیدائش کے بارے میں صرف دایہ کی گواہی کو جائز قرار دیا تھا۔ حضرت عقبہ بن حارث روایت بیان کرتے ہیں :

"میں نے ام یحییٰ بنت ابی اہاب سے شادی کی ایک سیاہ فام عورت ان کے پاس آئی اور وثوق سے کہتی رہی کہ اس نے ہم دونوں کو اپنا دودھ پلایا ہے۔ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی آپ نے میری طرف سے اپنا منہ پھیر لیا اس پر میں نے کہا اے اللہ کے پیغمبر! وہ جھوٹی ہے۔ آپ نے فرمایا تمہیں کیا چیز ایسا سوچنے پر مجبور کرتی ہے جبکہ وہ کہہ چکی جو اس نے کہنا تھا، اسے اپنے سے دور رکھو۔" (حافظ المنذری، مختصر سنن ابی داؤد مکتبۃ السنۃ المحمدیہ جلد پنجم ص ۲۱۹، ۲۲۰ و اخرجہ البخاری و الترمذی و النسائی)

اس حدیث کو امام زیلعی نے "شرح کنز" میں روایت کیا ہے۔ حضرت علیؓ اور قاضی شریحؒ نے ایک عورت کی گواہی پر فیصلے کیے۔ (صبحی محمصانی، فلسفہ شریعتِ اسلام ص ۴۰۲)

امام مالکؒ بھی تنہا عورتوں کی گواہی کو قبول کرتے ہیں البتہ وہ کسی مقدمہ میں صرف ایک عورت کی گواہی کی بجائے دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کے قائل ہیں، جس طرح دو مردوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے سوائے مخصوص حالات کے جن میں کمی بیشی کی گنجایش ہے۔" تبصرۃ الحکام" (ج ا ص ۲۴۰) پر اس کی مزید تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ ایک بڑے فقیہ عثمان البتی کے نزدیک تنہا تین عورتوں کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنی مسند میں مندرجہ ذیل حدیث بیان کر کے یہ رائے قایم کی ہے کہ خواتین سے متعلقہ امور میں تنہا چار عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے :

"قال فی شهادة النساء علی الشئ من امر النساء لا یجوز فیه اقل من اربع۔"

(مسند امام شافعی برحاشیہ کتاب "الام" ج ۶ ص ۲۵۳)

ہم نے اب تک ان معاملات اور مقدمات کا ذکر کیا ہے جو عورتوں سے مخصوص ہیں اور جن سے مرد واقف

یں ہو سکتے اور ان میں تنہا عورتوں کی گواہی قبول ہوتی ہے۔ اب ہم ان معاملات اور مقدمات کو بیان کرتے ہیں جن سے دبھی واقف ہوتے ہیں مگر پھر بھی ان میں تنہا عورتوں کی گواہی جائز قرار پاتی ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک معاملاتِ مال ں تنہا دو عورتوں کی گواہی اس طرح جائز قرار پاتی ہے کہ مدعی سے قسم بھی لی جائے۔ ایک روایت کے مطابق امام ـمدؒ بن حنبل کا مسلک بھی یہی ہے۔ فقہ اسلامی کے جلیل القدر فقہاؒ اور ائمہ حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت علیؓ بن بی طالب اور قاضی شریحؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے طلاق اور مہر جیسے معاملات میں تنہا چار عورتوں کی گواہی قبول ں کی۔ فقہائے اسلام کا ایک دُوسرے طبقے اہلِ ظاہر کے نزدیک تو تمام معاملات میں عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ ن کا اصول یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر سمجھی جائے گی۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: قوانین فقہیہ" ص ۳۱۰، "المحلی" جلد ۹ ص ۳۹۷ و بعدہٗ "مغنی" جلد ۱۲ ص ۱۵، "الطرق الحکمۃ" ص ۱۳۷، ۱۴۱۔ لہذا قرآن، سنّت اور فقہ ـــ اسلامی قانون کے تینوں بنیادی ماخذ سے ثابت ہوا کہ اسلام میں بعض معاملات ں تنہا عورت کی شہادت قابلِ قبول ہے۔ تنہا دو عورتیں، تین عورتوں اور چار عورتوں کی شہادت سے مختلف معاملات مقدمات میں ضروری قانونی اور عدالتی تقاضے پورے ہو جاتے ہیں اور قاضی اور جج ایسے مقدمات میں تنہا عورتوں کی شہادت ثبوت کے طور پر تسلیم کر سکتے ہیں حتیٰ کہ تنہا ایک عورت کی شہادت بھی خاص معاملات میں فیصلے کیلئے کافی ثبوت مہیا کرتی ہے۔

مذاہب حنفی وغیرہ نے مخصوص حالات میں ایک مرد کی گواہی کو قبول کیا ہے۔ مثلاً بچے کی ولادت جیسے معاملات میں جب تنہا ایک عورت کی گواہی مقبول ہے تو ایک مرد کی گواہی بطریقِ اولیٰ مقبول ہوگی (دیکھیے زیلعی مقام مذکور) ردمختار (ج ۲ ص ۴۴۳) کے مطابق لڑکیوں کے معاملات میں صرف معلم کی گواہی کافی ہے۔ نقصان ثابت کرنے کے لیے یک واقف کار مرد کی گواہی کو کافی خیال کیا گیا ہے۔ ابن وہبان نے اپنی تصنیف "منظومۃ الوہبانیۃ" میں اس قسم ی گیارہ مثالیں بیان کی ہیں جو مجیبہ کے حاشیہ ص ۶۱ پر موجود ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۹۶ھ میں چھپی۔ ابن نجیم نے ان پر ایک زید مثال کا اضافہ کیا ہے (اشباہ ص ۸۰) حیدر علی نے "مجلہ" کی دفعہ ۱۸۲۵ کی تشریح میں پندرہ مثالیں بیان کی ہیں جو ابو مسعود سے منقول ہیں۔ اس موضوع پر مالکیہ کی مثالیں "تبصرۃ الحکام" (جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ اور اس کے بعد) میں دیکھی جا سکتی ہیں:

"مسلمان فقہاءؒ نے گواہی کی تعریف اس طرح ہے۔ درست رائے یہ ہے کہ جو چیز حق بات کو ثابت کر دے وہی گواہی ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے کسی طریقے سے بھی حق ظاہر ہو جانے کے بعد ہرگز کسی کی حق تلفی نہیں کی ہے بلکہ اس خدا نے جس کے سوا کسی کو مجالِ حکم نہیں اور اس کے رسولؐ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ جب کسی نہ کسی طریقے سے حق ظاہر ہو جائے تو اس کی تنفیذ اور تائید ضروری ہے، اور حق تلفی کرنا قطعی حرام ہے۔"

مسلمان فقہاء کی یہ رائے حضرت امام ابن القیم الجوزیہ نے اپنی کتاب "اعلام الموقعین" (ج ۱، ص ۱۹۲، ۱۹۳) پر

نقل کی ہے۔

ابن القیم نے قانونِ شہادت کے مزید اصول وضع کئے ہیں:

"اگر قاضی کو خدا کی مقرر کردہ حدود کے علاوہ دوسرے مقدمات کے موقع پر گواہی کی سچائی معلوم ہو جائے تو وُہ ایک مرد کی گواہی پر فیصلہ کر سکتا ہے کیونکہ خدا نے حکام پر یہ لازم قرار نہیں دیا کہ وُہ بغیر دو گواہوں کے بالکل فیصلہ ہی نہ کریں۔ البتہ حقدار کا حق محفوظ رہنا ضروری ہے۔ یہ حق خواہ دو گواہوں کے ذریعے محفوظ ہو خواہ ایک مرد اور دو عورتوں کے ذریعے۔ مگر اس حد بندی سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ حاکم ایک گواہی پر فیصلہ نہیں کر سکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک گواہ اور ایک قسم بلکہ صرف ایک گواہ پر بھی فیصلہ فرمایا ہے۔" (الطرق الحکمیہ ص ۶۶، ۶۷)

ابن القیم نے اس کی مزید تشریح اس طرح سے کی ہے:

"بالفاظِ دیگر یُوں سمجھیے کہ جو ذرائع حاکم فیصلہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے وہ ان ذرائع سے زیادہ وسیع ہوتے ہیں جنہیں حقدار اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے اپنے دل میں سوچتا ہے۔" (اعلام الموقعین، ج ۱ ص ۸۱)

ابن القیم نے فقہاء کے اس قول کو زیادہ مضبوط اور مدلّل بنانے کے لیے شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہؒ کا یہ قول بطور سند پیش کیا ہے:

"قرآن میں دو مرد اور ایک مرد اور دو عورتوں کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا ہے کہ فیصلہ کرنے والے اس تعداد کے پابند ہیں بلکہ صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ اتنے گواہوں سے حقدار کا حق محفوظ رہتا ہے۔"

(الطرق الحکمیہ ص ۷۰)

امام ابن القیمؒ نے اپنے دعوے کی تائید کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عملی سے یہ دلیل پیش کی ہے کہ آپؐ نے رؤیتِ ہلال کے موقع پر صرف ایک اعرابی کی گواہی قبول فرمائی تھی اور مالِ غنیمت کے معاملے میں ایک مرد کی گواہی کو قبول کیا تھا جیسا کہ حضرت ابو قتادہؓ کی روایت سے واضح ہے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نسوانی معاملات میں ایک ثقہ عورت کی گواہی قبول فرمائی۔ حضرت خزیمہؓ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا اور فرمایا:

"من شهد له خزيمة فحسبه۔"

(جس کی گواہی خزیمہ دے دے وہ اس کے لیے کافی ہے)

تنہا حضرت خزیمہؓ کی گواہی پر فیصلہ کرنے کے حکم سے حضرت ابن القیم نے ایک بنیادی اصول وضع کیا ہے وُہ کہتے ہیں:

"ایک گواہ پر فیصلہ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ خزیمہؓ کے لیے مخصوص ہے اور خزیمہؓ سے بہتر یا خزیمہؓ کے ہم مرتبہ صحابہ کرامؓ پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اگر حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ

گواہی دیں تو ان حضرات میں سے تنہا ہر ایک کی گواہی پر بطریقِ اولیٰ فیصلہ ہوگا۔"

"قال ابن القیم رحمہ اللہ وقد احتج بحدیث خزیمة من یری ان للحاکم ان یحکم بعلمہ. قال وجرت شہادة خزیمة فی ذلک مجری التوکید والاستظہار، ولھذا لم یکن معہا یمین، وھذا القول باطل، والنبی صلی اللہ علیہ وسلم انما امضی البیع بشہادة خزیمة، وجعلہا بمنزلة شاھدین، وھذا لان شہادة خزیمة علی البیع، ولم یرہ استندت الی امر ھو اقوی من الرؤیة، وھو تصدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالبراھین الدالة علی صدقہ، وان کل ما یخبر بہ حق وصدق قطعاً، فلما کان من المستقر عندہ انہ الصادق فی خبرہ، البار فی کلامہ، وانہ یستحیل علیہ غیر ذلک البتة، کان ھذا من اقوی التحملات فجزم بانہ بایعہ، کما یجزم لو رآہ وسمعہ، بل ھذہ الشہادة مستندة الی محض الایمان، وھی من لوازمہ ومقتضاہ، ویجب علی کل مسلم ان یشہد بما شہد بہ خزیمة، فلما تمیزت عن شہادة الرؤیة والحس، التی یشترک فیہا العدل وغیرہ، اقامہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام شہادة رجلین۔"

(امام ابن القیم الجوزیة، تہذیب الامام ابن القیم الجوزیہ برحاشیہ مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری ومعالم السنن لابی سلیمان الخطابی مکتبة السنة المحمدیة ۱۳۶۸ھجری بمطابق ۱۹۴۹عیسوی جلد پنجم ص ۲۲۳، ۲۲۴)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن القیم کے نزدیک حدیث مذکور میں تنہا خزیمہ کی گواہی قبول کرنے کی اصل وجہ خزیمہ کی سچائی ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے قاضی اس شخص کی تنہا گواہی پر فیصلہ کر سکتا ہے جس کی سچائی پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے۔ حدیث مذکور کتاب اللہ کے خلاف نہیں بلکہ دیگر احادیث کی طرح اس کے موافق ہے۔ ائمہ کا قاعدہ اور اصول ہے:

"یفسرہ ویبین مراد اللہ منہ ویقید مطلقہ۔"

(حدیث دراصل کلام کی تفسیر ہے جو اس کے حقیقی مقصد کی وضاحت کرتی ہے اور غیر معین مفہوم کو معین کرتی ہے)

ابن القیم نے گواہی کی تعریف اور ثبوت کی فراہمی اور ایک گواہ کی گواہی اور قاضی کو ثبوت فراہم ہو جانے کے بارے میں جو کچھ اوپر بیان کیا ہے اس مسلک کی تاریخ اسلام کے نامور مسلمان قضاۃ کے فیصلوں اور آرأ سے تائید ہوتی ہے۔ ان قضاۃ میں حضرت قاضی شریح اور زرارہ بن ابی اوفی وغیرہ خاص طور پر نمایاں ہیں۔ اس کی مزید تفصیل "الطرق الحکمیہ" (ص ۴، ۵، ۷، ۸) اور "سنن ابی داؤد" (مطبع مصطفیٰ محمد، مصر، جلد ۳، ص ۳۰۸، نمبر ۳۶۰۷) پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

تاریخ اسلام کے نامور قضاۃ کا اصول یہ تھا کہ وہ جب کسی کی سچائی معلوم کر لیتے تھے تو تنہا اس کی گواہی پر فیصلہ صادر فرما دیتے تھے۔

یہی قول ابوداؤد نے بھی اپنی سنن میں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے:
"اذا علم الحاکم صدق الشاهد الواحد یجوز له ان یحکم به" (متن ابو داؤد، کتاب الاقضیۃ)
(باب اس حاکم کے بارے میں جب اسے ایک گواہ کی سچائی معلوم ہو جائے تو اسے اس کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے)
اسی طرح قاضی ایاس بن معاویہ (متوفی ۱۲۲ ہجری) کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے تنہا عبدالعزیز بن صہیب کی گواہی جائز قرار دی۔ اس پر ابن قتیبہ کی "المعارف" (ص ۲۰۷) اور ابن خلکان (ج ۱، ص ۸۱، ۸۲) مزید مطالعہ کے لیے مفید ہے۔

ابن تیمیہ اور ابن القیم جیسے شہرہ آفاق فقہائے اسلام کی مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ وہ تاریخ اسلام کے نامور قضاۃ اور فقہاء کی طرح اس اصول کے قائل تھے کہ:

۱ - جب کسی نہ کسی طریقے سے حق ظاہر ہو جائے تو اس کی تنفیذ ضروری ہے اور حق تلفی کرنا قطعی حرام ہے۔
۲ - اگر قاضی کو حدود اللہ کے علاوہ دوسرے مقدمات میں گواہی کی سچائی معلوم ہو جائے تو وہ ایک گواہی پر فیصلہ کر سکتا ہے کیونکہ خدا نے حکام پر یہ لازم قرار نہیں دیا کہ وہ بغیر دو گواہوں کے بالکل فیصلہ ہی نہ کریں۔
۳ - امام ابن تیمیہ کا قول ہے "قرآن میں دو مرد اور ایک مرد اور دو عورتوں کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ فیصلہ کرنے والے اس تعداد کے پابند ہیں بلکہ صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ اتنے گواہوں سے حقدار کا حق محفوظ رہتا ہے"۔

قضاۃ اسلام اور فقہائے دین کے ان دلائل کی روشنی میں عورت کی گواہی کا مسئلہ سمجھنے میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ "اگر کسی نہ کسی طریقے سے حق ظاہر ہو جائے تو اس کی تنفیذ ضروری ہے اور حق تلفی حرام ہے" تو کیا ایک ثقہ عورت کی گواہی "کسی نہ کسی طریقے" کے زمرے میں شامل نہیں ہے اگر ہے تو تنہا عورت کی گواہی قبول کرنے میں کون سی چیز مانع ہے! اسی طرح فقہاء نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ "اگر حدود اللہ کے علاوہ دوسرے مقدمات میں گواہی کی سچائی معلوم ہو جائے تو ایک گواہی پر فیصلہ ہو سکتا ہے" تو کیا ایک ثقہ عورت کی گواہی سے سچائی معلوم نہیں ہو سکتی؟ اگر ہو سکتی ہے تو ایک عورت کی گواہی پر فیصلہ کیوں نہیں کیا جا سکتا ہے؟

دستاویزی شہادت

عدالتی نقطۂ نظر سے شہادت اسی صورت میں معتبر قرار دی جائے گی جب وہ عدالت میں پیش کی جائے۔ قرآن نے کچھ شرائط عائد کی ہیں جن سے عدالتی نظام کو منضبط کرنے میں مدد ملتی ہے۔ مسلمانوں کو حکماً کہا گیا ہے کہ وہ نجی معاہدوں اور باہمی لین دین کو دستاویز کی صورت میں لکھ لیا کریں۔ ایسے معاہدوں پر باضابطہ دو مرد گواہ ہوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی

گواہی ہونی چاہیے۔ اس طریق کار کو اپنانا اس لیے ضروری ہے کہ اس سے عدالتوں کو مقدمات کا منصفانہ طور پر فیصلہ کرنے میں مدد ملتی ہے۔ قرآن میں یہ طریق کار مندرجہ ذیل طور پر بیان کیا گیا ہے:

"یاایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمّی فاکتبوہ ط ولیکتب بینکم کاتب بالعدل ولا یاب کاتب ان یکتب کما علمہ اللّٰہ فلیکتب ولیملل الذی علیہ الحق ولیتق اللّٰہ ربہ ولا یبخس منہ شیئاط فان کان الذی علیہ الحق سفیھا او ضعیفا او لا یستطیع ان یمل ھو فلیملل ولیہ بالعدل واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامراٰتن ممن ترضون من الشھدآء ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخرٰی ولا یاب الشھدآء اذا ما دعوا۔"[۴۲]

(اے لوگو، جو ایمان لائے! جب تم ایک مقررّہ مدّت کے لیے قرض کا معاہدہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ تمہارے درمیان ایک کاتب اسے دیانت داری سے لکھے۔ کاتب کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیئے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے پس وُہ لکھے۔ اور جس نے قرض لیا ہے وُہ اسے لکھائے اسے اپنے رب اللہ سے ڈرنا چاہیئے اسے اس میں کوئی کمی نہیں کرنی چاہیے۔ اگر وُہ جس نے قرض لیا ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا (اگر) وہ خود لکھانے کے قابل نہیں تو اس کے ولی کو دیانتداری سے لکھوانا چاہیے۔"

اسی طرح یتیم کے ولی کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ جائداد یتیم کے حوالے کرتے وقت گواہی ضبط کرا لے:

"فاذا دفعتم الیھم اموالھم فاشھدوا علیھم ط"[۴۳]

(پھر جب تم ان کے اموال ان کے حوالے کرو تو گواہوں کو ان کے سامنے بلاؤ)

زوجین اگر میاں بیوی کی طرح نہ رہ سکتے ہوں اور طلاق کے ذریعہ علیحدہ ہونے کا فیصلہ کرلیں تو انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ دو عادل گواہ طلب کریں:

"واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادۃ للّٰہ۔"[۴۴]

(اور شہادت کے لیے اپنے میں سے دوُ عادل گواہ بناؤ اور اللہ کی خاطر سیدھی سچی گواہی دو۔)

گواہوں کے لئے ہدایات

کسی مقدمہ کے فیصلے کا انحصار شہادت پر ہوتا ہے۔ تحریری اور دستاویزی شہادت کے علاوہ گواہوں کی دیانت اور ایمانداری متنازعہ فریقین کا حق ثابت کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ گواہوں کی کلیدی حیثیت کے پیشِ نظر قرآن نے ایک طریقہ مقرر کیا ہے جس کے مطابق گواہوں پر عدالت میں حاضری اور شہادت دینا فرض ہے:

"ولا یاب الشھدآء اذا ما دعوا ط"[۴۵]

(اور گواہ جب بلائے جائیں تو ہرگز انکار نہ کریں)

قرآن کا قانونِ شہادت اس معنی میں بے مثل ہے کہ وُہ کسی کا جھوٹا اور بے ایمان ثابت ہو چکنے والے گواہ کو اس کے بعد ہمیشہ کے لیے عدالت میں پیش ہونے سے روک دیتا ہے۔ مزید یہ کہ اگر مدعی اپنا دعوٰی ثابت نہیں کر سکتا تو وہ سزا کا مستوجب ہے اور ہمیشہ کے لیے گواہی دینے سے روک دیا جاتا ہے:

"والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعة شهدآء فاجلدوهم ثمٰنین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادةً ابداً ج اولٰٓئك هم الفٰسقون" [۴۶]

(اور وُہ جو عیب لگائیں پاکدامنوں پر، پھر چار گواہ نہ لائیں ان کو اسّی کوڑے لگاؤ اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور یہ حد سے گزرنے والے ہیں)

تاہم اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وُہ سچے اور ایماندار گواہوں کی جان اور عزت کی حفاظت و نگہداشت کرے تاکہ وُہ اپنے ضمیر کے مطابق عدالت میں بیان دیں:

"ولا یضار کاتب ولا شهید" [۴۷]

(اور کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچے)

گواہ کے جسم و جان کی حفاظت دستور کی تاریخ میں عظیم انقلاب ہے۔ گواہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ایک طرف مدعی اور مدعا علیہ کے دعووں اور حقوق کے صحیح تعین میں مدد دیتا ہے اور دوسری طرف حکومت اور مدعی کے درمیان حق و دیانت کا رابطہ ہے۔ گواہ ملک و معاشرے کی عام دیانت و اخلاقی حالت کو جانچنے کا پیمانہ بھی ہے۔ گواہ کی اس کلیدی اور محوری حیثیت کے پیشِ نظر اسلامی نظامِ عدالت کے قواعد و ضوابط اور اصول و قوانین میں اس کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے دوسرے نظاموں میں مدعا علیہ یا بسا اوقات حکومتیں جب گواہ ان کے خلاف مقدموں میں پیش ہوں گواہوں کو غیر قانونی طور پر روکنے کے غلط اور ناجائز ہتھکنڈے استعمال کرتی ہیں۔ قرآن کے قانونِ شہادت کی یہ دفعہ پوری انسانیت کے لیے راہِ ہدایت ہے۔

گواہوں کو دستوری پناہ دیتے ہوئے قرآن نے قرار دیا ہے کہ گواہ کو سچ کہنا اور حقائق کی تفصیل بلا خوف و طرفداری بیان کرنا چاہیے۔ اگر وُہ اپنا فرض ایمانداری سے پورا نہ کرے اور حقایق کو چھپائے تو وہ گنہگار ہے:

"ولا تکتموا الشهادة ط ومن یکتمها فانه اٰثم قلبه ط" [۴۸]

(اور گواہی مت چھپاؤ اور جو کوئی اس کو چھپائے گا اس کا دل یقیناً گناہگار ہے)

عدلیہ کی دستوری دفعات کی تنفیذ

قرآن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عدلیہ کے سربراہ کی حیثیت سے اعلیٰ ترین اختیارات تفویض کیے۔ ریاست کے

شہری اپنے تنازعوں کے تصفیہ کے لیے آپؐ کی عدالت میں پیش ہونے کے پابند تھے :

"فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول" [۴۹]

(پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسولؐ کے)

یہ پابندی ان کے عقیدہ کے اقرار میں شامل تھی :

"ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر" [۵۰]

(اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو)

اگر وہ دستوری اور عدالتی تقاضے پورے نہیں کرتے تو وہ مومن باقی نہیں رہتے :

"فلا وربك لا یؤمنون حتّٰی یحکّموك فیما شجر بینهم ثمّ لا یجدوا فی انفسهم حرجًا ممّا قضیت ویسلّموا تسلیما" [۵۱]

(پس قسم ہے تمہارے رب کی، وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک وہ تمہیں اپنے درمیان تنازعہ میں جج نہ بنائیں اور پھر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اس کی بابت جو تم فیصلہ کرو اور اسے مکمل اطاعت سے تسلیم کریں)

دستوری اور عدالتی اختیارات کی تفویض کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اساسی اور بنیادی اصولوں پر عمل کیا اور انھیں نافذ کیا۔ آپؐ نے ان کی تفصیلات طے کیں اور عاجلانہ اور غیر جانبدارانہ عدالتی نظام کے بنیادی قواعد وضوابط اور اصول وقوانین وضع کیے آپؐ نے ہر قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کی تحقیق کے لئے جج کے فرائض متعین کیے۔ مقدمات کی درپیشی میں شہادت پیش کرنے اور اس کے قابلِ قبول ہونے کے قواعد مقرر کئے اور مجرموں پر مقدمہ چلانے کا عدالتی طریقِ کار بنایا۔[۵۲] اس نظام کے نفاذ سے عربوں کی قبائلی تنظیم ریگستانی علاقوں میں شیوخ کی اور چھوٹے چھوٹے شہزادوں اور سرداروں کی زرخیز علاقوں میں علاقائی اور غیر مرکزی حکمرانی نے متحدہ قانونی، اخلاقی اور مذہبی ضابطہ کے تحت ایک مضبوط اور مستحکم مرکزی حکومت کو جگہ دے دی۔[۵۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عدالتی طریق کار

شہادت کی بالادستی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ عدالتی نظام میں سب سے زیادہ اہمیت عدالت میں پیش کی جانے والی شہادت کو حاصل تھی۔ فریقین تنازعہ کو اپنا مقدمہ اور اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کی پوری آزادی دی گئی تھی۔ تفصیلی تحقیق اور تفتیش کے ذریعے جرم سرزد ہونے کے اصل حالات عدالت کے علم میں لائے جاتے۔ مقدمہ کے فیصلہ کا قطعی انحصار ظاہری

شہادت پر کیا جاتا۔ یہ طریق کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضع کردہ مندرجہ ذیل عدالتی اصول پر مبنی تھا آپؐ نے ایک مقدمہ کے فریقین کو مخاطب کرتے ہوئے عدالت میں فرمایا:

"انما انا بشر وانکم تختصمون الیّ ولعلّ بعضکم ان یکون الحنَ بحجتہ من بعض فاقضی علی نحو ما اسمع فمن قضیت لہ بحق اخیہ شیئاً فلا یأخذہ فانما اقطع لہ قطعۃ من النار۔"[54]

(میں ایک بشر ہوں، تم اپنے تنازعے میرے پاس لاتے ہو، ہوسکتا ہے تم میں سے ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی حجت زیادہ خوش آوازی سے پیش کرے اور میں جو سنوں اس کے مطابق فیصلہ دے دوں۔ لہٰذا جس شخص کے حق میں میں اس کے بھائی (مخالف) کے حق کا فیصلہ دوں اسے اپنے بھائی کا حق نہیں لینا چاہئے کیونکہ ایسی صورت میں درحقیقت میں اسے جہنم کا ٹکڑا دیتا ہوں)

مندرجہ بالا اصول کے یہ الفاظ: "فاقضی علی نحو ما اسمع" (پس میں جو سنوں اس کے مطابق فیصلہ دے دوں) اور "فاحسب انہ صادق" (اور میں سمجھوں کہ وہ سچا ہے)[55] اس اصول کی بنیاد میں یہ طے کرتے ہیں کہ مقدمات ظاہری شہادت پر فیصل ہوتے تھے۔ ابن العربی مندرجہ بالا اصول کی تشریح میں یہ قاعدہ وضع کرتے ہیں کہ فیصلہ ظاہری شہادت پر ہوگا۔ اس کے پوشیدہ معنی پر نہیں ہوگا:

"ان القضاء انما یکون بظاھر القول لا بباطن الحال فان کان الحکم فی الظاھر بما لا یحل لہ فی الباطن۔"[56]

مندرجہ بالا مقدمے کا آخری حصہ جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اخلاقی نقطۂ نظر سے اہم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن کر کہ ظاہری شہادت پر مبنی حاکم کا فیصلہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں بنا دیتا (فان قضاء الحاکم لا یحلّ حراماً و لا یحرمُ حلالاً)[57] مقدمہ کے دونوں فریق رو پڑے۔ انھوں نے ایک دوسرے سے کہا: "میرا حق تمہارے لیے ہے۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نصیحت کی کہ اگر ان میں سمجھوتہ ہوگیا ہے تو وہ قرعہ سے برابر برابر بانٹ لیں۔[58]

قانون دانوں کو یہ عجیب لگے گا کہ عدلیہ کا سربراہ عدالت میں معلم اخلاقیات کا فرض ادا کرے۔ اس کی وضاحت ضروری ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین فریضہ نبوت تھا۔ آپؐ کا بنیادی فرض لوگوں کو تعلیم دینا اور انھیں اخلاقی طور پر باشعور بنانا تھا۔ ان فرائض کی انجام دہی کے دوران اگر لوگوں کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان جج کا فرض ادا کرتے زندگی کے قانونی اور اخلاقی پہلوؤں کا یہ امتزاج اور ترکیب اسلامی نظامِ عدل کی نمایاں خصوصیت ہے جو اسے دیگر عدالتی نظاموں سے ممیّز کرتی ہے۔ یہاں یہ بتا دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ اخلاق سے عاری قانون لوگوں کو مزید مقدمہ بازی پر اکساتا ہے اور محض قانونی کارروائی پر مبنی فیصلہ اور احکام ہمیشہ

اس شخص کی تسلی کا باعث نہیں ہوتے جس کا حق شہادت کی عدم فراہمی کی بنا پر مارا جائے۔ یہاں زیرِ حوالہ مقدمہ میں قانونی طور پر فیصلہ اس شخص کے حق میں ہو سکتا تھا جو زیادہ خوش الحان اور فصیح تھا اور جو اطمینان بخش دلائل دے سکتا تھا۔ اخلاقی طور پر اس کا مخالف زیادہ مضبوط موقف کا حامل ہو سکتا تھا، تاہم عدلیہ کے قواعد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب کیے بہت واضح ہیں :

عدالتی حکم اور فیصلے ظاہری شہادت کی بنیاد پر کئے جائیں گے تاہم فریقین کو نصیحت کی جانی چاہیے کہ مذہبی نقطۂ نظر سے عدالتی فیصلہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں بنا سکتا جس کے لیے مجرم یومِ حساب کو جوابدہ ہوگا۔

بطور گواہ مسلمانوں میں مساوات

تمام مسلمان بلا لحاظ مذہبی، سماجی اور سیاسی مرتبہ کے بطور گواہ برابر ہیں۔ اس جج کی گواہی کو جو واقعہ کا ذاتی شاہد ہو مقدمہ کے فیصلہ کے لیے کافی ثبوت نہیں سمجھا جائے گا، وہ دوسرے مسلمان کی طرح ایک گواہ تصور کیا جائے گا :

"قال عمر لعبد الرحمٰن بن عوف لو رایت رجلا علی حد زنا او سرقۃ وانت امیر فقال شهادتك شهادة رجل من المسلمین قال صدقت" ۵۹

(حضرت عمرؓ نے حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف سے دریافت کیا کہ اگر آپ ایک مرد کو حدِ زنا یا سرقہ کا ارتکاب کرتے دیکھیں اور آپ امیر ہوں، انھوں نے جواب دیا کہ آپ کی شہادت مسلمانوں میں سے ایک مرد کی شہادت تصور ہوگی۔ آپ نے جواب دیا : تم نے سچ کہا)

اس موضوع پر بہترین مثال وُہ مقدمہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بدو کے خلاف خود ایک فریق تھے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں آپ سے گواہ پیش کرنے کے لیے کہا گیا تھا، جس میں حضرت خزیمہؓ بن ثابت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گواہی دی تھی اس کی تفصیل یہ ہے :

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتاع فرسا من اعرابی فاستتبعه النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیقضیه ثمن فرسه فاسرع النبی صلی اللہ علیہ وسلم المشی وابطا الاعرابی، فطفق رجال یعترضون الاعرابی فیساومونه الفرس، ولا یشعرون ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتاعه فنادی الاعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال : ان کنت مبتاعا هذا الفرس والا بعته فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حین سمع نداء الاعرابی فقال اولیس قد ابتعته منك فقال الاعرابی لا واللہ ما بعتك فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلی قد ابتعته منك فطفق الاعرابی یقول هلم شهیدا فقال خزیمة بن ثابت انا اشهد انك قد بایعته فاقبل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی خزیمة فقال

بِمَ تشهد؟ فقال بتصديقك يا رسول الله فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم شهادة خزيمة بشهادة رجلين۔" ۶۰

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدّو سے ایک گھوڑا خریدا اور اسے اس کی قیمت ادا کرنے کے لیے اپنے پیچھے آنے کو کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیز قدم چل رہے تھے جبکہ بدّو اپنی سُست رفتاری کے باعث پیچھے رہ گیا تھا۔ بدّو کو لوگ ملنا شروع ہوئے اور انہوں نے اس کے گھوڑے کی زیادہ قیمت لگائی۔ انھیں یہ علم نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خرید چکے ہیں۔ بدّو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا اور پُوچھا: آپ یہ گھوڑا خریدیں گے یا میں اسے (کسی دوسرے کے ہاتھ) بیچ دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رُک گئے اور پُوچھا: کیا میں اسے تم سے خرید نہیں چکا؟ بدّو نے جواب دیا: نہیں، خدا کی قسم! میں نے یہ تمہارے ہاتھ نہیں بیچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے کہا: کیوں نہیں، میں یہ تم سے خرید چکا ہُوں۔ اس پر بدّو نے کہنا شروع کیا: کوئی گواہ لاؤ۔ خزیمہ بن ثابت بولے: "میں شہادت دیتا ہُوں کہ آپؐ اسے اس سے خرید چکے ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خزیمہ کی طرف آگے بڑھے اور دریافت فرمایا: "تم کس بنا پر شہادت دیتے ہو؟" اس نے جواب دیا کہ آپ کی تصدیق پر، اے پیغمبرِ خدا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر تسلیم کیا)

اس مقدمے سے اسلامی نظامِ عدالت کے متعدد قواعد و کلیات اور اصول و ضوابط روشن ہوتے ہیں۔ سب سے پہلا اصول یہ سامنے آیا کہ اس نظام میں سربراہِ حکومت و عدلیہ کو آئین اور قانون میں عام شہریوں پر کوئی امتیاز حاصل نہیں۔

دوم: اسلامی ریاست کا عام شہری سربراہِ حکومت کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کرسکتا ہے۔

سوم: سربراہِ حکومت کو اپنے خلاف مقدمہ کے دفاع میں وہی طریق کار اپنانا پڑے گا جو ایک عام شہری ایک دُوسرے عام شہری کے خلاف اپناتا ہے۔

چہارم: عدلیہ کا سربراہ اپنے ذاتی علم کو بطورِ ثبوت دعویٰ تسلیم نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اعرابی جھُوٹا ہے مگر آپؐ نے ذاتی علم پر انحصار کی بجائے حضرت خزیمہ کی گواہی پر فیصلہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کو پہلا تحریری آئین دیا اور آپؐ نے اس کی پابندی فرمائی۔ ایک عام شہری کی طرح عدالت میں پیش ہوئے۔ یہ شاید تاریخ میں نادر مثال ہے کہ ایک حاکمِ وقت نے اپنے آپ کو آئین کا پابند بنایا ہو۔ اس سے پہلے بھی اس کی نظیر نہیں ملتی بلکہ اس وقت بھی دنیا میں جتنے دساتیر موجود ہیں ان کے اندر بھی حکمرانوں کو آئینی، قانونی اور عدالتی تحفظ موجود ہے۔ پاکستان میں اس وقت ۱۹۷۳ء کا جو آئین نافذ العمل ہے اس کی دفعہ نمبر ۲۴۸ میں صدر، وزیر اعظم، صوبائی گورنر، وفاقی و صوبائی وزراء کو تحفظ دیا گیا ہے کہ اگر یہ حاکم لوگ کسی قسم کی قانونی خلاف ورزی کا ارتکاب کریں تو وہ عدالت میں پیش ہونے سے

مستثنیٰ ہیں۔ ایسی کوئی شق ہمیں عہدِ رسالت کے نظامِ عدالت میں نہیں ملے گی۔ اس مقدمہ سے صاف دکھائی دیتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک عام شہری کی طرح عدالت میں پیش ہوتے ہیں اور ایک اعرابی کو جو شکایت تھی وہ آپؐ کے سامنے پیش کی گئی اور آپؐ اس کے سامنے جواب دہ تھے۔ آیندہ ابواب میں ہم دیکھیں گے کہ خلفاء راشدین بھی خود کو عدالت میں ایک عام شہری کی طرح پیش کرتے۔ اس عہد کے بڑے بڑے گورنر جن میں حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو موسیٰ الاشعری، حضرت عیاض بن غنم، حضرت مغیرہ بن شعبہ شامل تھے۔ یہ سب کے سب بڑے پائے کے صحابہ رسولؐ تھے ان میں عشرہ مبشرہ" میں سے بھی تھے۔ ان کے خلاف عام شہری شکایت کرتے تھے تو وہ بھی عدالت میں عام شہری کی طرح آکر جواب دہ ہوتے تھے۔ اسلامی نظامِ عدالت کا یہ طرّۂ امتیاز ہے کہ مسلمان فوجوں کے کمانڈر انچیف بھی اگر کسی زیادتی کے مرتکب ہوتے تو وہ بھی عدالت کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے۔ کوئی شخص بھی قانون سے بالا نہیں تھا بلکہ وہ ایک مساویانہ عادلانہ نظام تھا سیاسی، معاشرتی، معاشی کسی بھی اعتبار سے شہریوں میں امتیاز کا قطعاً کوئی تصور نہیں تھا۔

قرآن کی ہدایت ہے کہ لین دین کی دستاویزات کے کاتب اور مقدمات کے گواہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں[61]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ بہترین گواہ وہ ہیں جو شہادت کے لیے بلائے جانے سے پہلے ہی شہادت دیں۔ کیا میں تمہیں بہترین گواہوں کے متعلق بتاؤں۔ وہ وہ ہے جو بلائے جانے سے پہلے آکر شہادت دے[62]۔

نا اہل گواہ

گواہوں کی دیانت اور ایمان داری اسلامی نظامِ عدل میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ایسی کوئی دفعہ شاید کسی جدید عدالتی نظام میں موجود نہیں۔ قرآن نے جھوٹی شہادت کے لیے ایک موٹا اصول مقرر کر دیا ہے:

فاجتنبوا الرجس من الاوثان و اجتنبوا قول الزور[63]

(پس بتوں کی گندگی سے بچو اور غلط بیانی (قول الزور) سے بچو)

اس قرآنی دفعہ کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹے شخص کو گواہی کے لیے نا اہل قرار دیا ہے۔ خریم بن فاتک الاسدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فجر کی نماز کے بعد مجلس منعقد کی اور قانونِ شہادت کی مندرجہ ذیل دفعہ کا اعلان فرمایا:

"جھوٹی شہادت خدا کے ساتھ شریک بنانے کے مترادف قرار دے دی گئی ہے۔"

آپؐ نے یہ اعلان تین مرتبہ دہرایا اور اس آیت کی تلاوت کی:

"پس بتوں کی گندگی سے بچو اور غلط بیانی سے بچو۔"[64]

بے ایمانی، قانونِ شریعت کے تحت سزا اور ذاتی دشمنی اگر ثابت ہو جائے تو ایسے شخص کو گواہی کے نا اہل قرار دے دیا گیا ہے۔ متعلقہ ضابطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یوں روایت کیا گیا ہے:

"بے ایمان مرد اور بے ایمان عورت کی شہادت قبول نہیں اور نہ اس کی جسے قانونِ شریعت کے تحت سزا دی جا چکی ہو اور نہ اس کی جو اپنے بھائی کے خلاف دشمنی رکھتا ہو۔" [۶۵]

سُنن ابوداؤد کی روایت کے مطابق کسی زانی مرد یا عورت کی گواہی بھی قابلِ قبول نہیں۔ [۶۶]

قرائنی شہادت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کردہ نظامِ عدل بعض جرائم کا ارتکاب ثابت کرنے کے لیے قرائنی شہادت قبول کرتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کے کردار کی برأت کے لیے قرآن نے بادشاہ کے خاندان کے ایک رُکن کی قرائنی شہادت پیش کرنے کی تجویز کا یُوں حوالہ دیا ہے:

"وشهد شاهد من اهلها ۚ ان كان قميصه قُدّ من قبل فصدقت وهو من الكٰذبين ○ وان كان قميصه قدّ من دبر فكذبت وهو من الصّٰدقين ○ فلما راٰ قميصه قدّ من دبر قال انه من كيدكنّ ط ان كيدكنّ عظيم ۔" [۶۷]

(اور اس کے اپنے خاندان کے ایک گواہ نے گواہی دی: اگر اس کی قمیص سامنے سے پھٹی ہے تو یہ عورت سچ کہتی ہے اور یہ شخص جھُوٹا ہے۔ اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو یہ عورت جھُوٹ بولتی ہے اور یہ سچّا ہے۔ پس جب اس نے اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی دیکھی تو وہ بولا: یقیناً یہ تم عورتوں کا فریب ہے۔ تمہارا فریب بیشک بہت بڑا ہے)

ایسے مقدمات بھی بیان کئے گئے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرائنی شہادت قبول فرمائی۔ بچّے کی ولدیت کا مشہور مقدمہ ایسی ہی شہادت پر فیصل ہوا تھا۔

تاہم یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اسلامی نظامِ عدل نے بلا امتیاز قرائنی شہادت کو قبول نہیں کیا ہے۔ یہ صرف وہاں قبول کی جاتی ہے جہاں قرآن نے واضح طور پر گواہوں کی تعداد مقرر نہیں کی۔ لیکن سنگین جرائم جو زندگی، عزّت، جائداد، مذہب اور ریاست کے خلاف کیے گئے ہوں جو سخت سزا کے مستوجب ہوں مثلاً رجم، ہاتھ کاٹنا، کوڑے لگانا اور ریاست سے جلاوطنی جیسے جرائم کا فیصلہ اور سزا کا انحصار قرائنی شہادت پر کرنے کی اجازت نہیں۔ یہ اسلامی نظامِ عدل کا فقید المثال امتیاز ہے جو اسے دیگر عدالتی نظاموں سے زیادہ ترقی یافتہ اور ممتاز بناتا ہے۔ بطور مثال ایک مقدمۂ قتل نیچے درج کیا جاتا ہے:

"عبد اللہ بن سہل اور محیصہ جہد و مشقت کے باعث خیبر گئے۔ [۶۸] بعد میں محیصہ کو بتایا گیا کہ عبد اللہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور ایک ندی یا چشمہ میں پھینک دیا گیا ہے۔ وہ یہودیوں کے پاس گیا اور ان پر الزام لگایا: "بخدا! تم نے اسے مار ڈالا ہے۔" انہوں نے کہا: "بخدا! ہم نے اسے نہیں مارا۔" تب وہ چل پڑا اور اپنے لوگوں کے

پاس پہنچا اور انھیں بتایا (جو کچھ اس نے خیبر کے یہودیوں سے سُنا تھا) وہ اُس کا بڑا بھائی حویصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل مقدمہ کی رپورٹ کرنے اور اس کی تشریح کرنے چل پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محیصہ کو ہدایت فرمائی کہ پہلے اس کا بڑا بھائی بولے۔ پس حویصہ نے اپنا بیان دیا۔ پھر محیصہ بولا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا: "یا وہ (یہود) تمہارے ساتھی کا خُون بہا ادا کریں یا وہ جنگ کے لیے تیار ہوجائیں" (اما ان یدوا صاحبکم واما ان یؤذنوا بحرب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم تحریری طور پر بھیج دیا۔ انھوں نے تحریری جواب دیا: "ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔" تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حویصہ، محیصہ اور عبدالرحمٰن سے پُوچھا: "کیا تم حلفیہ بیان دیتے ہو اور اپنے ساتھی کے خُون کا حق ثابت کرتے ہو؟" (اتحلفون وتستحقون دم صاحبکم) انھوں نے انکار کردیا۔ تب آپؐ نے پُوچھا: "کیا تمہاری خاطر یہودی حلفیہ بیان دیں؟" (افتحلف لکم یهود) انھوں نے کہا: "وہ مسلمان نہیں" (لیس بمسلمین) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہیں دیت میں سَو اونٹ دئے (فوداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عندہ مائة ناقة)۔

ایک روایت میں "من ابل الصدقة" کے الفاظ آئے ہیں جس کا مطلب ہے "آپؐ نے حکومت کی طرف سے یہ دیت ادا کردی۔"

مقدمہ کی مندرجہ بالا تفصیل ظاہر کرتی ہے کہ مقدمہ کی سماعت کے لیے مفصّل طریق کار اختیار کیا گیا تھا۔ ابتدائی تفتیش چند مسلمانوں نے کی۔ انھوں نے یہودیوں سے دریافت کیا جن کے علاقہ میں قتل ہُوا تھا:

"وقالوا للذی وجد فیهم۔"

موقع واردات کا معائنہ اور دائرہ کار کا تعین واضح طور پر ثابت کرتا ہے۔ پھر ان پر قتل کا الزام لگایا: "قتلتم صاحبنا۔" ملزمان پر فردِ جرم عاید کرنے کا طریق کار وضع ہوا۔ تفتیشی رپورٹ پر مقدمہ مدینہ میں عدالت انصاف میں پیش کر دیا گیا۔ باضابطہ سماعت ہُوئی۔ بیانات سُنے گئے اور گواہوں پر جرح ہُوئی۔ ملزموں کو عدالت کا تحریری حکم بھیجا گیا۔ ملزمان پر تحریری فردِ جرم عائد کی گئی تاکہ انھیں اپنے خلاف الزام کی صفائی کا پورا پورا موقع دیا جائے اور عدل کے تقاضے پُورے ہوں انہیں جرم کے سنگین عواقب سے بھی متنبہ کر دیا گیا (اما ان یؤذنوا بحرب) ان کا تحریری بیان (جواب دعویٰ) بھی حاصل کیا گیا۔ ملزمان سے تحریری جواب لینے کا یہ طریق کار اس دور کے حساب سے انتہائی ترقی یافتہ تھا اس کی عدالتی اولیت اور عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دُنیا نے اب اس کی اہمیت کو پہچان کر عہدِ حاضر کے عدالتی نظاموں میں اپنایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عدالتی طریق کار تا ابد انسانیت کے لئے رہنما اور روشن مثال رہے گا۔ امام البخاری کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تحریری حکم مقدمہ کی تفتیش کے لیے

خیبر میں تعینات اپنے ضلع مجسٹریٹ کی طرف بھیجا۔ البخاری کے نظریہ کا اظہار باب زیر بحث کے عنوان سے ہوتا ہے :

"کتاب الحاکم الی عماله"

(حاکم کا مراسلہ اپنے گورنر، ججوں کے نام)

چشم دید گواہوں کی عدم موجودگی میں، مدعی اور تصدیق کرنے والے (تفتیشی عملہ) کو قسم اٹھانے کے لیے یا ملزم کی قسم قبول کرنے کے لیے کہا گیا جسے قبول کرنے سے انہوں نے انکار کر دیا۔

مندرجہ بالا کارروائی کے پیشِ نظر چشم دید گواہوں کی عدم موجودگی میں عدالت کو کوئی واضح ثبوت نہیں ملا۔ اس لیے چیف جسٹس نے محض قرائنی شہادت پر ملزموں کو کوئی سزا نہ دینے کا فیصلہ کیا۔ دیت سرکاری خزانے سے ادا کر دی گئی تاکہ ایک مسلمان کا خون ضائع نہ جائے (فکرہ رسول اللہ ان یبطل دمه)[۴۳] ان فوجداری اور دیوانی مقدمات کی کارروائی سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کئے گئے اور آپؐ نے فیصل کیے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تفتیش کرنے، مقدمہ چلانے اور عدالتی فیصلوں پر عملدرآمد کے لئے مناسب انتظامی عملہ موجود تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے عہدِ رسالت کا نظامِ عدالت سادہ، سستا اور جلد انصاف مہیا کرنے کے اصولوں پر قایم تھا۔ اس میں کورٹ فیس، وکالت اور دیگر عدالتی اخراجات کا کوئی تصور نہ تھا۔ اخراجاتِ مقدمہ انصاف کے حصول کی راہ میں رکاوٹ نہ تھے۔ ایک عام شہری اپنے حق کے حصول کے لیے بغیر کسی خرچ کے کسی وقت بھی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا تھا۔ یہی اسلامی نظامِ عدالت کے نمایاں اوصاف ہیں۔

تفتیش اور قانونی کارروائی

کسی مقدمہ کا ابتدائی مرحلہ تفتیش ہے۔ یہ یقینی امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جدید طرز کے تھانے قایم نہیں کئے تھے۔ مقدمات اور تنازعے براہِ راست مدینہ میں چیف جسٹس کے سامنے پیش ہوتے یا آپؐ کے نائبین کے سامنے پیش کئے جاتے جو مختلف ضلعی صدر مقامات پر تعینات تھے۔ تاریخی مواد سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو مقرر کیا ہوا تھا جو حسبِ ضرورت پولیس افسروں کے فرائض انجام دیتے۔ صحیح البخاری میں حضرت انسؓ بن مالک کا ایک بیان ظاہر کرتا ہے کہ انصارِ مدینہ میں قیسؓ بن سعد کو پولیس کی جمعیت کے سربراہ کے فرائض تفویض کئے گئے تھے :

"ان قیس بن سعد کان یکون بین یدی النبی صلی اللہ علیه وسلم بمنزلة صاحب الشرط من الامیر"[۴۵]

(قیس بن سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فرمانروا کے مامور کردہ پولیس افسر کے طور اپنے فرائض بجالاتے تھے)

اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے الکرمانی نے واضح کیا ہے کہ لفظ "کون" کا تکرار اس عہدہ کے جاری رہنے کو ظاہر کرتا ہے (الاستمرار والدوام) یعنی پولیس کا مستقل محکمہ تھا اور حضرت قیسؓ مسلسل اپنے عہدے پر مامور رہے۔ وہ عارضی طور پر مقرر نہیں کیے گئے تھے۔" "الشرطہ" کی جمع "الشرط" (پولیس) کا استعمال ظاہر کرتا ہے کہ ایک جمعیت موجود تھی جس کے سربراہ (صاحب الشرط) قیس تھے۔ حافظ ابن حجر بیان کرتے ہیں کہ "صاحب الشرط" کے معنی جمعیت کے سربراہ (کبیرھم) کے ہیں۔ قیسؓ اپنی اس سربراہ جمعیت کی حیثیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ میں آمد پر آپؐ کے آگے آگے چل رہے تھے اور آپؐ کے احکامات نافذ کرتے جا رہے تھے (ماینفذ فی امورہ)۔

اسلامی ماخذ کی یہ تفصیل ثابت کرتی ہے کہ عہدِ رسالت میں ایک منظم اور منضبط انتظامیہ معرضِ وجود میں آ چکی تھی جس کے فرائض میں امنِ عامہ کے قیام کے ساتھ ساتھ عدالتی احکام اور فیصلوں کی تنفیذ اور دیگر سرکاری امور کی انجام دہی تھی۔ اس دور میں یہ تصور تو نہیں تھا کہ بڑے بڑے دفاتر ہوں جن میں سرکاری عمال آج کی طرح بیٹھے ہوں مگر جہاں تک انتظامیہ کے اغراض و مقاصد اور انھیں بروئے کار لانے کا تعلق ہے وہ بدرجہ اتم موجود تھے۔ پولیس اور انتظامیہ کی جمعیت سے متعلق کچھ اور نام بھی بیان کیے گئے ہیں۔ انیس تصغیرِ انس بن الضحاک الاسلمیؓ ایک زنا کے مقدمہ میں جو ان کے سپرد کیا گیا تھا افسر تفتیش مقرر ہوئے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ اور زیدؓ بن خالد الجہنی نے یہ مقدمہ یوں بیان کیا ہے:

> "ایک بدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ! ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرما دیجئے۔" اس کا مخالف اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا "اس نے سچ کہا ہے پس ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیے۔" تب بدو نے بیان کیا: "میرا بیٹا اس کا ملازم تھا جس نے اس کی بیوی سے زنا کیا۔ لوگوں نے مجھے کہا کہ تمہارا بیٹا سنگساری کا مستوجب ہے پس میں نے سو بکریاں اور ایک غلام خوں بہا دیا۔ پھر میں نے عالموں سے پوچھا جنھوں نے مجھے بتایا کہ میرا بیٹا سو کوڑوں اور ایک سال کی جلاوطنی کا مستوجب ہے۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں یقیناً تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا، جہاں تک تمہاری بکریوں اور غلام کا تعلق ہے وہ تمھیں واپس دی جاتی ہیں، تمہارا بیٹا سو کوڑوں اور ایک سال کی جلاوطنی کا مستوجب ہے" جہاں تک تمہارا تعلق ہے اے انیس! تم اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ (معاملہ کی تفتیش کرو) اگر وہ اقبالِ جرم کرے تو اسے سنگسار کر دو۔"

اس مقدمہ میں انیس کے سپرد مقدمہ کی تفتیش کی گئی تھی اور اسے اختیار دیا گیا تھا کہ اگر ملزمہ اقبالِ جرم کرے تو عدالت کے حکم کا نفاذ کرے۔

ابو بردہ بن نیر کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفتیش اور تحقیقات کے لیے مامور کیا تھا۔ الترمذی اور ابنِ ماجہ نے روایت کی ہے کہ وہ مندرجہ ذیل مقدمہ میں جو البراؓ بن عازب نے روایت کیا ہے افسرِ تفتیش تھے:

"میرے چچا ابو بردہ بن نیر میرے پاس سے گزرے وہ ایک جھنڈا لئے ہوئے تھے جس کا اہتمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے کیا تھا۔ میں نے ان سے دریافت کیا: آپ کا کہاں جانے کا قصد ہے؟ انھوں نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک شخص کے پاس بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے اس کے مرنے کے بعد شادی کر لی ہے اس لیے آپؐ نے مجھے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا ہے۔"[۸۱]

یہ مقدمہ ظاہر کرتا ہے کہ جونہی کسی جرم کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کی جاتی آپؐ فوراً اس کی تفتیش کسی ذمہ دار شخص کے سپرد فرماتے۔

معاویہؓ کے والد قرہ کے سپرد ایک مقدمہ کی تفتیش کی گئی تھی جس میں ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے شادی کر لی تھی۔[۸۲]

مندرجہ ذیل مقدمۂ ظلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مجرم کی گرفتاری کے لیے ایک جماعت بھیجی گئی تھی ابنِ شرحبیل نے بیان کیا ہے:

"میں اپنے چچاؤں کے ساتھ مدینہ آیا۔ میں ایک باغ میں داخل ہوا اور وہاں سے اناج کی چند بالیاں لیں اور انھیں مسل ڈالا۔ اسی موقعہ پر باغ کا مالک آن پہنچا جس نے میرے کپڑے اتار دیئے اور مجھے مارا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے انصاف کی فریاد کی۔ آپؐ نے (ایک جماعت) ملزم کے پاس بھیجی جو اس کو اپنے ہمراہ لے آئی۔ آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا: کس چیز نے تمھیں اسے مارنے پر مجبور کیا؟ اس نے کہا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرے باغ میں داخل ہوا وہاں سے اناج کی کچھ بالیاں لیں اور انھیں مسل ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تنبیہ کی: اگر وہ لاعلم تھا تو تم نے اسے نہیں سکھایا اور اگر وہ بھوکا تھا تم نے اس کے لیے خوراک مہیا نہیں کی اس کے کپڑے واپس کرو۔ آپؐ نے میرے لیے ایک یا آدھا وسق[۸۳] (اناج کا پیمانہ) دینے کا حکم دیا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ ثابت کرتا ہے کہ کسی شہری کو کسی جرم کا ملزم قرار دینے سے پہلے اسے قانون کا علم سکھانا ضروری ہے۔ اسی طرح اس فیصلے سے اسلامی قانون کا دوسرا انتہائی بنیادی اور اہم اصول یہ سامنے آتا ہے کہ بھوکے کو چوری کی سزا دینے سے پہلے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ ملزم کی خوراک کا خاطر خواہ طور پر انتظام موجود تھا۔ جب تک شہریوں کو بنیادی ضروریات زندگی —— خوراک، لباس، مکان، علاج وغیرہ —— حاصل نہ ہوں ان ضروریات کے حصول کے لیے وہ جو طریقہ بھی استعمال کریں اس پر ان کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ بالفاظِ دیگر بنیادی ضروریاتِ زندگی کا حصول ہر شہری کا بنیادی حق ہے اگر اسے ان میں سے کسی سے محروم رکھا جائے اور وہ محروم شہری جس طریقے سے بھی انھیں حاصل کرے وہ طریقہ قابلِ دست اندازی پولیس نہیں گردانا جا سکتا۔ نہ اسے چوری تصور کیا جائے گا اور نہ سزا کا مستوجب

قرار دیا جائے گا جبکہ یہ فیصلہ ثابت کرتا ہے کہ ایسے محروم اور بھوکے شخص کو سزا کی بجائے حکومت کی طرف سے اناج اور خوراک دی جائے گی جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملزم مذکور کے حق میں فیصلہ دیا اور حکم میں لکھا کہ اسے ایک یا آدھا وسق اناج دیا جائے۔

عدالتی کارروائی

تفتیشی رپورٹوں اور ابتدائی تحقیقات کی بنا پر مقدمات مناسب تصفیہ کے لیے باضابطہ عدالت میں پیش کرتے جاتے۔ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں عدالت میں جج کے رویہ (ادب القاضی) سے متعلق تفصیلی قواعد وضوابط اور اصول و قوانین دئے ہوئے ہیں جن کا بہترین نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تھے۔ فیصلہ کرتے وقت جج کو غصہ کی حالت میں نہیں ہونا چاہیئے۔[۱] اسے سختی سے کتاب اللہ پر عمل کرنا چاہیے اور ہمیشہ اس کے مندرجات کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور فیصلے کی پیروی ججوں پر لازم ہے۔ اگر یہ ماخذ کوئی رہنمائی نہ کریں تو ججوں کو اپنی رائے پر عمل کی اجازت ہے۔[۲] فریقین کو برابری سے بٹھانا چاہیئے[۳] اور بلا کسی امتیاز کے انھیں موقع دیا جانا چاہیے۔ دونوں فریق کو لازماً سنا جائے اور جب تک دُوسرے فریق کو اسی طرح نہ سُن لیا جائے جس طرح پہلے کو، مقدمہ کے فیصلے کا اعلان نہ کیا جائے۔[۴]

فریقین مقدمہ کی ذمہ داریاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دعویٰ میں حق ثابت کرنے کے لیے قواعد وضوابط وضع فرمائے اور مدعی و مدعا علیہ کی ذمہ داری کے لیے بھی اصول مرتب کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضع کردہ ایک بنیادی اصول مسلم[۵] نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے:

"اگر مدعیوں کے دعووں کو (بغیر ثبوت) قبول کر لیا جائے تو وہ لوگوں کا خون اور ان کی جائدادیں طلب کرنا شروع کر دیں گے مگر قسم کا بار مدعا علیہ پر ہے۔"[۶]

مندرجہ بالا عام قاعدہ کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص ضابطہ مقرر فرمایا:

"ثبوت کا بار (البینہ) مدعی پر ہے اور مُدعا علیہ کے لیے قسم ہے۔"[۷] اس ضابطہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل فیصلہ میں عمل کیا: ایک شخص حضرموت سے اور دُوسرا کندہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ حضرمی نے بیان کیا: "اس شخص نے میری زمین میں مداخلت کی ہے۔" کندی نے کہا: "وہ میری زمین ہے اور میرے قبضہ میں ہے اس کا اس پر کوئی حق نہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے دریافت کیا: "تمہارے پاس کوئی ثبوت (بینہ) ہے؟" اس نے کہا: "نہیں!" آپؐ نے فرمایا: "پھر تم اس کی قسم قبول کرو۔" اس نے کہا: "اے رسولِ خدا!

یہ شخص آزاد خیال ہے، یہ اپنی قسم کی پروا نہیں کرتا اور کسی بات سے احتراز نہیں کرتا۔" آپؐ نے فرمایا: "اس کی طرف سے تمہارے لیے سوائے اس کے کچھ نہیں۔" دوسرا آدمی قسم کھانے کے لیے تیار ہو گیا۔ جب وہ چلا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی سے کہا: "اگر وہ ناجائز طور پر تمہاری جائداد پر پھلنے پھولنے کے لئے جھوٹی قسم کھاتا ہے تو وہ اللہ سے یوں ملے گا کہ وہ اس کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہوگا۔"[90]

اقبالِ جرم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدالتی نظام میں ملزم کا اقبالِ جرم مقدمہ کے فیصلہ کے لیے کافی ثبوت سمجھا گیا تھا۔ نمونہ کے طور پر کچھ اہم مقدمات جن کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقبالِ جرم کی بنیاد پر فرمایا درج ذیل ہیں۔ ماعزؓ بن مالک الاسلمی نے زنا کا ارتکاب کیا۔ اس نے عدالت میں اپنے جرم کا اقبال کیا اور اسے سزا دی گئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ مقدمہ اس طرح روایت کیا ہے:

"ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ مسجد میں تھے۔ اس نے آپ کو مخاطب کیا: "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ وہ اس طرف گیا جدھر آپ کا رُخ تھا اور کہا: "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔" آپؐ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ رسولؐ کے منہ کی طرف چلا گیا اور اقبالِ جرم کیا۔ اس طرح اس نے چار مرتبہ اپنے جرم کا اقبال کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے (جرح کے لیے) بلایا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: "کیا تم جنون میں مبتلا ہو؟" "نہیں!" اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا: "کیا تم شادی شدہ ہو؟" اس نے کہا: "ہاں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!" اس پر آپ نے لوگوں کو حکم دیا: "اسے لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔"[91]

حضرت ابن عباسؓ نے جرح کے دوران کچھ اور سوال و جواب بھی روایت کیے ہیں:

آپؐ نے اس سے پوچھا: "شاید تم نے صرف اس کا بوسہ لیا تھا یا اسے چھوا تھا یا اس کی طرف دیکھا تھا؟" "نہیں" اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ آپؐ نے نتیجہ نکالا "کوئی شبہ چھوڑے بغیر تم نے اسے (جنسی) فعل کے لیے لٹا لیا تھا؟" اس پر آپؐ نے اس کی سنگساری کا فیصلہ صادر فرمایا۔[92]

یہاں مجرم کا اقبالِ جرم اتنا غیر مشتبہ تھا کہ اس کے لیے جرم ثابت کرنے کو کسی تائیدی شہادت یا گواہ کی ضرورت نہ تھی۔ پس عدالت نے سزا دینے کا فیصلہ سنا دیا۔

اقبالِ جرم کے لیے مرد اور عورت میں کوئی تمیز نہیں کی گئی۔ عورتوں کا اقبالِ جرم بھی ارتکابِ جرم کے لیے کافی

ثبوت مانا گیا ہے اور ان کی بنا پر بغیر تائیدی شہادت طلب کئے فیصلے صادر ہوئے تھے :

جہینہ میں سے ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اپنے جرم زنا کا اقبال کیا اس نے اس کا بھی انکشاف کیا کہ وہ حاملہ ہوگئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ولی کو طلب کیا اور اسے ہدایت کی : "اس کو اچھی طرح رکھو جب یہ بچہ جنے تو مجھے اس کی اطلاع دو۔" اس نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے اس کی سنگساری کا حکم دیا۔[۹۳]

چوری کے مقدمہ میں بھی اقبالِ جرم کو کافی ثبوت تسلیم کیا گیا۔ ابن ماجہ نے چوری کا ایک مقدمہ درج کیا ہے جو ابوامیہ نے روایت کیا :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوبرو ایک چور لایا گیا۔ چوری کا مال اس کے پاس سے برآمد نہیں ہُوا تھا تاہم اس نے اقبالِ جُرم کیا اور چیف جسٹس کے حضور دو مرتبہ اقبال کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم صادر فرمایا جو کاٹ دیا گیا۔[۹۴]

مصالحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے مقدمات بھی پیش ہُوئے جن میں ثبوت اور دلائل کا وزن دونوں طرف برابر تھا۔ ایسے مقدمات میں حقیقی قبضہ نے ان کے فیصلہ میں اہم کردار ادا کیا۔ حضرت جابرؓ کا روایت کردہ مندرجہ ذیل مقدمہ بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے :

دو آدمی ایک اونٹنی سے متعلق تنازعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ ان میں سے ہر ایک نے بیان کیا : "یہ اونٹنی اس کی تھی اور شہادت پیش کی۔" اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے حق میں فیصلہ دیا جس کے قبضہ میں دراصل وہ تھی۔[۹۵]

ایسے مقدمات میں جہاں کوئی شہادت کسی طرف سے بھی پیش نہیں کی گئی تھی۔ عدالت نے فریقین کو راضی کر لیا اور ان کے درمیان مصالحت کر دی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے مندرجہ ذیل مقدمہ روایت کیا ہے :

دو شخصوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دعویٰ پیش کیا۔ ان کے درمیان ایک جانور پر جھگڑا تھا۔ دونوں میں سے کسی کے پاس بھی ثبوت نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ دونوں کے درمیان جانور برابر برابر تقسیم کر دیا جائے۔[۹۶]

غالباً جانور کی قیمت کے آدھے آدھے حصّے کے دونوں مستحق قرار پائے ہوں گے۔

دو شخص ایک کنوئیں کی کھدائی پر اکٹھے کام کر رہے تھے ان میں سے ایک نے اپنی کدال اٹھائی، اس سے اپنے ساتھی کے سر پر ضرب لگائی اور اسے مار ڈالا۔ مقتول کے بھائی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا۔

مدعی کے بیان اور پیش کردہ شہادت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ ایک غیر ارادی قتل تھا۔ اس لیے آپؐ نے مدعی کو ترغیب دی کہ مصالحت کر لے۔ اس پر اس نے مجرم کو معاف کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصالحت کی بنا پر مقدمہ کا فیصلہ کر دیا۔[۹۷]

عدالتی حکم کا نفاذ

ترقی یافتہ، موثر اور کامیاب ترین عدالتی نظام کے بنیادی اصول مقدمات کا جلد تصفیہ، صحیح فیصلہ اور عدالتی فیصلوں کا نفاذ ہے۔ اوپر درج کیے گئے مقدمات اور ان کے فیصلے اس بات کا وافر ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قایم کردہ عدالتی نظام کامیاب ترین اور ترقی یافتہ عدالتی نظام کی شرائط پوری کرتا تھا قانونی مقدمات کا جلد تصفیہ اور صحیح فیصلہ مثبت اثرات پیدا کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے جب تک ان کا اطلاق کسی موثر مشینری کے ذریعہ نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی توجہ فرمائی کہ آپؐ کے عدالتی فیصلے اور احکامات مناسب طور پر نافذ ہوں۔ آپؐ نے ایک ایسی انتظامی مشینری قایم کی جو آپؐ کے فیصلوں پر فوری کارروائی سے عملدرآمد کرتی۔ حضرت قیسؓ بن سعد نافذ کرنے والی جمعیت کے سربراہ تھے۔ حضرت ابو بردہؓ بن نیر، انیسؓ اور قرۃؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف فیصلوں کے نفاذ کے لیے مقرر فرمایا۔ مندرجہ بالا مختلف عنوانات کے تحت نمونہ کے طور پر دیے گئے مقدمات ظاہر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فیصلے باقاعدہ نافذ ہوئے۔ زانی سنگسار کئے گئے، چوروں کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے، دیوانی تنازعات کے فیصلے نافذ ہوئے۔ اس موضوع پر مزید بحث کے لیے ایک اور فیصلہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے اسے حضرت سمرہؓ بن جندب نے روایت کیا ہے:

> انصار میں سے ایک شخص کے باغ میں، جو وہاں اپنے خاندان کے ساتھ رہتا تھا، حضرت سمرہؓ ایک کھجور کے درخت کے مالک تھے۔ سمرہؓ باغ میں اپنے کھجور کے درخت کے پاس جاتے رہتے تھے جس سے انصاری کو تکلیف پہنچتی تھی اور انہیں زحمت محسوس ہوتی تھی۔ اس نے کہا کہ وہ اسے اس کے ہاتھ بیچ دے، اس نے انکار کر دیا۔ اس نے اس سے تبادلہ کر لینے کے لیے کہا۔ اس نے انکار کر دیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اپنا مقدمہ بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کے ہاتھ بیچ دینے کو کہا، اس نے انکار کر دیا۔ آپؐ نے اس کا تبادلہ کر لینے کے لیے کہا اس نے انکار کر دیا۔ آپؐ نے اسے تحفۃً دینے کے لیے کہا اور فرمایا کہ اس کے عوض فلاں چیز تمہارے لیے ہے آپؐ نے اسے رغبت دلائی اس نے انکار کر دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فیصلہ صادر فرمایا: "تم تکلیف پہنچانے والے ہو۔" پھر آپؐ نے انصاری سے خطاب فرمایا اور حکم دیا: "جاؤ اور اس کے کھجور کے درخت کو کاٹ ڈالو" (اذھب فاقلع نخله)۔[۹۹]

مندرجہ ذیل مقدمہ بھی اس موضوع پر مناسب حوالہ ہے:[99]

الزبیر بن عوام کا انصار میں سے ایک شخص (حاطب بن ابی بلتعہ، جو غزوۂ بدر میں شریک تھے) سے پانی کے چشمے پر تنازعہ تھا جس سے دونوں اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے تھے۔ انصاری نے کہا: "پانی کو بے روک بہنے دو۔" الزبیر نے اس کی التجا ٹھکرا دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الزبیر سے کہا "اے زبیر! اپنے کھیت کو پانی دے لو پھر اسے اپنے ہمسایہ کے لیے چھوڑ دو۔" انصاری غضب ناک ہو گیا اور بولا: "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس لیے کہ وہ آپ کا چچیرا ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ اس پر آپؐ نے حکم دیا: "اپنے کھیت کو پانی دو اس کے بعد پانی روک دو، یہاں تک کہ یہ شخص بہتر راہ اختیار کرے۔"[100]

فیصلہ فوراً نافذ کر دیا گیا۔ عدالتی فیصلہ سے انحراف انصاری کے لیے سزا کا موجب بنا۔ ایسی صورت آیندہ پیش آنے سے روکنے کے لیے مندرجہ ذیل ربانی قانون نازل ہوا:

"تمہارے رب کی قسم! وہ ایمان نہیں لائے جب تک وہ آپس کے تنازعوں میں آپؐ کو جج نہ بنائیں پھر اپنے دلوں میں اس پر کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں جو آپؐ فیصلہ کریں اور اس کی مکمل اطاعت کریں۔"[101]

بے رُو رعایت عدلیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قایم کردہ عدلیہ کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی غیر جانبداری تھی۔ وہ بے رُو رعایت انصاف کے بنیادی اصولوں کی پابند تھی اور سختی سے قانون کی عملداری قائم رکھتی تھی۔ کسی شخص کا سماجی، سیاسی یا مذہبی مرتبہ خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہوتا، مدینہ کے نظامِ عدل پر کبھی اثر انداز نہیں ہوا۔ مندرجہ ذیل مقدمہ جو حضرت عائشہؓ نے روایت کیا، نمونہ کے طور پر درج کیا جاتا ہے:

"قریش، مخزوم کی عورت کے متعلق متفکر تھے جس نے چوری کی تھی۔ انھوں نے مشورہ کیا کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون بات کرے گا۔ انہوں نے کہا: "کون ہمت کر سکتا ہے سوائے اُسامہ بن زید کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منظورِ نظر ہیں۔" اسامہ نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی: "کیا تم اللہ کی مقرر کردہ سزا میں مداخلت کرتے ہو؟" پھر آپؐ کھڑے ہو گئے اور خطاب فرمایا: "اے لوگو! تم سے پہلی قومیں تباہ کر دی گئیں کیونکہ جب ان میں سے بڑے سماجی مرتبے والا کوئی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے۔ اور جب ان میں سے کوئی کمزور چوری کرتا تو وہ اس پر حد نافذ کرتے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہؓ بنتِ محمدؐ بھی چوری کرتی تو محمدؐ اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"[102]

حوالہ جات اور تشریحات

۱۔ قرآن ۱۶: ۹۰
۲۔ قرآن ۴: ۱۰۵
۳۔ قرآن ۵: ۴۸
۴۔ قرآن ۵: ۵۰
۵۔ قرآن ۵: ۴۴
۶۔ قرآن ۵: ۴۵
۷۔ قرآن ۵: ۴۷
۸۔ مالک بن انس، الموطاء (ایڈیشن کراچی) ص ۳۱۲۔
۹۔ قرآن ۴۲: ۱۰
۱۰۔ محمد اسد۔ The Principles of State and Government in islam. ۔ یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس ۱۹۶۱ء ۔ ص ۴۴۔
۱۱۔ قرآن ۴: ۵۹
۱۲۔ قرآن ۳۳: ۳۶
۱۳۔ قرآن ۴: ۶۵
۱۴۔ قرآن ۱۰: ۱۵
۱۵۔ قرآن ۱۸: ۱۱۰
۱۶۔ قرآن ۳: ۷۸
۱۷۔ قرآن ۵: ۴۴
۱۸۔ قرآن ۵: ۴۷
۱۹۔ قرآن ۵: ۴۲
۲۰۔ قرآن ۵: ۴۳

۲۱ - قرآن ۵ : ۸
۲۲ - ایضاً
۲۳ - قرآن ۶ : ۱۵۳
۲۴ - قرآن ۴ : ۱۳۵-۲۵
۲۵ - قرآن ۱۷ : ۱۵
۲۶ - قرآن ۱۴ : ۴
۲۷ - قرآن ۵ : ۱۹
۲۸ - قرآن ۱۶ : ۶۴
۲۹ - قرآن ۱۶ : ۴۴
۳۰ - قرآن ۲ : ۱۸۷
۳۱ - قرآن ۲ : ۲۱۹
۳۲ - قرآن ۲ : ۲۲۱
۳۳ - قرآن ۲ : ۲۴۲
۳۴ - قرآن ۳ : ۱۰۲
۳۵ - قرآن ۵ : ۸۹
۳۶ - قرآن ۲ : ۲۳۰
۳۷ - قرآن ۴ : ۱۵
۳۸ - قرآن ۲۴ : ۴
۳۹ - السرخسی، شمس الدین، کتاب المبسوط (ایڈیشن مصر، مطبعۃ السعدہ) جلد ہشتم ص ۱۱۴۔
۴۰ - قرآن ۲ : ۲۸۲
۴۱ - السرخسی، متذکرہ بالا، ص ۱۱۴-۱۱۵
۴۲ - قرآن ۲ : ۲۸۲
مالک بن انس، الموطأ، کتاب الاقضیہ، باب القضاء بالیمین مع الشاہد - الترمذی، الصحیح، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی الیمین مع الشاہد - ابوداؤد، سنن، ماجاء فی الیمین مع الشاہد - تنویر الحوالک ج ۲، ص ۱۰۸ - امام شافعی، مسند شافعی برحاشیہ "الام" ج ۶ ص ۱۵۶ - امام مسلم، صحیح مسلم - امام احمد بن حنبل سنن اربعہ کے مولفین اور دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے - شرح مسلم، نووی، ج ۱۲، ص ۴ -

نیل الاوطار، ج ۸، ص ۲۵۵۔ عینی، شرح بخاری ج ۱۳ ص ۲۴۴۔ بعض نے اس کو خبر احاد کہا ہے۔

۴۳ - قرآن ۴ : ۶

۴۴ - قرآن ۶۵ : ۲

۴۵ - قرآن ۲ : ۲۸۲

۴۶ - قرآن ۲۴ : ۴

۴۷ - قرآن ۲ : ۲۸۲

۴۸ - قرآن ۲ : ۲۸۳

۴۹ - قرآن ۴ : ۵۹

۵۰ - ایضاً

۵۱ - قرآن ۴ : ۶۵

۵۲ - انور، احمد قادری، Justice in Historical Islam (لاہور ۱۹۶۸ء) ص ۱۰۔

۵۳ - ایس اے کیو حسینی، Arab Administration (لاہور ۱۹۶۶ء) ص ۱۹۔

۵۴ - البخاری، محمد بن اسمٰعیل، الصحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب موعظۃ الامام للخصوم، مجلد الثانی۔

۵۵ - الصحیح البخاری، ایڈیشن مصطفی البابی ۱۳۷۷ھ جلد نہم ص ۹۰ کی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

۵۶ - ابن العربی المالکی، شرح صحیح الترمذی (ایڈیشن المطبعۃ المصریہ بی الازہر ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء)، کتاب الاحکام جلد ششم ص ۸۳ - ابن حجر نے زیر حوالہ قاعدہ کی مفصل تشریح دی ہے؛ فتح الباری، کتاب الاحکام، باب من قضی لہ بحق اخیہ فلا یأخذ، جلد ۱۶ ص ۲۹۵۔

۵۷ - البخاری، مقدمہ کا عنوان: من قضیٰ لہٗ بحق اخیہ فلا یأخذ فان قضاء الحاکم لایحلّ حرامٌ ولا یحرم حلالٌ۔

۵۸ - حافظ المنذری، مختصر سنن ابی داؤد (مطبعۃ السنۃ المحمدیہ ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء) جلد پنجم، ص ۲۱۰۔

۵۹ - البخاری، کتاب الاحکام، باب الشہادۃ تکون عند الحاکم فی ولایتہ القضاء۔

۶۰ - حافظ المنذری، مختصر سنن ابی داؤد، باب اذا علم الحاکم صدق الشاہد الواحد یجوز لہٗ ان یحکم بہ، جلد پنجم، ص ۲۲۳-۲۲۴ - واخرجہ النسائی و ہذا الاعرابی : ہو سواء بن الحرث وقیل سواء بن قیس المحاربی ذکرہ غیر واحد فی الصحابہ۔

ابن القیم نے ان لوگوں کے نظریہ کو رد کیا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمے کا فیصلہ تنقیح سے متعلق اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر کیا اور خزیمہ کی شہادت ایک طرح سے اس کی توثیق تھی۔ اس کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دراصل خزیمہ کی شہادت پر مقدمے کا فیصلہ کیا

جو دو گواہوں کے برابر سمجھا گیا۔ خزیمہ نے شہادت دی کیونکہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھوڑے کی خریداری کے متعلق سُن رکھا تھا۔ رسولؐ کی حق گوئی کی بنیاد اور خزیمہ کے آپ کی رسالت پر ایمان کے سبب اس کی شہادت دو گواہوں کے برابر تسلیم کی گئی (ابن القیم، التہذیب، مختصر سُنن ابی داؤد کے فٹ نوٹ پر، جلد پنجم، صفحات ۲۲۳ - ۲۲۴)

۶۱ - قرآن ۲ : ۲۸۲
۶۲ - مسلم، الصحیح، کتاب الاقضیہ، باب خیر الشہود۔
۶۳ - قرآن ۲۲ : ۳۰
۶۴ - ابنِ ماجہ، سنن (ایڈیشن، عیسی البابی، ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء) کتاب الاحکام باب شہادۃ الزور، جلد دوم ص ۷۹۴۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ، باب فی شہادۃ الزور۔
۶۵ - ابن ماجہ، سنن، کتاب الاحکام، باب من لاتجوز شہادتہ۔
۶۶ - ابو داؤد، سنن، ابو داؤد (متذکرہ بالا)
۶۷ - قرآن ۱۲ : ۲۶ - ۲۷ اس موضوع پر مزید بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے عبدالقادر عودہ کی کتاب : التشریع الجنائی الاسلامی، قاہرہ، مصر ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء - ۱۹۶۰ء -
۶۸ - الکرمانی، شرح البخاری ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء، جلد ۲۴ ص ۲۳۱ -
۶۹ - ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، کتاب الاحکام، باب کتاب الحاکم الی عمالہ، ایڈیشن، ۱۳۸۰ھ/۱۹۵۹ء جلد ۱۶، ص ۳۰۸ : کتب رسول اللہ ...... الیہم یعنی اہلِ خیبر، الکرمانی، ایضاً۔
۷۰ - البخاری کے متن میں فعل کَتَبَ کا واحد (اس نے لکھا) استعمال ہوا ہے۔ ابن حجر نے اسے ترجیح دی ہے اور اس سے خط کا کاتب مراد لیا ہے۔ فعل کی جمع کتبوا (انہوں نے لکھا) بھی پڑھی گئی ہے۔ الکرمانی نے مزید نشاندہی کی ہے کہ صیغہ واحد سے مراد یہودیوں کا قبیلہ ہوسکتی ہے۔ (ایضاً متذکرہ بالا)
۷۱ - البخاری، الصحیح، کتاب الاحکام، باب کتاب الحاکم۔
۷۲ - ایضاً کتاب الدیہ باب القسامہ۔
۷۳ - ایضاً
۷۴ - ایک انصاری کا اس آسامی کے لیے انتخاب معنی خیز ہے کیونکہ ایک مہاجر کے مقابلہ میں وہ یہ فرائض زیادہ موثر طریقے سے سرانجام دے سکتا تھا جو نو آمدہ تھا اور شہر اور اس کے آس پاس کی تفصیل سے ناواقف۔
۷۵ - ایضاً، کتاب الاحکام، باب الحاکم یحکم بالقتل۔
۷۶ - الکرمانی، کتاب الاحکام، متذکرہ بالا، ص ۲۰۳ -

۷۷ - ابن حجر، متذکرہ بالا، ص ۲۵۴ اس نے نشان دہی کی ہے کہ بنو امیہ کے تحت باقاعدہ پولیس کی جمعیت تیار کی گئی تھی اور حضرت انسؓ نے اپنے مخاطبین کو قیسؓ کا مقام ان الفاظ میں سمجھایا جو ان کی سمجھ میں آ سکتے تھے۔
(متذکرہ بالا، ص ۲۵۵)

۷۸ - الکرمانی، متذکرہ بالا، ص ۲۰۳۔

۷۹ - ایضاً، ص ۲۳۳۔

۸۰ - البخاری، الصحیح، کتاب الاحکام متذکرہ بالا، کتاب الحدود، باب الاعتراف الزنا۔

۸۱ - الترمذی، الصحیح، ابواب الاحکام، باب فی من تزوج امرأۃ ابیہ۔ ماجہ میں السنن، کتاب الحدود، باب من تزوج امرأۃ ابیہ۔

۸۲ - ابن ماجہ، سنن، متذکرہ بالا۔

۸۳ - النسائی، السنن (ایڈیشن ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء) کتاب آداب القضاۃ، باب الاستعداد، جلد ۸، ص ۲۱۰، ۲۱۱۔

۸۴ - البخاری، کتاب الاحکام: جلد ۹، ص ۸۲۔

۸۵ - الترمذی، الصحیح (ایڈیشن ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) جلد ۲، ص ۶۸۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الاقضیہ۔

۸۶ - ابوداؤد، السنن (مختصر) متذکرہ بالا، جلد ۵، ص ۲۱۱۔ الترمذی، الصحیح، الاحکام، ج ۶، ص ۷۲۔

۸۷ - ایضاً، ص ۲۰۸۔

۸۸ - المسلم، الصحیح، مشکول، مدون محمد علی صبح ۱۳۳۴ھ کتاب الاقضیہ ج ۵ ص ۱۲۸۔

۸۹ - الترمذی، الصحیح، الاحکام ص ۸۰۔ البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعا علیہ۔

۹۰ - ایضاً، صفحات ۸۶، ۸۷۔ ابوداؤد متذکرہ بالا، ص ۲۳۵۔ ابن العربی مدعی کے بیان پر کہ مدعا علیہ آزاد خیال ہے تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے: بغیر ثبوت کے یہ اس کی طرح سے تنقیص تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بنیادی مسئلہ پر خاموش نہ رہ سکے۔ (شرح الترمذی، متذکرہ بالا، ج ۶، ص ۸۹)

۹۱ - البخاری، الصحیح، کتاب الحدود، باب سؤال الامام المقر، مندرجہ بالا، ج ۸، ص ۲۰۷۔

۹۲ - ایضاً

۹۳ - الترمذی، الصحیح، الحدود، باب تربص الرجم بالحبلی، متذکرہ بالا، ص ۲۱۱۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کی پیدائش کے بعد اسے اس وقت تک کے لیے لوٹا دیا جب تک بچے کا دودھ چھوٹے (حتّٰی تفطِمَ ولدھا)۔ وہ بچے کے ساتھ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دیئے آئی۔ تب آپؐ نے

اس کی سنگساری کا حکم دیا۔ (ابن العربی، شرح الترمذی، الحدود، متذکرہ بالا، ج ۶ ص ۲۱۲، ۲۱۳)

۹۴ - ابن ماجہ، السنن، کتاب الحدود، باب تلقین السارق (ایڈیشن ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء) ج ۲ ص ۸۶۶۔

۹۵ - علی بن عمر الدارقطنی، السنن (ایڈیشن قاہرہ ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء) کتاب الاقضیہ والاحکام، ج ۴ ص ۲۰۹۔

۹۶ - ابن ماجہ، السنن (ایڈیشن ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء) متذکرہ بالا، ج ۲ ص ۷۸۰ ۔

۹۷ - النسائی، السنن (ایڈیشن ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۴ء قاہرہ) کتاب القسامہ، باب القود، ج ۸، ص ۱۴۔

۹۸ - ابو داؤد، السنن، ابواب من القضا (مختصر ایڈیشن) ج ۵ ص ۲۳۹۔

۹۹ - ابن الکثیر، التفسیر (ایڈیشن سہیل اکیڈمی، لاہور) ج ۱ ص ۵۲۱۔

۱۰۰ - البخاری، الصحیح، کتاب الصلح، باب اذا اشار الامام بالصلح، فابی (ایڈیشن مصطفیٰ البابی، مصر) ج ۲ ص ۷۱، ۷۲، کتاب المساقہ باب شرح الاعلیٰ قبل الاسفل۔ ابو داؤد، السنن، ابواب من القضا (مختصر ایڈیشن) ج ۵ ص ۲۴۔

۱۰۱ - قرآن ۴ : ۶۵

۱۰۲ - البخاری، الصحیح، کتاب الحدود، باب الکراہیۃ الشفاعۃ، متذکرہ بالا۔ الترمذی، الصحیح، الحدود، متذکرہ بالا، ج ۶ ص ۲۰۲۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الحدود متذکرہ بالا، ج ۲ ص ۸۵۱۔

باب پنجم

عہدِ رسالت میں صوبائی نظامِ عدالت

تمہید

مدینہ گنجان شہر نہیں تھا۔ اس کی بستیاں مختلف مرتفعات پر پھیلی ہوئی تھیں۔ ان بستیوں کے لوگ محدود اقتصادی وسائل کے سبب عموماً غریب تھے اور ہمہ وقت اپنی روزی کمانے میں لگے رہتے تھے۔ وہ روزانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ باری باری آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اس صورتِ حال نے ایک ایسے مقامی عدالتی نظام کے ارتقا کی ضرورت پیدا کی جس کے مطابق چھوٹے چھوٹے جھگڑے مقامی طور پر ہی طے ہو سکتے۔ دانشمند اور تجربہ کار افراد ان کے مقامی قاضی بنائے جانے کے لیے زیرِ غور آئے۔ پیچیدہ تنازعے یا ریاست کی پالیسی سے متعلق مقدمات سب سے بڑے قاضی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کئے جاتے۔

مندرجہ بالا طرز کا نظامِ عدل اس وقت تک ممکن تھا جب تک مدینہ کی ریاست شہر اور گرد و نواح کے قبائل پر مشتمل تھی۔ بعد میں شہر ایک قصبہ سے بڑھ کر ایک ریاست کا دار الحکومت قرار پایا اور سیاسی و تجارتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ ریاست کی حدود بھی پھیل گئیں اور اس میں حجاز، نجد، یمن اور آخر کار پورا جزیرہ نما عرب شامل ہو گیا۔ قدرتی طور پر دیوانی اور فوجداری جھگڑے، تنازعے اور مقدمہ بازیاں روز بروز بڑھتی گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافی وقت خود انھیں نپٹانے کے لیے دینا پڑتا۔

قضاۃ اور عمّال

عبد الحیّ الکتانی نے اپنی کتاب "نظام الحکومۃ النبویۃ المسمّی التراتیب الاداریۃ" میں ان گورنروں، منتظمین اور ججوں کی ایک مفصل فہرست مرتب کی ہے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماتحت مختلف صوبوں اور ضلعوں پر مامور کیا تھا۔ الکتانی نے ان کے نام، مقام اور فرائض مختلف مورخین، جغرافیہ نویسوں، ماہرینِ انساب، محدثین، تذکرہ نویسوں، ادیبوں اور شاعروں کی کتابوں سے اکٹھے کیے ہیں۔ عمّالِ ریاست کے نام اور مقام درج ذیل ہیں:

نام	مقام
عتّاب بن اُسید	مکّہ، ۸ھ عتّاب اپنے تقرر کے وقت تقریباً بیس سال کے تھے۔
باذان یا باذام	صنعاء، باذان اسلام سے قبل کسریٰ شہنشاہ فارس کا نائب تھا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یمن کے علاقے میں اپنا گورنر مقرر کیا۔ صنعا اس کا دارالحکومت تھا۔ وہ حجۃ الوداع کے بعد اپنی موت تک اس عہدے پر رہا۔ وہ پہلا عرب حاکم تھا جس نے اسلام قبول کیا۔
شہر بن باذان	صنعاء، شہر کو اس کے باپ باذان کی موت کے بعد صنعاء کا گورنر مقرر کیا گیا۔
عامر بن شہر الہمدانی	یمن کے ایک ضلع کا منتظم
عبداللہ بن عمرو بن سبیع الثعالبی	بنو ثعالبہ، عبس اور بنو عبداللہ بن غطفان۔
ابوموسیٰ الاشعری	نصف یمن، زبید، عدن وغیرہ۔
حارث بن بلال المازنی	جدیلہ بنو طے کا نصف۔
حارث بن نوفل الہاشمی	مکی انتظامیہ کا حصہ۔
حسین بن نمیر	جگہ کا ذکر نہیں۔
حارث بن عبدالمطلب	مکی انتظامیہ کا حصہ۔
رافع بن عمرو الطائی	جگہ کا ذکر نہیں۔
زیاد الباہلی	قبیلہ باہلہ۔
سائب بن عثمان	مدینہ، جنگِ بوّاط کے دوران
سعد الدوسی	قبیلہ دوس، اس نے اسلام قبول کیا اور اپنے لوگوں پر مقرر ہوا۔
سعید بن خفاف التمیمی	بنو تمیم۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اسے برقرار رکھا۔
سعد بن عبداللہ بن ربیعہ	الطائف۔
سَلَمَہ بن یزید الجعفی	مروان۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک خط لکھا تھا۔
سیفی بن عمرو الثعلبی	بنو ثعلبہ
ضحاک بن قیس	جگہ کا ذکر نہیں۔
امرأ القیس بن اصبغ الکلبی	بنو قضاعہ۔
عبدالرحمٰن الخزاعی	خراسان
عثمان بن ابی العاص	الطائف، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی اسے اسی عہدہ پر فائز رکھا۔ بعد بن عبداللہ

	بھی وہاں مقرر کیے گئے وہ شاید عثمان کے پیشرو تھے۔
عکاشہ بن ثور	سکاسک اور سکون۔
الاعلیٰ بن الحضرمی	بحرین
عمرو بن حزم الانصاری	نجران۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے انتظامیہ، اصولِ وراثت، زکوٰۃ، دیت وغیرہ امور سے متعلق ایک مفصل خط لکھا۔ ابنِ حجر کے مطابق وہ سترہ سال کے تھے۔
عمرو بن الحکم القضاعی	بنو قیس
عمرو بن سعید بن العاص	وادی القریٰ
عمر بن محجوب العامری	جگہ کا ذکر نہیں۔
عوف الورکانی	جگہ کا ذکر نہیں۔
عبداللہ بن زید الکندی	یمن کا ایک حصّہ۔
عبداللہ بن سَور	بحرین
فروہ بن مُسیک	مراد، مذحج
مُروَہ بن نفثۃ السلولی	انہوں نے مع اپنے خاندان کے اسلام قبول کیا اور ان کے عامل مقرر ہوئے۔
ابوجدیع المرادی (مصری)	جگہ کا ذکر نہیں۔
قضاعہ بن عامر الدّوسی	بنو اسد
سنان بن ابی سنان	بنو اسد۔ قضاعہ کے بعد
قیس بن مالک الارجی	ہمدان۔ جب انہوں نے اور ان کے قبیلہ کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور ان کے لوگوں کو ضمانتِ امن کا خط لکھا اور انہیں سمع و طاعت کا حکم دیا۔ آپؐ نے انھیں تقرر کا ایک خط بھی لکھا۔
مالک بن عوف النصری	ان کے اپنے قبیلہ پر جو اسلام لے آیا تھا۔
المنذر بن ساوی الدارمی	ہجر
سواد بن غزیہ البلوی الانصاری	خیبر
عبداللہ بن ابی ربیعہ المخزومی	یمن میں الجند اور اس کے آس پاس کا علاقہ۔ وہ حضرت عمرؓ کی وفات تک اپنے عہدہ پر فائز رہے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی انہیں برقرار رکھا۔ وہ بہت خوبصورت تھے۔ وہ حضرت عمرو بن عاص کے ساتھ قریش کے ایک وفد میں شاہِ حبشہ کے پاس بھی گئے تھے۔

خالدؓ بن ولید	انھیں کمانڈر بنا کر نجران اور اس کے متصل علاقہ اور صنعاً فتح کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔
مہاجر بن ابی امیہ المخزومی	کندہ۔
زیاد بن لبید	حضرموت۔
معاذ بن جبل	الجند۔
ابوسفیان	نجران۔
ابوزید بن سفیان	نجران کے قریب ایک علاقہ میں۔
علی بن ابی طالب	یمن
عمرو بن العاص	اردن (عمان)
یزید بن ابی سفیان	تیماء

الحافظ العراقی نے اپنی کتاب الفیہ کی ایک طویل نظم میں مندرجہ بالا منتظمین اور ججوں کا ذکر کیا ہے جس میں ان کے تقرر کی جگہ بھی بیان کی گئی ہے۔[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت عمال کی مندرجہ بالا فہرست اسلامی آئین و قانون کے ماہرین کے تقرر میں پنہاں ریاست کے حسنِ کارکردگی اور ان علاقوں کی دیکھ بھال اور انتظام ظاہر کرتی ہے جنہوں نے مدینہ کی ریاست کے سامنے ہتھیار ڈال دئے اور فرمانبرداری قبول کر لی۔ گورنروں، منتظمین اور ججوں کا فوری تقرر بتاتا ہے کہ ریاست اپنے زیرِفرمان آنے والے علاقوں کا انتظام قرآنی دستور اور قانون کے مطابق چلانا چاہتی تھی۔ نومسلموں کی سیاسی اور نظریاتی تربیت کو برابر کی اہمیت دی گئی تھی۔ نئے مقرر کردہ منتظمین قانون اور دین کے عالم تھے اور انہیں اپنے فرائض سنبھالنے سے پہلے خصوصی ہدایات اور تربیت دی گئی تھی۔ اگر یہ پس منظر ذہن میں رکھا جائے تو ایک علاقہ میں دو افراد کے تقرر سے کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی۔ علی عبدالرازق[۲] اور ایمل تیان[۳] نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی فتوحات اور مفتوحہ علاقوں میں گورنروں اور ججوں کے تقرر کے مخصوص پس منظر کو نظر انداز کر دیا ہے جس نے انہیں بعید از قیاس نتائج اخذ کرنے پر مائل کیا۔

ان تقرریوں سے متعلق ایک اور نکتہ اہم ہے، جہاں ایک ہی جگہ پر دو افراد کے نام آتے ہیں وہاں ہمیشہ یہ واضح نہیں کیا گیا کہ وہ دونوں بیک وقت مقرر کیے گئے تھے یا وہ ایک دوسرے کے جانشین تھے مثلاً شہر بن باذان صنعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اپنے باپ کا جانشین بن گیا تھا۔ اسی طرح جن صورتوں میں ایک ہی جگہ بیک وقت دو آدمی مقرر کیے گئے تھے ان کے مختلف فرائض نظر میں نہیں رکھے گئے۔ ایک نظریاتی ریاست میں ایسے منتظمین جو ان نظریات کا کماحقہٗ علم نہیں رکھتے تھے، ان کے ساتھ ماہرینِ قانون کا تقرر کیا گیا تھا۔ یہ اہم نکتہ مختلف افراد کے یمن کے مختلف علاقوں میں تقرر پر علی عبدالرازق کی الجھن دور کر سکتا تھا۔ علی عبدالرازق کے نظریات پر اس کتاب کے چھٹے

باب میں بحث کی جائے گی۔ مندرجہ ذیل مقدمہ سے ایسے ججوں اور فقہا کی اسلامی ریاست کے مختلف حصّوں میں موجودگی اور تقرر ظاہر ہوتی ہے:

دو آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا۔ ان میں سے ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کی کہ اس نے اپنے علاقہ کے ماہرین سے مشورہ کیا تھا جنہوں نے اسے مشورہ دیا.... الکتانیؒ نے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے ہیں یعنی مقدمہ سے واضح ہے کہ:

۱۔ ہر علاقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی سہولت کے لیے قانون کے ماہر عدلیہ کے عہدیدار مہیا کئے۔ لوگ اپنے اختلافات اور تنازعات میں قانونی اور انصاف کے مشورہ کے لیے ان کے پاس جاتے۔

۲۔ مقامی عہدیداروں کے فیصلہ اور مشورہ سے اطمینان نہ ہونے کی صورت میں مدینہ کی عدالتِ عظمیٰ میں اپیل کی جاسکتی تھی۔

عدالتی تربیت

مندرجہ بالا منتظمین عدالتی فرائض کی انجام دہی کے بھی مکلّف تھے وُہ اپنے اپنے علاقہ میں پیش آنے والے تنازعوں اور مقدموں کو نبٹانے کے ذمہ دار تھے بعض حالات میں انتظامی اور عدالتی فرائض کی یکجائی ایک ایسی ضرورت ہے جس پر بیسویں صدی کی حکومتیں بھی عمل پیرا ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں برطانوی حکومت کی قایم کردہ انتظامی مشینری کے مطابق ایک کمشنر جو ایک کمشنری کا سربراہ ہے، یہ امر اس کے فرائض میں شامل ہے کہ وُہ اپنے علاقہ میں عدل سے متعلق بعض مسائل کا فیصلہ بھی کرے۔ کسی ضلعے کا ڈپٹی کمشنر، محاصل جمع کرنے والا ڈپٹی کلکٹر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی کہلاتا ہے۔

تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کچھ صحابہ کو مخصوص اور صرف عدالتی امور و فرائض کی انجام دہی کی تربیت دی۔ انھیں خاص طور پر سے قانونِ الٰہی کی تعلیم دی گئی اور عدلیہ کے لیے انہیں خصوصی طور پر تیار کیا گیا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بیان کرتے ہیں:

دو آدمی ایک مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ آپؐ نے عمروؓ بن العاص سے کہا "ان کے درمیان فیصلہ کرو"۔ انھوں نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ کی موجودگی میں؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں"۔ اُنھوں نے پُوچھا: "میں کیسے فیصلہ کروں؟" آپؐ نے فرمایا: "اگر تم اجتہادی صلاحیت سے کام لو اور صحیح نتیجہ پر پہنچو تو تمہیں دس گنا اجر ملے گا اور اگر تم اجتہاد سے کام لو اور غلط نتیجہ پر پہنچو تو تمہیں ایک اجر ملے گا۔"[۶]

حضرت عقبہ بن عامرؓ ایک اور صحابی بھی تربیت کے اسی عمل سے گزرے تھے وُہ خود اپنی تربیت کا حال بیان کرتے ہیں:

دو فریق ایک مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا: "اے عقبہ! کھڑے ہو جاؤ اور ان میں فیصلہ کرو۔" میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس معاملہ میں آپؐ مجھ سے زیادہ موزوں ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "اس کے باوجود تم ان کے درمیان فیصلہ کرو۔ اگر تم اجتہادی صلاحیت سے پوری طرح کام لو تو تمہیں دس گنا اجر ملے گا۔ اگر تم اجتہاد سے کام لو اور غلطی کرو تو تمہیں ایک اجر ملے گا۔" ۷

مدینہ کا مستقل قاضی

قانون اور عدل سے متعلق کتابوں میں اس امر پر کافی بحث ہوتی رہی ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اپنے ساتھ ساتھ دیگر مستقل قاضی بھی مقرر کیے تھے۔ وہ لوگ جو یہ موقف رکھتے ہیں کہ مستقل جج مقرر کئے گئے تھے اپنے موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل روایت پیش کرتے ہیں جسے الترمذی نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے:

حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے کہا: "جاؤ اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرو۔" اس نے کہا "کیا آپ مجھے معاف نہیں رکھیں گے یا امیرالمومنین!" انھوں نے دریافت فرمایا: "اس سے تمہیں کیوں خوف آتا ہے جبکہ تمہارے والد فیصلے کرتے رہے ہیں۔" ۸

اس گفتگو کی ایک اور روایت کے مطابق جو ابن العربی نے اپنی شرح الترمذی میں بیان کی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی معذرت میں اس عذر کا اضافہ کیا:

"اگر انہیں کسی مقدمے میں الجھن پیش آتی تھی تو وہ اس کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کر لیتے۔ اور اگر کسی معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی الجھن پیش آتی تو وہ اس کی وضاحت حضرت جبرائیلؑ سے طلب کر لیتے جبکہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں پاتا جس سے میں مشورہ کر سکوں۔" ۹

ابن العربی نے اپنی شرح میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت عمرؓ کے جج کی حیثیت سے تقرر کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور اس کا یہی مطلب ابن عمرؓ نے لیا تھا۔ اسی لیے انہوں نے حوالہ دیا کہ حضرت عمرؓ کو بحیثیت قاضی اگر کوئی الجھن پیش آتی تو وہ رسول اللہؐ سے اسکی وضاحت کر لیتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے تقرر کے سلسلہ میں مزید دلیل اس مقدمہ سے دی جا سکتی ہے جس میں ایک فریق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے مطمئن نہ ہو کر حضرت عمرؓ کے پاس اپیل کی۔ یہ عدالتِ عظمیٰ کی توہین تھی اسی لیے حضرت عمرؓ توہینِ عدالت کے ارتکاب پر اس شخص پر سخت برافروختہ ہوئے۔ کیونکہ وہ شخص عدالتِ عظمیٰ کے فیصلے کے بعد حضرت عمرؓ کی ادنیٰ عدالت کے سامنے آ گیا تھا۔ اس مقدمہ کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

دو آدمی اپنا تنازعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ آپؐ نے ان کے درمیان فیصلہ فرما دیا۔ جس کے خلاف فیصلہ دیا گیا تھا اس نے کہا: "ہم حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس چلتے ہیں۔" دوسرے نے کہا: "ٹھیک ہے، چلو۔" جب وُہ دونوں آپؓ کے پاس پہنچے تو دوسرے آدمی نے کہا: "اے ابن الخطاب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے خلاف مقدمہ میرے حق میں فیصل کر دیا تھا، اس نے کہا ہمیں حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس چلنا چاہیے لہٰذا ہم آپؓ کے پاس آگئے ہیں۔" آپؓ نے پُوچھا: "کیا یہ درست ہے؟" اس نے کہا: "جی ہاں!" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو جب تک میں نکل کر آؤں اور تم دونوں کے درمیان فیصلہ کروں۔" وُہ تلوار سونت کر ان کے پاس باہر آئے اور جس نے کہا تھا کہ ہمیں حضرت عمرؓ کے پاس چلنا چاہئے اسے قتل کر دیا۔"

اس مقدمے کی تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا منصب بطور جج عوام میں جانا پہچانا تھا۔ مندرجہ بالا مقدمہ میں مفرور فریق نے عدالتِ عظمٰی کے فیصلہ کی توہین کی اور اپنے انجام کو پہنچا۔ بادی النظر میں یہ توہینِ عدالت ہے مگر درحقیقت یہ دینی مسئلہ ہے۔ قرآنی دستور کے مطابق جس کی تفصیلات اس کتاب کے باب چہارم میں بیان ہوئی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ایمان کا تقاضا ہے اور جو آپؐ کے فیصلے کو نہ مانے وہ مومن نہیں" فلا وربك لا یؤمنون حتّٰی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً ممّا قضیت ویسلّموا تسلیما۔ (۴ : ۶۵) حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالتِ عظمٰی کا فیصلہ نہ ماننے پر یہ سزا دی۔

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت سب ججوں کے تقرر کے واقعہ کی تصدیق حضرت حذیفہ بن الیمان کے تقرر سے بھی ہوتی ہے:

ایک مکان میں دُو بھائی برابر کے شریک تھے۔ انھوں نے اس کے درمیان ایک دیوار بنا کر اس کے دو حصّے کر لیے۔ اس کے بعد وہ فوت ہو گئے۔ ہر ایک نے اپنے پیچھے وارث چھوڑے۔ ہر وارث نے تنازعہ کیا کہ تقسیم کرنے والی دیوار اس کی ہے۔ وُہ اپنا تنازعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ آپؐ نے اس مقدمہ کے تصفیہ کے لیے حذیفہ بن الیمان کو مقرر کیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہ دیوار اس کی ہے جو اس کو تھام رکھنے والی رسّی سے قریب تر ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "تم صحیح فیصلہ پر پہنچے ہو۔" [12]

امام السیوطی، تدریب الراوی میں امام ابن حزم کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں بیس اعلیٰ پائے کے تربیت یافتہ اور تجربہ کار قاضی اور فقیہ تھے:

ابوبکر، عثمان، ابوموسیٰ، معاذ، سعد بن ابی وقاص، ابُوہریرہ، انس، عبداللہ بن عمرو بن العاص، سلمان، جابر، ابوسعید، الزبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، عمران بن حصین، ابوبکرہ،

عبادہ بن الصامت، معاویہ، ابن الزبیر، ابو الدردا یا حذیفہ، ام سلمہؓ رضی اللہ عنہم۔
مندرجہ ذیل اصحاب سب سے زیادہ تربیت یافتہ، عالم اور تجربہ کار قاضی اور فقیہ تھے:
عمر، علی، ابنِ مسعود، ابنِ عمر، ابنِ عباس، زید بن ثابت، عائشہؓ رضی اللہ عنہم۔
مدینہ کے مختلف حلقوں، اسلامی ریاست کے صوبوں اور ضلعوں کے لیے حسبِ ضرورت مندرجہ بالا فہرست سے قاضیوں کے تقرر کے لیے چناؤ کیا جاتا تھا۔

صوبائی اور ضلعی قاضی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلامی ریاست کی مندرجہ بالا انتظامی اکائیوں کی تفصیل ظاہر کرتی ہے کہ بعض حصے دوسروں سے زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ حجاز میں مکہ اور مدینہ اور جنوب میں یمن اسلامی ریاست کے ترقی یافتہ حصے تھے۔ اس کے دوسرے حصے غیر ترقی یافتہ تھے۔ اسلامی ریاست کے مختلف حصوں کے اس سیاسی و سماجی پس منظر نے ہر علاقے کی ترقی کے مطابق انتظامی مشینری قایم کرنے کی ضرورت پیدا کی۔ قبائلی اور بدوی علاقوں میں قبیلوں کے سرداروں کو قایم رکھا گیا، انھیں تربیت دی گئی اور ریاست کے منتظم تسلیم کیا گیا۔ انھیں اسلام کے بنیادی اصولوں کی تعلیم و تربیت دی گئی اور وہ انتظامی اور عدالتی فرائض و امور کے ذمہ دار بنا دئے گئے۔ وہ اپنے اپنے علاقے کی ضروریات عدل کے مطابق معاملات نمٹانے کے اہل تھے۔

ریاست کے ترقی یافتہ حصوں میں باضابطہ اور مفصل عدالتی اور انتظامی مشینری کی ضرورت تھی۔ اس ضمن میں پتا چلتا ہے کہ مدینہ، مکہ اور یمن میں اہل ترین اور اعلیٰ تربیت یافتہ منتظم اور قاضی مقرر کیے گئے تھے۔ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مسائل کے تنوع اور کام کی زیادتی کے باعث ان علاقوں میں غیر ترقی یافتہ علاقوں کے مقابلہ میں عمّال کی تعداد زیادہ تھی۔ مندرجہ بالا تمدنی اور معاشرتی تقاضوں کے پیشِ نظر حضرت علیؓ بن ابی طالب، معاذؓ بن جبل، ابوموسیٰ الاشعری اور عمروؓ بن حزم جیسے جلیل القدر اور نامور آئینی اور عدالتی ماہرین یمن میں قاضی مقرر ہوئے تھے۔

عتابؓ بن اسید منتظمِ مکہ

فتح مکہ ۸ھ میں حضرت عتاب بن اسید ایک بیس سالہ نوجوانؓ کو مکہ کا حاکم و منتظم مقرر کیا گیا۔ اپنے اس تقرر کے بر جب وہ ان تمام امور و معاملات کے مختار بن گئے جو قریش کو اپنے جدِّ اعلیٰ قصیّ سے ورثہ میں ملے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عتابؓ کی عدلیہ اور انتظامیہ کی اساس اسلام تھی جبکہ اس کے پیشرو آباؤ اجداد کی روایات کے پابند تھے۔ گزشتہ عہدیدار جنھیں کی انتظامیہ کے مختلف فرائض سونپے گئے تھے یا تو مکہ چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ جا چکے تھے یا اسلام کے خلاف جنگوں میں کام آ چکے تھے یا قدرتی موت مر چکے تھے۔ حضرت عتابؓ کو عدلیہ اور

انتظامیہ کا ڈھانچہ نئے سرے سے استوار کرنا پڑا اور اسے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنا پڑا۔ حج و عمرہ کے دوران مکہ میں مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع اور الموسم ہوتا اس دوران مذہبی، تجارتی اور عدالتی امور و معاملات کا موثر انتظام اہم ترین فرائض تھے (اقامة الموسم والحج بالمسلمین)[۱۶] مکہ کے موثر کنٹرول اور انتظام کے لیے عتابؓ کی مدد کے لیے دو نائب حارث بن النوفل الہاشمی اور حارث بن عبد المطلب مامور تھے۔ دونوں کو مکہ کی انتظامیہ میں کچھ فرائض تفویض تھے۔[۱۷]

نظامِ عدالت کا قیام عاملِ مکہ کا بہت اہم فریضہ تھا۔ تاریخی شواہد سے ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے بہت عمدہ عدالتی نظام قایم کیا جس کے تحت مکی لوگوں کے تنازعے اور مقدمات نبٹائے جاتے تھے مکہ چونکہ شہری ریاست کا تجربہ رکھتا تھا، اس لیے حضرت عتابؓ کی آزمائش تھی کہ وہ قبل از اسلام عدلیہ اور انتظامیہ سے بہتر نظام قایم کریں۔ انہوں نے عدلیہ کا جو نظام قایم کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وُہ کامیاب ترین نظام تھا بہت کم ایسے مقدمات ہوں گے جن میں مدینہ کی عدالتِ عظمیٰ کی طرف رجوع کرنا پڑا ہوگا۔ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ پیچیدہ مقدمات ہدایات کے لیے مدینہ کی عدالتِ عظمیٰ کو بھیجے گئے۔ اس حیثیت سے حضرت عتابؓ کے فرائض صوبائی عدالتِ عالیہ کے فرائض سے بہت مشابہ تھے۔ وہ ہر قسم کے مقدمے طے کرتے اور ان تنازعوں کا تصفیہ کرتے جو ان کی عملداری میں پیدا ہوتے۔ مندرجہ ذیل مقدمہ جو الطبری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے یہ بتانے کے لیے کافی شہادت فراہم کرتا ہے کہ کس طرح پیچیدہ قانونی مسائل مدینہ میں عدالتِ عظمیٰ کو بھیجے جاتے تھے۔

مکہ میں بنو عمرو، بنو مغیرہ کو طلوعِ اسلام سے پہلے زیادہ شرح سود پر روپیہ قرض دیتے تھے۔ طلوعِ اسلام کے وقت بنو مغیرہ کے ذمہ بنو عمرو کا بہت بڑا قرض واجب الادا تھا۔ وہ اپنا سود طلب کرتے تھے جو بنو مغیرہ دینے سے انکار کرتے تھے کیونکہ اسلام میں سود کی ممانعت تھی۔ بنو عمرو نے مکہ میں حضرت عتابؓ کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا باقاعدہ سماعت اور تحقیق کے بعد حضرت عتابؓ کو مقدمہ کا فیصلہ کرنے میں دقت محسوس ہوئی اس کے لیے نئی قانون سازی کی ضرورت تھی جو ان کے دائرۂ اختیار میں نہیں تھی۔ اس پیچیدگی کے باعث انہوں نے ہدایات کے لیے مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی محسوس کیا کہ ایسے مقدمات کا تصفیہ کرنے کے لیے قانون ابھی نازل نہیں ہوا تھا۔ الطبری کے مطابق قرآن کی مندرجہ ذیل آیات اس موقعہ پر نازل ہوئیں:

"اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور ربا میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم ایمان لانے والوں میں سے ہو۔ اگر تم یہ نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے پیغمبر کی طرف سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ لیکن اگر تم توبہ کرو تو تمہیں تمہارا اصل زر مل جائے گا۔ نقصان نہ پہنچاؤ تمہیں بھی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔"[۱۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمانِ الٰہی حضرت عتابؓ کو پہنچا دیا۔ اسے مزید ہدایت کی گئی کہ بنو عمرو کو فیصلہ سے مطلع کر دو اگر وُہ قبول کرلیں تو بہتر ورنہ انہیں جنگ کے لیے نوٹس دے دو۔"

یمن میں نظامِ عدالت

یمن، ریاستِ مدینہ کا سب سے ترقی یافتہ اور آباد علاقہ تھا۔ اس کی صدیوں پرانی انتظامیہ اور عدلیہ کی روایات تھیں اس کی فتح کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن پر باذان کی گورنری پھر سے قایم کر دی۔[۲] اس کی وفات پر اس کا بیٹا شہر اس کا جانشین ہوا، مگر اس کو صنعا کا گورنر بنایا گیا جو اب ایک الگ صوبہ تھا۔ اس سے پہلے یمن سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا اور باذان اُس کا گورنر تھا۔ اس کا سب سے بڑا فرض یہ تھا کہ یمن کے لوگوں کو شہنشاہِ فارس کا وفادار رکھے اور اس کے لیے محاصل اکٹھے کرے۔ فارسی حکومت کا بنیادی اصول مرکزیت تھا۔ صوبوں پر بھی اسی پالیسی کے تحت حکومت ہوتی جبکہ اسلامی ریاست کا بنیادی اصول لوگوں کو مذہبی، سماجی اور اقتصادی نمایندوں کے استحصال سے آزاد کرنا، ان کی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع دینا اور انھیں روحانی اور اقتصادی ترقی دینا تھا۔ وفاقیت اور مقامی خود مختاری اس پالیسی کے لیے موزوں تھی چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا۔ کسریٰ ایران کے زیرِ تسلط جنوبی جزیرہ نما عرب کا وہ حصہ جو سلطنتِ فارس کے تحت تھا اور یمن، نجران اور حضر موت کہلاتا تھا ایک گورنر کے زیرِ انتظام کر دیا گیا تھا جس کا مستقر صنعا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی یمن کو دو بڑے صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا:

یمن اور حضر موت۔

یمن میں نجران، صنعا، زمع، مأرب، زبید، عدن۔ ساحلی علاقوں، جند، ہمدان، عک کے اضلاع شامل تھے۔

حضر موت کے چار ضلعے تھے:

سکاسک، سکون، کندہ اور حضر موت۔[۲]

اس انتظامی طریق کے قیام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ضلع کا الگ گورنر مقرر فرما دیا تھا۔[۳] وہ اپنے اپنے ضلع کے امن و امان اور عدل و انصاف کی فراہمی اور نظامِ عدالت کے قیام کے لیے مرکزی حکومت کے سامنے جوابدہ تھے۔

یمن میں قانون اور عدلیہ کے ماہرین کا تقرر

یمنی اضلاع کے گورنر اور منتظمین با اختیار عمّال تھے جو اپنے اپنے انتظامی حلقہ کے امن و امان کی صورتِ حال سے نبٹتے رہتے۔ یہ واضح کر دیا جاتے کہ مدینہ کی اسلامی ریاست کا اوّلین اور پہلا فرض عوام میں اسلامی اخلاق اور روحانی اقدار پیدا کرنا اور مختلف علاقوں کے قبل از اسلام قوانین کو اسلام کے قوانین کے مطابق بنانا تھا۔ فتوحات کے بعد کی فوری ضرورت اور حالات کے تحت چند افراد جو پرانے نظام میں سے نچلی سطح پر برقرار رکھے گئے یا جو نئے ضلعی منتظم مقرر ہوئے لازمی طور پر اسلامی قانون اور فکر کے ماہر نہیں تھے۔ ان حالات میں ضلع کی نافذہ اور انتظامیہ مشینری

ایک الگ بالا قانونی اور عدلیہ کے ڈھانچہ کی متقاضی تھی اور ضرورت تھی کہ اس کے سربراہ بہت عالم افراد اور قانونِ شریعت کے ماہرین ہوں جنہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تعلیم و تربیت دی ہو۔ آپؐ کے بہترین اصحاب میں سے چار ماہر اور عالم قانون دان یمن میں تقرر کے لیے چنے گئے :

علیؓ بن ابی طالب ، ابو موسیٰؓ الاشعری، معاذؓ بن جبل اور عمروؓ بن حزم۔

یمن کو دو بڑے عدالتی علاقوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر علاقہ پر حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰؓ الاشعری کو علیحدہ علیحدہ مقرر کیا گیا اور بالترتیب الجند اور الزبید[۲۵] ان کے مستقر تھے۔

البخاریؒ نے ان کے تقرر کو مندرجہ ذیل روایت میں بیان کیا ہے :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰؓ اور معاذؓ بن جبل کو یمن بھیجا ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ صوبہ (مخلاف) میں بھیجا گیا۔ یمن دو صوبوں (مخلافان) پر مشتمل تھا۔[۲۶] پھر انھیں فرمایا :

"یسّروا ولا تعسّروا وبشّروا ولا تنفروا۔"

(آسانی پیدا کرنا ، تکلیف نہ دینا ، خوشی کا ماحول پیدا کرنا نفرت پیدا نہ کرنا)

دونوں میں سے ہر ایک اپنے دائرۂ عمل کی طرف روانہ ہو گیا دونوں کا علاقہ ایک دوسرے کے قریب تھا وہ وقتاً فوقتاً باہم ملتے رہتے۔

البخاریؒ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰؓ کا تقرر حضرت معاذؓ بن جبل سے پہلے یمن میں ہوا تھا۔[۲۷]

مختلف قانونی اور عدالتی معاملات پر (استفادہ و افادہ کے لیے) وہ اکثر آپس میں ملاقاتیں، مشورے اور مذاکرے کرتے رہتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر حضرت معاذؓ اپنے رفیقِ کار حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس خچر پر سوار ہو کر گئے، جب وہاں پہنچے تو ابو موسیٰ کرسیِ عدالت پر تشریف فرما تھے، عدالت میں کافی لوگوں کا جمگھٹا تھا۔ ان کے سامنے ایک ملزم کی پیشی تھی جس کے ہاتھ اس کی گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ معاذؓ نے دریافت کیا : "اے عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ کا نام)! یہ کون شخص ہے؟" (اس پر کیا الزام ہے ؟) انہوں نے بتایا : "یہ ایک شخص ہے جو مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گیا ہے" (ھذا رجل کفر بعد اسلامہ) بخاریؒ کی دوسری روایت میں ہے : "یہودی نے اسلام قبول کرنے کے بعد اسے ترک کر دیا ہے۔" (یھودی اسلم ثم ارتد) انہوں نے کہا کہ وہ اپنے خچر سے اس وقت تک نہیں اتریں گے جب تک اسے قتل نہ کر دیا جائے (لا انزل حتی یقتل)۔ انہوں (ابو موسیٰ) نے کہا : اس کو اسی لیے پیش کیا گیا ہے آپ اتریں۔ معاذؓ نے کہا : میں نہیں اتروں گا جب تک اسے قتل نہ کر دیا جائے۔ ابو موسیٰؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور وہ قتل کر دیا گیا، پھر وہ اترے۔ انہوں نے دریافت کیا : اے عبداللہ ! آپ قرآن کس طرح پڑھتے ہیں۔ انہوں نے بتایا : کچھ کچھ دیر بعد پڑھتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا : اے معاذ ! آپ کس طرح پڑھتے ہیں ؟ انہوں نے بتایا : میں رات پہلے پہر سوتا ہوں پھر قیام کرتا ہوں اس طرح ساری رات کچھ سوتا اور کچھ قیام کرتا ہوں اللہ نے میرے لیے جو لکھ رکھا ہے

اس کی قرأت کرتا ہوں یعنی نیند کی راحت میں ثواب کا طلب گار رہوں، جس طرح قیام کی تھکاوٹ میں ثواب کا خواہشمند ہوں۔[۸۱]

مندرجہ بالا بحث اس نتیجہ پر پہنچاتی ہے کہ مختلف روایات اور حوالہ جات[۸۲] جو حضرت ابو موسیٰ الاشعری اور حضرت معاذ بن جبل کے یمن میں تقرر سے متعلق ہیں ان کا بطور جج اپنے اپنے صوبہ (مخلاف)[۸۳] میں تقرر ظاہر کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ملزمان کو عدالت میں پیش کرنے کا عدالتی طریق کار رائج تھا۔ مقدمہ کی سماعت کے وقت ملزم کی عدالت میں حاضری ضروری تھی۔ عدالتی کارروائی ملزم کے سامنے اور اس کی موجودگی میں ہوتی تھی۔ اس سے اسلام کے ان دو عظیم قاضیوں کے علم، تقویٰ، دیانت، عبادت اور تزکیہ پر روشنی پڑتی ہے جس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ اسلامی نظام قضاء میں قاضی تدبر، حکمت و دانائی، معاملہ فہمی کے ساتھ ساتھ اسلامی قانون کے ماہر عبادت گزار ہوتے ہیں۔ قرآن اسلامی نظامِ عدالت کا اوّلین اور بنیادی ماخذ ہے قاضی کو اس مصدر اوّل کا ماہر ہونا ضروری ہے وہ شب و روز اس کی تعلیمات اور مطالعہ میں مصروف رہتے ہیں۔ اس کی حکمت پر غور و فکر اور تدبر و تعقل سے کام لیتے ہیں۔ وہ قرآنی علوم میں علم و عمل کے پیکر ہوتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی معاشرتی و سماجی معاملات اور سیاسی و معاشی امور پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ انتظامی و عدالتی افکار و نظریات اور طریق کار پر انہیں کامل مہارت حاصل ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قاضیوں کے تقرر پر انہیں جو عدالتی ہدایات دیں وہ اسلام میں قاضی کے طرزِ عمل اور روش کی بنیاد ہیں "یسرا" سے مراد ہے کہ اسلامی نظامِ عدالت لوگوں کو سہولت فراہم کرتا ہے جس میں مقدمات کا جلد تصفیہ، اخراجات کے بغیر انصاف کی فراہمی اور عدالتی طریقِ کار کی سادگی جیسے امور شامل ہیں۔ یہ جلد، سستے اور آسان انصاف پر دلالت کرتے ہیں۔ طویل مقدمہ بازی، اخراجات کی بھرمار، عدالتی طریقِ کار کی پیچیدگی (عُسر) تنگی اور تکلیف والے نظامِ عدالت کی علامت ہے جو اسلامی نظام کے لیے اجنبی ہے۔ مظلوم و فریادی عدالت کے تصور سے شاداں و فرحاں ہو، وہ اس سے متنفر نہ ہو۔ یہ امور اسلامی عدالت کے بنیادی اصول ہیں۔

ابو موسیٰؓ بطور قاضی

ابو موسیٰؓ ایک صوبے کے قاضی مقرر کیے گئے[۸۴] جو نصف یمن پر مشتمل تھا[۸۵]۔ ان کا مستقر الزبید تھا۔ وہ یمن ہی کے باشندہ تھے۔ جو ایسی حقیقت ہے جس کا حوالہ وہ خاص طور پر اپنے تقرر کے سلسلہ میں دیتے تھے:

"بعثنی رسول اللہ الیٰ ارض قومی۔"

(خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے ہی لوگوں کے علاقہ پر تعینات کیا)

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّلین صحابہؓ میں سے تھے جنہوں نے ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں اسلام قبول کیا تھا۔ وہ اسلامی قانون اور فقہ کے مشہور عالم تھے۔ یمن روانگی سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عدالتی امور اور طریقِ کار کی اہم اور بنیادی ہدایات دیں جو اسلام میں قاضی کے کردار کے تعین میں رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتی ہیں:

"یسرا ولا تعسرا و بشرا ولا تنفرا و تطاوعا"۔[۳۳]
(آسانی پیدا کرنا، تکلیف نہ دینا، خوشی کا ماحول پیدا کرنا، نفرت پیدا نہ کرنا، متفقہ فیصلے کرنا)

یہ وہی عدالتی ہدایات اور طریقِ کارِ عدالت ہے جو حضرت معاذؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ دونوں کو سکھایا گیا تھا مگر اس میں ایک اور بنیادی عدالتی اصول بیان ہوا ہے، "تطاوعا" جس کا مطلب ہے:

"کونا متفقین فی الحکم ولا تختلفا فان اختلافکما یؤدی الی اختلاف اتباعکما و تقع العداوۃ والمحاربۃ بینھم۔" (حاشیہ متن بخاری از احمد علی سہارنپوری ج ۲ ص ۹۲۲)
(دونوں متفقہ فیصلے کرنا مختلف حکم نہ دینا کیونکہ تمہارے متضاد فیصلے اتباع میں تضاد پیدا کریں گے جس سے مدعیوں اور مدعا علیہم کے درمیان عداوت اور محاربت پیدا ہوگی)

اسلامی نظامِ عدالت کا یہ اہم اصول ہے یہ عدالتی فیصلوں، حکموں اور طریقِ کار میں یکسانیت، یک جہتی، نظم و ضبط پیدا کرتا ہے اسلامی آئین کے اصولوں کی تشریح و تعبیر اور تحقیق و تعیین میں رہنمائی کرتا ہے اس سے عدالتی نظام اختلاف و انتشار اور تضاد و تصادم کا شکار نہیں ہوتا ساتویں صدی عیسوی میں ایسے عمدہ اصولوں اور قواعد و ضوابط کی توضیع اور تقنین نظامِ عدالت کی تاریخ میں مضبوط و مستحکم اساس تھی۔

حضرت ابو موسیٰؓ قانون کے بڑے ماہر تھے مگر روانگی کے وقت انہوں نے خصوصاً بعض پیچیدہ قانونی مسائل پر مشورہ کیا۔ انہوں نے مندرجہ ذیل قسم کی شرابوں کے متعلق قانونی صورتِ حال دریافت کی:

"یا نبی اللہ ان ارضنا بھا شراب من الشعیر المزر و شراب من العسل البتع۔"
(اے اللہ کے نبیؐ! ہمارے علاقے میں جَو سے بنی ہوئی ایک شراب ہوتی ہے المزر۔ اور ایک شہد سے بنی البتع۔ آپؐ نے ہدایت فرمائی: "تمام نشہ آور حرام ہیں" (کل مسکر حرام)۔[۳۴]

ان کو اپنے علاقے میں انتظامِ عدل کے لیے پورے عدلیہ اور انتظامیہ کے اختیارات دئے گئے تھے۔ وہ فیصلے کرتے اور انہیں نافذ بھی کرتے۔ ان کے علاقے میں ایک شخص مرتد ہو گیا۔ وہ گرفتار کر کے ان کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ سماعت اور کارروائی کے بعد اسے سزا دی گئی جس کا نفاذ بھی ہوا۔[۳۵] وکیع نے بیہقی کے حوالے سے ایک اور مقدمہ بیان کیا ہے جو یمن میں حضرت ابو موسیٰؓ کی عدالت میں پیش ہوا۔ یہ حضرت عمرؓ کے دور کی بات ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابو موسیٰؓ یمن میں عدلیہ کے عہدہ پر حضرت عمرؓ کی خلافت تک برقرار رہے۔ ایک عورت کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا۔ اس بارے میں حضرت ابو موسیٰؓ کا ذہن واضح نہیں تھا کہ مقدمہ کا فیصلہ کیسے کیا جائے۔ انہوں نے مقدمہ کی تفصیل حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی حضرت عمرؓ نے اس مقدمے پر اپنا فیصلہ محفوظ رکھتے ہوئے حضرت ابو موسیٰؓ کو لکھا کہ اس عورت اور اس کے خاندان والوں کو حج کے موقع پر مکہ لائیں۔ خود عورت کا بیان سن کر انہوں نے فیصلہ دیا جس کے مطابق عورت کو معاف کر دیا گیا اور اس کے خاندان والوں کو مشورہ دیا گیا کہ اس سے اچھا سلوک کریں۔[۳۶]

اس مقدمے کی تفصیل سے کئی امور کی وضاحت ہوتی ہے۔ ضلعی اور صوبائی قاضی جب تردد اور تشکک محسوس

کرتے تو وہ غلط فیصلہ نہیں کرتے تھے بلکہ ایک دیانت دار منصف کی حیثیت سے اعلیٰ عدالت سے رائے طلب کرتے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں عدالتی نظام میں درجہ بندی معرض وجود میں آچکی تھی۔ ضلعی عدالتیں، صوبائی عدالتیں اور وفاقی عدالتیں قایم تھیں ادنیٰ عدالتیں اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کی پابند تھیں۔ حج کو عدالتی نظام میں اہم مقام حاصل تھا مشکل اور پیچیدہ مقدمات حج کے موقع پر عدالتِ عظمیٰ کے منصفِ اعلیٰ کے سامنے پیش ہوتے۔ ملزم کو سُنے بغیر فیصلہ نہیں ہوتا تھا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے یمن سے اپنی عدالتِ عظمیٰ میں ملزمہ عورت کو طلب کیا۔ وہ حاضر ہوئی، سماعت ہوئی، بیان دیا جس پر فیصلہ ہُوا۔ اس سے اہم ترین اصول یہ سامنے آیا کہ تنہا عورت کی گواہی پر زنا کے مقدمے کا فیصلہ ہوا۔

معاذؓ بن جبل بطور قاضی

حضرت معاذؓ کے بطور قاضی یمن میں تقرر پر بحث تمام اسلامی قانونی، فقہی اور عدلیہ کی کتابوں میں ملتی ہے انہیں ایک صُوبے کا قاضی مقرر کیا گیا تھا جو نصف یمن مخلاف پر مشتمل تھا۔ ان کا مستقر الجند تھا۔[۳۷] وہ اپنے عدالتی عہدے کا چارج لینے اس وقت گئے جب حضرت ابوموسیٰؓ پہلے ہی یمن کے دوسرے نصف میں قاضی کے فرائض سنبھال چکے تھے وہ قانونِ اسلامی اور فقہ میں بڑے ماہر تھے۔ انہیں مدینہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تربیت دی۔ روانگی کے وقت عدالت میں قاضی کے طرزِ عمل پر انہیں خصوصی ہدایات دی گئیں:

> "آسانی پیدا کرنا، تکلیف نہ دینا، خوشی کا ماحول پیدا کرنا، نفرت پیدا نہ کرنا۔"[۳۸]

اپنے علاقے کے مذہبی اور سماجی پس منظر سے واقفیت کے بعد انھیں ان لوگوں کے ساتھ راہ و رسم اور برتاؤ کے لیے خاص ہدایات دی گئیں:

> "تم اہلِ کتاب کے پاس جارہے ہو جو تم سے پوچھیں گے جنت کی کنجی کیا ہے؟ انہیں بتانا یہ اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اللہ جس کا کوئی شریک نہیں"۔[۳۹]

البخاریؒ نے یہ ہدایات یُوں بیان کی ہیں:

> انك ستاتی قوما من اھل الکتاب فاذا جئتم فادعھم الی ان یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ فان اطاعوا لك بذلك فاخبرھم ان اللہ قد فرض علیکم خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ فان ھم اطاعوا لك بذلك فاخبرھم ان اللہ قد فرض علیکم صدقۃ تؤخذ من اغنیاٗھم فترد علیٰ فقراٗئھم فان ھم اطاعوا لك بذلك فایاك وکرائم اموالھم واتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بین اللہ حجاب۔"[۴۰]

(تم جلد ہی اہلِ کتاب کے پاس جارہے ہو، جب تم ان کے پاس پہنچو تو انہیں دعوت دو یہ

گواہی دینے کے لیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس کی اطاعت کریں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے ان کے لیے دن میں پانچ وقتہ نماز مقرر کی ہے۔ اگر وہ اس کی طاعت کریں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے ان کے لیے صدقہ مقرر کیا ہے جو امیروں سے لے کر غریبوں کو دیا جاتا ہے اگر وہ اس کی اطاعت کریں تو یہ تمہارا فرض ہے کہ ان کے اموال کی حفاظت کرو۔ مظلوم کی آہ سے بچتے رہو اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں)

نظامِ عدالت پر یہ ہدایات بہت سے اہم امور کی نشان دہی کرتی ہیں۔ جس مقام پر کسی قاضی کو مقرر کیا جاتا وہاں کے مذہبی، سماجی، معاشی اور سیاسی حالات سے اسے معلومات دی جاتیں۔ یہ نظم حکومت اور عدالت کا بنیادی نکتہ ہے اس سے لوگوں کے حالات، ان کی نفسیات اور ماحول کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ جو قومیں اس راز کو سمجھ لیتی ہیں وہ نئے مفتوحہ علاقوں کو ابد الآباد کے لیے فتح کر لیتی ہیں۔ یمن آج تک اسلامی ملک ہے۔ دوسرا اہم امر یہ سامنے آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاضی، منتظم، عامل، گورنر سب مبلغینِ اسلام تھے ان کا اولین فریضہ تبلیغِ توحید و رسالت تھا۔ نظام صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا قیام ان کے سرکاری فرائض کا حصہ تھا۔

ان ہدایات کا عقدہ دستاویز کے آخری فقروں میں ہے "واتق دعوة المظلوم فانه ليس بينه و بين الله حجاب" قاضی کا اولین فرض لوگوں کے حقوق انہیں لوٹانا ہے، طاقتور کے مقابلہ میں کمزور کی مدد کرنا ہے اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی حمایت کرنا ہے۔ ملحدانہ اور مادہ پرستانہ عدالتی نظاموں کے جج ضمیر کے اطمینان کو فیصلوں کی بنیاد بناتے ہیں۔ اسلامی عدلیہ کے قاضی کے سامنے اللہ کا خوف اور ضمیر کا اطمینان ہوتے ہیں جو درست فیصلے کی توفیق اور معاملہ فہمی میں زیادہ مضبوط احساس ہے۔ حضرت معاذؓ کے تقرر بطور قاضی پر اس مشہور مکالمہ کے باعث جو ان میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ان کے یمن روانگی کے وقت ہوا اسلامی قانون اور عدلیہ سے متعلق کتابوں میں بڑی توجہ دی گئی ہے۔ یہ انتہائی اہم ہے کیونکہ یہ ایک دستاویز ہے جو واشگاف الفاظ میں اس عدالتی طریق کو بیان کرتی ہے جسے ایک قاضی کو فیصلہ صادر کرنے سے پہلے اختیار کرنا چاہیے۔ اس میں بنیادی اور اہم اصولِ عدل بیان ہیں جو تمام ممالک میں اسلامی نظام عدل کی اساس ہیں۔ ابوداؤد اور ترمذی نے یہ مکالمہ روایت کیا:

"لما اراد ان يبعث معاذا الى يمن قال: كيف تقضى اذا عرض لك القضاء، قال اقضى بكتاب الله، قال فان لم تجد فى كتاب الله، قال بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال فان لم تجد فى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا فى كتاب الله، قال اجتهد برای ولا آلو، فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدره وقال الحمد لله الذى وفق رسول الله لما يرضى رسول الله صلى الله عليه وسلم۔"[41]

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجنے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے پوچھا: "جب تمہارے

کوئی مقدمہ پیش ہو تو تم کیسے فیصلہ کرو گے ؟"
معاذؓ نے جواب دیا "میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔"
آپؐ نے فرمایا "اگر تم اس کا حکم کتاب اللہ میں نہ پاؤ ؟"
انھوں نے جواب دیا "پھر سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق۔"
آپؐ نے پوچھا "اگر تم سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پاؤ اور نہ ہی کتاب اللہ میں ؟"
انھوں نے جواب دیا "میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا۔"
آپؐ نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا "تمام تعریف اللہ کے لیے جس نے فرستادہ رسول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم رائے ہونے کی توفیق دی۔")

خاتم الانبیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی نظامِ عدالت کی اساس اس کی دینی، علمی، قانونی اور آئینی بنیاد کا پوری وضاحت کے ساتھ اظہار فرما دیا ہے۔ اپنی اُمت کے قاضیوں کو ایک مضبوط مستحکم، مستقل آئینی اصول، قانونی قاعدہ اور عدالتی ضابطہ کی تعلیم دی۔ یہ غیر متغیر اور غیر متبدل آئین، قانون، اصول۔ قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ قیامت تک مسلمان قاضی صرف تین آئینی، قانونی اور عدالتی اصولوں کے پابند ہوں گے :

اوّل : کتاب اللہ۔
دوم : سنّتِ رسولؐ اللہ۔
سوم : اجتہاد۔

کتاب اللہ سے مراد قرآن، سنّتِ رسولؐ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل، آپؐ کے قواعد و کلیات جو اجتہاد، استنباط اور استدلال کی بنیاد ہیں۔ اجتہاد سے مراد یہ ہے کہ قرآن و سنّت کی آفاقی، عالمگیر اور ہمہ گیر تعلیمات میں سے مختلف اعصار و امصار کے لیے دی گئی ہدایت کے حصول کے لیے انتہائی علمی اور ذہنی قوت و قابلیت کا استعمال۔ قرآن میں ہر دَور اور ہر مقام کے انسانوں کی رہنمائی موجود ہے ہر دَور اور ہر مقام کے تقاضے اور مسائل، پہلے اور اگلے دَور کے تقاضے اور مسائل مختلف ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری رسول ہیں اس لیے آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہر دَور کے مسائل کو حل کرنے کا آخری قانون، اصول اور قاعدہ بتا دیا۔ قرآن و سنّت مستقل ہدایت ہے اس ہدایت کو مختلف ادوار کے مجتہدین کے اجتہاد سے گہرا تعلق ہے وہ اپنی دینی، علمی اور ذہنی قابلیت اور اہلیت سے اپنے عہد کے مسائل حل کریں گے۔ آپؐ کی قرآن نے ایک صفت یہ بیان کی ہے کہ آپؐ انسانوں کو فرسودہ روایات، مردہ رسوم اور نقصان دہ رواجوں سے نجات دلاتے ہیں ؛

"ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم" (۷ : ۱۵۷)

قرآن و سنّت اور اجتہاد کو قانون و عدالت کی بنیاد قرار دے کر آپؐ نے اُمتِ مسلمہ کو وقتی، عصری، علاقائی،

طبقاتی فقہ سے نجات دلائی۔ قاضیوں پر صرف تین چیزوں کی پابندی ہے قرآن سنت اور اجتہاد کی۔ اس کے علاوہ کسی چیز کی پابندی نہیں۔ کسی امام کی فقہ، قرآن وسنت کی طرح معصوم عن الخطا نہیں ہو سکتی۔ مسلمان صرف اس ہدایت کے پابند ہیں جو معصوم عن الخطا ہو۔ کسی خاص زمانے کے فقیہ کے خیالات، نظریات اور آراء غیر متغیر اور غیر متبدل نہیں ہو سکتے جب کہ امت صرف غیر متغیر اور غیر متبدل قرآنی ہدایت کی مکلف ہے۔ کسی عہد کے فقہاء ان مسائل اور معاملات پر اظہارِ خیال کر سکتے ہیں جو انھیں درپیش ہوں قرآن وسنت کی تعلیمات میں آفاقیت، عالمگیریت اور ابدیت ہے۔ فقہاء کی فقہ عصری تقاضوں اور مقامی حالات پر مبنی ہوتی ہے اس لیے وہ قرآن وسنت کی طرح مستقل نہیں ہو سکتی۔ امام مالکؒ فقیہِ حجاز تھے، ان کے اجتہادات پر حجازی ماحول و معاشرت کی گہری چھاپ تھی۔ امام ابوحنیفہؒ فقیہِ عراق تھے، ان کے اجتہادات اور نتائج کئی مسائل و معاملات میں امام مالکؒ سے مختلف تھے۔ عراق میں مسلمان عرب قبائل بھی آباد ہو گئے تھے اور اس خطے کی قبل از اسلام اپنی معاشرتی، معاشی، سیاسی، تمدنی اور تہذیبی روایات تھیں۔ یہ ماحول امام مالکؒ کو درپیش نہ تھا۔ امام شافعیؒ کا اجتہاد بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ سے مختلف تھا کیونکہ انھیں جس ماحول میں اجتہاد کرنا پڑا وہ ان کے دونوں پیشروؤں سے مختلف تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے تینوں پیش روؤں سے اختلاف کیا اور اپنے نئے ماحول اور معاشرت کے مطابق نئے اجتہادات سے کام لیا۔ اسلامی فقہ و قانون کی مشہور بات ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے درمیان اجتہادی اختلاف ہوا۔ ابو یوسفؒ، محمدؒ بن حسن الشیبانی، زفرؒ وغیرہ ائمہ نے اپنے عظیم المرتبت استاد ابوحنیفہؒ سے کئی مسائل میں اجتہادی اختلاف کیا۔ شام کے فقیہ امام اوزاعیؒ کے اجتہادات دوسرے علاقوں کے فقیہوں سے مختلف تھے کیونکہ اس علاقے کا اپنا تمدنی، سماجی اور عمرانی پس منظر تھا۔ لیثؒ ابن سعد فقیہِ مصر تھے وہ امام مالکؒ کے ساتھ مدینہ کے ماحول میں پلے بڑھے تھے ان کی تعلیم و تربیت بھی وہیں ہوئی تھی مگر انھیں اجتہاد کے لیے جو ماحول و معاشرت میسر آئی وہ مصری تھی اس لیے ان کے اجتہادات اور نتائج فکر حجازی، عراقی اور شامی فقیہوں سے مختلف تھے۔ تاریخ فقہ اسلام سے ظاہر ہے کہ فقہائے اسلام صرف قرآن وسنت کے پابند تھے۔ ان ماخذ کی بنیاد پر وہ درپیش مسائل پر اجتہاد کرتے تھے یہ جسے ہم فقہی اختلاف کہتے ہیں وہ دراصل مختلف علاقوں اور زمانوں کے معاشرتی، عمرانی، تہذیبی اور تمدنی حالات کے پیدا کردہ مسائل کا علاقائی، صوبائی، تہذیبی اور تمدنی اختلاف ہے جو بالکل فطری اور قدرتی ہے، اسے اسلام کے بنیادی اور اساسی اصولوں کا اختلاف قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ یہ گھبراہٹ اور تشویش کی بات ہے۔ آج بھی جو عمرانی، تہذیبی، سماجی اور سیاسی حالات مصری مسلمانوں کو درپیش ہیں وہ پاکستانی مسلمانوں سے مختلف ہیں۔ اسی طرح انڈونیشیا، ملائشیا، تھائی لینڈ، فلپائن میں آباد امتِ مسلمہ کے تمدنی اور تہذیبی تقاضے مراکش، الجیریا، لیبیا، تونس اور سوڈان سے مختلف ہیں، اور عراق، شام اور اردن کے مسائل سعودی عرب، یمن، کویت، ایران اور خلیجی ریاستوں جیسے نہیں ہیں۔ جو لوگ ان تاریخی، تمدنی، عمرانی اور سماجی عوامل سے ناواقف ہیں وہ انہیں نظر انداز کر کے پاکستانی قانون ساز قومی اسمبلی کے

بنائے ہوئے قوانین کو شمالی افریقہ کے ممالک پر نافذ کرنا چاہیں گے یا انڈونیشیا اور ملائشیا کی اسمبلیوں کے قوانین کا اطلاق سعودی عرب، ترکی، عراق، شام، اردن اور مصر پر کرنا پسند کریں گے۔

حدیث معاذؓ ہمارے لیے ہدایت اور رہنمائی ہے۔ اس کے مطابق کتاب وسنت متفق علیہ اور ایمان و عدالت کی بنیاد ہیں۔ یہ اسلامی آئین وقانون کے ماخذومصادر ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی چیز ماخذومصدرِ قانون وآئین نہیں۔ اگر کسی امام کی فقہ ان کے علاوہ حجت اور دلیل ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے سوال کے جواب میں حضرت معاذؓ اس کا ذکر کرتے اور کتاب وسنت کے بعد یہ کہتے کہ میں فلاں امام کی تقلید کروں گا۔ مگر انہوں نے کتاب و سنت کے بعد اجتہاد سے کام لینے کا ذکر کیا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ سے پوچھا کہ اگر کسی مسئلے کا حل کتاب وسنت میں نہ ملا تو وہ مسئلہ زیرِ غور کیسے حل کریں گے تو انہوں نے کہا: اجتہاد سے۔

صرف یہی ایک موقع تھا جب قرآن وسنت کے علاوہ کسی تیسری چیز کا ذکر آسکتا تھا مگر آنحضرتؐ نے حضرت معاذؓ کی قرآنی بصیرت، سنت میں مہارت، اسلامی آئین اور دستور پر دسترس وعبور کو سراہتے ہوئے ان کی قانونی، آئینی اور عدالتی رائے سے اتفاق فرمایا بلکہ یہ اتفاق اتنا قوی، واضح اور حوصلہ افزا تھا کہ آپؐ نے حضرت معاذؓ کو رسول کا رسول قرار دیا۔ غالباً پوری اُمت میں یہ خطاب کسی اور کو نہیں ملا۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن وسنت ہی دو ماخذ ومصدرِ قانون، آئین اور عدالت ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن وسنت کے علاوہ دیگر ماخذ ومصادر کا بوجھ مسلمان قاضیوں کے ذہن سے اتار کر ان پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ انھیں آئین وقانون کی تشریح، تعبیر اور تعیین کے وسیع اختیارات دئے۔ انہیں اجتہادی قوتوں سے کام لینے کے کھلے اور کشادہ راستوں پر چلنے کی راہ سجھائی۔ انھیں علمی، فکری، تحقیقی اور تخلیقی صلاحیتوں پر انحصار کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آئین، قانون اور عدالت کی تاریخ میں یہ منفرد، بےنظیر اور بےمثال اصول تھا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع کیا۔

حدیثِ معاذؓ کے آخری الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی ہمت افزائی کا نتیجہ ہیں۔ حضرت معاذؓ نے کہا: "اجتھد برائی۔" (میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا) اور انہوں نے آخر میں کہا: "ولا آلو۔" (اور کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا)۔ الخطابی نے اس کی تشریح میں کہا:

"معناہ: لا اقصر فی الاجتھاد، ولا اترك بلوغ الوسع فیه۔" (معالم السنن لابی سلیمان الخطابی علی حاشیة مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری ج ۵ ص ۲۱۲)

(میں اجتہاد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا اور اس کی وسعتوں تک پہنچے بغیر نہیں چھوڑوں گا)

درحقیقت اسلام جیسے آخری دین کے قاضیوں کو اتنے ہی وسیع اجتہادی اختیارات کی ضرورت تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن کے آفاقی وہمہ گیر اصول فرسودہ روایات کی تقلید کے ڈھیر تلے دب کر رہ جاتے۔ الخطابی نے شرح سنن ابی داؤد میں اسی بلیغ نکتے کی طرف راہنمائی کی ہے، لکھتے ہیں:

"وفیه دلیل، علی انه لیس للحاکم ان یقلد غیرہ فیما یرید ان یحکم به و ان کان المقلد اعلم منہ وافقہ، حتی یجتھد فیما یسمعه منہ فان وافق رأیه واجتھادہ أمضاہ والا توقف عنہ لان التقلید خارج من ھذہ الاقسام المذکورۃ فی الحدیث۔" (معالم السنن حوالہ متذکرہ بالا ص ۲۱۲)

(یہ اس کا ثبوت ہے کہ قاضی اپنے سامنے درپیش مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت کسی کی تقلید نہ کرے اگرچہ مقلَّد اس سے زیادہ عالم اور فقیہ ہی کیوں نہ ہو، حتیٰ کہ قاضی اس مقلَّد کی رائے سنے اور خود اس میں اجتہاد کرے اگر اُس کی رائے اور اِس کا اجتہاد موافق ہوں تو اس کی توثیق کرے وگرنہ اس سے توقف کرے کیونکہ تقلید حدیث میں مذکورہ اقسام سے خارج ہے)

الخطابی کی یہ شرح نہایت بصیرت افروز ہے۔ قاضی کو فیصلہ کرتے وقت تقلید سے مکمل طور پر آزاد ہونا چاہئے، اس کے حکم اور فیصلے پر کسی خارجی قوت کا اثر نہیں ہونا چاہیے اس کا حکم کامل طور پر آزادانہ اجتہاد کا نتیجہ ہونا چاہیے۔ قاضی کو تقلید سے اس حد تک اجتناب کی ہدایت ہے کہ وُہ اپنے سے بڑے عالم اور بڑے فقیہ کی بھی تقلید نہ کرے۔ یہ بھی ایک قسم کی خارجی اثر پذیری ہے اور قاضی کو ہر اثر سے بالا رہنے کی ہدایت ہے۔ قاضی کا حقیقی طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ اگر اس کے سامنے کسی بڑے عالم اور فقیہ کی رائے کا حوالہ پیش کیا جائے تو وہ اسے اس وقت تک نہ مانے جب تک اس رائے پر خود آزادانہ طور پر اجتہاد نہ کرے اور یہ نہ دیکھے کہ مقدمہ درپیش میں اس رائے کا کس حد تک تعلق ہے۔ اگر قاضی کا اجتہاد اسے بتائے کہ فقیہ کی رائے مقدمہ کے ساتھ موافقت رکھتی ہے تو اس کی توثیق کرے وگرنہ اسے مسترد کرتے ہوئے اس سے توقف کرے۔ الخطابی نے تقلید کے خلاف یہ موقف اس لیے اختیار کیا کیونکہ حدیث معاذؓ میں جن ماخذ کا ذکر کیا گیا ہے ان میں قرآن وسنّت کے علاوہ کسی امام کی تقلید کا ذکر نہیں، تقلید ان مآخذ سے خارج ہے امام ابن القیمؒ نے حدیث معاذؓ کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں اختلافِ الفاظ کے ساتھ روایت ہوئی ہے جس کی اسناد پہلی حدیث سے عمدہ ہیں:

"وھذا اجود اسنادا من الاول۔"

ابن ماجہ نے حضرت معاذؓ سے یہ روایت اس طرح کی ہے:

"لما بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن قال، لا تقضین ولا تفصلن الا بما تعلم وان اشکل علیك امر فقف حتی تبینه او تکتب الی فیہ۔" (تہذیب الامام ابن القیم الجوزیہ علیٰ حاشیہ مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری ج ۵ ص ۲۱۲)

(جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا تو فرمایا جب تک مقدمہ درپیش کو پوری طرح جان نہ لو نہ کوئی حکم جاری کرنا اور نہ فیصلہ کرنا، اگر کسی امر پہ اشکال ہو اس کی تبیین تک توقف اختیار

کئے رکھنا یا اس کے متعلق مجھے لکھ بھیجنا)

ابن ماجہ کی اس روایت سے یہ بات زیادہ واضح ہوگئی کہ قاضی اس وقت تک فیصلہ نہ دے جب تک مکمل طور پر اس کا انشراح صدر نہ ہو جائے، اس کا ضمیر پوری طرح مطمئن نہ ہو جائے اور پوری طرح جان نہ لے کہ اس بارے میں کتاب وسنت کا حکم کیا ہے۔ اور اگر قاضی کو کتاب وسنت کا حکم معلوم کرنے یا اس کا اطلاق کرنے میں اشکال ہو تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں:

اوّل: توقف اختیار کیے رکھے حتیٰ کہ اس پر حکم واضح ہو جائے۔

دوم: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجے تاکہ آپؐ اس کی رہنمائی فرمائیں۔

ان دو صورتوں کے علاوہ تیسری کوئی صورت بیان نہیں ہوئی۔ اگر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے علاوہ کسی فقہ کی تقلید میں کوئی حُجت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ذکر فرما دیتے مگر آپؐ نے صرف اتنا فرمایا کہ ثبوت کی تلاش جاری رکھو، جب ثبوت مل جائے، قاضی کا انشراحِ صدر ہو جائے، اس کا ضمیر اطمینان حاصل کرلے تو اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ حدیثِ معاذؓ نے ایک طرف قرآن وسنت کو ہمیشہ کے لیے اسلامی نظامِ عدالت کا اصل الاصول قرار دے دیا اور ان کے علاوہ قاضی کو ہر ماخذ سے آزاد کر دیا دوسری طرف اجتہاد کی اہمیت اور افادیت کو انتہائی واضح اور غیر مبہم الفاظ میں ثابت کر دیا۔

فیصلے

پہلا فیصلہ جس میں معاذؓ نے بطورِ مبصر(؟) تھی قاضی یمن میں ابو موسیٰؓ کی عدالت میں حصّہ لیا وہ ایک مرتد کا مقدمہ تھا۔ سماعت اور کارروائی کے بعد ابو موسیٰؓ اپنے فیصلہ پر غور کر رہے تھے اس دوران حضرت معاذؓ عدالت میں آئے۔ مقدمہ کی تفصیل سُن کر اُنھوں نے فوراً ہی مقدمہ کی بنیادی باتیں ذہنی گرفت میں لے لیں جس سے وُہ فیصلہ دینے کے قابل ہو گئے۔[۴۲]

وراثت پر ایک اہم قانونی نکتہ اٹھا کہ کیا ایک مسلمان اپنے غیر مسلم رشتہ دار کے ترکہ میں وارث ہو سکتا ہے؟ مقدمہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت معاذؓ کی عملداری میں ایک یہودی فوت ہوگیا اس نے ایک مسلمان بھائی پیچھے چھوڑا مسلمان بھائی حضرت معاذؓ کی عدالت میں مقدمہ لایا تاکہ ورثہ میں اپنا حصّہ حاصل کرے۔ حضرت معاذؓ نے فیصلہ کیا:

"بیشک اسلام پھیلتا ہے۔ پس انھوں نے مسلمان بھائی کو ورثہ دیا۔"[۴۳]

ورثہ کا ایک اور مقدمہ حضرت معاذؓ کی عدالت میں فیصلے کے لیے پیش ہُوا۔ مقدمہ اور اس پر فیصلہ کی اہمیت کے پیشِ نظر بیان کرنے والے نے خاص طور پر یہ ذکر کیا ہے کہ یہ فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سنایا گیا تھا مقدمہ کا قانونی نکتہ یہ تھا کہ آیا بہن اپنے اس بھائی کے ترکے میں وارث ہوگی جس کی ایک بیٹی بھی موجود ہو۔ حضرت معاذؓ نے آدھا ترکہ بیٹی کو دے دیا اور باقی بہن کو دیا۔[۴۴]

عمروؓ بن حزم کا تقرر

اسلامی ریاست کا ایک اور اہم ضلع نجران تھا جو بنو الحارث بن کعب کا آبائی علاقہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ بن ولید کو اس کی فتح پر مامور کیا۔ نجران کے لوگوں نے بلا مقابلہ ہتھیار ڈال دئے اور اسلام قبول کر لیا۔ خالدؓ کو واپس بُلا لیا گیا۔ وُہ اپنے ساتھ بنو الحارث کا ایک وفد مدینہ لائے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے معافی مانگی جو منظور کر لی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن الحسین کو نجران کا گورنر مقرر کیا جو بنو الحارث میں سے تھے۔ سیاسی اور انتظامی طور پر قیس اپنے ضلع میں امن و امان قائم رکھنے کے اہل تھے۔ لیکن اسلامی نظریہ کی تبلیغ، عوام کی تعلیم و تربیت، قبل از اسلام کے قوانین، رسوم و رواج کو اسلامی قوانین کے مطابق بنانے اور مالیہ جمع کرنے اور تنازعوں کا فیصلہ اسلام کے مطابق کرنے کے لیے ایک تکنیکی قانونی ماہر کا تقرر ضروری تھا۔ عمروؓ بن حزم جو اسلامی قوانین کے ماہر تھے مندرجہ بالا ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ انھیں ایک تحریری دستاویز دی گئی تھی جس میں نظریاتی، دستوری، قانونی، عدالتی اور مالیاتی ضابطے بڑی تفصیل سے ان کے فرائض کی انجام دہی کے لیے تحریر تھے۔ یہ تاریخ اسلام میں نظامِ عدل میں بہت اہم حیثیت رکھتی ہے۔ اس طویل اور مفصل دستاویز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا تھا کہ غیر جانبداری کے ساتھ انصاف کریں اور ظلم و زیادتی سے احتراز کریں۔ اس میں جسمانی ایذا و نقصان کی صورت میں حرجانہ کے ضوابط بھی درج تھے۔[۴۹]

جو فرائض ان کے تقرر نامہ میں بیان کئے گئے تھے وہ اسلامی ریاست کے مختلف صوبوں اور ضلعوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ قانونی اور عدلیہ کے ماہرین کے فرائض کا ایک عمدہ نمونہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ وہ دینِ اسلام کے مبلغ تھے جو قرآن پڑھا کر اس کی تبلیغ کرتے (یعلموا الناس القرآن) اور ایک مثالی کردار پیش کرتے (امرہ بتقوی اللہ)۔

۲۔ وہ لوگوں کے قانونی اور عدالتی مشیر تھے جو ان کو حقوق و فرائض بتاتے (یخبر الناس بالذی لھم، والذی علیھم)۔

۳۔ وہ جج تھے جہاں کسی کا حق پامال ہوتا یا کوئی جُرم سرزد ہوتا انھیں انصاف طلب کرنے والوں کے ساتھ نرمی برتنے اور ظالم کے خلاف ثابت قدم رہنے کی ہدایت تھی کیونکہ اللہ کو ظلم بالکل پسند نہیں اور اس نے اس کی ممانعت کی ہے (یلین بالناس فی الحق ویشتد علیھم فی الظلم فان اللہ کرہ الظلم ونھی عنہ)۔

۴۔ وہ اسلامی مالیاتی ضابطوں کے مطابق محاصل جمع کرنے والے تھے (امرہ ان یاخذ من المغانم خمس اللہ وما کتب علی المؤمنین فی الصدقہ)

یمن کی عدلیہ پر حضرت علیؓ کا تقرر

تاریخی مواد سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب دو مرتبہ یمن میں تعینات ہوئے۔ پہلی مرتبہ وہ فوج کے کمانڈر کی حیثیت سے فتح یمن کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ایک دوسری فوج کے کمانڈر کی حیثیت سے خالدؓ بن ولید بھی یمن بھیجے گئے تھے ان کی روانگی کے وقت واضح احکامات دئے گئے تھے تاکہ اگر کسی موقع پر دونوں کمانڈر اکٹھے ہو جائیں تو حضرت علیؓ کمانڈر انچیف ہوں گے :

"ان التقیتما فالامیر علی بن ابی طالب"۔[۴۷]

اپنی کمانڈر انچیف کی حیثیت سے حضرت علیؓ کو خالدؓ سے غنائم میں سے خمس (ریاست کے لیے پانچواں حصہ)[۴۸] اور صدقہ (مسلمانوں سے لیا جانے والا مالیہ) اور نجران کے لوگوں سے جزیہ (غیر مسلموں سے لیا جانے والا ٹیکس) وصول کرنے کا اختیار اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روانہ کرنے کی ذمہ داری بھی تھی[۴۹]۔ یہ ایک علیحدہ تقرر نہ تھا جیسا کہ ابن ہشام کے بیان سے مترشح ہوتا ہے۔

دوسری مرتبہ حضرت علیؓ یمن کے تمام اضلاع کے عمّال عدلیہ کے سربراہ کے طور پر بھیجے گئے تھے۔ یہ بات ان بیانات سے اخذ ہوتی ہے جو یمن میں حضرت علیؓ کے قاضی مقرر ہونے سے متعلق ہیں۔ دوسرے ججوں کے تقرر کے حکمناموں میں ان کے اضلاع اور مستقر کے نام بھی درج تھے۔ حضرت ابو موسیٰؓ کا تقرر زبید میں ہوا تھا۔ حضرت معاذؓ کا الجند میں اور حضرت عمرو بن حزم کا نجران میں۔ حضرت علیؓ کے معاملہ میں یمن کا ذکر ہے اور اس کے کسی خاص ضلعے کا حوالہ نہیں :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا" (بعثنی رسول اللہ الی الیمن قاضیا)[۵۰]۔

اس موقف کو حضرت علیؓ کی عدالتی معاملات میں اس اہمیت سے تقویت پہنچتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کی تھی :

"اقضٰی امتی علی"۔[۵۱]

حضرت عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبد اللہؓ بن مسعود جیسے ماہرینِ فقہ و قانون نے بھی عدالتی معاملات میں ان کی فوقیت تسلیم کی ہے :

"علی اقضانا"[۵۲] اور "اقضٰی اھل المدینۃ علی بن ابی طالب"۔[۵۳]

حضرت علیؓ کے بطور یمن کے قاضی کے تقرر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص توجہ فرمائی۔ جب حضرت علیؓ کو یمن میں اختیار سنبھالنے کے لیے کہا گیا انھوں نے ہچکچاہٹ ظاہر کی اس لیے کہ یہ اسلامی ریاست کے بہت بڑے صوبے میں عدلیہ کی سب سے اعلیٰ حیثیت کی بڑی ذمہ داری تھی۔ اس عہدہ کی اہمیت کے احساس کے پیشِ نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا :

"اس سے مفر نہیں۔ وہاں یا میں ذاتی طور پر خود جاؤں یا تمہیں جانا پڑے گا۔"

حضرت علیؓ نے کہا :

"اگر اس سے مفر نہیں تو میں جاتا ہوں۔"[۵۴]

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی :

"ان اللہ سیھدی قلبك و یثبت لسانك۔" (سنن ابی داؤد)

(اللہ تمہارے دل کو راہِ ہدایت پر چلائے اور تمہاری زبان کو ثبات دے گا)

جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا ہے اتنی اہمیت کسی دوسرے تقرر کو نہیں دی گئی۔ اگر یہ کسی ضلعے کے جج کی آسامی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے وہاں جانے کے متبادل کا ذکر نہ فرماتے۔

عدالتی طریق سے متعلق ہدایات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نئے منصب پر یمن جاتے ہوئے حضرت علیؓ کو عدلیہ سے متعلق خصوصی ہدایات دیں۔ عدالتی طریق کار کا اہم ترین اصول متعین کر دیا گیا تھا اور حضرت علیؓ کو مقدمات کی سماعت کے دوران اس پر عمل کی ہدایت کی گئی تھی :

"فاذا جلس بین یدیك الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاوّل فانه احری ان یتبینّ لك القضاء قال : فما زلت قاضیا او ما شککتُ فی قضاء بعد۔"[۵۵]

(جب دونوں فریق تمہارے سامنے اپنی اپنی جگہ بیٹھ جائیں کوئی فیصلہ اس وقت تک صادر نہ کرو جب تک تم دوسرے کو بھی اسی طرح نہ سن لو جیسے پہلے کو سنا تھا۔ یہ زیادہ مناسب ہے کہ فیصلہ تم پر پوری طرح عیاں ہو جائے۔ حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد بطور قاضی میں نے کبھی غلطی نہیں کی یا اس کے بعد میں کسی فیصلہ میں شک میں مبتلا نہیں ہوا)[۵۵]

"معالم السنن" میں الخطابی نے یہ شرح بیان کی ہے :

"فیه دلیل علی ان الحاکم لا یقضی علی غائب و ذٰلك لانه اذا منعه ان یقضی لاحد الخصمین وھما حاضران حتی یسمع کلام الآخر فقد دل علی انه فی الغائب الذی لم یحضره و لم یسمع قوله اولی بالمنع و ذٰلك لامکان ان یکون معه حجة تبطل دعوی الحاضر۔" (معالم السنن علی حاشیہ مختصر سنن ابی داؤد، ج ۵، ص ۲۰۸)

(یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حاکم غیر حاضر کے خلاف فیصلہ نہیں دے گا۔ یہ اس لیے کہ جب قاضی کو

اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ دو حاضر فریقوں میں سے دوسرے کی بات اسی طرح سنے بغیر فیصلہ دے
جس طرح اس نے پہلے کی بات سُنی تھی تو وہ فریق جو حاضر ہی نہیں اور اس کی بات ہی سنی نہیں گئی اس کے
خلاف ممانعت بدرجہ اولیٰ ہے یہ شرط اس لیے رکھی گئی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس ثبوت ہو
جو حاضر کے دعویٰ کو باطل کر دے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضع کردہ عدالتی طریق کار سے ثابت ہوا کہ اسلامی نظام عدالت نیچرل جسٹس کے اصولوں کو پوری اہمیت دیتا ہے، فریقین مقدمہ میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی امتیازی سلوک کو روا نہیں رکھتا، دونوں کے ساتھ یکساں اور مساوی برتاؤ کرتا ہے۔ دونوں فریقوں کو مکمل آزادی ہے کہ وہ اپنے موقف کی تائید میں گواہ اور ثبوت پیش کریں۔ ایک کی بات اُسی طریقے سے سنی جائے جس طرح دُوسرے کی سُنی جائے۔ ایک کو گواہ پیش کرنے کی مکمل آزادی ہے تو دوسرے کو اپنے خلاف دعویٰ کے ابطال میں ثبوت پیش کرنے کی اجازت ہے۔ یہ ایسا فطری عدالتی طریق کار ہے جس کے اتباع میں یورپ و امریکہ نے بعد میں یہ عدالتی طریق کار اپنایا۔ ہم چوتھے باب میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں کہ اسلامی عدلیہ ظاہری شہادت پر فیصلہ دیتی ہے جو گواہی اور ثبوت عدالت میں پیش ہوں ان کا وزن فیصلہ کی بنیاد بنتا ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے ایک عدالتی نظام قایم ہوا، جس کی بنیاد یہ اصول، قاعدے، ضابطے اور قانون تھے۔ یورپ و امریکہ والوں کو یقین نہیں آ رہا کہ اتنے منضبط اور منظم اصولوں کی بنیاد پر اس دور میں ایسا عدالتی نظام قایم ہوا، وہ طرح طرح کے اوہام و باطل نظریات کا شکار رہیں۔ ہم نے اسلام کے مستند ترین ماخذ سے ثابت کیا ہے کہ ایسا عدالتی نظام بالفعل قایم ہوا جس کا عدالتی طریق کار انتہائی ترقی یافتہ تھا وہ اس حد تک ترقی یافتہ تھا کہ آج بیسویں صدی میں انھیں اصولوں کی بنیاد پر جب یورپ و امریکہ نے اس نظام کو اپنایا تو وہ اسے آج کی پیداوار قرار دے رہی ہیں حالانکہ یہ فیضان ہے اندلس، سسلی کی اسلامی عدالتوں کا، جہاں سے یورپ نے یہ نظام سیکھا اور پھر خود اپنایا۔

یمن میں حضرت علیؓ کے فیصلے

زیدؓ بن ارقم ایک مقدمہ میں حضرت علیؓ کا ایک فیصلہ بیان کرتے ہیں:

"میری موجودگی میں یمن سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس زمانہ میں حضرت علیؓ وہاں (یمن میں) تھے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانا شروع کیا "ایک عورت حضرت علیؓ کے پاس لائی گئی جس کے ساتھ تین آدمیوں نے ایک طہر میں زنا کیا تھا۔ انھوں نے پہلے دو سے پوچھا مگر انھوں نے بچّے کو قبول نہ کیا۔ انھوں نے اس کے بعد دوبارہ ان سے (ہر مرتبہ ان کے الگ الگ گروہ قائم کر کے) دو دو کر کے دریافت کیا مگر انھوں نے قبول نہ کیا۔ تب انھوں نے قرعہ اندازی سے مقدمے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے بچّے کی ذمہ داری اس شخص پر

ڈال دی جس کے نام قُرعہ نکلا تھا۔ انھوں نے دو تہائی معاوضہ بھی اس کے ذمہ ڈالا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب ہنسے یہاں تک کہ آپؐ کی ڈاڑھ کے دانت نظر آنے لگے۔[56]

ایک اور بیان کے مطابق مقدمہ کی تفصیل بتاتے ہُوئے حضرت علیؓ نے مقدمہ تحریری طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلے کے لیے بھجوا دیا۔ فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا : میرے پاس اس میں اضافے کی کوئی گنجایش نہیں اور میں سوائے حضرت علیؓ کے فیصلے کی توثیق کرنے کے کچھ نہیں کر سکتا۔[57]

اس سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علیؓ ایک بہت اہم صوبے میں عدلیہ کے ذمہ دار تھے اور ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ قائم رکھتے اور پیچیدہ اور مشکل قانونی مسائل پر آپؐ سے قانونی اور عدالتی امور پر مشورے لیتے رہتے۔ اس فیصلے کے مندرجات ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ عہدِ رسالت کا عدالتی نظام بہت منضبط اور منظم تھا عدالتیں ایک مربوط عدالتی طریق کار پر عمل پیرا تھیں صوبائی عدالتوں کے قاضی وفاقی عدالت عظمیٰ سے مسلسل رابطہ رکھتے تھے۔ اس کے طریق کار کو اپناتے اور بوقتِ ضرورت مقدمات اس کے حوالے کرتے۔ جب عدالتِ عالیہ کی طرف سے حوالہ کردہ مقدمہ عدالت عظمیٰ کے زیرِ غور رہتا اس وقت تک فریقین مقدمہ پابند رہتے۔ چونکہ مغرب نے یہ عدالتی طریق کار بعد میں اپنایا اس لیے وہ اسلامی نظامِ عدالت کی اوّلیت وفضیلت کو تسلیم کرنے سے ہچکچا رہے ہیں حالانکہ علمی دیانت اور تحقیقی طرزِ عمل کا تقاضا ہے کہ وہ اسلام کی بالادستی تسلیم کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک اور مقدمہ جو اُنھوں نے اپنی تعیناتی کے دوران فیصل کیا، خود بیان کرتے ہیں :

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا۔ بعض قبائلیوں نے شیر پکڑنے کے لیے ایک گڑھا کھودا اور اس کا انتظار کرنے لگے، وہ اس میں گر پڑا۔ وہ ایک دوسرے کو گڑھے کے گرد دھکیلنے لگے۔ ایک آدمی اس میں گر گیا، اس نے اپنے ساتھ والے کو پکڑا، اس نے دوسرے ساتھ والے کو، یہاں تک کہ چار آدمی گڑھے میں گر پڑے۔ شیر نے انھیں زخمی کر دیا۔ ایک آدمی نے اسے نیزہ مارا جو اسے چھیدتا چلا گیا۔ اس نے آدمیوں کو گڑھے سے نکالا بعض اس میں مر گئے تھے اور بعض زخمی ہو گئے تھے مگر ابھی زندہ تھے۔ آخر کار وہ سارے مر گئے۔ تین کے قبیلوں نے پہلے کے قبیلے سے کہا: تینوں کا خون بہا ادا کرو۔ اگر یہ تمہارے آدمی کی وجہ سے نہ ہوتا تو وہ گڑھے میں نہ گرتے۔ انھوں نے کہا "ہمارے آدمی نے صرف ایک کو پکڑا تھا پس ہم اس ایک کا خون بہا دیں گے۔ وہ جھگڑتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے آپس میں لڑنے کا منصوبہ بنایا۔ ان میں سے ایک آدمی میرے پاس آیا۔ وُہ مجھ سے زیادہ دُور نہ تھے میں اُن کے پاس گیا اور کہا "کیا تم اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہتے ہو جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اور میں تمہارے درمیان موجود ہُوں ؟ تمہارے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے

میں جج ہوں۔ اگر تم میرے فیصلہ سے مطمئن ہو گے تو یہ تمہارے درمیان نافذ کر دیا جائے گا۔ اگر تم اس سے مطمئن نہ ہوئے تم اپنی ساری کارروائی بند رکھو گے۔ جو شخص اس کی خلاف ورزی کرے گا اس کا کوئی حق نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپیل پیش کرے وہ فیصلہ کرنے میں مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔" وہ اس (تجویز) پر رضامند ہو گئے۔ انھوں نے انہیں حکم دیا کہ جو گڑھے پر موجود تھے ان سے ایک پورا خون بہا، ایک آدھا خون بہا، ایک تہائی خون بہا اور ایک چوتھائی خون بہا جمع کرو۔ اس پر میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ سب سے نیچے والے کو ایک چوتھائی خون بہا دیا جائے کیونکہ وہ اس حالت میں مرا جبکہ اس پر تین آدمی پڑے تھے اس سے اوپر والے دوسرے کو ایک تہائی خونبہا دیا جائے کیونکہ وہ اس حالت میں مرا جبکہ اس پر دو آدمی پڑے تھے۔ اس کے بعد والے کو آدھا خون بہا دیا جائے کیونکہ وہ اس حالت میں مرا جبکہ اس پر ایک آدمی تھا۔ سب سے اوپر والے کو پورا خون بہا دیا جائے کیونکہ اس کے اوپر کوئی نہیں مرا۔ ان میں سے بعض فیصلہ سے مطمئن ہوئے اور بعض نے اسے ناپسند کیا۔ میں نے حکم دیا: "میرے فیصلہ پر قائم رہنا یہاں تک کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچو پھر وہ تمہارے درمیان فیصلہ کریں گے۔" وہ حج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوئے۔ جب آپ نماز ختم کر چکے تھے اور مقام ابراہیم (کعبہ کے ساتھ) تشریف فرما ہو گئے تھے وہ آپ کے سامنے پیش ہوئے اور اپنا مقدمہ سنایا۔ اپنے گرد چادر لپیٹ کر بیٹھے ہوئے آپ نے فرمایا: "یقیناً میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا۔" مجلس کے کونے سے ایک شخص بولا: "علیؓ بن ابی طالب نے یمن میں پہلے ہی فیصلہ کر دیا ہے۔" آپ نے دریافت کیا: "انھوں نے کیا فیصلہ کیا؟" انھوں نے آپ کو وہ فیصلہ بیان کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فیصلہ جو میں نے کیا تھا برقرار رکھا۔"[۵۸]

یہ حضرت علیؓ کے اہم فیصلوں میں سے ایک ہے۔ یہ عہد رسالت کی عدلیہ کے عدالتی طریق کار کو پوری وضاحت سے بیان کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صوبائی اور ضلعی ججوں کو اپنے فیصلے نافذ کرنے کے لیے انتظامی اختیارات حاصل تھے "فھو نافذ بینکم"۔[۵۹] یہ ہمارے اس موقف کی تائید بھی کرتا ہے کہ حضرت علیؓ یمن میں اعلیٰ ترین عدالتی عہدہ دار تھے۔ ان کے فیصلے نافذ ہوتے یا فریقین مزید کارروائی سے باز رکھے جاتے جب تک عدالت عظمیٰ میں اپیل کا فیصلہ صادر نہ ہوتا "فھو حاجز بینکم فمن جوزہ فلا حق لہ"۔ اسلامی ریاست کی عدالت عظمیٰ جس کے پاس حضرت علیؓ کے فیصلے کے خلاف اپیل ہو سکتی تھی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت تھی جو اسلامی ریاست کی عدالت عظمیٰ کے سربراہ تھے:

"تمسکوا بقضائی حتی تاتوا رسول اللہ فیقضی بینکم"۔

ہم نے تیسرے، چوتھے اور موجودہ باب میں جگہ جگہ اس بات کا اظہار کیا ہے کہ عہد رسالت میں نظام عدالت

مستحکم، مضبوط اور منضبط اصولوں، قاعدوں، ضابطوں اور قانونوں پر قایم تھا، ایک واضح آئینی تھا۔ اس آئین کے تحت قوانین مرتب ہو چکے تھے۔ عدالتی طریق کار منضبط اور مربوط شکل میں معرض وجود میں آ چکا تھا۔ تفتیش کا محکمہ قایم تھا۔ ملزم مدعا علیہم پر فرد جرم عائد کی جاتی تھی۔ فریقین مقدمہ کی عدالت میں حاضری ضروری قرار دی جا چکی تھی۔ فریقین کے ساتھ مساوی و یکساں سلوک کا طریق کار اپنایا جا چکا تھا۔ عدالتوں میں قاضیوں کے طرز عمل اور رویے کا طریق کار وضع ہو کر نافذ العمل تھا۔ ظاہری شہادت فطری انصاف کے اصولوں کے مطابق عدالتی فیصلوں کی بنیاد تھی۔ ادنیٰ، اعلیٰ اعلیٰ ترین عدالتیں اپنے دائرۂ عمل میں قایم تھیں۔ عہد رسالت میں نظام عدالت کا یہ نقشہ اتنا واضح اور روشن ہے کہ اس میں کسی ابہام کی گنجایش نہیں۔ اگرچہ حضرت عمرؓ نے نظام عدالت کو وسیع پیمانے پر نافذ کیا مگر یہ جغرافیائی وسعت تھی دینی، اسلامی، علمی، قانونی اور عدالتی قوانین، قواعد، ضوابط عہد رسالت میں مرتب ہو کر نافذ ہو چکے تھے اس لیے عہد فاروقی میں وسیع رقبے پر اس نظام عدالت کا نفاذ عہد رسالت کے نظام عدالت پر نظم و ضبط اور طریق کار میں ہرگز فوقیت نہیں رکھتا۔ عہد حاضر کے بعض مصنفین نے جن میں علامہ شبلی شامل ہیں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عمرؓ سے پہلے نظام عدالت ابتدائی مراحل میں تھا جسے انہوں نے ترقی یافتہ بنایا مگر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ تاثر درست نہیں عہد رسالت کا نظام عدالت خوب منظم، مربوط اور ترقی یافتہ تھا۔

حوالہ جات اور تشریحات

۱۔ عبدالحئی الکتانی، نظام الحکومۃ النبویہ المسمی التراتیب الاداریہ، ایڈیشن بیروت، جلد اول، صفحات ۲۴۰ تا ۲۴۵۔

۲۔ الحافظ العراقی، الالفیہ جیسا کہ الکتانی نے حوالہ دیا ہے۔ مندرجہ بالا، صفحات ۲۴۵-۲۴۶۔

۳۔ علی عبدالرازق، "الاسلام واصول الحکم"۔

۴۔ ایمل تیاں

Emile Tyan, Histoire De L'Organisation Judiciare En Pay D' Islam, Leiden E.J. Brill, 1960

۵۔ الکتانی متذکرہ بالا، ج ۱ ص ۵۶

۶۔ علی بن عمر الدارقطنی، السنن، ایڈیشن ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء، ج ۴ ص ۲۰۳۔

۷۔ ایضاً

۸۔ الترمذی، الصحیح مع شرح از ابن العربی، ایڈیشن ۱۳۵۰ھ/۱۹۵۱ء، ج ۶ ص ۶۳، ۶۴۔

۹۔ ابن العربی ایضاً

۱۰۔ ایضاً ص ۶۵

۱۱۔ ابن الکثیر، التفسیر، ایڈیشن لاہور، ج ۱ ص ۵۲۱۔

۱۲۔ علی بن عمر الدارقطنی متذکرہ بالا، ج ۴ ص ۲۲۹۔

۱۳۔ الکتانی، متذکرہ بالا، ج ۱ ص ۵۸۔

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ابن القیم

۱۶۔ الکتانی، متذکرہ بالا، ج ۱ ص ۲۴۰۔

۱۷۔ ابن حبان نے "الصحابہ" میں بیان کیا ہے: "ولّاہ المصطفیٰ بعض عمل مکّۃ۔" ابنِ سعد نے اس کو یوں بیان کیا ہے: "صحب الحارث المصطفیٰ فستعملہ علی بعض عملہ بمکہ واقرہ، ابوبکر، عمر وعثمان"۔ الکتانی نے حارث بن عبدالمطلب کے بارے میں ایسے ہی بیانات کا حوالہ دیا ہے

(الکتانی، نظام الحکومۃ النبویہ، متذکرہ بالا، ج ۱، ص ۲۴۱-۲۴۲)

۱۸ - قرآن پاک ۲ : ۲۷۹

۱۹ - الطبری، تفسیر الطبری، ایڈیشن ۱۳۲۴ھ اے ایچ بلاق، ج ۲ ص ۶۸، ۶۹ -

۲۰ - ابن ہشام، سیرۃ، ایڈیشن قاہرہ ۱۳۵۶ھ، ج ۱، ص ۴۳-۴۴ -

۲۱ - الطبری، التاریخ، ج ۳ ص ۲۱۴ -

۲۲ - مندرجہ بالا عنوان کے تحت تفصیل ملاحظہ کیجئے : قضاۃ اور عمّال -

۲۳ - وکیع، محمد بن خلف، اخبار القضاۃ ایڈیشن ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء، ج ۱ ص ۱۰۰-۱۰۱ -

۲۴ - الکتانی، متذکرہ بالا، ج ۱، ص ۲۴۵ -

۲۵ - ایضاً، ص ۲۴۱ -

۲۶ - البخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیٰ ومعاذ الی الیمن -

۲۷ - ایضاً، کتاب الاحکام، باب الحاکم یحکم بالقتل -

۲۸ - ایضاً، کتاب المغازی متذکرہ بالا -

۲۹ - ابن سعد، طبقات، ج ۳ ص ۵۸۶ -

۳۰ - البخاری، کتاب المغازی متذکرہ بالا -

۳۱ - الکتانی، متذکرہ بالا، ج ۱، ص ۲۵۹ -

۳۲ - وکیع، اخبار القضاۃ، ج ۱ ص ۱۰۰-۱۰۱ -

۳۳ - البخاری، المغازی، متذکرہ بالا -

۳۴ - ایضاً

۳۵ - ایضاً

۳۶ - وکیع متذکرہ بالا، ج ۱، ص ۱۰۱-۱۰۲ -

۳۷ - البخاری، المغازی متذکرہ بالا -

۳۸ - ایضاً

۳۹ - ابن ہشام، سیرہ، ج ۴ ص ۲۶۰ -

۴۰ - البخاری، المغازی، یہ غور طلب ہے کہ قاضی کو مبلغ کے فرائض بھی انجام دینا ہوتے تھے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ دینی تحریک کے ضمن میں ہو سکتا ہے جس کے لیے حضرت معاذ یمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ تھے۔

۴۱ - ابوداؤد، سنن، کتاب الاقضیہ، باب اجتہاد الرائے فی القضاء - الترمذی، الصحیح ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء مع شرح ابن العربی، ابواب الاحکام ج ۶ ص ۶۸ - ۶۹ - ابن ماجہ، سنن -

۴۲ - البخاری، الصحیح، کتاب المغازی -

۴۳ - وکیع، اخبار القضاۃ، ج ۱، ص ۹۹ - بیشتر مسلم فقہا اس نقطہ پر حضرت معاذؓ سے متفق نہیں - وہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ نہ کوئی مسلمان اپنے غیر مسلم رشتے دار کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ کوئی غیر مسلم اپنے مسلمان رشتہ دار کا - وہ اس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر رکھتے ہیں:

لا یرث المسلم الکافر ولا یرث الکافر المسلم - (مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض)

تاہم معاذؓ بن جبل، معاویہؓ، سعیدؒ بن المسیب، مسروقؒ، ابو درداءؓ، الشعبیؒ، الزہریؒ، نخعیؒ نے مسلمان کو اپنے غیر مسلم رشتہ دار کا وارث بننے دیا ہے - (شرح النووی، ایڈیشن نور محمد مع متن اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، دہلی، ج ۲، ص ۳۳، کتاب الفرائض)

۴۴ - ایضاً - ابن قیم نے ابن عباسؓ کی رائے بیان کی ہے جس کے مطابق ایک بہن اپنے بھائی کے ورثہ میں حصہ کی حقدار نہیں جبکہ اس کی بیٹی بھی ہو - (ایضاً فٹ نوٹ ص ۹۹)

۴۵ - ابن ہشام، سیرہ، مندرجہ بالا، ج ۲، ص ۵۹۳ - ۵۹۴ -

۴۶ - ایضاً صفحات ۵۹۴، ۵۹۶ - الطبری، تاریخ، ج ۱ ص ۱۷۲۷ - ۱۷۲۹ - مالک بن انس، موطا، ج ۱، ص ۲۳۴ - الکتانی نظام الحکومۃ (التراتیب الاداریہ)، ج ۵، ص ۲۴۷ - ۲۵۰ -

۴۷ - ابن ہشام، سیرہ، ج ۲، ص ۶۴۱ -

۴۸ - البخاری، الصحیح، کتاب المغازی - البراء کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے شاید حضرت علیؓ نے خالدؓ کی جگہ لی تھی "ثم بعث علیا بعد ذلک مکانہ" (ایضاً) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن ہشام کا مندرجہ بالا بیان اپنے مشتملات کے لحاظ سے البخاری کے بیان سے زیادہ واضح ہے جس میں حضرت علیؓ کو دونوں کے ایک جگہ ملنے کی صورت میں کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا تھا - یہ اسی فوجی معرکہ کے دوران کی بات ہے کہ حضرت علیؓ کو خالدؓ سے خمس وصول کرنے کے لیے کہا گیا تھا جیسا کہ بخاریؒ نے بیان کیا ہے:

"بعث النبی علیا الی خالد لیقبض الخمس" (الصحیح ایضاً)

۴۹ - ابن ہشام، سیرہ، متذکرہ بالا، ج ۲ ص ۶۰۰ -

۵۰ - ابوداؤد، السنن، کتاب الاقضیہ، باب کیف القضاء، متذکرہ بالا، ج ۵، ص ۲۰۸ -

۵۱ - وکیع، اخبار القضاۃ، متذکرہ بالا، ج ۱، ص ۳۸ -

۵۲ - ایضاً، ص ۸۹ یہ حضرت عمرؓ کی تعریف ہے -

۵۳ - ایضاً، ص ۸۹ - ۹۰ یہ عبداللہؓ بن مسعود اور ابوہریرہؓ کے بیانات ہیں۔
۵۴ - ابن حبان، الصحیح، جیسا کہ وکیع نے حوالہ دیا ہے۔ اخبار القضاہ، متذکرہ بالا، ج ۱، فٹ نوٹ ص ۸۴۔
۵۵ - ابوداؤد، السنن، کتاب الاقضیہ، باب کیف القضاء، متذکرہ بالا، ص ۲۰۸۔ الترمذی، الصحیح، ابواب الاحکام، متذکرہ بالا، ج ۶ ص ۶۷ - ابن ماجہ کی روایت کے مطابق: اس کے بعد میں کبھی دو فریقوں کے درمیان کسی بھی فیصلہ پر شک میں مبتلا نہیں ہوا۔ (ابن ماجہ، ابواب الاحکام، باب ذکر القضاۃ، ص ۴۷۷) اس موضوع پر بعض ماخذ ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنا عدلیہ کا منصب سنبھالنے میں ہچکچاہٹ اس لیے ظاہر کی کہ وہ نوعمر تھے اور امور عدلیہ کے علم میں نوخیز تھے:

"انا شاب اقضی بینهم ولا ادری ما القضاء"۔ (ابن ماجہ، السنن، متذکرہ بالا)

یا ابوداؤد کی روایت میں:

"انا حدیث السن ولا علم لی بالقضاء"۔ (السنن متذکرہ بالا)

ایک بہت ہی مستند ماخذ الترمذی ان کی ہچکچاہٹ بیان نہیں کرتا (الصحیح متذکرہ بالا) مزید برآں حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلوغت اور علم کا حوالہ اپنے مقابلے میں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہمت بندھائی اور اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھا اور اللہ سے ان کی رہنمائی کے لیے دعا کی:

"ان اللہ سیهدی قلبك ویثبت لسانك"۔ (مختصر سنن ابی داؤد، باب کیف القضاء)

۵۶ - وکیع، اخبار القضاۃ، متذکرہ بالا، ج ۱، ص ۹۱۔
۵۷ - ایضاً، ص ۹۴۔
۵۸ - ایضاً، ص ۹۵ - ۹۷ - مسند احمد بن حنبل از حنش بن المؤتمر۔ الذہبی، میزان الاعتدال فی ترجمہ حنش مع وکیع کے حوالہ کے، متذکرہ بالا)
۵۹ - وکیع، متذکرہ بالا فیصلہ کے تمام عربی جملے وکیع کے متن سے ترجمہ کیے گئے ہیں۔ (متذکرہ بالا)

باب ششم

عہدِ رسالتؐ کا نظامِ عدالت
اور
جدید معترضین و مستشرقین

علی عبدالرازق اور ایمل تیاں

علی عبدالرازق نے اپنی کتاب "الاسلام و اصول الحکم" اور ایمل تیاں نے اپنی کتاب

al-Islām wa Uṣūl al- Hukm,— Histoire de l 'Organisation Judiciaire on pays D'Islam, Section III: La Justice dans l'Oeuvre de Mahomet.

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے عدالتی نظام پر بحث کی ہے اور دور افتادہ نتائج اخذ کئے ہیں۔ علی عبدالرازق نے حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت ابوموسیٰؓ الاشعری کے تقرر پر، ان مختلف فرائض کے سبب جو انھیں یمن میں تفویض کئے گئے تھے شک کا اظہار کیا ہے[1]۔

تیاں کے نظریہ کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

رسول (صلعم) نے نئے قوانین جاری نہیں کئے اور قبل از اسلام کے طریقوں اور رسم و رواج کے ڈھانچے کے اندر رہتے ہوئے کام کیا[2]۔ انہوں نے کوئی عدالتی نظام قائم نہیں کیا۔ ذاتی انصاف اور بدلہ کا رواج قائم رہا۔ انہوں نے قبل از اسلام ثالثی کا طریقہ قائم رکھا۔ ان کا اپنا عدالتی مرتبہ دورِ جاہلیت کے ثالث سے زیادہ نہ تھا[3]۔ چونکہ انھیں عدالتی نظام کا کوئی تصور نہ تھا لہٰذا ان کے صوبائی ججوں کے تقرر کا نظریہ بے بنیاد ہے[4]۔ ان کے پاس اپنے فیصلے نافذ کرنے کے لئے کوئی سرکاری اختیار نہ تھا انہوں نے نہ کوئی عدالتی طریقِ کار مرتب کیا تھا اور نہ کوئی قانونِ شہادت بنایا تھا[5]۔ جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قانون سازی کا تعلق ہے تیاں نے قبل از اسلام کے رواج "ثا" (بدلہ) اور دیت (خون بہا) کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ آپؐ اس پر بغیر کسی ترمیم کے عمل کرتے رہے۔ اس سے اس نے نتیجہ نکالا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی "دنیوی قانون" نہیں لائے اور صرف قبل از اسلام کے طریقوں اور رواجوں پر عمل پیرا رہے[6]۔ یہ بہت ہی عجیب نتیجہ ہے! تیاں نے قتل، چوری، قزاقی، زنا، لعان پر فوجداری قوانین نکاح و طلاق اور وراثت کے شخصی قوانین، زکوٰۃ، عشر، فئے، جزیہ، زراعت، تجارت منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کے دیوانی اور مالیاتی کے قوانین۔ منکوحہ، غیر منکوحہ سے زنا اور دیگر فوجداری اور دیوانی معاملات اور مقدمات کے لیے شہادت کے قوانین سب نظر انداز کر دیئے۔ منکوحہ زانیوں کے مقدمات کے لیے چار گواہ لازم ہیں اور دوسری قسم کے لیے دو گواہ۔ مدعا علیہ کی طرف سے قسم کے ساتھ ایک گواہ کی شہادت بھی کافی شہادت تسلیم کی گئی ہے۔ اسلامی فقہ و قانون کی مختلف کتابوں میں مدون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں پر ایک سرسری نظر ہی یہ واضح کر دیتی ہے کہ قبل از اسلام کے طریقے اور رواج زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق اسلامی

قوانین سے کوئی مقابلہ نہیں کرسکتے ۔حلال و حرام نکاح ، طلاق (دو حیضوں کے درمیاں یا بعد ایک نشست یا مختلف نشستوں میں) وطلاق رجعی وطلاق بائن خلع (عورت کا حقِ طلاق) لعان (زوجین کا ایک دوسرے پر اتہام)، نفقات (ایک ہر کس حد تک اپنی بیوی یا مطلقہ کے اخراجات کا ذمہ دار ہے) حضانت (بچوں کے دودھ پلانے اور پالنے کا زمانہ) کے قوانین پر غور کیجیے ۔قوانین فرائض (وراثت) وارثوں کے حقوق ان کے حصوں کا تقرر، وارث عورتوں کے حصوں کے تناسب کی تفصیل دیکھئے ۔قبل از اسلام کے رواج کا مقابلہ اسلامی ضابطۂ فوجداری بابت حدود (قتل ،چوری ،قزاقی ، زنا اور لعان)دیت (مختلف فوجداری جرائم اور ضابطۂ فوجداری کی خلاف ورزی پر معاوضہ) سے کیجئے ۔ اسلامی اقتصادی اصولِ مزارعت (قوانین زراعت)، مضاربت شراکت اور ممانعت ربا و قوانین بیوع ملاحظہ کیجیے ۔ ان قوانین پر توجہ کی ضرورت ہے : خمر (نشہ آور اشیاء ، ان کی ممانعت اور سزا) میسر (جوا ، اس کی ممانعت اور سزا) ، عتاق (غلام آزاد کرنا) ترغیب عتاق اور آزاد کرنے سے متعلق قوانین وضوابط اور آزاد افراد کے حقوق ، جہاد (قوانین جنگ ، غنائم کی تقسیم اور ان میں حقوق)خمس (ریاست کا حصہ) ، شہادت (گواہی کے قوانین ، گواہوں کی تعداد جو مختلف جرائم میں درکار ہے ، مرد اور عورت کی گواہی ، قسم کا جواز اور مدعا علیہان میں سے گواہ)۔

کوئی بھی قانونی نظام ہوا میں قائم نہیں ہوتا ۔جس معاشرہ میں یہ جنم لیتا ہے اس خاص معاشرے کے طریقوں ، رسموں اور روایتوں کا بغور تجزیہ کیا جاتا ہے ۔ اصل حیثیت بنیادی اور اہم مذہبی اور اخلاقی اصولوں کی ہوتی ہے جن کے معیار اور اصول پر مروجہ قوانین اور قواعد کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے اور اگر ان میں کوئی تضاد ہو تو انھیں ان کے الفاظ و معنی کے مطابق ڈھالا جاتا ہے ۔ ان کی بنا پر مزید قانون سازی کی جاتی ہے ۔اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از اسلام کے سارے رسم و رواج کو نہیں ٹھکرایا تھا جو مذہب اسلام کے مطابق تھے وہ جاری رہنے دیئے گئے دوسروں کو ترمیم و تنسیخ کرکے اسلام کے مطابق بنایا گیا اور باقی کلیتہً رد کر دیے گئے ۔

قرآنی قوانین کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ابتداً اسلام سے جاری و ساری تھی جو عمل و کردار کا ایک نمونہ تھی ۔ آپؐ کا پیغام اپنی اخلاقی حیثیت اور روح کے لحاظ سے عربوں کے طریق سے جو عربوں کے باپ دادا کے عام رسم و رواج پر مبنی تھا ، بالکل مختلف تھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام عربوں کے رواج سے بنیادی طور پر دو نکات پر مختلف تھا ۔ اولاً اس کا نکتۂ آغاز بجائے عربوں اور قبائلی نسب کے اللہ تھا ۔ دوسرے اسلام نے عربوں کے مقررہ اصل اصول (یعنی اپنے اجداد کے طریق پر قائم رواج) کو مذموم قرار دے کر اسے مسترد کر دیا عربوں کے لیے درست ،مناسب اور اصل طریقہ ہی وہ تھا جس میں قدامت ہو اور جو نسل در نسل چلا آ رہا ہو ۔ اسلام نے اس بنیاد کو یہ کہہ کر مسمار کر دیا کہ ان کے رواج قائم کرنے والے ادارے جن کا ان کی نظروں میں قدامت کے باعث احترام تھا عقل و ہدایت سے عاری تھے ۔کیا وہ اس کے باوجود آباؤ اجداد کے طریقے پر جمے رہیں گے : اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ "کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں نہ ہدایت رکھتے ہوں "۔ اور لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۔" نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں "۔ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

" چل پھر کر دیکھو تو مجرمین کا انجام کیا ہوا، آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو شرارتیں یہ کر رہے ہیں ان سے تنگ نہ ہو جئے یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو۔"

عرب جنھوں نے اپنے آبا و اجداد کا مذہب ٹھکرا کر اسلام قبول کیا انہوں نے ان کے وہ رسم و رواج بھی ترک کر دیئے جن کی بنیاد گمنام اجتماعی ورثہ پر تھی۔

قرآن نے زندگی کے دھارے کو کامیابی سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ان کے مثالی کردار کی طرف موڑ دیا۔ مومنین اسلامی طرز سے اپنے اعمال کی مطابقت کی فکر میں کوئی بھی قدم اٹھانے میں محتاط تھے جب تک اس کی کسی واضح حکم قرآنی سے توثیق نہ ہوئی ہو یا جب تک انھیں کلی اطمینان نہ ہو جاتا کہ ان کا طرزِ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپؐ کی سیرت و کردار کے مطابق ہو گا۔ قرآن میں بار بار " یسئلونک " (وہ آپ سے پوچھتے ہیں) کا استعمال ظاہر کرتا ہے کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو اپنانے میں کس قدر ذوق و شوق رکھتے تھے۔[۱۰] مشہور مستشرق گولڈ زیہر کے مطابق " رسولؐ کی بعثت کے فوراً بعد ان کا عمل اور کردار نئی مسلم امت کے لیے سنت قرار پا گیا تھا اور قبل از اسلام کی عرب سنت ختم ہو کر رہ گئی تھی"۔ ڈنکن بی میکڈونلڈ[۱۱]، جوزف شاخت[۱۲]، مجید خدوری[۱۳]، این جے کولسن[۱۴] بھی اسی موقف کے حامی ہیں۔

اس مفروضے کے ثبوت میں کہ بعثت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجائے اس کے کہ کوئی نیا نظام عدالت قائم کرتے قبل از اسلام کا ثالثی نظام جاری رکھا۔ تیان یہ دلیل دیتا ہے: چونکہ آپؐ نے کوئی نیا قانونی نظام نافذ نہیں کیا، لہذا آپؐ کوئی نیا عدالتی نظام رائج کرنا بھی نہیں چاہتے تھے۔[۱۵] ہم نے اوپر اسلام کے مستند بنیادی ماخذ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ ایک نیا قانونی نظام نافذ کیا جس نے قبل از اسلام کے اس رسم و رواج کی جگہ لی جو ان کے آبا و اجداد کی مشترکہ مصنفی کے تصور پر مبنی تھا۔[۱۶] اور مومنوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی زندگی ان کی اپنی زندگی اور کردار کے لیے فیضان کا منبع قرار پائی یہ دینی اور تاریخی مستند شواہد تیان کے مفروضہ کی کلیتہً نفی کرتے ہیں۔

اپنے اس مفروضہ کی تائید میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از اسلام کے ثالثی نظام کی پیروی کی اور کوئی نیا عدالتی نظام قائم نہیں کیا۔ تیان نے ایک بہت غیر معقول دعویٰ کیا ہے وہ لکھتا ہے:

> "یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ قرآن کے تمام متون میں جہاں انصاف کا ذکر ہے اس کو ہمیشہ اسی ایک اصطلاح سے پکارا گیا ہے جس کا اسلام سے پہلے اس پر اطلاق ہوتا تھا۔ یعنی تحکیم " جو حتمی طور پر ثالثی نظام کا تصور دیتا ہے "[۱۷]

ہم ذیل میں تیان کے اس خود ساختہ مفروضے کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن کی بنیادی قانونی اور عدالتی اصطلاحات:

تعجب ہے کہ تیان نے قرآن میں استعمال ہونے والی بہت سی ایسی واضح اور غیر مبہم اصطلاحات کو نظر انداز کر دیا ہے جو

حکم کے مترادفات ہیں مثلاً امر، عدل، قسط اور قضا۔ وہ حکم کی اصطلاح کے معاملہ میں بھی معقولیت سے کام نہیں لیتا اس نے دانستہ اس اصطلاح کے صرف ایک معنی "ثالثی لئے ہیں"[۱۹]۔ قرآن کے مطابق یہ مفہوم کنایہ ہے۔ اصلی نہیں۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے اس اصل مفہوم کو رد کر دیا جو قرآن میں مستعمل ہے یعنی فیصلہ اور عدالتی نظام۔

تیاں جیسے مصنف یک طرفہ فیصلہ کر دیتے ہیں۔ جب وہ اسلام کی مذہبی اور اخلاقی تعلیمات پر بحث کرتے ہیں تو وہ اس کے دستوری، قانونی، عدالتی اور سیاسی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ اس کے دنیوی پہلو پر لکھتے ہیں تو اس کی مذہبی اور اخلاقی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اگر قرآن غیر جانبداری سے پڑھا جائے تو وہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے دستوری، عدالتی اور قانونی اصول انسانی زندگی کے مذہبی اور اخلاقی پہلوؤں کے ساتھ باہم مربوط ہیں اور وہ مساوی طور پر اہم ہیں۔ وہ انسان پر منصف رہنے کا مذہبی فریضہ عاید کرتے ہیں اور انصاف سے کام لینے کا اخلاقی فرض اور قانون اور عدلیہ کی پابندی کا قانونی فرض بھی عاید کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص صرف دنیوی نقطۂ نظر سے اسلام کے قانونی اور عدالتی پہلو اجاگر کرنے کی کوشش کرے اور اس کے مذہبی اور اخلاقی اثرات کو نظر انداز کر دے اور پھر ان کا دیگر نظام ہائے قانون و عدالت جو مذہب سے عاری ہیں سے مقابلہ کرے اور اپنے پہلے سے سوچے ہوئے نتائج اخذ کرے وہ یقیناً نہ اسلام سے انصاف کرتا ہے نہ اس مضمون سے جس پر وہ بحث کر رہا ہے۔

پانچ الفاظ ہیں جو قرآن میں بنیادی اصطلاحوں کے طور پر قانون اور عدالتی نظام کے تصور کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں: امر، حکم، قضا، عدل اور قسط۔

دوسرے بہت سے مرکب فقرے اور کلمات بھی ہیں جو ایک ہی مطلب ظاہر کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا بحث کے پیش نظر ضروری ہے کہ ان الفاظ کو جن اصل معنی میں استعمال کیا گیا ہے ان کا تعین کیا جائے تاکہ یہ تحقیق معنی کو واضح کر سکے اور انصاف کی نوعیت و شکل جو قرآن مقرر کرتا ہے واضح ہو سکے۔

ان اصطلاحات کو ذیل میں ایک ایک کر کے بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ (الف) امر کے معنی قانون فطرت یا حکم الٰہی کے ہیں۔ اس حکم کی تابعداری دراصل ہر مخلوق اپنے فطری تقاضے کے مطابق کرتی ہے مثلاً قرآن کہتا ہے: والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ[۲۰] سورج چاند اور ستارے اسی کے امر کے تابع ہیں۔ الا لہ الخلق والامر "تخلیق اور حکم اسی کا ہے"[۲۱]

ایسی آیات کتاب مقدس میں بہت عام ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے اس جاری اور سب پر حاوی قانون کی طرف اشارہ کرتی ہیں جس کی اطاعت ایک فطری تقاضے سے کل عالم کرتا ہے۔

(ب) "امر" شرع اسلامی کے فرامین ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے: ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ۔ "یقیناً اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے"[۲۲]۔ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامنٰت الیٰ اھلھا۔ "یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو"[۲۳]

قرآن کے بنیادی قوانین" امر" کی اصطلاح کے استعمال سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور لاتعداد حوالوں سے ایسی مثالوں کی تعداد بڑھائی جا سکتی ہے۔

ج۔ "امر" اللہ کے عام ارادہ کو ظاہر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ

"اور جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس کے عیش پسند باشندوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ لوگ وہاں شرارت کرتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔"[۲۴]

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا۔

"پس ان کو مضبوطی سے تھامو اور اپنی قوم کو اس کے بہترین احکام پر عمل کا حکم دو۔"[۲۵]

ان آیات میں پیغمبر کے ذریعہ قوموں کی ہدایت کا حکم موجود ہے۔

د۔ امر ایک سیاسی معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ[۲۶] "اور تم میں سے جو اقتدار میں ہیں۔"

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ[۲۷]

"اور ان کے معاملات کا فیصلہ ان کے درمیان مشاورت سے طے پاتا ہے۔"

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ[۲۸]

"بیشک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔"

ان آیات میں منظم دستوری حکومت کا تصور بالکل عیاں ہے کیونکہ اللہ مومنوں کو شرع کے قوانین کی پابندی کا حکم دیتا اور رسولؐ کے عمال پر ان کے نفاذ کی پابندی عاید کرتا ہے۔ اسی طرح ان آیات میں جہاں مومنین کو انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اخلاقی برتاؤ اور قانونی انصاف کو یکساں طور پر بیان کرتی ہیں۔ کیونکہ قرآن اخلاقی ترغیب کے لیے خود متعدد دوسرے الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ علاوہ ازیں، آیات کا متن ظاہر کرتا ہے کہ نظامِ عدالت کا نظریہ غالب ہے اور اللہ تعالیٰ مومنوں کو ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کا حکم دیتا ہے جس میں شرعی ضابطے بالادستی رکھتے ہوں تاکہ عوام کو صحیح انصاف میسر آسکے۔ درحقیقت اس لفظ کے دوسرے مفہوم کسی نہ کسی طرح ایک ہی بنیادی نظریہ کے محور پر قائم ہیں کہ امہ اجتماعی طور پر ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کی ذمہ دار ہے جس میں انصاف قائم ہو اور مجرم اور غلط کار بچ کر نہ جا سکیں۔

۲۔ حکم (آرڈر): یہ لفظ بھی قرآن میں اپنے بہت سے مشتقات کے ساتھ کثرت سے استعمال ہوا ہے:۔

الف۔ اس کے معنی عالمی قاعدہ اور حاکمیت الٰہی کے ہیں وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا[۲۹] "اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔"

وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ[۳۰]

"اور تو تمام منصفوں سے زیادہ منصف ہے۔"

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ[۳۱]
"حکم تو صرف اللہ کا ہے۔" اور ایک بار پھر اسی سورۃ میں:
اَلَا لَہُ الْحُکْمُ ۥ وَھُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ[۳۲]
"خوب سن لو حکم اللہ ہی کا ہو گا اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔"
مندرجہ بالا آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ خدا تمام مخلوق پر حکومت کرتا ہے۔ اور یہ کہ اس کی حکومت اس معنی میں قطعی ہے کہ تمام عناصر فطرت کا وجود اللہ کے اٹل قانون کی تابعداری کے ساتھ وابستہ ہے۔

ب۔ حکم کی اصطلاح احکامات الٰہی کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے:

ا۔ ذٰلِکُمْ حُکْمُ اللّٰہِ[۳۳]
"یہ اللہ کا حکم ہے۔"

اا۔ وَعِنْدَھُمُ التَّوْرٰۃُ فِیْھَا حُکْمُ اللّٰہِ۔[۳۴]
"ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے۔"

ااا۔ وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنٰہُ حُکْمًا عَرَبِیًّا۔[۳۵]
"اور یوں ہم نے اسے نازل کیا، عربی میں حکم۔"

اv۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ۔[۳۶]
"یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے کتاب دی اور اقتدار اور نبوت دی تھی۔"

ان آیات میں لفظ حکم شرع کے قوانین کو ظاہر کرتا ہے۔ جو ایک مقتدر حکومت کے تحت روبہ عمل آتے ہیں۔

ج۔ یہ عقل و حکم کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے:

ا۔ وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا[۳۷]۔ "اور ہم نے اسے بچپن ہی میں عقل و فہم عطا کی۔"

اا۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا[۳۸]۔ "اور جب وہ سن بلوغت کو پہنچے، ہم نے انھیں حکمت اور علم دیا۔"

دراصل عقل و دانش ایک ایسی خصوصیت ہے جو ایک شخص کو صحیح اور غلط کو الگ الگ سمجھنے کے قابل بناتی ہے۔ اس لئے کسی حاکم یا ایسے شخص کے لئے جو لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہو یہ خوبی لازمی ہے خواہ وہ اپنے فرائض اخلاقی طور پر ادا کرے خواہ قانونی طور پر۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن تمام انبیاؑ کو اس صفت سے متصف قرار دیتا ہے جو اللہ نے انھیں عطا فرمائی تھی۔

ااا۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔[۳۹]
بیشک ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح احکامات دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور انصاف کرنے کے حکم کو بھی نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔

د۔ یہ خالصتاً قانونی اصطلاح کے طور پر فیصلے کرنے، لوگوں کے درمیان تنازعے طے کرنے اور انصاف نافذ کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے:

i ۔ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا۔ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ۔[۴۰] بیشک اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کر دو اور یہ کہ جب لوگوں کے درمیان تصفیہ کیا کرو تو عدل سے تصفیہ کیا کرو۔

ii ۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔[۴۱] پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک کہ یہ ان کے آپس میں واقع ہونے والے جھگڑے میں آپ سے تصفیہ نہ کرائیں پھر آپ کے اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اسے پورا پورا تسلیم کریں۔

iii ۔ سَمّٰعُونَ لِلْكَذِبِ أَكّٰلُونَ لِلسُّحْتِ ۔ فَإِنْ جَآءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ[۴۲] جھوٹی باتیں سننے کے عادی لوگ بڑے حرام کے کھانے والے ہیں۔ اگر یہ لوگ آپ کے پاس آویں تو آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں۔

یہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض عدالت بیان کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین ایک محکم نظام قائم کریں جس میں قانون الٰہی کی اطاعت ہو اور حصول انصاف کے لیے باقاعدہ ادارہ قائم ہو۔ علماء نے اکثر اس مسئلہ کو الجھایا ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ بہت سے شرعی قوانین جن کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے ریاست کے دائرہ اختیار میں نہیں آتے۔ یہ درست نہیں۔ قرآن کے مطابق اسلامی ریاست مومن کے افعال کا محاسبہ کر سکتی ہے اس لئے قرآن کے احکام قدرتاً ریاست کے دائرۂ اختیار اور حکم میں آتے ہیں۔ دراصل اسلامی ریاست اپنے باشندوں کی اخلاقی فلاح پر جتنا زور دیتی ہے ان کی اقتصادی فلاح کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتی ہے۔

۳۔ عدل۔ قرآن میں عدل کا لفظ مختلف مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں ہم ان کے اہم مفاہیم درج کرتے ہیں۔

۔ عدل کے معنی مکافات اور جزا کے ہیں۔ قرآن جب یوم آخرت کا ذکر کرتا ہے جس روز اللہ تعالیٰ میزان قائم فرمائیں گے۔ اور انسانوں کے اعمال کا فیصلہ حقیقت حال کے مطابق کریں گے تو اس لفظ کو عموماً انھیں معنی میں استعمال کرتا ہے۔ اس وقت کوئی شفاعت کوئی دوستی کسی کام نہ آئے گی۔ اس دنیا میں تین چیزیں انصاف میں حائل ہو سکتی ہیں: دوستی، سفارش اور معاوضہ لیکن یوم آخرت ان میں سے کوئی بھی ذرا بھر کام نہ آئے گی۔ مندرجہ ذیل آیات اس عقیدہ کو پوری طرح واضح کر دیں گی:

ا۔ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝[۴۳]

اور ڈرو ایسے دن سے کہ نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش

قبول ہوگی اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان لوگوں کی طرفداری چل سکے گی۔

ii۔ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ[44]

اللہ کے سوا اس کا نہ کوئی مددگار رہوگا نہ سفارشی اور یہ کیفیت ہوگی کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جائے گا۔

ب۔ عدل، برابر کرنے کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ توحید، قرآن کا بنیادی نظریہ ہے۔ وہ اس شخص کو ملامت کرتا ہے جو کسی دوسری شے کو اللہ کے برابر خیال کرے۔ کتاب اللہ میں خدا واحد و برتر کا تصور واضح ہے۔ دراصل پوری وحی اسی ایک نکتہ کی تفسیر ہے اس لیے قدرتی طور پر قرآن غیر مصالحانہ الفاظ میں بت پرستوں کو ملامت کرتا ہے جیسے کہ مندرجہ ذیل آیات میں:

i۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۗ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝[45]

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا پھر بھی کافر اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔

ii۔ والذین لا یومنون بالآخرۃ وھم بربھم یعدلون[46]

اور جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ دوسروں کو اللہ کے برابر ٹھیراتے ہیں۔

اللہ کا شریک اور برابر ٹھیرانے کی مذمت و ملامت اس لفظ کے استعمال سے بیان کی گئی ہے۔

ج۔ عدل کے معنی حق سے انحراف کے ہیں۔ قرآن میں یہ لفظ ایسے شخص کی مذمت کے لئے استعمال ہوا ہے جو پست خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور دانستہ راہ حق سے ہٹتا ہے۔ جیسے درج ذیل آیت میں بیان ہوا ہے۔

i۔ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ[47]

سو تم خواہش نفس کا اتباع نہ کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ۔

یہ ہٹ جانا راہِ حق سے بھٹک جانا ہے جو خواہشات نفس کے پیچھے دوڑنے کا فطری نتیجہ ہے۔ اگر کوئی قاضی خواہشات نفس کا شکار ہے اس سے صحیح فیصلہ کی توقع نہیں ہوسکتی۔ اس لیے قرآن یاد دہانی کراتا ہے ان لوگوں کو جو دوسروں کے معاملات کی سربراہی کرتے ہیں کہ وہ نفس کے اشاروں پہ نہ چلیں ورنہ وہ حق اور انصاف سے بھٹک جائیں گے۔

یہ لفظ ایک اور لفظ صراطِ مستقیم کے معنی کو بیان کرتا ہے۔ جیسے مندرجہ ذیل آیت میں:

ii۔ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝[48]

جو عدل اور انصاف کا حکم دیتا ہے وہ صراط مستقیم پر ہے۔

د۔ یہ فطری انصاف کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ منصف ہے۔ اس نے ہر چیز انصاف اور یگانگت پر بنائی ہے۔ اس کی تخلیق میں کوئی چیز بیکار یا غلط نہیں۔ مثلاً:

i - "الذی خلقک فسوّٰک فعدلک" ۴۹

اس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے درست کیا پھر تجھے برابر کیا۔

ii - وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا - ۵۰

آپ کے رب کا کلام پورا ہوا صدق اور عدل کے ساتھ۔

ان آیات میں یہ لفظ کائنات میں فطری انصاف کے معنی ظاہر کرتا ہے۔

(ھ) اس لفظ کا ایک مفہوم شخصی انصاف کا ہے۔ جب قرآن انسان کو کائنات کے متعلق تفکر کی دعوت دیتا ہے اور کل عالم میں جاری فطری انصاف پر غور کرنے کو کہتا ہے تو وہ اسے اپنے ذاتی معاملات میں دوسروں کے ساتھ انصاف کرنے کو بھی کہتا ہے۔ مثلاً مومن کو ایک وقت میں چار بیویوں کی اجازت دیتے وقت وہ اس کو اس متوقع نا انصافی سے آگاہ کرتا ہے جو وہ کر سکتا ہے۔ اس لیے اسے صرف ایک بیوی پر قناعت کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

i - فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۚ ۵۱

اگر تم کو خدشہ ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی سے شادی کرو یا وہ لونڈی جو تمہاری ملکیت میں ہو وہی کافی ہے۔ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم بے انصافی کر بیٹھو۔

ii - وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ ۵۲

اگر تم چاہو بھی تو بیویوں کے درمیان انصاف نہیں کر سکو گے۔ تو تم ایک سے مکمل طور پر دل نہ پھیر لینا کہ تم اسے ادھر میں لٹکا چھوڑ دو۔

ان آیات میں لفظ عدل کا مرکزی تصور یہ ہے کہ انسان یقیناً غلط راہ پر چل کر خود کو نقصان پہنچا سکتا ہے پس اسے اپنی اغراض کو انصاف اور حق کے دائرہ میں رہتے ہوئے پورا کرنا چاہیے۔

و - یہ خالص انصاف کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے :

i - وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۚ ۵۳

اور موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے مطابق انصاف بھی کرتے ہیں۔

ii - اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ - ۵۴

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

یہ آیت مومنوں کو انسانی معاملات میں انصاف کرنے کا ایک عام حکم دیتی ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ انصاف کرنے کو بھلائی کرنے کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ اس حکم کے تحت لازمی ہے کہ مومنین اپنی ذاتی اور سرکاری دونوں حیثیتوں میں انصاف کریں۔

iii - وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ - ۵۵

اور تم میں سے جو شخص اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس کی پاداش اس جانور کے مساوی ہوگی جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر افراد کریں گے ۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ ایک عدالت قائم ہوگی جس میں مسلم امت میں سے دو انصاف پسند افراد فیصلہ کریں گے ان جانوروں کے متعلق جو مجرم پاداش میں دے گا ۔

۱۱- وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى[۵۶]

جب تم بولو تو انصاف کرو خواہ وہ تمہارے عزیز کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

یہاں کہا گیا ہے کہ مسلم امہ کے ہر فرد کو اتنا راست باز ہونا چاہیے کہ رشتہ داری اسے راہِ حق سے نہ ہٹا سکے۔ انصاف اور سچ اسلام میں بنیادی اصول ہیں اور انہیں رشتہ داری پر قربان نہیں کیا جاسکتا ۔

یہ آیت قرآن میں سب سے واضح نشانی ہے کہ مسلم معاشرہ میں ایک باقاعدہ عدالتی نظام ہونا چاہیے جو لوگوں کی شکایات اور تکالیف کو نبٹانے اور انھیں ان کے حقوق حاصل کرنے کے لیے دادرسی فراہم کرے۔ انصاف کے قانونی تصور پر یہاں اس قدر زور دیا گیا ہے کہ اگر سچائی ثابت کرنے کے لیے اس کی ضرورت ہو تو مومنین کو عدالت میں اپنے قریب ترین رشتہ دار کے خلاف بھی گواہی دینے کا حکم دیا گیا ہے ۔

۱۲- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا[۵۷]

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے لیے پابندی سے انصاف کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو حق پر عمل کرنے سے نہ روک دے۔ عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

یہاں یہ لفظ اخلاقی، انفرادی اور قانونی انصاف کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہے اپنے بندوں کے لیے کہ وہ ہر حال میں انصاف پر چلیں یہاں تک کہ اپنے بدترین دشمن کے معاملہ میں بھی۔ یہاں انصاف کو خوف خدا کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔ دراصل قرآن انسان کے لیے اپنے پیغام کے دوران انصاف کی مختلف خوبیاں اور شکلیں بیان کرتا ہے۔

۱۳- لفظ عدل صلح کرنے اور انصاف قائم کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے :

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ[۵۸]

اور اگر ایمان والوں میں سے دو گروہ جھگڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح کرا دو پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ اگر وہ رجوع کر لے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

یہ آیت اسلام میں عدالتی نظام کے ایک بنیادی اصول کو بیان کرتی ہے۔ انسانوں کے درمیان اختلافات فطری چیز ہے مگر بعض اختلافات حق اور صداقت پر مبنی ہوتے ہیں اور بعض جھوٹ اور تعصب پر۔ ایسی صورت میں ایمان والوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ حق کی طرفداری کریں۔ ان کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ صرف ان کی طرفداری کریں جو راہ حق پر ہوں۔ انھیں چاہیے کہ ہر قسم کا دباؤ جو ان کے بس میں ہو غلط راہ پر چلنے والے گروہ کے خلاف استعمال کریں حتیٰ کہ وہ انصاف پر آجائیں۔ یہ ایک جامع آیت ہے جو پوری امت مسلمہ پر حاوی ہے۔

"اِلٰی اَمْرِ اللہ" (اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف) اس آیت کا بہت اہم فقرہ ہے۔ یہ آیت ایک مربوط سماج اور مکمل سیاسی ریاست جو احکام الٰہی پر مبنی ہو کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ ایمان والوں کی ایک جماعت اسلامی مؤثر پر ریاست کو چلا رہی ہے لیکن دوسری جماعت آتی ہے جو حکومت کرنے والوں کا تختہ الٹنا چاہتی ہے۔ ایسے موقع پر ایمان والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس گروہ کی مدد کریں جو راہِ حق پر ہو اور اس کے مخالفین کو ملامت کرے۔ اس آیت کی ایک اور تفسیر بھی ہے یعنی ایمان والوں کے دو گروہ ہیں جو سیاسی اقتدار کے لیے کشمکش کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں اکثریت کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ راہِ راست پر چلنے والے گروہ کی مدد اور حمایت کریں اور غلط راہ والوں کی مذمت کریں۔ اور انھیں اپنی کوششیں اس وقت تک جاری رکھنا چاہئیں جب تک کہ اللہ کے احکام نافذ ہو جائیں۔

۴۔ قضاء لفظ قضاء مختلف معنی ظاہر کرتا ہے اور قرآن میں مختلف مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً یہ مار ڈالنے، موت، فیصلہ، مدت پوری کرنے وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ذیل میں ہم اس کے بعض اہم استعمال کا مطالعہ کرتے ہیں۔

الف:۔ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ[59]

پس موسیٰ نے اسے مکا مارا اور اسے مار ڈالا۔

اس لحاظ سے یہ آیت بالکل واضح ہے۔ ایک مصری نے ایک اسرائیلی کے خلاف جرم کیا۔ حضرت موسیٰؑ یہ برداشت نہ کر سکے پس آپ نے مصری کو ایک ضرب لگائی اور اسے مار ڈالا۔

ii۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ۔[60]

اللہ تعالیٰ انسانوں کی جان ان کی موت کے وقت لے لیتا ہے اور جو نہیں مرے ہوتے ان کی جان ان کی نیند کے دوران لے لیتا ہے۔ پھر وہ ان جانوں کو اپنے پاس روک لیتا ہے جن کے لیے اس نے موت کا حکم صادر کر دیا ہوتا ہے۔ یہ آیت بھی ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی روح لے جاتا ہے اور اس تصور کو ظاہر کرنے کے لیے لفظ قضاء استعمال کیا گیا ہے۔

ب۔ یہ موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ[61]

مومنوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ اللہ سے کئے ہوئے عہد میں سچے ہیں پس ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی قسم (عہد) پوری کر چکے (اور اس راہ میں مر گئے) اور بعض اُن میں سے ایسے ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں۔

اس آیت کا مطلب ہے کہ بعض مومن حق کی راہ میں شہید ہو گئے جبکہ دوسرے اسی راہ میں جان دے ڈالنے کے لیے بے چینی سے انتظار کرتے رہے۔

ج۔ قضا فطری قانون اور اللہ کے فیصلے کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے:

وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔[۶۲]

جب وہ کسی کام کو کرنے کا فیصلہ کر لیتا تو اسے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔

یہ آیت واضح طور پر اللہ کے فطری قوانین کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ الٰہی فیصلہ بھی ظاہر کرتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے وہ کیا چاہتا ہے اور اس کے فیصلے کسی مشورہ کے محتاج نہیں اور اسے سوچنے کے لیے وقت بھی درکار نہیں بلکہ جو وہ چاہتا ہے فوراً ہو جاتا ہے۔

د۔ یہ مدت پوری کرنے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا۔[۶۳] جب موسیٰ یہ مدت پوری کر چکے اور اپنی بیوی کو لے کر روانہ ہوئے تو انہوں نے پہاڑ کے ایک طرف آگ دیکھی۔

حضرت موسیٰؑ نے پیغمبر حضرت شعیبؑ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک مقررہ مُدت تک ان کی خدمت کریں گے یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ موسیٰؑ نے مقررہ مدت پوری کی اور اس کے ختم ہونے پر وہ اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔

ھ۔ یہ "جنسی تسکین" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا۔[۶۴]

جب زید پوری کر چکا اس سے اپنی غرض

اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا[۶۵]

جب وہ ان (بیویوں) سے اپنی جنسی غرض پوری کر چکے۔

یہ مفہوم واضح ہے اور کسی تشریح کا محتاج نہیں۔

(و) مندرجہ ذیل آیات میں لفظ قضا خالصتاً قانونی اور سیاسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ۔[۶۶]

پس اپنا معاملہ طے کرو اور اپنے ساتھیوں کو جمع کر لو۔ پھر اپنی راہِ عمل کو مشکوک و مشتبہ نہ ہوتے دو۔ پس اس کو پورا کرو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔

ان آیات میں پیغمبر خدا حضرت نوحؑ اپنے مخالفین اور ان کے سیاسی اقتدار کو للکار رہے ہیں۔ وہ ان کی دھمکیوں سے خوفزدہ

نہیں اور کہتے ہیں "پس اپنے ساتھیوں کو جمع کرو اور اپنا معاملہ طے کر لو" اور ان مخالفین نے درحقیقت اپنے اصلی حال میں اپنی راہ عمل طے کر لی اور تھوڑے عرصے بعد انہوں نے اس فیصلے کے مطابق ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ خالصتہً ایک سیاسی اور قانونی فیصلہ تھا جس کو اس وقت کی ریاست نے اپنے خیال میں ایک باغی کے خلاف نافذ کیا۔

(ii) فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ط اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۶۷

پس جو تجھے کرنا ہے فیصلہ کرلے۔ تم صرف اس دنیا کی زندگی میں ہی فیصلہ کرسکتے ہو۔

ایک بار پھر یہ فرعون کی منظم ریاست کے خلاف بغاوت تھی۔ جب کھلے میدان میں جادوگروں نے جادو کے جھوٹ ہونے کا احساس کر لیا اور حقیقت ان پر روشن ہوگئی انہوں نے حق قبول کر لیا اور وہ معاہدہ جو ان کے اور فرعون کے درمیان تھا اسے ٹھکرا دیا۔

یہ سربراہ ریاست کی بہت سخت توہین تھی اور ملک کے قانون کی بھی تذلیل تھی۔ لہٰذا ان کے اعلان پر فرعون نے کہا:

(iii) قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۶۸ " اس نے کہا تم اس پر ایمان لے آئے پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا۔"

انہوں نے جواب دیا۔ "قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا" ہم تم کو اس پر ترجیح نہیں دے سکتے جو واضح دلائل ہمیں ملے ہیں اور بمقابلہ اس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا۔

اس آیت میں لفظ قضاً قانونی انصاف کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ باغیوں نے ریاست کو للکارا تھا اور ریاست کو ان کے خلاف ملک کے قانون کے مطابق کارروائی کرنا تھی۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ؛

"اور ہر امت کے لئے ایک حکم پہنچانے والا ہے۔ سو جب ان کا وہ رسول (ان کے پاس) آچکتا ہے اور احکام پہنچا دیتا ہے تو ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔

اس آیت کے مطابق دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس کے پاس رسولؐ نہ بھیجا گیا ہو۔ پھر یہ رسول کے فرائض بھی واضح کرتا ہے جو دنیا میں امن و امان اور لوگوں کے حقوق جان اور مال کی حفاظت کے لیے انصاف قائم کرنا ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انصاف کا قیام رسالت کا سب سے اہم منصب ہے کیونکہ ہر رسول کو لوگوں کے درمیان انصاف قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔

(iv) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ؕ

"کسی ایمان دار مرد اور کسی ایماندار عورت کو جبکہ اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے (حکم دے دے) اپنی مرضی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ گنہگار ہوگا اور صریح گمراہی میں پڑ جائے گا۔"

یہ آیت نہایت واضح اور واشگاف الفاظ میں عدلیہ کے سربراہ کی حیثیت سے رسول کے اختیارات بیان کرتی ہے۔ یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ہر قیمت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو قبول کیا جائے۔ تمام مؤمنین کا فرض ہے کہ آپ کی فرمانبرداری کریں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ اور حکم سے سرتابی کرے اسے جان لینا چاہیے کہ اپنے لیے اللہ کے غضب کو دعوت دے رہا ہے اور

وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے خارج ہو جاتا ہے۔

(۴) فلا وربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما[۲]

"تمہارے رب کی قسم (یہ ایمان لانے والوں میں سے نہیں جب تک یہ اپنے تنازعوں میں آپ کو جج نہ بنالیں جو آپ فیصلہ فرما دیں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کو کاملاً قبول کریں۔"

یہ آیت ایک بار پھر سب سے اعلیٰ جج اور مومنوں کے اخلاقی رہنما کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار تسلیم کرتی ہے۔ آپ کے تمام فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم ہونا چاہیے اور تمام مومنوں کو آپ کے عدالتی اور مذہبی معاملات میں اقتدار و حیثیت کے آگے سر جھکانا چاہیے۔ آپ کے فیصلے قبول کرنا ایمان کا جزو ہے اور جو آپ کے فیصلوں پر بغیر دلی تسلی کے سر جھکائیں اپنے آپ کو اللہ اور رسولؐ پر ایمان لانے والے نہیں کہہ سکتے۔ ان کے دعویٰ کی سچائی صرف اسی وقت ثابت ہو سکتی ہے جب وہ دل و جان سے آپ کے فیصلے قبول کریں۔

یہ آیت قرآن میں انصاف کے عدالتی قیام کا واضح ثبوت ہے۔ مندرجہ بالا عدالتی اصولوں کے نفاذ کے لیے یہ تاریخی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درحقیقت ایک ریاست قائم کی تھی اور اس کے عدالتی مناصب کی صدارت کی تھی۔ قرآن کے مطابق رسول اللہؐ مومنوں کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں بہترین مثال ہیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا[۳]

"تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ میں ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔"

یہ آیت قرآن میں ایسی جگہ واقع ہے جہاں اہم اخلاقی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ تب ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجموعی مثال پیش کر سکتے تھے جب وہ تمام معاشرہ پر قابو رکھتے جس پر وہ حاکم اعلیٰ کے طور فرمانروائی کرتے تھے۔ قدرتی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اس ریاست کے عدلیہ کے سربراہ بھی تھے اور آپ کے فیصلے ماننا ضروری تھا خواہ وہ بطور نبی ہوں خواہ بطور چیف جسٹس۔

(۵) قسط: قرآن کا پانچواں لفظ جو انصاف کے معنی دیتا ہے قسط ہے یہ بھی مختلف مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔

(الف) یہ کاروباری انصاف اور دیانت کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے:۔

(i) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا[۴]

اور جب ناپ تول کرو تو پورا ناپو اور صحیح ترازو سے تول کر دو۔ یہ اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

(ii) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ[۵]

اور ناپ تول پورا پورا کیا کرو۔

(iii) وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ[۶]۔

اے میرے اہل قوم! تم ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو۔

(۱۷) وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۔

اور قیامت کے روز ہم میزانِ عدل قائم کریں گے سو کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

یہ آیات صحیح اور درست لین دین پر زور دیتی ہیں خصوصاً روزمرہ کی تجارتی زندگی میں جہاں چیزیں وزن اور پیمانہ سے فروخت ہوتی ہیں۔

(ب) یہ ترازو کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۔

اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اسی طرح فرشتے اور علم والے بھی جو عدل کے ساتھ انصاف کرنے والے ہیں۔

یہاں پر قَآئِمًا بِالْقِسْطِ کا فقرہ ان کے لیے استعمال ہوا ہے جو آسمانی کتاب کا سچا اور عمدہ علم رکھتے ہیں اور متوازن ذہن والے ہیں۔ یہی صحیح لوگ ہیں کیونکہ یہ انتہا پسند نہیں۔ اپنے ذہنی توازن کی بنا پر وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں پس وحدانیت الٰہی پر ایمان متوازن ذہنیت کا نتیجہ ہے۔

(ج) اس کے معنی مکمل انصاف کے ہیں۔ یہ معنی قرآن میں بہت سے الفاظ سے ظاہر ہے۔ لفظ قسط ان میں منفرد ہے یہ تنہا مکمل اور بھرپور انصاف کا تصور دیتا ہے۔

(د) یہ اکثر ناپ، پیمائش اور تول کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو انصاف کے قیام کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس لفظ کو روزِ آخرت لوگوں کے اعمال جانچنے اور انصاف کرنے کے لیے استعمال کیا ہے[۱۷]۔

یہ اس مفہوم میں قرآن میں ہر جگہ استعمال ہوا ہے۔

(ا) اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۔

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان کو بھی جو انسانوں میں قیام انصاف کا حکم دیتے ہیں۔

(ا) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ[۱۸] ۔

اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے ہو جاؤ۔ اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے خواہ وہ تمہارے اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو یا تمہارے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے۔

تیاں کے نظریات پر تبصرہ

مندرجہ بالا تفصیلی مباحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ لفظ تحکیم ایسی اصطلاح نہ تھی جو قرآن اور سنت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے عدالتی نظام پر لاگو ہو۔ یہ اصطلاح اس شکل میں قرآن میں استعمال ہی نہیں ہوئی۔ بنیادی لفظ حکم کے مختلف مشتقات جو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں اصلاً فیصلہ، قانونی تصفیہ اور عدالتی نظام کے معنی رکھتے ہیں۔ اگر کہیں یہ ثالثی کے معنی میں استعمال ہوا ہے تو بطورِ کنایہ ہوا ہے۔ دوسری اصطلاحات مثلاً امر، عدل، قسط اور قضاً بھی قانونی فیصلہ اور عدالتی نظام کے معنی میں استعمال ہوئی ہیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کردہ عدالتی نظام قرآن سے ماخوذ ہے لہٰذا وہ یکساں طور پر مذہبی اخلاقی اور قانونی انصاف پر زور دیتا ہے جو اسلامی نظام عدالت کی خاص صفت ہے۔

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلط کاروں اور مجرموں سے نپٹنے اور عدالتی فیصلے نافذ کرنے کے حکومتی اختیار کا تعلق ہے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ تیاں نے دانستہ قرآن کی ان واضح اور غیر مبہم آیات کو نظر انداز کر دیا ہے یا انھیں غلط معنی پہنائے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت عامہ سے متعلق ہیں۔ قرآن کے ایک صریح ضابطہ میں فریقین مقدمہ کو لازمی طور پر اپنے تمام مقدمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے[۸۲] اپنے تنازعے ان کے سامنے پیش کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں حاضر ہونا دین اسلام قبول کرنے کی اولین شرط تھی[۸۳] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بطورِ جج حکم عدولی یا سرتابی کی صورت میں وہ مومن نہیں رہتے تھے[۸۴] دین سے خارج ہونا تیاں جیسے منکر اسلام کی نظر میں ایک سزا نہ ہو لیکن مومنین کے لیے اس سے بڑی کوئی سزا نہیں۔ جدید قانونی اصطلاح میں اس کے معنی ہوں گے قومیت اور شہریت سے محرومی اور ملک و قوم سے جلا وطنی۔ یہی سزا ان کے لیے مقرر کی گئی تھی جو آپ کے عدالتی فیصلے تسلیم نہ کرتے۔ "پھر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرتے آپ کے فیصلہ کے متعلق اور کاملاً سر تسلیم خم کر دیتے ہیں[۸۵]" مخصوص عدالتی فیصلوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات جو آپ کے عدالتی حکم سے نافذ کئے گئے ان کا حوالہ پہلے ہی "تفتیش اور کارروائی" اور "عدالتی فیصلوں کا نفاذ" کے تحت دیا جا چکا ہے۔ ان میں سے بعض کا حوالہ مزید مثال کے لیے دیا جاتا ہے: عبداللہ بن سہل کے مقدمہ قتل میں ملزموں کو عدالت کا تحریری حکم بھیجا گیا تھا کہ وہ یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ قبول کریں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں (انما ان یوذنوا بحرب[۸۶])

"قانون شکنوں اور مجرموں کے خلاف پولس اور فوج کی قوت استعمال ہوتی ہے مندرجہ بالا مقدمہ میں عدالت نے اپنا حکم جنگ کی تنبیہ کے ساتھ بھیج دیا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدالتی منصب اور حاکمیت سے سرتابی کی جاتی۔ تو یقیناً حکومت اپنی طاقت استعمال کرتی۔

قیسؓ بن سعد، اُنیسؓ اور ابو بردہؓ کے تقرر پر تفتیش اور کارروائی کے سلسلہ میں بحث ہو چکی ہے اور ملزم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش کرنے کے عدالتی طریق کار کو بیان کیا جا چکا ہے[۸۷] کھجور کے وہ درخت جو نقصان دہ تھے جن کے خلاف آپؐ کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدالتی حکم پر کاٹ ڈالے گئے تھے اور ایک انصاری دہقان کو سزا دی گئی جس نے عدالتی فیصلہ کی حکم عدولی کی تھی[۸۸]

تیاں کی من گھڑت اس سے ثابت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل از اسلام کے ثالثوں سے تقابل کرتے وقت رسول اللہ کے منصب اور اختیارات رسالت کا ذکر نہیں کرتا۔ اس طرح اس نے آپؐ کو بڑی ہوشیاری سے

آپ کے سب سے بڑے اور بنیادی منصب رسالت سے علیحدہ کر دیا اور آپ کو ایک ایسے عام عرب کی حیثیت دے دی جس کی خواہش تھی کہ اس کے اہل ملک اس کو عرب کے کسی دوسرے ثالث کی طرح ثالث تسلیم کر لیں یہ تیان کا دیانت دارانہ فیصلہ نہیں۔ بلکہ حقائق سے چشم پوشی کر کے من گھڑت مفروضہ پیش کرنے کی غیر علمی کوشش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے پہلے ہی ایک ثالث کی مسند پر بٹھا دیا تھا۔ اس حیثیت سے آپ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے سلسلہ میں حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے پر قریش کے مشہور تنازعہ کا فیصلہ کیا[۸۹]۔ بعثت کے ساتھ آپ کو ایک ایسی مذہبی و سیاسی حیثیت حاصل ہو گئی جو اس سے قبل عرب میں کسی کو حاصل نہ تھی اس حیثیت کو ایک ثالث کے برابر تصور کرنا ناانصافی ہے۔ عرب کے لوگ ثالثوں کے فیصلے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں تھے جبکہ مومنین کا مذہبی تقاضا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار کو تسلیم کریں اور آپ کے عدالتی فیصلوں کو قبول کریں۔ غیر مومن جو آپ کا سیاسی اقتدار تسلیم کرتے ان کی یہ سیاسی ذمہ داری تھی کہ وہ بھی آپ کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔ کیا تیان قبل از اسلام کے کسی ثالث کی مثال پیش کر سکتا ہے جس کے مذہبی اور سیاسی ماننے والے ہوں اور جن کے ایمان کی پہلی شرط اس کے قانونی اور عدالتی اقتدار کو تسلیم کرنا ہو؟ ہرگز نہیں۔ پس تیان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قبل از اسلام عرب کے ثالث سے مقابلہ کرنا اور آپ کے قائم کردہ عدالتی نظام کا تقابل اس ثالثی نظام سے کرنا جو عرب میں رائج تھا بالکل بے بنیاد اور قوتِ قائلہ سے یکسر عاری ہے۔

علی عبدالرازق کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تیان نے ایک اور حیرت انگیز نظریہ قائم کیا ہے مفروضہ یہ ہے کہ صوبوں کا عدالتی نظام اور صوبائی ججوں کا تقرر مشتبہ ہے[۹۰]۔ یہ نظریہ دو بنیادی نکات کے گرد گردش کرتا ہے۔ اولاً حضرت علیؓ، معاذؓ اور ابوموسیٰؓ الاشعری جیسے ججوں کے سپرد ایک سے زائد فرائض تھے۔ ثانیاً ضلعی اور صوبائی ججوں نے کبھی کوئی مقدمہ مشورہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں بھیجا جیسا کہ عمرؓ کے تقرر سے اخذ ہوتا ہے۔ ”صوبوں کا عدالتی نظام“ کے حصہ میں صوبائی ججوں کے تقرر پر طویل بحث ہو چکی ہے۔

حالات کا غلط اندازہ لگاتے ہوئے ججوں کو ایک سے زیادہ فرائض سونپنے کے متعلق جان بوجھ کر الجھن پیدا کی گئی ہے۔ اول تو کسی عامل کے تمام فرائض کسی ایک بیان کرنے والے نے ایک حدیث میں بیان نہیں کئے۔ مختلف افراد نے ان کو مختلف موقعوں پر بیان کیا ہے۔ جدید نقادوں نے ان فرائض کو مختلف اشخاص اور بیانات سے اکٹھا کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ تمام فرائض انھیں بیک وقت تفویض کئے گئے تھے۔ یہ دانستہ طور پر مواد کو اپنے نظریہ کے مطابق چھانٹنے اور جمع کرنے اور اس طرح مسئلہ کو الجھانے کے مترادف ہے۔ ورنہ اگر تمام تاریخی مواد کا جائزہ لے کر ان فرائض کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو یہ آئینہ کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تمام فرائض انھیں بیک وقت نہیں سونپے گئے تھے۔ مختلف اوقات میں انھیں مختلف فرائض سونپے گئے۔ یمن میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی مثال لیجیے۔ ایک مرتبہ وہ یمن میں فوج کے کمانڈر مقرر کئے گئے۔ انھیں سرکاری مالیہ جمع کرنے اور وصول کرنے کے اختیارات حاصل تھے۔ ایک اور موقع پر انھیں یمن میں جج مقرر کیا گیا اور شریعت کے عالم اور ماہر ہونے کی وجہ سے وہ یمن کے لوگوں کو مذہبی اور قانونی تعلیم دیتے تھے[۹۱]۔ اگر کوئی شخص مختلف مواقع اور ان سے متعلق ذمہ داریوں کی تخصیص کئے بغیر ان تمام مناصب کو یکجا کر دے اور کہے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ علیؓ کو کمانڈر فوج، مالیہ اکٹھا کرنے، قرآن پڑھانے اور ایک صوبہ کے جج کے فرائض بیک وقت

سونپے گئے تھے اور اس کو ایک مشتبہ تقرر کہے تو ایک جدید نقاد کی طرف سے یہ حقائق کو مسخ کرنے کی ضد محض ہوگی۔
اگر کسی عامل کو ایک سے زیادہ فرائض سونپے جائیں تو یہ انتظامیہ کی تشکیل اور طرزِ عمل کے منافی نہیں۔ بیسویں صدی کا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی مالیہ جمع کرنے، امن وامان قائم رکھنے اور مقدمات و تنازعات طے کرنے کے فرائض ادا کرتا ہے۔ مختلف مواقع پر خاص فرائض بھی اس کے سپرد کئے جاتے ہیں تاکہ مختلف صورتِ حال سے نبرد آزما ہوا جا سکے۔ اگر یہ بیسویں صدی کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے لیے ضروری ہے تو یہ ساتویں صدی کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے لیے اور زیادہ ضروری تھا۔ حضرت عمرؓ کے تقرر (جس کا ذکر الترمذی نے ابن عمر کی زبان سے بیان کیا) کی مشتبہ نوعیت ثابت کرنے کے لئے تیال نے دراصل ایک چیلنج دیا ہے اور ساتھ ہی ایک بہت ہی تعجب انگیز دعویٰ کیا ہے وہ کہتا ہے:

"اولاً ایک شخص اس داستان کے بارے میں کہہ سکتا ہے کہ کسی حدیث حتیٰ کہ بظاہر مشتبہ حدیث میں بھی کوئی ایسا مقدمہ بیان نہیں کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مبینہ طور پر ان کے مقرر کردہ کسی جج نے ان مشکلات کے حل کے لیے جو اسے اپنے فرائض کی ادائیگی میں پیش آئی ہیں۔ آپؐ سے رجوع کیا ہو۔ مزید برآں حدیث کوئی مخصوص مقدمہ بیان نہیں کرتی جس میں رسول اللہ پر لائی ہوئی حضرت جبرئیل کی وحی کے ذریعہ حل فراہم ہوئے ہوں۔"[92]

تیال کے مندرجہ بالا دعویٰ پر بغیر کسی تبصرہ کے ایک مقدمہ (جس کا گذشتہ صفحات میں پہلے ہی حوالہ دیا جا چکا ہے) اس کی اہمیت کے پیشِ نظر پھر بیان کیا جاتا ہے۔ یہ تیال کے باطل نظریہ کا کافی رد فراہم کرتا ہے اور اس کے موقف کے کھوکھلے پن کو پوری طرح بے نقاب کرتا ہے۔ عتاب بن اسید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قاضی و عامل مقرر کیا تھا۔ اس دوران ایک پیچیدہ مقدمہ ان کی عدالت میں دائر ہوا جیسا کہ الطبری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اس کو حل نہ کر سکنے پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قانونی مشورہ طلب کیا: "بنو عامر مکہ میں بنو مغیرہ کو طلوعِ اسلام سے قبل بہت زیادہ سود پر رقم

قرض دیتے تھے۔ طلوعِ اسلام پر بنو مغیرہ ایک بڑے قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے جو ان پر بنو عامر کی طرف سے عائد تھا۔ انہوں نے اپنا سود طلب کیا اور بنو مغیرہ نے اس بنا پر اس کی ادائیگی سے انکار کر دیا کہ اسلام میں اس کی ممانعت آگئی ہے۔ بنو عامر نے مکہ میں عتاب کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ مقدمہ کی باقاعدہ سماعت اور کارروائی کے بعد عتاب کو اس کا فیصلہ کرنے میں مشکل محسوس ہوئی۔ اس کے لیے قانون سازی کی ضرورت تھی جس کا وہ اہل نہ تھا۔ اس پیچیدگی کے باعث انہوں نے مقدمہ مشورہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ محسوس کیا کہ ایسے معاملات سے نپٹنے کے لئے ابھی قانون نازل نہیں ہوا۔"

الطبری کی روایت کے مطابق قرآن کی مندرجہ ذیل آیات اس موقع پر نازل ہوئیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ

وَلَا تُظْلَمُوْنَ ؀ [۹۳]

اے ایمان والو اللہ سے اپنا عہد قائم رکھو اور سود میں سے جو کچھ باقی ہے چھوڑ دو (معاف کر دو) اگر تم مومن ہو اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سمجھو۔ اگر تم توبہ کرو تو تم کو تمہاری اصل رقم مل جائے گی۔ ظلم نہ کرو تم پر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب کو حکم الٰہی بھیج دیا اور ہدایت کی کہ بنو عامر کو فیصلہ سے آگاہ کر دیں۔
اگر وہ اسے قبول کر لیں تو بہتر ہے ورنہ وہ انھیں جنگ کے لیے تیار ہونے کو کہہ دیں۔ [۹۴]

تیاں صاحب یہ لیجیے ناقابلِ تردید ثبوت! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منظم، منضبط اور مربوط نظامِ عدالت قائم کیا۔ جس کے تحت مرکزی وفاقی عدالت عظمٰی قائم تھی جس کے آپؐ خود چیف جسٹس تھے۔ صوبوں میں عدالت ہائے عالیہ قائم تھیں جن کے سربراہ جلیل القدر صحابہ کرام تھے جن میں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت معاذؓ، حضرت ابو موسیٰ الاشعری شامل تھے۔ ان کے تحت ضلعی عدالتیں تھیں جن پر قابل اور دیانتدار قاضی مقرر تھے۔ ضلعی جج صوبائی ججوں سے قانونی اور آئینی مشورہ لیتے تھے اور صوبائی جج عدالت عظمٰی کے چیف جسٹس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قانونی اور آئینی رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

ہم ایک مغالطہ کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں، مغالطہ یہ ہے کہ پچھلے تقریباً دو سو سال سے مسلمان علمی، فکری اور تحقیقی طور پر زوال کا شکار ہیں۔ ان کے عدالتی، انتظامی اور قانون سازی کے ادارے دورِ حاضر کے تقاضے پورے نہیں کر رہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ جب بیسویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی کیفیت یہ ہے تو ساتویں صدی عیسوی میں تو یہ لوگ اسی نسبت سے اور زیادہ پسماندہ ہوں گے لہٰذا جدید معترضین اور بالخصوص مستشرقین جب تاریخ اسلام کے اولین عہد میں مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے انتہائی ترقی یافتہ اداروں کا حال پڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ ادارے اعلیٰ آفاقی اور ہمہ گیر اصولوں پر قائم تھے تو اس تضاد کا ان کے ہاں ایک ہی حل ہے کہ وہ قرونِ اولیٰ کے اداروں اور اصولوں کی صحت سے انکار کر دیں۔ یہ صریحاً ناانصافی ہے اور اگر اسے علمی اور تحقیقی بد دیانتی کہا جائے تو یہ بے انصافی نہ ہو گی۔

عہد رسالت میں نظام عدالت کے مباحث سے چند بنیادی نکات پیش کیے جاتے ہیں۔ اس میں نظام عدالت ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ایک ترقی یافتہ، منظم، منضبط اور مربوط نظام کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اگر اس نظام کا تقابل عہد حاضر کے عدالتی نظاموں سے کیا جائے تو جہاں تک اصولوں، نظریات، قواعد و ضوابط، عدالتی طریق کار کا تعلق ہے وہ اسی طرح موجود تھے جس طرح آج کے نظاموں میں ہیں، مگر جو بات عہد رسالت کے نظام عدالت کو صحیح طور پر سمجھنے کی راہ میں حائل ہے وہ عہد حاضر کی عدالتوں کی عظیم الشان عمارات وسیع پیمانے پر غیر ضروری اخراجات، مقدمات کو نپٹانے کے لیے عدالتی طریق کار کی پیچیدگیوں جیسے امور ہیں۔ ان کا وجود عہد رسالت کے نظام عدالت میں مفقود ہے۔ اگر عہد حاضر کے عدالتی نظام کی ترقی کا راز پرشکوہ عمارات، وسیع اخراجات اور مقدمات کی پیچیدگیوں میں مضمر ہے تو اس اعتبار سے یہ نظام عہد رسالت کے نظام سے ترقی یافتہ ہے۔ مگر کوئی صاحب علم و عقل و دانش، عمارات، اخراجات اور عدالتی پیچیدگیوں کو ترقی یافتہ نظام کی علامت قرار نہیں دے سکتا کیونکہ یہ چیزیں نظام، عوام اور معاشرے کے لیے بوجھ ہیں جبکہ نظام عدالت کا پہلا

اور بنیادی مقصد ملک و معاشرے اور قوم و ملت کے بوجھ کو کم کرنا ہے۔ عہد رسالت کے نظام عدالت کا یہی بنیادی مقصد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں عمارات، اخراجات اور پیچیدگیوں کی بجائے سادگی، سستا پن، آسانی اور سہولت نظام عدالت کے نمایاں اوصاف تھے۔ آج عدالتی طریق کار فریقین مقدمہ کے لیے سہولت کی بجائے زحمت کا سبب ہے۔ آسانی کی بجائے تنگی اور محبت کی جگہ نفرت پیدا کرتا ہے۔ موجودہ نظام عدالت کا عہد رسالت کے نظام عدالت کے طریق کار سے تقابل کیا جائے تو واضح طور پر نظر آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام عدالت ان اصولوں پر مبنی تھا جو آپ نے حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ، حضرت ابوموسی الاشعریؓ اور حضرت عمرو بن حزمؓ کو یمن کے قاضی مقرر کرتے وقت انھیں دیئے تھے۔ جن میں آپؐ نے فرمایا تھا: "آسانی پیدا کرنا، تنگی پیدا نہ کرنا، خوشی کا ماحول پیدا کرنا نفرت پیدا نہ کرنا۔" اس عہد کی عدالتی تاریخ کو بغور پڑھا جائے تو ان اصولوں کی حرف بہ حرف تصدیق ہوتی ہے۔ کسی قاضی اور عدالت کے خلاف تنگی، پیچیدگی اور نفرت پیدا کرنے کا ایک بھی واقعہ نہیں ملتا بلکہ اس کے برعکس تمام عدالتوں کی تاریخ کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ لوگوں کو سہولت اور آسانی حاصل تھی۔ خوشی اور اطمینان کا ماحول میسر تھا۔ عدل و انصاف کے تقاضے بہت جلد پورے کیے جاتے تھے۔ پیشہ ور مقدمہ باز لوگوں کا وجود نہیں ملتا تھا۔ سہولت اور آسانی کو اس حد تک ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ اگر کسی فریق کو صوبائی یا ضلعی عدالت کے حکم کے خلاف وفاقی عدالت عظمیٰ میں اپیل کے ساتھ جانا پڑتا تھا تو عام طور پر اس کو حج کے موقع پر عدالت میں طلب کیا جاتا تھا تاکہ فریقین مقدمہ کو غیر ضروری طور پر اخراجات برداشت نہ کرنے پڑیں اور وہ فریضہ حج کی ادائیگی کے دوران عدالت میں بھی حاضری دے لیں۔

مندرجہ بالا تفصیلات کو سامنے رکھا جائے تو ظاہر ہو گا کہ عہد حاضر میں پُرشکوہ عمارات کی تعمیر و مرمت و دیکھ بھال، ججوں اور وسیع عدالتی عملہ کی تنخواہوں، کورٹ فیسوں، وکیلوں کی فیسوں اور جو دیگر عدالتی اخراجات برداشت کرنا پڑتے ہیں اگر انھیں نظرانداز کر دیا جائے اور صرف اصولوں، نظریات، قواعد و ضوابط، قوانین اور عدالتی طریق کار کا تقابل کیا جائے تو ثابت ہو گا کہ عہدِ رسالت کا نظامِ عدالت اس سے زیادہ بہتر اور ترقی یافتہ اصولوں، قواعد و ضوابط اور عدالتی طریقِ کار پر مبنی تھا۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ مغربی نظام عدالت نے اصولی اور نظریاتی اعتبار سے اسلامی نظام عدالت کی نقل کی ہے مگر اس نقل کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مغرب نے اس کا اعتراف نہیں کیا۔ یہ علمی اور تحقیقی اعتبار سے بے انصافی ہے۔ عہد حاضر میں اگر اسلامی نظامِ عدالت کو پوری طرح اپنایا جائے تو مغرب نے اسلامی اصولوں، نظریات اور عدالتی طریق کار پر جو پُرشکوہ عمارات، اخراجات اور پیچیدگیوں کا غلاف چڑھایا ہے ان کا پردہ چاک ہو جائے گا اور اندر سے عدل و انصاف اور آسانی اور سہولت کے روشن اور درخشندہ اصول ظاہر ہوں گے۔

حوالہ جات و تشریحات

۱۔ علی عبدالرازق، الاسلام و اصول الحکم اردو ترجمہ از ایف ایم مجید، لاہور ۱۹۶۰ء صفحہ ۸۷ -

۲۔ ایضاً

Histoire De L'Organisation Judiciaire En Pays D'Islam , Leiden, E. J. Brill, 1960

۳- ایضاً صفحات ۶۲-۶۳ -

۴- ایضاً صفحات ۶۹-۷۰

۵- ایضاً صفحہ ۶۸

۶- ایضاً صفحہ ۶۱ il parait certain qu'il n'eut pas l'intention d'instuer Une nouvella legislation profane

۷- قرآن ۲ : ۱۷۰

۸- ایضاً ۵ : ۱۰۴

۹- ایضاً ۲۷ : ۶۹، ۷۰، ۷۱ -

۱۰- ایضاً ۲ : ۱۸۹، ۲ : ۲۱۵، ۲ : ۲۱۷، ۲ : ۲۱۹، ۲ : ۲۲۰، ۲ : ۲۲۲، ۵ : ۵، ۷ : ۱۸۶، ۸ : ۱، ۱۷ : ۸۵، ۱۸ : ۸۴، ۲۰ : ۱۰۵ -

۱۱- فضل الرحمٰن Islamic Methodology in History ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی ۱۹۶۵ء صفحہ ۴

۱۲- Duncan B. Macdonald, Development of Muslim Theology, Jurisprudence and Constitutional Theory, Lahore, 1960, p.69

۱۳- Joseph Schacht, An Introduction to Islamic Law, Oxford, 1964, pp. 10-14.

۱۴- Majid Khadduri, War and Peace in the Law of Islam, Johns Hopkins, 1960, pp. 4, 8

۱۵- N. J. Coulson, A History of Islamic Law, Edinburgh, 1964, pp. 4,9,10,15,16,23,26

۱۶- Tyan, op.ct, p.64 "Lorsqu" on parcourt,

L'Oeuvre de Mahomet, on acquiert facilement la conviction que, comme il n'a pas introduit unnouveau systeme de legislation, il n'a pas entendu instituer un nouveau systeme de jurisdiction".

۱۷- قرآن نے ان کے بیانات قلمبند کئے ہیں: "کیا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم تنہا اللہ کا کام کریں اور وہ چھوڑ دیں جو ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں۔ (۷ : ۷۰)

وہ کہتے ہیں "ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا (۵ : ۱۰۴)

Tyan op.c t. p. 64

۱۸- il est tres frappant que, dans tous les textes du Coran Ou il est question de la justice, elle est toujours de signee par le terme meme qui etait employe avant L'Islam, celni de tahkim, qui exprime precisement la notion de jurisdiction arbitrale

۱۹- See Iyau's section I "Le systeme judiciaire dan l'oruve de Mahomet" (op. cit. p. 64)

۲۰- قرآن ۷ : ۵۴
۲۱- ایضاً
۲۲- ایضاً ۲ : ۶۷
۲۳- ایضاً ۴ : ۵۸
۲۴- ایضاً ۱۷ : ۱۶
۲۵- ایضاً ۷ : ۱۴۵
۲۶- ایضاً ۴ : ۵۹
۲۷- ایضاً ۴۲ : ۳۸
۲۸- ایضاً ۱۶ : ۹۰
۲۹- ایضاً ۱۸ : ۲۶
۳۰- ایضاً ۱۱ : ۴۵
۳۱- ایضاً ۶ : ۵۷
۳۲- ایضاً ۶ : ۶۲
۳۳- ایضاً ۶۰ : ۱۰
۳۴- ایضاً ۵ : ۴۳
۳۵- ایضاً ۱۳ : ۳۷
۳۶- ایضاً ۶ : ۹۰
۳۷- ایضاً ۱۹ : ۱۲
۳۸- ایضاً ۱۲ : ۲۲
۳۹- ایضاً ۵۷ : ۲۵
۴۰- ایضاً ۴ : ۵۸
۴۱- ایضاً ۴ : ۶۵
۴۲- ایضاً ۵ : ۴۲
۴۳- ایضاً ۲ : ۴۸
۴۴- ایضاً ۶ : ۷۰
۴۵- ایضاً ۶ : ۱
۴۶- ایضاً ۶ : ۱۵۱
۴۷- ایضاً ۴ : ۱۳۵
۴۸- ایضاً ۱۶ : ۷۶
۴۹- ایضاً
۵۰- ایضاً ۶ : ۱۱۶
۵۱- ایضاً ۴ : ۳
۵۲- ایضاً ۴ : ۱۲۹
۵۳- ایضاً ۷ : ۱۵۹
۵۴- ایضاً ۱۶ : ۹۰
۵۵- ایضاً ۵ : ۹۵، ۵۶- ایضاً ۶ : ۱۵۲
۵۷- ایضاً ۵ : ۸
۵۸- ایضاً ۹ : ۴۹
۵۹- ایضاً ۲۸ : ۸۸
۶۰- ایضاً ۳۹ : ۴۲
۶۱- ایضاً ۳۳ : ۲۳
۶۲- ایضاً ۲ : ۱۱۷
۶۳- ایضاً ۲۸ : ۲۹
۶۴- ایضاً ۳۳ : ۳۷
۶۵- ایضاً
۶۶- ایضاً ۱۰ : ۷۱
۶۷- ایضاً ۲۰ : ۷۲
۶۸- ایضاً ۲۰ : ۷۱
۶۹- ایضاً ۲۰ : ۷۲
۷۰- ایضاً ۱۰ : ۷۴
۷۱- ایضاً ۳۳ : ۳۶
۷۲- ایضاً ۴ : ۶۵
۷۳- ایضاً ۳۲ : ۲۱
۷۴- ایضاً ۱۷ : ۳۵
۷۵- ایضاً ۶ : ۱۵۲
۷۶- ایضاً ۱۱ : ۸۵
۷۷- ایضاً ۲۱ : ۴۷

۷۸۔ ایضاً ۳: ۱۸

۷۹۔ ایضاً ۲۱: ۴۷

۸۰۔ ایضاً ۳: ۲۱

۸۱۔ ایضاً ۴: ۱۳۵

۸۲۔ ایضاً ۴: ۵۹

۸۳۔ ایضاً

۸۴۔ ایضاً ۴: ۶۵

۸۵۔ ایضاً

۸۶۔ اوپر ملاحظہ کیجئے زیرِ عنوان "قرائنی شہادت" باب چہارم۔

۸۷۔ اوپر ملاحظہ کیجئے زیرِ عنوان "تفتیش" باب چہارم۔

۸۸۔ اوپر ملاحظہ کیجئے زیرِ عنوان "عدالتی فیصلوں کا نفاذ" باب چہارم

۸۹۔ ابن ہشام، سیرۃ، جلد اوّل۔

۹۰۔ تیان متذکرہ بالا، صفحہ ۷۰

۹۱۔ اوپر ملاحظہ کیجئے حصہ سوم "صحراؤں کا عدالتی نظام"

۹۲۔ تیان، متذکرہ بالا، صفحات ۷۰ - ۷۱

۹۳۔ قرآن ۲: ۲۷۸، ۲۷۹ ۔

۹۴۔ الطبری، التفسیر، ایڈیشن ۱۳۲۴ھ بلاق، جلد دوم
صفحات ۶۸، ۶۹ ۔

اللہ نے توفیق دی تو ادارۂ نقوش
اسی اہتمام سے قرآن نمبر بھی پیش کرے گا

— محمد طفیل